

گفتار الباری

عقباتی صحیح البخاری

ترجمہ و تفسیر: مولانا محمد رفیع الدین

شیخ الحدیث مولانا محمد رفیع الدین

مفتی محمد رفیع الدین

مفتی محمد رفیع الدین

مفتی محمد رفیع الدین

www.ahlehaq.org

www.ahlehaq.org

کتاب نمبر و کتاب بحریہ و المودعة

کشف الباری

عنا فی صحیح البخاری

کتاب الخمس، کتاب الجزية والموادعة

المؤلف

شیخ الحدیث الاسلامیہ

ترتیب و تحقیق

مولانا حبیب اللہ زکریا

(رئیس شعبہ تعلیم، و استاذ ادب عربی جامعہ فاروقیہ کراچی)

1431ھ/2010ء

ہملہ حقوق بحق مکتبہ فاروقیہ کراچی پاکستان محفوظ ہیں

اس کتاب کا متن میں اس مکتبہ فاروقیہ سے تحریری اجازت سے بطور
تکثیر و ترویج کے شائع کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا متن و تصاویر
قانونی طور پر محفوظ ہیں۔

جميع حقوق الملكية الأدبية والفنية محفوظة

للمكتبة الفاروقية كراتشي باكستان

و یسبغ سرعاً کہ تمام حقوق
اس کتاب کو محفوظ و برائے مکتبہ فاروقیہ کراچی پاکستان
محفوظ ہے۔

Exclusive Rights by

Maktabah Farooqia Karachi-Pak.

No part of this publication may be translated, reproduced, distributed in any form or by any means or stored in a data base or retrieval system, without the prior written permission of the publisher



کشف الباری
عنا فی صحیح البخاری

مطبوعات مکتبہ فاروقیہ کراچی 75230 پاکستان

نزدیک مولانا فاروقی شاہ فیصلہ کونی ٹیر 4 کراچی 75230 پاکستان

فون 021-34575763

E-mail: farooqia@hotmail.com

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

بِسْمِ

www.allehaq.org

فهرست اجمالی

الرقم	أسماء الأبواب	الصفحة
☆	كتاب فرض الخمس	٤٨
١	باب فرض الخمس	٤٨
٢	باب أداء الخمس من الدين	٩٦
٣	باب نفقة نساء النبي ﷺ بعد وفاته	٩٨
٤	باب ما جاء في بيوت أزواج النبي ﷺ وما نسب من البيوت إليهن	١١١
٥	باب ما ذكر من درع النبي ﷺ، وعصاه وسيفه وقدره وحاتمته.....	١٣٥
٦	باب الدليل على أن الخمس لنوائب رسول الله ﷺ والمساكين.....	١٨٨
٧	باب قول الله تعالى: ﴿فَأَن لَّهْ خُمُسُهُ وَلِلرَّسُولِ﴾	٢١٣
٨	باب قول النبي ﷺ: أحلت لكم الغنائم	٢٣٠
٩	باب الغنيمة لمن شهد الواقعة	٢٦١
١٠	باب من قاتل للمغنم، هل ينقص من أجره؟	٢٦٨
١١	باب قسمة الإمام ما يقدم عليه، ويخبا لمن لم يحضره أو غاب عنه	٢٧٢
١٢	باب كيف قسم النبي ﷺ قريظة والنضير، وما أعطى من ذلك في نوائبه	٢٧٧
١٣	باب بركة الغازي في ماله حيا وميتا، مع النبي ﷺ وولاية الأمر	٢٧٩
١٤	باب إذا بعث الإمام رسولا في حاجة، أو أمره بالمقام هل يسهم له؟	٣١٤
١٥	باب ومن الدليل على أن الخمس لنوائب المسلمين.....	٣٢٢
١٦	باب ما من النبي ﷺ على الأسارى من غير أن يخمس	٣٦٥
١٧	باب ومن الدليل على أن الخمس للإمام.....	٣٦٩
١٨	باب من لم يخمس الأسلاب، ومن قتل قتिला فله سلبه من غير أن.....	٣٧٩
١٩	باب ما كان النبي ﷺ يعطي المؤلفه قلوبهم وغيرهم من الخمس ونحوه	٤٠٥
٢٠	باب ما يصيب من الطعام في أرض الحرب	٤٤٢

☆	كتاب الجزية والموادعة	٤٥٢
١	باب الجزية والموادعة مع أهل الذمة والحرب وما جاء في أخذ الجزية.....	٤٥٢
٢	باب إذا وادع الإمام ملك القرية، هل يكون ذلك لبقيتهم؟	٥٢٦
٣	باب الوصاة (الوصايا) بأهل ذمة رسول الله ﷺ	٥٣٣
٤	باب ما أقطع النبي ﷺ من البحرين، وما وعد من مال البحرين.....	٥٣٩
٥	باب إثم من قتل معاهدا بغير جرم	٥٤٩
٦	باب إخراج اليهود من جزيرة العرب	٥٥٦
٧	باب إذا غدر المشركون بالمسلمين، هل يعفى عنهم؟	٥٧٧
٨	باب دعاء الإمام علي من نكث عهده	٥٨٩
٩	باب أمان النساء وجوارهن	٥٩٢
١٠	باب ذمة المسلمين وجوارهم واحدة، يسعى بها أدناهم	٥٩٥
١١	باب إذا قالوا: صيأنا، ولم يحسنوا: أسلمنا	٥٩٩
١٢	باب الموادعة والمصالحة مع المشركين بالمال وغيره، وإثم من لم يف بالعهد	٦٠٦
١٣	باب فضل الوفاء بالعهد	٦٢٣
١٤	باب هل يعفى عن الذمي إذا سحر؟	٦٢٦
١٥	باب ما يحذر من الغدر	٦٣٨
١٦	باب كيف ينبذ إلى أهل العهد؟	٦٦٩
١٧	باب إثم من عاهد ثم غدر	٦٧٣
١٨	باب (بلا ترجمه)	٦٨٥
١٩	باب المصالحة على ثلاثة أيام أو وقت معلوم	٦٩٨
٢٠	باب الموادعة من غير وقت	٧٠٢
٢١	باب طرح جيف المشركين في البئر، ولا يؤخذ لهم ثمن	٧٠٤
٢٢	باب إثم الغادر للبئر والفاجر	٧٠٩

فہرست مضامین

صفحہ	عنوانات	صفحہ	عنوانات
۵۵	دوسری حدیث	۵	فہرست اجمالی
۵۶	تراجم رجال	۷	فہرست مضامین
۵۷	تنبیہ	۴۵	فہرست اسماء الرجال
۵۷	ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث	۴۶	عرض مرتب
۵۸	ایک تفسیری قول کا اضافہ	۴۸	کتاب فرض الخمس
۵۹	تیسری حدیث	۴۸	سابق سے مناسبت
۶۱	تراجم رجال	۴۸	اختلاف نسخ
۶۱	تنبیہ (ایک اہم وضاحت)	۴۸	باب فرض الخمس
۶۲	وکان محمد بن جبیر ذکر لی	۴۸	خمس کی لغوی واصطلاحی تعریف
۶۲	مذکورہ عبارت کا مقصد	۴۹	ترجمۃ الباب کا مقصد
۶۲	أدخل کے اعراب میں دو احتمال	۴۹	جاہلیت کا دستور اور خمس کی ابتدا
۶۳	فقال مالک	۵۰	خمس کی فرضیت کب ہوئی؟
۶۳	مالک بن اوس	۵۱	علامہ ابن بطل رحمۃ اللہ علیہ کی رائے
۶۳	بینا أنا جالس فی اہلی	۵۱	حافظ ابن حجر کی رائے اور ابن بطل کو جواب
۶۳	متع کے معنی	۵۲	احادیث باب
۶۳	إذا رسول عمر بن الخطاب	۵۲	پہلی حدیث
۶۳	فانطلقت معه حتی أدخل	۵۳	تراجم رجال
۶۳	رمال کے معنی	۵۳	ترجمہ حدیث
۶۳	فسلمت علیہ، ثم جلست	۵۵	ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت ..
۶۵	إنہ قدم علینا من قومک		

۷۳	لانورث میں روایت بالنون ہے.....
۷۴	حسن بصری کا مذہب اور جمہور کا جواب.....
۷۴	انبیاء وارث ہو سکتے ہیں؟.....
۷۴	اس مسئلے میں حنفیہ کے دو قول ہیں.....
۷۵	مذہب شافعیہ و مالکیہ.....
۷۶	حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے.....
۷۷	ایک سوال اور اس کے دو جواب.....
۷۷	صدقہ کا اعراب.....
۷۷	شیعہ شیعہ کا رد.....
۷۸	فأقبل عمر علی
۷۸	علی وعباس، فقال: أنشد كما الله....
۷۸	یہ آنے والی بات کے لیے تمہید ہے.....
۷۹	قال عمر: فأني
۷۹	أحدثكم عن هذا الأمر: إن الله.....
۷۹	مکمل آیت کریمہ اور اس کا ترجمہ.....
۷۹	مذکورہ بالا عبارت کی توضیح و شرح.....
۸۰	والله ما احتازها دونكم، ولا استأثر بها
۸۰	عليكم، قد أعطاكموها، وبثها فيكم..
۸۰	مختلف الفاظ کے معنی و ضبط اور عبارت کی تشریح
۸۱	حتى بقي منها هذا
۸۱	المال فكان رسول الله ﷺ، ينفق.....
۸۱	ایک اشکال اور اس کا جواب.....
۸۲	مجعل مال الله کی توضیح.....

۶۵	قوم سے مراد.....
۶۵	وقد أمرت فيهم برضخ.....
۶۵	رضخ کے معنی.....
۶۶	فقال: أقبضه أيها المرء.....
۶۶	فبينما أنا جالس عنده.....
۶۶	برقاً مولی عمر.....
۶۷	فقال: هل لك في عثمان.....
۶۸	آنے والے حضرات کل کتنے تھے؟.....
۶۸	فقال عباس: يا أمير
۶۸	المؤمنين، أفض بيني وبين هذا.....
۶۹	تمام طرق کا حاصل.....
۶۹	کیا عباس نے واقعی یہ کلمات کہے ہیں؟.....
۷۰	علماء کے مختلف اقوال.....
۷۱	وهما يختصمان فيما أفاء الله.....
۷۱	روایت میں اختصار.....
۷۱	فقال الرهط عثمان وأصحابه:.....
۷۲	یہ حضرات کیوں آئے تھے؟.....
۷۲	بات کس نے شروع کی تھی؟.....
۷۲	مذکورہ عبارت کی تحلیل.....
۷۲	قال عمر: تيدكم.....
۷۲	تيدکم کا ضبط اور معنی.....
۷۳	أنشدكم بالله الذي بإذنه تقوم.....
۷۳	أنشدكم کے معنی اور ضبط.....

- ۸۲ فعمل رسول اللہ ﷺ بذلك حياته
- ۸۲ ثم قال لعلي وعباس:
- ۸۲ أنشد كما بالله، هل تعلمان ذلك؟
- ۸۲ جواب استفہام کا ذکر کہاں ہے؟
- ۸۲ قال عمر: ثم
- ۸۲ توفي الله نبيه ﷺ، فقال أبو بكر:
- ۸۳ بار اور بار مارتی کے معنی اور ضبط
- ۸۳ کتاب الاعتصام اور
- ۸۳ مغازی کے حدیث باب کے طریق
- ۸۴ مسلم شریف کی ایک روایت
- ۸۴ مذکورہ تینوں طرق سے مستفاد فوائد
- ۸۴ ثم جئتماني تكلماني، وكلمتكمما
- ۸۵ حدیث باب اور امام عبدالرزاق
- ۸۵ عبدالرزاق کا حضرت عمر پر اعتراض
- ۸۵ انوک کے معنی
- ۸۶ حافظ ذہبی کی طرف سے جواب
- ۸۶ سیر میں ذہبی کا عبدالرزاق پر شدید رد
- ۸۷ حافظ ذہبی کا ایک اقتباس
- ۸۷ فقلت لکما: إن رسول الله ﷺ قال: لا نورث
- ۸۷ یہ حکم تمام انبیاء کو شامل ہے
- ۸۸ ابن شاذان اور ابن المعلم کا مناظرہ
- ۹۰ فلما بدالي أن أدفعه إليكما، قلت
- ۹۰ مذکورہ بالا عبارت کا مطلب
- ۹۰ ثم أقبل علي
- ۹۰ علي وعباس، فقال: أنشدكمما
- ۹۱ ایک اشکال اور اس کا جواب
- ۹۱ یہ حکم منقولات وغیر منقولات سب کو شامل ہے
- ۹۲ ایک سوال اور اس کا جواب
- ۹۲ واقعہ کی مزید توضیح اور وجہ نزاع
- ۹۲ انکار کی وجہ کیا تھی؟
- ۹۲ امام ابو داؤد کا جواب
- ۹۳ عمر بن شبہ سے مروی بعض فوائد
- ۹۴ حدیث کی ترجمہ الباب کے ساتھ مناسبت
- ۹۴ ایک اہم فائدہ
- ۹۴ امام زہری پر اعتراض اور اس کے جوابات
- ۹۵ حدیث سے مستنبط فوائد
- ۹۵ پانچ فوائد
- ۹۶ باب أداء الخمس من الإيمان
- ۹۶ ترجمہ الباب کا مقصد
- ۹۶ تکرار ترجمہ کا اشکال اور اس کا جواب
- ۹۷ حدیث باب
- ۹۷ تراجم رجال
- ۹۸ ترجمہ الباب کے ساتھ مناسبت
- ۹۸ باب نفقة نساء النبي ﷺ بعد وفاته
- ۹۸ ترجمہ الباب کا مقصد
- ۹۸ حدیث باب

باب ماجاء فی بیوت أزواج	۹۹	تراجم رجال	۹۹
النبي ﷺ وما نسب من البيوت إليهن	۹۹	لا يقتسم ورثتي ديناراً	۹۹
ترجمة الباب کا مقصد	۱۰۱	نفقة نسائي کی توضیح	۱۰۱
ازواج مطہرات کا قیام	۱۰۲	عامل سے کیا مراد ہے؟ (پانچ اقوال)	۱۰۲
من حیث الاسکان تھا یا من حیث الملک؟	۱۰۲	طاعات پر اجرت لینا درست ہے	۱۰۲
علامہ جمل کی تفسیر	۱۰۳	اموال کو جمع کرنا جائز ہے	۱۰۳
نبی علیہ السلام کے بیوت میں علماء کے دو قول	۱۰۴	جمع مال فقر و فاقہ اختیار کرنے سے افضل ہے	۱۰۴
امام بخاری اور گنگوہی رحمہما اللہ کی رائے	۱۰۴	ترجمة الباب کے ساتھ مناسبت حدیث	۱۰۴
ایک اہم تنبیہ	۱۰۴	حدیث باب	۱۰۴
باب کی پہلی حدیث	۱۰۵	تراجم رجال	۱۰۵
تراجم رجال	۱۰۵	توفي رسول الله ﷺ وما فی بیتي	۱۰۵
حدیث کا ترجمہ	۱۰۶	مذکورہ عبارت کی تشریح	۱۰۶
دوسری حدیث	۱۰۶	ایک اشکال اور اس کا جواب	۱۰۶
تراجم رجال	۱۰۷	فأكلت منه حتى طال علي	۱۰۷
حدیث کا ترجمہ	۱۰۷	فكلته ففني	۱۰۷
تیسری حدیث	۱۰۷	بوجہ ختم ہونے کی وجہ	۱۰۷
تراجم رجال	۱۰۸	ترجمة الباب کے ساتھ مناسبت حدیث	۱۰۸
حدیث کا ترجمہ	۱۰۸	حدیث باب	۱۰۸
مختصر شرح	۱۰۸	تراجم رجال	۱۰۸
چوتھی حدیث	۱۰۹	حدیث کا ترجمہ	۱۰۹
تراجم رجال	۱۱۰	ترجمة الباب کے ساتھ مناسبت حدیث	۱۱۰
حدیث کا ترجمہ اور مختصر شرح	۱۱۰	سند حدیث سے متعلق ایک تنبیہ	۱۱۰
پانچویں حدیث	۱۲۲		

۱۳۴	احادیث باب کی	۱۲۲	تراجم رجال
	ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت	۱۲۳	حدیث کا ترجمہ
۱۳۵	باب ما ذکر من درع النبی ﷺ	۱۲۳	چھٹی حدیث
	وعصاه وسيفه وقدحه وخاتمه	۱۲۳	تراجم رجال
۱۳۵	ترجمۃ الباب کا مقصد	۱۲۴	قام النبی ﷺ خطیباً
۱۳۵	علامہ مہلب کی رائے	۱۲۴	نبی علیہ السلام نے یہ بات کہاں ارشاد فرمائی؟
۱۳۶	حافظ صاحب کا ارشاد	۱۲۵	مختلف اقوال کے درمیان تطبیق
۱۳۶	زکریا انصاری رحمہ اللہ کی ترجیح	۱۲۶	نبی علیہ السلام نے اشارہ کس طرف کیا تھا؟
۱۳۷	ایک اشکال کا	۱۲۶	مشرق سے مراد کیا ہے؟
	حضرت گنگوہی کی طرف سے جواب	۱۲۶	پہلا قول
۱۳۷	باب کی پہلی حدیث	۱۲۷	دوسرا قول
۱۳۷	حدیث کا ترجمہ	۱۲۸	دونوں اقوال کے درمیان تطبیق
۱۳۸	ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث	۱۲۹	فتنہ سے کیا مراد ہے؟
۱۳۸	دوسری حدیث	۱۳۰	حافظ صاحب کا ارشاد
۱۳۹	تراجم رجال	۱۳۰	شیخ الحدیث رحمہ اللہ کا ارشاد
۱۳۹	عیسیٰ بن طہمان جشمی	۱۳۱	قرن کے معنی اور مراد
۱۴۰	عقیلی اور ابن حبان کا ان پر کلام	۱۳۱	چوں کفر از کعبہ بر خیزد (حاشیہ)
۱۴۰	حافظ کی طرف سے جوابات	۱۳۲	قرن الشیطان کا ظہور کب ہوگا؟
۱۴۳	حدیث کا ترجمہ	۱۳۲	ایک فائدہ
۱۴۳	جرداؤین کی تحقیق	۱۳۲	ساتویں حدیث
۱۴۳	قبالان کے معنی	۱۳۳	تراجم رجال
۱۴۳	فحدثنی ثابت البنانی بعد	۱۳۴	حدیث کا ترجمہ
۱۴۴	ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث		

۱۵۳	ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت ..	۱۴۴	تیسری حدیث
۱۵۳	پانچویں حدیث	۱۴۴	تراجم رجال
۱۵۳	تراجم رجال	۱۴۵	آخر جت إلینا عائشة
۱۵۵	أن علي بن حسين حدثه	۱۴۵	کساء ملبداً کے معنی
۱۵۵	یہ ملاقات کب ہوئی تھی؟	۱۴۶	نبی ﷺ یہ چادر کیوں استعمال فرماتے تھے؟ ...
۱۵۶	گزارش کے لیے تمہید	۱۴۶	مختلف جوابات
۱۵۶	فهل أنت معطي سيف رسول الله ﷺ ..	۱۴۶	وزاد سليمان عن حميد
۱۵۶	کون سی تلوار مراد ہے؟	۱۴۷	تعلیق مذکور کا مقصد
۱۵۷	علامہ عینی کی تحقیق	۱۴۷	تعلیق مذکور کی تخریج
۱۵۷	فإني أخاف أن يغلبك القوم عليه	۱۴۷	ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث
۱۵۷	ایک سوال اور اس کا جواب	۱۴۸	چوتھی حدیث
۱۵۸	إن علي بن أبي طالب خطب ابنه	۱۴۸	تراجم رجال
۱۵۸	ابنہ ابی جہل سے کون مراد ہے؟	۱۴۹	سند حدیث سے متعلق ایک اہم تنبیہ
۱۵۸	حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا	۱۴۹	أن قدح النبي ﷺ انكسر
۱۵۹	نبی کریم ﷺ کے خطبہ کا سبب کیا تھا؟	۱۵۰	پیالہ کس چیز کا بنا ہوا تھا؟
۱۵۹	اس میں دو قول ہیں	۱۵۰	امام احمد کی روایت کردہ ایک حدیث
۱۶۰	دونوں اقوال کے درمیان تطبیق	۱۵۰	پیالہ کس نے درست کروایا تھا؟
۱۶۰	نکاح کی پیشکش کس طرف سے تھی؟	۱۵۰	دو آراء
۱۶۲	فسمعت رسول الله ﷺ	۱۵۱	ترجیح راجح از ابن حجر
۱۶۲	يخطب الناس وأنا يومئذ محتلم	۱۵۲	قال عاصم: رأيت القدح، وشربت فيه
۱۶۲	حضرت مسور کی عمر اس وقت کیا تھی؟	۱۵۲	امام بخاری کا فعل
۱۶۲	ابن سید الناس کی رائے	۱۵۲	سونے چاندی کا جوڑا اور کڑا لگانے کا حکم
۱۶۳	حافظ ابن حجر کی رائے	۱۵۲	ائمہ اربعہ کے مذاہب

۱۶۳	ان فاطمة مني	۱۷۳	پہلی مناسبت
۱۶۳	ثم ذكر صهره له من بني عبد شمس ...	۱۷۴	دوسری مناسبت
۱۶۴	حضرت ابوالعاص بن الربيع رضي الله عنه	۱۷۴	تیسری مناسبت
۱۶۴	نام و نسب	۱۷۵	علامہ عینی کی ذکر کردہ مناسبت
۱۶۵	زینب بنت رسول اللہ ﷺ سے نکاح	۱۷۵	حدیث سے مستنبط فوائد
۱۶۵	اسارت و رہائی	۱۷۵	پہلا فائدہ
۱۶۵	نبی علیہ السلام سے ایک وعدہ اور اس کا ایفاء ..	۱۷۶	دوسرا فائدہ (سد ذریعہ)
۱۶۶	دوبارہ اسارت،	۱۷۶	تیسرا فائدہ
۱۶۶	حضرت زینب کا ان کو پناہ دینا، پھر رہائی	۱۷۶	شریف مرتضیٰ اور حدیث مسور بن مخرمہ
۱۶۷	امانت کی ادائیگی اور قبول اسلام	۱۷۷	حدیث باب
۱۶۸	اولاد (علی و امامہ)	۱۷۷	تراجم رجال
۱۶۹	وفات	۱۷۹	قال: لو كان علي ذا كرا عثمان
۱۶۹	وإني لست أحرم حلالاً، ولا أحل حراماً	۱۷۹	حدیث کا پس منظر
۱۶۹	مذکورہ عبارت کی توضیح	۱۸۰	فقال لي علي: اذهب إلى عثمان
۱۷۰	ممانعت کی وجہ کیا تھی؟	۱۸۰	فأتيته بها، فقال: أغنها عنا
۱۷۰	ابن التين کی رائے	۱۸۰	أغنها کی لغوی و صرفی تحقیق
۱۷۰	حافظ ابن حجر کی رائے	۱۸۱	حضرت عثمان کے اعراض کی وجہ
۱۷۱	ایک سوال اور اس کا جواب	۱۸۱	اس سوال کے مختلف جوابات
۱۷۱	حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تخصیص ہی کیوں؟	۱۸۲	حضرت شیخ الحدیث صاحب کی رائے
۱۷۲	ایک اشکال اور اس کے جوابات	۱۸۳	فأتيت بها علياً،
۱۷۲	پہلا جواب	۱۸۳	فأخبرته، فقال: ضعها حيث أخذتها ..
۱۷۳	دوسرا جواب	۱۸۳	حدیث سے مستنبط ایک فائدہ
۱۷۳	ترجمة الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت ..	۱۸۳	قال الحميدي: حدثنا سفيان

۱۸۵	مذکورہ تعلیق کا مقصد	۱۹۷	اجماع پر پہلی دلیل
۱۸۵	تعلیق مذکور کی تخریج	۱۹۸	دوسری دلیل
۱۸۵	مذکورہ صحیفہ کا مضمون کیا تھا؟	۱۹۸	تیسری دلیل
۱۸۶	ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث	۲۰۰	مصرف اور استحقاق میں فرق
۱۸۶	ترجمۃ الباب کے ساتھ متعلق ایک بحث	۲۰۰	خلاصہ بحث
۱۸۸	باب الدلیل علی أن	۲۰۱	ایک سوال اور اس کے جوابات
	الخمس لنواب رسول اللہ ﷺ	۲۰۱	ایک اور اشکال اور اس کے جوابات
۱۸۸	ترجمۃ الباب کی نحوی تحلیل و مفہوم	۲۰۲	ذوی القربی سے مراد کون لوگ ہیں؟
۱۸۹	ترجمۃ الباب کی لغوی تحقیق	۲۰۲	پہلا قول
۱۸۹	ترجمۃ الباب کا مقصد	۲۰۳	دوسرا قول
۱۸۹	خمس کن لوگوں کو دیا جائے گا؟	۲۰۳	تیسرا قول
۱۸۹	ائمہ اربعہ کے مذاہب	۲۰۳	ذوی القربی سے متعلق احکام
۱۹۱	ماخذ مذاہب	۲۰۳	پہلا حکم
۱۹۱	آیت کریمہ ﴿وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ	۲۰۳	دوسرا حکم
	مِنْ شَيْءٍ﴾ کی تفسیر میں علماء کا اختلاف	۲۰۳	تیسرا حکم
۱۹۱	اس آیت میں لفظ 'اللہ' کا کیا موقع ہے؟	۲۰۵	حدیث باب
۱۹۳	ایک اشکال اور اس کا جواب	۲۰۵	تراجم رجال
۱۹۳	سہم الرسول کے معنی اور اس میں اختلاف	۲۰۶	حدیث باب کا ترجمہ
۱۹۳	سہم ذی القربی اور اس میں اختلاف	۲۰۷	حدیث کے بعض اجزا کی شرح
۱۹۵	استحقاق خمس کی بنیاد کیا ہے؟	۲۰۷	ام الحکم بنت الزبیر کی روایت
۱۹۵	شوافع کی رائے	۲۰۸	حضرت فاطمہ نے اپنی حاجت کا ذکر کن سے کیا تھا؟
۱۹۵	احناف کا موقف مبرہن	۲۰۸	فأنا و قد دخلنا مضاجعنا
۱۹۷	خلفائے راشدین کا اجماع	۲۰۸	اس عبارت سے مستنبط چار فوائد

۲۲۰	روایت کو تین طرق سے لانے کا سبب	۲۰۹	الأمر فوق الأدب
۲۲۱	ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث	۲۰۹	برودت سے مراد حسی ہے یا مجازی؟
۲۲۱	دوسری حدیث	۲۱۰	رائج قول
۲۲۲	تراجم رجال	۲۱۰	فقال: ألا أدلكما على خير
۲۲۳	حدیث کا ترجمہ	۲۱۰	مذکورہ عبارت کی توضیح
۲۲۳	حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت	۲۱۱	تلقین کردہ کلمات کی حکمت و خاصیت
۲۲۳	تیسری حدیث	۲۱۲	ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت ..
۲۲۳	تراجم رجال	۲۱۲	ایک اہم تنبیہ
۲۲۳	قال: ما أعطیکم، ولا أمنعکم	۲۱۳	باب قول اللہ تعالیٰ:
۲۲۳	حدیث کی مختصر شرح	۲۱۳	﴿فإن لله خمسہ وللرسول﴾
۲۲۵	ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث	۲۱۳	ترجمۃ الباب کا مقصد
۲۲۵	چوتھی حدیث	۲۱۳	آیت کریمہ کی تفسیر میں اختلاف
۲۲۵	تراجم رجال	۲۱۳	یہ لام تملیک ہے یا کچھ اور؟
۲۲۶	حضرت خولہ الانصاریہ رضی اللہ عنہا	۲۱۳	امام بخاری کن رائے
۲۲۷	قالت: سمعت النبی ﷺ	۲۱۳	امام شافعی کی رائے
۲۲۷	يقول: إن رجالا يتخوضون في	۲۱۵	﴿وللرسول﴾ کے تخصیص بالذکر کی وجہ
۲۲۷	يتخوضون کے معنی	۲۱۶	قال رسول اللہ ﷺ: إنما أنا قاسم
۲۲۷	حدیث باب کی مزید تفصیل	۲۱۶	تعلیق کا مقصد
۲۲۸	بعض جملوں کی وضاحت	۲۱۶	مذکورہ تعلیق کی موصولاً تخریج
۲۲۸	ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت ..	۲۱۷	مذکورہ تعلیق کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت
۲۲۸	علماء و شراح کی مختلف آرا	۲۱۷	باب کی پہلی حدیث
۲۲۹	حدیث سے مستنبط فائدے	۲۱۸	تراجم رجال
۲۳۰	باب قول النبی ﷺ: أحلت لكم الغنائم	۲۱۹	حدیث کا ایک اور طریق

۲۳۰	تراجم رجال
۲۳۱	قال النبی ﷺ: غزا نبي من الأنبياء
۲۳۱	یہ نبی کون تھے؟
۲۳۲	رائج قول
۲۳۲	کیا جس شمس صرف
	حضرت یوشع علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے؟
۲۳۲	حدیث حصر اور مذکورہ واقعات کے درمیان تطبیق
۲۳۲	رد الشمس کے واقعات
۲۳۲	پہلا واقعہ
۲۳۶	دوسرا واقعہ
۲۳۶	تیسرا واقعہ
۲۳۸	علماء کا تیسرے واقعے میں اختلاف
۲۳۸	ابن تیمیہ کی امام طحاوی پر تنقید
۲۳۸	امام طحاوی اور حدیث رد الشمس علی
۲۳۹	ابن تیمیہ کو جواب
۲۳۹	علامہ کوثری کا ارشاد
۲۳۹	فقال لقومه: لا يتبعني رجل ملك يضع امرأة
۲۵۰	بضع کے معنی
۲۵۰	ولما بین بها کی توضیح
۲۵۰	عدم دخول کی قید کیوں لگائی گئی؟
۲۵۰	ولا أحد بنی بیوتا ولم یرفع سقفوها
۲۵۱	ولا أحد اشتری غنما أو خلفات
۲۵۱	خلفات کی معنوی تحقیق

۲۳۰	اختلاف نسخ
۲۳۰	ترجمہ الباب کا مقصد
۲۳۰	وهي للعامة حتی کے معنی
۲۳۱	باب کی پہلی حدیث
۲۳۱	تراجم رجال
۲۳۲	ترجمہ الباب کے ساتھ مناسبت
۲۳۲	دوسری حدیث
۲۳۲	تراجم رجال
۲۳۳	حدیث کا ترجمہ
۲۳۳	حدیث کی ترجمہ الباب سے مناسبت
۲۳۴	تیسری حدیث
۲۳۴	تراجم رجال
۲۳۴	اسحاق سے مراد کون ہے؟
۲۳۵	چوتھی حدیث
۲۳۵	تراجم رجال
۲۳۶	مکمل حدیث اور اس کا ترجمہ
۲۳۶	تفسیر اور سابقہ امم
۲۳۷	ترجمہ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث
۲۳۸	پانچویں حدیث
۲۳۸	تراجم رجال
۲۳۹	حدیث کا ترجمہ
۲۳۹	ترجمہ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث
۲۳۹	چھٹی حدیث

- ۲۵۱ اونٹنی اور بکری کے ذکر کی وجہ
- ۲۵۱ او تنويع کے لیے ہے یا شک کے لیے؟
- ۲۵۲ ان افراد کو ممانعت کی حکمت
- ۲۵۳ فدنا من القرية صلاة العصر أو
- ۲۵۳ قریہ سے اریحہ شہر مراد ہے
- ۲۵۴ حضرت یوشع علیہ السلام کا جبارہ کے ساتھ جہاد
- ۲۵۵ فقال للشمس: إنك مأمورة، وأنا مأمور
- ۲۵۵ سورج کو خطاب کی حقیقت
- ۲۵۵ سورج کو خطاب حقیقت
- پر محمول ہے یا مجاز پر اور رائج قول
- ۲۵۶ کیفیت جس میں اختلاف
- ۲۵۷ فجمع الغنائم، فجاءت - یعنی النار - لتأكلها
- ۲۵۷ فلم تطعمها کے بیان کی حکمت
- ۲۵۷ فقال: إن فيكم غلولا
- ۲۵۷ فليبايعني من كل
- قبيلة رجل فلزقت يد رجل بيده
- ۲۵۸ روایات میں اختلاف
- ابن المنیر کا ارشاد
- ایک اہم واقعہ (حاشیہ)
- فجاءوا برأس مثل رأس بقرة
- اس جملے کا مطلب
- ۲۶۰ تم أحل الله لنا الغنائم
- ۲۶۰ مذکورہ عبارت کی تشریح
- ۲۶۱ ترجمة الباب کے ساتھ مناسبت حدیث
- ۲۶۱ باب الغنime لمن شهد الواقعة
- ۲۶۱ ترجمة الباب کا مقصد
- ۲۶۱ اثر مذکور کی موضوعات تخریج
- ۲۶۲ استحقاق غنیمت کی شرائط
- ۲۶۳ مسئلہ حدیث باب
- ۲۶۳ اتفاقی صورت
- ۲۶۳ اختلافی صورت
- ۲۶۳ دلائل احناف
- ۲۶۴ ائمہ ثلاثہ کے دلائل اور ان کے جوابات
- ۲۶۶ حدیث باب
- ۲۶۶ تراجم رجال
- ۲۶۷ قال عمر: عود خير المسلمين
- ۲۶۷ مفصل حدیث
- ۲۶۸ ترجمة الباب کے ساتھ مناسبت حدیث
- ۲۶۸ باب من قاتل
- للمغنم هل ينقص من أجره؟
- ۲۶۸ ترجمة الباب کا مقصد
- ۲۶۹ ترجمہ میں مذکور مسئلے میں علماء کا اختلاف
- ۲۶۹ رائج قول جمہور کا ہے
- ۲۷۰ حدیث باب
- ۲۷۰ تراجم رجال
- ۲۷۲ ترجمة الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

۲۷۷	تراجم رجال
۲۷۸	حدیث کا ترجمہ
۲۷۸	حدیث کی مختصر شرح
۲۷۹	ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت ..
۲۷۹	باب بركة الغازی فی مالہ حیا
	ومیتا، مع النبی ﷺ وولایة الأمر
۲۷۹	ترجمۃ الباب کا مقصد
۲۸۰	ایک تنبیہ
۲۸۰	حدیث باب
۲۸۱	تراجم رجال
۲۸۲	قال: لما وقف الزبير يوم الحمل
۲۸۲	يوم الحمل (جنگِ جمل)
۲۸۵	فقال: يا بني، لا يقتل اليوم إلا ظالم أو مظلوم
۲۸۵	اس جملے کے مختلف مطالب
۲۸۷	وإني لا أراي إلا سأقتل اليوم مظلوما ..
۲۸۷	أراي کا ضبط اور معنی
۲۸۷	وإن من أكبر همي لديني
۲۸۷	أفتری کی توضیح
۲۸۷	فقال: يا بني، بع مالنا، فاقض ديني
۲۸۸	مذکورہ عبارت کی تشریح و تحلیل
۲۸۸	قال هشام: وكان بعض ولد عبد الله قد وازى
۲۸۹	وازی کے معنی اور ضبط
۲۸۹	اس جملے کا مطلب

۲۷۲	باب قسمة الإمام ما يقدم
	عليه ويخبا لمن لم يحضره
۲۷۲	ترجمۃ الباب کا مقصد
۲۷۲	ابن المنیر کی رائے
۲۷۲	دوسرے شراح کی رائج رائے
۲۷۲	حدیث باب
۲۷۳	تراجم رجال
۲۷۳	حدیث کا ترجمہ
۲۷۴	أن النبي ﷺ أهديت له أقبية
۲۷۴	مزرعة کا ضبط اور معنی
۲۷۴	ادعہ لي کی مختصر توضیح
۲۷۵	ورواه ابن علي بن أيوب
۲۷۵	مذکورہ تعلیقات کا مقصد
۲۷۵	مذکورہ تعلیقات کی تخریج
۲۷۶	تابعه اللث عن ابن أبي مليكة
۲۷۶	مذکورہ متابعت کا مقصد
۲۷۶	مذکورہ متابعت کی تخریج
۲۷۶	اصیلی کا ایک وہم
۲۷۷	ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث
۲۷۷	باب كيف قسم النبي ﷺ قريظة
	والنضير؟ وما أعطى من ذلك في نوائبه
۲۷۷	ترجمۃ الباب کا مقصد
۲۷۷	حدیث باب

- ۲۹۸ فکتمہ، فقال: مائة ألف
- ۲۹۸ کیا یہ جھوٹ اور غلط بیانی نہیں؟
- ۲۹۹ اصل دین کی مقدار چھپانے کی وجہ
- ۳۰۰ وکان الزبير اشترى الغاية بسبعين
- ۳۰۰ ثم قام، فقال: من كان له على الزبير حق فليوافنا بالغاية
- ۳۰۰ فأناه عبد الله بن جعفر
- ۳۰۱ وکان له على الزبير أربع مائة ألف
- ۳۰۱ مذکورہ ملاقات کی مزید تفصیل
- ۳۰۲ قال: فباع منها، فقضى دينه
- ۳۰۲ منها سے مراد
- ۳۰۲ فقدم على معاوية - وعنده عمرو بن عثمان، والسند بن الزبير، وابن زمعة
- ۳۰۲ المنذر بن الزبير
- ۳۰۳ ابن زمعة (عبد الله بن زمعة رضي الله عنه)
- ۳۰۴ حافظ ذہبی اور علامہ عینی کا ایک تسامح
- ۳۰۵ ابن زمعة رضي الله عنه سے مروی روایات
- ۳۰۵ فقال له معاوية: كم قومت الغابة؟
- ۳۰۶ لفظ مائة کا ضبط
- ۳۰۶ فلما فرغ ابن الزبير من قضاء دينه قال بنو الزبير: اقسام بيننا ميراثنا. قال: لا والله..
- ۳۰۷ مذکورہ عبارت کی شرح
- ۳۰۷ المرسم کے معنی

- ۲۸۹ مختلف احتمالات اور قول رائج
- ۲۹۰ خبيب وعباد کا اعراب
- ۲۹۰ حافظ کا ایک سہو اور اس پر عینی کی تنبیہ
- ۲۹۰ خبيب (ابن عبد الله بن زبير)
- ۲۹۲ وله يومئذ تسعة بنين وتسع بنات
- ۲۹۳ له کی ضمیر کا مرجع اور علامہ کرمانی کا تسامح
- ۲۹۳ حضرت زبير کی نرینہ اولاد اور ان کی مائیں
- ۲۹۳ حضرت زبير کی صاحب زادیاں اور ان کی مائیں
- ۲۹۳ قال عبد الله: فجعل يوصيني
- ۲۹۴ حضرت عبد الله کی تشویش کی وجہ
- ۲۹۴ فقتل الزبير رضي الله عنه، ولم يدع ديناً أولاً درهماً، إلا أرضين منها
- ۲۹۴ أرضين میں حافظ کا تسامح
- ۲۹۵ الغابة
- ۲۹۵ قال: وإنما كان دينه الذي عليه
- ۲۹۶ حضرت زبير رضي الله عنه کا کمال احتیاط و تقویٰ
- ۲۹۷ وما ولي إمارة قط، ولا جباية خراج
- ۲۹۷ ایک وہم کا دفعیہ
- ۲۹۸ قال عبد الله بن الزبير: فحسبت ما عليه
- ۲۹۸ حسبت کے معنی اور ضبط
- ۲۹۸ قال: فلقني حكيم بن حزام
- ۲۹۸ عبد الله بن الزبير، فقال: يا ابن أخي
- ۲۹۸ ابن اخي کہنے کی وجہ

- ۳۱۶ احناف کی طرف سے جمہور کو جواب
- ۳۱۶ حدیث باب
- ۳۱۷ تراجم رجال
- ۳۱۸ قال: إنما تعيب عثمان عن بدر
- ۳۱۸ حدیث کا ترجمہ
- ۳۱۸ حدیث باب کا پس منظر
- ۳۱۹ حدیث باب کے بعض اجزاء کی شرح
- ۳۱۹ حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بنت سید البشر
- ۳۲۱ ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت
- ۳۲۱ ترجمۃ الباب پر اعتراض اور اس کے جوابات
- ۳۲۲ باب ومن الدلیل علی أن الخمس
لنواب المسلمین ما سأل هو ازن
- ۳۲۲ ترجمۃ الباب کا ترجمہ
- ۳۲۳ ترجمۃ الباب کی نحوی تحلیل
- ۳۲۳ واو عاطفہ یا استفہاجیہ
- ۳۲۴ راجح قول
- ۳۲۴ ترجمۃ الباب کا مقصد
- ۳۲۴ تعلیقات کا مقصد
- ۳۲۴ تعلیقات کی موصوٰۃ تخریج
- ۳۲۵ تعلیقات کی ترجمہ کے ساتھ مناسبت
- ۳۲۶ باب کی پہلی حدیث
- ۳۲۶ تراجم رجال
- ۳۲۸ ترجمۃ الباب اور حدیث باب
- ۳۰۷ چار سال کی تخصیص کی وجہ
- ۳۰۷ قال: وكان للزبير أربع نسوة
- ۳۰۸ حضرت زبیر کی ازواج اور کل نکاح
- ۳۰۸ فأصاب كل امرأة ألف ألف ومائتا ألف
فجميع ماله خمسون ألف ألف ومائتا ألف
- ۳۰۹ مذکورہ عبارت کی توضیح
- ۳۰۹ اشکال اور اس کے جوابات
- ۳۱۰ جواب نمبر ۱
- ۳۱۱ جواب نمبر ۲
- ۳۱۱ جواب نمبر ۳
- ۳۱۱ جواب نمبر ۴
- ۳۱۲ متین حدیث سے متعلق ایک وضاحت
- ۳۱۳ جواب استفہام کا ذکر
- ۳۱۳ ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت
- ۳۱۴ باب إذا بعث الإمام رسولا في
حاجة أو أمره بالمقام هل يسهم له؟
- ۳۱۴ ترجمۃ الباب کا مقصد
- ۳۱۴ مسئلہ باب میں علماء کا اختلاف
- ۳۱۴ ائمہ ثلاثہ کی دلیل
- ۳۱۵ احناف کی دلیل
- ۳۱۵ وہ صحابہ جو بدر میں شریک نہ
ہونے کے باوصف مستحق سہم رہے (حاشیہ)
- ۳۱۶ جمہور کی طرف سے جواب

۳۲۸	ایک اشکال اور اس کا جواب	۳۲۸	فکانت سہمانہ
۳۲۸	طبرانی کی دو روایتوں کا خلاصہ	۳۲۸	اثني عشر بعیرا أو أحد عشر بعیرا
۳۲۹	حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت ..	۳۲۹	مذکورہ عبارت کا صحیح محمل
۳۲۹	دوسری حدیث	۳۲۹	شرکاء کے حصے میں کتنے کتنے اونٹ آئے؟ ..
۳۳۰	تراجم رجال	۳۳۰	اثني عشر بعیرا کی مراد
۳۳۱	قاسم بن عاصم کلینی	۳۳۰	ایک اعتراض اور اس کے مختلف جوابات
۳۳۱	یہ کلینی ہیں یا کلینی؟ (حاشیہ)	۳۳۰	ابن عبد البر کا اعتراض اور اس کا جواب
۳۳۲	وحدثني القاسم بن	۳۳۲	ایک فائدہ
۳۳۲	عاصم الكليني، وأنا لحدیث القاسم ...	۳۳۳	ونفلوا بعیرا بعیرا
۳۳۲	مذکورہ عبارت کا مقصد	۳۳۳	منفل کون تھا؟
۳۳۳	ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث	۳۳۳	مختلف احتمالات اور رائج قول
۳۳۳	تیسری حدیث	۳۳۳	ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث
۳۳۳	تراجم رجال	۳۳۴	ایک فائدہ
۳۳۴	عن ابن عمر أن رسول الله ﷺ بعث سرية	۳۳۴	پوچھی حدیث
۳۳۴	یہ کون سا سریہ ہے؟	۳۳۴	تراجم رجال
۳۳۴	مذکورہ سریہ کا مختصر تذکرہ	۳۳۵	حدیث کا ترجمہ
۳۳۵	نفل کی لغوی و اصطلاحی تعریف	۳۳۵	حافظ کا حدیث باب سے استدلال
۳۳۵	نفل کی مشروعیت	۳۳۶	حافظ کے مذکورہ استدلال کی وجہ
۳۳۶	نفل کی تین صورتیں	۳۳۶	حضرت شیخ الحدیث کی طرف سے جواب
۳۳۷	تینوں صورتوں کا حکم	۳۳۷	ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت ..
۳۳۷	محل تفصیل	۳۳۷	پانچویں حدیث
۳۳۸	نفل کی مقدار	۳۳۷	تراجم رجال
۳۳۸	نفل کی دو مقداریں ادنیٰ اور اعلیٰ	۳۳۸	عن أبي موسى قال: بلغنا مخرج النبي .

- مخرج سے کیا مراد ہے؟ ۳۴۸
- فخر جنا منہاجرین الیہ، أنا وأخوان لی . ۳۴۹
- ابو بردہ رضی اللہ عنہ ۳۴۹
- تنبیہ ۳۵۰
- أبو زہم ۳۵۰
- إما قال فی بضع، وإما قال فی ثلاثة ۳۵۰
- وخمسين أو اثنين وخمسين رجلاً ۳۵۰
- یہ حضرات کل کتنے تھے؟ ۳۵۰
- فر کبنا سفینة ۳۵۱
- فأقمنا معه، حتی قدمنا جميعا ۳۵۱
- فوافقنا النبي ﷺ حين افتتح خیبر ۳۵۲
- مختلف احتمالات ۳۵۲
- یہ شرکت کس مد سے تھی؟ ۳۵۲
- ترجمة الباب کے ساتھ مناسبت حدیث ۳۵۳
- چھٹی حدیث ۳۵۳
- تراجم رجال ۳۵۴
- قال رسول ﷺ: لو قد جاء مال البحرين ۳۵۵
- یہ مال کس مد سے تھا؟ ۳۵۵
- فلما جاء مال البحرين أمر أبو بكر مناديا ۳۵۵
- فأنبئه، فقلت: إن رسول الله ﷺ ۳۵۶
- قال لي كذا وكذا، فحثا لي ثلاثا ۳۵۶
- ثلاثا سے مراد ۳۵۶
- وجعل سفيان يحثو بكفيه جميعا، ثم قال لنا ۳۵۶
- قال: قلت تبخل ۳۵۷
- علي، ما منعك من مرة إلا وأنا أريد .. ۳۵۷
- ممانعت کی وجہ کیا تھی؟ ۳۵۷
- قال سفيان: وحدثنا عمرو ۳۵۸
- مذکورہ عبارت کا مقصد ۳۵۸
- وقال - يعني ابن ۳۵۸
- المنكدر -: وأي داء أدوى من البخل؟! ۳۵۸
- یہ جملہ کس کا ہے؟ ۳۵۹
- لفظ أدوى کی تحقیق ۳۵۹
- ترجمة الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت .. ۳۵۹
- بیان مناسبت میں علماء کی مختلف آرا ۳۵۹
- باب کی ساتویں حدیث ۳۶۰
- تراجم رجال ۳۶۰
- بينما رسول الله ﷺ يقسم غنيمة بالجعرانة ۳۶۱
- یہ واقعہ کب کا ہے؟ ۳۶۱
- إذ قال له رجل: اعدل ۳۶۲
- یہ آدمی کون تھا؟ ۳۶۲
- مختلف احتمالات اور رائج قول ۳۶۲
- قال: لقد شقيتُ إن لم أعدل ۳۶۳
- شقيت کے معنی ۳۶۴
- لفظ شقيت میں دو احتمال ۳۶۴
- ترجمة الباب کے ساتھ مطابقت حدیث ۳۶۴
- علامہ عینی کی رائے ۳۶۴

۳۶۵	علامہ کورانی حنفی کا ارشاد	۳۷۲	حدیث باب
۳۶۵	باب ما من النبی ﷺ	۳۷۳	تراجم رجال
۳۶۵	علی الأساری من غیر أن یخمس	۳۷۳	حدیث کا ترجمہ
۳۶۵	ترجمۃ الباب کا مقصد	۳۷۴	ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث
۳۶۵	وجہ استدلال	۳۷۴	شیء واحد میں نسخوں اور روایات کا اختلاف
۳۶۶	غائبین غنیمت کے مالک کب ہوتے ہیں؟	۳۷۴	اکثر حضرات کا قول اور رائج
۳۶۶	حدیث باب	۳۷۵	واحد یا أحد
۳۶۶	تراجم رجال	۳۷۵	قال الیث: حدثني یونس
۳۶۷	لو كان المطعم بن عدي حیا	۳۷۵	تعلیق مذکور کی تخریج
۳۶۸	مطعم بن عدي کی تخصیص کی وجہ	۳۷۶	تعلیق مذکور کا مقصد
۳۶۸	النسبی کی لغوی و صرفی تحقیق	۳۷۶	ترجمۃ الباب کے ساتھ تعلیق کی مناسبت
۳۶۸	ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت	۳۷۶	وقال ابن إسحاق: عید شمس
۳۶۹	باب ومن الدلیل علی أن الخمس للإمام، وأنه یعطی بعض قرابته دون بعض	۳۷۶	وہاشم والمطلب إخوة لأُم، وأُمهم
۳۶۹	ترجمۃ الباب کا مقصد	۳۷۷	امام ابن جریر کی ایک روایت
۳۶۹	ترجمۃ الباب کی نحوی تحلیل	۳۷۷	امام زبیر بن بکار کا ایک ارشاد
۳۷۰	وقال عمر بن عبد العزيز: لم یعمهم بذلك	۳۷۸	ابوطالب کے قصیدہ لامیہ کے بعض اشعار
۳۷۰	تعلیق مذکور کی لغوی و نحوی تحلیل	۳۷۸	تعلیق کا مقصد
۳۷۰	ابن مالک کا بیان کردہ ایک فائدہ	۳۷۸	تعلیق مذکور کی تخریج
۳۷۱	تعلیق مذکور کا مطلب	۳۷۹	باب من لم یخمس الأسلاب
۳۷۱	تعلیق مذکور کا مقصد	۳۷۹	اسلاب لغوی و اصطلاحی
۳۷۲	تعلیق کی ترجمہ سے مناسبت	۳۷۹	حکم تکلفی (مشروعیت سلب)
۳۷۲	تعلیق مذکور کی تخریج	۳۷۹	استحقاق سلب کے لیے اذن امام ضروری ہے؟
		۳۷۹	اختلاف فقہاء

- ۳۸۹ لفظ حکم کے اعراب میں دو احتمال
- ۳۹۰ حدیث باب
- ۳۹۱ تراجم رجال
- ۳۹۱ بیانا انا واقف فی الصف یوم بدر
- ۳۹۲ فاذا انا بعلامین من الأنصار
- ۳۹۲ تمنیت ان اکور بین أضلع منہما
- ۳۹۲ أضلع کی لغوی و صرفی تحقیق
- ۳۹۲ حافظ کا تسامح اور بینی کی تحقیق
- ۳۹۲ أضلع میں نسخوں کا اختلاف
- ۳۹۳ لا یفارق سواد ی سوادہ
- ۳۹۳ حتی یموت الأعجل منا
- ۳۹۴ ایک نو عمر صحابی کی عقل کا کمال
- ۳۹۴ فلم أنشب أن نظرت إلى أبي جہل
- ۳۹۴ لم أنشب کے معنی وضبط
- ۳۹۴ فابتدراہ بسیفیہما
- ۳۹۴ فنظر فی السیفین، فقال: کلا کما قتله
- ۳۹۵ علامہ مہلب کا ارشاد گرامی
- ۳۹۵ سلبہ لمعاذ بن عمرو بن الجموح
- ۳۹۵ امام طحاوی کا ایک استدلال اور اس کے ضعف پر تنبیہ
- ۳۹۶ ابو جہل کی تلوار ابن مسعود کو کیوں دی گئی؟
- ۳۹۶ وکانا معاذ بن عفراء، ومعاذ بن
- ۳۹۶ معاذ بن عفراء
- ۳۹۷ معاذ بن عمرو بن الجموح
- ۳۸۰ دلائل ائمہ
- ۳۸۰ دلائل احناف
- ۳۸۱ وجہ استدلال
- ۳۸۲ سلب کا مستحق کون ہوتا ہے؟
- ۳۸۲ اپنی جان خطرے میں ڈالے
- ۳۸۳ مقتول کے قتل کی شرعی اجازت ہو
- ۳۸۳ قتل کر دے یا
- ۳۸۳ دوران قتال قتل کرے
- ۳۸۴ کیا استحقاق سلب کے لیے بینہ ضروری ہے؟
- ۳۸۴ اختلاف فقہاء اور ان کے دلائل
- ۳۸۵ بینہ سے کیا مراد ہے؟
- ۳۸۵ سلب میں تخمیس جاری ہوگی یا نہیں؟
- ۳۸۵ پہلا مذہب (شافعیہ اور حنابلہ)
- ۳۸۶ دوسرا مذہب (اوزاعی و مکحول)
- ۳۸۶ تیسرا مذہب (اسحاق بن راہویہ)
- ۳۸۶ چوتھا مذہب (مالکیہ و حنفیہ)
- ۳۸۷ سلب میں کون سی چیزیں ملیں گی؟
- ۳۸۷ بعض جزئیات میں علماء کا اختلاف
- ۳۸۸ ترجمۃ الباب کا مقصد
- ۳۸۹ ومن قتل قتیلا فله سلبہ
- ۳۸۹ من غیر أن یحتمس
- ۳۸۹ امام بخاری کا تفقہ
- ۳۸۹ وحکم الإمام فیہ

۳۹۸	ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث	۴۰۸	تنبیہ
۳۹۸	قال محمد: سمع يوسف صالحا	۴۰۹	مؤلفۃ القلوب کو کہاں سے دیا جاتا تھا؟
۳۹۸	مذکورہ جملے کا مطلب	۴۰۹	رواہ عبد اللہ بن زید
۳۹۸	مذکورہ جملے کا مقصد	۴۰۹	تعلیق مذکور کا مقصد
۳۹۸	بعض حضرات کا حدیث کو منقطع کہنا اور اس کا جواب	۴۰۹	تعلیق مذکور کی تخریج
۳۹۸	امام بزار کی ایک روایت سے استدلال	۴۱۰	تعلیق کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت
۳۹۹	باب کی دوسری حدیث	۴۱۰	باب کی پہلی حدیث
۴۰۰	تراجم رجال	۴۱۰	تراجم رجال
۴۰۱	حدیث کا ترجمہ	۴۱۱	ترجمہ حدیث
۴۰۲	ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث	۴۱۲	ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث
۴۰۲	سلب حق شرعی ہے یا حق امامت؟	۴۱۳	باب کی دوسری حدیث
۴۰۳	علامہ ابن القیم رحمہ اللہ کی تحقیق انیق	۴۱۳	تراجم رجال
۴۰۵	باب ما كان النبي ﷺ يعطي المؤلفه	۴۱۴	أن عمر بن الخطاب قال: يا رسول الله
	قلوبهم وغيرهم من الخمس	۴۱۴	ایک حدیث اور تین احکام
۴۰۵	ترجمۃ الباب کا مقصد	۴۱۴	وأصاب عمر جارييتين من سبي حنين
۴۰۶	مؤلفۃ القلوب کن کو کہا جاتا ہے؟	۴۱۵	باندیاں دو تھیں یا ایک؟
۴۰۶	مؤلفۃ القلوب کی تین قسمیں	۴۱۵	رائج قول
۴۰۶	ترجمہ کے لفظ وغیرہم سے متعلق ایک اہم تنبیہ	۴۱۶	وزاد جرير بن حازم عن أيوب
۴۰۷	مؤلفۃ القلوب کا حصہ اب باقی ہے یا نہیں؟	۴۱۶	تعلیق مذکور کا مقصد
۴۰۷	ائمہ ثلاثہ کا مذہب	۴۱۷	تعلیق مذکور کی تخریج
۴۰۷	احناف کا مسلک	۴۱۷	ورواہ معمر عن أيوب
۴۰۸	صحابہ کا اجماع	۴۱۷	تعلیق مذکور کا مقصد
۴۰۸	حکم معلول بالعلہ کا حکم	۴۱۷	تخریج تعلیق

۴۱۷	ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث	۴۱۷	ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث
۴۱۷	تیسری حدیث	۴۱۷	تیسری حدیث
۴۱۸	تراجم رجال	۴۱۸	تراجم رجال
۴۱۸	قال: أعطی رسول اللہ ﷺ قوما	۴۱۸	قال: أعطی رسول اللہ ﷺ قوما
۴۱۹	عذاب کے معنی	۴۱۹	عذاب کے معنی
۴۱۹	فقال: إني أعطي	۴۱۹	فقال: إني أعطي
۴۱۹	قوما أخاف ظنهم وحر غمهم	۴۱۹	قوما أخاف ظنهم وحر غمهم
۴۱۹	عبارت کا مطلب اور ظلع کے معنی	۴۱۹	عبارت کا مطلب اور ظلع کے معنی
۴۱۹	وأكل أقواما إني ما جعل الله في قلوبهم	۴۱۹	وأكل أقواما إني ما جعل الله في قلوبهم
۴۱۹	مذکورہ عبارت کی توضیح و تشریح	۴۱۹	مذکورہ عبارت کی توضیح و تشریح
۴۱۹	منهم عمرو بن تغلب	۴۱۹	منهم عمرو بن تغلب
۴۲۰	فقال عمرو بن تغلب:	۴۲۰	فقال عمرو بن تغلب:
۴۲۰	ما أحب أن لي بكلمة رسول الله	۴۲۰	ما أحب أن لي بكلمة رسول الله
۴۲۰	اس جملے کے دو مطلب	۴۲۰	اس جملے کے دو مطلب
۴۲۱	وزاد أبو غاصم عن جرير	۴۲۱	وزاد أبو غاصم عن جرير
۴۲۱	تعليق مذکور کا مقصد	۴۲۱	تعليق مذکور کا مقصد
۴۲۱	تعليق مذکور کی تخریج	۴۲۱	تعليق مذکور کی تخریج
۴۲۱	ترجمۃ الباب سے حدیث کی مطابقت	۴۲۱	ترجمۃ الباب سے حدیث کی مطابقت
۴۲۲	چوتھی حدیث	۴۲۲	چوتھی حدیث
۴۲۲	تراجم رجال	۴۲۲	تراجم رجال
۴۲۳	حدیث کا ترجمہ	۴۲۳	حدیث کا ترجمہ
۴۲۳	پانچویں حدیث	۴۲۳	پانچویں حدیث
۴۲۳	تراجم رجال	۴۲۳	تراجم رجال
۴۲۴	قال: لما كان يوم	۴۲۴	قال: لما كان يوم
۴۲۴	حنين، أثر النبي ﷺ أناسا في القسمة ...	۴۲۴	حنين، أثر النبي ﷺ أناسا في القسمة ...
۴۲۴	في القسمة سے مراد	۴۲۴	في القسمة سے مراد
۴۲۴	أقرع بن حابس	۴۲۴	أقرع بن حابس
۴۲۴	عبد بن حصن	۴۲۴	عبد بن حصن
۴۲۴	ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت	۴۲۴	ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

۲۳۳	نویں حدیث	۲۳۲	باب ما یصیب
۲۳۴	تراجم رجال	۲۳۲	من الطعام في أرض الحرب
۲۳۴	حدیث کا ترجمہ	۲۳۲	ترجمۃ الباب کا مقصد
۲۳۵	حدیث کے بعض اجزاء کی توضیح	۲۳۲	مسئلہ باب میں فقہاء کا اختلاف
۲۳۵	وقال أبو ضمرة عن هشام عن أبيه	۲۳۲	امام بخاری کی جمہور کی تائید
۲۳۵	تعلیق مذکور کا مقصد	۲۳۲	یہ حکم دار الحرب کے ساتھ خاص ہے
۲۳۵	خطابی کا ایک اعتراض اور اس کے جوابات ..	۲۳۳	باب کی پہلی حدیث
۲۳۶	ایک اشکال اور اس کا جواب	۲۳۳	تراجم رجال
۲۳۷	تعلیق مذکور کی تخریج	۲۳۴	قال: کنا محاصرین قصر خیبر
۲۳۷	حافظ کا ارشاد اور تخریج	۲۳۴	جرباب کے معنی اور ضبط
۲۳۷	حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت ..	۲۳۴	فنزوت لآخذہ
۲۳۷	مطابقت وغیرہم ونحوہ دونوں سے ہو سکتی ہے ..	۲۳۴	نزوت کے معنی اور عبارت کی شرح
۲۳۷	باب کی دسویں حدیث	۲۳۵	فالنفت، فإذا النبي ﷺ
۲۳۸	تراجم رجال	۲۳۵	خلاف مروت امور سے بھی بچنا چاہیے
۲۳۹	حدیث کا ترجمہ	۲۳۵	ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت ..
۲۳۹	حدیث کے بعض اجزاء کی تشریح	۲۳۶	باب کی دوسری حدیث
۲۳۹	ایک اشکال (تعارض بین الروایات)	۲۳۶	تراجم رجال
۲۴۰	اشکال کے جوابات	۲۳۷	عن ابن عمر
۲۴۰	تیماء وأریحاً	۲۳۷	قال: کنا نصیب في معازینا
۲۴۰	ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث	۲۳۷	موقوف کبھی مرفوع کے حکم میں ہوتی ہے
۲۴۰	عدم مطابقت کا اعتراض اور جواب	۲۳۸	ولا نرفعه
۲۴۱	حضرت گنگوہی کی بہترین توجیہ	۲۳۸	اس جملے کے دو مطالب
۲۴۱	حضرت یحییٰ کاندھلوی کا خراج تحسین	۲۳۸	ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

- ۴۴۸ باب کی تیسری حدیث
- ۴۴۹ تراجم رجال
- ۴۴۹ قال عبد اللہ : فقلنا
- ۴۴۹ إنما نهى النبي ﷺ ؛ لأنها لم تخمس
- ۴۵۰ اس عبارت کا مطلب و مقصد
- ۴۵۰ وسألت سعيد بن جبیر فقال : حرمها البتة
- ۴۵۰ مذکورہ عبارت کی توضیح
- ۴۵۰ ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث
- ۴۵۲ کتاب الجزية والموادعة
- ۴۵۲ اختلاف نسخ
- ۴۵۲ باب الجزية والموادعة
- ۴۵۲ مع أهل الذمة والحرب
- ۴۵۲ مقصد ترجمۃ الباب
- ۴۵۲ جزیہ کے لغوی معنی (تین معانی)
- ۴۵۳ جزیہ کے اصطلاحی معنی
- ۴۵۳ موادعہ کے معنی اور مراد
- ۴۵۳ جزیہ کی مشروعیت
- ۴۵۴ اصول اربعہ سے جزیہ کا ثبوت
- ۴۵۴ جزیہ کی وصولی میں باطنی حکمت
- ۴۵۵ ایک شبہ اور اس کا جواب
- ۴۵۵ جزیہ ایک قسم کا ٹیکس ہے
- ۴۵۵ جزیہ کی وصولی کفر پر رضا مندی نہیں
- ۴۵۵ جزیہ کے دیگر فوائد و منافع
- ۴۵۶ وقول الله تعالى :
- ۴۵۶ ﴿قاتلوا الذين لا يؤمنون بالله...﴾
- ۴۵۶ آیت کریمہ کا شان نزول اور مختصر تشریح
- ۴۵۶ یہ کے معنی
- ۴۵۷ أذلاء
- ۴۵۷ والمسكنة مصدر المسكين کی توضیح
- ۴۵۷ ولم يذهب إلى السكون
- ۴۵۸ اس جملے کا قائل کون ہے؟
- ۴۵۸ آیت کریمہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت
- ۴۵۸ وما جاء في أخذ الجزية
- ۴۵۸ جزیہ کس سے لیا جائے گا؟
- ۴۵۸ شوافع و حنابلہ کا مذہب و دلائل
- ۴۵۹ مالکیہ کا مذہب و دلائل
- ۴۶۰ احناف کا مسلک و دلائل
- ۴۶۱ مشرکین عرب کی تخصیص کی وجوہات
- ۴۶۲ کن لوگوں سے جزیہ نہیں لیا جائے گا؟
- ۴۶۲ مذکورہ افراد سے جزیہ نہ لینے کی وجہ
- ۴۶۳ فقیر غیر معتمل
- ۴۶۴ وقال ابن عيينة عن ابن أبي نجيح
- ۴۶۴ مذکورہ تعلیق کی تخریج
- ۴۶۴ مذکورہ تعلیق کا مقصد
- ۴۶۵ جزیہ کی مقدار کیا ہوگی؟
- ۴۶۵ مذاہب ائمہ اربعہ

- ۴۷۶ دلائل مذاہب ۴۶۶
- ۴۷۷ حنفیہ کی دلیلیں ۴۶۶
- ۴۷۸ امام ثوری اور ابو عبیدہ کا مذہب ۴۶۷
- ۴۷۸ جمہور کی طرف سے جواب ۴۶۸
- ۴۷۸ جزیہ کی دو قسمیں ۴۶۸
- ۴۷۸ الجزیۃ بالشر اضی ۴۶۸
- ۴۷۸ الجزیۃ بالغلبۃ علی الکفار ۴۶۸
- ۴۷۹ شوافع کی دلیل ۴۶۹
- ۴۷۹ شوافع کی دلیل کا جواب ۴۶۹
- ۴۸۰ مالکیہ کی دلیل ۴۷۰
- ۴۸۰ لشکر اسلام کو غذا ۴۷۱
- ۴۸۰ کی فراہمی اور تین دن کی مہمان نوازی ۴۷۱
- ۴۸۱ مالکیہ کی دلیل کا جواب ۴۷۲
- ۴۸۱ ترجیح رائج ۴۷۲
- ۴۸۱ امام پصاص کا ایک اقتباس ۴۷۲
- ۴۸۱ باب کی پہلی حدیث ۴۷۳
- ۴۸۳ تراجم رجال ۴۷۳
- ۴۸۳ قال: کنت حالساً مع جابر ۴۷۴
- ۴۸۴ فحدثہما بحالۃ سنۃ ۴۷۴
- ۴۸۵ سعید بن عامر حج مصعب بن الزبیر ۴۷۴
- ۴۸۵ بحالۃ بن عبدہ بن سالم ۴۷۴
- ۴۸۶ امام شافعی کی ان پر جرح اور اس کی وضاحت ۴۷۵
- ۴۸۶ مصعب بن الزبیر ۴۷۶
- ۴۷۶ چار حضرات کی تمنائیں اور ان کا پورا ہونا ۴۷۶
- ۴۷۷ مصعب بن زبیر کی شہادت ۴۷۷
- ۴۷۸ حدیث سے متعلقہ ایک اصولی بحث ۴۷۸
- ۴۷۸ ایسی صورت میں "حدثنا" کا حکم ۴۷۸
- ۴۷۸ "درج" کے معنی ۴۷۸
- ۴۷۸ قال: کنت کاتباً لحزب بن معاویہ ۴۷۸
- ۴۷۸ حزب بن معاویہ ۴۷۸
- ۴۷۹ ان کی صحابیت میں اختلاف ۴۷۹
- ۴۸۰ فأتانا کتاب عمر بن الخطاب قبل موته بسنة ۴۸۰
- ۴۸۰ یہ ۲۲ ہجری کا واقعہ ہے ۴۸۰
- ۴۸۰ فرقوا بین کل ذی محرم من المحجوس ۴۸۰
- ۴۸۰ مجوس (آتش پرست فرقہ) ۴۸۰
- ۴۸۱ کیا مجوس اہل کتاب میں داخل ہیں؟ ۴۸۱
- ۴۸۱ اختلاف فقہاء ۴۸۱
- ۴۸۱ حضرت علی کا ایک اثر اور اس کا جواب ۴۸۱
- ۴۸۱ مجوس اہل کتاب نہیں، اس پر دلائل ۴۸۱
- ۴۸۳ کتاب اللہ سے دلیل ۴۸۳
- ۴۸۳ حضرت عمر کا ارشاد ۴۸۳
- ۴۸۴ شوافع کے موقف میں تناقض ۴۸۴
- ۴۸۵ ایک اشکال اور اس کا جواب ۴۸۵
- ۴۸۵ یہاں دو الگ الگ چیزیں ہیں ۴۸۵
- ۴۸۶ ولہم یکن عمر أخذ الجزیۃ من المحجوس ۴۸۶
- ۴۸۶ مذکورہ جملے پر سندی بحث ۴۸۶

۴۸۶	حافظ کا قول رائج	۴۸۶	اجل اور نعم میں فرق
۴۸۶	أن رسول الله ﷺ أخذها من محوس ..	۴۸۶	قال: فأبشروا، وأملوا مايسرکم
۴۸۷	هجر	۴۸۶	أبشروا صورة امر، معنی خبر ہے
۴۸۷	ترجمة الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت ..	۴۸۶	فوالله، لا الفقر أخشى عليكم، ولكن ..
۴۸۷	باب کی دوسری حدیث	۴۸۶	تنافس کے معنی
۴۸۸	تراجم رجال	۴۸۶	ترجمة الباب کے ساتھ مناسبت حدیث
۴۸۹	حضرت عمرو بن عوف الانصاری	۴۸۶	باب کی تیسری حدیث
۴۸۹	یہ انصاری کیونکر ہیں؟	۴۸۶	تراجم رجال
۴۸۹	اس سوال کے دو جوابات ہیں	۴۸۶	عبداللہ بن جعفر الرقی
۴۹۰	یعنی قسطلانی کے ہاں پہلا جواب رائج ہے ..	۴۸۶	حافظ اور ابن حبان کا
۴۹۰	ایک اہم تنبیہ	۴۸۷	ان پر اختلاف کا اعتراض اور اس کا جواب
۴۹۰	أن رسول الله ﷺ بعث أبا عبدة	۴۸۷	المعتمر بن سلیمان
۴۹۱	بحرین، ایک مستقل ریاست !!!	۴۸۷	دمیاطی کا ایک اعتراض اور اس کے جوابات ..
۴۹۱	وكان رسول	۴۸۸	علامہ کرمانی کا ایک عجیب نتائج
۴۹۱	الله ﷻ هو صالح أهل البحرين	۴۸۸	سعید بن عبيد الله الثقفي
۴۹۱	مذکورہ واقعے کی تفصیل	۴۸۹	دارقطنی اور حافظ کی ان پر جرح
۴۹۲	فقدم أبو عبدة بمال من البحرين	۴۸۹	امام بخاری پر اعتراض کے کوئی معنی نہیں
۴۹۲	مذکورہ مال کی مقدار	۵۰۰	جبیر بن جیه ثقفی بصری
۴۹۲	فسمعت الأنصار بقدم أبي عبدة	۵۰۱	یہ تابعی ہیں یا صحابی؟
۴۹۲	حدیث سے مستنبط ایک فائدہ	۵۰۱	حافظ ابن حجر کی رائے
۴۹۳	اور ایک احتمال	۵۰۲	حجاج بن یوسف کے
۴۹۳	خلاصہ کلام	۵۰۲	سوالات اور حضرت جبیر کے جوابات
۴۹۳	قالوا: أحل بنا رسول الله	۵۰۲	حجاج کا حضرت جبیر کا اعزاز و اکرام

- ۵۰۲ قال: بعث عمر الناس في أفناء الأمصار
- ۵۰۳ أفناء کے معنی اور ضبط
- ۵۰۳ فأسلم الهرمزان
- ۵۰۳ روایت میں اختصار اور واقعات کی تفصیل
- ۵۰۳ ہرمزان کے قبول اسلام کا واقعہ
- ۵۰۳ غزوہ قادسیہ - مختصر تذکرہ
- ۵۰۴ ہزیمت کے بعد ایرانیوں کا فرار
- ۵۰۴ ہرمزان کا تستر میں قلعہ بند ہو کر بیٹھنا
- ۵۰۵ تستر کی فتح اور ہرمزان کی صلح
- ۵۰۵ ہرمزان کی عہد شکنی اور فریقین کے مابین جنگ
- ۵۰۵ تستر کی دوبارہ فتح اور ہرمزان کی گرفتاری
- ۵۰۶ ہرمزان اور حضرت عمر کی ملاقات
- ۵۰۶ حضرت عمر کی عجیب شان بے نیازی
- ۵۰۷ ہرمزان کا قتل سے بچنے کے لیے ایک حیلہ
- ۵۰۷ حضرت انس اور عمر کے درمیان ایک مکالمہ
- ۵۰۷ دربار عمری میں ہرمزان کا مقام
- ۵۰۸ فقال: إني مستشيرك في مغازي هذه..
- ۵۰۸ مغازی کا ضبط اور اس سے مراد
- ۵۰۸ قال: نعم، مثلها ومثل من فيها..
- ۵۰۹ کلمہ نعم میں دو احتمالات
- ۵۰۹ فإن كسر أحد الجناحين نهضت الرجلان
- ۵۰۹ اس جملے کا مطلب
- ۵۰۹ شذخ کے معنی
- ۵۰۹ فالرأس كسري، والجناح قيصر
- ۵۱۰ ایک اشکال اور اس کا جواب
- ۵۱۰ عام شراح کا ذکر کردہ جواب
- ۵۱۰ حافظ کی رائے
- ۵۱۰ ابن حجر کا علامہ کرمانی پر رد
- ۵۱۱ موزون اور رائج قول
- ۵۱۱ فسر المسلمين فلينفروا إلى كسري
- ۵۱۱ طبری کی ایک روایت
- ۵۱۲ قال: فندبنا عمر
- ۵۱۲ مذکورہ عبارت کا مطلب
- ۵۱۲ واستعمل علينا النعمان بن مقرن
- ۵۱۲ حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ
- ۵۱۳ حتى إذا كنا بأرض العدو
- ۵۱۳ أرض العدو سے مراد
- ۵۱۳ ثبهاوند کا تعارف
- ۵۱۵ وخرج علينا عامل كسري في أربعين ألفا
- ۵۱۵ عامل كسري کا نام اور عبارت کا مطلب
- ۵۱۵ فقام ترجمان، فقال:
- ۵۱۵ ليكلمني رجل منكم، فقال المعيرة:...
- ۵۱۶ واقعے کی مزید تفصیل
- ۵۱۶ قال: ما أنتم؟
- ۵۱۶ کلمہ ما کے ذریعے خطاب کی وجہ
- ۵۱۷ نحن أناس من العرب، كنا في شقاء...

- الوبر کے معنی ۵۱۷
- فینا نحن كذلك، إذ بعث رب السموات ۵۱۷
- فأمر نبينا ورسول ربنا ﷺ أن ۵۱۷
- مجوس سے جزیہ لینا درست ہے ۵۱۷
- وأخبرنا نبينا عن رسالة ربنا أنه من قتل منا ۵۱۸
- مذکورہ عبارت کی توضیح ۵۱۸
- فقال النعمان: ربما أشهدك الله مثلها ۵۱۸
- حضرت نعمان رضی اللہ عنہ ۵۱۹
- کے مذکورہ بالا ارشاد میں شراح کا اختلاف ... ۵۱۹
- ابن بطلال کی رائے ۵۱۹
- افضل ترین اوقات نماز کے اوقات ہیں ۵۱۹
- دیگر شراح کی رائے ۵۲۰
- طبری کی روایت سے مزید تفصیل ۵۲۰
- ابن بطلال کا بعض جملوں کی شرح میں تسامح .. ۵۲۱
- حافظ وغیرہ کا راجح قول ۵۲۱
- مثلها کی ضمیر کا مرجع ۵۲۲
- ”حتى تهب الأرواح“ کے معنی و مطلب .. ۵۲۲
- ”وتحضر الصلوات“ کی مراد ۵۲۲
- غزوہ نہاوند کا تتمہ ۵۲۳
- ایرانیوں اور مسلمانوں کا ٹکراؤ ۵۲۳
- حضرت نعمان کی شہادت ۵۲۳
- مسلمانوں کی عظیم فتح ۵۲۳
- حدیث سے مستنبط فوائد ۵۲۵
- مشورے کی فضیلت ۵۲۵
- سب سے پہلے بڑے دشمن کا قصد کرنا چاہیے ۵۲۵
- حضرت نعمان کی منقبت اور حضرت ۵۲۵
- مغیرہ کی امور حرب و ضرب میں معرفت ۵۲۵
- حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت .. ۵۲۵
- پہلی مناسبت ۵۲۵
- دوسری اور راجح مناسبت ۵۲۶
- باب إذا وادع الإمام ملک ۵۲۶
- ترجمۃ الباب کا مقصد ۵۲۶
- والی یا بادشاہ سے صلح رعایا سے بھی صلح ہوگی؟ .. ۵۲۶
- امام بخاری کا اپنے مدعی پر دلیل ۵۲۶
- نبی علیہ السلام کی یوحنا بن روبہ سے صلح ۵۲۷
- نبی علیہ السلام کا یوحنا کو مکتوب گرامی ۵۲۷
- ابن بطلال رحمہ اللہ کا ایک اقتباس ۵۲۸
- ایک اور مسئلہ اور اس میں علماء کا اختلاف ۵۲۸
- جمہور کا موقف اور اس پر دلائل ۵۲۸
- بعض مالکیہ کا مرجوح قول ۵۲۹
- حدیث باب ۵۲۹
- تراجم رجال ۵۲۹
- حدیث کا ترجمہ ۵۳۰
- وکساہ بردا ۵۳۱
- دو صورتیں اور ان میں فرق ۵۳۱
- بحر سے کیا مراد ہے؟ ۵۳۱

- ۵۳۱ مدینہ منورہ کو بھی بھر کہا گیا، اس کی وجہ
- ۵۳۲ حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت
- ۵۳۳ باب الوصاة بأهل ذمة رسول اللہ ﷺ
- ۵۳۳ ترجمۃ الباب کا مقصد
- ۵۳۳ الوصاة کے معنی
- ۵۳۳ الذمة اور الال کے معنی
- ۵۳۴ حدیث باب
- ۵۳۴ تراجم رجال
- ۵۳۴ جویریہ بن قدامہ
- ۵۳۵ ایک اور شخصیت جاریہ بن قدامہ
- ۵۳۵ اکثر ائمہ رجال کی ان دونوں میں تفریق
- ۵۳۵ حافظ ابن حجر اور حافظ مغلطای کا موقف
- ۵۳۵ حافظ کے اپنے موقف پر تین دلائل
- ۵۳۶ حدیث باب کا ترجمہ
- ۵۳۶ حدیث کی مزید تفصیل
- ۵۳۸ فائدہ
- ۵۳۸ اہل ذمہ سے جزیہ کس قدر وصول کیا جائے؟
- ۵۳۸ ”ورزق عیالکم“ کا مطلب
- ۵۳۹ ترجمۃ الباب سے مناسبت حدیث
- ۵۳۹ باب ما أقطع
- ۵۳۹ النبی ﷺ من البحرین
- ۵۳۹ ترجمۃ الباب کی توضیح و مقاصد
- ۵۳۹ یہ ترجمہ تین اجزاء پر مشتمل ہے
- ۵۳۹ پہلا جز
- ۵۳۹ ”إقطاع“ کے لغوی و اصطلاحی معنی
- ۵۴۰ امام بخاری کا طریقہ استدلال
- ۵۴۰ حافظ کا ایک اقتباس
- ۵۴۱ بحرین کی زمینیں انصار کو دیے جانے کا مطلب
- ۵۴۱ باب کی پہلی حدیث
- ۵۴۱ تراجم رجال
- ۵۴۲ اثرۃ کا ضبط و معنی
- ۵۴۲ حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت
- ۵۴۲ ترجمۃ الباب کا دوسرا جز
- ۵۴۳ باب کی دوسری حدیث
- ۵۴۳ تراجم رجال
- ۵۴۴ عینی و قسطلانی رحمہما اللہ کا ایک تسامح
- ۵۴۵ ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث
- ۵۴۵ ترجمۃ الباب کا تیسرا جز
- ۵۴۵ مال فیء کی تعریف
- ۵۴۵ مال فیء کی تقسیم کس طرح ہوگی؟
- ۵۴۵ پہلا مذہب (ابو بکر علی)
- ۵۴۶ دوسرا مذہب (عمر و عثمان)
- ۵۴۷ تیسرا مذہب حنفیہ
- ۵۴۷ فیء میں سے خمس نکالا جائے گا یا نہیں؟
- ۵۴۷ امام شافعی کا ایک تفرد
- ۵۴۷ باب کی تیسری حدیث

باب إخراج	۵۲۸	تراجم رجال
۵۵۶	۵۲۸	حدیث کی ترجمہ الباب کے ساتھ مناسبت ..
اليهود من جزيرة العرب	۵۳۹	باب إثم من قتل معاهداً بغير جرم
ترجمة الباب کا مقصد	۵۳۹	ترجمة الباب کا مقصد
جزيرة عرب کی	۵۳۹	ایک اہم فائدہ
۵۵۷	۵۳۹	ترجمہ مقید ہے اور روایت مطلق
تعریف اور وہاں اقامت کفار کا حکم	۵۵۰	حدیث باب
۵۵۷	۵۵۰	تراجم رجال
اختلاف فقہائے امت	۵۵۰	الحسن بن عمرو
۵۵۷	۵۵۱	سعید بن جبیر کی خدمت میں حاضری
تنبیہ	۵۵۲	سند حدیث سے متعلق ایک اہم بحث
فریقین کے دلائل	۵۵۳	کیا یہ حدیث منقطع ہے؟
۵۵۸	۵۵۳	یہ اعتراض بوجہ صحیح نہیں
جزیرہ عرب کے اطلاق میں اختلاف	۵۵۳	تین وجوہ اور رائج قول
۵۵۸	۵۵۴	اصلی کا ایک تسامح
امام شافعی و احمد کا مذہب اور دلیل	۵۵۴	عن النبی ﷺ قال: من قتل معاهداً ..
۵۵۸	۵۵۴	”یرح“ کے معنی اور ضبط
امام اعظم و مالک کا مسلک اور دلیل	۵۵۵	وإن ریحها توجد من مسيرة أربعين ...
۵۵۹	۵۵۵	حدیث باب کا مطلب
ابن قدامہ کا حنفیہ کی دلیل پر اعتراض اور اس کا جواب	۵۵۵	حدیث میں مذکور عدد
۵۵۹	۵۵۵	میں روائے کا اختلاف اور ان اعداد کی توجیہ ...
رائج قول	۵۵۶	ترجمة الباب کے ساتھ مناسبت حدیث ..
۵۶۰		
علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے خاص		
۵۶۰		
اس خاص رائے کی اہمیت		
۵۶۱		
حرم مکی و دیگر مساجد میں کفار کا داخلہ		
۵۶۱		
جمہور اور امام اعظم کا اختلاف		
۵۶۲		
دلائل جمہور		
۵۶۲		
دلائل امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ		
۵۶۳		
تحقیق مذہب احناف		
۵۶۳		
علامہ ظفر احمد عثمانی کی ایک تحقیق		
۵۶۴		
اس تنقیح کی ضرورت کیوں پیش آئی؟		
۵۶۴		
امام محمد کے اقوال میں تعارض		
۵۶۵		

- ۵۶۵ امام بصاص کی تائید
- ۵۶۵ جمہور کے دلائل کے جوابات
- ۵۶۵ جمہور کی پیش کردہ آیت کے چار جوابات
- ۵۶۷ ان کی پیش کردہ احادیث کے جوابات
- ۵۶۷ نجاست مشرک دخول مسجد سے مانع نہیں
- ۵۶۷ غیر مسلموں کے عبادت خانوں میں جانا
- ۵۶۷ وقال عمر: أقرکم ما أقرکم اللہ بہ
- ۵۶۷ مذکورہ تعلیق کی تفصیل و مقصد
- ۵۶۸ مذکورہ تعلیق کی تخریج
- ۵۶۸ ترجمہ الباب کے ساتھ تعلیق کا انطباق
- ۵۶۸ حدیث باب
- ۵۶۹ تراجم رجال
- ۵۶۹ بینما نحن فی المسجد
- ۵۶۹ خرج النبی ﷺ، فقال: انطلقوا إلى یهود
- ۵۷۰ حدیث میں یہود سے کون لوگ مراد ہیں؟
- ۵۷۰ مدینہ میں کفار کی تین قسمیں
- ۵۷۰ پہلی قسم کفار محاربین
- ۵۷۰ دوسری قسم کفار مترددین
- ۵۷۰ کفار مترددین کی تین قسمیں
- ۵۷۰ تیسری قسم یہود مدینہ
- ۵۷۱ علامہ قرطبی کا جواب اور اس پر نقد
- ۵۷۱ حافظ ابن حجر کا جواب
- ۵۷۱ فخر جنا حتی جئنا بیت المدراس
- ۵۷۲ بیت المدراس کے دو معنی
- ۵۷۲ فقال: أسلموا تسلموا، واعلموا
- ۵۷۲ أسلموا جوامع الکلم میں سے ہے
- ۵۷۲ واعلموا جملہ ابتدائیہ متانفہ
- ۵۷۳ فمن یجد منکم بماله شیئا فلیبعه
- ۵۷۳ مسجد کا مشتق منہ اور معنی
- ۵۷۳ وإلا فاعلموا أن الأرض لله ورسوله
- ۵۷۳ اس جملے کا مطلب
- ۵۷۴ ترجمہ الباب کے ساتھ حدیث کا انطباق
- ۵۷۴ باب کی دوسری حدیث
- ۵۷۴ تراجم رجال
- ۵۷۴ محمد سے کون مراد ہیں؟
- ۵۷۶ ترجمہ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث
- ۵۷۶ ایک اشکال اور اس کا جواب
- ۵۷۷ باب إذا غدر
- المشركون هل يعفى عنهم؟
- ۵۷۷ ترجمہ الباب کا مقصد
- ۵۷۷ مسئلہ مذکورہ کی تفصیل
- ۵۷۷ روایات میں تعارض اور اس کے حل
- ۵۷۹ سخون مالکی کا ایک دعویٰ اور اس کی عدم صحت
- ۵۷۹ ترجمہ میں مذکور سوال کا جواب
- ۵۷۹ علامہ مہلب کا ارشاد گرامی
- ۵۸۰ زہر کھلا کر قتل کرنے کا حکم

- ۵۸۰ حدیث باب
- ۵۸۱ حدیث میں مذکور واقعے کی تفصیلات
- ۵۸۲ قال: لما فتحت خيبر
- ۵۸۲ أهديت للنبي ﷺ شاة، فيها سُم ..
- ۵۸۲ کلمہ سم کی تحقیق
- ۵۸۲ فقال النبي ﷺ: اجمعوا إليّ
- ۵۸۳ فلان سے کون مراد ہے؟
- ۵۸۳ قال: فهل أنتم صادقي عن شيء ..
- ۵۸۳ یہود کی بد بختی کی انتہا
- ۵۸۳ "تخلفونا" کی لغوی و صرفی کی تحقیق
- ۵۸۳ فقال النبي ﷺ: اخسؤا فيها ..
- ۵۸۳ اخسؤا فيها میں دو احتمالات
- ۵۸۳ واللہ، لا نخلفكم فيها أبدا ..
- ۵۸۳ ایک اشکال اور اس کا جواب
- ۵۸۵ ثم قال: هل أنتم صادقي عن شيء ..
- ۵۸۵ یہود کے مسلسل جھوٹ بولنے کی وجہ
- ۵۸۶ ایک سوال اور اس کا جواب
- ۵۸۶ ایک تاریخی دستاویز کا متن (حاشیہ)
- ۵۸۷ کیا اس عورت نے اسلام قبول کر لیا تھا؟
- ۵۸۸ حافظ ابن حجر کی صنیع
- ۵۸۸ نبی بشر ہوتا ہے
- ۵۸۸ معجزہ نبی
- ۵۸۹ مؤثر حقیقی اللہ کی ذات ہے
- ۵۸۹ ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث باب کا انطباق
- ۵۸۹ باب دعاء الإمام علی من نکث عہدا
- ۵۸۹ ترجمۃ الباب کا مقصد
- ۵۸۹ حدیث باب
- ۵۹۰ تراجم رجال
- ۵۹۱ ایک اہم فائدہ
- ۵۹۱ ایک اور فائدہ
- ۵۹۱ ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث
- ۵۹۲ باب أمان النساء وجوارهن
- ۵۹۲ ترجمۃ الباب کا مقصد
- ۵۹۲ جوار کے معنی
- ۵۹۲ حدیث باب
- ۵۹۲ تراجم رجال
- ۵۹۳ حدیث کا ترجمہ
- ۵۹۳ عورت امان دے سکتی ہے
- ۵۹۳ جمہور کا قول
- ۵۹۳ بعض مالکیہ کا شاذ قول
- ۵۹۵ ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت ..
- ۵۹۵ باب ذمة المسلمین
- ۵۹۵ وجوارهم واحدة يسعى بها أدناهم
- ۵۹۵ ترجمۃ الباب کا مقصد
- ۵۹۵ لفظ "أدناهم" سے مراد
- ۵۹۵ غلام کا امان دینا معتبر ہے؟

۶۰۲	مذکورہ تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مناسبت	۵۹۵	جمہور اور امام محمد کا مذہب
۶۰۲	مناسبت پر اشکال اور اس کا جواب	۵۹۶	حضرات شیخین کا مذہب
۶۰۳	وقال عمر: إذا قال: مترس	۵۹۶	بچے کا امان
۶۰۳	مذکورہ تعلیق کی تخریج	۵۹۶	شوافع کا مسلک
۶۰۳	حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مکمل فرمان	۵۹۶	امام شافعی کا مسلک
۶۰۴	”مترس“ کی لغوی تحقیق اور ضبط	۵۹۶	حنفیہ کے نزدیک اس میں تفصیل ہے
۶۰۴	اس کلمے کے ضبط میں راجح قول	۵۹۶	مالکیہ اور حنابلہ کا مذہب
۶۰۵	وقال: تكلّم لا بأس	۵۹۷	مجنون کا امان دینا
۶۰۵	اس جملے کا پس منظر	۵۹۷	حدیث باب
۶۰۵	مذکورہ اثر کی تخریج	۵۹۷	تراجم رجال
۶۰۶	مذکورہ اثر سے مستفاد ایک مسئلہ	۵۹۹	ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث
۶۰۶	تعلیق کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت	۵۹۹	مصنف کا ایک اور حدیث کی طرف اشارہ ...
۶۰۶	باب المواعدة والمصالحة	۵۹۹	باب إذا قالوا: صباंना،
۶۰۶	مع المشرکین بالمال وغیرہ	۵۹۹	ولم یحسنوا أسلمنا
۶۰۶	ترجمۃ الباب کا مقصد	۵۹۹	ترجمۃ الباب کا مقصد
۶۰۶	”وغیرہ“ کا عطف بالمال پر ہے	۵۹۹	عام شراح کا موقف
۶۰۷	وقوله: ﴿وإن جنحوا للسلم﴾	۶۰۰	ابن المنیر کی رائے اور راجح قول
۶۰۷	آیت کریمہ کی تفسیر	۶۰۰	کلمہ ”صباंना“ کی تحقیق صرفی و لغوی
۶۰۷	کلمہ السلم کا ضبط اور معنی	۶۰۰	وقال ابن عمر: فجعل خالد يقتل
۶۰۷	آیت کریمہ سے امام	۶۰۱	مذکورہ تعلیق کی تخریج
۶۰۷	بخاری کا استدلال اور ترجمہ سے انطباق	۶۰۱	تعلیق میں مذکور واقعے کی تفصیل
۶۰۸	فائدہ	۶۰۲	حدیث سے مستنبط ایک مسئلہ
۶۰۸	ترجمۃ الباب کے تحت مذکور مسئلے کی تفصیل ...	۶۰۲	ضمان کون ادا کرے گا؟

- ۶۱۷ مصنف کی طرف وہم کی نسبت (تنبیہ) ۶۰۸ مال کے بغیر مصالحت پر راضی نہ ہوں تو.....
- ۶۱۷ وہم کس کو لاحق ہوا ہے؟ ۶۰۸ امام اوزاعی کا مسلک
- ۶۱۷ ایک اہم حاشیہ ۶۰۸ امام شافعی و احمد کا موقف
- ۶۱۸ حدیث باب میں ۶۰۹ امام اعظم و مالک کا مذہب
- ۶۱۸ مذکور صحابہ کی رشتے داری کی نوعیت ۶۰۹ مشرکین کو صلح کے لیے مال کی ادائیگی کی مثالیں
- ۶۱۸ تحقیقی بات ۶۱۰ حدیث باب ۶۱۰ تراجم رجال
- ۶۱۹ صحیح شکل و نقشہ (حاشیہ) ۶۱۰ قَالَ: انْطَلَقَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَهْلٍ وَمُحَيِّصَةُ ۶۱۱ فَتَفَرَّقَا فَأَتَانِي مُحَيِّصَةُ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ
- ۶۱۹ فَقَالَ: اتَّخِذُوا ۶۱۱ مذکور عبارت کی توضیح ۶۱۲ "بَشَّطُ" کے معنی ۶۱۲ فَانْطَلَقَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَهْلٍ
- ۶۱۹ وَتَسْتَحِقُّونَ قَاتِلَكُمْ أَوْ صَاحِبَكُمْ؟ ۶۱۲ حضرت عبدالرحمن بن سہل رضی اللہ عنہ ۶۱۳ ان کے بدری ہونے میں اختلاف
- ۶۱۹ مذکور عبارت کی توضیح ۶۱۲ قَالَ: فَتُبْرِيكُمْ يَهُودُ بِخَمْسِينَ ۶۱۳ سناپ کا ان کو ڈسنا
- ۶۲۰ من عندہ میں ۶۱۲ حضرت عمر کا ان کو عامل مقرر کرنا
- ۶۲۰ دو احتمالات اور عبارت کی تشریح ۶۱۳ حضرت عثمان کے زمانے کا ایک واقعہ
- ۶۲۰ فذهب عبدالرحمن يتكلم، فقال: كبر ۶۱۳ ایک نام دو شخصیتیں
- ۶۲۰ حدیث سے مستفاد ایک حکم ۶۱۳ اکثر ائمہ سیر کی رائے
- ۶۲۱ ایک اعتراض اور اس کے دو جوابات ۶۱۴ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے
- ۶۲۱ ترجمۃ الباب پر ایک اشکال ۶۱۵ حافظ کے اپنے موقف پر استدلالات
- ۶۲۱ مذکورہ اشکال کے جوابات ۶۱۵ حویصہ بن مسعود
- ۶۲۲ حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت .. ۶۱۶ ان کے قبول اسلام کا واقعہ
- ۶۲۳ باب فضل الوفاء بالعہد ۶۱۵
- ۶۲۳ ترجمۃ الباب کا مقصد و ماقبل سے مناسبت ... ۶۱۵
- ۶۲۳ حدیث باب ۶۱۵
- ۶۲۴ تراجم رجال ۶۱۶

- ۶۲۵ حدیث باب کا ترجمہ
- ۶۲۵ حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت ..
- ۶۲۵ ہل یغدر کی طرف اشارہ
- ۶۲۶ باب ہل یغفر عن الذمی إذا سحر؟
- ۶۲۶ ترجمۃ الباب کا مقصد
- ۶۲۶ اختلاف فقہاء کی تفصیل
- ۶۲۶ امام مالک کا مسلک
- ۶۲۶ امام احمد و شافعی کا مذہب
- ۶۲۷ امام ابو حنیفہ کا مسلک
- ۶۲۷ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل
- ۶۲۷ پانچ دلیلیں
- ۶۲۸ ائمہ ثلاثہ کے دلائل
- ۶۲۹ ائمہ ثلاثہ کے دلائل کا جواب
- ۶۲۹ لبید بن اعصم کے
- ۶۲۹ قصے سے استدلال بوجہ درست نہیں
- ۶۲۹ ابن بطلال کا ابن شہاب کو جواب
- ۶۳۰ ساحر مسلم کا حکم
- ۶۳۰ ائمہ ثلاثہ اور امام شافعی کا اختلاف
- ۶۳۱ امام شافعی کے دلائل
- ۶۳۱ ائمہ ثلاثہ کے دلائل
- ۶۳۲ مدار خلافت
- ۶۳۲ ایک اہم تنبیہ
- ۶۳۲ ایک اور تنبیہ
- ۶۳۳ ساحر کی توبہ قبول ہوگی یا نہیں؟
- ۶۳۳ اس مسئلے میں محقق قول
- ۶۳۴ وقال ابن وهب: أخبرني يونس
- ۶۳۴ تراجم رجال
- ۶۳۵ مذکورہ تعلیق کا مقصد
- ۶۳۵ مذکورہ تعلیق کی تخریج
- ۶۳۵ أَعْلَى مَنْ سَحَرَ مِنْ أَهْلِ الْعَهْدِ قَتْلٌ؟
- ۶۳۵ مذکورہ عبارت کی توضیح
- ۶۳۵ قَالَ: بَلَّغْنَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَدْ ضُيْعَ ...
- ۶۳۶ امام بخاری کا ایک استدلال
- ۶۳۶ تعلیق کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت
- ۶۳۶ حدیث باب
- ۶۳۶ تراجم رجال
- ۶۳۷ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سَحَرَ، حَتَّى كَانَ يُخَيَّلُ ...
- ۶۳۸ حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت ..
- ۶۳۸ باب ما يحذر من الغدر
- ۶۳۸ ترجمۃ الباب کا مقصد
- ۶۳۸ وقوله تعالى:
- ۶۳۸ ﴿وَإِنْ يَرِيدُوا أَنْ يَخْدَعُوكَ﴾
- ۶۳۸ آیت کریمہ کا مطلب و کلمہ حسب
- ۶۳۹ ابن عساکر کا نسخہ اور آیات کا ترجمہ
- ۶۴۰ حافظ ابن حجر کا ارشاد
- ۶۴۰ علامہ مہلب کی رائے گرامی

- آیت اور ترجمۃ الباب کے درمیان مناسبت ۶۳۰
- حدیث باب ۶۳۰
- تراجم رجال ۶۳۱
- عبداللہ بن العلاء بن زبر ۶۳۱
- ابن حزم کی ان پر جرح ۶۳۳
- یہ جرح مردود ہے، اس کی وجوہات ۶۳۴
- بسر بن عبید اللہ ۶۳۴
- ان کا حرص علم ۶۳۵
- تنبیہ ۶۳۵
- حدیث کی سند سے متعلق ایک فائدہ ۶۳۶
- قال: أثبت النبي ﷺ في غزوة تبوك ۶۳۷
- وهو في قبة من آدم ۶۳۷
- قبة کے معنی اور ضبط ۶۳۷
- ابوداؤد کی ایک روایت ۶۳۷
- حضرت عوف کا مزاج ۶۳۸
- فقال: اعدد سناً بين يدي الساعة ۶۳۸
- عبارت کا مطلب اور سنا سے مراد ۶۳۸
- ثم موتان يأخذ فيكم كقصاص الغنم ۶۳۸
- موتان کا ضبط ۶۳۹
- موتان کے معنی ۶۳۹
- قصاص کا ضبط ۶۳۹
- حافظ صاحب کا ایک وہم اور اس پر تنبیہ ۶۵۰
- قصاص کے معنی ۶۵۰
- ”ثم موتان“ کا مطلب ۶۵۰
- موتان کا مصداق ۶۵۰
- ثم استغاضة المال حتى يُعطى ۶۵۱
- استغاضہ کے معنی (حاشیہ) ۶۵۱
- اس چوتھی نشانی کا مصداق ۶۵۱
- ثم فتنه لا يلقى ثبوت من العرب ۶۵۱
- اس نشانی کا مصداق ۶۵۲
- ثم هذنة تكون بينكم وبين ۶۵۲
- ہذنة کے معنی اور ضبط ۶۵۲
- غایہ کے معنی اور اختلاف روایات ۶۵۲
- چھٹی نشانی ۶۵۳
- علامات قیامت کی ترتیب زمانی ۶۵۳
- علامات قیامت کی قسمیں ۶۵۳
- علامات صغریٰ (حاشیہ) ۶۵۳
- علامات کبریٰ کی ابتدا ۶۵۳
- امام مہدی کی تلاش ۶۵۵
- امام مہدی پہچانے جائیں گے ۶۵۵
- آسمان سے آنے والی ایک آواز ۶۵۵
- امام مہدی کی فوج ۶۵۶
- اہل خراسان کا لشکر ۶۵۶
- عیسائی افواج کا اجتماع ۶۵۶
- امام مہدی کی عیسائیوں سے جنگ ۶۵۷
- امام مہدی کی فتح ۶۵۷

- ۶۵۸ قسطنطنیہ کی آزادی اور ظہور دجال
- ۶۵۸ دجال کی بد خلقی و بد خلقی اور شاطرانہ حرکتیں ..
- ۶۵۹ دجال حرمین میں داخل نہ ہو سکے گا
- ۶۶۰ نزول عیسیٰ اور امام مہدی سے ان کی ملاقات ..
- ۶۶۰ اسلامی لشکر اور دجالی فوج کا ٹکراؤ
- ۶۶۱ دجال کا فرار
- ۶۶۱ متاثرہ شہروں کی تعمیر جدید و انصاف کا قیام ...
- ۶۶۲ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی
- ۶۶۲ یاجوج ماجوج کا خروج
- ۶۶۳ یاجوج ماجوج کی تباہ کاریاں
- ۶۶۳ دعائے عیسیٰ اور یاجوج ماجوج کی ہلاکت
- ۶۶۳ امن و برکت کے سات سال و وفات عیسیٰ ...
- ۶۶۳ وفات عیسیٰ کے بعد کے حالات
- ۶۶۳ ججاء نامی خلیفہ کی تشریف آوری
- ۶۶۵ رات کا لمبا ہونا اور توبہ کا دروازہ بند ہونا
- ۶۶۵ دابة الارض کا ظہور
- ۶۶۵ دابة الارض کی صفات
- ۶۶۶ کافر و مومن کے درمیان امتیاز
- ۶۶۶ اہل ایمان کی موت کی ہوا
- ۶۶۷ حبشیوں کا غلبہ اور لوگوں کا شام میں اجتماع ...
- ۶۶۷ آگ جو لوگوں کو شام میں جمع کر دے گی
- ۶۶۸ صور کی آواز، اموات اور نظام کائنات کی فنایت
- ۶۶۹ ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت ..
- باب کیف یبذ الی اهل العهد؟ ۶۶۹
- ترجمۃ الباب کا مقصد ۶۶۹
- وقوله: ﴿وإما تخافن من قوم خيانة﴾ ۶۷۰
- بذ کے معنی ۶۷۰
- ﴿سواء﴾ کے معنی اور آیت کی تفسیر ۶۷۰
- حدیث باب ۶۷۱
- تراجم رجال ۶۷۱
- حدیث کا ترجمہ ۶۷۱
- مشرکین کو ممانعت کی وجہ ۶۷۲
- ترجمۃ کے ساتھ آیت و حدیث کی مناسبت ۶۷۲
- ہدایہ شریف سے ایک اقتباس ۶۷۲
- باب إثم من عاهد ثم غدر ۶۷۳
- ترجمۃ الباب کا مقصد ۶۷۳
- وقوله: ﴿الذين عاهدت منهم﴾ ۶۷۴
- آیت کریمہ کا شان نزول اور تفسیر ۶۷۴
- آیت کریمہ اور ترجمۃ کے درمیان مناسبت ۶۷۴
- باب کی پہلی حدیث ۶۷۴
- تراجم رجال ۶۷۵
- حدیث کا ترجمہ ۶۷۶
- حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت ۶۷۶
- دوسری حدیث ۶۷۷
- تراجم رجال ۶۷۷
- علامہ عینی کا ایک وہم (حاشیہ) ۶۷۷

- ترجمة الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت .. ۶۷۸
- تیسری حدیث ۶۷۹
- تراجم رجال ۶۷۹
- یہ حدیث موصول ہے یا معلق؟ ۶۸۰
- مذکورہ بالا صیغہ سماع پر محمول ہوگا یا نہیں؟ ۶۸۰
- تعلیق مذکور کی تخریج ۶۸۱
- قَالَ: كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا لَمْ تَجْتَبُوا دِينَارًا ۶۸۱
- تَجْتَبُوا کی صرفی و لغوی تحقیق ۶۸۱
- مذکورہ عبارت کی شرح ۶۸۱
- قَالَ: إِي وَالَّذِي نَفْسُ أَبِي هُرَيْرَةَ بِيَدِهِ عَنْ قَوْلِ الصَّادِقِ الْمُصْذِقِ ۶۸۱
- صادق اور مصدوق کے معنی ۶۸۲
- تَنْتَهَكَ ذِمَّةَ اللَّهِ وَذِمَّةَ رَسُولِهِ ﷺ ۶۸۲
- کفار کے مال کی ادائیگی سے ممانعت کی علت ۶۸۲
- تَنْتَهَكَ کے معنی اور ضبط ۶۸۳
- اس معنی کی دیگر احادیث ۶۸۳
- فائدہ (احادیث کا ایک اور مطلب) ۶۸۴
- ترجمة الباب کے ساتھ تعلیق کی مناسبت ۶۸۴
- باب (بلا ترجمة) ۶۸۵
- ترجمہ کا مقصد ۶۸۵
- باب کی پہلی حدیث ۶۸۵
- تراجم رجال ۶۸۵
- قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا وَائِلٍ شَهِدْتَ صَفِينَ؟ ... ۶۸۶
- صفین ۶۸۶
- فَسَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ حُنَيْفٍ يَقُولُ: أَنَّهُمْ رَأَوْكُمْ ۶۸۷
- حضرت سہل کے ارشاد کے معنی ۶۸۷
- حدیث کا دوسرا طریق ۶۸۸
- تراجم رجال ۶۸۸
- یزید بن عبدالعزیز بن سیاہ ۶۸۹
- عبدالعزیز بن سیاہ اسدی ۶۹۰
- ترجمة الباب کے ساتھ مناسبت ۶۹۲
- باب کی دوسری حدیث ۶۹۲
- تراجم رجال ۶۹۲
- قَالَتْ: قَدِمْتُ عَلَى أُمِّي ۶۹۳
- حضرت اسماء کی والدہ کا مختصر تعارف ۶۹۳
- وَهِيَ مُشْرِكَةٌ ۶۹۵
- فِي عَهْدِ قُرَيْشٍ إِذْ عَاهَدُوا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ ۶۹۵
- عہد قریش سے مراد ۶۹۵
- مَعَ أَبِيهَا ضَمِيرٌ كَامِرٌ جَمْعٌ أَوْ رَوَايَتٌ فِي تَحْيِيفٍ ۶۹۵
- فَاسْتَفْتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ ۶۹۶
- وہی راغبہ کے دو معنی ۶۹۶
- ترجمة الباب کے ساتھ مناسبت حدیث ۶۹۷
- حضرت شیخ الحدیث صاحب کی رائے ۶۹۷
- باب المصالحة ۶۹۸
- على ثلاثة أيام أو وقت معلوم ۶۹۸
- ترجمة الباب کا مقصد ۶۹۸

۷۹۸	صلح کی انتہائی مدت کیا ہے؟	۷۹۸	حدیث باب
۷۹۸	مسئلہ باب میں ائمہ اربعہ کا اختلاف	۷۹۸	حدیث کا ترجمہ
۷۹۹	حدیث باب	۷۹۹	حدیث کے آخری جز
۸۰۰	تراجم رجال	۸۰۰	”فہانہ کان رجلاً“ کی تشریح
۸۰۱	حدیث باب کا ترجمہ	۸۰۱	ترجمہ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث
۸۰۱	جلبان کا ضبط و معنی	۸۰۱	حدیث باب سے مستنبط ایک اہم فائدہ
۸۰۲	ترجمہ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث	۸۰۲	باب إثم الغادر للبر والفاجر
۸۰۲	باب الموادعة من غير وقت	۸۰۲	ترجمہ الباب کا مقصد
۸۰۲	ترجمہ الباب کا مقصد	۸۰۲	حافظ و عینی کا بیان کردہ مقصد
۸۰۲	مذکورہ مسئلہ میں اختلاف	۸۰۲	حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ کی رائے
۸۰۳	وقول النبی ﷺ: أفرکم ما أفرکم	۸۰۳	حضرت گنگوہی کی توجیہ
۸۰۳	تعلیق مذکور کا مقصد	۸۰۳	حدیث باب
۸۰۳	تعلیق مذکور کی تخریج	۸۰۳	تراجم رجال
۸۰۳	تعلیق کی ترجمہ الباب سے مناسبت	۸۰۳	سند حدیث سے متعلق ایک اہم وضاحت
۸۰۳	باب طرح جیف المشرکین	۸۰۳	قَالَ أَحَدُهُمَا: يُنْصَبُ، وَقَالَ الْآخَرُ: يُرَى
۸۰۳	باب جیف المشرکین	۸۰۳	مذکورہ عبارت کی وضاحت
۸۰۳	ففي البشر، ولا يؤخذ لهم ثمن	۸۰۳	حدیث باب
۸۰۳	ترجمہ الباب کا مقصد	۸۰۳	تراجم رجال
۸۰۳	ترجمہ الباب کے دو اجزا	۸۰۳	لِكُلِّ غَادِرٍ لَوَاءٌ يُنْصَبُ لِعَدْرَتِهِ
۸۰۳	پہلے جز کا مقصد	۸۰۳	بغدرت کی باء میں احتمالات
۸۰۳	جیف کا ضبط اور معنی	۸۰۳	جھنڈا کہاں لگایا جائے گا؟
۸۰۳	دوسرے جز کا مقصد	۸۰۳	”لِكُلِّ غَادِرٍ لَوَاءٌ“ کے مختلف معانی و مطالب
۸۰۵	دلائل جمہور	۸۰۵	علامہ توربشتی کے بیان کردہ معنی
۸۰۶	حضرت گنگوہی کی توجیہ	۸۰۶	

علامہ ابن المنیر کی رائے..... ۷۱۶	ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث..... ۷۲۱
امام قرطبی کا ارشاد..... ۷۱۶	مطابقت میں غموض اور شراح کے ارشادات.. ۷۲۱
احادیث ثلاثہ کی ترجمہ کے ساتھ مناسبت..... ۷۱۶	علامہ کرمانی کی آرا..... ۷۲۱
حدیث سے مستنبط بعض فوائد..... ۷۱۷	ابن بطل کی بیان کردہ دو مناسبتیں..... ۷۲۲
غدر و عہد شکنی حرام ہے..... ۷۱۷	ابن المنیر کی بیان کردہ مناسبت..... ۷۲۳
قاضی عیاض کی بیان کردہ دو توجیہات..... ۷۱۷	حافظ علیہ الرحمہ کی وقیع توجیہ..... ۷۲۴
حافظ کارداران کی رائے..... ۷۱۸	براعت اختتام..... ۷۲۴
قیامت کے دن کس نسبت سے پکارا جائے گا؟..... ۷۱۸	حافظ کی رائے..... ۷۲۴
ایک تعارض اور اس کے دو جوابات..... ۷۱۹	حضرت شیخ الحدیث کے ارشادات..... ۷۲۴
باب کی چوتھی حدیث..... ۷۲۰	خلاصہ کتاب فرض الخمس والجزیہ..... ۷۲۵
تراجم رجال..... ۷۲۰	مصادر و مراجع..... ۷۲۷

ایک وضاحت

اس تقریر میں ہم نے صحیح بخاری کا جو نسخہ متن کے طور پر استعمال کیا ہے۔ اس پر ڈاکٹر مصطفیٰ دیب البغانے تحقیقی کام کیا ہے۔ ڈاکٹر مصطفیٰ دیب نے احادیث پر نمبر لگانے کے ساتھ ساتھ احادیث کے مواضع متکررہ کی نشان دہی کا بھی التزام کیا ہے۔ اگر کوئی حدیث بعد میں آنے والی ہے تو حدیث کے آخر میں نمبرات سے اس کی نشان دہی کرتے ہیں کہ اس نمبر پر یہ حدیث آرہی ہے اور اگر حدیث گزری ہے تو نمبر سے پہلے [ر] لگا دیتے ہیں۔ یعنی اس نمبر کی طرف رجوع کیا جائے۔

أسماء المترجم لهم على ترتيب حروف الهجاء

نمبر شمار	الاسماء	صفحہ نمبر
۱۷	عبداللہ بن جعفر الرقی	۴۹۵
۱۸	حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ	۳۰۳
۱۹	حضرت عبدالرحمن بن سہل رضی اللہ عنہ	۶۱۳
۲۰	عبدالعزیز بن سیاہ	۶۹۰
۲۱	عبداللہ بن العلاء بن زبر	۶۴۱
۲۲	عمرو بن عوف الأنصاری رضی اللہ عنہ	۴۸۹
۲۳	عیسیٰ بن طہمان الجشمی	۱۳۹
۲۴	حضرت عیینہ بن حصن	۴۳۳
۲۵	قاسم بن عاصم کلینی	۳۳۱
۲۶	مالک بن اوس	۶۳
۲۷	مصعب بن الزبیر	۴۷۶
۲۸	حضرت معاذ بن عفراء	۳۹۶
۲۹	حضرت معاذ بن عمرو بن الجموح	۳۹۷
۳۰	المندرب بن الزبیر بن العوام	۳۰۲
۳۱	حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ	۵۱۲
۳۲	ہرمزان	۵۰۳
۳۳	یرقا مولیٰ عمر	۶۶
۳۴	یزید بن عبدالعزیز بن سیاہ	۶۸۹

نمبر شمار	الاسماء	صفحہ نمبر
☆	ابن زمعہ (دیکھیے عبداللہ بن زمعہ)	
۱	حضرت ابو بردہ بن قیس رضی اللہ عنہ	۳۴۹
۲	حضرت ابو رہم بن قیس رضی اللہ عنہ	۳۵۰
۳	حضرت ابوالعاص بن الربیع بن عبد العزی رضی اللہ عنہ	۱۶۴
۴	حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ	۴۳۲
۵	بجالہ بن عبدہ بن سالم	۴۷۴
۶	بسر بن عبید اللہ الشامی	۶۴۴
۷	جبیر بن حیہ ثقفی	۵۰۰
۸	حضرت جزاء بن معاویہ	۴۷۸
۹	حضرت جویریہ بنت ابی جہل رضی اللہ عنہا	۱۵۸
۱۰	جویریہ بن قدامہ	۵۳۴
۱۱	الحسن بن عمرو الفقیمی	۵۵۰
۱۲	حضرت حویصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ	۶۱۵
۱۳	ضبيب بن عبد اللہ بن زبیر	۲۹۰
۱۴	حضرت خولہ بنت ثامر رضی اللہ عنہا	۲۴۶
۱۵	حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا بنت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم	۳۱۹
۱۶	سعید بن عبید اللہ ثقفی	۴۹۸

عرض مرتب

بِسْمِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله رب العلمين، والعاقبة للمتقين، والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء والمرسلين،
وعلى آله وصحبه أجمعين، ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين.

اما بعد!

اللہ تعالیٰ کا انتہائی کرم اور اس کی بے انتہا نوازش و مہربانی ہے کہ اس نے محض اپنے فضل و کرم سے ہمیں یہ
توفیق بخشی کہ آج ہم آپ کے ہاتھوں میں بخاری شریف کی عظیم الشان شرح ”کشف الباری“ کی ایک اور جلد پیش
کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

یہ جلد صحیح بخاری کی کتاب النخمس والجزیۃ سے متعلق ہے۔ جس میں کل 42 ابواب کی تشریح، تعلیق، تحقیق اور
ترتیب کے ساتھ آگئی ہے، جن میں 20 ابواب کتاب النخمس کے اور 22 ابواب کتاب الجزیۃ کے ہیں۔

اس جلد میں بھی الحمد للہ ان تمام امور کا التزام کیا گیا ہے جن کا اہتمام کتاب الایمان و کتاب العلم اور کتاب
الجہاد کی جلدوں میں کیا گیا ہے اور دوران ترتیب و تعلیق اسی نہج کو برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی ہے، جس کا اہتمام مذکورہ بالا
جلدوں میں کیا گیا۔

احادیث کی تشریح میں جہاں کہیں عربی عبارتیں نقل کی گئی ہیں ان کا بھی ترجمہ کر دیا گیا ہے۔

علاوہ ازیں تراجم رجال کے تحت روات سند کے احوال و تذکرہ بیان کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے، چوں کہ خمس
وجزیۃ صحیح بخاری جلد اول کے تقریباً آخر میں ہے اور کتاب الوضوء سے کتاب الجہاد تک کشف الباری کا کام ابھی تک زیور
طباعت سے آراستہ نہیں ہوا، اس لیے ہم نے جہاں بھی حاشیہ میں یہ لکھا کہ مثلاً ”ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب
الوضوء، باب.....“ یا ”ان کے حالات کے لیے دیکھیے کتاب الزکوٰۃ، باب.....“ تو اس سے مراد صحیح بخاری کی مذکورہ
کتاب اور باب ہے اور اگر کسی راوی یا شخصیت کا نام پہلی بار خمس وجزیۃ کے کسی باب میں آیا ہے تو وہیں ان کا تذکرہ بھی
لکھ دیا گیا ہے اور اگر کشف الباری کی ابتدائی چار جلدوں یا کتاب الجہاد کی دو جلدوں میں ان کا تذکرہ ہے تو بقید صفحہ
نشان دہی کر دی گئی ہے۔

احقر کو اپنی علمی بے بضاعتی اور میدان تحقیق میں اپنی ناتجربہ کاری و نوواردگی کا نہ صرف احساس ہے، بلکہ اس کا مکمل اعتراف بھی ہے۔ تاہم محض توکل علی اللہ، حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم کے حکم اور آپ کی توجہات و عنایات اور دعاؤں سے اس عظیم خدمت کا بیڑہ اٹھالیا ہے، عین ممکن ہے کہ اس میں بلا قصد و ارادہ غلطیوں کا صدور ہو گیا ہو، لہذا حضرات اہل علم کی خدمت میں مودبانہ گزارش ہے کہ کتاب میں کسی قسم کی فروگزاشت پر نظر پڑے تو احقر کو اس سے مطلع فرمائیں۔

اس کتاب کی ابتدا سے انتہا تک ترتیب و تحقیق کے دوران احقر کو جن حضرات کی راہ نمائی حاصل رہی ان میں سب سے بلند نام حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم کے بعد حضرت استاذ مکرم مولانا نورالبشر صاحب دامت معالیہم (رفیق شعبہ تصنیف و استاذ حدیث جامعہ فاروقیہ کراچی) کا ہے کہ ان کی راہ نمائی بندہ کو قدم قدم پر حاصل رہی۔ کتاب کی مکمل پروف ریڈنگ احقر نے خود ہی کی ہے، البتہ بعض احادیث کی تخریج، فہرست وغیرہ کی تیاری اور بعض حوالہ جات کی تخریج میں کچھ دوستوں کا تعاون حاصل رہا ہے، اللہ تعالیٰ ان تمام معاونین کو جزائے خیر عطا فرمائے اور علمی و عملی ترقیوں سے نوازے، نیز بندہ ان تمام اساتذہ و مخلصین و مجاہدین کا بھی نہایت شکر گزار ہے جن کی حوصلہ افزائی اور دعائیں احقر کو حاصل رہیں۔

آخر میں تمام قارئین سے حضرت شیخ الحدیث صاحب دامت برکاتہم کے لیے خصوصی دعاؤں کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت کے سایہ عاطفت کو ہمارے سروں پر تادیر بعافیت قائم و دائم رکھے اور ملک و بیرون ملک جو علمی افادات کا سلسلہ (بالخصوص جامعہ فاروقیہ کراچی کی صورت میں) تقریباً نصف صدی سے جاری ہے اس کو تاقیامت جاری و ساری رکھے اور ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین

نیز احقر مرتب کے لیے بھی خصوصی دعا فرمائیں کہ بقیہ کام کو اللہ تعالیٰ آسان فرمائے، جلد از جلد مکمل کرنے کی توفیق بخشے اور اپنی بارگاہ میں قبولیت سے نوازے اور ہمارے لیے، ہمارے اساتذہ و مشائخ اور والدین و متعلقین کے واسطے ذخیرہ آخرت اور ذریعہ نجات بنائے۔

حبیب اللہ زکریا

رفیق شعبہ تصنیف و تالیف و استاذ جامعہ فاروقیہ کراچی

۲۷ رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۶۱ - أبواب الخمس

سابق سے مناسبت

کتاب الجہاد چونکہ ختم ہو چکی ہے اور جہاد کے ملحقات میں ابواب الخمس بھی آتے ہیں، اس لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اب احکام خمس بیان کریں گے۔

اختلاف نسخ

اسامی کے نسخے میں عنوان ”کتاب“ کے ساتھ معنون ہے اور اکثر نسخوں میں باب کا لفظ ہے اور بعض نسخ میں عنوان میں صرف ”فرض الخمس“ کے کلمات ہیں، نہ کتاب ہے اور نہ ہی باب۔
پھر نسخوں میں بسملہ بھی موجود ہے (۱)۔

البتہ رائج یہ ہے کہ عنوان ”کتاب“ کے ساتھ معنون ہو۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے آگے مختلف ابواب قائم فرمائے ہیں، جن میں اکثر کا موضوع و مقصد احکام خمس کا بیان ہے، لہذا ان سب ابواب کا ایک کتاب کے تحت ہونا ہی بہتر ہے۔

ثانیاً۔ مصنف علیہ الرحمۃ عموماً بسملہ کتاب کے لیے ہی ذکر کرتے ہیں، نہ کہ ابواب کے لئے۔
اور مقصد اس سے ان ابواب کی اہمیت کو بتلانا ہے کہ یہ ابواب اتنے اہم ہیں کہ ان کو الگ عنوان کے ساتھ ذکر کیا جانا چاہیے۔

۱ - باب : فَرَضُ الْخُمْسِ .

خمس کی لغوی و اصطلاحی تعریف

خمس۔ بضم الخاء والمیم۔ کے معنی پانچویں حصے یا جزء کے ہیں، جیسے ربع یا ثلث ہوتا ہے۔

(۱) فتح الباری: ۶/۱۹۸، وعمدة القاری: ۱۵/۱۷، والقسطلانی: ۵/۱۸۹، والأبواب والتراجم: ۱/۲۰۵.

اور اصطلاح شرع میں خمس غنیمت کے اس پانچویں حصے کو کہتے ہیں، جس کو تقسیم سے الگ کر لیا جاتا ہے (۱)، جب کہ بقیہ چار حصے مجاہدین میں تقسیم کیے جاتے ہیں، خمس کے مصارف کی تفصیل آئندہ ابواب میں آرہی ہے۔

ترجمة الباب کا مقصد

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں ترجمۃ الباب کے تین مقاصد ہو سکتے ہیں:

۱- امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ خمس کی فرضیت کے وقت اور تاریخ کو بیان کرنا چاہتے ہیں، کہ خمس کی فرضیت کب ہوئی؟

۲- خمس کی فرضیت کی کیفیت بیان کرنا چاہتے ہیں کہ اول و ہلہ میں خمس کی فرضیت کی کیفیت کیا تھی؟

۳- نفس خمس کی فرضیت کو ثابت اور بیان کرنا چاہتے ہیں، کہ مال غنیمت میں سے خمس کا نکالنا فرض و ضروری ہے (۲)۔ یہی تیسری رائے علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے (۳)۔

جاہلیت کا دستور اور خمس کی ابتدا

جاہلیت میں ربع کا دستور ہوا کرتا تھا، یعنی عربوں کو جنگوں میں جو غنیمت حاصل ہوتی، اس کے چار حصے کیے جاتے، تین حصے غنمین کے ہوتے اور ایک حصہ الگ کر لیا جاتا، جو سردار قبیلہ کا ہوتا، وہ حصہ رُباع کہلاتا تھا، بنو نمیر کا ایک شاعر کہتا ہے (۴):

أنا ابن الرابعين من آل عمرو وفرسان المنابر من جناب

کہ میں آل عمرو کے سرداروں اور قبیلہ جناب کے منبر کے شہسواروں کا فرزند ہوں۔

لیکن حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے ایک سریہ میں یہ کیا کہ مال غنیمت جو ان کو حاصل ہوا،

(۱) فتح الباری: ۶/۱۹۸، والقاموس الوحید، مادة "خمس"، ولسان العرب: ۶/۷۰، مادة "خمس"، وفيه لغة

أخرى، وهي إسكان الميم.

(۲) فتح الباری: ۶/۱۹۸.

(۳) عمدة القاری: ۱۵/۱۷.

(۴) دیوان الحماسة، باب الحماسة: ۱۲۰.

اس کے پانچ حصے کیے، چار حصے تو غامین میں تقسیم کر دیے اور ایک حصہ الگ کر لیا، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ یہ ہے اس کی ابتدا (۱)۔

خمس کی فرضیت کب ہوئی؟

اب رہا یہ مسئلہ کہ خمس کی فرضیت کب ہوئی، اس میں اختلاف ہے، حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے جس سریہ کا اوپر ذکر آیا ہے، وہ رجب دو ہجری کا ہے، یعنی غزوہ بدر سے دو ماہ قبل (۲)، اس سریہ میں عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے مال غنیمت سے جو خمس نکالا تھا وہ ان کا اپنا ذاتی اجتہاد تھا، اس وقت تک فرضیت خمس کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے:-

”وقد ذکر لي بعض آل عبد اللہ بن جحش أن عبد اللہ قال لأصحابه: إن لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مما غنمنا الخمس، وذلك قبل أن يفرض اللہ تعالیٰ الخمس من المغانم، فعزل له الخمس، وقسم سائر الغنیمۃ بین أصحابه، قال: فوقع رضا اللہ بذلك“ (۳)۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ نے اپنے ساتھی مجاہدین سے کہا کہ ہماری غنیمت میں سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پانچواں حصہ ہوگا، جو انہوں نے الگ بھی کر دیا اور بقیہ غنیمت تقسیم کر دی۔ فرماتے ہیں کہ بعد میں ان کی موافقت میں حکم خداوندی بھی آگیا کہ خمس نکالا جائے۔

تاہم یہ حکم کب آیا تو اس میں قاضی اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض کے بقول خمس کی فرضیت کا حکم غزوہ بنو قریظہ کے دوران نازل ہوا تھا۔ جب کہ دیگر بعض کا کہنا یہ ہے کہ اس کے بعد یہ حکم نازل ہوا۔ لیکن (بقول قاضی اسماعیل) میرے خیال میں اس کا صریح حکم غنائم حنین کے موقع پر آیا ہے (۴)۔

(۱) تفسیر ابن کثیر: ۱/۲۵۵، سورۃ البقرۃ/۲۱۷۔

(۲) فتح الباری: ۶/۱۹۹، اس غزوے کی تفصیلات کے لیے دیکھیے، کشف الباری، کتاب المغازی: ۴۲-۴۶۔

(۳) فتح الباری: ۶/۱۹۹، والسیرۃ النبویۃ لابن ہشام: ۲/۶۰۳، سریۃ عبداللہ بن جحش، وشرح التشریب فی شرح التفریب: ۶/۱۹۸۰۔

(۴) فتح الباری: ۶/۱۹۹، وشرح ابن بطلال: ۵/۲۴۸۔

علامہ ابن بطل رحمۃ اللہ علیہ کی رائے

باب کی پہلی حدیث میں یہ الفاظ آئے ہیں، ”وكان النبي صلى الله عليه وسلم أعطاني شارقاً من الخمس“ حضرت علی فرماتے ہیں کہ ایک اونٹنی نبی علیہ السلام نے مجھے خمس میں سے عطا فرمائی، اس کی شرح میں علامہ ابن بطل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے ظاہر سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ خمس کی مشروعیت بدر میں ہوئی ہے، لیکن..... اہل سیر کا اس امر میں اتفاق ہے کہ بدر کے موقع پر خمس مشروع نہیں ہوا تھا۔

پھر ابن بطل رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی اسماعیل کے قول کو ترجیح دی کہ غزوہ حنین کے موقع پر خمس کی فرضیت کا حکم نازل ہوا تھا۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں یہ تاویل کی کہ اس حدیث میں جس اونٹنی کا ذکر ہے، وہ سر یہ عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ میں جو خمس نکالا گیا تھا، اس میں سے تھی (۱)۔

یہی موقف ابن السلقن رحمۃ اللہ کا بھی ہے، جو انہوں نے ابن بطل کی اتباع میں اختیار کیا ہے (۲)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے اور ابن بطل کو جواب

جب کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ غزوہ بدر کے موقع پر خمس کی فرضیت کا حکم آچکا تھا، وہ اس لیے کہ سورۃ الانفال بدر کے موقع پر نازل ہوئی ہے اور اس سورت میں فرضیت خمس کی تصریح آئی ہے، چنانچہ امام داودی مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر جزم کیا ہے کہ آیت خمس بدر کے دن نازل ہوئی، تاج السبکی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی قول ہے، فرماتے ہیں:

(۱) قال ابن بطل رحمه الله: ”أما قول علي: ”أعطاني النبي عليه السلام شارقاً من الخمس يومئذ“ يعني: يوم بدر، فظاهره أن الخمس قد كان يوم بدر، ولم يختلف أهل السير أن الخمس لم يكن يوم بدر، ذكر إسماعيل..... (القاضي) قال: في غزوة بني قريظة حين حكم سعد بأن تقتل المقاتلة، وتسبى الذرية - قيل: إنه أول يوم جعل فيه الخمس. قال: وأحسب أن بعضهم قال: نزل أمر الخمس بعد ذلك، ولم يأت في ذلك من الحديث ما فيه بيان شاف، وإنما جاء أمر الخمس يقينا في غنائم حنين، وهي آخر غنيمه حضرها رسول الله.

..... وإذا لم يختلف أن الخمس لم يكن يوم بدر، فيحتاج قول علي: ”أعطاني رسول الله شارقاً من

الخمس“ إلى تأويل لا يعارض قول أهل السير.....“ شرح ابن بطل: ۲۴۸/۵.

(۲) إرشاد الساري: ۱۸۹/۵.

”نزلت الأنفال في بدر وغنائمها“ (۱)۔

امام کلبی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی یہی ہے کہ خمس کی فرضیت بدر کے موقع پر نازل ہو چکی تھی (۲)۔

جہاں تک ابن بطل رحمۃ اللہ علیہ کے قول کا تعلق ہے تو وہ کچھ عجیب سا ہے کہ اس میں تضاد پایا جاتا ہے، وہ اس طرح کہ خود ابن بطل یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ سریہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے اندر خمس نکالا گیا تھا اور یہ سریہ، جیسا کہ ماقبل میں گذرا، غزوہ بدر سے پہلے کا ہے تو پھر بدر میں خمس نہ ہونے کی کیا وجہ ہوگی؟! (۳)

اس لیے رائج قول وہی ہے جو عام مفسرین اور ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

احادیث باب

اس کے بعد یہ سمجھیے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں باب کے تحت تین احادیث ذکر کی ہیں، جن میں کی پہلی حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۲۵ : حَدَّثَنَا عَبْدَانُ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ : أَخْبَرَنَا يُونُسُ ، عَنْ الزُّهْرِيِّ قَالَ : أَخْبَرَنِي عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنِ : أَنَّ حُسَيْنَ بْنَ عَلِيٍّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَخْبَرَهُ : أَنَّ عَلِيًّا قَالَ : كَانَتْ لِي شَارِفٌ مِنْ نَصِيبِي مِنَ الْمَغْنَمِ يَوْمَ بَدْرٍ ، وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ أَعْطَانِي شَارِفًا مِنَ الْخُمْسِ ، فَلَمَّا أَرَدْتُ أَنْ أَبْثِيَ بِفَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ، وَاعَدْتُ رَجُلًا صَوَاعًا مِنْ بَنِي قَيْنُقَاعٍ أَنْ يَرْتَحِلَ مَعِيَ ، فَتَأَنَّى بِإِذْخِرٍ أَرَدْتُ أَنْ أُبِيعَهُ الصَّوَاعَيْنِ ، وَاسْتَعِينَ بِهِ فِي وَلِيمَةٍ غُرَسِي ، فَبِينَا أَنَا أَجْمَعُ لِشَارِفِي مَتَاعًا مِنَ الْأَقْنَابِ وَالْغَرَائِرِ وَالْحِمَالِ ، وَشَارِفَايَ مُنَاحًا إِلَى جَنْبِ حُجْرَةٍ رَحُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ ، رَجَعْتُ حِينَ جَمَعْتُ مَا جَمَعْتُ ، فَإِذَا شَارِفَايَ قَدْ أَجْنَبَ أُسْمُهُمَا ، وَبُقِرَتْ خَوَاصِرُهُمَا وَأُخِذَ مِنْ أَكْبَادِهِمَا ، فَلَمْ أُمْلِكْ عَيْنِي حِينَ رَأَيْتُ ذَلِكَ الْمَنْظَرَ مِنْهُمَا ، فَقُلْتُ : مَنْ فَعَلَ هَذَا ؟ فَقَالُوا : فَعَلَ حَمْزَةُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ ، وَهُوَ فِي هَذَا الْبَيْتِ فِي شَرْبٍ مِنَ الْأَنْصَارِ ، فَأَنْطَلَقْتُ حَتَّى أَدْخُلَ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ وَعِنْدَهُ زَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ ، فَعَرَفَ النَّبِيُّ ﷺ فِي وَجْهِهِ الَّذِي لَقِيتُ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (مَا لَكَ) ، فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ اللَّهِ ، مَا رَأَيْتُ كَالْيَوْمِ قَطُّ ، عَدَا حَمْزَةُ عَلَى

(۱) فتح الباری: ۱۹۹/۶، وإرشاد الساری: ۱۸۹/۵، وتفسير المنار: ۵/۱۰، الأنفال: ۴۱۔

(۲) التفسير الكبير للرازي: ۱۶۶/۱۵، والكشاف: ۲۲۲/۲۔

(۳) فتح الباری: ۱۹۹/۶، وإرشاد الساری: ۱۸۹/۵۔

(۴) قوله: ”أَنَّ عَلِيًّا...“: الحديث، مر تخريجہ فی البیوع، باب ما قبل فی الصواع۔

نَاقَتِي : فَأَجَبَ أَسْمَتُهُمَا : وَبَقَرَ خَوَاصِرَهُمَا . وَهَا هُوَذَا فِي بَيْتٍ مَعَهُ شَرِبُ : فَدَعَا النَّبِيُّ ﷺ بِرِدَائِهِ فَأَرْنَدِي ، ثُمَّ انْطَلَقَ يَمْشِي ، وَاتَّبَعْتُهُ أَنَا وَزَيْدُ بْنُ حَارِثَةَ حَتَّى جَاءَ الْبَيْتَ الَّذِي فِيهِ حَمْزَةٌ ، فَاسْتَأْذَنَ فَأَذِنُوا لَهُمْ . فَإِذَا هُمْ شَرِبُ . فَطَفِقَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُلُومُ حَمْزَةَ فِيمَا فَعَلَ . فَإِذَا حَمْزَةُ قَدْ ثَمِلَ ، مُحَمَّرَةً عَيْنَاهُ : فَنَظَرَ حَمْزَةَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ثُمَّ صَعَدَ النَّظَرَ ، فَنَظَرَ إِلَى رُكْبَتِهِ . ثُمَّ صَعَدَ النَّظَرَ ، فَنَظَرَ إِلَى سُرَّتِهِ . ثُمَّ صَعَدَ النَّظَرَ فَنَظَرَ إِلَى وَجْهِهِ . ثُمَّ قَالَ حَمْزَةُ : هَلْ أَنْتُمْ إِلَّا عَبِيدُ لِأَيِّ : فَعَرَفَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنَّهُ قَدْ ثَمِلَ . فَكَصَّ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى عَتَبَتِهِ الْقَهْقَرَى . وَخَرَجْنَا مَعَهُ . [ر : ۱۹۸۳]

تراجم رجال

۱- عبدان

یہ عبداللہ بن عثمان الملقب بعبدان رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲- عبد اللہ

یہ مشہور محدث حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۳- یونس

یہ یونس بن یزید الاہلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان تینوں حضرات کا تذکرہ بدء الوحي کی ”الحديث الخامس“ کے تحت آچکا ہے (۱)۔

۴- الزهري

یہ ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ ”بدء الوحي“ میں تحت گذر چکا (۲)۔

۵- علی بن الحسين

یہ حضرت علی کے پوتے علی بن حسین بن علی المعروف بہ زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۳)۔

(۱) کشف الباری: ۱/۴۶۱-۴۶۳، یونس اہلی رحمۃ اللہ علیہ کے مزید حالات کے لیے دیکھیے، کشف: ۲۸۲/۳۔

(۲) کشف الباری: ۱/۳۲۶، الحديث الثالث۔

(۳) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الغسل، باب الغسل بالصاع ونحوہ۔

۶- حسین بن علی

یہ نواسہ رسول، حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما ہیں (۱)۔

۷- علی

یہ داماد رسول، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کے مفصل حالات کتاب العلم، ”باب کتابہ العلم“ میں گذر چکے ہیں (۲)۔

ترجمہ حدیث

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی درج بالا حدیث کی شرح چونکہ مغازی (۳) میں آچکی ہے، اس لیے یہاں صرف اس کے ترجمہ پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک اونٹنی وہ تھی جو بدر کے غنیمت میں مجھے ملی تھی، ایک دوسری اونٹنی بھی تھی، جو نبی علیہ السلام نے مجھے خمس میں سے عطا کی تھی۔ جب میں نے فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رخصتی کا ارادہ کیا تو بنوقینقاع کے ایک سنار کے ساتھ یہ معاملہ طے کیا کہ وہ میرے ساتھ چلے کہ ہم اذخر گھاس لائیں، میرا ارادہ یہ تھا کہ میں اس گھاس کو سناروں کے ہاتھ فروخت کر دوں گا اور اس کے ذریعے اپنی شادی کے ولیمہ میں کچھ مدد حاصل کروں گا۔

چنانچہ اس دوران کہ میں اپنی دونوں اونٹیوں کے لیے پالان، بورے اور رسیاں جمع کر رہا تھا اور میری اونٹیاں ایک انصاری کے حجرے کے پہلو میں بیٹھی تھیں، تو جو کچھ جمع کرنا تھا وہ جمع کر کے میں لوٹ آیا تو اچانک میں نے دیکھا کہ..... میری اونٹیوں کی کوبانیں کاٹ لی گئیں، ان کی کونٹیں چیر دی گئیں اور کلچیاں نکال لی گئی ہیں۔ میں نے جب یہ منظر دیکھا تو اپنی آنکھوں پر قابو نہ رکھ سکا۔ میں نے پوچھا کہ یہ کس نے کیا ہے؟ لوگوں نے بتلایا کہ حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے کیا ہے اور وہ انصاری کی شراب نوش کرنے والی ایک جماعت کے ساتھ

(۱) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب التہجد، باب تحریض النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی صلاة اللیل۔

(۲) کشف الباری: ۱۴۹/۴۔

(۳) کشف الباری، کتاب المغازی: ۱۵۶-۱۶۰۔

اس مکان میں موجود ہیں۔

یہ حالت دیکھ کر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ کے پاس زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، نبی علیہ السلام میرا چہرہ دیکھ کر میرے رنج و غم کو سمجھ گئے اور فرمایا ”ما لك؟“ تمہیں کیا ہوا ہے؟ میں نے کہا، یا رسول اللہ! میں نے آج جیسا منظر (پہلے کبھی) نہیں دیکھا، حمزہ (رضی اللہ عنہ) نے آج میری دو اونٹنیوں پر ظلم کیا ہے، چنانچہ ان کی کوبائیں کاٹ ڈالیں اور ان کی کونٹھیں چیر ڈالی ہیں۔ حمزہ اور ان کے ساتھی یہاں ایک گھر میں موجود ہیں۔ (میری باتیں سن کر) نبی علیہ السلام نے اپنی چادر طلب کی اور اوڑھ کر روانہ ہوئے، میں اور زید بن حارثہ (رضی اللہ عنہ) بھی آپ علیہ السلام کے پیچھے چلے، حتیٰ کہ اس گھر میں آئے جہاں حمزہ موجود تھے، نبی علیہ السلام نے اندر جانے کی اجازت طلب کی، تو ان کو اجازت مل گئی، دیکھا کہ وہ سب شراب نوشی کے لیے وہاں جمع تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ان کے فعل پر ملامت کرنا شروع کی، لیکن وہ نشے میں تھے، ان کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں، تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، پھر نگاہ ذرا اور اونچی کی اور آپ کے گھٹنوں کی طرف دیکھا، پھر نظر کو مزید اٹھایا اور آپ کے ناف کی طرف دیکھا، پھر نظر مزید اونچی کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور کی طرف دیکھا، پھر حمزہ نے کہا ”تم لوگ میرے باپ کے غلام ہی تو ہو!“ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ گئے کہ یہ نشے میں مدہوش ہیں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے اٹے پاؤں لوٹے اور ہم دونوں بھی آپ کے ساتھ باہر نکل آئے۔

ترجمہ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

حدیث کی ترجمہ الباب کے ساتھ مناسبت ”وكان النبي صلى الله عليه وسلم أعطاني شارفا من الخمس“ میں ہے (۱) کہ اس سے خمس کی مشروعیت واضح ہو رہی ہے۔
باب کی دوسری حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے۔

۲۹۲۶ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ : حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ . عَنْ صَالِحٍ . عَنْ
ابْنِ شِهَابٍ قَالَ : أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ : أَنَّ عَائِشَةَ أُمَّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَخْبَرَتْهُ : أَنَّ

(۱) عمدة القاري: ۱۷/۱۵، وإرشاد الساري: ۱۹۱/۵.

(۲) قوله: ”أَنَّ عَائِشَةَ.....“: الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه =

فاطمۃ علیہا السلام . ابنت رسول اللہ ﷺ . سألت أبا بكر الصديق بعد وفاة رسول الله ﷺ :
 أن يقسم لهما ميراثهما . ما ترك رسول الله ﷺ مما أفاء الله عليه . فقال أبو بكر : إن رسول
 الله ﷺ قال : (لا نورث . ما تركنا صدقة) . فغضبت فاطمة بنت رسول الله ﷺ فهجرت
 أبا بكر . فلم تزل مهاجرة حتى توفيت . وعاشت بعد رسول الله ﷺ سنة أشهر . قالت :
 وكانت فاطمة تسأل أبا بكر نصيبها مما ترك رسول الله ﷺ من خير وفداك . وصدقته بالمدينة .
 فأبى أبو بكر عليها ذلك وقال : لست تاركاً شيئاً كان رسول الله ﷺ يعمل به إلا عملت
 به . فأبى أخشى أن تركت شيئاً من أمره أن أزيغ . فأما صدقته بالمدينة فدفعها عمر إلى علي
 وعباس . وأما خير وفداك فأمسكها عمر وقال : هما صدقة رسول الله ﷺ . كانتا لِحَقُوقِهِ
 التي نعروا ونوائيه . وأمرهما إلى من ولي الأمر . قال : فهما على ذلك إلى اليوم .

[۳۵۰۸ . ۳۸۱۰ . ۳۹۹۸ . ۶۳۴۶ . ۶۳۴۹]

تراجم رجال

۱- عبدالعزیز بن عبداللہ

یہ عبدالعزیز بن عبداللہ اولیٰ عامری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے مفصل حالات کتاب العلم، ”باب

الحرص على الحديث“ کے تحت گذر چکے (۱)۔

۲- ابراہیم بن سعد

یہ ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمن بن عوف قرشی زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۳- صالح

یہ صالح بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کا تذکرہ کتاب ایمان، ”باب من کره

= وسلم، باب مناقب قرابة رسول الله، رقم (۳۷۱۱-۳۷۱۲)، والمغازي، باب حديث بني النضير،

رقم (۴۰۳۵-۴۰۲۶)، و باب غزوة خيبر، رقم (۴۲۴۰-۴۲۴۱)، والفرائض، باب قول النبي صلى الله عليه

وسلم: لا نورث، رقم (۶۷۲۵-۶۷۲۶)، ومسلم، كتاب الجهاد والسير، باب قول النبي صلى الله عليه

وسلم: لا نورث (۳۵۴۳-۴۵۴۵)، وأبوداود، كتاب الخراج، باب في صفايا رسول الله، رقم

(۲۹۶۸-۲۹۶۹)، والنسائي، قسم الفي، رقم (۴۱۴۶)۔

(۱) كشف الباري: ۴/۴۸۔

أن يعود في الكفر كما يكره.....“ کے تحت آچکا (۱)۔

۴- ابن شہاب

ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ بدء الوحي کی ”الحديث الثالث“ کے تحت آچکا (۲)۔

۵- عروہ

یہ عروہ بن الزبیر بن العوام قرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۶- عائشہ

یہ حضرت عائشہ صدیقہ بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان دونوں کا ترجمہ بدء الوحي کی ”الحديث الثاني“ کے تحت گزر چکا ہے (۳)۔

تنبیہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث، جس میں حضرت ابوبکر اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کے درمیان فداک و خیبر کی زمینوں کی وراثت کے بارے میں قضیہ کا ذکر ہے، کتاب المغازی میں بھی آئی ہے، اس پر وہیں تفصیلی بحث آچکی ہے (۴)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

یہاں یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ حدیث اور ترجمہ میں مطابقت نہیں ہے، کہ اس میں خمس کا ذکر نہیں ہے۔ تاہم اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جو میراث کا مطالبہ کیا، اس میں خیبر بھی شامل تھا، امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ خیبر صلحا و عنوة دونوں طرح فتح ہوا تھا کہ اس کے بعض علاقوں میں قتال ہوا اور بعض علاقے بغیر قتال کے صلحا حاصل ہوئے، ظاہر ہے کہ جو حصہ عنوة فتح ہوا اس میں خمس بھی جاری

(۱) کشف الباری: ۱۲۰/۲-۱۲۲۔

(۲) کشف الباری: ۳۲۶/۱۔

(۳) کشف الباری: ۲۹۱/۱، عروہ کے لیے مزید دیکھیے، کشف الباری: ۴۳۶/۲۔

(۴) کشف الباری، کتاب المغازی ۴۵۴-۴۶۶۔

ہوا ہوگا، اس طرح مطابقت پائی گئی (۱)۔

علاوہ ازیں اس حدیث کا جو طریق امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مغازی میں ذکر کیا ہے، اس میں خمس کے الفاظ کی صراحت موجود ہے، ”أرسلت (فاطمة) إلى أبي بكر تسأله ميراثها من رسول الله صلى الله عليه وسلم، مما أفاء الله عليه بالمدينة وفدك، وما بقي من خمس خيبر“ (۲)۔ چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کی طرف اشارہ کر دیا کہ معاملہ چونکہ مشہور و معروف ہے، اس لیے یہاں اختصار پر اکتفا کیا گیا (۳)۔

ایک تفسیری قول کا اضافہ

بخاری شریف کے اکثر نسخوں میں یہاں ایک تفسیری قول کا اضافہ بھی ہے، جو اس طرح ہے:

قال أبو عبد الله: اعتراك: افتعلت، من عروته، فأصبته، ومنه يعروه واعترائني.

ابو عبد اللہ سے مراد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ خود ہیں اور اس تفسیری جملہ کی غرض اس حدیث میں وارد شدہ ایک لفظ ”تعروه“ کی توضیح، اس کے مشتقات اور معنی کو بیان کرنا ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ تعروه اصل میں عروث یعروه سے ہے، نصر اس کا باب ہے، اس کے معنی حاصل کرنے اور ہانپنے کے ہیں، اسی سے تعروه ہے اور اعترائنی ہے۔ نیز قرآن کی آیت شریفہ ﴿إِنْ نَقُولُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ آلِهَتِنَا بِسُوءٍ﴾ (۴) میں جو لفظ اعتراك ہے، اس کی اصل بھی یہی لفظ ہے۔ اور یہ امام بخاری رحمۃ اللہ کی عادت ہے کہ وہ حدیث کے غریب الفاظ کی تفسیر قرآن کریم کے غریب الفاظ سے کرتے ہیں (۵)۔

علاوہ ازیں یہ بھی سمجھ لیجیے کہ یہ تفسیر ابو عبیدہ کی ”المجاز“ سے نقل کردہ ہے۔ تاہم بخاری کے نسخوں

(۱) عمدة القاري: ۱۹/۱۵، وشرح ابن بطلال: ۲۵۲/۵۔

(۲) صحيح بخاري، كتاب المغازي، باب غزوة خيبر، رقم (۴۲۴۰-۴۲۴۱)۔

(۳) عمدة القاري: ۱۹/۱۵۔

(۴) هود/۵۴۔

(۵) فتح الباري: ۲۰۴/۶، وإرشاد الساري: ۱۹۳/۵، قال العيني في العمدة (۲۱/۱۵): ”وقال الجوهري: عرائني هذا الأمر، واعترائني: إذا غشيتك. وعروت الرجل أعروه عروا: إذا ألممت به، وأتيت طالباً، فهو معروه. وفلان تعروه الأضياف ويعتريه أي: تغشاه“. والصحاح للجوهري: ۶۸۴، مادة ”عرا، عري“۔

میں اعتراف کا وزن افتعلت بتلایا گیا ہے، جب کہ ”المجاز“ میں وزن افتعلک مذکور ہے اور مذکورہ لفظ کا حقیقی وزن بھی یہی ہے (۱)۔

تیسری حدیث حضرت مالک بن اوس بن حدثن رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔

اس حدیث سے قبل بعض نسخوں میں ”قصۃ فذک“ کے عنوان سے ایک عبارت بھی ہے (۲)، لیکن اس عنوان کی حقیقت یہاں کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ گزشتہ حدیث میں فذک ہی کا قضیہ مذکور ہے، علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ”وزاد أبو ذر في رواية الحموي هنا ترجمة، فقال: ”قصۃ فذک“، وهي زيادة مستغنى عنها بما سبق في الحديث المتقدم“ (۳)۔

۲۹۲۷ : حَدَّثَنَا إِسْحَقُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْفَرَوِيُّ : حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ ، عَنْ أَبِي شِهَابٍ .
عَنْ مَالِكِ بْنِ أَوْسٍ بْنِ الْحَدَثَانِ (۱) ، وَكَانَ مُحَمَّدُ بْنُ جُبَيْرٍ ذَكَرَ لِي ذِكْرًا مِنْ حَدِيثِهِ ذَلِكَ .
فَانْطَلَقْتُ حَتَّى أَدْخُلَ عَلَى مَالِكِ بْنِ أَوْسٍ ، فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذَلِكَ الْحَدِيثِ . فَقَالَ مَالِكُ : بَيْنَا
أَنَا جَالِسٌ فِي أَهْلِي حِينَ مَتَعَ النَّهَارُ . إِذَا رَسُولُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ يَأْتِينِي . فَقَالَ : أَجِبْ أَمِيرَ
الْمُؤْمِنِينَ . فَانْطَلَقْتُ مَعَهُ حَتَّى أَدْخُلَ عَلَى عُمَرَ . فَإِذَا هُوَ جَالِسٌ عَلَى رِمَالٍ سَرِيرٍ . لَيْسَ بَيْنَهُ
وَبَيْنَهُ فِرَاشٌ . مُنْكَبًى عَلَى وَسَادَةٍ مِنْ أَدَمٍ . فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ ثُمَّ جَلَسْتُ . فَقَالَ : يَا مَالِكُ . إِنَّهُ
قَدِمَ عَلَيْنَا مِنْ قَوْمِكَ أَهْلٌ أَنْبَاءٌ ، وَقَدْ أَمَرْتُ فِيهِمْ بِرَضْخٍ ، فَأَقْبِضُهُ فَأَقْسِمُهُ بَيْنَهُمْ ، فَقُلْتُ :
يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ لَوْ أَمَرْتُ بِهِ غَيْرِي . قَالَ : أَقْبِضُهُ أَيُّهَا الْمَرْءُ . فَبَيْنَا أَنَا جَالِسٌ عِنْدَهُ أَنَا وَحَاجِبُهُ
يَرْفَأُ . فَقَالَ : هَلْ لَكَ فِي عُثْمَانَ وَعَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ وَالزُّبَيْرِ وَسَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ يَسْتَأْذِنُونَ ؟
قَالَ : نَعَمْ . فَأَذِنَ لَهُمْ فَدَخَلُوا فَسَلَّمُوا وَجَلَسُوا . ثُمَّ جَلَسَ يَرْفَأُ يَسِيرًا . ثُمَّ قَالَ : هَلْ لَكَ
فِي عَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ ؟ قَالَ : نَعَمْ ، فَأَذِنَ لَهُمَا فَدَخَلَا فَسَلَّمَا فَجَلَسَا . فَقَالَ عَبَّاسٌ : يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ
أَقْضِ بَيْنِي وَبَيْنَ هَذَا . وَهُمَا يَخْتَصِمَانِ فِيمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ ﷺ مِنْ بَنِي النَّضِيرِ ، فَقَالَ

(۱) فتح الباری: ۶/۲۰۴، وإرشاد الساری: ۵/۱۹۳۔

(۲) دیکھیے، عمدۃ القاری: ۱۵/۲۱۔

(۳) إرشاد الساری: ۵/۱۹۳۔

(۴) قوله: ”عن مالک بن أوس.....“: الحديث، مر تخريجه في كتاب الجهاد، باب المجن، ومن.....

الرَّهْطُ ، عُمَانُ وَأَصْحَابُهُ : يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ أَقْضِ بَيْنَهُمَا ، وَأَرِحْ أَحَدَهُمَا مِنَ الْآخَرِ . قَالَ عُمَرُ : تَبَدُّكُمْ . أَنْشَدُكُمْ بِاللَّهِ الَّذِي بِإِذْنِهِ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ : هَلْ تَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ : (لَا نُورِثُ مَا تَرَكَنَا صَدَقَةً) . يُرِيدُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ نَفْسَهُ ؟ قَالَ الرَّهْطُ : قَدْ قَالَ ذَلِكَ . فَأَقْبَلَ عُمَرُ عَلَى عَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ . فَقَالَ : أَنْشَدُكُمَا اللَّهَ : أَتَعْلَمَانِ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَدْ قَالَ ذَلِكَ ؟ قَالَا : قَدْ قَالَ ذَلِكَ . قَالَ عُمَرُ : فَإِنِّي أُحَدِّثُكُمْ عَنْ هَذَا الْأَمْرِ : إِنَّ اللَّهَ قَدْ خَصَّ رَسُولَهُ ﷺ فِي هَذَا الْوَلِيِّ شَيْءٌ لَمْ يُعْطِهِ أَحَدًا غَيْرَهُ ، ثُمَّ قَرَأَ : « وَمَا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ - إِلَى قَوْلِهِ - قَدِيرٌ » . فَكَانَتْ هَذِهِ خَالِصَةً لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ . وَاللَّهُ مَا اخْتَارَهَا دُونَكُمْ . وَلَا اسْتَأْثَرَ بِهَا عَلَيْكُمْ . قَدْ أَعْطَاكُمْوهَا وَبَثَّهَا فِيكُمْ ، حَتَّى بَقِيَ مِنْهَا هَذَا الْمَالُ . فَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُنْفِقُ عَلَى أَهْلِهِ نَفَقَةً سَنَّتِهِمْ مِنْ هَذَا الْمَالِ . ثُمَّ يَأْخُذُ مَا بَقِيَ فَيَجْعَلُهُ مَجْعَلِ مَالِ اللَّهِ . فَعَمِلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِذَلِكَ حَيَاتِهِ . أَنْشَدُكُمْ بِاللَّهِ هَلْ تَعْلَمُونَ ذَلِكَ ؟ قَالُوا : نَعَمْ . ثُمَّ قَالَ لِعَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ : أَنْشَدُكُمَا بِاللَّهِ هَلْ تَعْلَمَانِ ذَلِكَ ؟ قَالَ عُمَرُ : ثُمَّ تَوَقَّى اللَّهُ نَبِيَّهُ ﷺ . فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ : أَنَا وَلِيُّ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ، فَقَبَضَهَا أَبُو بَكْرٍ ، فَعَمِلَ فِيهَا بِمَا عَمِلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ . وَاللَّهُ يَعْلَمُ : إِنَّهُ فِيهَا لَصَادِقُ بَارٍّ رَاشِدٌ تَابِعٌ لِلْحَقِّ ، ثُمَّ تَوَقَّى اللَّهُ أَبَا بَكْرٍ ، فَكَانَتْ أَنَا وَلِيُّ أَبِي بَكْرٍ . فَقَبَضْتُهَا سَنَّتَيْنِ مِنْ إِمَارَتِي ، أَعْمَلُ فِيهَا بِمَا عَمِلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَمَا عَمِلَ فِيهَا أَبُو بَكْرٍ . وَاللَّهُ يَعْلَمُ : إِنِّي فِيهَا لَصَادِقُ بَارٍّ رَاشِدٌ تَابِعٌ لِلْحَقِّ ، ثُمَّ جِئْتَنِي تَكَلَّمَانِي ، وَكَلِمَتُكُمَا وَاحِدَةٌ وَأَمْرُكُمَا وَاحِدٌ . جِئْتَنِي يَا عَبَّاسُ تَسْأَلُنِي نَصِيْبَكَ مِنْ ابْنِ أَخِيكَ ، وَجَاءَنِي هَذَا - يُرِيدُ عَلِيًّا - يُرِيدُ نَصِيْبَ أَمْرَاتِهِ مِنْ أَبِيهَا ، فَقُلْتُ لَكُمَا : إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ : (لَا نُورِثُ ، مَا تَرَكَنَا صَدَقَةً) . فَلَمَّا يَدَا لِي أَنْ أَدْفَعَهُ إِلَيْكُمَا ، قُلْتُ : إِنْ شِئْتُمَا دَفَعْتُهَا إِلَيْكُمَا ، عَلَى أَنْ عَلَيْكُمَا عَهْدُ اللَّهِ وَمِيثَاقُهُ : لَتَعْمَلَانِ فِيهَا بِمَا عَمِلَ فِيهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ . وَبِمَا عَمِلَ فِيهَا أَبُو بَكْرٍ . وَبِمَا عَمِلْتُ فِيهَا مُنْذُ وَلَيْتُهَا . فَقُلْتُمَا : أَدْفَعُهَا إِلَيْنَا . فَبِذَلِكَ دَفَعْتُهَا إِلَيْكُمَا . فَأَنْشَدُكُمْ بِاللَّهِ هَلْ دَفَعْتُهَا إِلَيْهِمَا بِذَلِكَ ؟ قَالَ الرَّهْطُ : نَعَمْ . ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى عَلِيٍّ وَعَبَّاسٍ ، فَقَالَ : أَنْشَدُكُمَا بِاللَّهِ : هَلْ دَفَعْتُهَا إِلَيْكُمَا بِذَلِكَ ؟ قَالَا : نَعَمْ . قَالَ : فَتَلْتَمِسَانِ مِنِّي قِضَاءَ غَيْرِ ذَلِكَ ، فَوَاللَّهِ الَّذِي بِإِذْنِهِ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ لَا أَقْضِي فِيهَا قِضَاءَ غَيْرِ ذَلِكَ ، فَإِنْ عَجَزْتُمَا عَنْهَا فَادْفَعَاهَا إِلَيَّ ، فَإِنِّي أَكْفِيكُمَاهَا .

تراجم رجال

۱- اسحاق بن محمد الفروي

یہ اسحاق بن محمد الفروي - بفتح الفاء وسكون الراء وبالواو - رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۱)۔

تنبیہ (ایک اہم وضاحت)

فربری اور قابسی کے نسخوں میں یہاں قلب واقع ہوا ہے، چنانچہ ان نسخوں میں محمد بن اسحاق الفروي مذکور ہے، جو کہ وہم ہے، درست نام اسحاق بن محمد ہے (۲)۔

علاوہ ازیں اسحاق بن محمد امام بخاری کے ایسے شیخ ہیں، جن سے وہ بالواسطہ اور بلاواسطہ دونوں طرح روایت کرتے ہیں، کتاب الصلح (۳) میں ایک جگہ انہوں نے اسحاق بن محمد سے بواسطہ محمد بن عبد اللہ روایت نقل کی ہے (۴)۔

۲- مالک بن انس

یہ امام دارالبحر مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ ”بدء الوحي“ میں گزر چکا (۵)۔

۳- ابن شہاب

ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کا اجمالی تذکرہ ”بدء الوحي“ میں گزر چکا ہے (۶)۔

۴- مالک بن اوس بن الحدثان

یہ مشہور تابعی حضرت ابوسعید مالک بن اوس بن حدثان بن عوف نصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۷)۔

(۱) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الصلح، باب قول الإمام لأصحابه: اذهبوا بنا نصلح.

(۲) عمدة القاري: ۲۳/۱۵، وفتح الباري: ۲۰۴/۶، وإرشاد الساري: ۱۹۳/۵.

(۳) کتاب الصلح، باب قول الإمام لأصحابه: اذهبوا بنا نصلح، رقم (۲۶۹۳).

(۴) فتح الباري: ۲۰۴/۶.

(۵) كشف الباري: ۲۹۰/۱، الحديث الثاني، و: ۸۰/۲.

(۶) كشف الباري: ۳۲۶/۱، الحديث الثالث.

(۷) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب البيوع، باب ما يذکر في بيع الطعام والحکرة.

وكان محمد بن جبیر ذكر لي ذكرًا من حديثه ذلك، فانطلقت معه حتى

أدخل علي مالك بن أوس، فسألته عن ذلك الحديث

اور محمد بن جبیر نے ان کی حدیث کا کچھ تذکرہ مجھ سے کیا تھا، سو میں انہی کے ہمراہ مالک بن اوس رحمۃ

اللہ علیہ کی خدمت میں چلا اور ان کے ہاں داخل ہوا، پھر ان سے حدیث کی بابت پوچھا۔

محمد بن جبیر سے مراد مشہور تابعی محمد بن جبیر بن مطعم رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۱)۔

اوپر ذکر کردہ عبارت امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ باب کے تحت ذکر کی گئی حدیث

انہوں نے محمد بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ سے بھی سنی تھی، لیکن خواہش یہ تھی کہ صاحب واقعہ سے بھی سن لی جائے، اس

لیے حضرت محمد بن جبیر کو ساتھ لیا اور مالک بن اوس رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہو گئے، مقصد واضح ہے کہ

امام زہری اپنی سند عالی کرنا چاہتے تھے، حافظ فرماتے ہیں:

”وفي صنع ابن شهاب ذلك أصل في طلب علو الإسناد؛ لأنه لم

يقتنع بالحديث عنه، حتى دخل عليه؛ ليشافه به، وفيه حرص ابن شهاب

علي طلب الحديث وتحصيله“ (۲)۔

یہاں ذلک کا مشارالیه محذوف ہے أي الآتي ذکرہ (۳) یعنی آئندہ سطور میں جس حدیث کا ذکر آ رہا

ہے اس کا سماع مجھے محمد بن جبیر سے تھا۔

أدخل کے اعراب میں دو احتمال ہیں:

۱- مرفوع ہو، بنا بریں کہ حتی عاطفہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انطلقت فدخلت۔

۲- منصوب ہو، کہ حتی ”إلى أن“ کے معنی میں ہو۔ ابن مالک رحمۃ اللہ علیہ نے وجہ نصب کو رائج قرار دیا ہے (۴)۔

حافظ فرماتے ہیں کہ ماضی کی بجائے مضارع کا صیغہ استعمال کرنا بطور مبالغہ کے ہے کہ اس وقت کی

(۱) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الأذان، باب الجهر في المغرب۔

(۲) فتح الباری: ۶/۲۰۴۔

(۳) حوالہ بالا، وإرشاد الساری: ۵/۱۹۳۔

(۴) حوالہ جات بالا، وعمدة القاری: ۱۵/۲۳۔

پوری صورت حال مجھے خوب متحضر ہے (۱)۔

فقال مالك

مالك بن اوس نے فرمایا۔

حضرت مالک بن اوس کبار تابعین میں سے ہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بکثرت روایت کرتے ہیں، ان کی صحبت میں اختلاف ہے، بعض علماء نے ان کا شمار صحابہ میں کیا ہے، لیکن رائج قول کے مطابق ان کو صحبت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حاصل نہیں ہوئی۔ البتہ ان کے والد اوس رضی اللہ عنہ بالاتفاق صحابی ہیں۔

حضرت مالک بن اوس رحمہ اللہ کی بخاری شریف میں دو ہی روایتیں ہیں، ایک تو حدیث باب ہے، دوسری روایت بیوع (۲) میں گزری ہے (۳)۔

بيننا أنا جالس في أهلي حين متع النهار

اس دوران کہ میں اپنے اہل و عیال کے ساتھ بیٹھا تھا اور دن چڑھ گیا تھا۔

متع - بالمیم والتاء المشناة..... والعین المهملة المفتوحات - (۴) کے معنی ہیں، ”ارتفع“ یعنی بلند ہو گیا، صاحب العین نے فرمایا ہے کہ متع النهار اس وقت بولا جاتا ہے جب دن چڑھ جائے اور زوال سے قبل کا وقت ہو (۵)۔

مسلم اور ابوداؤد (۶) کی روایت میں ”حين تعالى النهار“ کے الفاظ آئے ہیں (۷)۔ معنی واضح ہیں۔

(۱) فتح الباري: ۲۰۴/۶۔

(۲) صحيح بخاري، كتاب البيوع، باب ما يذكر في بيع الطعام والحكرة، رقم (۲۱۳۴)۔

(۳) فتح الباري: ۲۰۴/۶، وعمدة القاري: ۲۳/۱۵، والأنساب للسمعاني: ۴۹۴/۵، النصري، باب النون والصاد (المهملة)۔

(۴) عمدة القاري: ۲۳/۱۵۔

(۵) حوالہ بالا، وإرشاد الساري: ۱۹۳/۵، وكتاب العين: ۸۳/۲، باب العين والتاء والميم معهما۔

(۶) صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب حكم الفيء، رقم (۴۵۷۷)، وسنن أبي داود، كتاب الخراج.....، باب في صفايا رسول الله صلى الله عليه وسلم من الأموال، رقم (۲۹۶۳)۔

(۷) عمدة القاري: ۲۳/۱۵، وفتح الباري: ۲۰۴/۶-۲۰۵۔

إذا رسول عمر بن الخطاب يأتيني، فقال: أجب أمير المؤمنين

اچانک میرے پاس عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قاصد آیا اور کہا کہ امیر المؤمنین کے ہاں حاضری دو۔

حافظ فرماتے ہیں کہ اس فرستادہ کا نام مجھے معلوم نہیں ہو سکا، تاہم یہ احتمال ہے کہ مراد یرفا حاجب

ہوں، جن کا ذکر آگے آ رہا ہے (۱)۔

فانطلقت معه حتى أدخل على عمر، فإذا هو جالس على رمال سرير، ليس

بينه وبينه فراش، متكئ على وسادة من آدم

تو میں اس قاصد کے ساتھ چلا اور عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں داخل ہوا، تو دیکھا کہ وہ کھجور کی شاخوں سے

بُنی ہوئی چار پائی پر بیٹھے تھے، ان کے اور چار پائی کے درمیان کوئی بستر نہ تھا، چمڑے سے بنے تکیے سے ٹیک

لگائے ہوئے تھے۔

فانطلقت معه..... میں وہی بات ہے جو ابھی ماقبل میں گزری، رفع ونصب کے حوالے سے اور

مبالغے کے حوالے سے کہ جس طرح زہری کو اپنی ملاقات کا ہر جزئیہ یاد ہے، اسی طرح مالک بن اوس رحمہما اللہ

کو بھی ان کے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان اس وقت جو ملاقات ہوئی، اس کا ایک ایک جز متحضر ہے۔

رُمال راء کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ، بُنی ہوئی چیز۔ رمال سریر کے معنی ہیں وہ چار پائی جو کھجور کی

شاخوں سے بُنی ہوئی ہو (۲)۔

ليس بينه وبينه فراش کی تصریح اس لیے کی کہ عموماً اور عادت چار پائی پر بستر ہوتا ہے (۳)۔ لیکن

وقت کا خلیفہ اور آدھی دنیا کا حاکم جس چار پائی پر بیٹھا تھا وہ بستر سے بھی محروم تھا۔ اللہ اکبر۔

فسلمت عليه، ثم جلست، فقال: يا مالُ

میں نے انہیں سلام کیا، پھر بیٹھ گیا، حضرت نے فرمایا اے مالک

(۱) فتح الباری: ۶/۲۰۵، حافظ نے یہاں تو احتمالاً ہی یرفا کو فرستادہ قرار دیا ہے لیکن ہدی الساری میں اس کی خود نفی بھی کی

ہے۔ دیکھیے، ہدی الساری: ۴۳۹، فرض الخمس۔

(۲) فتح الباری: ۶/۲۰۵، وعمدة القاری: ۱۵/۲۳۔

(۳) حوالہ جات بالا۔

مال اصل میں مالک تھا، ترخیم کی وجہ سے مال ہو گیا ہے۔ لام کو کسرہ کے ساتھ پڑھنا بھی جائز ہے کہ اصل اس کی یہی ہے۔ اور لام پر ضمہ بھی جائز ہے کہ ترخیم کے بعد وہ مستقل اسم بن گیا ہے، اس لیے منادی مفرد کا اعراب اس کو دیا گیا (۱)۔

إنه قدم علينا من قومك أهل أبيات

تمہاری قوم کے کچھ گھرانے ہمارے پاس آئے ہیں۔

قوم سے مراد بنو نصر بن معاویہ بن بکر بن ہوازن ہے، حضرت مالک بن اوس رحمۃ اللہ علیہ کا تعلق اسی قبیلے سے تھا (۲)۔

مسلم شریف کی جویریہ عن مالک کے طریق میں ”ذاتُ أهل أبيات“ (۳) کے الفاظ ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ تھوڑے تھوڑے ہو کر آئے ہیں، غالباً ان لوگوں کا موطن اصلی قحط سالی کا شکار ہو گیا تھا، اس بنا پر یہ تلاش معاش میں مدینہ منورہ آ گئے تھے (۴)۔

وقد أمرت فيهم برضخ، فاقبضه، فاقسمه بينهم

تحقیق میں نے ان کے لیے کچھ امداد کا حکم جاری کیا ہے، جس کا قبضہ تم لے لو، پھر ان میں تقسیم کر دو۔

رضخ - بفتح الراء، وسكون المعجمة، بعدها خاء معجمة - عطية واداد کو کہتے ہیں، جو بہت زیادہ ہو، نہ مقرر (۵)۔

فقلت: يا أمير المؤمنين، لو أمرت به غيري؟

تو میں نے کہا، امیر المؤمنین! میرے علاوہ کسی اور کو یہ ذمے داری سونپ دیں (تو زیادہ بہتر ہوگا)۔

چونکہ تحمل امانت کا معاملہ تھا اور ذمے داری بڑی تھی، اس لیے مالک بن اوس رحمۃ اللہ علیہ نے عذر پیش

(۱) عمدة القاري: ۲۴/۱۵، وفتح الباري: ۲۰۵/۶، والقسطلاني: ۱۹۳/۵، والکرماني: ۷۷/۱۳۔

(۲) فتح الباري: ۲۰۵/۶، وإرشاد الساري: ۱۹۳/۵۔

(۳) صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب حكم الفيء، رقم (۴۵۷۷)۔

(۴) فتح الباري: ۲۰۵/۶، وإرشاد الساري: ۱۹۳/۵، وعمدة القاري: ۲۴/۱۵۔

(۵) حوالہ جات بالا۔

کرنے کی کوشش کی (۱)۔

قال: اقبضه أيها المرء

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (حکماً) فرمایا اے آدمی! اس کو اپنے قبضہ میں لے لو۔

دوسری بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکماً حضرت مالک کو فرمایا کہ یہ کام تمہی نے کرنا ہے، چنانچہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے مذکورہ امداد قبضہ میں لے کر اپنی قوم کے افراد میں تقسیم کر دی، چونکہ قرینہ اس پر موجود تھا، اس لیے انہوں نے یہ تفصیل حذف کر دی ہے (۲)۔

فبینا أنا جالس عنده أتاه حاجبه يرفاً

اس اثناء میں کہ میں ان کے پاس بیٹھا تھا کہ ان کا دربان یرفا اندر آیا۔

یرفا

اس نام کو ہمزہ اور بغیر ہمزہ دونوں طرح پڑھا گیا ہے، تاہم بغیر ہمزہ کے زیادہ مشہور ہے (۳)۔ یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مولیٰ اور دربان تھے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا ہے، بلکہ جاہلیت کا زمانہ بھی دیکھا ہے، لیکن صحبت ثابت نہیں ہے (۴)۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کی سعادت بھی حاصل کی (۵)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کسی ذریعے سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ ایک ہی وقت میں مختلف و متنوع اقسام کے کھانے تناول کرتے ہیں، جو زہد کے خلاف ہے، اس لیے انہوں نے یرفا سے کہا کہ جب یزید (رضی اللہ عنہ) کے رات کا کھانا آجائے تو مجھے بتلانا۔ حسب حکم کھانے پہنچنے کے بعد یرفا

(۱) حوالہ جات بالا۔

(۲) حوالہ جات بالا۔

(۳) عمدة القاري: ۲۴/۱۵۔

(۴) حوالہ بالا، وفتح الباري: ۲۰۵/۶، والإصابة: ۶۷۲/۳، وشرح القسطلاني: ۱۹۴/۵۔

(۵) فتح الباري: ۲۰۵/۶، والإصابة: ۶۷۲/۳۔

نے امیر المؤمنین کو اطلاع کر دی، چنانچہ وہ آئے اور اجازت طلب کی۔ اجازت ملنے پر اندر آئے، اولاً گوشت کا ٹرید پیش کیا گیا، جس میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ان کے ساتھ تناول فرمایا..... پھر بھنا گوشت پیش کیا گیا تو حضرت یزید نے اپنا ہاتھ بڑھایا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ رک گئے اور فرمایا، اے یزید! یہ کیا ہے؟ کھانے کے بعد پھر کھانا؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں عمر کی جان ہے! اگر تم نے ان کے طریقہ کی مخالفت کی تو تم بھی ان کے طریقہ سے ہٹا دیے جاؤ گے (۱)۔

یرفارحمة اللہ علیہ کا ذکر مصنف ابن ابی شیبہ کی کتاب الصلاة کی ایک حدیث میں بھی آیا ہے، چنانچہ ابن ابی شیبہ نے ”یحیی بن سعید عن عبيد الله بن عبد الله عن أبيه“ کے طریق سے نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں، ”جئت إلى عمر، وهو يصلي، فجعلني عن يمينه، فجاء يرفأ، فجعلنا خلفه“ (۲)۔

سعید بن منصور کی ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یرفارحمة اللہ علیہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بھی بقیہ حیات تھے، چنانچہ ابواسحاق (۳) یرفا سے روایت کرتے ہیں، ”قال: قال لي عمر: إني أنزلت نفسي من مال الله بمنزلة ولي اليتيم؛ إن احتجت أخذت منه، وإن أيسرُ رددته، وإن استغنيت استعفت“ (۴)۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ

فقال: هل لك في عثمان وعبد الرحمن بن عوف والزبير وسعد بن وقاص يستأذنون؟ قال: نعم. فأذن لهم، فدخلوا، فسلموا وجلسوا

یرفا نے کہا کہ (امیر المؤمنین!) کیا آپ کو عثمان، عبد الرحمن بن عوف، زبیر بن عوام اور سعد بن ابی

(۱) کتاب الزهد لابن المبارك، الجزء الرابع، باب ما جاء في الفقر: ۲۰۳-۲۰۴، رقم (۵۷۸)۔

(۲) المصنف لابن أبي شيبه: ۵۶۸/۳، کتاب الصلاة، باب ما قالوا: إذا كانوا ثلاثة.....، رقم (۴۹۸۲)۔

(۳) حضرت ابواسحاق عمرو بن عبد اللہ سمعی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت عہد عثمانی کے آخری سالوں میں ہوئی ہے۔ کشف الباری:

۳۷۱/۲۔

(۴) السنن الكبرى للبيهقي: ۳۵۴/۶، کتاب قسم الفي،.....، رقم (۱۲۷۹۰)، ومعرفة السنن والآثار:

۱۶۴/۵، کتاب قسم الفي،.....، باب رزق الوالي، رقم (۴۰۱۲)، اس اثر کو ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل کیا

ہے، لیکن اس میں یرفا کی بجائے حارث بن مضرب عبدی یہ اثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کرنے والے ہیں۔ انظر

المصنف: ۴۹۱/۱۷، کتاب السير، باب ما قالوا في عدل الولي،.....، رقم (۳۳۵۸۵)۔

وقاص رضی اللہ عنہم کی ملاقات میں کوئی رغبت ہے کہ یہ حضرات ملنے کی اجازت چاہتے ہیں؟ انہوں نے کہا، بالکل۔ تو یرفانے انہیں مطلع کیا، سو یہ حضرات اندر آئے، سلام کیا اور بیٹھ گئے۔

دربار عمری میں آنے والے حضرات کل کتنے تھے، اس بارے میں حافظ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے تمام طرق میں ان چاروں حضرات کے علاوہ اور کسی کا نام میں نے نہیں دیکھا، سوائے نسائی شریف (۱) اور عمر بن شبہ (۲) کی ایک روایت میں، جو عمرو بن دینار عن ابن شہاب کے طریق سے ہے، اس میں طلحہ بن عبید اللہ کے نام کا اضافہ بھی پایا جاتا ہے، علاوہ ازیں امامی عن ابن شہاب کے طریق میں بھی طلحہ بن عبید اللہ کا ذکر پایا گیا ہے۔ اسی طرح یہ روایت ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے ابوالخثری کے طریق سے نقل کی ہے (۳)۔ اس میں بھی طلحہ رضی اللہ عنہ کا ذکر موجود ہے، تاہم اس میں عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا ذکر نہیں ہے (۴)۔

ثم جلس یرفأ یسیرا، ثم قال: هل لك في علي وعباس؟ قال: نعم. فأذن لهما، فدخلوا، فسلما، فجلسا

پھر یرفانے ان دونوں کو اندر آنے کا کہا، سو یہ دونوں حضرات اندر آئے، سلام کیا اور بیٹھ گئے۔
شعیب بن ابی حمزہ کی مغازی کی روایت میں ”هل لك في علي وعباس“ کے بعد ”یستأذنان“ (۵) کا اضافہ بھی ہے کہ ”وہ دونوں اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں“۔

فقال عباس: يا امير المؤمنين، اقض بيني وبين هذا.

حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے فرمایا، امیر المؤمنین! میرے اور ان کے درمیان فیصلہ کیجئے۔
یہاں باب کی روایت اس طرح ہے کہ ”اقض بیني وبين هذا“ لیکن شعیب بن ابی حمزہ کی روایت

(۱) سنن النسائي الكبرى، کتاب الفرائض، باب ذکر مواریت الأنبياء، رقم (۶۳۰۹)۔

(۲) أخبار المدينة: ۱/۱۲۸، رقم (۵۶۵)، خصومة علي والعباس رضي الله عنهما إلى عمر.....

(۳) سنن أبي داود، کتاب الخراج.....، باب في صفايا رسول الله صلى الله عليه وسلم.....، رقم (۲۹۷۵)۔

(۴) فتح الباري: ۶/۲۰۵، وشرح القسطلاني: ۵/۱۹۴۔

(۵) صحيح بخاري، کتاب المغازی، باب حديث بني النضير، ومخرج رسول الله.....، رقم (۴۰۳۳)۔

کے الفاظ یوں ہیں، ”فاستب علي وعباس“ (۱) اور عقیل عن ابن شہاب کے طریق میں ”افض بيني وبين هذا الظالم، استبنا“ (۲) کے الفاظ ہیں، جب کہ جویریہ کی روایت میں ”وبين هذا الكاذب، الآثم، الغادر، الخائن“ (۳) کے الفاظ ہیں۔

ان تمام طرق کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عمرو دیگر کبار صحابہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا اور ان کے حق میں کاذب، آثم وغادر جیسے سخت کلمات استعمال کیے۔ تاہم حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو کچھ کہا ہو، اس کی روایات میں صراحت نہیں ہے، بقول حافظ صرف عقیل کی ایک روایت ہے، جس میں ”استبنا“ کے کلمات ہیں کہ ان دونوں نے ایک دوسرے کو برا بھلا کہا، چنانچہ حافظ کہتے ہیں:

”ولم أر في شيء من الطرق أنه صدر من علي في حق العباس شيء، بخلاف ما يفهم قوله في رواية عقیل: استبنا“ (۴)۔

علاوہ ازیں شعیب کی روایت بھی اس امر پر دال ہے کہ ان دونوں نے ایک دوسرے کو برا بھلا کہا ہے، ”فاستب علي وعباس“۔

لیکن رائج یہی ہے کہ اس موقع پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ہی مذکورہ کلمات کہے ہیں، نہ کہ حضرت علی نے، بشرطیکہ اس کی صحت کو تسلیم کیا جائے کہ حضرت عباس نے واقعی یہ کلمات کہے ہیں اور حضرت علی کو برا بھلا کہا ہے۔

کیا حضرت عباس نے واقعی یہ کلمات کہے ہیں؟

اب سوال یہ ہے کہ آیا واقعی حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے مذکورہ کلمات کہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا ہے؟ تو اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں:

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) صحیح بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب ما یکرہ من التعمق.....، رقم (۷۳۰۵)۔

(۳) صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسير، باب حکم الفی، رقم (۴۵۷۷)۔

(۴) فتح الباری: ۲۰۵/۶۔

۱- علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں تقدیر عبارت یوں ہے: الکاذب إن لم ينصف (۱) کہ یہ جھوٹے ہیں، خائن ہیں..... اگر میرے ساتھ انصاف نہ کریں۔ یعنی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے مذکورہ کلمات مقید بالشرط ہیں۔

۲- علامہ مازری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کلمات کو حذف کرنے کی تصویب فرمائی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ غالباً یہاں بعض رواۃ کو وہم ہو گیا ہے۔

جب کہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ تو ان کلمات کو حذف کرنا واجب قرار دیتے ہیں، ”يجب إزالة هذه اللفظة عن الكتاب“ (۲)۔

۳- مازری رحمۃ اللہ علیہ مزید یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر یہ کلمات محفوظ بھی ہوں تو ان کا محمل یہ ہوگا کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہ کلمات ازراہ نازاد فرمائے ہیں، کیوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے لیے بمنزلہ ولد (بیٹے) کے ہیں کہ وہ ان کے سگے چچا تھے، باپ بیٹے اور چچا بھتیجے میں اس طرح کے کلمات مستبعد نہیں، حضرت عباس رضی اللہ عنہ چونکہ حضرت علی کو غلطی پر سمجھتے تھے، اس لیے ان کی غرض یہ تھی کہ حضرت علی کو روکا جائے۔

۴- نیز ان کی غرض یہ بھی ہو سکتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جو کچھ کر رہے ہیں، اگر وہ سب عمداً و قصداً ہے تو وہ ان صفات کے ساتھ متصف ہیں، ورنہ نہیں۔

مزید فرماتے ہیں کہ یہ تاویل اس لیے ضروری ہے کہ جو کچھ ہوا وہ صحابہ کی ایک جماعت کی موجودگی میں ہوا، جن میں عمر فاروق جیسی شخصیت بھی تھی اور دوسری جلیل القدر ہستیاں بھی تھیں، ان سب حضرات کے ہوتے ہوئے اس واقعہ کا رونما ہونا اور ان حضرات کا اس پر تنبیہ نہ کرنا سمجھ میں نہیں آتا۔ مازری لکھتے ہیں:

”ولا بد من هذا التأويل؛ لوقوع ذلك بمحضر الخليفة ومن ذكر معه،

ولم يصدر منهم إنكار لذلك، مع ما علم من تشددهم في إنكار المنكر“ (۳)۔

(۱) عمدة القاري: ۲۴/۱۵۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) حوالہ بالا، وفتح الباري: ۲۰۵/۶، وشرح النووي علی مسلم: ۹۰/۲، وكذا انظر حاشية السندی علی

صحيح مسلم، المطبوعة مع مسلم: ۴۶۶/۲۔

وہما يختصمان فيما أفاء الله على رسوله ﷺ من بني النضير
اور وہ دونوں حضرات جھگڑ رہے تھے بنو نضیر کے اس مال فی میں، جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کو عطا فرمایا تھا۔

روایت میں اختصار

یہاں روایت میں اختصار ہے کہ اس میں صرف بنو نضیر کے مال فی ذکر ہے، جب کہ مراد نبی علیہ
السلام کی ملکیتی زمینیں ہیں، جن میں بنو قریظہ، بنو نضیر کی زمینیں، جو مدینہ میں تھیں، فدک اور خیبر کا خمس وغیرہ شامل
ہیں، علامہ عینی امام نسفی کے حوالے سے فرماتے ہیں:

”وقال ابن عباس في قوله ﴿وما أفاء الله على رسوله منهم﴾ (۱) هو
من أموال الكفار، وأهل القرى - وهم بنو قريظة والنضير - وهما بالمدينة،
وفدك، وخیبر، وقرى عرينة، وينبع“ (۲)۔

فقال الرهط عثمان وأصحابه: يا أمير المؤمنين، اقض بينهما، وأرح أحدهما
من الآخر

جماعت نے یعنی حضرت عثمان اور ان کے ساتھیوں نے کہا، امیر المؤمنین! ان دونوں حضرات کے
درمیان فیصلہ کر دیجیے اور ایک کو دوسرے سے آرام دیجیے۔

یہاں کی روایت میں ”الرهط“ کا لفظ ہے، جب کہ مسلم شریف کی روایت میں ”القوم“ آیا ہے، اسی
روایت میں ان کلمات کی زیادتی بھی مروی ہے، ”فقال مالك بن أوس: يخیل إلي أنهم قد كانوا
قد موهم لذلك“ (۳)۔ اور ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے: ”فقال العباس: يا امیر المؤمنین، اقض

(۱) الحشر ۶/۔

(۲) عمدة القاري: ۲۴/۱۵، وتنوير المقباس من تفسير ابن عباس، الحشر ۳-۸، ۸۶/۲، وأحكام القرآن

للرازي: ۵۷۴/۳، ومن سورة الحشر۔

(۳) مسلم شریف، کتاب الجہاد والسير، باب حکم الفيء، رقم (۴۵۷۷)۔

بینی وبين هذا - یعنی علیا - فقال بعضهم: أجل يا أمير المؤمنين، فاقض بينهما وأرحهما“ (۱)
جس سے ان حضرات کی تشریف آوری کا مقصد واضح ہو رہا ہے کہ یہ حضرات سفارش کے لیے آئے تھے، کہ
حضرت عباس وعلی رضی اللہ عنہما کے درمیان کوئی واضح فیصلہ کر دیا جائے کہ منازعت وخصامت ختم ہو اور آپس کے
تعلقات مزید خراب نہ ہوں (۲)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے مسند ابن ابی عمر کی ایک روایت، جو معمر عن الزہری کے طریق سے مروی
ہے، کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے ”اقض بینہما“ فرمایا تھا۔ اس سے اس
امر کی تعیین ہو گئی کہ ربط میں سے بات کس نے شروع کی تھی (۳)۔

فقال الرهط عثمان وأصحابه میں عثمان وأصحابه مبتدائے محذوف کی خبر ہے، أي: ہم
عثمان وأصحابه المذكورون۔

تاہم یہ الرهط سے بدل یا عطف بیان بھی ہو سکتا ہے (۴)۔

وَأَرَحَ صيغہ امر ہے، إراحة (افعال) سے اور واو عاطفہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں جس
جھگڑے میں ہیں، اس سے انہیں آرام دیجیے (۵)۔

قال عمر: تيدكم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ذرا رکو، صبر کرو۔

تيدكم کا ضبط اور معنی

تيدكم تائے مثناة کے فتح اور كسرہ کے ساتھ، جب کہ ياء ساکنہ ہے اور دال مفتوحہ یا مضمومہ، یعنی
تَيْدُكُمْ، یہ اسم فعل ہے روید کی طرح، اس کے معنی ہیں، صبر کرو۔

(۱) سنن أبي داود، كتاب الخراج والقي، والإمارة، باب في صفايا رسول الله، رقم (۲۹۶۳)۔

(۲) فتح الباري: ۲۰۵/۶، وعمدة القاري: ۲۴/۱۵، وتكملة فتح الملهم: ۴۹/۳۔

(۳) فتح الباري: ۲۰۵/۶۔

(۴) عمدة القاري: ۲۴/۱۵۔

(۵) حوالہ بالا، وتكملة فتح الملهم: ۴۹/۳۔

ابو ذر کی روایت میں یہ کلمہ تئید کم - بفتح المثناة و کسر التحتانیة مهموز وفتح الدال - مروی ہے۔ ابن التین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس کی اصل تید کم ہے، جو التؤدة مصدر سے مشتق ہے، جس کے معنی رفیق اور نرمی کے ہیں۔ ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے (۱)۔

أنشدکم باللہ الذی بإذنه تقوم السماء والأرض، هل تعلمون أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: لا نورث، ماتر کنا صدقة؟ یرید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نفسه. قال الرهط: قد قال ذلك

میں تمہیں اس ذات کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں کہ کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ہم جو تر کہ چھوڑ جائیں اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی، وہ تو صدقہ ہے؟ اس سے نبی علیہ السلام نے اپنی ذات شریفہ مراد لی تھی۔ حاضرین نے کہا، بالکل، نبی علیہ السلام نے اسی طرح فرمایا تھا۔

أنشدکم میں روایت شین کے ضمہ کے ساتھ ہے، یہ باء اور بغیر باء دونوں طرح مستعمل ہے، نشدتک اللہ اور نشدتک باللہ۔ اس کے معنی ہیں، اسألکم باللہ کہ میں اللہ کے نام پر سوال کرتا ہوں، درخواست کرتا ہوں اور اس کا واسطہ دیتا ہوں۔

علاوہ ازیں یہ لفظ باب افعال سے بھی مستعمل ہے، یعنی ہمزہ کے ضمہ اور شین کے کسرہ کے ساتھ (مضارع متکلم)۔ نووی نے اس کی تصریح کی ہے (۲)۔

لا نورث میں روایت نون کے ساتھ ہے، یعنی جمع متکلم کا صیغہ ہے، امام قرطبی فرماتے ہیں کہ اس سے جماعة الانبیاء مراد ہے (۳)، چنانچہ ایک روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں، ”إننا معشر الأنبياء لا نورث“ (۴)

(۱) عمدة القاري: ۲۴/۱۵، وفتح الباري: ۲۰۶/۶، والنهية في غريب الحديث: ۱۷۸/۱، باب التاء مع الهمزة، مادة تئد، وشرح القسطلاني: ۱۹۴/۵۔

(۲) عمدة القاري: ۲۴/۱۵، وإرشاد الساري: ۱۹۴/۵، وشرح النووي على مسلم: ۹۰/۲۔

(۳) عمدة القاري: ۲۴/۱۵، والمفهم للقرطبي: ۸۵/۱۱، باب ما يضر فيه الفيء.....

(۴) وتامامہ: ”ماتر کنا فهو صدقة“ انظر سنن النسائي الكبرى، کتاب الفرائض، باب ذکر موارث الأنبياء، =

علاوہ ازیں ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن شہاب عن مالک بن اوس عن عمر رضی اللہ عنہ کے طریق سے ایک حدیث نقل کی ہے، اس کے الفاظ اور زیادہ واضح ہیں، فرماتے ہیں، ”إنا معشر الأنبياء، ما تر كنا صدقة“ (۱)۔ تاہم حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب یہ ہے کہ یہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے، اس میں دوسرے انبیاء ان کے ساتھ شامل نہیں، ان کا استدلال قرآنی آیات ﴿یرثنی ویرث من آل یعقوب﴾ (۲) اور ﴿وورث سلیمان داود﴾ (۳) سے ہے۔

لیکن جمہور علمائے امت نے ان آیات کو میراث علم، نبوت، حکمت (تکمی علیہ السلام کے لیے) اور پرندوں کی بولی (سلیمان علیہ السلام کے لیے) پر محمول کیا ہے، لہذا رائج یہی ہے کہ انبیائے کرام کے مال میں میراث جاری نہیں ہوتی، وہ صدقہ ہوتا ہے (۴)۔

انبیاء وارث ہو سکتے ہیں؟

اوپر کی تفصیل اس بابت تھی کہ انبیاء کا کوئی وارث ہو سکتا ہے یا نہیں، ان کے مال میں وراثت جاری ہوگی یا نہیں۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا انبیاء وارث بھی نہیں ہو سکتے کہ اپنے مورثین کے مال سے میراث پائیں؟ اس مسئلے میں ہمارے حضرات حنفیہ - کثر اللہ سوادہم - کے اقوال دو طرح کے ہیں:

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسائل میں فرمایا ہے کہ نبوت مانع ارث ہے، تاہم یہ وارثیت یا موروثیت دونوں سے مانع ہے یا صرف موروثیت سے؟ تو شافعیہ رحمہم اللہ کا میلان دوسری طرف ہے کہ نبوت صرف موروثیت سے مانع ہے، نہ کہ وارثیت سے..... لیکن ہمارے ائمہ کے اقوال اس مسئلے میں مختلف ہیں:

چنانچہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے کرام وارث اور مورث دونوں نہیں ہو سکتے، فرماتے ہیں، ”کل إنسان يرث ويرث، إلا الأنبياء عليهم السلام لا يرثون ولا

= رقم (۶۳۰۹)، وفتح الباری: ۱۲/۸، کتاب الفرائض.

(۱) التمهيد لابن عبدالبر: ۱۷۵/۸، حدیث ثامن لابن شہاب عن عروة.

(۲) مریم/۶.

(۳) النسل/۱۶.

(۴) عمدة القاري: ۲۴/۱۵-۲۵، وإرشاد الساري: ۱۹۴/۵، والتمهيد لابن عبدالبر: ۱۷۴/۸-۱۷۵.

یورثون“ نیز فرماتے ہیں کہ یہ جو منقول ہے کہ نبی علیہ السلام حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال کے وارث ہوئے تھے تو یہ بات درست نہیں ہے، بلکہ وہاں تو یہ ہوا تھا کہ انہوں نے اپنا سارا مال صحت کے ایام ہی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کر دیا تھا (۱)۔

دوسری طرف ابن الکمال اور سبب النہر کی عبارات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے کرام بھی عوام کی طرح وارث ہوتے ہیں (۲)۔

مذہب شافعیہ و مالکیہ

اوپر علامہ شامی کی عبارت میں گذرا کہ شافعیہ انبیائے کرام علیہم السلام کے لیے وارثیت کو درست سمجھتے ہیں، صاحب ”الإقناع“ علامہ شربینی فرماتے ہیں:

”..... أن الناس في الإرث أربعة أقسام: منهم من يرث ويورث، وعكسه فيهما، ومنهم من يرث ولا يرث، وعكسه، والرابع الأنبياء عليهم السلام، فإنهم يرثون ولا يورثون“ (۳)۔

مالکیہ کا مذہب بھی اس مسئلے میں شوافع کی طرح ہے، ان کے ہاں بھی یہی رائج ہے کہ انبیاء وارث ہوتے ہیں، علامہ درردیر نے الشرح الکبیر میں نبی علیہ السلام کے خصائص میں لکھا ہے: ”وبأن لا يرث، وكذا غيره من الأنبياء“ (۴) اس کی توضیح کرتے ہوئے علامہ دسوقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس عبارت کا مقتضا یہی ہے کہ وہ وارث ہوتے ہیں، کیوں کہ درردیر رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ”لا يرث“ پر اقتصار کیا ہے، جس کا مقتضا ”یرث“ ہے۔ یہی رائج بھی ہے، کیوں کہ یہ امر ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے والد محترم کی میراث میں سے ام ایمن برکتہ حبشہ ملی تھیں، ساتھ میں کچھ بکریاں وغیرہ بھی تھیں (۵)۔

(۱) الأشباه والنظائر مع شرحه للحموي: ۴۹۶/۲، الفن الثاني، كتاب الفرائض، رقم (۱۷۸۲)۔

(۲) رسائل ابن عابدين: ۲۰۲/۲، الرحيق المختوم شرح قلائد المنظوم، فصل في موانع الإرث، وردالمختار، كتاب الفرائض، (تتمة): ۵۴۳/۵، جملة الموانع حنيذ ستة.....

(۳) الأوجز: ۵۴۴/۱۷، والإقناع: ۲۸۵/۲، كتاب بيان أحكام الفرائض، القول في موانع الإرث الحقيقية.

(۴) الشرح الكبير مع الدسوقي: ۵۴۱/۲، باب الخصائص.

(۵) حوالہ بالا، والأوجز: ۵۴۴/۱۷، وفي السيرة الحلبية: ۵۲/۱، باب وفاة والده صلى الله عليه وسلم: =

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ أم ایمن رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرماتے ہیں:

”قالوا: وكان رسول الله ﷺ ورثها عن أبيه.....، فأعتق رسول الله ﷺ

أم أيمن حين تزوج خديجة..... رضي الله عنها“ (۱).

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے

ہمارے مشائخ میں سے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس مسئلے میں شوافع و موالک کے مثل اس بات

کے قائل ہیں کہ انبیاء وارث ہوتے ہیں، مورث نہیں، فرماتے ہیں:

”اختلف العلماء في توريث الأنبياء من غيرهم، فقال بعضهم: لا

يرثون كما لا يُورثون، ورووا نحن معاشر الأنبياء، لا نرث ولا نورث،

والصحيح أن هذه اللفظة غير ثابتة.....“ (۲).

اس عبارت میں ہذا اللفظة سے مراد ”لا نرث“ ہے، یہ غیر ثابت ہے اور عام روایات اس زیادتی سے

خالی ہیں، عام روایات میں صرف لا نورث کے کلمات پائے جاتے ہیں (۳)۔

اسی طرح علامہ گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حدیث نبوی ”سلوني من مالي“ کی شرح میں فرماتے ہیں:

”والإيراد بأنه صلى الله عليه وسلم لم يكن له مال سيما بمكة توهم،

أفلم يكن له صلى الله عليه وسلم ما فيه أكله وشربه، والتركة التي أصابه من

أبيه؟ وما اشتهر من ”إنا لانرث، ولا نورث“ فالكلمة الأولى منها لم تثبت“ (۴).

خلاصہ یہ ہوا کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف اس مسئلے میں وہی ہے جو شوافع و موالک کا ہے کہ

= ”وترك عبد الله خمسة أجسال، وقطعة من غنم، فورث ذلك رسول الله صلى الله عليه وسلم من أبيه“.

(۱) الطبقات الكبرى لابن سعد: ۲۲۳/۸، ذکر أم أيمن، والإصابة: ۴۳۲/۴، فصل فيمن عرف بالكنية من

النساء، إلا أن فيه ”ورثها عن أمه“.

(۲) الكوكب الدرّي: ۱۰۳/۳-۱۰۴، كتاب الفرائض، تحت رقم (۲۱۰۵).

(۳) تعليقات الكوكب الدرّي للكاندهلوي: ۱۰۴/۳، وكذا انظر أوجز المسالك: ۵۴۵/۱۷.

(۴) الكوكب الدرّي: ۲۲۹/۴، كتاب التفسير، سورة الشعراء، تحت قوله ﷺ: ”سلوني من مالي“.

انبیاء وارث ہوتے ہیں (۱)۔

ایک سوال اور اس کا جواب

اوپر کے اس موقف پر ایک اعتراض ہوتا ہے کہ نبی علیہ السلام کی تین صاحبزادیوں زینب، رقیہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہن وارضاهن کا انتقال نبی علیہ السلام کی حیات ہی میں ہو گیا تھا، لیکن روایات میں کہیں بھی یہ نہیں آیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی میراث میں سے حصہ لیا ہو۔

اس کا جواب علمائے سیرت نے یہ دیا ہے کہ اولاً تو یہ تسلیم ہی نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی میراث میں سے حصہ نہیں لیا۔

ثانیاً۔ اگر اس دعویٰ کو تسلیم کر بھی لیا جائے کہ آپ نے ان کی میراث نہیں لی تھی تو ہو سکتا ہے کہ بطور استغنا آپ نے کچھ نہ لیا ہو۔ اس سے بہر حال وارثیت کی نفی نہیں ہوتی (۲)۔ واللہ اعلم بالصواب

صدقہ کا اعراب

حدیث نبوی ”لا نورث ما ترکنا صدقة“ میں لفظ صدقہ مرفوع ہے، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، یہ رفع کے ساتھ ہے اور جملہ مستانفہ ہے، گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ فرمایا، ”لا نورث“ تو قدرتی طور پر سوال پیدا ہوا کہ پھر آپ کے ترکہ کا کیا کیا جائے؟ تو جواب دیا گیا ”ما ترکنا صدقة“ کہ ہم جو ترکہ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔

یہ لفظ نصب کے ساتھ بھی مروی ہے، اس صورت میں تقدیر عبارت یوں ہوگی، ”ما ترکنا مبدول صدقة“، چنانچہ خبر (مبدول) کو حذف کر دیا گیا اور صدقہ (در صورت نصب) حال ہو کر خبر کی عوض میں ہو کر باقی رہا۔۔۔۔۔

شیعہ شنیعہ کا یہ کہنا کہ اس جملہ میں مانافیہ ہے اور لفظ صدقہ، ترکہ کا مفعول بہ ہو کر منصوب ہے تو یہ

(۱) تعلیقات الکوکب: ۲۲۹/۴، والأوجز: ۵۴۵/۱۷۔

(۲) تعلیقات الکوکب: ۲۳۰/۴، والبذل: ۷۳/۱۰، کتاب الفرائض، باب: فی میراث ذوی الأرحام، رقم

(۲۹۰۲)، والأوجز: ۵۴۶/۱۷، والسیرة الحلبيّة: ۵۲/۱، باب وفاة والده صلی اللہ علیہ وسلم۔

بہتان اور افترا ہے، ان کے رد کے لیے یہی کافی ہے کہ اکثر روایات میں تر کناہ ضمیر منصوب کے ساتھ آیا ہے، جو ضمیر عائد ہے اور اس کا مرجع مامصولہ ہے۔

علاوہ ازیں بعض روایات میں ”فہو صدقة“ آیا ہے (۱)، اس کے تو مرفوع ہونے میں کوئی شک ہی نہیں کہ ہو ضمیر مبتدا ہے اور صدقة اس کی خبر۔

اسی طرح وہ احادیث جن میں اس قسم کی صراحت آئی ہے، ”إنا معاشر الانبياء، لا نورث“۔
اس سب کا حاصل یہ ہے کہ یہاں لفظ صدقة اکثر روایات کے مطابق مرفوع ہے اور مامصولہ ہے، نہ کہ نافیہ (۲)۔

فأقبل عمر على علي وعباس، فقال: أنشد كما الله، أتعلمان أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قد قال ذلك؟ قالوا: قد قال ذلك۔

پھر حضرت عمر حضرت علی و حضرت عباس رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا، میں تم دونوں سے اللہ کے نام پر پوچھتا ہوں کہ کیا تم یہ جانتے ہو کہ نبی علیہ السلام نے مذکورہ بالا بات ارشاد فرمائی تھی؟ ان دونوں نے کہا، بالکل ارشاد فرمائی تھی۔

اولاً حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سفارش کنندگان کے سامنے مذکورہ بالا سوال رکھا کہ کیا تم لوگوں نے نبی علیہ السلام کو فرماتے سنا تھا کہ ”لا نورث، ما ترکنا صدقة؟“ جب انہوں نے سننے کا اقرار کیا تو یہی سوال حضرت علی و عباس رضی اللہ عنہما سے بھی کیا، جس کا جواب ان دونوں نے بھی یہی دیا کہ ہم نے یہ بات سن رکھی ہے، ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ یہ اگلی بات کے لیے بطور تمہید کے ہے۔ ذلک کا مشار الیہ حدیث ”لا نورث، ما ترکنا صدقة“ (۳) ہے۔

(۱) انظر المؤطا، کتاب الکلام، باب ماجاء فی تركة النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم (۱۸۰۸)۔

(۲) مرقاة المفاتیح: ۱۱/۱۲۹-۱۳۰، کتاب الفضائل والشمائل، رقم (۵۹۷۶)، وشرح الطیبی: ۱۱/۱۹۵،

والأوجز: ۱۷/۵۳۵، والتعلیق الممجد: ۳۱۹۔

(۳) عمدة القاری: ۱۵/۲۵، وإرشاد الساری: ۵/۱۹۴۔

قال عمر: فإني أحدثكم عن هذا الأمر: إن الله قد خص رسوله صلى الله عليه وسلم في هذا الفیء بشيء لم يعطه أحدا غيره، ثم قرأ ﴿وما أفاء الله على رسوله منهم - إلی قوله - قدير﴾ فكانت هذه خالصة لرسول الله صلى الله عليه وسلم

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں تم لوگوں کو اس معاملے کے بارے میں بتلاتا ہوں، اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس مال فیء میں سے ایک مخصوص حصہ مقرر کر دیا تھا، جس میں سے انہوں نے کسی کو کچھ بھی نہیں دیا، چنانچہ یہ صرف اور صرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص تھا۔ عبارت میں ذکر کردہ آیت پوری اس طرح ہے:

﴿وما أفاء الله على رسوله منهم فما أوجفتم عليه من خيل ولا ركاب ولكن الله يسلط رسله على من يشاء، والله على كل شيء قدير﴾ (۱)۔
 ”اور جو مال اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے دلویا ہے، اس پر تم نے گھوڑے دوڑائے، نہ اونٹ، لیکن اپنے رسولوں کو جس پر چاہے غلبہ عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت حاصل ہے۔“

مذکورہ بالا آیت کریمہ جہاں مال فیء کی تعریف کو شامل ہے، وہیں اس میں اس بات کی بھی تصریح آگئی کہ یہ مال رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خالص ہوتا تھا اور کسی کا اس میں استحقاق نہیں تھا، نبی علیہ السلام اس مال کو جس طرح صرف کریں انہی پر منحصر تھا، حدیث باب کے جملہ ”فكانت هذه خالصة لرسول الله صلى الله عليه وسلم“ کا مطلب یہی ہے (۲)۔

اب یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ اس مال کا آپ علیہ السلام کرتے کیا تھے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مال ان کے نفقے اور اہل و عیال کے نفقے میں استعمال ہوتا تھا اور جو کچھ بچ رہتا اسے مسلمانوں کے مصالح میں

(۱) الحشر/۶۔

(۲) عمدة القاري: ۲۵/۱۵۔

صرف کرتے، جیسا کہ آگے اسی روایت میں آرہا ہے۔

واللہ ما احتازھا دونکم، ولا استأثر بها علیکم، قد أعطاکموها، وبثھا فیکم
لیکن اللہ کی قسم! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مال صرف اپنے لیے جمع کیے نہیں رکھا اور نہ اپنی ذات کو
تم پر ترجیح دی، بلکہ یہ مال انہوں نے تمہی کو دیا اور تم لوگوں میں تقسیم کیا۔

مختلف الفاظ کا ضبط اور معنی

اختاز میں دو روایتیں ہیں:

۱- حائے مہملہ اور زای معجمہ کے ساتھ اس کا مصدر حیازة ہے، اس کے معنی جمع کرنے کے ہیں۔ اکثر

کی روایت یہی ہے۔

۲- کشمینی کی روایت میں یہ لفظ حائے معجمہ اور رائے مہملہ کے ساتھ ہے، یعنی اختار، اس کے معنی

اختیار کرنے کے ہیں (۱)۔

استأثر کے معنی اپنی ذات کو ترجیح دینے کے ہیں (۲)۔

أعطاکموها میں بھی دو روایتیں ہیں:

۱- أعطاکموها، اس صورت میں ضمیر کا مرجع أموال الفیء ہوگا۔

۲- أعطاکموہ، اس صورت میں مرجع فیء ہوگا (۳)۔ دونوں صورتوں میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

بثھا کے معنی فرقہا یعنی تقسیم کیا کے ہیں، جو بث یثث بثا (ثائے مثلثہ مشددہ کے ساتھ) سے

ہے (۴)۔

اور مطلب یہ ہے کہ یہ أموال فیء اگرچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے ساتھ خاص تھے،

لیکن اس سے اقارب وغیر اقارب دونوں قسم کے لوگوں کی معاونت و نصرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے

(۱) حوالہ بالا، وفتح الباری: ۲۰۶/۶، وإرشاد الساری: ۱۹۵/۵۔

(۲) عمدة القاری: ۲۵/۱۵، وإرشاد الساری: ۱۹۵/۵۔

(۳) إرشاد الساری: ۱۹۵/۵۔

(۴) حوالہ بالا، وعمدة القاری: ۲۵/۱۵۔

تھے، نسائی شریف (۱) کی عکرمہ بن خالد عن مالک بن اوس کے طریق سے اس کی تائید ہوتی ہے (۲)۔
 حتی بقي منها هذا المال، فكان رسول الله صلى الله عليه وسلم ينفق على
 أهله نفقة سنتهم من هذا المال، ثم يأخذ ما بقي، فيجعله مجعل مال الله
 یہاں تک کہ اس میں سے موجودہ مال (زمینیں) باقی رہ گیا ہے، اس میں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
 اپنے اہل و عیال کے لیے سال بھر کا نفقہ نکالتے تھے، پھر جو کچھ بچ رہتا اسے اللہ کے مال کے طور پر رکھتے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

اوپر کی عبارت بالکل واضح ہے، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث میں ”توفي رسول
 الله ﷺ ودرعه مرهونة عند يهودى بثلاثين صاعاً من شعير“ (۳) وارد ہوا ہے، کہ آپ علیہ السلام کی
 وفات کے وقت آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع جو کے بدلے گروی رکھی ہوئی تھی۔
 سوال یہ ہے کہ جب اپنا ذاتی مال اتنا وافر تھا کہ گھر والوں کے نفقہ کو الگ کرنے کے بعد بھی بہت سا
 مال بچا رہتا تھا، جو بیت المال میں جمع ہوتا تو اس حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کا کیا مطلب ہے اور قرض (وہ بھی
 زرہ گروی رکھ کر!) لینے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ عام معمول تو یہی تھا کہ پورے سال کا خرچ الگ کر لیا جاتا تھا، لیکن سال
 گزرنے کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسری وجوہ خیر اور خارجی ضروریات میں بھی اس میں سے صرف
 کرتے رہتے ہیں، اس طرح سال پورا ہوتے ہوئے مقررہ نفقہ ختم ہو جاتا اور قرض لینے کی ضرورت پیش آ جاتی،
 علامہ قسطلانی فرماتے ہیں:

”وهذا لا يعارضه حديث عائشة أنه صلى الله عليه وسلم توفي

ودرعه مرهونة على شعير؛ لأنه يجمع بينهما بأنه كان يدخر لأهله قوت

(۱) سنن النسائي، أول كتاب قسم الفیء، رقم (۴۱۵۳)۔

(۲) فتح الباری: ۲۰۶/۶۔

(۳) انظر صحيح البخاري، كتاب الجهاد والسير، باب ما قيل في درع النبي ﷺ، رقم (۲۹۱۶)۔

سنتهم، ثم في طول السنة يحتاج لمن يطرقه إلى إخراج شيء منه، فيخرجه،

فيحتاج إلى تعويض ما أخذ منها، فلذلك استدان“ (۱)۔

”مجعل مال الله“ میں مجعل میم کے فتح کے ساتھ صیغہ ظرف ہے، بیت المال مراد ہے کہ اس سے اسلحہ وغیرہ خریداجاتا اور مسلمانوں کے دیگر مصالح پر اس مال کو خرچ کیا جاتا (۲)۔

فعمل رسول الله صلى الله عليه وسلم بذلك حياته، أنشدكم بالله، هل تعلمون ذلك؟ قالوا: نعم

سورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی حیات مبارکہ میں یہی معمول رہا، میں تم لوگوں کو خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم لوگوں کو اس کا علم ہے؟ جماعت نے کہا، بالکل، ہمیں اس کا ادراک ہے۔
عمل میں میم مکسور ہے، یہ یہاں باب سمع سے مستعمل ہے (۳)۔

ثم قال لعلي وعباس: أنشدكما بالله، هل تعلمان ذلك؟

پھر حضرت عمر نے علی وعباس رضی اللہ عنہم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا..... کیا تم دونوں بھی اس بات کا علم رکھتے ہو؟

یہاں روایت میں سوال تو مذکور ہے، لیکن ان دونوں حضرات نے جواباً کیا فرمایا، مذکور نہیں، تو کتاب الفرائض کی عقل کی روایت (۴) میں اس کے بعد یہ زیادتی بھی مروی ہے، ”قالا: نعم“ (۵)۔

قال عمر: ثم توفي الله نبيه صلى الله عليه وسلم، فقال أبو بكر: أنا ولي رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقبضها أبو بكر، فعمل فيها بما عمل رسول

(۱) إرشاد الساري: ۱۹۵/۵، وأيضاً في الفتح: ۲۰۶/۶، والعمدة: ۲۵/۱۵۔

(۲) حوالہ جات بالا۔

(۳) إرشاد الساري: ۱۹۵/۵۔

(۴) صحيح البخاري، كتاب الفرائض، باب قول النبي لا نورث رقم (۶۷۲۸)۔

(۵) إرشاد الساري: ۱۹۵/۵، وفتح الباري: ۲۰۶/۶۔

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، واللہ یعلم إنه فیہا لصادق، بار، راشد، تابع للحق،
ثم توفي اللہ أبابکر، فکنت أنا ولي أبي بکر، فقبضتها سنتين من إمارتي،
أعمل فیہا بما عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وما عمل فیہا أبوبکر،
واللہ یعلم إني فیہا لصادق، بار، راشد، تابع، للحق

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھالیا تو حضرت
ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہوں، سو اس مال کو انہوں نے اپنے تصرف
میں لے لیا، وہ اس میں اسی معمول پر کاربند رہے، جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ اللہ تعالیٰ کو بخوبی علم ہے کہ وہ
اس مال کے معاملے میں سچے، نیک، ہدایت یافتہ اور حق کے تابع تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بھی
اپنے پاس بلا لیا، تو میں ابوبکر کا ولی و نائب بنا، میں نے اپنی خلافت کے (ابتدائی) دو سالوں تک اس مال کو اپنے
تصرف میں رکھا، میں نے اس میں اپنا وہی معمول رکھا جو نبی علیہ السلام اور ان کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا
تھا، اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے کہ میں اس مال کے بارے میں سچا، نیک، ہدایت یافتہ اور حق کا تابع ہوں۔

”بار“ رائے مشددہ کے ساتھ، بریر سے ہے، نیک کے معنی میں ہے۔

”إمارتي“ کسرۃ ہمزہ کے ساتھ، خلافت و حکومت کو کہتے ہیں، ایک اور لفظ ہے أمارۃ فتح، ہمزہ کے
ساتھ، وہ بمعنی علامت و نشانی کے ہے (۱)۔

کتاب الاعتصام کی روایت، جو عقیل عن ابن شہاب کے طریق سے ہے، میں ”فقال أبوبکر: أنا
ولي فعمل فیہا بما عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ کے الفاظ کے بعد یہ کلمات بھی پائے
جاتے ہیں، ”وأنما حنیئذ - وأقبل علی علی وعباس - تزعمان أن أبابکر کذا وکذا“ (۲) اور
مغازی کی شعیب بن ابی حمزہ کی روایت میں ”تذکران أن أبابکر فیہ کما تقولان“ (۳) کے الفاظ ہیں، ان

(۱) إرشاد الساری: ۱۹۵/۵۔

(۲) صحیح البخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب ما یکره من التعمق رقم (۷۳۰۵)۔

(۳) صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب حدیث بی النصیر، ومخرج رسول اللہ رقم (۴۰۳۳)۔

دونوں روایات سے صریح روایت وہ ہے جو مسلم شریف میں ہے، اس میں ان دونوں روایتوں میں مذکور کلمات مبہمہ کی وضاحت بھی کی گئی ہے کہ ”کذا و کذا“ اور ”کما تقولان“ کی مراد کیا ہے، اس روایت میں مذکور زیادتی درج ذیل ہے:

”.....فجئتما، تطلب میراثک من ابن أخیک، ویطلب هذا میراث

امرأته من أبیہا، فقال أبو بکر: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

”مانورث، ما ترکنا صدقة“، فرأیتماہ کاذبا آثما غادرا خائنا“ (۱)۔

ان تینوں طرق سے مندرجہ ذیل فوائد مستنبط ہوئے:

۱- اس حدیث کا مدار چونکہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں تو اس سلسلے میں ان کی صنیع یہ رہی ہے کہ وہ مذکورہ کلمات، جو ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہے گئے، کی روایت کبھی صراحۃً کرتے، کبھی مبہم کلمات استعمال کرتے، یہی حال حضرت مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے کہ کبھی صراحت کرتے ہیں تو کبھی کنایہ۔

۲- یہی روایت اسماعیلی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے بھی درج کی ہے، ان کی بشر بن عمر کے طریق میں یہ کلمات سرے سے نہیں ہیں، محذوف ہیں، اس کی نظیر وہی ہے جو روایت کے ابتدا میں ہے کہ حضرت عباس نے حضرت علی (رضی اللہ عنہما) کو برا بھلا کہا تھا، اس میں تاویل وہی ہے کہ اولیٰ والیق ان کلمات کو حذف کرنا ہی ہے (۲)۔

ثم جئتماني تکلماني، وکلمتکما واحدة، وأمرکما واحد، جئتنی یا عباس تسألني نصيبک من ابن أخیک، وجاءني هذا -یرید علیا- یرید نصيب امرأته من أبیہا

پھر تم دونوں میرے پاس اس معاملے میں بات کرنے آئے، تم دونوں کا کلمہ ایک تھا اور معاملہ بھی ایک ہی تھا، اے عباس! تم میرے پاس اپنے بھتیجے (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حصہ لینے آئے اور یہ (علی) بھی میرے

(۱) صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسير، باب حکم الفیء، رقم (۴۵۷۷)۔

(۲) فتح الباری: ۲۰۶/۶۔

پاس آئے کہ انہیں ان کی اہلیہ کا حصہ دیا جائے۔

حدیث باب اور امام عبدالرزاق

علامہ عقیلی (۱) نے نقل کیا ہے کہ امام عبدالرزاق بن ہمام، جو مشہور محدث، صاحب مصنف، اصحاب ستہ کے راوی ہیں، انہوں نے اس مقام پر پہنچ کر ایک بہت ہی نازیبا جملہ استعمال کیا، اگرچہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ انہوں نے یہ جملہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے مجبور ہو کر کہا ہے، لیکن بہر حال حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں چونکہ یہ جملہ استعمال ہوا ہے اور حضرت عمر کا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو تعلق و قلبی ربط تھا وہ معلوم اور معروف ہی ہے، اس لیے اس جملے پر امام عبدالرزاق پر اظہارِ افسوس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔

وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”انظر إلى هذا الأنوك، يقول: من ابن أخيك، من أبيها، لا يقول:

رسول الله صلى الله عليه وسلم“ (اللفظ للذهبي) (۲)۔

اوپر جو روایت گذری، اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی علیہ السلام کا ذکر حضرت عباس کے ساتھ کیا تو ابن أخیک فرمایا تھا اور حضرت علی کے ساتھ کیا تو یرید نصیب امرأته من أبيها فرمایا تھا، اس پر امام عبدالرزاق ناراض ہو رہے ہیں کہ اس بے وقوف کو دیکھو! حضور علیہ السلام کو من ابن أخیک اور من أبيها سے تعبیر کر رہا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ نہیں کہتا۔

أَنُّوك بے وقوف اور احمق کو کہا جاتا ہے، اس کلام میں اس سے ان کی مراد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ یہ لفظ نونک ینوک نوکا ونواکا (س) سے مشتق ہے، أَنُّوك کی جمع نونک اور نونکی ہے (۳)۔

علی بن عبد اللہ بن مبارک صنعانی کہتے ہیں کہ زید بن المبارک امام عبدالرزاق کی مجالس حدیث میں پابندی سے شریک ہوا کرتے اور ان سے خوب روایتیں کرتے تھے، لیکن بعد میں ان سے مروی تمام کتابیں زید

(۱) الضعفاء الكبير: ۱۱۰/۳۔

(۲) میزان الاعتدال: ۶۱۱/۲۔

(۳) القاموس الوحيد، باب النون، مادة نوك، والنهاية للجزري: ۱۲۹/۵، باب النون والواو..... وغريب

الحديث للخطابي: ۱۴۹/۲، وتاج العروس: ۳۷۸/۲۷، مادة (ن و ك)۔

بن المبارک نے جلاؤ الیس اور محمد بن ثور کے حلقاۃ میں جانے لگے، کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ ہم ایک دفعہ ان کے درس میں شریک تھے کہ انہوں نے ابن الحدیث کی حدیث (حدیث باب) روایت کی، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ان کلمات فجئت أنت تطلب میراثک من ابن أخیک..... تک پہنچے تو اوپر ذکر کردہ کلمات کہے، انظر إلی هذا الأنوک..... زید بن المبارک فرماتے ہیں تو میں اس مجلس سے اٹھ گیا اور دوبارہ ان کی طرف نہیں گیا اور نہ ہی اب ان سے روایت کرتا ہوں (۱)۔

حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے میزان الاعتدال میں اس حکایت کو نقل کرنے کے بعد یہ کہا ہے کہ اولیٰ کلام مرسل ہے، اس کے ثبوت ہی میں اشکال ہے کہ عبدالرزاق نے یہ بات کہی بھی یا نہیں۔

اگر مان لیا جائے کہ یہ بات انہوں نے کہی ہے تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے حافظ ذہبی جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہاں اصحاب المیراث کی زبان میں بات کی ہے۔ چنانچہ ان کا مقصد ”من ابن أخیک“ کہہ کر وہی میراث کے تعلق کو ظاہر کرنا تھا، کیونکہ عباس رضی اللہ عنہ غصبہ میں داخل تھے اور ”من أبیہا“ کہہ کر حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا کے نصف حصے کا ذکر مقصود تھا، جب بیٹی اکیلی ہوتی ہے تو وہ باپ کی میراث میں سے آدھے کی وارث ہوا کرتی ہے۔ اس لیے انہوں نے اصحاب المیراث کی زبان میں ”من ابن أخیک“ اور ”من أبیہا“ کہا ہے۔ خدا نخواستہ تحقیر مقصود تھوڑا ہی ہے۔

”قلت: فی هذه الحکایة إرسال، واللہ أعلم بصحتها، ولا اعتراض

علی الفاروق رضی اللہ عنہ فیہا؛ فإنه تکلم بلسان قسمة التركات“ (۲)۔

میزان الاعتدال میں تو ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے امام عبدالرزاق کا کسی حد تک دفاع کیا ہے، جب کہ سیر میں انہوں نے امام عبدالرزاق کو مذکورہ بالا کلمات پر شدید تنقید کا نشانہ بنایا ہے، اس کی وجہ ظاہر ہے، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی حدیث میں ہر جگہ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عظمت و توقیر کے ساتھ ذکر کیا ہے اور موقع بموقع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید اور اتباع کا تذکرہ کیا ہے، اس لیے اس کو کیونکر بے ادبی و گستاخی پر محمول کیا جاسکتا ہے؟! اور ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ جس نے اس کو بے ادبی پر محمول کیا ہے، وہ یا تو خود مغلوب الحال

(۱) کتاب الضعفاء الکبیر للعقیلی: ۱۱۰/۳، ومیزان الاعتدال: ۶۱۱/۳، وسیر أعلام النبلاء: ۵۷۲/۹۔

(۲) میزان الاعتدال: ۶۱۱/۳۔

ہے، یا اس نے خود بے ادبی کا ارتکاب کیا ہے۔

چنانچہ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ سیر میں لکھتے ہیں:

”قلت: هذه عظيمة، وما فهم قول أمير المؤمنين عمر، فإنك يا هذا، لو سكت، لكان أولى بك، فإن عمر إنما كان في مقام تبیین العمومة والبنوة، وإلا فعمر رضي الله عنه أعلم بحق المصطفى وتوقيره وتعظيمه من كل متحذلق (۱)، متنطع (۲)، بل الصواب أن نقول عنك: انظروا إلى هذا الأنوك الفاعل - عفا الله عنه - كيف يقول عن عمر هذا، ولا يقول: قال أمير المؤمنين الفاروق؟! وبكل حال فنستغفر الله لنا ولعبد الرزاق، فإنه مأمون على حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم، صادق“ (۳)۔

فقلت لكما: إن رسول الله ﷺ قال: لا نورث ما تركنا صدقة

اس وقت میں نے تم دونوں سے کہا تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہمارے ترکے میں میراث جاری نہیں ہوتی، ہم جو ترکے چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ”لا نورث ما ترکنا صدقة“ کی کچھ شرح ہم نے اسی حدیث باب کے شروع میں بیان کی تھی کہ اہل سنت کا مسلک اس مسئلے میں یہ ہے کہ یہ حکم صرف نبی علیہ السلام کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام اس حکم کے عموم میں داخل ہیں، صرف حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ، نیز

(۱) یہ لفظ تحذلق سے مشتق ہے، جس کے معنی ڈینگ مارنا، شیخی مارنا کے ہیں، المتحذلق کے معنی ہوئے شیخی خورہ کے۔
القاموس الوحید، باب الحاء، مادة ”حذلق“۔

(۲) اس لفظ کے معنی غالی، حد سے تجاوز کرنے والے وغیرہ ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ”هلك المتنطعون“ [مسلم، رقم (۶۷۲۵)، وأبو داود، رقم (۴۶۰۸)] کی شرح میں علامہ ابن الاثیر جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”هم المتعمقون، المغالون في الكلام، المتكلمون بأقصى حلو فہم، مأخوذ من النطع، وهو انغار

الأعلى من الفم، ثم استعمل في كل تعمق، قولاً وفعلًا“۔ انظر النهاية: ۷۴/۵، باب النون مع الطاء۔

(۳) سیر أعلام النبلاء: ۵۷۲/۹-۵۷۳۔

ابن علیہ رحمۃ اللہ علیہ (۱) اس کو نبی علیہ السلام کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں۔

جب کہ شیعہ امامیہ (علیہم لعائن اللہ والملائکۃ والناس أجمعین) کا عقیدہ یہ ہے کہ عام لوگوں کی طرح انبیاء کی میراث بھی تقسیم ہوتی ہے اور حدیث نبوی میں مختلف قسم کی بعید از کار تاویلیں کرتے ہیں، ہم ذیل میں اہل علم کے لیے ایک واقعہ نقل کرتے ہیں، جو دلچسپ ہونے کے ساتھ ساتھ فائدہ عظیمہ سے بھی خالی نہیں۔

ابن شاذان اور ابن المعلم کا مناظرہ

علامہ باجی رحمۃ اللہ علیہ نے ابو جعفر سمعانی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ابو علی بن شاذان، جو بڑے عالم اور امام تھے، لیکن انہیں علوم عربیت پر مہارت نہیں تھی، نے مذکورہ بالا مسئلہ پر امامیہ کے ایک عالم ابو عبد اللہ بن المعلم سے مناظرہ کیا، جو اپنے وقت کے امام ہونے کے ساتھ ساتھ علوم عربیت پر بھی بڑی مہارت اور دست رس رکھتے تھے۔

ابن شاذان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے موقف پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پیش کی:

”إنا معاشر الأنبياء، لا نورث، ما تركنا صدقة“ (۲)۔

اس پر ابن المعلم نے جواباً یہ کہا کہ کلمہ ”صدقہ“ بنا برحالیٰ منصوب ہے، جس کا مقتضایہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے جو اشیاء بطور صدقہ چھوڑیں ان میں میراث جاری نہیں ہوگی، ان کا کوئی وارث نہیں ہوگا، اس سے ہم بھی نہیں روکتے، البتہ جو چیزیں بطور صدقہ نہیں چھوڑی گئیں ان میں میراث جاری ہوگی۔

ابن المعلم نے یہ استدلال اسی لیے کیا تھا کہ انہیں یہ بات معلوم تھی کہ ابن شاذان علوم عربیت کی معرفت نہیں رکھتے اور نہ ہی حال اور غیر حال کے فرق کو سمجھتے ہیں، لیکن اس کے باوجود انہوں نے ابن المعلم کو لا جواب کر دیا۔

(۱) المستقی: ۵۰۰/۹-۵۰۱، تلخیص الحبیر: ۲۸۵/۲، کتاب النکاح، الواجبات، رقم (۱۴۵۹)،

دارالکتب، والأوجز: ۵۳۵/۱۷، والتعلیق الممجد: ۳۱۹، کتاب الفرائض، باب النبی صلی اللہ علیہ وسلم

ہل یورث؟

(۲) سنن النسائي الكبرى، کتاب الفرائض، ذکر موارث الأنبياء، رقم (۶۳۰۹)، والکامل لابن عدي:

۸۶/۲، رقم (۳۰۷/۵)۔

چنانچہ انہوں نے ابن المعلم سے کہا کہ تمہارا گمان یہ ہے کہ لفظ ”صدقۃ“ منصوب ہے اور تم یہ کہتے ہو کہ جو چیز بطور صدقہ ترکہ نبی میں چھوڑی گئی اس میں ہم بھی آپ کے موافق ہیں کہ اس میں میراث جاری نہیں ہوگی۔ لیکن سنو! مجھے نصب اور رفع کا فرق معلوم نہیں ہے، نیز اس مسئلے میں اس فرق کو جاننے یا سمجھنے کی میں ضرورت بھی محسوس نہیں کرتا۔ تاہم ایک بات ہے، جس میں مجھے کسی قسم کا شک ہے، نہ تم کو، کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا فصیح العرب میں سے تھیں، اسی طرح ”صدقۃ“ منصوب ہے یا مرفوع، اس کو بھی سب سے زیادہ جاننے والی تھیں، یہی صورت حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی بھی ہے، وہ بھی ایک مستحق میراث تھے، اگر نبی علیہ السلام موروث ہوتے۔ یہی حال حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا بھی ہے کہ ان کا شمار قریش کے فصحاء و علماء میں ہوتا تھا، بلکہ ان سے بھی مرتبے میں بلند تھے۔

اور سنو! حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا جب اپنا حصہ طلب کرنے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائیں تو انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جو جواب دیا، اس سے انہوں نے یہی سمجھا کہ میراث نبی میں ان کے لیے کچھ بھی نہیں ہے اور اپنے دعوے سے وہ ہٹ گئیں، یہی حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے سمجھا، یہی حضرت علی و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی سمجھے، ان میں سے کسی نے بھی یہ اعتراض نہیں کیا، جو تم لوگ کر رہے ہو۔ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو اس حدیث سے استدلال کر رہے ہیں، وہ بھی یہ مفہوم، حدیث کا نہیں لے رہے ہیں، جو تم لے رہے ہو، بلکہ ان کا مقصد بھی مقتضائے منع کو ظاہر کرنا ہے، جب کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے فصحاء عرب اور ان کے علماء میں سے ہونے پر کوئی اختلاف بھی نہیں ہے، اگر حدیث کے کلمات ممانعت پر دلالت نہ کرتے تو اس کو وہ کبھی بطور دلیل پیش نہ فرماتے۔

اب دو ہی صورتیں ہیں، صدقۃ منصوب ہے، جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے، لیکن اس سے وہ مطلب و معنی کسی نے نہیں لیے، جو تم لے رہے ہو، حالانکہ وہ سب حضرات فصحاء عرب میں سے تھے، چنانچہ نصب کا مقتضا بھی وہی ہے جو ان حضرات نے سمجھا کہ میراث جاری نہیں ہوگی، اس لیے تمہارا دعویٰ باطل ہے۔

یا یہ لفظ مرفوع ہے، ہونا بھی یہی چاہیے اور یہی مروی بھی ہے، اس لیے اس میں دعویٰ نصب باطل

ہے..... (۱)۔

فلما بدالي أن أدفعه إليكما، قلت: إن شئتما دفعتهما إليكما، على أن عليكما عهد الله وميثاقه ليعملان فيها بما عمل فيها رسول الله ﷺ وبما عمل فيها أبوبكر، وبما عملت فيها منذ وليتها، فقلتما: ادفعها إلينا، فبذلك دفعتهما إليكما، فأنشدكم بالله، هل دفعتهما إليهما بذلك؟ قال الرهط: نعم

جب مجھ پر یہ منشرح ہو گیا کہ اس مال کو تم دونوں کے حوالے کر دو تو میں نے کہا تھا کہ اگر تم دونوں چاہو تو یہ مال تمہارے حوالے کیے دیتا ہوں، بشرطیکہ اللہ کے عہد اور اس کے ميثاق کی پابندی تم پر لازم ہوگی کہ تم دونوں ان زمینوں کی دیکھ بھال میں وہی معمول اختیار کیے رکھو گے، جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا، جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تھا اور جو معمول و طریقہ میرا رہا ہے جب سے میں نے ان کی ذمہ داری قبول کی ہے۔ تو (اس وقت) تم دونوں نے کہا تھا کہ (اس شرط پر) ہمارے حوالے یہ زمینیں کر دیجیے۔ چنانچہ میں نے اس شرط پر تم دونوں کے حوالے کر دی تھی۔ میں تم لوگوں سے خدا کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا میں نے یہ زمینیں ان دونوں (علی وعباس رضی اللہ عنہما) کے حوالے اسی شرط پر کی تھی؟ جماعت صحابہ نے کہا، جی ہاں! یہی بات تھی۔

مطلب یہ ہے کہ یہ زمینیں ان دونوں حضرات کے حوالے بطور تملیک نہیں کی گئی تھیں، بلکہ تصرف و انتفاع کے لیے حوالے کی گئیں کہ آپ دونوں ان میں تصرف کر سکتے ہیں اور جتنا آپ دونوں کا حق ہے اس کے بقدر ان زمینوں سے نفع بھی حاصل کر سکتے ہیں، کیونکہ ان صدقات کی تملیک کسی طور پر نہیں ہو سکتی، یہ حرام ہے (۱)۔

ثم أقبل علي علي وعباس، فقال: أنشدكما بالله، هل دفعتهما إليكما بذلك؟ قالا: نعم، قال: فتلتما مني قضاء غير ذلك؟ فوالله الذي بإذنه تقوم السماء والأرض، لا أقضي فيها قضاء غير ذلك، فإن عجزتما عنها فادفعاهما إلي، فإنني أكفيكماها.

پھر حضرت عمر، علی وعباس رضی اللہ عنہم کی طرف متوجہ ہوئے، فرمایا میں تم دونوں سے اللہ واسطے پوچھتا

ہوں کہ کیا وہ زمینیں میں نے تم دونوں کے حوالے اسی شرط پر کی تھیں؟ دونوں حضرات نے کہا، جی ہاں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اب تم دونوں مجھ سے سابقہ فیصلہ سے ہٹ کر اور کوئی فیصلہ کروانا چاہتے ہو؟ تو سنو! قسم ہے اس ذات کی، جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں! میں ان زمینوں میں اس کے علاوہ اور کوئی فیصلہ نہیں کروں گا۔ اگر تم لوگ ان زمینوں کی دیکھ بھال سے تنگ ہوتے ہو تو وہ مجھے واپس لوٹا دو۔ میں تم دونوں کی طرف سے ان زمینوں کے لیے اکیلا ہی کافی ہو جاؤں گا۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں اشکال یہ ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، ”لا نورث، ما ترکنا صدقة“۔ چنانچہ حضرت عباس و علی رضی اللہ عنہما نے یہ کلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا تھا یا حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے، ان دونوں حضرات نے نبی علیہ السلام کی یہ حدیث سنی تھی، جیسا کہ خود انہوں نے حدیث باب میں سماع کی تصدیق کی ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث سنی تھی تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس میراث طلب کرنے کیوں گئے تھے اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے حدیث سنی تھی تو عمر رضی اللہ عنہ کے پاس میراث کے لیے کیوں گئے کہ یہ تو حدیث کی خلاف ورزی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ان حضرات نے حدیث سن رکھی تھی، اس پر وہ عمل پیرا بھی تھے، لیکن ان حضرات کا نقطہ نظر اور موقف یہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث منقول اشیاء میں جاری نہیں ہوگی، تاہم غیر منقولات میں آپ کی میراث جاری ہوگی۔ چنانچہ پہلے یہ حضرات حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور انہوں نے انکار کر دیا، چوں کہ ان کی رائے یہ تھی کہ یہ حکم عام ہے، منقولات اور غیر منقولات دونوں کو اور سارے متروکات کو شامل ہے۔ جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو ان کو یہ خیال ہوا کہ ان سے رجوع کریں، ممکن ہے ان کا موقف وہی ہو جو ہمارا موقف ہے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی ”لا نورث، ما ترکنا صدقة“ کے عموم پر عمل کیا اور ان حضرات کو میراث میں سے کچھ بھی دینے سے انکار کر دیا (۱)۔

ایک سوال اور اس کا جواب

تاہم یہاں دوسرا سوال ذہن میں یہ ابھرتا ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان دونوں حضرات کو ایک بار منع کر دیا تھا کہ بطور میراث میں یہ ترکات تقسیم نہیں کر سکتا تو دوبارہ یہ حضرات دربار عمری میں کیوں آئے؟ اس کا جواب امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے قاضی اسماعیل رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ دیا ہے کہ یہ دوبارہ آنا میراث کے لیے نہیں تھا، بلکہ اس کی غرض اس جھگڑے و قضیے کا دفعیہ تھا، جو ان دونوں حضرات (علی و عباس رضی اللہ عنہما) کے درمیان ان زمینوں کے تصرف اور ولایت میں ہو گیا تھا (۱)۔

واقعہ دراصل یہ ہے کہ یہ دونوں حضرات جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہلی بار آئے تھے تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان کو میراث دینے سے تو منع فرما دیا تھا، لیکن صدقات کی وہ زمینیں بطور تصرف و دیکھ بھال ان کے حوالے کر دی تھیں، کہ ان کا انتظام و انصرام یہ چچا بھتیجا سنبھالیں، چچا حضرت عباس تھے تو بھتیجے حضرت علی رضی اللہ عنہما، مگر مزاج میں اختلاف تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ فیاض آدمی تھے اور مال کو ضرورت و حاجت کے لیے جمع کرنے کا ان کے پاس کوئی اہتمام نہ تھا، جب کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ مدبر و جہاں دیدہ شخصیت کے مالک تھے، وہ مال کو بے دریغ خرچ کرنا پسند نہیں کرتے تھے، چنانچہ اس طرح کئی بار ایسا ہوتا کہ ایک جگہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خرچ کرنا چاہتے ہیں اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ مزاحمت کر رہے ہیں، ایک جگہ عباس مال کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں اور علی خرچ پر اصرار کر رہے ہیں۔

اس اختلاف کی وجہ سے یہ حضرات پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور آپ کے سامنے انہوں نے اپنا مسئلہ پیش کیا اور کہا کہ آپ آدھی آدھی زمینیں ہمیں دے دیجیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا۔

انکار کی وجہ کیا تھی؟

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان دونوں حضرات کا مطالبہ تو بظاہر معقول تھا کہ ان زمینوں کو تصرف کے لیے نصف نصف تقسیم کر دیا جائے، اس کے باوصف حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انکار کیوں کیا؟

اس کا جواب امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے کہ اصل میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیش نظر یہ

(۱) فتح الباری: ۲۰۷/۶، وبمشلہ قال الخطابی أيضاً، انظر أعلام الحديث: ۱۴۴۰-۱۴۴۱، وعمدة

القاری: ۲۵/۱۵، والتمہید لامن عبد البر: ۱۶۷/۸.

بات تھی کہ اس زمین پر تقسیم کا اطلاق نہیں ہونا چاہیے، کہ کوئی یہ نہ کہے کہ آدھی تو دے دی عباس رضی اللہ عنہ کو اور آدھی دے دی علی رضی اللہ عنہ کو اور زمین تقسیم کر دی، چونکہ اس پر تقسیم کا اطلاق ہوگا، لوگ کل کلاں یہ کہیں گے کہ وہ تو میراث میں تقسیم ہوئی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ تقسیم کے لفظ کو سننے کے لیے بالکل تیار نہیں تھے، اسی لیے آپ رضی اللہ عنہ نے صاف انکار کر دیا اور قسم کھائی کہ یہ نہیں ہو سکتا، اگر تم اس کی دیکھ بھال نہیں کر سکتے تو واپس کرو، ان معاملات کو میں دیکھ لوں گا، تم اپنے کام دیکھو (۱)۔

عمر بن شبہ کی روایت کے آخر میں یہ الفاظ آئے ہیں، ”فأصلحا أمر كماء وإلا لم يرجع - واللہ - إليكما، فقاما وتركا الخصومة، وأمضيت صدقة“ (۲) کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ”اپنے آپس کے معاملات کو درست کرو، ورنہ بخدا یہ تم دونوں کے حوالے نہیں ہوگی“۔ یہ سن کر وہ دونوں حضرات اٹھ گئے، لڑائی ختم کر دی اور اس زمین کی صدقے والی حیثیت برقرار رہی۔

بعد کے ایام (۳) میں یہ زمین حضرت علی کے پاس آگئی تھی، ان کے بعد حسن، پھر حسین، پھر علی بن الحسین (زین العابدین)، پھر حسن بن حسن، پھر زید بن حسن کے تصرف میں رہی، اسی حیثیت کے ساتھ کہ یہ صدقے کی زمین ہے (۴)، معمر فرماتے ہیں کہ زید بن حسن کے بعد یہ زمین عبداللہ بن حسن کے تصرف میں

(۱) ”قال أبو داود: ”إنما سألاه أن يكون يصير بينهما نصفين، لا أنهما جهلا أن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ”لا نورث، ما تركنا صدقة“؛ فإنهما كانا لا يطلبان إلا الصواب، فقال عمر: ”لا أوقع عليه اسم القسم، أدعه على ما هو عليه“. انظر سننه، كتاب الخراج..... باب في صفايا رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم (۲۹۶۳)، نیز دیکھئے: عمدة القاري: ۲۵/۱۵، وفتح الباري: ۲۰۷/۶، إرشاد الساري: ۱۹۵/۵، وتحفة الباري: ۵۳۴/۳۔

(۲) فتح الباري: ۲۰۷/۶، وأخبار المدينة لابن شبة: ۱۳۰/۱، خصومة علي والعباس..... رقم (۵۷۱)۔

(۳) یہ خلافت عثمانی کی بات ہے، قاله إسماعيل القاضي، فتح الباري: ۲۰۷/۶۔

(۴) ”فكانت هذه الصدقة بيد علي، منعها علي عباساء، فغلبه عليها، ثم كان بيد حسن بن علي، ثم بيد حسين بن علي، ثم بيد علي بن حسين، وحسن بن حسن، كلاهما كانا يتداوانها، ثم بيد زيد بن حسن.....“ انظر

صحيح بخاري، كتاب المغازي، باب حديث بني النضير..... رقم (۴۰۳۴)۔

رہی، یہاں تک کہ یہ لوگ یعنی بنو العباس والی وامیر بن گئے تو انہوں نے اس پر قبضہ کر لیا (۱)۔

عمر بن شہب رحمۃ اللہ علیہ کے بقول یہ زمین آج کل خلیفہ کے تصرف میں ہے، وہی اس کے لیے نگران مقرر کرتا ہے اور مدینہ منورہ کے حاجت مندوں میں اس کی پیداوار تقسیم کرواتا ہے، اس کام کے لیے الگ سے اس نے وکلاء مقرر کر رکھے ہیں (۲)۔

حافظ فرماتے ہیں کہ عمر بن شہب جن دنوں کی بات کر رہے ہیں وہ دوسری صدی ہجری کے آخری ایام ہیں، پھر معاملات خراب ہو گئے۔

”کان ذلک علی رأس المائتین، ثم تغيرت الأمور، واللہ المستعان“ (۳)۔

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت میں وہی تقریر ہے جو گذشتہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا میں ہم نے بیان کی کہ جن اراضی و صدقات میں یہ حضرات میراث کا مطالبہ کر رہے تھے، اس میں خیبر کا خمس بھی شامل تھا، اس طرح ترجمۃ الباب کے ساتھ اس حدیث کی مناسبت بھی موجود ہے (۴)۔

ایک اہم فائدہ

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کی روایت میں متفرد ہیں، ان کے علاوہ اور کسی سے یہ روایت منقول نہیں، علامہ ابوعلی کراچی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ایک قوم نے اس روایت کا انکار کیا ہے، ان لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ روایت ابن شہاب کی مستنکر روایات میں سے ہے۔ تاہم یہ بات درست نہیں، چنانچہ یہاں دو صورتیں ہیں:

۱۔ ان معترضین کو اگر یہ بات معلوم ہے کہ زہری یہاں متفرد نہیں ہیں تو یہ ممکن نہیں (بلکہ انہیں خوب

(۱) مصنف عبدالرزاق: ۳۲۷/۵، کتاب المغازی، خصومة علي والعباس، رقم (۹۸۳۵)، وأخبار المدينة:

۱/۱۳۰، رقم (۱۷۲)۔

(۲) فتح الباری: ۲۰۷/۶، و کتاب أخبار المدينة: ۱/۱۳۵، رقم (۵۸۰)۔

(۳) فتح الباری: ۲۰۸/۶۔

(۴) عمدة القاری: ۲۳/۱۵، و فتح الباری: ۲۰۸/۶، و شرح ابن بطلال: ۲۵۲/۵۔

معلوم ہے کہ متفرد نہیں ہیں)۔

۲- اگر انہیں معلوم نہیں ہے تو یہ جہل ہے، جاہل کے اعتراضات معتبر نہیں ہوا کرتے۔

پھر امام کراچی رحمۃ اللہ علیہ نے ان حضرات کے نام گنوائے، جو اس حدیث کو حضرت مالک بن اوس رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں، یعنی عکرمۃ بن خالد، ایوب بن خالد، محمد بن عمرو بن عطاء وغیرہ وغیرہ۔

اس لیے سرے سے روایت ہی کا انکار کر دینا اور امام زہری رحمۃ اللہ علیہ کو نشانہ بنانا بالکل درست نہیں (۱)۔ واللہ اعلم بالصواب

حدیث سے مستنبط فوائد

۱- حدیث سے ایک بات یہ مستفاد ہوئی کہ کسی بھی قبیلے یا جماعت یا گروہ کے معاملات وغیرہ کی ذمہ داری اس کے سرداروں یا صاحب حیثیت افراد کے حوالے کرنی چاہیے، کیونکہ وہ تمام ان افراد کو جانتے ہیں جو اُن کے ماتحت ہوتے ہیں، اس طرح ہر شخص کا کس قدر استحقاق ہے وہ ان کے علم میں ہوتا ہے۔

۲- نیز حدیث سے اس امر کا جواز بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام اگر کسی کو کوئی ذمہ داری سونپے تو نرم کلامی کے ساتھ اس ذمہ داری سے اپنے کو الگ کرنے کی کوشش کرے، اس میں کوئی قباحت نہیں (بشرطیکہ اس ذمہ داری کی اہلیت رکھنے والا اور کوئی شخص موجود ہو، ورنہ نہیں)۔

۳- آدمی اپنی تعریف و توصیف بیان کر سکتا ہے، بشرطیکہ وہ سچی ہو۔

۴- یہ بھی مستفاد ہوا کہ آدمی اپنے اور اہل و عیال کے لیے غلہ وغیرہ ذخیرہ کر سکتا ہے، اگرچہ وہ سال بھر کے لیے ہو، یہ تو کل کے منافی نہیں، ظاہر ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اور کون متوکل ہو سکتا ہے! اس میں ان جاہل صوفیاء کا رد آگیا جو مذکورہ عمل کو توکل کے منافی قرار دیتے ہیں، علامہ ابن بطال فرماتے ہیں:

”وفیه جواز ادخار الرجل لنفسه وأهله قُوت السنة، وأن ذلك کان

من فعل الرسول حین فتح الله علیه من النضیر وفدک وغیرهما، وهو خلاف

قول جهلة الصوفية، المنكرة للادخار، الزاعمين: أن من ادخر فقد أساء الظن
بربه، ولم يتوكل عليه حق توكله“ (۱)۔

۵- حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی قضیہ و معاملے میں حاکم پر اگر اس کی حقیقت واضح ہو جائے کہ
حق یہ ہے تو اس کو اسی پر عمل کرنا چاہیے، اسی کے مقتضا کو دیکھنا چاہیے، کسی دوسرے سے اس معاملے میں رائے
لینے کی ضرورت نہیں (۲)۔ واللہ اعلم بالصواب

۲- باب : أداء الخمس من الدين .

ترجمہ الباب کا مقصد

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ فرما رہے ہیں کہ خمس کی ادائیگی دین کا ایک حصہ ہے اور اس کے شعبوں
میں سے ایک اہم شعبہ ہے (۳)۔

تکرار ترجمہ کا اشکال اور اس کا جواب

مصنف علیہ الرحمۃ نے کتاب الايمان میں ایک ترجمہ قائم کیا تھا، ”باب أداء الخمس من
الايمان“ (۴) اور یہاں ترجمہ ”أداء الخمس من الدين“ کا ہے، نیز یہ بات بھی کتاب الايمان میں گزر چکی
ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایمان، اسلام اور دین وغیرہ کے مترادف کے قائل ہیں (۵)۔ اس لیے یہاں تکرار
ترجمہ کا اشکال ہوتا ہے کہ ایمان اور دین ایک ہی چیز ہیں؟

اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہاں حیثیتوں کا فرق ہے، کتاب الايمان میں جو ترجمہ قائم کیا گیا تھا، اس کی
غرض امور ایمان کا بیان تھا، وہاں ایمانیات کی بحث کے ضمن میں مذکورہ ترجمہ قائم کیا گیا تھا، یہاں کا ترجمہ مال

(۱) شرح ابن بطلال: ۲۵۴/۵، وعمدة القاري: ۲۶/۱۵۔

(۲) العمدة: ۲۶/۱۵، والفتح: ۲۰۸/۶، وابن بطلال: ۲۵۴/۵-۲۵۵، والتمهيد لابن عبد البر: ۱۷۶/۸۔

(۳) عمدة القاري: ۲۶/۱۵۔

(۴) صحيح البخاري: ۱۳/۱، قديمی کتب خانہ کراچی۔

(۵) كشف الباري: ۶۰۹/۱۔

غنیمت کے احکام کو بیان کرنے کے لیے ذکر کیا گیا ہے کہ مال غنیمت کی تقسیم میں خمس نکالنا بھی شامل ہے اور یہ اہم معاملہ ہے، چنانچہ شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”ولا يتوهم التكرار؛ لأن المقصود هناك بيان أمور الإيمان، والغرض

ههنا بيان أداء الخمس؛ اهتماماً له“ (۱)۔

حیثیت چوں کہ بدلی ہوئی ہے، اس لیے تکرار کا اشکال نہیں رہا۔

۲۹۲۸ : حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ : حَدَّثَنَا حَمَادٌ ، عَنْ أَبِي حَمْزَةَ الضَّبْعِيِّ قَالَ : سَمِعْتُ أَبَانَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يَقُولُ : قَدِيمٌ وَقَدْ عَنِدَ الْقَيْسِ . فَقَالُوا : يَا رَسُولَ اللَّهِ . إِنَّا هَذَا الْحَيُّ مِنْ رَبِيعَةٍ . بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ كُفَّارٌ مُضَرٌّ . فَلَسْنَا نَصِلُ إِلَيْكَ إِلَّا فِي الشَّهْرِ الْحَرَامِ . فَمُرْنَا بِأَمْرٍ نَأْخُذُ بِهِ وَنَدْعُو إِلَيْهِ مَنْ وَرَاءَنَا . قَالَ : (أَمْرُكُمْ بِأَرْبَعٍ . وَأَنْهَاكُمْ عَنْ أَرْبَعٍ . الْإِيمَانُ بِاللَّهِ : شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ - وَعَقْلُ يَدِهِ - وَإِقَامُ الصَّلَاةِ . وَإِيتَاءُ الزَّكَاةِ . وَصِيَامُ رَمَضَانَ . وَأَنْ تُؤَدُّوا لِلَّهِ خُمُسَ مَا غَنِمْتُمْ . وَأَنْهَاكُمْ عَنِ الدُّبَاةِ . وَالنَّفِيرِ . وَالْحَنْتَمِ . وَالْمُرْقَةِ) . [ز : ۵۳]

تراجم رجال

۱- ابو النعمان

یہ ابو النعمان محمد بن الفضل السدوسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، ”باب قول

النبي صلى الله عليه وسلم: الدين النصيحة.....“ کے تحت گزر چکا ہے (۳)۔

۲- حماد

یہ حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الإیمان، ”باب ﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ

المؤمنين اقتتلوا.....﴾“ کے تحت بیان کیے جا چکے (۴)۔

(۱) الأبواب والتراجم: ۲۰۵/۱۔

(۲) قوله: ”ابن عباس رضي الله عنهما“: الحديث، مرّ تخريجہ فی الإیمان، كشف الباري: ۶۹۶/۲۔

(۳) كشف الباري: ۷۶۸/۲۔

(۴) كشف الباري: ۲۱۹/۲۔

۳- ابو جمرہ

یہ ابو جمرہ نصر بن عمران ضبعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا ترجمہ کتاب الایمان، ”باب أداء الخمس من الایمان“ کے تحت آچکا ہے (۱)۔

۴- ابن عباس رضی اللہ عنہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے حالات ”بدء الوحي“ کے تحت آچکے ہیں (۲)۔

تنبیہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی وفد عبدالقیس سے متعلقہ حدیث باب کی مکمل تشریح کتاب الایمان میں گزر چکی ہے (۳)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

حدیث کی ترجمہ کے ساتھ مناسبت اس جملے میں ہے، ”وَأَنْ تُوَدُّوا لِلَّهِ خُمُسَ مَا غَنْتُمْ“ (۴)۔

۳- باب : نَفَقَةُ نِسَاءِ النَّبِيِّ ﷺ بَعْدَ وَفَاتِهِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کی ازواج کے نفقے کا مسئلہ بیان کر رہے ہیں (۵)۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔

۲۹۲۹ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ : أَخْبَرَنَا مَالِكٌ . عَنْ أَبِي الزِّنَادِ . عَنِ الْأَعْرَجِ .

(۱) کشف الباری: ۷۰۱/۲.

(۲) کشف الباری: ۴۳۵/۱، ۲۰۵/۲.

(۳) کشف الباری: ۷۰۴/۲-۷۲۹.

(۴) عمدة القاری: ۲۶/۱۵.

(۵) عمدة القاری: ۲۷/۱۵.

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ (۱) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ : (لَا يَقْتَسِمُ وَرَثَتِي دِينَارًا ، مَا تَرَكَتُ بَعْدَ نَفَقَةِ نِسَائِي وَمُؤْنَةِ عَامِلِي فَهُوَ صَدَقَةٌ) . [ر : ۲۶۲۴]

تراجم رجال

۱- عبد اللہ بن یوسف

یہ عبد اللہ بن یوسف تنیسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲- مالک

یہ امام دارالبحرۃ حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کا تذکرہ ”بدر الوحی“ کی پہلی حدیث کے تحت گزر چکا ہے (۲)۔

۳- ابوالزناد

یہ ابوالزناد عبد اللہ بن ذکوان رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۴- الأعرج

یہ امام عبد الرحمن بن ہرمز الاعرج رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کے حالات کتاب الإیمان، ”باب حب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم من الإیمان“ کے تحت گزر چکے (۳)۔

۵- ابوہریرہ

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإیمان، ”باب أمور الإیمان“ کے تحت آچکے (۴)۔

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : لَا يَقْتَسِمُ وَرَثَتِي دِينَارًا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے ورثہ

(۱) قوله: ”عن أبي هريرة رضي الله عنه“: الحديث، مر تخريجہ في الوصايا، باب نفقة القيم للوقوف.

(۲) كشف الباري: ۱/ ۲۸۹-۲۹۰، امام مالک کے لیے مزید دیکھیے: ۲/ ۸۰.

(۳) كشف الباري: ۲/ ۱۰-۱۱.

(۴) كشف الباري: ۱/ ۶۵۹.

کوئی دینار تقسیم نہیں کریں گے۔

مطلب یہ ہے کہ میرے متروکہ مال میں وراثت جاری نہیں ہوگی، جس طرح کہ عموماً دوسرے لوگوں کے انتقال پر ان کے متروکہ مال میں وراثت جاری ہوتی ہے۔

صحیحین کی یہ روایت جو مالک عن ابی الزناد کے طریق سے مروی ہے، اس میں صرف لفظ ”دینارا“ آیا ہے (۱)، جب کہ مسلم شریف کی ایک روایت جو ابن عیینہ عن ابی الزناد کے طریق سے مروی ہے، اس میں ”دینارا ولا درهما“ ہے (۲)۔

مالک عن ابی الزناد والی روایت کے اعتبار سے حدیث کے معنی یہ ہوں گے کہ میرا مال متروکہ اگر ایک دینار بھی ہوگا تو بھی اس میں وراثت جاری نہیں ہوگی، چہ جائیکہ اس سے زیادہ میں جاری ہو، چنانچہ یہ ”تنبیہ بالأدنی علی الأعلیٰ“ کے قبیل سے ہے، اسی کے مثل یہ فرمان ربانی بھی ہے کہ ﴿وَمِنْهُمْ مَنْ إِنْ تَأْمَنَهُ بَدِينَارٍ.....﴾ (۳) کہ ”ان یہود میں ایسے بد بخت بھی ہیں کہ اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کو ایک دینار بھی بطور امانت رکھوائیں تو وہ نہ لوٹائیں“۔ یہاں بھی تنبیہ بالأدنی علی الأعلیٰ (۴) ہے کہ جو شخص ایک دینار لوٹانے کو تیار نہ ہو، وہ اس سے زائد مال کیونکر واپس کرے گا؟! (۵)

جب کہ مسلم کی ابن عیینہ عن ابی الزناد والی روایت کے بارے میں حافظ صاحب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں

(۱) دیکھیے، صحیح بخاری، کتاب الوصایا، باب تفقہ القیم للوقف، رقم (۲۷۷۶)، و کتاب الفرائض، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لا نورث، رقم (۶۷۲۹)، و مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لا نورث.....، رقم (۴۵۸۳)۔

(۲) هذا ما قاله الحافظ رحمه الله، ولكنني لم أجد هذا اللفظ عند مسلم. والله أعلم، ثم وجدته في التمهيد لابن عبد البر: ۱۷۳/۸.

(۳) آل عمران/۷۵.

(۴) شرح التلويح على التوضيح ۲۶۳، فصل: مفهوم المخالفة، والتقرير والتحبير: ۱/۱۴۸، انقسام المفهوم إلى مفهوم موافقة..... ورفع الحاجب عن مختصر ابن الحاجب: ۳/۴۹۲، المطلق والمقيد.

(۵) فتح الباري: ۶/۲۰۹، وعمدة القاري: ۱۵/۲۷، والأوجز للكاندهلوي: ۱۷/۵۴۸، والتمهيد لابن عبد البر: ۱۸/۱۷۱، وشرح الكرماني: ۱۳/۸۱.

کہ یہ زیادتی حسن ہے (۱)۔ یہ ابلغ فی النفی ہے کہ مال متروکہ، خواہ درہم ہو یا دینار، اس میں وراثت جاری نہیں ہوگی۔ اور اس زیادتی کی متابعت بھی شامل ترمذی میں موجود ہے (۲)۔

ما ترک بعد نفقة نسائي، ومؤنة عاملي، فهو صدقة

میری ازواج مطہرات اور میرے خلیفہ کے خرچ کے علاوہ جو مال میں چھوڑ جاؤں گا، وہ صدقہ ہوگا۔

نفقة نسائي کی توضیح

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے مال میں سے ازواج مطہرات کا نفقہ واجب تھا، اس کی وجہ کیا تھی، اس میں مختلف اقوال ہیں:

- ۱۔ اس لیے کہ ازواج مطہرات فی حق النبی محبوس تھیں، وہ معتدات کے حکم میں تھیں، ظاہر ہے کہ وہ نکاح تو اور نہیں کر سکتی تھیں (۳)، تو جو آدمی جس کے حق میں محبوس ہوتا ہے اس پر اس کا نفقہ واجب ہوا کرتا ہے۔
- ۲۔ نیز یہ بات بھی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر اطہر میں زندہ ہیں، ”إن الله حرم على الأرض أن تأكل أجساد الأنبياء، فنبى الله حي يرزق“ (۴) تو اس بنا پر بھی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا نفقہ آپ کے ذمے واجب تھا (۵)۔

یہاں پھر یہ بات بھی سمجھیے کہ لفظ ”نفقة“ تمام حوائج و لوازمات زندگی کو شامل ہے، یہی وجہ تھی کہ نبی علیہ السلام کی وفات سے قبل ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن جن گھروں میں مقیم تھیں، بعد وفات بھی وہ ان کی

(۱) فتح الباری: ۲۰۹/۶۔

(۲) حوالہ بالا، والشمال المحمدية، باب ماجاء في ميراث رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم (۴۰۴)۔

(۳) قال الله تعالى: ﴿وَلَا أَنْ تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ أَبْدًا، إِنَّ ذَلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللَّهِ عَظِيمًا﴾ الأحزاب/۵۳۔

(۴) سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ذکر وفاته ودفنه ﷺ، من رواية أبي الدرداء رضي الله عنه، رقم

(۱۶۳۷)، والحديث صحيح، كما نبه عليه ابن حجر الإمام في التهذيب: ۳/۳۱۸، ترجمة زيد بن أيمى.

(۵) الكرماني: ۱۳/۸۲، والعمدة: ۲۷/۱۵، والفتح: ۲۰۹/۶، والأوجز: ۵۴۸/۱۷، والديباج على مسلم:

۷۲۴/۲، نیز دیکھیے، خصائل نبوی اردو: ۲۵۲۔

ملکیت میں رہے (۱)۔ واللہ اعلم بالصواب۔

عامل سے کیا مراد ہے؟

اس میں پانچ اقوال ہیں:

۱- اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ مراد ہے، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں، ”وہذا هو المعتمد، وهو الذي يوافق ما تقدم في حديث عمر“ (۲)۔ کہ ”یہی معتمد بات ہے، سابق میں جو حدیث گزری اس کے بھی یہ موافق ہے۔“

۲- اس سے عامل علی النخل مراد ہے، یعنی جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے باغات کھجور کی دیکھ بھال کرتا تھا۔ اس پر ابن بطل اور امام طبری رحمہما اللہ تعالیٰ نے جزم کیا ہے (۳)۔

۳- نبی علیہ السلام کی قبر اطہر کھودنے والا مراد ہے۔ اس احتمال کو حافظ علیہ الرحمۃ نے بعید قرار دیا ہے۔

۴- نبی علیہ السلام کا خادم مراد ہے، یہ ابن دجیہ کا قول ہے۔

۵- عامل علی الصدقات مراد ہے (۴)۔ واللہ اعلم۔

طاعات پر اجرت لینا درست ہے

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ فائدہ مستنبط ہوا کہ کوئی بھی شخص جو کسی نیک عمل میں مشغول ہو اور اس کے ذریعے دیگر بہت سے مسلمانوں کی مشقت و تکلیف میں خفت آرہی ہو، ان پر عائد ذمے داری کم ہو رہی ہو، تو اس پر اس کو معاوضہ اور اجر لینا جائز ہے، چنانچہ مؤذن کو اذان کی اجرت لینا اور معلم کو تعلیم کی اجرت لینا جائز ہے۔

(۱) قاله السبكي والمحافظ، انظر فتح الباري: ۸/۱۲، مزيد تفصيل باب ماجاء في بيوت أزواج النبي کے تحت آرہی ہے۔

(۲) فتح الباري: ۲۰۹/۶، وعمدة القاري: ۲۷/۱۵، والأوجز: ۵۴۹/۱۷۔

(۳) شرح ابن بطل: ۲۵۹/۵، اس قول کی نسبت حافظ طبری کی طرف حافظ علیہ الرحمۃ نے کی ہے، جب کہ شرح ابن بطل میں اس کے برخلاف (ولی الامر) کا قول حافظ طبری کی طرف منسوب ہے۔ واللہ اعلم۔

(۴) الفتح: ۲۰۹/۶، والعمدة: ۲۷/۱۵، والديباج على مسلم للسيوطي: ۷۲۴/۲، والكرمانى: ۸۲/۱۳۔

اس کے ساتھ ہی جو لوگ ان اعمال پر اجرت لینے کو حرام کہتے ہیں ان کے قول کا بطلان بھی حدیث سے ثابت ہو رہا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث باب میں اپنا مال متروک اس ولی امر کے حوالہ کرنے کا حکم فرمایا ہے، جو آپ علیہ السلام کے بعد مسلمانوں کے جملہ امور کا نگران ہوگا، یہی نگرانی اور مصروفیت اس کو اس مال متروک کا حق دار بناتی ہے، چنانچہ اب یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ ہر وہ شخص جو مسلمانوں کے کسی معاملے کا ذمہ دار ہو، جس کا نفع ان سب کو پہنچ رہا ہو، تو اس کے لیے بھی وہی راستہ اختیار کیا جائے گا، جو نبی علیہ السلام کے عامل (ولی الامر) کے لیے اختیار کیا گیا کہ اس کا وظیفہ وغیرہ بھی بیت المال سے ہوگا، جب تک کہ وہ اس ذمے داری کو ادا کرتا رہے، جیسے علماء، قضاة، امراء سلطنت اور دوسرے وہ بہت سے حضرات، جو عام مسلمانوں کے امور میں مشغول ہیں (۱)۔

اموال کو جمع کرنا جائز ہے

علاوہ ازیں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث باب میں اس امر کی بھی واضح دلالت ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے اس قدر مال و متاع کے رکھنے اور جمع کرنے کو حلال فرمایا ہے جو ان کے اور ان کے اہل خانہ کے رزق و خوراک کے لیے کافی ہو، جس کے ذریعے وہ مختلف حوادث و آفات کا مقابلہ کر سکتے ہوں اور ان کی ضروریات سے زائد ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا فعل مبارک بھی یہی تھا کہ اپنے گھر والوں کی خوراک وغیرہ کے لیے وہ ایک سال کا خرچ جمع رکھتے تھے، ساتھ ہی اپنا نفقہ و مصارف بھی..... اور جو کچھ بچا رہتا اس کو مسلمانوں کے منافع میں استعمال کرتے، اسلحہ وغیرہ خریدتے، ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ مل کر مال و متاع کا ایک بڑا مجموعہ ہے اور اس پر بلاشبہ ”مال کثیر“ کا اطلاق ہو سکتا ہے۔

اس ساری تفصیل سے یہ بات بخوبی واضح ہو گئی کہ اموال کو جمع کرنا جائز ہے، لیکن نیت دوسرے لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرنے سے بچنے کی ہو، عزت نفس کو برقرار رکھتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا کی ہو (۲)۔

(۱) شرح ابن بطلال: ۲۵۹/۵۔

(۲) شرح ابن بطلال: ۲۵۹/۵ - ۲۶۰۔

مال جمع کرنا فقر وفاقہ اختیار کرنے سے افضل ہے

حدیث باب سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ مال و متاع کا جمع کرنا فقر وفاقہ اختیار کرنے سے افضل ہے، بشرطیکہ بندہ مال میں، جو اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں، وہ بھی ادا کرے۔

اگر فقر وفاقہ افضل ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی مال و متاع جمع نہ فرماتے، بلکہ اپنے پاس جو کچھ ہوتا اس کو اپنے اصحاب خصوصاً ضرورت مندوں میں تقسیم کر دیتے، اپنی ملکیت میں کچھ بھی نہ رکھتے، جب کہ ثابت اس کے برخلاف ہے۔

چنانچہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”وَأَنَّ ذَلِكَ (أَيِ اتِّخَاذِ الْأَمْوَالِ وَاقْتِنَاؤِهَا) أَفْضَلُ مِنَ الْفَقْرِ وَالْفَاقَةِ إِذَا أَدَّى حَقَّ اللَّهِ مِنْهَا، وَلَوْ كَانَ الْفَقْرُ أَفْضَلَ لَمَا كَانَ الرَّسُولُ يَخْتَارُ أَحْسَنَ الْمَنْزِلَتَيْنِ عِنْدَ اللَّهِ عَلَى أَرْفَعَهُمَا؛ بَلْ كَانَ يَقْسِمُ أَمْوَالَهُ وَأَصُولَهُ عَلَى أَصْحَابِهِ، وَلَا سِيَّمَا بَيْنَ ذَوِي الْحَاجَةِ مِنْهُمْ“ (۱)۔

ترجمہ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

حدیث کی ترجمہ الباب کے ساتھ مناسبت واضح ہے (۲) کہ ترجمہ ازواج مطہرات کے نفقے کا تھا، حدیث میں بھی یہی مضمون ہے کہ نبی علیہ السلام کے مال متروک میں ازواج کا بھی حصہ بطور نفقہ ہوگا۔ واللہ اعلم

۲۹۳۰ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ : حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ : حَدَّثَنَا هِشَامٌ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَائِشَةَ ^(۳) قَالَتْ : تُوُفِّيَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَمَا فِي بَيْتِي مِنْ شَيْءٍ يَأْكُلُهُ ذُو كَبَدٍ ، إِلَّا شَطْرُ شَعِيرٍ فِي رَفْإِي . فَأَكَلْتُ مِنْهُ حَتَّى طَالَ عَلَيَّ ، فَكَلَّتُهُ فَقَنِي . [۶۰۸۶]

(۲) شرح ابن بطال: ۲۶۰/۵۔

(۲) عمدة القاري: ۲۷/۱۵۔

(۳) قوله: ”عن عائشة رضي الله عنها“: الحديث، أخرجه البخاري، كتاب الرقاق أيضاً، باب فضل الفقر، رقم (۶۴۵۱)، ومسلم، أوائل كتاب الزهد، رقم (۷۴۵۱)، والترمذي، كتاب صفة القيامة، باب حديث عائشة: ”توفي رسول الله“، رقم (۲۴۶۷)، وابن ماجه، الأطعمة، باب خبز الشعير، رقم (۳۳۴۵)۔

تراجم رجال

۱- عبد اللہ بن ابی شیبہ

یہ ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۱)۔

۲- ابواسامہ

یہ ابواسامہ حماد بن اسامہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب العلم، ”باب فضل من علم وعلم“ کے تحت آچکا ہے (۲)۔

۳- ہشام بن عروہ

یہ مشہور محدث حضرت ہشام بن عروہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۴- أبیہ

اب سے مراد حضرت عروہ بن الزبیر بن العوام رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۵- عائشہ

یہ عائشہ صدیقہ بنت صدیق اکبر رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان تینوں حضرات کا تذکرہ ”بدء الوحي“ کی ”الحديث الأول“ کے تحت گزر چکا ہے (۳)۔

قالت: توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم وما في بيتي من شيء يأكله
ذو كبد، إلا شطر شعير في رف لي

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب فوت ہوئے تو میرے گھر میں
ایسا کچھ بھی نہیں تھا، جسے کوئی جاندار کھائے، سوائے تھوڑے سے جو کے، جو میرے ایک طاقے میں رکھے تھے۔

(۱) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب العمل فی الصلاة، باب لا یرد السلام فی الصلاة۔

(۲) کشف الباری: ۴۱۴/۳۔

(۳) کشف الباری: ۲۹۱/۱، ہشام اور عروہ کے لیے مزید دیکھیے، کشف الباری: ۴۳۲/۲-۴۴۰۔

”ذو کبد“ سے مراد جاندار و ذی روح ہے، خواہ انسان ہو یا اور کوئی جانور (۱)۔

”شطر“ سے مراد حافظ ابن حجر کے بقول بعض ہے۔ البتہ اس کا اطلاق نصف یا جہت معینہ پر بھی ہوتا

ہے، لیکن یہاں آخری دونوں معنی مراد نہیں (۲)۔

اور قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے شطر کی تفسیر ”نصف و سق“ بیان کی ہے۔ اس کے علاوہ اس کلمے کی تفسیر

میں اور بھی اقوال ہیں (۳)۔ ان سب کا حاصل یہی ہے کہ وہ جو بہت تھوڑی مقدار میں تھے۔

”رف“ دیوار کے اندر طاقی کو کہتے ہیں۔ جب کہ دیوار سے لگے ہوئے تختہ وغیرہ کو بھی کہتے ہیں،

جس پر گھر کا سامان رکھا جاتا ہے۔ حافظ فرماتے ہیں:

”قال الجوهري: ”الرف: شبه الطاق في الحائط“. وقال عياض:

”الرف: خشب يرتفع عن الأرض في البيت، يوضع فيه ما يراد حفظه“. قلت:

والأول أقرب للمراد“ (۴)۔

اس کی جمع رفوف و رفاف آتی ہے (۵)۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

کتاب الوصایا کی ایک حدیث جو حضرت عمرو بن الحارث مصطفیٰ رضی اللہ عنہ کی ہے (جس کا بعض

حصہ بھی حدیث باب ہے)، اس میں آیا ہے:

”ما ترك رسول الله صلى الله عليه وسلم عند موته ديناراً، ولا درهماً، ولا عبداً، ولا

أمة، ولا شيئاً، إلا.....“ (۶)۔ کہ ”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی موت کے وقت کوئی دینار ترک نہیں

(۱) فتح الباری: ۲۸۰/۱۱، وعمدة القاری: ۲۸/۱۵۔

(۲) فتح الباری: ۲۸۰/۱۱۔

(۳) حوالہ بالا، وعمدة القاری: ۲۸/۱۵، وإكمال المعلم للمفاتيح: ۲۶۶/۸، کتاب الزهد، رقم (۲۷)۔

(۴) فتح الباری: ۲۸۰/۱۱، والصحاح للجوهري: ۴۱۹، مادة ”رفف“۔

(۵) عمدة القاری: ۲۸/۱۵۔

(۶) صحيح البخاري، كتاب الوصايا، وقول النبي صلى الله عليه وسلم، رقم (۲۷۳۹)۔

چھوڑا نہ درہم، کوئی غلام چھوڑا نہ کوئی باندی، نہ ہی کوئی اور چیز، سوائے اپنی سفید خچری کے، اسلحہ کے اور زمین کے، جس کو آپ نے صدقہ میں جمع کروادیا تھا۔“

جب کہ حدیث باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ فرما رہی ہیں کہ انہوں نے کچھ جو بھی چھوڑا تھا، چنانچہ اوپر ”شیء“ کی نفی تھی اور یہاں وجودِ شے کا اثبات ہے۔

اس سوال کا جواب بہت آسان ہے، وہ یہ کہ حضرت عمرو بن الحارث رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ان چیزوں کا ذکر ہے، جو آپ علیہ السلام کے ساتھ مختص تھیں کہ ان میں آپ نے کوئی شے نہیں چھوڑی، جب کہ حدیث عائشہ میں اس شے کا ذکر ہے، جو ان کے نفقہ کا حصہ تھا اور ان کے ساتھ مختص تھا، چونکہ مورد الگ الگ ہیں، اس لیے اشکال کی کوئی وجہ نہیں (۱)۔

فَأَكَلْتُ مِنْهُ حَتَّى طَالَ عَلَيَّ

تو میں اس سے کھاتی رہی، یہاں تک کہ معاملہ مجھ پر طویل ہو گیا۔

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس جو کو کھاتی رہیں، یہاں تک کہ اس پر عرصہ دراز گزر گیا، لیکن وہ ختم نہیں ہوئے۔

فَكَلْتَهُ فَنَفَنِي

تو میں نے اس کا وزن کیا، چنانچہ وہ ختم ہو گئے۔

”کلّٰہ“ بکسر الکاف (۲)، کال یکیل سے ماضی واحد متکلم کا صیغہ ہے۔

جو ختم ہونے کی وجہ

علامہ ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس جو شعیر (جو) تھے، وہ چونکہ غیر مکیل تھے، اس لیے ان میں برکت بھی تھی، کیونکہ انہیں ان کے وزن کا علم نہیں تھا، ان کی قلت کی طرف دیکھتے ہوئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہر روز یہ گمان گزرتا تھا کہ یہ جو عنقریب ختم ہو جائیں گے، اسی لیے ان

(۱) فتح الباری: ۲۸۰/۱۱۔

(۲) حوالہ بالا۔

کو معاملہ دراز معلوم ہونے لگا، لیکن جب انہوں نے ان کا وزن کر لیا تو مدت بقا معلوم ہو گئی، چنانچہ اس مدت کے پورا ہوتے ہوتے جو بھی ختم ہو گئے (۱)۔ واللہ اعلم۔

ترجمہ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کی ترجمہ الباب کے ساتھ مناسبت اس جملے میں ہے ”فأكلت منه حتى طال علي، فكلته ففسي“ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہاں یہ نہیں فرمایا کہ انہوں نے وہ جو اپنے حصے سے لیے تھے، کیونکہ نفقہ میں ان کا استحقاق نہ ہوتا تو شعیر موجود بیت المال میں جمع کر دیا جاتا یا ورثہ کے درمیان تقسیم کر دیا جاتا، ورثہ میں سے وہ بھی تھیں اور ایسا ہوا نہیں، چنانچہ معلوم ہوا کہ یہ نفقہ ہی تھا، نہ کہ میراث۔ چنانچہ ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”وجه مطابقة الترجمة لحديث عائشة، قولها: ”فأكلت منه حتى طال علي، فكلته ففسي“ ولم تذكر أنها أخذته في نصيبها؛ إذ لو لم تكن لها النفقة لكان الشعير الموجود لبیت المال، أو مقسوما بين الورثة، وعي إحداهن“ (۲)۔

۲۹۳۱ : حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا يَحْيَى . عَنْ سُفْيَانَ قَالَ : حَدَّثَنِي أَبُو إِسْحَقَ قَالَ : سَمِعْتُ عَمْرُو بْنَ الْحَارِثِ (۳) قَالَ : مَا تَرَكَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَّا سِلَاحَهُ ، وَبَعْلَتُهُ الْبَيْضَاءُ ، وَأَرْضًا تَرَكَهَا صَدَقَةً . [ر : ۲۵۸۸]

تراجم رجال

۱- مسدد

یہ مسدد بن مسرہد بن مسرہ بل رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، ”باب من الإیمان

(۱) شرح ابن بطلال: ۲۶۱/۵۔

(۲) المتواری: ۱۸۵، وفتح الباری: ۲۰۹/۶، وعمدة القاری: ۲۷/۱۵، وقال القاضي في إكمال المعلم (۲۶۶/۸):

”وفي هذا أن البركة أكثر ما توجد في المجهولات والمبهومات، وأما ما حصر بالعدد أو بالكيل فمعرف قدره“۔

(۳) قوله: ”عمرو بن الحارث رضي الله عنه“: الحديث، مرّ تخريجہ فی کتاب الوصایا، باب الوصایا.....

أن يحب لأخيه.....“ کے تحت گزر چکا ہے (۱)۔

۲- یحییٰ

امام یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ کا تذکرہ بھی ”کتاب الإیمان“ کے مذکورہ باب کے تحت آچکا ہے (۲)۔

۳- سفیان

یہ امام المحدثین حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الإیمان، ”باب ظلم دون ظلم“ کے تحت آچکے ہیں (۳)۔

۴- ابو اسحاق

یہ ابو اسحاق عمرو بن عبید اللہ السبعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الإیمان، ”باب الصلاة من الإیمان“ کے ذیل میں گزر چکے (۴)۔

۵- عمرو بن الحارث

یہ نبی علیہ السلام کے برادر نسبی حضرت عمرو بن الحارث خزاعی مصطفیٰ رضی اللہ عنہ ہیں (۵)۔

حدیث کا ترجمہ

یہ حدیث چونکہ ابھی قریب ہی میں کتاب الوصایا میں گزری ہے، اس لیے یہاں صرف ترجمہ پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

حضرت عمرو بن الحارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے وقت ترکہ میں مندرجہ ذیل چیزیں چھوڑیں:-

(۱) کشف الباری: ۲/۲۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) کشف الباری: ۲/۲۷۸۔

(۴) کشف الباری: ۲/۳۷۰۔

(۵) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الزکاة، باب الزکاة علی الزوج والأیتام.....

اسلمہ، سفید خجری اور کچھ زمینیں جو آپ نے صدقات کے طور پر چھوڑی تھیں۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت بایں معنی ہیں کہ نبی علیہ السلام نے جو زمینیں بطور صدقات چھوڑی تھیں، ان سے ازواج مطہرات کا نفقہ دیا جاتا تھا۔ یہ روایت صراحۃً تو مصنف کے مدعی کو ثابت نہیں کرتی ہے، لیکن مصنف علیہ الرحمۃ کی عادت ہے کہ وہ ایسا کرتے ہیں کہ بعض ایسی روایات نقل کر دیتے ہیں جو صراحۃً مدعی کے لیے مفید ہوتی ہیں اور بعض روایات ایسی ہوتی ہیں کہ وہ خود تو مثبت مدعی نہیں ہوتیں، لیکن دوسری روایات کے ساتھ ملا کر اگر ان کو دیکھا جائے تو پھر اثبات مدعی ان سے ہو جاتا ہے، یہاں یوں ہی ہے، دوسری روایات کے ساتھ ملا کر اس سے اثبات مدعی ہو جائے گا۔

علامہ ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”ووجه مطابقتها للحديث قوله: ”وأرضاً تركها صدقة“؛ لأنها

الأرض التي أنفق على نسائه منها بعد وفاته صلى الله عليه وسلم، على ما هو

مشروح في الحديث“ (۱)۔

اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”مطابقته للترجمة تؤخذ من قوله: ”وأرضاً تركها صدقة“ وذلك؛

لأن نفقة نسائه صلى الله عليه وسلم بعد موته كانت مما خصه الله به من

الفيء، ومنه فذك، وسهمه من خير“ (۲)۔ واللہ اعلم بالصواب

سند حدیث سے متعلق ایک تنبیہ

امام قابسی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو ”حدثنا يحيى عن سفيان.....“ کے طریق سے نقل کیا

ہے، اس طرح ان سے شیخ بخاری حضرت مسدک نام رہ گیا ہے، جب کہ اس نام کے بغیر چارہ نہیں، کیونکہ یحییٰ بن

(۱) المتواری: ۱۸۵۔

(۲) عمدة القاری: ۲۸/۱۵، وبہ قال القسطلانی، انظر إرشاد الساری: ۱۹۷/۵۔

سعید القطان رحمۃ اللہ علیہ امام بخاری کے شیخ نہیں ہیں، نہ ہی ان سے مصنف کا سماع ثابت ہے، امام جیانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پر تنبیہ کی ہے۔

البتہ قابسی علیہ الرحمۃ کے کہے کو اگر درست قرار دیا بھی جائے تو یحییٰ سے مراد ابن موسیٰ یا ابن جعفر ہوں گے اور سفیان سے ابن عیینہ، چونکہ ابن موسیٰ اور ابن جعفر دونوں امام بخاری کے شیخ ہیں (۱)۔ لیکن یہ احتمال کی حد تک ہے، درست بات وہی ہے جو جیانی علیہ الرحمۃ نے کہی۔ واللہ اعلم۔

۴ - باب : ما جاء في بيوت أزواج النبي ﷺ . وما نسب من البيوت إليهن .
وقول الله تعالى : «وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ» / الأحزاب : ۳۳ . و : «لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ» / الأحزاب : ۵۳ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہاں یہ فرما رہے ہیں کہ جیسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے مال میں آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا نفقہ واجب تھا، اسی طرح سے آپ علیہ السلام کی وفات کے بعد آپ کی ازواج کے لیے اسکان بھی آپ کے گھروں میں واجب تھا، کیونکہ یہ تمام ازواج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں محبوس تھیں، چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن مکانات کے اندر اپنی ازواج مطہرات کو رکھا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی وہ انہی مکانات کے اندر قیام پذیر رہیں۔
اس طرح یہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن جیسے تاحیات نفقہ کی مستحق رہیں، اسی طرح وہ سکون (مکان) کی بھی مستحق رہیں (۲)۔

ازواج مطہرات کا قیام من حیث الاسکان تھا یا من حیث الملک؟

اصل مسئلے کی طرف جانے سے قبل یہ بات سمجھ لیجیے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ترجمۃ الباب کے تحت دو آیتیں ذکر فرمائی ہیں، ایک ﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ﴾ (۳) اور دوسری ﴿لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا

(۱) فتح الباری : ۶/۲۱۰، وعمدة القاری : ۱۵/۲۸۔

(۲) المتواری : ۱۸۶، وفتح الباری : ۶/۲۱۱، وعمدة القاری : ۱۵/۲۹، وتعليقات اللامع : ۷/۲۹۴۔

(۳) الأحزاب : ۳۳۔

أَنْ يُوْذَنَ لَكُمْ ﴿١﴾، پہلی آیت میں بیوت کی نسبت ازواج مطہرات، دوسری میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے غالباً اس کے ذریعے اسی اختلاف کی طرف اشارہ فرمایا ہے، جس کا عنوان میں ذکر ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا مذکورہ گھروں میں قیام من حیث الملک تھا یا من حیث الاسکان، یا یہ کہہ لیجیے کہ ان گھروں کا مالک ان کو بنایا گیا تھا یا صرف ان کو رہنے کے لیے یہ گھر دیے گئے تھے۔ مشہور مفسر قرآن علامہ جمل رحمۃ اللہ علیہ آیت کریمہ ﴿لَا تَدْخُلُوا بِيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اس آیت میں اس امر کی دلیل ہے کہ گھر مرد کا ہوتا ہے اور اسی کے لیے اس کا فیصلہ کیا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے خود بیت کی نسبت مرد (نبی) کی طرف کی ہے۔

لیکن اس پر اعتراض یہ ہے کہ ایک اور آیت ﴿وَإِذَا كُنَ مَا يَتْلُو فِي بُيُوتِكُنَّ﴾ (۲) میں تو بیوت کی نسبت عورتوں (ازواج مطہرات) کی طرف کی گئی ہے، اس لیے یہ کہنا تو درست نہیں رہا کہ گھر مرد کا ہوتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بیوت کی اضافت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف باعتبار ملک ہے اور ازواج مطہرات کی طرف باعتبار محل ہے کہ یہ ان کے رہنے اور سکون کی جگہیں ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آیت کریمہ میں اذن دخول نبی علیہ السلام کا فعل بتلایا گیا ہے اور اذن مالک ہی کا حق ہوتا ہے۔

پھر یہ سمجھیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیوت میں علماء کا اختلاف ہے اور ان کے اس مسئلے میں دو قول ہیں:

① ایک جماعت کا کہنا یہ ہے کہ یہ گھر ازواج مطہرات کی ملکیت تھے، ان میں وہ من حیث الملک مقیم تھیں۔ اس کی دلیل ان حضرات کے بقول یہ ہے کہ ازواج مطہرات نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد بھی انہیں گھروں میں مقیم رہیں، یہاں تک کہ وفات پا گئیں، اس کی وجہ یہ تھی کہ نبی علیہ السلام نے یہ گھر اپنی حیات ہی میں ازواج مطہرات کو ہبہ کر دیے تھے۔

② جب کہ ایک اور جماعت یہ کہتی ہے کہ یہ اسکان تھا، ہبہ نہیں تھا اور ازواج مطہرات تاحیات وہیں

(۱) الأحزاب: ۵۳.

(۲) الاحزاب: ۳۴.

رہیں، کیونکہ یہ اسی ”مؤنۃ“ کا حصہ تھا، جس کو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مستثنیٰ فرمایا، جیسا کہ ان کے نفقہ کو مستثنیٰ فرمایا تھا کہ ”ما ترک بعد نفقة أهلي ومؤنة عاملي فهو صدقة“ (۱) یہی اہل علم کا قول ہے اور اسی کو امام ابن عبدالبر (۲) اور ابن العربی رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ نے پسند فرمایا ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن جن گھروں میں مقیم رہیں، ان کی وفات کے بعد وہ گھرانے کے ورثہ کی طرف منتقل نہیں ہوئے، چنانچہ یہ اس امر کی بین دلیل ہے کہ یہ گھرانے کی ملکیت میں نہیں تھے، صرف مسکن تھے، جب ان کا انتقال ہو گیا تو ان گھروں کو مسجد نبوی کا حصہ بنا دیا گیا اور ان کے ذریعے اس کی توسیع کردی گئی (۳)۔

امام بخاری اور گنگوہی رحمہما اللہ کی رائے

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے بقول امام بخاری کی رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ ان بیوت کی ملکیت کے قائل تھے کہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن ان گھروں میں مالکانہ حیثیت کے ساتھ مقیم تھیں، چنانچہ مصنف علیہ الرحمۃ نے ”وما نسب إلیہن من البيوت“ کہہ کر غالباً اس امر کی ترجیح کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ لکھتے ہیں:

”وقول البخاري في الترجمة: ”وما نسب إلیہن“ لعلنا إشارة إلى

ترجيح ملكهن“ (۴)۔

اور یہی رائے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے، ارشاد فرماتے ہیں:

(۱) الحدیث، مرّ تخريجہ فی الباب السابق عن أبي هريرة رضي الله عنه.

(۲) التمهيد لابن عبد البر: ۱۷۲/۸-۱۷۴، وأحكام القرآن لابن العربي: ۶۱۲/۳-۶۱۳، المسألة الثالثة، سورة الأحزاب، الآية: ۵۳.

(۳) انتهى مقالہ سلیمان الجمل رحمہ اللہ مختصراً، نقلاً عن تعليقات اللامع: ۲۹۵/۷، والأبواب والتراجم للشيخ الكاندهلوي: ۲۰۵/۱، وحاشية الجمل على الجلالين: ۱۹۲/۶-۱۹۳، سورة الأحزاب/۵۳، نیز دیکھیے، ابن بطال: ۲۶۳/۵، والديباج للسيوطي: ۷۲۴/۲.

(۴) تعليقات اللامع: ۲۹۵/۷، والأبواب والتراجم: ۲۰۵/۱.

”یعنی بذلك أن إضافتها إليهن تملیکیة، وإليه صلى الله عليه وسلم

لأدنى ملابسة، فكان قد ملكهن إياها قبل الموت، فلا يعترض على قوله: ”لا

نورث، ما تركناه صدقة“ (۱).

جب کہ ابن الممیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے برخلاف رائے اختیار کی اور فرمایا کہ امام بخاری یہاں یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ ان بیوت میں ازواج مطہرات کو رہائش کا اختیار تھا، ماکانہ اختیارات نہیں تھے، فرماتے ہیں:

”وساق البخاري الأحاديث التي تنسب إليهن البيوت فيها تنبيها على

أن هذه النسبة تحقق دوام استحقاقهن للبيوت ما بقين“ (۲).

ایک اہم تنبیہ

حافظ ابن حجر، علامہ قسطلانی اور شیخ الاسلام زکریا انصاری رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ نے کتاب الوضوء (۳) میں اوپر ذکر کردہ احتمال اول کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کو یہ گھر بہہ کر دیے تھے اور ان کو ان کا مالک بنا دیا تھا، کو ذکر کیا ہے اور اسی قول کو وہاں اختیار کیا ہے، جب کہ یہاں کتاب الخمس میں پہنچ کر ان حضرات نے اس امر کی تصریح کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مکانات ازواج مطہرات کو دیے تھے، وہ ان کی ملک نہیں تھے، بلکہ وہاں ان کا قیام بطور اسکان تھا، جیسے بیوی کو نفقہ دیا جاتا ہے اور مسکن کے طور پر رہنے کو مکان دیا جاتا ہے تو وہ اس کی مالک نہیں ہوتی اور انہیں حضرات نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ یہی وجہ ہے کہ ان کے ورثہ کی طرف وہ مکانات منتقل نہیں ہوئے (۴)۔

حافظ صاحب، علامہ قسطلانی اور شیخ زکریا انصاری رحمہم اللہ سب پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ وہاں کتاب الوضوء میں تو کچھ کہہ رہے تھے اور یہاں کتاب الخمس میں اور کچھ، لیکن یہ اشکال علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ (۵) پر نہیں

(۱) لامع الدراري: ۲۹۴/۷، والأبواب والتراجم: ۲۰۵/۱.

(۲) المتواري: ۱۸۶-۱۸۷.

(۳) فتح الباري للعسقلاني، كتاب الوضوء، باب من تبرز على لبنتين، رقم (۱۴۵)، وشرح القسطلاني:

۱/۲۳۸، باب التبرز في البيوت، وتحفة الباري: ۱/۱۵۸، باب التبرز في البيوت.

(۴) فتح الباري: ۶/۲۱۱، وتحفة الباري: ۳/۵۳۷، وشرح القسطلاني: ۵/۱۹۷.

(۵) عمدة القاري: ۲/۲۸۶، كتاب الوضوء، باب التبرز في البيوت.

ہوتا، کیونکہ انہوں نے یہ احتمال کتاب الوضوء میں ذکر نہیں کیا کہ ازواج مطہرات کا قیام وہاں مالکانہ حیثیت میں تھا (۱)۔
اس کے بعد یہ سمجھیے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب کے تحت سات حدیثیں ذکر فرمائی ہیں، پہلی حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے۔

۲۹۳۲ : حَدَّثَنَا حَبَّانُ بْنُ مُوسَى وَمُحَمَّدٌ قَالَا : أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ : أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ وَيُونُسُ .
عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ : أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُثْمَةَ بْنِ مَسْعُودٍ : أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ
عَنْهَا زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ قَالَتْ : لَمَّا نَقَلَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ . اسْتَأْذَنَ أَزْوَاجَهُ أَنْ يُمَرَّضَ فِي بَيْتِي .
فَأُذِنَ لَهُ . [ر : ۱۹۵]

تراجم رجال

۱- حبان بن موسیٰ

یہ امام بخاری کے شیخ حبان بن موسیٰ السلمی المروزی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۳)۔

۲- محمد

محمد سے مراد ابن المقاتل مروزی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کا تذکرہ کتاب العلم، ”باب ما یذکر فی المناولة، و کتاب اهل العلم.....“ کے تحت بیان ہو چکا ہے (۴)۔

۳- عبد اللہ، ۴- معمر، ۵- یونس

عبد اللہ سے ابن المبارک، معمر سے ابن راشد اور یونس سے ابن یزید ایللی رحمہم اللہ مراد ہیں۔ ان سب حضرات کا ترجمہ ”بدء الوحی“ کی ”الحديث الخامس“ کے تحت نقل کیا جا چکا ہے (۵)۔

(۱) عمدة القاري: ۲۹/۱۵۔

(۲) قوله: ”عائشة رضي الله عنها.....“: مرّ تخریجہ فی الوضوء، باب الغسل والوضوء، فی المخضب.....

(۳) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الاذان، باب یسلم حین یسلم الإمام،

(۴) کشف الباری: ۲۰۶/۳۔

(۵) کشف الباری: ۴۶۲/۱-۴۶۶، یونس بن یزید کے لیے مزید دیکھیے، کشف الباری: ۲۸۲/۳۔

۶- الزہری

یہ امام محمد بن مسلم ابن شہاب الزہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات ”بدء الوحي“ کی ”الحديث الأول“ کے تحت ذکر کیے جا چکے ہیں (۱)۔

۷- عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود

یہ مشہور فقیہ مدینہ منورہ حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات بھی ”بدء الوحي“ کی ”الحديث الخامس“ کے ذیل میں گزر چکے ہیں (۲)۔

۸- عائشہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حالات ”بدء الوحي“ کی پہلی حدیث کے تحت گزر چکے ہیں (۳)۔
 أن عائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم قالت: لما ثقل رسول الله.....
 حضرت عبید اللہ بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت زیادہ ناساز ہو گئی تو آپ نے دیگر ازواج مطہرات سے اس امر کی اجازت لی کہ وہ اپنے بیماری کے دن میرے گھر میں رہیں، تو ازواج مطہرات نے اجازت دے دی۔
 دوسری حدیث بھی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ہے۔

۲۹۳۳ : حَدَّثَنَا أَبُو أَبِي مَرْيَمَ : حَدَّثَنَا نَافِعٌ : سَمِعْتُ أَبْنَ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ : قَالَتْ عَائِشَةُ
 رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا : تَوَفَّى النَّبِيُّ ﷺ فِي بَيْتِي : وَفِي نَوْبَتِي . وَبَيْنَ سَحْرِي وَنَحْرِي . وَجَمَعَ اللَّهُ
 بَيْنَ رِجْلِي وَرِجْلِهِ . قَالَتْ : دَخَلَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بِسِوَالِكٍ ، فَضَعَفَ النَّبِيُّ ﷺ عَنْهُ ، فَأَخَذَتْهُ
 فَمَضَعَتْهُ ، ثُمَّ سَنَّتْهُ بِهِ . [ر : ۸۵۰]

(۱) کشف الباری: ۱/۳۲۶۔

(۲) کشف الباری: ۱/۴۶۶ و: ۳/۳۷۹۔

(۳) کشف الباری: ۱/۲۹۱۔

(۴) قولہ: ”قالت عائشة رضي الله عنها“: الحديث، مرّ تخريجہ فی کتاب الجمعة، باب من تسوّك.....

تراجم رجال

۱- ابن ابی مریم

یہ ابو محمد سعید بن الحکم بن ابی مریم الحنفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب العلم، ”باب من سمع شیئاً فراجع حتی یعرفہ“ کے تحت گزر چکا ہے (۱)۔

۲- نافع

یہ نافع بن یزید مصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

۳- ابن ابی ملیکہ

یہ عبید اللہ بن ابی ملیکہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الإیمان، ”باب خوف المؤمن من أن یحبط عملہ.....“ کے تحت آچکے ہیں (۳)۔

۴- عائشہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ ”بدء الوحي“ میں گزر چکا ہے (۴)۔

قالت عائشة رضي الله عنها: توفي النبي صلى الله عليه وسلم في بيتي.....

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال میرے گھر، میری باری والے دن، میرے سینے پر (کہ آپ کا سر مبارک میرے سینے پر رکھا تھا) ہوا اور اللہ تعالیٰ نے میرے لعاب اور آپ کے لعاب کو جمع فرمایا، وہ اس طرح کہ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر ایک مسواک لے کر اندر آئے، نبی علیہ السلام میں اتنی قوت نہ تھی کہ اسے چبا پاتے، چنانچہ میں نے مسواک لی، اسے چبا کر نرم کیا، پھر انہیں مسواک کروائی۔

(۱) کشف الباری: ۱۰۶/۴۔

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الجنائز، باب الدخول علی المیت بعد الموت إذا.....

(۳) کشف الباری: ۵۴۸/۲۔

(۴) کشف الباری: ۲۹۱/۱۔

اور حدیث کی مفصل شرح پیچھے کتاب الجمعہ میں گزر چکی ہے (۱)۔

باب کی تیسری حدیث ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی ہے۔

۲۹۳۴ : حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَفِيرٍ قَالَ : حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ : حَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ خَالِدٍ .
عَنْ أَبِي شِهَابٍ ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ حُسَيْنٍ : أَنَّ صَفِيَّةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ أَخْبَرَتْهُ : أَنَّهَا جَاءَتْ رَسُولَ
اللَّهِ ﷺ تَرُورُهُ ، وَهُوَ مُعْتَكِفٌ فِي الْمَسْجِدِ ، فِي الْعَشْرِ الْآخِرِ مِنْ رَمَضَانَ ، ثُمَّ قَامَتْ تَنْقَلِبُ ،
فَقَامَ مَعَهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ، حَتَّى إِذَا بَلَغَ قَرِيبًا مِنْ بَابِ الْمَسْجِدِ : عِنْدَ بَابِ أُمِّ سَلَمَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ
ﷺ . مَرَّ بِهِمَا رَجُلَانِ مِنَ الْأَنْصَارِ ، فَسَلَّمَا عَلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ثُمَّ نَفَذَا : فَقَالَ لَهُمَا رَسُولُ
اللَّهِ ﷺ : (عَلَى رِسْلِكُمَا) . قَالَا : سُبْحَانَ اللَّهِ يَا رَسُولَ اللَّهِ ، وَكَبَّرَ عَلَيْهِمَا ذَلِكَ : فَقَالَ رَسُولُ
اللَّهِ ﷺ : (إِنَّ الشَّيْطَانَ يَبْلُغُ مِنَ الْإِنْسَانِ مَبْلَغَ الدَّمِ ، وَإِنِّي خَشِيتُ أَنْ يَقْذِفَ فِي قُلُوبِكُمَا
شَيْئًا) . [ر : ۱۹۳۰]

تراجم رجال

۱- سعید بن عفیر

یہ سعید بن کثیر بن عفیر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا مفصل تذکرہ کتاب العلم، ”باب من یرد اللہ بہ.....“ کے تحت گزر چکا ہے (۲)۔

۲- الیث

یہ مشہور محدث لیث بن سعد فہمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات ”بدء الوحي“ کی ”الحديث الأول“ کے تحت گزر چکے ہیں (۳)۔

۳- عبدالرحمن بن خالد

یہ عبدالرحمن بن خالد رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا ترجمہ مفصل کتاب العلم، ”باب السمر في العلم“

(۱) صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب من تسوك.....، رقم (۸۹۰)۔

(۲) قوله: ”أن صفيّة.....“: الحديث، مرّ تخريجہ في الاعتكاف، باب هل يخرج المعتكف إلى.....؟

(۳) كشف الباري: ۲۷۴/۳۔

(۴) كشف الباري: ۳۲۴/۱۔

کے ذیل میں بیان ہو چکا (۱)۔

۴- ابن شہاب

ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ کے مختصر حالات ”بدء الوحي“ کی ”الحديث الأول“ کے تحت

آچکے (۲)۔

۵- علی بن حسین

یہ امام زین العابدین علی بن حسین بن علی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۳)۔

۶- صفیہ

یہ ام المؤمنین حضرت صفیہ بنت حی رضی اللہ عنہا ہیں (۴)۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لیے مسجد نبوی میں حاضر ہوئیں، جہاں نبی علیہ السلام رمضان کے عشرہ اخیرہ میں معتکف تھے، ملاقات کے بعد رخصت ہونے کے لیے کھڑی ہوئیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ کھڑے ہوئے اور ساتھ چلے، یہاں تک کہ جب مسجد کے دروازے، جو باب ام سلمہ رضی اللہ عنہ کے متصل تھا، کے قریب پہنچے تو ان دونوں کے پاس سے دو انصاری صحابی گزرے، انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا، پھر آگے نکل گئے، تو نبی علیہ السلام نے ان دونوں سے فرمایا کہ آرام سے چلو (کوئی ایسی ویسی بات نہیں ہے)۔ ان دونوں حضرات نے کہا، یا رسول اللہ! سبحان اللہ! (یہ جملہ انہوں نے بطور تعجب کے کہا) اور ان دونوں پر نبی علیہ السلام کی بات بڑی شاق گزری، چنانچہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے شک شیطان جسم انسانی میں اس طرح

(۱) کشف الباری: ۴/۴۰۵۔

(۲) کشف الباری: ۱/۳۲۶۔

(۳) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الغسل، باب الغسل بالصاع ونحوہ۔

(۴) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الحيض، باب المرأة تحيض بعد الإفاضة۔

سرایت کرتا ہے جیسا کہ خون۔ اور مجھے یہ خدشہ لاحق ہوا کہ شیطان تم دونوں کے دل میں کسی قسم کی بدگمانی کے بیج نہ بودے۔

مختصر شرح

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ قیل کے ساتھ نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ دونوں حضرات اسید بن حفص و عباد بن بشر رضی اللہ عنہما تھے (۱)۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام پر چونکہ بہتان باندھنے کا نتیجہ کفر کے سوا کچھ نہیں، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ یہ دونوں حضرات بھی مبادا کفر کا ارتکاب نہ کر بیٹھیں، لہذا نبی علیہ السلام نے پہل کرتے ہوئے انہیں اصل بات بتلا دی اور شیطان کو یہ موقع نہ دیا کہ ان دونوں کے دل میں کوئی وسوسہ، کوئی غلط تصور ڈالے، جس کی بنا پر یہ ہلاک و برباد ہو جائیں۔

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”قال إمامنا الشافعي (رحمه الله): خاف عليهما الكفر إن ظنا به

تهمة، فبادر إلى إعلامهما نصيحة لهما قبل أن يقذف الشيطان في قلوبهما

شيئاً يهلكان به“ (۲)۔

باب کی چوتھی حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ہے۔

۲۹۳۵ : حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ : حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ . عَنْ عَبْدِ اللَّهِ . عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ يَحْيَى بْنِ حَبَّانَ ، عَنْ وَاسِعِ بْنِ حَبَّانَ ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ : أَرْتَقَيْتُ فَوْقَ بَيْتِ حَفْصَةَ ، فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقْضِي حَاجَتَهُ ، مُسْتَدْبِرَ الْقِبْلَةِ ، مُسْتَقْبِلَ الشَّامِ . [ر : ۱۴۵]

(۱) شرح القسطلاني: ۱۹۸/۵، وفتح الباري: ۲۸۰/۴، الاعتكاف، وتهذيب تاريخ دمشق الكبير:

۴۲۹/۶، وشرح ابن ماجه، كتاب الصوم، باب المعتكف يزوره أهله في المسجد، رقم (۱۷۷۹)۔

(۲) شرح القسطلاني: ۱۹۸/۵۔

(۳) قوله: ”عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما“: الحديث، مرّ تخريجہ فی الوضوء، باب التبرز في البيوت۔

تراجم رجال

۱- ابراہیم بن المنذر

یہ ابراہیم بن المنذر القرشی الحزامی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب العلم، ”باب من سئل علما وهو.....“ کے تحت آچکا (۱)۔

۲- انس بن عیاض

یہ انس بن عیاض البصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۳- عبید اللہ

یہ عبید اللہ بن عمر بن حفص بن عمر بن خطاب رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

۴- محمد بن یحییٰ بن حبان

یہ محمد بن یحییٰ بن حبان رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۵- واسع بن حبان

یہ مذکورہ بالا راوی کے چچا واسع بن حبان رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۳)۔

۶- عبد اللہ بن عمر

مشہور صحابی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حالات کتاب ایمان، ”باب ایمان، وقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم.....“ کے ذیل میں بیان کیے جا چکے (۴)۔

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قال: ارتقيت فوق بيت.....

حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ میں اپنی ہمشیرہ حضرت حفصہ (رضی اللہ عنہم) کے گھر کی چھت پر چڑھا تو

(۱) کشف الباری: ۵۸/۳۔

(۲) ان دونوں کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب التبرز في البيوت۔

(۳) ان دونوں کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب من تبرز على لبنتين۔

(۴) کشف الباری: ۶۳۷/۱۔

دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ کی طرف پیٹھ کیے ہوئے اور ملک شام کی طرف منہ کیے ہوئے اپنی حاجت پوری کر رہے ہیں۔

کتاب الوضوء کی روایت میں ”فوق ظہر بیت حفصة“ (۱) ہے، مقصود دونوں روایتوں کا ایک ہی ہے، یعنی گھر کی چھت پر چڑھنا مراد ہے اور وہیں اس امر کی تصریح بھی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اپنی کسی ضرورت کے تحت چھت پر گئے تھے (۲)۔

پانچویں حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے۔

۲۹۳۶ : حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ : حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ ، عَنْ هِشَامٍ ، عَنْ أَبِيهِ : أَنَّ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ : كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ لَمْ تَخْرُجْ مِنْ حُجْرَتِهَا . [ر : ۵۱۹]

تراجم رجال

۱- ابراہیم بن المنذر، ۲- انس بن عیاض

ان دونوں کے لیے سابقہ سند دیکھیے۔

۳- ہشام

یہ مشہور محدث حضرت ہشام بن عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۴- ابیہ

اب سے مراد حضرت عروہ بن زبیر بن العوام ہیں۔

۵- عائشہ

یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان تینوں حضرات کا تذکرہ بدء الوحي کی ”الحديث الأول“

(۱) کتاب الوضوء، باب التبرز في البيوت، رقم (۱۴۸)۔

(۲) حدیث کی مزید شرح کے لیے دیکھیے، (کشف الباری)، کتاب الوضوء، باب التبرز في البيوت، وباب من تبرز على لبتين۔

(۳) قوله: ”أن عائشة رضي الله عنها“: الحديث، مرّ تخريجہ في مواقف الصلاة، باب مواقف الصلاة.....

کے تحت گزر چکا ہے (۱)۔

أن عائشة رضي الله عنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم.....
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز پڑھا کرتے تھے اور اس وقت تک دھوپ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرے سے نہیں نکل پاتی تھی۔
چھٹی حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ہے۔

۲۹۳۷ : حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ : حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَّةُ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : قَامَ النَّبِيُّ ﷺ خَطِيبًا ، فَأَشَارَ نَحْوَ مَسْكَنِ عَائِشَةَ ، فَقَالَ : (هَذَا الْفِتْنَةُ - ثَلَاثًا - مِنْ حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ) . [۳۱۰۵ ، ۳۳۲۰ ، ۴۹۹۰ ، ۶۶۷۹ ، ۶۶۸۰ ، وانظر : ۹۹۰]

تراجم رجال

۱- موسیٰ بن اسماعیل

یہ موسیٰ بن اسماعیل تبوذ کی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ بدء الوحي کی ”الحديث الرابع“ کے تحت گزر چکا ہے (۳)۔

۲- جویریہ

یہ جویریہ بن اسماء الضبعی البصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۴)۔

(۱) کشف الباری: ۲۹۱/۱، ہشام اور عروہ کے لیے مزید دیکھیے، کشف الباری: ۴۳۲/۲-۴۴۰۔
(۲) قولہ: ”عن عبد الله رضي الله عنه“: الحديث، أخرجه البخاري في كتاب بدء الخلق أيضاً، باب صفة إبليس وجنوده، رقم (۳۲۷۹)، وكتاب المناقب، باب بلا ترجمه، بعد باب نسبة اليمن إلى إسماعيل، رقم (۳۵۱۱)، وكتاب الطلاق، باب الإشارة في الطلاق والأموار، رقم (۵۲۹۶)، وكتاب الفتن، باب قول النبي ﷺ: (الفتنة من قبل المشرق)، رقم (۷۰۹۲-۷۰۹۳)، ومسلم في صحيحه، كتاب الفتن.....، باب الفتنة من المشرق من حيث.....، رقم (۷۲۵۲-۷۲۵۷)، والترمذي في سننه، أبواب الفتن، باب في العمل في الفتن.....، رقم (۲۲۶۸)۔

(۳) کشف الباری: ۴۳۳/۱۔

(۴) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الغسل، باب الجنب يتوضأ ثم.....

۳- نافع

یہ نافع مولیٰ ابن عمر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب العلم، ”باب ذکر العلم والفتیاء فی المسجد“ کے تحت گزر چکے ہیں (۱)۔

۴- عبد اللہ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإیمان، ”باب الإیمان، وقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم.....“ کے تحت آچکے (۲)۔

قال: قام النبی صلی اللہ علیہ وسلم خطیباً، فأشار نحو مسکن عائشة، فقال:

هنا الفتنة - ثلاثاً - من حيث یطلع قرن الشیطان

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ (تقریر) دینے کے لیے کھڑے ہوئے، تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مسکن کی طرف اشارہ فرمایا اور کہا، یہاں فتنہ ہے، یہ بات تین مرتبہ ارشاد فرمائی، جہاں سے شیطان کا سینگ ظاہر ہوتا ہے۔

یہ تو ہوا حدیث کا ترجمہ، اس حدیث کے تحت کچھ مباحث بھی ہیں، جنہیں ذیل میں ہم ذکر کریں گے۔

نبی علیہ السلام نے یہ بات کہاں ارشاد فرمائی؟

اوپر یہ بات بیان کی گئی ہے کہ نبی علیہ السلام نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مذکورہ بالا بات ارشاد فرمائی، لیکن اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود کہاں موجود تھے، اس حوالے سے روایت میں کوئی صراحت نہیں ہے۔

اس سلسلے میں تین طرح کی روایات ہیں، مسلم کی ایک روایت (۳) میں ”قام عند باب حفصة“

(۱) کشف الباری: ۶۵۱/۴۔

(۲) کشف الباری: ۶۳۷/۱۔

(۳) صحیح مسلم، کتاب الفتن، باب الفتنة من المشرق من حيث یطلع..... رقم (۷۲۵۳)۔

کے الفاظ ہیں اور دوسری (۱) میں ”عند باب عائشة“ جب کہ ایک اور روایت، جو جامع ترمذی (۲) کی ہے، میں ”قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی المنبر.....“ کے کلمات ہیں۔

امام زرقانی رحمہ اللہ ان ساری روایات کے درمیان تطبیق دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ نبی علیہ السلام مذکورہ دونوں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہما میں سے کسی کے دروازے سے نکلے ہوں اور ان دونوں کے دروازے قریب قریب تھے، چنانچہ ایک مرتبہ اشارہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا، جب آپ ان دونوں دروازوں کے درمیان کھڑے تھے، جس کی تعبیر گاہے ”باب حفصہ“ سے کی گئی، گاہے ”باب عائشہ“ سے، پھر منبر کی طرف چلے اور دوسری مرتبہ اشارہ فرمایا، پھر منبر پر کھڑے ہوئے اور تیسری مرتبہ اشارہ فرمایا (۳)۔

یہ ایک اچھی تطبیق ہے، اس کے علاوہ اور کوئی جمع و تطبیق کی صورت بظاہر نظر بھی نہیں آتی اور ان روایات کو تعدد قصہ پر بھی محمول نہیں کیا جاسکتا، کہ مخرج ایک ہی ہے، یعنی ابن عمر رضی اللہ عنہما، چنانچہ زرقانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

”فإن ساء هذا، وإلا فيطلب جمع غيره، ولا يجمع بتعدد القصص؛

لاتحاد المخرج، وهو ابن عمر.....“ (۴)۔

البتہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ امام زرقانی رحمہ اللہ سے اختلاف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان روایات کو تعدد قصہ پر محمول کرنے میں کوئی مانع نہیں ہے، کہ روایات کے سیاق و سباق میں بہت زیادہ اختلاف ہے، چنانچہ نبی علیہ السلام نے فتنہ سے متعلق مضمون کی طرف کئی مرتبہ تنبیہ کی تھی اور اس کو حضرت ابن عمر و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے اپنے سماع کے مطابق روایت کیا ہے (۵)۔

(۱) حوالہ بالا، رقم (۷۲۵۴)۔

(۲) جامع الترمذی، أبواب الفتن، باب في العمل في الفتن، رقم (۲۲۶۸)۔

(۳) شرح الزرقاني على المؤطا: ۳۸۴/۴، والأوجز: ۳۵۲/۱۷، وفتح الباري: ۴۶/۱۳۔

(۴) شرح الزرقاني على المؤطا: ۳۸۴/۴-۳۸۵، ما جاء في المشرق، رقم (۱۸۹۰)، والأوجز:

۳۵۲/۱۷۔

(۵) أوجز المسالك: ۳۵۴/۱۷۔

نبی علیہ السلام نے اشارہ کس طرف کیا تھا؟

حدیث باب میں تو یہ آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر اور مسکن کی طرف اشارہ فرمایا اور کہا کہ فتنہ یہاں ہے، جب کہ اس روایت کے دیگر طرق میں لفظ ”مشرق“ آیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے مشرق کی طرف اشارہ کیا، ان تمام طرق کے پیش نظر یہی کہا جائے گا کہ مسکن عائشہ سے مشرق کی سمت مراد ہے اور ”ہنا“ کا مشار الیہ مشرق ہے (۱)۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا گھر ہرگز نہیں، جیسا کہ روافض خبیثہ کا خیال ہے، وہ اس حدیث کو بنیاد بنا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں کہ نبی علیہ السلام نے ان کے گھر کو فتنوں کا منبع قرار دیا ہے۔ العیاذ باللہ۔ لیکن جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا اور آگے بھی بات آئے گی کہ یہاں ہنا سے مراد مشرقی سمت ہے۔

مشرق سے مراد کیا ہے؟

اس میں علماء کے مختلف اقوال ہیں:

اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ مشرق سے نجد مراد ہے، اس کی دلیل میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت پیش کی گئی ہے کہ:

”ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم: اللہم بارک لنا فی شأمننا، اللہم بارک لنا فی یمتنا، قالوا: یا رسول اللہ، وفی نجدنا؟ قال: اللہم بارک لنا فی شأمننا، اللہم بارک لنا فی یمتنا، قالوا: یا رسول اللہ، وفی نجدنا؟ فأظنہ قال فی الثالثة: هناك الزلازل والفتن، وبها یطلع قرن الشیطان“ (۲)۔

”نبی علیہ السلام نے ایک دن شام اور یمن کا ذکر کرتے ہوئے ان دونوں کے

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) الحدیث، أخرجه البخاری، کتاب الفتن، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: الفتنۃ من قبل المشرق، رقم (۷۰۹۴)، وکتاب الاستسقاء، باب ما قبل فی الزلازل رقم (۱۰۳۷)، والترمذی، کتاب المناقب، باب فی فضل الشام والیمن، رقم (۳۹۵۳)۔

لیے برکت کی دعا فرمائی، صحابہ نے درخواست کی کہ یہی دعا نجد کے لیے بھی کر دیجیے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی پہلی بات دوہرا دی، صحابہ نے پھر گزارش کی کہ نجد کے لیے بھی دعائے برکت کر دیجیے، غالباً تیسری مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نجد میں تو زلزلے اور فتنے ہوں گے، وہیں سے شیطان کا سینگ ظاہر ہوگا۔“

اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے بعض حضرات نے مشرق سے نجد مراد ہونے کو رائج قرار دیا ہے (۱)۔ جب کہ بعض دیگر علماء مشرق سے مراد عراق لیتے ہیں، ان کا استدلال حضرت سالم بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہم کی اس روایت سے ہے، ابن فضیل اپنے والد سے نقل کرتے ہیں:

”سمعت سالم بن عبد اللہ بن عمر يقول: يا أهل العراق، ما أسألكم عن الصغيرة، وأرکتکم للکبيرة؟! سمعت أبي عبد اللہ بن عمر يقول: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول: ”إن الفتنة تجيء من ههنا“ وأوما بيده نحو المشرق ”من حيث يطلع قرنا الشيطان“ وأنتم يضرب بعضكم رقاب بعض.....“ (۲)۔

کہ ”حضرت سالم نے اہل عراق کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم کتنے عجیب لوگ ہو، صغار کے بارے میں تو خوب استفسار کرتے ہو اور کبار کے اجتناب سے باز نہیں آتے؟! میں نے اپنے والد عبد اللہ کو اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ”فتنہ یہاں سے نمودار ہوگا“ اور آپ علیہ السلام نے ہاتھ کے اشارے سے مشرق کی طرف اشارہ کیا ”جہاں سے شیطان کے دونوں سینگ ظاہر ہوں گے“ اور تم لوگ (اہل عراق) ایک دوسرے کی گردنیں مارتے ہو.....“

چنانچہ اس حدیث میں مشرق سے عراق اور اہل مشرق سے اہل عراق مراد ہیں (۳)۔

(۱) تکملة فتح الملهم: ۱۶۲/۶، وفتح الباري: ۴۷/۱۳۔

(۲) صحيح مسلم، کتاب الفتن، باب الفتنة من المشرق، من حيث يطلع قرنا الشيطان، رقم (۷۲۵۷)۔

(۳) تکملة فتح الملهم: ۱۶۲/۶، وشرح الأبي على مسلم: ۱/۱۔

موطا مالک اور کنز العمال وغیرہ کی روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ عزم کیا کہ وہ تمام بلاد اسلامیہ کا دورہ کریں گے تو حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ نے انہیں اپنے اس عزم سے روکا اور فرمایا: ”لا تأت العراق؛ فإن فيه تسعة أعشار الشر“ (۱)۔

ان تمام روایات کے پیش نظر بہت سے علماء نے مشرق سے عراق مراد لیا ہے۔

دونوں اقوال کے درمیان تطبیق

اوپر جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا کہ بعض حضرات نے مشرق سے نجد اور بعض نے عراق مراد لیا ہے، لیکن ان دونوں کے درمیان کوئی منافات نہیں، ابھی نجد کے حوالے سے جو روایت گزری ہے، اس میں نجد سے کوئی مخصوص علاقہ مراد نہیں ہے، شراح حدیث نے یہاں نجد کو لغوی معنی پر محمول کرتے ہوئے عموم مراد لیا ہے۔ نجد کے لغوی معنی ”ما ارتفع من الأرض“ کے ہیں، یعنی وہ علاقہ جو سطح زمین سے بلند ہو، اس طرح اس حدیث کے تحت عراق بھی داخل ہو جائے گا، علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نجد مشرقی جہت میں ہے اور اہل مدینہ کا جو نجد ہے وہ عراق کے دیہات اور اس کے اطراف ہیں، یہی اہل مدینہ کا مشرق ہے، کیونکہ نجد کے لغوی معنی ”ما ارتفع من الأرض“ کے ہیں (۲)۔

”وقال الخطابي رحمه الله: نجد: ناحية المشرق، ومن كان

بالمدينة كان نجده بادية العراق ونواحيها، وهي مشرق أهلها، وأصل النجد:

ما ارتفع من الأرض.....“ (۳)۔

(۱) المؤطا: ۹۷۵/۲، کتاب الاستئذان، باب ماجاء في المشرق، رقم (۳۰)، وکنز العمال: ۱۷۳/۱۴، مسند عمر، رقم (۳۸۲۷۹)، والمصنف لابن أبي شيبة: ۱۶۸/۲۱، کتاب الفتن، من کره الخروج في الفتنة، رقم (۳۸۵۶۱)۔

(۲) قال الحموي: ”نجد: بفتح أوله، وسكون ثانيه، قال النضر: النجد: قفاف الأرض وصلابها، وما غلظ منها وأشرف، والجماعة النجاد،.....“ انظر معجم البلدان: ۲۶۱/۵۔

(۳) شرح الخطابي، (أعلام الحديث): ۲۳۳۰/۴، وفتح الباري: ۴۷/۱۳، اس تعین کی وجہ یہ ہے کہ اگر نجد سے مطلقاً کوئی مخصوص علاقہ مراد لیا جائے تو بڑی مشکل ہو جائے گی، چنانچہ نجد کا اطلاق عرب کے بہت سارے علاقوں پر ہوتا ہے۔ مثلاً، نجد تہامہ، نجد برق، نجد العقاب، نجد مریع اور نجد الیمین وغیرہ وغیرہ۔ دیکھیے، معجم البلدان: ۲۶۲/۵-۲۶۵۔

فتنہ سے کیا مراد ہے؟

حدیث باب میں مشرق سے فتنہ کے ظہور کی پیشن گوئی ہے، ایک اور حدیث جو حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، اس میں یہی پیشن گوئی مدینہ منورہ سے متعلق ہے کہ اس میں فتنہ کا ظہور ہوگا، نبی علیہ السلام فرماتے ہیں: ”فإنی لأرى الفتن تقع خلال بیوتکم کوقع القطر“ (۱) کہ ”میں تمہارے گھروں کے درمیان فتنوں کے آنے کو اس طرح دیکھ رہا ہوں جس طرح کہ بارش آتی ہے۔“

نیز ایک حدیث جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس میں آیا ہے:

”ستکون فتن، القاعد فیہا خیر من القائم“ (۲)۔

اس حدیث میں بہت سے فتنوں کے ظہور کی پیشن گوئی ہے، ان تمام احادیث کے درمیان تطبیق یہ ہے کہ حدیث باب اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی حدیث میں فتنہ سے مراد قتل خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہے، جب کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت اور دیگر وہ تمام روایات، جن میں ”فتن“ صیغہ جمع کے ساتھ آیا ہے، میں قتل حضرت عثمان کے بعد رونما ہونے والے دیگر واقعات و حوادث ہیں۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل ہی تمام فتن و حوادث کی بنیاد تھا، جو مدینہ منورہ میں ہوا، اس کے بعد فتنہ دوسرے شہروں میں بھی رونما ہوا، صفین اور جمل کی جنگیں ہوئیں، نہروان میں جو جنگ ہوئی اس کا سبب صفین کا واقعہ بنا، اس لیے یہ کہا جاسکتا ہے کہ پہلی صدی ہجری میں جو فتنے رونما ہوئے، ان سب کے پیچھے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادتِ مظلومانہ ہی تھی۔

حافظ فرماتے ہیں:

(۱) الحدیث، أخرجه البخاري في كتاب الفتن، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم، ويل للعرب رقم (۷۰۶۰)، وانظر جامع الأصول وتعليقاته: ۳۸/۱۰، ومسند الحميدي: ۲۴۸/۱، أحاديث أسامة بن زيد، رضي الله عنهما، رقم (۲۵۲)۔

(۲) الحدیث، أخرجه البخاري، كتاب أحاديث الأنبياء، باب علامات النبوة في الإسلام، رقم (۳۶۰۱)، وكتاب الفتن، باب تكون فتنة القاعد فيها خير من القائم، رقم (۷۰۸۱-۷۰۸۲)، ومسلم، كتاب الفتن، باب نزول الفتن كسواقع القطر، رقم (۷۲۴۷-۷۲۴۹)۔

”وإنما اختصت المدينة بذلك؛ لأن قتل عثمان رضي الله عنه كان بها، ثم انتشرت الفتن في البلاد بعد ذلك، فالقتال بالجمل والصفين كان بسبب قتل عثمان رضي الله عنه، والقتال بالنهر وان كان بسبب التحكيم بصفين، وكل قتال وقع في ذلك العصر إنما تولد عن شيء من ذلك أو عن شيء تولد عنه“ (۱)۔

یہ تفصیل مدینہ منورہ سے متعلق حدیث کی تھی۔

تاریخ میں اگر تھوڑا پیچھے چلا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سبب عراق تھا، چنانچہ خلیفہ ثالث پر جو اعتراضات کیے گئے تھے، ان میں ایک ان کے امراء بلاد و گورنرز تھے کہ انہوں نے مختلف علاقوں پر جو امراء مقرر کیے، ان میں سب سے پہلے عراق کے امیر پر اعتراض ہوا تھا، یہی بعد میں بڑے فتنہ کا سبب بنا۔ آخر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سانحہ رونما ہوا اور عراق مشرقی جہت میں ہے (۲)۔

بعد میں اسلامی دنیا کو بڑے بڑے فتنوں اور حوادث کا سامنا رہا، تا قیامت یہ سلسلہ رہے گا۔ اعدائنا اللہ من جميع الفتن ظاهرها وباطنها۔

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”فالمراد عندي في هذه الأحاديث مبدأ الفتن، وهو قتل عثمان

رضي الله عنه، ومبدؤه كان من العراق.....“ (۳)۔ واللہ اعلم بالصواب

(۱) فتح الباری: ۱۳/۱۳، رقم (۶۶۵۱)، وأيضاً انظر الاستذکار: ۵۲۹/۷، والأوجز: ۳۵۴/۱۷۔

(۲) فتح الباری: ۱۳/۴۷، والأوجز: ۳۵۴/۱۷۔

(۳) الأوجز: ۳۵۴/۱۷، قال الإمام أبو عمر ابن عبد البر رحمه الله: ”روينا عن حذيفة رضي الله عنه، أنه قال: ”أول الفتن قتل عثمان، وآخرها الدجال“۔

ومعلوم أن أكثر البدع إنما ظهرت وابتدأت من المشرق، وإن كان الذين افتلوا بالجمل و صفين منهم كثير من أهل الحجاز والشام، فإن الفتنة وقعت في ناحية المشرق، وكانت سببا إلى افتراق كلمة المسلمين ومذاهبهم، وفساد نيات كثير منهم إلى اليوم، وإلى أن تقوم الساعة، والله أعلم“۔ الاستذکار:

قرن کے معنی اور مراد

قرن بفتح القاف وسکون الراء سینگ کو کہتے ہیں۔

علامہ داودی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیطان کے حقیقت میں سینگ ہوتے ہیں۔ اور یہ احتمال بھی ہے کہ قرن سے مراد شیطان کی قوت ہو اور وہ اشیاء جن کے ذریعے وہ لوگوں کو گمراہ کرتا ہو۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو رائج قرار دیا ہے (۱)۔

اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”اس امت مرحومہ میں جو بھی فتنہ اٹھا، اسی سمت سے اٹھا، سب سے پہلا فتنہ مالک بن اشتر کا خروج تھا کہ وہ اور اس کے ساتھی حضرت عثمان شہید کے خلاف کوفہ سے نکلے اور کوفہ مدینہ منورہ سے جانب مشرق ہے۔ دوسرا فتنہ عبید اللہ بن زیاد کا تھا، جو حضرت حسین کی شہادت کا باعث بنا۔ اس کے بعد مدعی نبوت مختار ثقفی کا فتنہ نمودار ہوا، پھر اکثر بدعات اور باطل عقائد انہی اطراف سے رونما ہوتے رہے، اس لیے ”روافض“ کا منبع بھی کوفہ ہے اور معتزلہ کی جائے پیدائش بصرہ ہے۔ واصل بن عطاء بصری ہے۔ قرامطہ کوفہ کے علاقے کی پیداوار ہیں۔ خوارج نہروان سے نکلے تو دجال اصفہان سے نکلے گا۔“

ملخص از: تحفہ اثنا عشریہ فارسی، مطاعن أم المؤمنین رضي الله عنها، طعن نهم، ص: ۳۳۷۔

چوں کفر از کعبہ برخیزد.....

مزید فرماتے ہیں:

”جو شخص حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کو اس وقت جب انہیں بصرہ کا سفر پیش آیا، جائے فتنہ گمان کرے تو وہ بلا شک و شبہ کافر ہے، کیوں کہ یہ تو اہل ایمان کے سردار محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ٹھکانہ ہے۔ جن کا نام سن کر کفر و فتنہ دم دبا کر بھاگتے ہیں اور مزے کی بات یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس حجرے سے حج کے ارادے پر مکہ روانہ ہوئی تھیں نہ کہ فتنہ انگیزی کے لیے، اگر عائشہ رضی اللہ عنہا کو فتنہ انگیز قرار دیا جائے تو پھر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مکہ سے بصرہ کے لیے روانہ ہوئی تھیں، پھر تو عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کی بجائے مکہ کو جائے فتنہ کہنا چاہیے! چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی اور جب کعبہ سے کفر نکلے تو اسلام کہاں باقی رہے گا۔“

حوالہ بالا، نیز دیکھیے، أحکام القرآن لابن العربي: ۵۶۹/۳-۵۷۰، سورة الأحزاب: ۳۲-۳۳، الآية

الثامنة، المسألة الخامسة.

(۱) وفيه أقوال آخر أيضاً، انظر فتح الباري: ۴۶/۱۳، وعمدة القاري: ۹۹/۲۴.

اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ قرن الشیطان سے مراد اس کی جماعت اور مددگار ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اسی سے شیطان کے مددگار نکلتے ہیں (۱)۔

قرن الشیطان کا ظہور کب ہوگا؟

حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک قرن الشیطان کے ظہور سے مراد خروج دجال ہے، کیونکہ خروج دجال امت محمدیہ کا فتنہ ہے اور ایسا فتنہ ہے کہ اس سے بڑا اور کوئی نہیں۔ مزید فرماتے ہیں کہ میرے اس قول کی تائید حضرت سالم بن عبد اللہ کی اس روایت سے ہوتی ہے جو ابھی گزری، وہاں ترتیب یہ تھی کہ پہلے ”الفتنة تجيء من ههنا“ فرمایا گیا تھا، پھر ”من حيث يطلع قرن الشيطان“۔ حدیث کا ظاہر سیاق اس امر پر دلالت کر رہا ہے کہ ”مجيء الفتنة“ الگ چیز ہے اور ”طلوع القرن“ الگ شے، نیز طلوع سے مراد خروج ہے، جیسا کہ ترمذی کی ایک روایت (۲) میں بھی ”يطلع“ کی بجائے ”يخرج“ وارد ہوا ہے (۳)۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ایک فائدہ

اکثر روایات میں قرن الشیطان آیا ہے، جب کہ بخاری (۴) کی ایک روایت میں شک کے ساتھ قرن الشیطان أو قرن الشمس مذکور ہے، نیز مسلم شریف (۵) کی ایک روایت میں قرن کا تثنیہ ”قرنا الشیطان“ وارد ہوا ہے، لیکن رائج صیغہ مفرد کے ساتھ بغیر شک کے قرن الشیطان ہے (۶)۔

باب کی ساتویں حدیث حضرت عمرۃ بنت عبد الرحمن رحمہما اللہ تعالیٰ کی ہے۔

۲۹۳۸ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ : أَخْبَرَنَا مَالِكٌ ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ ، عَنْ

(۱) مرقاة المفاتیح: ۴۰۴/۱۱۔

(۲) انظر الجامع للترمذی، أبواب المناقب، باب في فضل الشام واليمن، رقم (۳۹۵۳)۔

(۳) أوجز المسالك: ۳۵۵/۱۷۔

(۴) صحيح البخاري، كتاب الفتن، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: الفتنة من، رقم (۷۰۹۲)۔

(۵) صحيح مسلم، كتاب الفتن، باب الفتنة من المشرق، رقم (۷۲۹۷)۔

(۶) انظر فتح الباري: ۴/۲۴۰، والأوجز: ۳۵۳/۱۷۔

عَسْرَةَ بَنَاتِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ : أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ ﷺ أَخْبَرَتْهَا : أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ عِنْدَهَا ، وَأَنَّهَا سَمِعَتْ صَوْتَ إِنْسَانٍ يَسْتَأْذِنُ فِي بَيْتِ حَفْصَةَ ، فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ اللَّهِ ، هَذَا رَجُلٌ يَسْتَأْذِنُ فِي بَيْتِكَ ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : (أَرَاهُ فَلَانًا - لِعِمِّ حَفْصَةَ مِنَ الرِّضَاعَةِ - الرِّضَاعَةُ تُحَرِّمُ مَا تُحَرِّمُ الْوِلَادَةُ) . [ر : ۲۵۰۳]

تراجم رجال

۱- عبد اللہ بن یوسف

یہ عبد اللہ بن یوسف تنیس رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲- مالک

یہ امام دارالہجرۃ مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں کا تذکرہ ”بدء الوحي“ کی پہلی حدیث کے تحت آچکا ہے (۲)۔

۳- عبد اللہ بن ابی بکر

یہ عبد اللہ بن ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم انصاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۳)۔

۴- عمرہ

یہ عمرہ بنت عبد الرحمن بن سعد رحمہما اللہ تعالیٰ ہیں (۴)۔

۵- عائشہ

حضرت عائشہ کا تذکرہ ”بدء الوحي“ کی پہلی حدیث کے تحت گزر چکا ہے (۵)۔

(۱) قولہا: ”أَنَّ عَائِشَةَ.....“: الحديث، مرّ تخريجہ فی کتاب الشهادات، باب الشهادة علی الأنساب.....

(۲) کشف الباری: ۱/۲۸۹-۲۹۰، نیز دیکھیے، کشف الباری: ۲/۸۰.

(۳) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب الوضوء مرتین مرتین.

(۴) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الحيض، باب عرق الاستحاضة.

(۵) کشف الباری: ۱/۲۹۱.

حدیث کا ترجمہ

حضرت عمرہ فرماتی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں بتلایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ہاں تھے، کہ انہوں نے ایک آدمی کی آواز سنی، جو حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہونے کے لیے اجازت طلب کر رہا تھا، حضرت عائشہ فرماتی ہیں: تو میں نے کہا، یا رسول اللہ! یہ کوئی آدمی ہے، جو آپ کے گھر آنا چاہتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے خیال میں وہ فلاں ہیں۔ یہ حضرت حفصہ کے رضاعی چچا کے لیے فرمایا۔ رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو ولادت سے حرام ہوتے ہیں۔

اس حدیث کی شرح ابواب الرضاع میں آچکی ہے (۱)۔

احادیث باب کی ترجمہ الباب کے ساتھ مناسبت

باب کی تمام احادیث ترجمہ الباب کے ساتھ واضح مطابقت رکھتی ہیں، تفصیل حسب ذیل ہے:

- ① پہلی حدیث کی ترجمہ الباب کے ساتھ مناسبت اس جملے میں ہے: ”فی بیٹی“ کہ یہاں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیت کی نسبت اپنی طرف کی ہے (۲)۔
- ② دوسری حدیث کی مناسبت بھی واضح اور ظاہر ہے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس جملے ”توفی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی بیٹی“ میں مطابقت موجود ہے (۳)۔
- ③ تیسری حدیث، جو حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی ہے، کی مطابقت ترجمہ کے ساتھ ان الفاظ میں ہے، ”عند باب أم سلمة“ کیوں کہ دروازے کا ذکر گھر کو شامل و مستلزم ہے (۴)۔
- ④ چوتھی حدیث، جو ابن عمر رضی اللہ عنہ کی تھی، کی مناسبت بھی ظاہر ہے، اس کے الفاظ ”فی بیت حفصة“ میں مناسبت موجود ہے (۵)۔

(۱) کشف الباری، کتاب النکاح، ابواب الرضاع: ۱۸۷-۱۸۸۔

(۲) عمدة القاری: ۲۹/۱۵، وإرشاد الساری: ۱۹۷/۵۔

(۳) حوالہ جات بالا۔

(۴) عمدة القاری: ۲۹/۱۵، وفتح الباری: ۲۱۱/۶۔

(۵) عمدة القاری: ۳۰/۱۵، وإرشاد الساری: ۱۹۸/۵۔

- ۵) پانچویں حدیث کی مناسبت ”من حجر تھا“ میں ہے، کہ حجرہ اور بیت ایک ہی چیز ہے (۱)۔
- ۶) چھٹی حدیث کی ترجمہ الباب کے ساتھ مناسبت اس جملے میں ہے: ”فأشار نحو مسكن عائشة“ کیونکہ حضرت عائشہ کا مسکن ان کا گھر ہی تھا (۲)۔
- ۷) آخری و ساتویں حدیث کی ترجمہ الباب کے ساتھ مناسبت ”في بيت حفصة“ میں ہے (۳)۔

۵ - باب : ما ذُكِرَ مِنْ دِرْعِ النَّبِيِّ ﷺ وَعَصَاهُ وَسَيْفِهِ وَقَدَحِهِ وَخَاتَمِهِ ، وَمَا اسْتَعْمَلَ الْخُلَفَاءُ بَعْدَهُ مِنْ ذَلِكَ مِمَّا لَمْ تُذْكَرْ قِسْمَتُهُ ، وَمِنْ شَعْرِهِ وَنَعْلِهِ وَأَنْبِتِهِ مِمَّا يَتَبَرَّكُ بِهِ أَصْحَابُهُ وَغَيْرُهُمْ بَعْدَ وَفَاتِهِ .

ترجمہ الباب کا مقصد

اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متروکات کا تذکرہ فرمایا ہے، کیوں یہ تذکرہ فرمایا ہے؟ ان کی غرض اس سے کیا ہے؟ اس سلسلے میں دو باتیں کہی گئی ہیں:

۱) ایک تو بات یہ کہی گئی ہے کہ اصل میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ ولایۃ الامور (حکمرانوں) کو ان چیزوں کے اتخاذ و استعمال میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا اور اتباع کرنی چاہیے۔ اس کی طرف امام بخاری توجہ دلانا چاہ رہے ہیں۔

یہ قول علامہ مہلب رحمۃ اللہ علیہ کا ہے (۴)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے اندر نظر و اشکال ہے اور یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔

فرماتے ہیں:

(۱) حوالہ جات بالا .

(۲) عمدة القاري: ۳۰/۱۵، وفتح الباري: ۲۱۱/۶ .

(۳) عمدة القاري: ۳۱/۱۵ .

(۴) شرح ابن بطلال: ۲۶۵/۵ .

”وأما قول المهلب: إنه إنما ترجم بذلك؛ ليتأسي ففيه نظر، وما

تقدم أولى، وهو الأليق لدخوله في أبواب الخمس“ (۱)۔

حافظ علیہ الرحمۃ نے ترجمہ کی غرض خود یہ بیان کی ہے کہ امام بخاری یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متروکات کے اندر جو مال موجود تھا اور جو چیزیں موجود تھیں، ان میں وراثت جاری نہیں ہوئی، نہ ان کی بیع کی گئی، بلکہ ان کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی چیزیں و متبرکات قرار دے کر باقی رکھا گیا، تاکہ لوگ ان سے تبرک حاصل کر سکیں، اسی رائے کو انہوں نے اولیٰ والیق قرار دیا ہے (۲)۔

شیخ الاسلام زکریا انصاری، جو ابن حجر رحمہما اللہ کے شاگرد ہیں، نے حافظ کی اس غرض کے اندر تقلید کی ہے (۳)۔ اور یہی غرض واقعہً مناسب و لائق بھی ہے۔ اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ترجمۃ الباب کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”يعني أن مات تركه النبي صلى الله عليه وسلم وقت موته كان حقا
مشتراكا بين المسلمين أجمعين؛ لكونه صدقة، إلا أن يكون ملكه أحداً من
أصحابه قبل موته، وإذا ثبت فيه اشتراك الكل، فإد الصحابي الذي هو عنده
يد تولية وحفظ، لا يد استبداد بالتصرف وتملك“ (۴)۔

مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات کے وقت جو اشیاء چھوڑیں ان میں سارے مسلمانوں کا مشترک حق تھا، کیونکہ وہ صدقات میں سے تھیں، (لہذا انہیں بیت المال میں داخل کر دیا گیا)، سوائے ان چیزوں کے جن کا وفات سے قبل ہی آپ نے کسی کو مالک بنا دیا تھا، جب کہ یہ ثابت ہو گیا کہ ان میں سب کا مشترک حق تھا تو کسی بھی صحابی کے پاس جو کچھ متروکہ اشیاء میں سے تھا، اس کے وہ مالک نہیں تھے، نہ

(۱) فتح الباری: ۲۱۳/۶۔

(۲) حوالہ بالا، وتعلیقات لامع الداری: ۲۹۶/۷۔

(۳) قال الأنصاري رحمه الله: ”قال شيخنا: الغرض من هذه الترجمة تثبيت أنه صلى الله عليه وسلم لم يورث، ولا بيع موجوده،“ انظر تحفة الباري: ۵۳۹/۳، حافظ سے قبل یہی مقصد ابن المیر اسکندرانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بیان کیا ہے۔ انظر المستواري: ۱۸۹۔ اور ابن بطال رحمۃ اللہ علیہ نے بھی، انظر شرح ابن بطلال: ۲۶۵/۵۔

(۴) لامع الداری: ۲۹۶/۷۔

اسے اس میں تصرف کا اختیار تھا، بلکہ یہ یہ حفظ و تولیت تھا کہ ان کے گھر و تصرف میں وہ اشیاء محفوظ تھیں۔

غالباً مذکورہ بالا عبارت میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اشکال کا جواب دیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متروکہ اشیاء جب صدقات میں داخل تھیں تو ان میں سے بعض اشیاء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ملکیت میں کیوں تھیں؟ اس کا جواب بھی حضرت نے ترجمۃ الباب کے مقصد کے تحت ہی دیا کہ یہ تصرف مالکانہ نہیں تھا، بلکہ یہ ان کی تحویل و حفاظت میں تھا، آگے احادیث کی تشریح کے تحت اس کی مزید تفصیل آئے گی۔

اس کے بعد یہ سمجھیے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب کے تحت چھ حدیثیں اور ایک تعلیق ذکر فرمائی ہے، ان سب کو ترتیب وار ہم ذیل میں بیان کریں گے۔

پہلی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۳۹ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْأَنْصَارِيُّ قَالَ : حَدَّثَنِي أَبِي ، عَنْ ثُمَامَةَ ، عَنْ أَنَسٍ (۱) : أَنَّ أَبَا بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَمَّا اسْتُخْلِفَ بَعَثَهُ إِلَى الْبَحْرَيْنِ ، وَكَتَبَ لَهُ هَذَا الْكِتَابَ وَخَتَمَهُ بِخَاتَمِ النَّبِيِّ ﷺ ، وَكَانَ نَقَشُ الْخَاتَمِ ثَلَاثَةَ أَسْطُرٍ : مُحَمَّدٌ سَطْرٌ ، وَرَسُولٌ سَطْرٌ ، وَاللَّهُ سَطْرٌ . [۵۵۴۰]

تراجم رجال

یہ حدیث بعینہ اسی سند کے ساتھ کتاب الزکاة (۲) میں گزر چکی ہے، وہیں دیکھ لیا جائے۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ چنے گئے تو انہوں نے ان کو (یعنی حضرت انس کو) بحرین کی طرف بھیجا اور ان کو یہ کتاب لکھ کر دی اور اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی سے مہر ثبت کی، اس انگلی کا جو مضمون تھا، وہ تین سطروں پر مشتمل تھا، لفظ محمد ایک سطر میں، لفظ رسول ایک سطر میں اور لفظ اللہ ایک سطر میں تھا۔

(۱) قوله: "أنس رضي الله عنه": الحديث، مرّ تخريجہ فی کتاب الزکاة، باب العرض فی الزکاة.

(۲) صحيح البخاري، كتاب الزکاة، باب العرض فی الزکاة، رقم (۱۴۴۸).

”هذا الكتاب“ سے مراد وہ کتاب ہے، جس میں صدقات کی تفصیل تھی، اس کا مضمون کتاب الزکاة (۱) میں گزر چکا ہے، چونکہ یہ کتاب ان کے ہاں بہت مشہور تھی، اس لیے اسے مطلق بیان کیا اور اس کی طرف ”هذا الكتاب“ کہہ کر اشارہ کر دیا (۲)۔

حدیث باب سے متعلق دیگر تفصیلات کتاب اللباس میں آچکی ہیں (۳)۔

ترجمة الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت ترجمے کے ایک جزء ”وخاتمہ“ کے ساتھ ہے (۴)۔ اور حافظ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں نبی علیہ السلام کی انگوٹھی کا ذکر ہے، جو حضرت ابوبکر وغیرہ کے زیر استعمال بھی رہی تو ترجمہ کے ساتھ مطابقت ”وما استعمل الخلفاء بعده من ذلك“ کے ساتھ ہے (۵)۔ باب کی دوسری حدیث بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۴۰ : حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْأَسَدِيُّ : حَدَّثَنَا عِيسَى ابْنُ طَهْمَانَ قَالَ : أَخْرَجَ إِلَيْنَا أَنَسٌ (۱) نَعْلَيْنِ جَرْدَاوَيْنِ لِيَمَّا قَبْلَانِ . فَحَدَّثَنِي ثَابِتُ الْبُنَانِيُّ بَعْدُ عَنْ أَنَسٍ : أَنَّهُمَا نَعْلَا النَّبِيِّ ﷺ . [۵۵۱۹ ، ۵۵۲۰]

(۱) صحيح البخاري، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، رقم (۱۴۵۴)۔

(۲) عمدة القاري: ۳۱/۱۵، وشرح القسطلاني: ۱۹۹/۵۔

(۳) كشف الباري، كتاب اللباس: ۲۳۵-۲۳۸۔

(۴) عمدة القاري: ۳۱/۱۵۔

(۵) فتح الباري: ۲۱۳/۶۔

(۶) قوله: ”أنس“: الحديث، أخرجه البخاري أيضاً في كتاب اللباس، باب قبلان في نعل، رقم (۵۸۵۸-۵۸۵۷)، وأبو داود في سننه، أبواب اللباس، باب في الانتعال، رقم (۴۱۳۴)، والترمذي في جامعه، أبواب اللباس، باب ما جاء في نعل النبي صلى الله عليه وسلم، رقم (۱۷۷۲-۱۷۷۳)، وفي الشمائل المحمدية، باب ما جاء في نعل رسول الله، رقم (۷۸)، والنسائي في سننه، كتاب الزينة، باب صفة نعل رسول الله، رقم (۵۳۶۹)۔

تراجم رجال

۱- عبد اللہ بن محمد

یہ عبد اللہ بن محمد بن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۱)۔

۲- محمد بن عبد اللہ الاسدی

یہ ابواحمد محمد بن عبد اللہ الاسدی الزبیری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

۳- عیسیٰ بن طہمان

یہ ابوبکر یا ابولیت عیسیٰ بن طہمان بن رامہ بخشمی کوفی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۳)۔

صغارتا بعین میں سے تھے، اصلاً بصرہ کے ہیں، بعد میں کوفہ کی سکونت اختیار کی اور تادم آخر وہیں

رہے (۴)۔

یہ حضرت انس بن مالک، ثابت البنانی، مساور مولیٰ ابی ہریرہ اور ابوصادق الازدی (رضی اللہ عنہ) (الجميع) وغیرہ سے روایت حدیث کرتے ہیں۔

ان سے روایت حدیث کرنے والوں میں عبد اللہ بن مبارک، کعب، ابواحمد زبیری، یحییٰ بن آدم، ابوقتیبة،

ابوالنضر، خالد بن عبد الرحمن خراسانی، قبیصہ بن عقبہ، خلاد بن یحییٰ اور ابو نعیم رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ شامل ہیں (۵)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”شیخ، ثقة“ (۶)۔

(۱) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب العمل فی الصلاة، باب لا یرد السلام فی الصلاة۔

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الاذان، باب المکث بین السجدتین۔

(۳) تہذیب الکمال: ۶۱۷/۲۲-۶۱۸، و کتاب المجروحین لابن حبان: ۹۸/۲، و تاریخ بغداد: ۱۴۳/۱۱،

رقم (۵۸۴۱)، و تاریخ الاسلام للذهبی: ۲۶۳/۴، رقم (۳۳۹۸)۔

(۴) ہدی الساری، حرف العین: ۶۰۶، و تہذیب الکمال: ۶۱۸/۲۲۔

(۵) شیوخ و تلامذہ کے لیے دیکھیے، تہذیب الکمال: ۶۱۸/۲۲۔

(۶) الجرح والتعديل: ۳۶۰/۶، رقم (۱۰۸۰۲/۱۵۵۲)، و تہذیب الکمال: ۶۱۸/۲۲۔

نیز فرماتے ہیں: ”لیس به بأس“ (۱)۔

یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”بصری، صار إلى الكوفة، ثقة.....“ (۲)۔

ابو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”لا بأس به، يشبه حديثه أهل الصدق، ما بحديثه

بأس“ (۳)۔

ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”لا بأس به، أحاديثه مستقيمة“ (۴)۔

ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ثقة“ (۵)۔

ان حضرات کے علاوہ دیگر بہت سے علمائے جرح و تعدیل نے بھی ان کی توثیق کی ہے (۶)۔

لیکن علامہ عقیلی اور ابن حبان نے ان پر کلام کیا ہے، بلکہ ابن حبان نے تو بہت سخت الفاظ استعمال کیے ہیں، چنانچہ عقیلی فرماتے ہیں: ”ولا يتابع على حديثه“ (۷)۔ لیکن ساتھ ہی انہوں نے عیسیٰ بن طہمان کو اس الزام سے بری بھی قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ ان کی احادیث میں جو عدم متابعت کا الزام ہے، اس کی وجہ خالد بن عبد الرحمن ہیں، جو عیسیٰ سے روایت کرتے ہیں، یہی بات درست بھی ہے کہ یہاں عدم متابعت کا الزام عیسیٰ کے سر نہیں، بلکہ خالد بن عبد الرحمن کے ذمے ہے، حافظ (رحمہم اللہ) فرماتے ہیں:

”وقال العقبلي: ”لا يتابع، ولعله أتى من خالد بن عبد الرحمن“ يعني:

الراوي عنه، وهو كما ظن العقبلي“ (۸)۔

(۱) تہذیب الکمال: ۶۱۸/۲۲، وتاریخ بغداد: ۱۴۴/۱۱۔

(۲) تہذیب الکمال: ۶۱۹/۲۲، وتاریخ بغداد: ۱۴۴/۱۱، وتہذیب التہذیب: ۲۱۶/۸۔

(۳) الجرح والتعديل: ۳۶۰/۶، رقم (۱۰۸۰۲/۱۵۵۲)، وتہذیب الکمال: ۶۱۹/۲۲۔

(۴) تہذیب الکمال: ۶۱۹/۲۲، وتہذیب التہذیب: ۲۱۶/۸۔

(۵) المغني في الضعفاء: ۱۶۷/۲، رقم (۴۸۰۵)۔

(۶) مثلاً یعقوب بن سفیان، ابن حجر اور دارقطنی وغیرہ، دیکھیے، ہدی الساری: ۶۰۶، وتہذیب الکمال وتعلیقاتہ:

۶۱۹/۲۲ - ۶۲۰، والمعرفة والتاريخ، الكنى والأسماء.....: ۲۷۰/۳۔

(۷) الضعفاء الكبير للعقيلي: ۳۸۵/۳، رقم (۱۴۲۵)، وتعلیقات تہذیب الکمال: ۶۱۹/۲۲، وهدی الساری: ۶۰۶۔

(۸) ہدی الساری، حرف العين: ۶۰۶۔

عیسیٰ بن طہمان کے بارے میں ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کا کلام یہ ہے:

”ینفرد بالمناکیر عن أنس، ویأتی عنہ بما لا یشبه حدیثہ، کأنہ کان

یدلس علی أبان بن أبی عیاش ویزید الرقاشی عنہ، لایجوز الاحتجاج بخبرہ،

وإن اعتبر بما وافق الثقات من حدیثہ فلا ضیر.....“ (۱).

اس عبارت میں ان پر یہ جرحیں کی گئی ہیں کہ حضرت انس سے منکر روایات نقل کرتے ہیں اور ان سے ایسی روایات نقل کرتے ہیں جو ان کی احادیث سے مشابہت نہیں رکھتیں، گویا کہ مدلس بھی ہیں، اس لیے ان کی مرویات سے استدلال درست نہیں، ہاں! اگر ثقات کی روایات کے موافق ہوں تو کوئی حرج نہیں۔

اور بطور دلیل ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث پیش کی ہے:

”.....عن أنس بن مالک، قال: قال رسول الله ﷺ: ارحموا من الناس

ثلاثة: عزیز قوم ذل، وغنی قوم افتقر، وعالما بین الجہال“ (۲).

لیکن واضح رہے کہ عیسیٰ بن طہمان کے بارے میں ابن حبان کا مذکورہ کلام چنداں مضر نہیں۔

اولاً۔ اس لیے کہ ابن حبان کا کلام رواۃ کی جرح میں معتبر نہیں ہے، کیونکہ یہ تشددین میں سے ہیں (۳)۔

ثانیاً۔ حافظ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ابن حبان نے اپنے دعویٰ ”لا یجوز الاحتجاج به“ کے لیے

بطور دلیل ایک ہی روایت پیش کی ہے، اس میں بھی قصور عیسیٰ کا نہیں، بلکہ ان کے بعد کے اور کسی راوی کا ہے، لکھتے ہیں:

”ثم لم يسق له إلا حديثا واحدا، والآفة فيه ممن دونه“ (۴).

(۱) حوالہ بالا، و کتاب المجروحین: ۹۸/۲، وتعلیقات تہذیب الکمال: ۶۱۹/۲۲، وتہذیب التہذیب: ۲۱۶/۸.

(۲) کتاب المجروحین: ۹۸/۲.

حدیث کا ترجمہ درج ذیل ہے:

”آدمیوں میں تین قسم کے لوگوں پر رحم کھاؤ، ایک قوم کا معزز و سردار، جو ذلیل ہو گیا ہو، دوسرا

قوم کا مال دار، جو محتاج ہو گیا ہو اور تیسرا عالم، جو جاہلوں کے درمیان ہو۔“

(۳) قواعد فی علوم الحدیث للعثماني، لا یؤخذ بقول کل جارح: ۱۷۸-۱۷۹.

(۴) ہدی الساری، حرف العین: ۶۰۶، وتہذیب التہذیب: ۲۱۶/۸.

ثالثاً۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی صرف دو حدیثیں اپنی صحیح میں نقل کی ہیں، ایک تو حدیث باب، جس کا دوسرا طریق کتاب اللباس (۱) میں ہے، دوسری کتاب التوحید (۲) میں۔ اور دونوں جگہ انہوں نے سماع اور تحدیث کی صراحت کی ہے، اس لیے بخاری کی حد تک تدلیس کا الزام بھی درست نہیں (۳)۔

واللہ اعلم بالصواب

عیسیٰ بن طہمان رحمۃ اللہ صحیح بخاری کے علاوہ ترمذی (فی الشمائل) اور نسائی کے بھی راوی ہیں (۴)۔

حافظ ذہبی کے بقول ۱۶۰ ہجری میں ان کا انتقال ہوا (۵)۔

یہ امام بخاری کی ایک ثلاثی روایت کے بھی راوی ہیں (۶)۔

۴۔ انس رضی اللہ عنہ

حضرت انس کے حالات کتاب الإیمان، ”باب من الإیمان أن یحب لأخیه.....“ کے تحت

گزر چکے (۷)۔

۵۔ ثابت البنانی

حضرت ثابت بن اسلم البنانی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کتاب العلم، ”باب القراءة والعرض علی

المحدث“ کے ذیل میں آچکے (۸)۔

(۱) صحیح البخاری، کتاب اللباس، باب قبلاں فی نعل، رقم (۵۸۵۸)۔

(۲) صحیح البخاری، کتاب التوحید، باب ﴿وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ﴾، رقم (۷۴۲۱)۔

(۳) ہدی الساری: ۶۰۶۔

(۴) تہذیب الکمال: ۲۲/۶۲۰۔

(۵) تہذیب التہذیب: ۲۱۶/۸۔

(۶) صحیح البخاری، کتاب التوحید، باب ﴿وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ﴾، رقم (۷۴۲۱)، وتاریخ الإسلام

للذہبی: ۲۶۳/۴، الطبقة السادسة عشرة، رقم (۳۳۹۸)۔

(۷) کشف الباری: ۴/۲۔

(۸) کشف الباری: ۱۸۳/۳۔

حدیث کا ترجمہ

عیسیٰ بن طہمان رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ہمیں دو جوتیاں نکال کر دکھلائیں، جن کے اوپر کے بال پرانے ہونے کی وجہ سے جھڑ گئے تھے، ان کے دودو تسمے تھے۔

عیسیٰ بن طہمان کہتے ہیں، بعد میں ثابت البنانی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے بتلایا کہ وہ دونوں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتیاں ہیں۔

جرداویں کی تحقیق

جرداویں تثنیہ جرداء کا ہے، جو ا جرد کا مؤنث ہے، اس کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں۔ ۱۔ جس پر بال نہ ہو، ۲۔ پرانی ہو۔ ہم نے اوپر جو ترجمہ کیا ہے وہ علامہ عینی کے کلام کے مطابق ہے۔ جب کہ حضرت شیخ الحدیث رحمہما اللہ نے پہلے معنی کو اختیار فرمایا ہے، دوسرے معنی کو قیل کے ساتھ بیان کیا ہے (۱) اور دونوں معنی صحیح ہیں۔

قبالان کے معنی

قبالان تثنیہ ہے قبال کا، جوتے کے اس تسمے کو کہتے ہیں جو اوپر سے جا کر پاؤں کے انگوٹھے اور اس سے متصل انگلی کے درمیان نیچے جوتے میں جڑا ہوتا ہے (۲)۔

فحدثنی ثابت البنانی بعد کا مقصد

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ان حضرات کو جوتیاں نکال کر دکھائی تو تھیں، لیکن یہ جوتیاں تھیں کس کی؟ یہ معلوم نہ تھا، بعد میں حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی کہ یہ جوتیاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہیں اور ظاہر ہے کہ حضرت ثابت نے بھی یہ بات اپنی طرف سے نہیں کہی ہوگی، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی سنی ہوگی، قسطانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”وكانه رأى النعلين مع أنس، ولم يعلم أنهما نعلان النبي عليه الصلاة

(۱) عمدة القاري: ۳۲/۱۵، وخصائل نبوي شرح شمائل ترمذي مع عربي حواشي للكاندهلوي: ۴۷، وقال

الخطابي رحمه الله: ”جرداوين: يريد، خليفين، وثوب جرد، أي: خلق“. أعلام الحديث: ۱۴۴۲/۲.

(۲) كشف الباري، كتاب اللباس: ۲۱۵، وعمدة القاري: ۳۲/۱۵.

والسلام، فحدثه بذلك ثابت عن أنس (۱)۔

ترجمة الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت اس کے جزء ”ونعله“ کے ساتھ ہے کہ اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتی کا ذکر ہے (۲)۔

باب کی تیسری حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ہے۔

۲۹۴۱ : حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ : حَدَّثَنَا أَيُّوبُ ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ قَالَ : أَخْرَجَتْ إِلَيْنَا عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا كِسَاءً مُلْبَدًّا ، وَقَالَتْ : فِي هَذَا نُرِيعَ رُوحَ النَّبِيِّ ﷺ . وَزَادَ سُلَيْمَانُ ، عَنْ حُمَيْدٍ ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ قَالَ : أَخْرَجَتْ إِلَيْنَا عَائِشَةُ إِزَارًا غَلِيظًا مِمَّا يُصْنَعُ بِالْيَمَنِ ، وَكِسَاءً مِنْ هَذِهِ الَّتِي يَدْعُونَهَا الْمَلْبَدَةُ . [۵۴۸۰]

تراجم رجال

۱- محمد بن بشار

یہ محمد بن بشار عبدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا مفصل تذکرہ کتاب العلم، ”باب ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم يتخولهم.....“ کے تحت آچکا ہے (۳)۔

۲- عبد الوہاب

یہ عبد الوہاب بن عبد المجید ثقفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الایمان، ”باب حلاوة

(۱) شرح القسطلانی: ۲۰۰/۵، وأیضا انظر فتح الباری: ۲۱۴/۶۔

(۲) عمدة القاری: ۳۲/۱۵۔

(۳) قوله: ”أخرجت إلینا عائشة.....“: الحديث، أخرجه البخاری أيضا، کتاب اللباس، باب الأكسية

والخمائص، رقم (۵۸۱۸)، ومسلم، کتاب اللباس والزينة، باب التواضع فی اللباس، رقم (۵۴۴۲-۵۴۴۴)،

وأبوداود، أبواب اللباس، باب لباس الغلیظ، رقم (۴۰۳۶)، والترمذی، أبواب اللباس، باب ماجاء فی لبس

الصوف، رقم (۱۷۳۳)، وابن ماجه، أبواب اللباس، باب لباس رسول الله صلی الله علیه وسلم، رقم (۳۵۵۱)۔

(۴) کشف الباری: ۲۵۸/۳۔

الإيمان“ کے تحت گزر چکا (۱)۔

۳- ایوب

ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ بھی کتاب الایمان کے مذکورہ بالا باب میں آچکا (۲)۔

۴- حمید بن ہلال

یہ حمید بن ہلال عدوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۳)۔

۵- ابو بردہ

یہ ابو بردہ حارث بن ابی موسیٰ اشعری ہیں۔ ان کے حالات کتاب الایمان، ”باب أي الإسلام

أفضل؟“ کے تحت گزر چکے ہیں (۴)۔

۶- عائشہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حالات ”بدء الوحي“ میں بیان کیے جا چکے ہیں (۵)۔

قال: أخرجت إلينا عائشة رضي الله عنها كساء ملبدا

حضرت ابو بردہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ہمیں ایک موٹی (غلیظ)

چادر نکال کر دکھائی۔

کساء ملبدا کے معنی

آج کل تو کساء مطلقاً چادر وغیرہ کو کہتے ہیں، لیکن پہلے اس کا اطلاق صرف اونی چادر پر ہوتا تھا، قال

(۱) کشف الباری: ۲/۲۶۰۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الصلاة، باب یرد المصلی من مر بین یدیه۔

(۴) کشف الباری: ۱/۶۹۰۔

(۵) کشف الباری: ۱/۲۹۱۔

العینی: ”الكساء معروف، لكن الظاهر أنه لا يطلق إلا على ما كان من الصوف“ (۱)۔

اور ملبہ اسم مفعول کا صیغہ ہے تلبد سے، اس کی اصل لب یا لبدة ہے، لبدة نمدہ کو کہتے ہیں، یعنی وہ کپڑا جو اون یا بالوں کو جما کر، پانی سے بھگو کر، بنایا جاتا ہے اور گھوڑے کی زین کے نیچے رکھا جاتا ہے، تاکہ پسینہ زین کو متاثر نہ کرے، اب کساء ملبہ کے معنی یہ ہوئے کہ وہ چادر جس کا وسط سخت ہو، مختلف کپڑوں کو جما کر، ایک دوسرے کے اوپر رکھ کر، اسے تیار کیا گیا ہو (۲)۔

نبی علیہ السلام یہ چادریوں استعمال فرماتے تھے؟

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کساء ملبہ کیوں استعمال فرماتے تھے، اس سلسلے میں مختلف باتیں کہی گئی ہیں:

۱۔ اس کا استعمال تواضع کے طور پر کرتے تھے۔

۲۔ اس سے اعلیٰ چادر چوں کہ آپ کے پاس موجود نہیں تھی، اس لیے اسی کو زیب تن کرتے تھے۔

۳۔ اتفاقاً بغیر کسی قصد و ارادے کے استعمال فرماتے تھے، کہ جو ملا وہ پہن لیا۔

لیکن ان میں پہلا احتمال ہی رائج ہے۔ علامہ نووی، یعنی وغیرہ کا مختار یہی ہے (۳)۔

وقالت: في هذا نزع روح النبي صلى الله عليه وسلم

حضرت عائشہ نے مزید فرمایا کہ اسی چادر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح نکلی تھی۔

مطلب یہ ہے کہ انتقال کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی چادر اوڑھ رکھی تھی۔

وزاد سليمان عن حميد عن أبي بردة قال: أخرجت إلينا عائشة.....

اور سليمان بن مغيرة نے حميد عن ابی بردہ کے طریق سے یہ زیادتی بھی بتلائی ہے کہ ابو بردہ نے فرمایا کہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یمن کی بنی ہوئی ایک موٹی ازار (لنگی) اور ایک چادر، جسے تم لوگ ملبہ کہتے ہو، ہمیں نکال کر دکھلائی۔

(۱) عمدة القاري: ۳۲/۱۵، والقاموس الوحيد، مادة ”لبد“.

(۲) حوالہ جات بالا، وشرح النووي علی مسلم: ۱۹۴/۲، والنهاية لابن الأثير: ۲۲۴/۴.

(۳) عمدة القاري: ۳۲/۱۵، وشرح النووي: ۱۹۳/۲.

سلیمان سے ابوسعید سلیمان بن مغیرہ قیسی بصری رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں (۱)۔

تعلیق مذکور کا مقصد

غالباً اس تعلیق کا مقصد یہ ہے کہ ایوب عن حمید کی روایت میں اختصار ہے، جب کہ حمید سے حدیث باب کو روایت کرنے والے ایک اور راوی سلیمان بن مغیرہ کی روایت میں ازار کا ذکر بھی ہے، اب حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ وفات کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر پر دو کپڑے تھے، ایک ازار، جو یمن کی بنی ہوئی تھی، دوسرا کسائے ملبد۔ واللہ اعلم

تعلیق مذکور کی تخریج

اس تعلیق کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں ”شیبان بن فروخ، عن سلیمان بن المغیرہ، عن حمید، عن أبي بردة“ کے طریق سے موصولاً نقل کیا ہے، وہاں پوری روایت اس طرح ہے، حضرت ابو بردہ فرماتے ہیں:

”دخلت على عائشة، فأخرجت إلينا إزاراً غليظاً، مما يصنع باليمن، وكساء من التي تسمونها الملبدة، قال: فأقسمت بالله أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قبض في هذين الثوبين“ (۲)۔

ترجمہ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

اس حدیث و تعلیق کی مناسبت بقول علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ کے جزء ”وما استعمل الخلفاء.....“ کے ساتھ ہے (۳)۔

(۱) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کشف الباری: ۱۸۱/۳، کتاب العلم، باب القراءة والعرض.....

(۲) صحیح مسلم، کتاب اللباس والزينة، باب التواضع في اللباس، والاقتصار.....، رقم (۵۴۴۲)، وتعلیق

التعلیق: ۴۶۸/۳، وفتح الباری: ۲۱۴/۶، وعمدة القاری: ۳۲/۱۵۔

(۳) عمدة القاری: ۳۲/۱۵۔

باب کی چوتھی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۴۲ : حَدَّثَنَا عَبْدَانُ ، عَنْ أَبِي حَمْزَةَ ، عَنْ عَاصِمٍ ، عَنْ أَبِي سِيرِينَ ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : أَنَّ قَدَحَ النَّبِيِّ ﷺ انْكَسَرَ . فَاتَّخَذَ مَكَانَ الشَّعْبِ سِلْسِلَةً مِنْ فِضَّةٍ . قَالَ عَاصِمٌ : رَأَيْتُ الْقَدَحَ وَشَرِبْتُ فِيهِ . [۵۳۱۵]

تراجم رجال

۱- عبدان

یہ عبد اللہ بن عثمان بن جبلة الملقب بـ ”عبدان“ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ ”بدء الوحي“ میں گزر چکا ہے (۲)۔

۲- ابو حمزہ

یہ ابو حمزہ محمد بن میمون سکری مروزی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۳)۔

۳- عاصم

یہ عاصم بن سلیمان الاحول رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۴)۔

۴- ابن سیرین

یہ مشہور محدث و معبر محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الایمان، ”باب اتباع الجنائز من الایمان“ کے تحت آچکے (۵)۔

(۱) قولہ: ”أنس بن مالك“: الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، كتاب الأشرطة، باب الشرب من قدح النبي

صلى الله عليه وسلم وأنيته، رقم (۵۶۳۸)، ولم يخرج غيره، انظر تحفة الأشراف: ۱/ ۲۴۸ و: ۱/ ۳۷۳.

(۲) كشف الباري: ۱/ ۴۶۱.

(۳) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الغسل، باب نفق البدين من الغسل عن الجنابة.

(۴) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب الماء الذي يغسل به شعر الإنسان.

(۵) كشف الباري: ۲/ ۵۲۴.

۶- انس بن مالک

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کتاب الایمان، ”باب من الایمان.....“ کے تحت گزر چکا (۱)۔

سند حدیث سے متعلق ایک اہم تنبیہ

اس حدیث کی سند میں اختلاف ہے۔ ابو حمزہ نے اسے عاصم عن ابن سیرین عن انس کے طریق سے نقل کیا ہے۔ جب کہ شریک نے عاصم عن انس کے طریق سے۔ یعنی انہوں نے ابن سیرین کا واسطہ ذکر نہیں کیا۔ یہی حدیث امام بزار رحمۃ اللہ علیہ نے بھی امام بخاری رحمہ اللہ کے واسطہ سے اپنی مسند میں ذکر کی اور فرمایا کہ ”لا نعلم من رواہ عن عاصم ہکذا إلا أبا حمزة“ (۲)۔ اور امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، ”والصحيح الأول“ (۳) کہ ابو حمزہ والی سند ہی صحیح و درست ہے۔ تاہم علامہ جیانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں ایک سند کو درست، دوسری کو غلط قرار دینے کی کوئی ضرورت نہیں، اس سلسلے میں محقق بات میرے نزدیک یہ ہے کہ اس حدیث کا بعض حصہ عاصم نے انس کے واسطے سے اور بعض حصہ ابن سیرین عن انس کے طریق سے نقل کیا ہے۔ چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ابو عوانہ کے طریق سے جو روایت کتاب الاشرۃ میں ذکر کی ہے، وہ تفصیلی بھی ہے اور اس مسئلے میں واضح بھی۔ اس کے آخر میں عاصم فرماتے ہیں: ”قال ابن سيرين: إنه كانت فيه حلقة من حديد..... فقال له أبو طلحة: لا تغيرن فيه شيئاً.....“ (۴) اس لیے ابو حمزہ اور شریک دونوں کی روایات صحیح و درست ہیں، ہر ایک نے حدیث کا بعض حصہ نقل کیا ہے اور ابو عوانہ کی روایت دونوں کو جامع ہے اور واضح بھی (۵)۔ واللہ اعلم بالصواب

أن قدح النبي ﷺ انكسر، فاتخذ مكان الشعب سلسلة من فضة

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیالہ ٹوٹ گیا تھا،

(۱) کشف الباری: ۴/۲۔

(۲) مسند الإمام البزار: ۲۳۷/۱۳، مسند انس بن مالک، رقم (۶۷۳۹)۔

(۳) العلل للدارقطنی، رقم السؤال (۲۶۲۸)۔

(۴) صحيح البخاري، كتاب الأشرية، رقم (۵۶۳۸)۔

(۵) عمدة القاري: ۳۳/۱۵، وفتح الباري: ۲۱۴/۶، و: ۱۰۰/۱۰، كتاب الأشرية۔

چنانچہ (بغرض اصلاح) متاثرہ جگہ چاندی کی ایک زنجیر انہوں نے لگا دی۔

”شعب“ شین کے فتح اور عین کے سکون کے ساتھ، پھٹن کو کہتے ہیں، اسی طرح پھٹی ہوئی اور ٹوٹی

ہوئی جگہ کی اصلاح کو بھی شعب کہا جاتا ہے (۱)۔

حدیث باب میں جس پیالے کا ذکر ہے، اس کے متعلق کتاب الاشریہ (۲) کی روایت میں آیا ہے کہ وہ ایک خاص قسم کی لکڑی نُصار کا بنا ہوا تھا، نصار کی مختلف تفسیریں شراح نے بیان کی ہیں، مثلاً خالص عود، نج وغیرہ، ابو حنیفہ دینوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ برتنوں کے لیے سب سے بہتر و اعلیٰ لکڑی یہی ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں وہیں اس کے وصف میں ”عریض“ کا لفظ آیا ہے، یعنی چوڑا، اس کی چوڑائی کس قدر تھی، تحقیقاً تو معلوم نہیں، البتہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے حجاج بن حسان تابعی رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ہاں تھے، انہوں نے ایک برتن منگوا یا، اس کے تینوں دستے لوہے کے تھے، حلقہ بھی لوہے کا تھا، اس کو انہوں نے ایک سیاہ غلاف سے نکالا، تو اس کا وزن ایک ربع سے کم اور نصف ربع (۳) سے زیادہ تھا، حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حکم سے اس میں پانی ڈالا گیا، پھر اس کو ہمارے سامنے پیش کیا گیا، چنانچہ ہم نے وہ پانی پیا، اپنے سروں اور چہروں پر ڈالا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجا (۴)۔

صلی اللہ علیہ وسلم

ہو سکتا ہے کہ اس حدیث میں اناء سے مراد وہی پیالہ ہو، جس کا ذکر حدیث باب میں ہے۔

پیالہ کس نے درست کروایا تھا؟

حدیث باب میں فاتخذ کا جو فعل ہے، اس کا فاعل کون ہے؟ اس میں دو آراء ہیں، ایک تو یہ ہے کہ فاتخذ کا فاعل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ آپ علیہ السلام نے ہی پیالہ درست کیا تھا۔ جب کہ دوسری رائے

(۱) عمدة القاري: ۳۳/۱۵، وفتح الباري: ۱۰۰/۱۰۔

(۲) صحيح البخاري، كتاب الاشرية، باب الشرب من قدح، رقم (۵۶۳۸)۔

(۳) ربع ایک پیالہ ہے، جو جدید پیمائش کے حساب سے ۲۳، ۶۳ گیلن بنتے ہیں، یعنی ربع کی گنجائش اس قدر ہوتی تھی، اس کی جمع اربع ہے۔ دیکھیے القاموس الوحيد، مادة ”ربع“۔

(۴) مسند أحمد: ۱۸۷/۳، مسند أنس بن مالك، رقم (۱۲۹۷۹)، وعمدة القاري: ۳۳/۱۵۔

یہ ہے کہ فاعل حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں، حدیث باب کے ظاہر سے پہلی رائے صحیح معلوم ہوتی ہے اور کتاب الاثر بہ (۱) کی روایت کے ظاہر سے دوسری رائے درست لگتی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: ”رأيت قدح النبي صلى الله عليه وسلم عند أنس بن مالك، وكان قد انصدع فسلسله بفضة.....“ لیکن حدیث باب کے اسی طریق کے جو الفاظ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ (۲) نے نقل کیے ہیں، اس سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ فاعل حضرت انس ہی ہیں، اس میں ہے: ”أن قدح النبي صلى الله عليه وسلم انصدع، فجعلت مكان الشعب سلسله، يعني أن أنسا جعل مكان الشعب سلسله“. اس کے بعد امام بیہقی فرماتے ہیں کہ حدیث اسی طرح مروی ہے، اب یہ معلوم نہیں کہ اس کا قائل کون راوی ہے، آیا وہ موسیٰ بن ہارون ہے یا کوئی اور؟ (۳)

حافظ ابن حجر علیہ الرحمۃ بیہقی کی اس روایت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس روایت سے یہ معلوم نہیں ہوا کہ اس کا قائل کون ہے؟ اور اس کی بنیاد یہ ہے کہ جعلت میں تاء کو متکلم کی قرار دیا جائے اور وہ مضموم ہو، اس طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ فاعل ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ”جُعِلَتْ“ جیم مضمومہ کے ساتھ فعل مجہول ہو، یوں یہ حدیث، باب کی حدیث کے موافق و مساوی ہو جائے گی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فاعل ہونا متعین ہو جائے گا۔

وہ لکھتے ہیں:

”وجزم بعض الشراح بالثاني (أي الضمير لأنس)، واحتج برواية بلفظ ”فجعلت مكان الشعب سلسله“ ولا حجة فيه؛ لاحتمال أن يكون فجعلت بضم الجيم على البناء للمجهول، فرجع إلى الاحتمال لإبهام الجاعل“ (۴)۔

(۱) البخاري، كتاب الأشربة، باب الشرب من قدح النبي صلى الله عليه وسلم، رقم (۵۶۳۸)۔

(۲) السنن الكبرى للبيهقي: ۳۰/۱، كتاب الطهارة، باب النهي عن الإناء المفضض، رقم (۱۱۵)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) فتح الباري: ۶/۲۱۴، و: ۱۰/۱۰۰، وتحفة الباري: ۳/۵۳۹۔

قال عاصم: رأيت القدح، وشربت فيه

حضرت عاصم الاحول فرماتے ہیں کہ میں نے وہ پیالہ دیکھا ہے اور اس سے پانی بھی پیا ہے۔
یہاں بطور تحدیث نعمت اور فخر، حضرت عاصم یہ فرما رہے ہیں کہ مجھے اس پیالے سے پانی پینے کا شرف حاصل ہوا ہے۔

ان کے علاوہ بعد میں یہی شرف دیگر اور بہت سے حضرات کو بھی حاصل ہوا ہے، چنانچہ حافظ ابو نعیم نے علی بن حسن بن شقیق عن ابی حمزہ کے طریق سے یہی حدیث نقل کی ہے، اس میں ہے، ”قال علي بن الحسن: وأنا رأيت القدح، وشربت منه“ (۱)۔

خود امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی اس پیالہ سے پانی پینا منقول ہے، علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے ”مختصر البخاری“ میں لکھا ہے کہ انہوں نے صحیح بخاری کے بعض قدیم نسخوں یہ عبارت لکھی دیکھی کہ:

”قال أبو عبد الله البخاري: رأيت هذا القدح بالبصرة، وشربت منه،

وكان أشتري من ميراث النضر بن أنس بثمان مائة ألف“ (۲)۔

یعنی: ”امام بخاری فرماتے ہیں کہ اس پیالے کو میں نے بصرہ میں دیکھا اور اس

سے پیا ہے، اسے نضر بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی میراث سے آٹھ لاکھ میں خریدا گیا تھا“۔

سونے چاندی کا جوڑا اور کڑا لگانے کا حکم

حدیث باب سے چاندی کا بنا ہوا دستہ، زنجیر (کڑا) اور حلقہ وغیرہ کے استعمال اور اس سے کھانے پینے کا جواز ثابت ہو رہا ہے، لیکن یہ مسئلہ بھی مختلف فیہا ہے۔

امام ابو حنیفہ اس کو مطلقاً جائز قرار دیتے ہیں، البتہ صاحب ہدایہ علامہ مرغینانی رحمہما اللہ نے اس حکم مطلق کو ایک شرط کے ساتھ مقید کیا ہے، وہ یہ کہ سونا چاندی کی جگہ منہ نہ لگائے، اس سے احتراز کرے (۳)۔

(۱) فتح الباری: ۱۰/۱۰۰۔

(۲) حوالہ بالا

(۳) بدائع الصنائع: ۶/۵۲۴-۵۲۵، کتاب الاستحسان، وأما الإناء المضبيب.....، والهداية مع البناية:

۱۲/۷۲-۷۰، کتاب الکراهية، ومؤطاً محمد: ۳۷۵، أبواب السير، باب الشرب في آنية الفضة.

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے دونوں طرح کے اقوال مروی ہیں، یعنی حلت و حرمت۔ بعد کے ائمہ مالکیہ مثلاً درودیر، دسوقی اور ابن الحاجب رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ نے حرمت کو رائج قرار دیا ہے (۱)۔

شوافع کا مذہب بقول امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ ہے کہ دستہ وغیرہ اگر بڑا ہو اور زینت کے لیے ہو تو حرام ہے اور اگر چھوٹا ہو اور ضرورت کے لیے ہو تو جائز ہے۔

ان کا دوسرا قول مطلق حرمت کا ہے کہ جائز نہیں (۲)۔

جب کہ حنابلہ ان اشیاء کے استعمال کو تین شرطوں کے ساتھ جائز قرار دیتے ہیں، یعنی تھوڑا ہو، چاندی ہی ہو اور ضرورت کے لیے ہو کہ اس میں کوئی فائدہ ہو۔ گویا ان کے نزدیک اس غرض سے سونا کا استعمال بالکل جائز نہیں اور چاندی کا استعمال مقید ہے (۳)۔

ترجمة الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت اس جملے میں ہے: ”أَنَّ قَدَحَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْكَسَرَ“ کہ اس میں نبی علیہ السلام کے پیالہ کا ذکر ہے، جو ترجمہ کے جزء ”قدحه“ کے ساتھ منطبق ہے (۴)۔

باب کی پانچویں حدیث حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۴۳ : حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجَرَمِيُّ : حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ : حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ الْوَلِيدِ : حَدَّثَنَا كَثِيرٌ : حَدَّثَنَا عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ حَلْحَلَةَ الدُّؤَلِيِّ : حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ شِهَابٍ : حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عَلِيٍّ : حَدَّثَنَا عَنْ حُسَيْنِ بْنِ حُسَيْنٍ : حَدَّثَنَا عَنْهُمْ حِينَ قَدِمُوا الْمَدِينَةَ مِنْ عِنْدِ يَزِيدَ بْنِ مُعَاوِيَةَ ، مَقْتَلِ حُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ رَحِمَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ : لَقِيَهُ الْمُسَوَّرُ بْنُ مَخْرَمَةَ (۵) فَقَالَ لَهُ : هَلْ لَكَ إِلَيَّ مِنْ حَاجَةٍ تَأْمُرُنِي بِهَا ؟ فَقُلْتُ لَهُ : لَا ، فَقَالَ لَهُ : فَهَلْ أَنْتَ مُعْطِي سَيْفَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ : فَأِنِّي أَخَافُ

(۱) حاشیۃ الدسوقی مع الشرح الكبير: ۱/۱۰۹، باب أحكام الطهارة، فصل الطاهر.

(۲) المجموع شرح المذهب: ۱/۲۵۴-۲۵۸، کتاب الطهارة، حکم الأواني المضیبة.....، وشرح النووي علی مسلم: ۲/۱۹۳.

(۳) المغنی: ۹/۱۴۷، کتاب الأشربة، رقم (۷۳۷۰)، والموسوعة الفقهية: ۳۲/۱۶۵-۱۶۶، مادة فضة.

(۴) عمدة القاري: ۱۵/۳۳.

(۵) قوله: ”المسور بن مخرمة“: الحديث، مرّ تخريجہ فی الجمعة، باب من قال فی الخطبة بعد.....

أَنْ يَغْلِبَكَ الْقَوْمُ عَلَيْهِ . وَأَيْمُ اللَّهِ لَئِنْ أُعْطِيتَنِيهِ لَا يُخَلِّصَ إِلَيْهِ أَبَدًا حَتَّى تَبْلُغَ نَفْسِي . إِنْ عَلِيَ بَيْنَ أَبِي طَالِبٍ خَطْبُ ابْنَةِ أَبِي جَهْلٍ عَلَى فَاطِمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا . فَسَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَخْطُبُ النَّاسَ فِي ذَلِكَ عَلَى مِنْبَرِهِ هَذَا . وَأَنَا يَوْمَئِذٍ مُحْتَلِمٌ . فَقَالَ : (إِنَّ فَاطِمَةَ مِنِّي . وَأَنَا أَخَوْفُ أَنْ تُفَسَّ فِي دِينِهَا) . ثُمَّ ذَكَرَ صِهْرًا لَهُ مِنْ بَنِي عَبْدِ شَمْسٍ . فَأَتَنِي عَلَيْهِ فِي مُصَاهَرَتِهِ إِيَّاهُ . قَالَ : (حَدَّثَنِي فَصْدَقِي . وَوَعَدَنِي فَوْقَ بِي ، وَإِنِّي لَسْتُ أَحْرَمُ حَلَالًا . وَلَا أُحِلُّ حَرَامًا . وَلَكِنْ وَاللَّهِ لَا أَجْتَمِعُ بَيْنَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَبَيْنَ عَدُوِّ اللَّهِ أَبَدًا) . [ر : ۸۸۴]

تراجم رجال

۱- سعید بن محمد الجرمی

یہ سعید بن محمد بن سعید الجرمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الجہاد، ”باب قتال الترك“ کے تحت گزر چکا ہے (۱)۔

۲- یعقوب بن ابراہیم

یہ یعقوب بن ابراہیم قرشی زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا ترجمہ کتاب العلم، ”باب ما ذکر فی ذہاب موسیٰ.....“ کے تحت گزر چکا (۲)۔

۳- اُبی

اب سے مراد ابراہیم بن سعد قرشی زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الایمان، ”باب من کرہ أن يعود فی الکفر.....“ کے تحت آچکے (۳)۔

۴- الولید بن کثیر

یہ الولید بن کثیر مخزومی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۴)۔

(۱) کشف الباری، کتاب الجہاد: ۷۰۳/۱۔

(۲) کشف الباری: ۳۳۱/۳۔

(۳) کشف الباری: ۱۲۰/۲۔

(۴) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الصلاة، باب الحلق والجلوس فی المسجد۔

۵- محمد بن عمرو بن حنبلہ الدؤلی

یہ محمد بن بن عمرو بن حنبلہ الدؤلی۔ بضم الدال وفتح الهمزة۔ (۱) رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

۶- ابن شہاب

محمد بن مسلم ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ ”بدء الوحي“ کی پہلی حدیث کے تحت گزر چکا (۳)۔

۷- علی بن حسین

یہ امام زین العابدین علی بن حسین بن علی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۴)۔

أن علي بن حسين حدثه أنهم حين قدموا المدينة من عند يزيد بن معاوية

مقتل حسين بن علي رضي الله عنه لقيه مسور بن مخرمة

ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہیں امام زین العابدین علی بن حسین رحمۃ اللہ علیہ نے بتلایا کہ یہ حضرات جب خلیفہ یزید بن معاویہ کے ہاں سے حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مدینہ منورہ آئے تو ان سے مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ ملے۔

حضرت مسور بن مخرمہ اور امام زین العابدین کی ملاقات کا یہ واقعہ ۶۱ھ کا ہے، کیوں کہ اسی سال حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سانحہ رونما ہوا تھا (۵)۔

اوپر کی اس عبارت میں یزید بن معاویہ سے مراد مشہور اموی خلیفہ (۶)، حسین بن علی سے نواسہ رسول (۷) اور

(۱) عمدة القاري: ۳۳/۱۵، وتحفة الباري: ۵۳۹/۳.

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الأذان، باب جهر الإمام بالتأمين.

(۳) كشف الباري: ۳۲۶/۱.

(۴) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الغسل، باب الغسل بالصاع ونحوه.

(۵) عمدة القاري: ۳۳/۱۵.

(۶) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب التهجيد، باب صلاة النوافل جماعة.

(۷) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب التهجيد، باب تحريض النبي صلى الله عليه وسلم على صلاة.....

مسور بن مخرمہ سے مشہور صحابی ہیں (۱)۔

فقال له: هل لك إلي من حاجة تأمرني بها؟ فقلت له: لا

حضرت مسور نے امام زین العابدین سے استفسار کیا کہ آپ کی کوئی ضرورت مجھ سے متعلق ہو تو آپ حکم دیں اور میں بجالاؤں؟ میں نے ان سے کہا، نہیں۔

حضرت مسور رضی اللہ عنہ آگے جا کر جو بات اور گزارش امام زین العابدین کے سامنے پیش کرنا چاہتے تھے، اس کے لیے یہ تمہید تھی، جو اوپر گزری۔

فقال له: فهل أنت معطي سيف رسول الله صلى الله عليه وسلم؟

تو مسور رضی اللہ عنہ نے زین العابدین علیہ الرحمۃ سے فرمایا کہ تو کیا آپ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار عنایت کریں گے؟

معطي ياء کی تشدید کے ساتھ ہے، دوسری ياء متکلم کی ہے (۲)۔

اور ”سيف رسول الله“ سے مراد بظاہر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور تلوار ”ذوالفقار“ ہے، یہ تلوار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر کے موقع پر بطور نفل کے لی تھی اور یہی وہ تلوار ہے جس کے بارے میں آپ علیہ السلام نے غزوہ احد کے موقع پر خواب دیکھا تھا کہ آپ کی تلوار پر دندانے پڑے ہیں (۳)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کل دس تلواں تھیں، جن میں کی ایک یہ ”ذوالفقار“ ہے (۴)۔

(۱) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب استعمال فضل وضوء الناس۔

(۲) عمدة القاري: ۳۳/۱۵، وإرشاد الساري: ۲۰۰/۵۔

(۳) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مذکورہ خواب درج ذیل ہیں، ابن ہشام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”فلما سمع بهم رسول الله صلى الله عليه وسلم والمسلمون قد نزلوا حيث نزلوا، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم للمسلمين: ”إني قد رأيت والله خيرا، رأيت بقرأ، ورأيت في ذباب سيفي ثلما، ورأيت أني أدخلت يدي في درع حصينة، فأولتها المدينة“۔

انظر سيرة ابن هشام: ۶۲/۳، غزوة أحد، رؤيا رسول الله.....، وأيضا الروض الأنف: ۱۲۷/۲۔

(۴) قال العيني: ”والظاهر أن هذا السيف هو ذوالفقار؛ لأن سبط ابن الجوزي ذكر في تاريخه: ولم يزل

اب سوال یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کی یہ تلوار حضرت علی کے خاندان میں کیسے آئی؟

اس کے جواب میں علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے دو احتمال ذکر کیے ہیں:

۱- غالباً یہ تلوار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہبہ کر دی تھی، جو بعد میں ہوتے ہوتے حضرت زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچ گئی۔

۲- یا حضرت ابوبکر نے حضرت علی رضی اللہ عنہما کو دی تھی، جو بعد میں ان کے خاندان کو منتقل

ہو گئی (۱)۔

فإني أخاف أن يغلبك القوم عليه

کیونکہ مجھے خوف ہے کہ یہ قوم آپ سے بزور طاقت یہ تلوار چھین لے گی۔

یہاں قوم سے مراد بنو امیہ ہیں، چونکہ حضرات سادات کا اختلاف انہی سے تھا۔

وأيمن الله؛ لأن أعطيتني لا يخلص إليهم أبدا حتى تبلغ نفسي

بخدا! اگر آپ یہ تلوار مجھے عطا کریں تو بنو امیہ اس کو کبھی حاصل نہیں کر سکیں گے یا یہ کہ میری جان چلی

جائے۔

مطلب یہ ہے کہ میں اس تلوار کی خاطر جان کی بازی لگا دوں گا (۲)۔

ایک سوال اور اس کا جواب

حافظ علیہ الرحمۃ نے حدیث باب کی اساس پر بطور تعجب کے ایک سوال نقل کیا ہے، وہ یہ کہ حضرت

مسور رضی اللہ عنہ یہ فرما رہے ہیں کہ میں اس تلوار کی حفاظت میں اپنی جان تک قربان کرنے کو تیار ہوں، یہاں وہ

صرف اور صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پوتے (زین العابدین) کا دل رکھنے کی خاطر اپنی خواہش ان

کے سامنے رکھ رہے ہیں، لیکن دوسری طرف حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما جو حضرت فاطمہ کے صاحبزادے

= ذوالفقار عندہ صلی اللہ علیہ وسلم، حتی وہبہ لعلی رضی اللہ عنہ قبل موته، ثم انتقل إلى آلہ، وکانت له

عشرة أسیاف؛ منها: ذوالفقار، تنقله يوم بدر“. انظر عمدة القاري: ۳۳/۱۵۔

(۱) عمدة القاري: ۳۳/۱۵، وفتح الباري: ۲۱۴/۶، وإرشاد الساري: ۲۰۰/۵۔

(۲) فتح الباري: ۲۱۴/۶، وعمدة القاري: ۳۴/۱۵، وشرح القسطلاني: ۲۰۱/۵۔

ہیں، ان کے لیے اپنی جان قربان نہیں کی، نہ اپنی ایسی کسی خواہش کا اظہار کیا، یہاں تک کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ ظالم حکمرانوں کے ہاتھوں شہید ہو گئے اور یہ عظیم سانحہ رونما ہوا۔

اس کے جواب میں حضرت مسور رضی اللہ عنہ کی طرف سے بطور عذر یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ جب عراق کے لیے روانہ ہوئے تو اہل حجاز بشمول حضرت مسور رضی اللہ عنہ، کے وہم و گمان میں بھی یہ نہیں تھا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا معاملہ یہ رخ اختیار کرے گا اور وہاں وہ اپنے ساتھیوں سمیت مظلومانہ شہادت سے سرفراز ہوں گے (۱)۔ واللہ اعلم

إن علي بن ابي طالب خطب ابنة أبي جهل على فاطمة رضي الله عنها
تحقيق حضرت علی نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر سوکن لانے کے لیے ابو جہل ہشام بن مغیرہ کی بیٹی کو
پیغام نکاح دیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا تذکرہ - مفصلاً - کتاب العلم، باب إثم من كذب على النبي صلى
الله عليه وسلم کے تحت گزر چکا ہے (۲)۔

ابنہ ابی جہل سے کون مراد ہے؟

یہ مشہور دین دشمن شخص ابو جہل کی صاحبزادی حضرت جویریہ بنت ہشام بن مغیرہ مخزومیہ رضی اللہ عنہا
ہیں۔ جمیلہ بھی ان کا نام بتلایا گیا ہے، لیکن بقول حافظ علیہ الرحمۃ کے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جن خاتون سے
نکاح کرنا چاہا تھا، وہ جویریہ تھیں (۳)۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ناراضگی کا اظہار کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے نکاح نہ
کر سکے تو عتاب بن اسید، جو نبی علیہ السلام کے عہد میں امیر مکہ تھے، نے ان سے نکاح کیا، ان کی ان سے اولاد

(۱) فتح الباری: ۳۲۷/۹۔

(۲) کشف الباری، کتاب العلم: ۱۴۹/۴، نیز حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء،
باب غسل المرأة أباهما الدم.....

(۳) الإصابة: ۲۶۵/۴، وعمدة القاری: ۳۴/۱۵، ان کے نام میں اور بھی اقوال ہیں، دیکھیے، فتح الباری: ۸۶/۷،
والنظیر انی فی الکبیر: ۲۱۰/۲۴۔

بھی ہوئی، تاریخ نے ایک بیٹے کا نام محفوظ کیا ہے، جن کا نام عبدالرحمن تھا، یہ جنگ جمل میں شہید ہوئے (۱)۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت حدیث بھی کرتی ہیں (۲)۔

فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر کے پاس سے گزرے اور پانی طلب فرمایا تو میں پیالہ لے کر آپ کے پاس آئی اور آپ کو پانی پیش کیا، اسی دوران ایک شخص نے جس پر دوزر درنگ کی چادریں تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ پوچھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا، ”تعبد اللہ، لا تشرك به شیئاً، وتقيم الصلاة، وتؤدي الزكاة، وتصل الرحم“ پھر فرمایا، ”خير أمتی قرنی، ثم الذین یلونہم“ (۳)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ کا سبب کیا تھا؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو خطبہ و تقریر حدیث باب میں نقل کی گئی ہے، اس کا سبب کیا تھا؟ اس میں دو اقوال ہیں:

۱- کتاب النکاح کی روایت، جو ابن ابی ملیکہ سے مروی ہے (۴)، سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی ہشام بن مغیرہ کا استیذان خطبہ کا سبب تھا، جب بنی ہشام بن مغیرہ نے اپنی خاتون کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کرنا چاہا اور اس کی اجازت نبی علیہ السلام سے چاہی تو آپ علیہ السلام نے خطبہ ارشاد فرمایا (۵)۔

۲- جب کہ امام زہری کا جو طریق ہے، اس میں ایک اور سبب بیان کیا گیا ہے، صحیح ابن حبان میں ہے:

”أن عليا خطب بنت أبي جهل، فبلغ ذلك فاطمة، فأنت رسول الله

صلى الله عليه وسلم، فقالت: إن الناس يزعمون أنك لا تغضب لبناتك، وهذا

علي ناكح بنت أبي جهل!.....“ (۶)۔

(۱) الإصابة: ۲۶۵/۴، وفتح الباري: ۸۶/۷، وعمدة القاري: ۲۳۰/۱۶۔

(۲) الإصابة: ۲۶۲/۴، ومعرفة الصحابة: ۲۰۴/۵، باب الجيم۔

(۳) حوالہ جات بالا، والطبرانی في الكبير: ۲۵۸/۲۴، رقم (۶۵۸)، باب الدال، درة بنت أبي لهب.....

(۴) صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب ذب الرجل عن ابنته في الغيرة والإنصاف، رقم (۵۲۳۰)۔

(۵) فتح الباري: ۳۲۸/۹۔

(۶) الإحسان بترتيب صحيح ابن حبان، مناقب علي بن أبي طالب، ذكر ثيبان بأن علي بن أبي طالب.....

”حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو جہل کی بیٹی کے لیے پیغام نکاح دیا، یہ خبر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو پہنچی تو آپ نبی علیہ السلام کے پاس آئیں اور کہنے لگیں کہ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ اپنی صاحب زادیوں کی حمایت کے لیے برا بیچتے نہیں ہوتے، یہ علی کو دیکھیے کہ وہ ابو جہل کی بیٹی سے نکاح کرنے والے ہیں!.....“۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی یہ بات سن کر مسجد نبوی تشریف لائے اور خطبہ

ارشاد فرمایا۔

اس روایت سے خطبہ نبوی کا سبب یہی معلوم ہو رہا ہے کہ اس کی وجہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا

تھیں (۱)۔

دونوں اقوال کے درمیان تطبیق

اب دونوں اقوال کے درمیان تطبیق یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر کے دونوں سبب ہو سکتے ہیں کہ بنی ہشام بن مغیرہ نے بھی اپنی خاتون کے سلسلے میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے رابطہ کیا کہ نکاح ہونا چاہیے یا نہیں؟ اور جب اس معاملے کی سن گن حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ملی تو انہوں نے بھی اپنے والد مکرم سے شکایت کی کہ علی میری سوکن لانا چاہتے ہیں۔ بہر حال دونوں اسباب میں کوئی تنافی نہیں ہے۔

نکاح کی پیشکش کس طرف سے تھی؟

روایات کے تتبع سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ابو جہل کی بیٹی سے نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا فیصلہ تھا، خود لڑکی والوں کی طرف سے اس میں کوئی تحریک نہیں تھی، اسی لیے اکثر روایات میں خطبہ کی نسبت حضرت علی کی طرف ہے، خود حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے اوپر جو حدیث ابھی گزری، اس میں بھی ”ناکح“ کا لفظ حضرت فاطمہ نے استعمال کیا ہے، جب کہ اب تک نکاح نہیں ہوا تھا، اس کی وجہ ظاہر ہے، چوں کہ ارادہ حضرت علی کا تھا اور ارادہ پکا بھی تھا کہ اگر روک ٹوک نہ کی گئی تو نکاح آج نہیں تو کل ہو ہی جائے، اس

= رقم (۶۹۱۸)، وروی بعضہ البخاری فی صحیحہ، کتاب فضائل الصحابة، باب ذکر أصهار النبی صلی

اللہ علیہ وسلم.....، رقم (۳۷۲۹)۔

(۱) فتح الباری: ۳۲۸/۹۔

لیے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ”نکاح“ کے لفظ سے تعبیر کیا (۱)۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اس سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کیا تھا اور نکاح کی اجازت مانگی تھی، مستدرک حاکم میں حضرت سدید بن غفلہ مخضرمی کی روایت ہے، فرماتے ہیں:

”خطب علي ابنة أبي جهل إلى عمها الحارث بن هشام، فاستشار النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: أعن حسبها تسألني؟ قال علي: قد أعلم ما حسبها، ولكن أتأمرني بها؟ فقال: لا، فاطمة مضغة مني، ولا أحسب إلا وأنها تحزن وتجزع، فقال علي: لا آتي شيئاً تكرهه“ (۲)۔

یعنی: ”حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو جہل کی بیٹی سے نکاح کے لیے اس کے چچا حارث بن ہشام کو پیغام بھیجا اور اس معاملے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشورہ کیا، آپ علیہ السلام نے فرمایا، کیا تم مجھ سے اس خاتون کا حسب نسب دریافت کرنا چاہتے ہو؟ تو حضرت علی نے کہا کہ اس کا حسب نسب مجھے بہ خوبی معلوم ہے، لیکن کیا آپ مجھے اس سے نکاح کا مشورہ دیں گے؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا، نہیں! فاطمہ میرا ہی حصہ ہے اور میرا خیال یہ ہے کہ تمہارے نکاح سے وہ غم زدہ اور پریشان ہوگی۔ تو حضرت علی نے کہا کہ میں ایسا کوئی کام نہیں کروں گا جو آپ کو ناپسند ہو۔“

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ غالباً حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ دینے کے بعد اجازت طلب کی تھی اور خود دوران خطبہ موجود نہیں تھے، اس لیے مشورہ بھی کیا، لیکن جب آپ علیہ السلام نے منع فرمادیا تو حضرت علی اس معاملے سے پیچھے ہٹ گئے، چنانچہ ایک حدیث، جو ”شعیب عن الزہری“ کے طریق سے مروی ہے، میں یہ الفاظ آتے ہیں: ”فترك علي الخطبة“ (۳) اور ابوداؤد

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) المستدرک للحاکم: ۱۷۳/۳، کتاب معرفة الصحابة، ذکر مناقب فاطمة بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، رقم (۴۷۴۹)۔

(۳) صحيح البخاري، کتاب فضائل الصحابة، باب ذکر أصحاب النبي صلی اللہ علیہ وسلم، رقم (۳۷۲۹)۔

شریف (۱) کی روایت، جو ”معمّر عن الزهري عن عروة“ سے ہے، میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں:
 ”فسکت علي عن ذلك النكاح“ (۲). واللہ اعلم بالصواب۔

فسمعت رسول اللہ ﷺ يخطب الناس في ذلك على منبره هذا

تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا کہ وہ لوگوں سے اس معاملے میں خطاب کر رہے تھے اپنے اس منبر پر۔
 مطلب یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا کہ حضرت علی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہما کی
 سوکن لانا چاہتے اور ابو جہل کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں تو آپ علیہ السلام نے اپنے منبر سے آگے آنے والا
 خطبہ ارشاد فرمایا، تاکہ لوگ بھی اصل واقعہ کو جان لیں اور انہیں بھی علم ہو جائے کہ نبی کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی
 کا اجتماع نہیں ہو سکتا (۳)۔

وأنا يومئذ محتلم

اور میں ان دنوں بالغ تھا۔

اس جملے سے حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کا مقصود یہ ہے کہ آگے میں جو نبی علیہ السلام کے الفاظ
 نقل کروں گا، وہ خلاف واقعہ نہیں ہیں، بلکہ مجھے خوب یاد ہے کہ میں اس وقت بالغ تھا اور واقعات کو پرکھنے کی
 صلاحیت رکھتا تھا (۴)۔

حضرت مسور کی عمر اس وقت کیا تھی؟

اس کے بعد یہ سمجھئے کہ ابن سید الناس نے حدیث باب کے ان الفاظ ”وأنا يومئذ محتلم“ کو خلاف
 حقیقت اور غلط کہا ہے اور فرمایا ہے کہ درست لفظ ”کالمحتلم“ ہے کہ بالغوں کی طرح تھا۔ یہ اسماعیلی کی روایت
 ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت مسور رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام کی حیات مبارکہ میں بالغ نہیں ہوئے تھے، کیوں

(۱) سنن أبي داود، کتاب النکاح، باب ما یکره أن یجمع بینہن من النساء، رقم (۲۰۷۰)۔

(۲) فتح الباری: ۳۲۸/۹، نیز دیکھیے، شرح مشکل الآثار للإمام الطحاوی: ۵۱۱/۱۲-۵۱۹، باب بیان

مشکل ما روي عن رسول اللہ ﷺ من قوله: ”إن بني هشام بن المغيرة.....“، الباب: (۷۸۸)۔

(۳) فتح الباری: ۸۶/۷۔

(۴) فتح الباری: ۳۲۷/۹۔

کہ یہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے بعد پیدا ہوئے تھے، اس لیے حضرت مسور رضی اللہ عنہ کی عمر نبی علیہ السلام کی وفات کے وقت آٹھ سال ہی ہوگی (۱)۔

لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ابن سید الناس رحمۃ اللہ علیہ کی اس رائے سے اختلاف کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ابن سید الناس کی طرف سے حدیث باب کے الفاظ کی تغلیط درست نہیں، کیونکہ صحیح قول کے مطابق حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی ولادت ہجرت کے پہلے سال ہوئی تھی، اس لیے ان کی عمر وفات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت نو سال ہوگی، لہذا یہ بات بالکل ممکن ہے کہ وہ بلوغت کی جواقل مدت ہے، یعنی نو سال، اس میں بالغ ہو گئے ہوں، یا حضرت مسور رضی اللہ عنہ کے قول ”محتلم“ کو مبالغہ پر محمول کیا جائے گا، مراد اس سے تشبیہ ہوگی، اس طرح دونوں روایتیں یعنی ”محتلم“ اور ”کالمحتلم“ معنی موافق ہو جائیں گی، ایک کو درست اور ایک کو غلط قرار دینے کی ضرورت نہیں رہے گی۔

اس ساری تفصیل کی حاجت اس لیے محسوس ہوئی اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ آٹھ سالہ بچے کو کہیں بھی محتلم کہا جاتا ہے نہ کالمحتلم، الا یہ کہ تشبیہ مراد لی جائے اور یہ کہا جائے کہ فہم وحفظ اور اخذ کے معاملے میں حضرت مسور رضی اللہ عنہ بالغ کی طرح تھے (۲)۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فقال: إن فاطمة مني، وأنا أتخوف أن تفتن في دينها

سو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، فاطمہ مجھ سے ہے اور مجھے یہ اندیشہ ہے کہ اس معاملے کی وجہ سے فاطمہ کا دین متاثر ہوگا۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا طبعی غیرت کی وجہ سے صبر نہ کر سکیں گی اور اس سے ان کی ذاتی اور خانگی زندگی متاثر ہوگی (۳)۔

ثم ذكر صهراله من بني عبد شمس، فأثنى عليه في مصاهرته إياه، قال:

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) عمدة القاري: ۳۴/۱۵۔

حدثني فصدقني ووعدني فوفى لي

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی عبد شمس سے تعلق رکھنے والے اپنے ایک داماد (ابو العاص بن الربیع) کا تذکرہ کیا، چنانچہ ان کی اپنے ساتھ دامادی کے تعلق ورشتے کی تعریف کی، فرمایا انہوں نے مجھ سے بات کی اور اسے سچ کر دکھلایا، مجھ سے وعدہ کیا اور اس کو پورا کیا۔

حضرت ابو العاص بن الربیع رضی اللہ عنہ

یہ حضرت ابو العاص بن الربیع بن عبد العزی بن عبد مناف بن قصی بن کلاب قرشی عبشمی رضی اللہ عنہ ہیں (۱)۔

ان کی والدہ کا نام ہالہ بنت خویلد ہے، جو ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں، اس طرح ابو العاص حضرت خدیجہ کے حقیقی بھانجے ہوئے (۲)۔

ان کا نام کیا تھا، اس میں علمائے سیر کا اختلاف ہے، بعض نے لقیط، بعض نے زبیر، بعض نے ہشیم، بعض نے مہشم اور بعض نے یاسر بتلایا ہے۔

بقول ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ لقیط کو اکثر حضرات نے اختیار کیا ہے (۳)۔

ان کا لقب جرو البطحاء تھا، نیز امین سے بھی پکارے جاتے تھے (۴)۔

غزوہ حدیبیہ سے پانچ مہینے قبل انہوں نے اسلام قبول کیا (۵)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا ان کے عقد میں تھیں، بدر کے موقع پر مشرکین مکہ کے جو افراد قید ہوئے تھے، ان میں حضرت ابو العاص بن الربیع رضی اللہ عنہ بھی

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۳۳۰/۱، والإصابة: ۱۲۱/۴، والاستيعاب: ۴۳۰/۲، باب العين من الكنى.

(۲) سیر أعلام النبلاء: ۳۳۱/۱، والإصابة: ۱۲۱/۴، والاستيعاب: ۴۳۰/۲، والمستدرک للحاکم: ۶۳۸/۳،

کتاب معرفة الصحابة، ذکر أبي العاص..... رقم (۶۶۹۳).

(۳) الاستيعاب: ۴۳۰/۲.

(۴) حوالہ بالا، والإصابة: ۱۲۱/۴، وسیر أعلام النبلاء: ۳۳۱/۱.

(۵) سیر أعلام النبلاء: ۳۳۱/۱.

تھے، مسلمانوں نے جب ان افراد کے بدلے میں فدیہ وصول کرنے کا فیصلہ کیا تو قیدیوں کے متعلقین اور ورثاء نے مکہ سے فدیہ کی رقم بھجوائی، حضرت زینب رضی اللہ عنہا، جو اس وقت مکہ میں تھیں، نے بھی اپنے شریک حیات کی آزادی کے لیے فدیہ بھجوایا، جو چیز انہوں نے بھیجی اسے دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دل نرم ہو گیا، وہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا ہارتھا (۱)، جو ان دونوں کی شادی کے وقت حضرت خدیجہ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو پہنایا تھا، ہار دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا کہ اگر تم لوگ مناسب سمجھو تو زینب کا قیدی چھوڑ دو کہ وہ ان کے پاس لوٹ جائیں۔ صحابہ نے سر تسلیم خم کیا اور انہیں آزاد کر دیا۔

مکہ مکرمہ روانگی سے قبل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے وعدہ لیا کہ وہ واپس جا کر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ کر دیں گے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ بات پوشیدہ و خفیہ رکھنے کا بھی کہا۔

دوسری طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن حارثہ، جو آپ کے منہ بولے بیٹے تھے، ایک اور انصاری کو بلایا اور ان سے فرمایا کہ تم دونوں بطن یا حج (۲) کو روانہ ہو جاؤ اور وہاں جا کر ٹھہرو، یہاں تک کہ زینب (رضی اللہ عنہم) تمہارے پاس آجائیں اور تم دونوں ان کے شریک سفر ہو گے اور انہیں اپنے ساتھ لیتے آؤ۔ یہ بدر کے کچھ مہینوں بعد کا واقعہ ہے۔

حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ رہا ہو کر جب مکہ مکرمہ پہنچے تو انہوں نے حضرت زینب سے کہا کہ اپنے والد مکرم کے پاس جانے کی تیاری کرو۔ چنانچہ انہوں نے تیاری مکمل کی اور ان کے دیور کنانہ، جو ان کے خالہ زاد بھی تھے، ایک اونٹ لے کر آئے، جس پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا سوار ہوئیں اور کنانہ بھی تیرکمان ساتھ لیے ان کو لے کر دن ہی میں روانہ ہو گئے، اس پر اہل مکہ بڑے برا فروختہ ہوئے اور وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۳۳۲/۱، والمستدرک: ۲۳۶/۳، کتاب معرفة الصحابة، ذکر مناقب أبي العاص،، رقم (۵۰۳۸)، والسيرة النبوية لابن هشام: ۶۵۳/۲، ومسند أحمد، مسند عائشة، رقم (۲۶۸۹۴)، وأبوداود، کتاب الجهاد، باب في فداء الأسير بالمال، رقم (۲۶۹۲)، من رواية عائشة رضي الله عنها، والإصابة: ۱۲۱/۴.

(۲) قوله: "يأجج": هو بفتح الياء، وبعدها همزة، وجيم مكسورة: موضع على ثمانية أميال من مكة. انظر تعليقات سیر أعلام النبلاء: ۳۳۳/۱، ومعجم البلدان: ۴۲۴/۵، باب الياء والألف وما يليهما.

تلاش میں نکلے، چنانچہ کنانہ نے ایک مقام ”ذوطوی“ میں اونٹ ٹھہرایا اور اپنے ترکش پھیلا دیے، ادھر ایک مشرک ہبار بن الاسود نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو نیزہ دکھا کر ڈرایا، یہ معاملہ دیکھ کر کنانہ نے کہا کہ جو بھی قریب آیا میں اس کے جسم میں تیرا تار دوں گا۔

پیچھا کرنے والوں میں ابوسفیان بھی تھے، وہ کنانہ سے کہنے لگے، اے آدمی! یہ تیرہم سے دور رکھو، ہم تم سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں تو کنانہ رک گئے اور ابوسفیان کی بات سننے لگے، جو کہہ رہے تھے کہ تم نے یہ اچھا نہیں کیا کہ علی رؤس الاشہاد تم اس خاتون کو لے کر نکل پڑے، جب کہ حال ہی میں بدر میں جس ذلت و رسوائی کا سامنا ہم نے کیا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف سے جو تکلیف ہمیں پہنچی اس کا تمہیں بخوبی علم ہے، یہ جو تم دن دھاڑے اس خاتون کو لیے جا رہے ہو، لوگ یہی سمجھیں گے کہ یہ بھی بدر والی ذلت کا ایک حصہ ہے۔ بخدا! انہیں یہاں روکے رکھنے کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں، اس لیے زینب کو لے کر اب تو واپس چلے جاؤ، حالات جب پرسکون ہو جائیں گے اور لوگوں میں یہ بات عام ہو جائے گی کہ ہم انہیں واپس لے آئے ہیں تو چپکے سے انہیں لے کر نکل جانا اور ان کے والد کے حوالے کر آنا۔

سو کنانہ نے ابوسفیان کی بات پر عمل کیا اور حضرت زینب کو لے کر وہ کچھ راتوں کے بعد دوبارہ نکلے اور انہیں حضرت زید بن حارثہ اور ان کے ساتھی کے حوالے کر دیا، یہ دونوں حضرت زینب (رضی اللہ عنہم) کو ساتھ لیے مدینہ منورہ آئے۔

فتح مکہ سے کچھ عرصے قبل کی بات ہے کہ حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے تجارت کی غرض سے شام کا قصد کیا، ان کے ساتھ قریش کا بھی بہت سا مال تھا، واپسی میں مسلمانوں کے ایک لشکر سے ان کی ٹڈ بھڑ ہو گئی، مسلمانوں نے ان کا سارا مال لے لیا، لیکن ان کو نہ پکڑ سکے، وہ وہاں سے بھاگے، رات کو مدینہ منورہ آئے اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچ کر پناہ کے طالب ہوئے، حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے انہیں پناہ دے دی اور رات انہوں نے وہیں گزاری۔

صبح کو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نماز سے فارغ ہوئے تو عورتوں کے مجمع میں سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے باواز بلند فرمایا: ”ایہا الناس! قد أجزت أبا العاص بن الربیع“ کہ ”لوگو! ابوالعاص بن الربیع میری پناہ میں ہیں۔“

دوسری جانب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لشکر کو، جس نے ابوالعاص رضی اللہ عنہ کا مال لیا تھا، پیغام بھجوایا کہ:

”إن هذا الرجل منا حيث قد علمتم، وقد أصبتم له مالا، فإن تحسنوا

وتردوه، فإننا نحب ذلك، وإن أبيتم، فهو في، الله، فأنتم أحق به“.

یعنی: ”جیسا کہ تم جانتے بھی ہو کہ یہ ہمارے خاندان کا فرد ہے اور تم لوگوں نے

ان کا مال لے لیا ہے، سو اگر تم ان کے ساتھ حسن سلوک کرو اور ان کا مال واپس کر دو تو یہ

ہمیں پسند ہے اور اگر تم انکار کرو تو یہ غنیمت ہے، جس کے تم زیادہ حق دار ہو۔“

اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا، وہ مال ہم انہیں واپس کر دیں گے، چنانچہ حسب وعدہ انہوں نے ان

سے لیا گیا سارا مال لوٹا دیا۔

حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ اپنا سارا مال تجارت لیے مکہ مکرمہ کو روانہ ہو گئے، وہاں پہنچ کر جس کا جتنا

مال تھا، وہ اس کے حوالے کیا، پھر فرمایا، اے اہل مکہ! کیا تم میں سے کسی کا کوئی حق میرے ذمے ہے؟ انہوں نے

جواباً کہا، نہیں! اللہ تمہیں جزائے خیر دے۔ اس پر حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”أشهد أن لا إله إلا الله وأن محمدا عبده ورسوله“ بخدا! میں مدینہ منورہ میں نبی اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی اسلام قبول کرنے سے اس لیے رُکا رہا کہ مبادا تم یہ نہ سمجھو کہ میں تمہارا مال ہڑپ کرنا

چاہتا ہوں۔ اب جب کہ میں تمہارا سارا مال لوٹا چکا ہوں، مجھ پر کسی کا کوئی حق نہیں رہا، اس لیے میں قبول اسلام کا

اعلان کرتا ہوں۔

بعد ازیں یہ مدینہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے اور آپ علیہ السلام نے حضرت

ابوالعاص وزینب رضی اللہ عنہما کے نکاح کو برقرار رکھا، اس طرح تقریباً چھ سال کی فرقت و جدائی ان دونوں کے

درمیان رہی (۱)۔

(۱) للاستزادة انظر: سير الذهبي: ۱/۳۳۲-۳۳۴، والإصابة: ۴/۱۲۲، والمعجم الكبير: ۲۲/۴۲۶-۴۳۱،

ما أسندت أم سلمة رضي الله عنها، رقم (۱۰۵۰)، والسيرة النبوية لابن هشام: ۲/۶۵۱-۶۵۹، أسر أبي

العاص بن الربيع رضي الله عنه.....

حدیث باب کے الفاظ ”حدثني فصدقني، ووعدني، فوفى لي“ میں اسی مذکورہ بالا واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ نے باوصف اپنی اس شدید محبت کے، جو ان کو حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے ساتھ تھی، انہیں واپس اپنے والد کی طرف روانہ کیا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا اپنا وعدہ نبھایا، اس میں نبی علیہ السلام نے ان کے اس فعل کی تعریف و توصیف کی ہے (۱)۔

حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی اولاد کے ضمن میں تاریخ صرف ایک صاحب زادی کا ذکر کرتی ہے (۲)، امامہ بنت ابوالعاص، جن کی والدہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں۔

یہ وہی امامہ ہیں جنہیں اٹھائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کرتے تھے، جس سے ان کی آپس کی محبت کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے، صحیح بخاری وغیرہ کی روایت ہے، جو حضرت ابوقنادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:

”أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلي وهو حامل بنت

زينب بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم، ولأبي العاص بن الربيع، فإذا قام

حملها، وإذا سجد وضعها؟.....“ (۳)۔ (اللفظ للبخاري)۔

کہ ”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہا کو اٹھائے نماز پڑھا

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۱/۳۳۱۔

(۲) یہ مشہور قول کے مطابق ہے۔ تاہم حاکم نے مستدرک (۳/۲۳۶) میں اور حافظ نے فتح الباری (۷/۸۵) اور عینی نے عمدہ القاری (۱۶/۲۳۰) میں ایک صاحب زادے کا بھی ذکر کیا ہے، جن کا نام علی تھا، یہ صغریٰ میں ہی انتقال کر گئے تھے، غائباً اسی لیے ان کا ذکر غموماً نہیں کیا جاتا، جب کہ حضرت امامہ رضی اللہ عنہا کافی عرصہ زندہ رہیں، یہ اولاد حضرت علی بن ابی طالب کے نکاح میں تھیں، ان کی وفات کے بعد حضرت مغیرہ بن نوفل کے نکاح میں آئیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد میں ان کا انتقال ہوا۔ رضی اللہ عنہما الجمع۔ (دیکھیے سیر أعلام النبلاء: ۱/۳۳۵، والإصابة: ۴/۱۲۳)۔

(۳) الحدیث أخرجه البخاري، أبواب ستره المصلي، باب إذا حمل جارية صغيرة على عنقه في الصلاة، رقم (۵۱۶)، وكتاب الأدب، باب رحمة الولد وتقيله، رقم (۵۹۹۶)، ومسلم، كتاب المساجد، باب جواز حمل الصبيان، رقم (۱۲۱۲-۱۲۱۵)، وأبوداود، كتاب الصلاة، باب العمل في الصلاة، رقم (۹۱۷-۹۲۰)، والنسائي، كتاب المساجد، باب إدخال الصبيان المساجد، رقم (۷۱۲)، وكتاب السهو، باب حمل الصبيان في الصلاة، ووضعين في الصلاة، رقم (۱۲۰۵-۱۲۰۶)۔

کرتے، قیام کی حالت میں اٹھا لیتے اور سجدے کے وقت زمین پر رکھ دیتے“ (۱)۔

حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ سے کتب ستہ میں کوئی حدیث منقول نہیں ہے (۲)۔

ان کا انتقال عہد صدیقی میں، ۱۲ ہجری، ماہ ذوالحجہ میں ہوا (۳) رضی اللہ عنہ وأرضاه۔

وإني لست أحرم حلالاً، ولا أحل حراماً، ولكن والله، لا تجتمع بنت رسول

الله صلى الله عليه وسلم وبنت عدو الله أبداً

اور میں کسی حلال چیز کو حرام اور حرام کو حلال قرار نہیں دیتا، لیکن بخدا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی

اور اللہ کے دشمن کی بیٹی کبھی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں۔

حدیث باب کے الفاظ تو آپ نے ملاحظہ کیے، جب کہ کتاب النکاح میں یہ الفاظ آتے ہیں:

”فلا آذن، ثم لا آذن، ثم لا آذن، إلا أن يريد ابن أبي طالب أن يطلق

ابنتي، وينكح ابنتهم“ (۴)۔

کہ ”میں اجازت نہیں دیتا، پھر نہیں دیتا، پھر نہیں دیتا، البتہ ایک صورت ہے، وہ

یہ کہ علی ہماری صاحب زادی کو طلاق دے دیں اور ان کی لڑکی سے نکاح کر لیں۔“

اس روایت میں نبی اکرم ﷺ نے تین مرتبہ جو ”لا آذن“ فرمایا، وہ بطور تاکید تھا، نیز اس میں اس امر کی طرف

اشارہ ہے کہ یہ ممانعت ہمیشہ کے لیے تھی، مبادا کوئی یہ سمجھ لے کہ یہ ممانعت عارضی ہے، کچھ دنوں کے لیے ہے، اس احتمال

کو سرے سے ختم فرمانے کے لیے آپ ﷺ نے اپنی بات میں زور پیدا کیا اور تین مرتبہ مذکورہ بالا کلام ارشاد فرمایا (۵)۔

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۳۳۱/۱۔

(۲) علامہ نابلسی نے ان کی ایک روایت ذکر کی ہے، تاہم اس میں ان سے تسامح ہوا ہے، سنن نسائی کی جس روایت کا نابلسی رحمہ

اللہ نے حوالہ دیا ہے وہ حضرت عثمان بن ابی العاص سے مروی ہے، نہ کہ ابوالعاص بن الربیع سے، دیکھیے ذخائر الموارث:

۹۷/۳، حرف العين، رقم (۷۳۴۷)، و سنن النسائي، كتاب الاستعاذة من الهرم، رقم (۵۴۸۹)، وتحفة

الأشراف: ۲۳۹/۷ (۹۷۶۸)، عثمان بن أبي العاص رضي الله عنه.

(۳) الإصابة: ۱۲۳/۴، و سیر أعلام النبلاء: ۳۳۵/۱، والطبقات الكبرى لابن سعد: ۱۸/۲، ومنهم من

أغرب في تاريخ وفاته (هو العلامة العيني)، وقال: إنه قتل يوم اليمامة.

(۴) صحيح البخاري، كتاب النكاح، باب ذب الرجل عن ابنته في الغيرة والإنصاف، رقم (۵۲۳۰).

(۵) فتح الباري: ۳۲۸/۹.

اور جہاں تک نبی علیہ السلام کے ان الفاظ ”إلا أن يريد ابن أبي طالب أن يطلق“ کا تعلق ہے تو یہ غالباً اس امر پر محمول ہیں کہ کسی نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو چغلی لگائی ہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابو جہل کی بیٹی سے نکاح کا عزم مصمم کر رکھا ہے، اس لیے فرمایا کہ فاطمہ کو طلاق دے کر ہی وہ یہ نکاح کر سکتے ہیں۔ ورنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایسے شخص سے یہ توقع کیونکر کی جاسکتی ہے کہ وہ نبی علیہ السلام کی ممانعت کے باوصف اس نکاح کا ارادہ رکھیں گے؟! (۱)

ممانعت کی وجہ کیا تھی؟

اوپر حدیث میں نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ نبی کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی ایک شخص کے عقد میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس ممانعت کی وجہ کیا تھی؟

ابن التین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کا صحیح ترین محمل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی اور ابو جہل کی بیٹی کے اجتماع کو حرام قرار دیا ہے، کیوں کہ آپ علیہ السلام نے خود اس کی علت بھی بیان فرمادی کہ اس سے مجھے اذیت اور تکلیف ہوگی، جب کہ یہ بات واضح ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی کے درپے ہونا بالاتفاق حرام ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول مبارک ”لا أحرم حلالاً“ کے معنی یہ ہیں کہ ابو جہل کی بیٹی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے حلال ہے، وہ اس سے نکاح کر سکتے ہیں، لیکن فاطمہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں نہیں، کیونکہ ان دونوں خواتین کے درمیان جمع حضرت فاطمہ کی تکلیف کے سبب نبی علیہ السلام کی تکلیف کا سبب بنے گا۔ ”ویؤذیني ما أذاها“ (۲)۔

جب کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں شمار کیا ہے کہ کسی کے پاس آپ کی صاحب زادی کے ہوتے ہوئے وہ کسی دوسری خاتون سے نکاح نہیں کر سکتا۔

نیز یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خصوصیت ہو، حافظ فرماتے ہیں:

”والذي يظهر لي أنه لا يبعد أن يعد في خصائص النبي صلى الله

عليه وسلم أن لا يتزوج على بناته، ويحتمل أن يكون ذلك خاصا

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) حوالہ بالا، وعمدة القاري: ۳۴/۱۵، وشرح الكرماني: ۸۸/۱۳۔

بفاطمة.....“ (۱)۔

ایک سوال اور اس کا جواب

البتہ یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اور داماد حضرت عثمان بن عفان ذوالنورین رضی اللہ عنہ بھی تھے، لیکن اپنی تقریر میں آپ علیہ السلام نے حضرت ابوالعاص بن الربیع کا ذکر کیا، ان کی تعریف و توصیف فرمائی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سمجھانے کے لیے انہیں کا حوالہ دیا اور حضرت عثمان کا تذکرہ نہیں کیا، اس کی کیا وجہ تھی؟

شرح نے اس کے مختلف جوابات ارشاد فرمائے ہیں:

۱- غالباً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوالعاص بن الربیع اور حضرت علی دونوں کے ساتھ یہ شرط ٹھہرائی تھی کہ وہ حضرت زینب و فاطمہ رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں کریں گے، اول الذکر نے تو شرط کے موافق ایسا کوئی قدم نہیں اٹھایا، جب کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ اقدام کیا، اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوالعاص رضی اللہ عنہ کی تو تعریف و توصیف فرمائی اور حضرت علی کو تنبیہ (۲)۔

۲- یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مذکورہ شرط بھول گئے ہوں، اس لیے یہ قدم اٹھایا ہو۔

۳- یا ایسی کوئی شرط تو نہیں تھی کہ اس کی تصریح کہیں نہیں ہے، لیکن اس کے باوصف مناسب یہی تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ اس امر کی رعایت رکھتے اور ایسا کوئی قدم نہ اٹھاتے جس سے حضرت فاطمہ اور نبی علیہ السلام کو تکلیف ہو، اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر عتاب بھی ہوا، جب کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہت کم ہی کسی پر عتاب فرمایا کرتے تھے (۳)۔ واللہ اعلم بالصواب

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تخصیص ہی کیوں؟

لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس معاملے میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تخصیص ہی کیوں کی گئی کہ ان کی موجودگی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دوسرے نکاح سے منع کر دیا گیا؟

(۱) فتح الباری: ۳۲۹/۹، وتحفة الباری: ۵۴۰/۳، وإرشاد الساری: ۲۰۱/۵۔

(۲) فتح الباری: ۸۶/۷، وعمدة القاری: ۲۳۱/۱۶۔

(۳) فتح الباری: ۸۶/۷۔

اس کا جواب بھی حدیث باب میں موجود ہے، یعنی ”وَأَنَا اتخوف أَنْ تَفْتَنَ فِي دِينِهَا“، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضرت فاطمہ اپنی والدہ ماجدہ حضرت خدیجہ اور دیگر تینوں اخوات شقیقات زینب و رقیہ و ام کلثوم رضی اللہ عنہن کے انتقال کر جانے کے بعد تنہا ہو گئی تھیں، ایسی کوئی ہستی ان کے لیے موجود نہیں تھی، جو انہیں تسلی دیتی، جس کے پاس جا کر یہ اپنا غم ہلکا کرتیں، کیونکہ یہ واضح بات ہے کہ سوکن کا وجود کوئی بھی خاتون برداشت نہیں کر سکتی، اس لیے اگر کوئی ایسی ویسی بات ہو جاتی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے غیرت کی بنا پر کوئی ایسا فعل سرزد ہو جاتا جو حضرت علی کی ناراضگی کا سبب بنتا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ذاتی و گھریلو زندگی اور دینی امور بھی متاثر ہوتے، جب کہ کسی بھی خاتون کے لیے سب سے بڑی چیز اس کے خاوند کی رضا مندی ہی ہوتی ہے، اس معاملے کی طرف چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر تھی، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس نکاح سے روکا اور وہ بھی اطاعت نبوی میں رک گئے (۱)۔ واللہ اعلم بالصواب

ایک اشکال اور اس کے جوابات

یہاں ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خاطر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دوسری شادی سے منع کیا کہ وہ غیرت میں آکر کچھ بھی کر سکتی ہیں، لیکن اس اصول کو اپنے حوالے سے پیش نظر نہیں رکھا اور بہت سے نکاح کیے، وہ بھی بیک وقت، کہ ایک ہی وقت میں کئی امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن آپ علیہ السلام کے حرم میں موجود تھیں اور ان کے درمیان نوک جھونک کے واقعات بھی ہوتے رہتے تھے (۲)، لیکن اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان امہات المؤمنین کے حق میں اس امر کی رعایت نہیں رکھی، جس کی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے معاملے میں رکھی؟!؟

اس اشکال کے دو جوابات ہیں:

۱- جیسا کہ ابھی اوپر گزرا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حالت اس وقت یہ تھی کہ وہ ایسی کسی بھی ہستی سے محروم تھیں، جن کے سامنے وہ اپنا غم رکھتیں، ماں اور دیگر بہنیں انتقال کر چکی تھیں، اپنی ذات سے وحشت دور کرنے کا کوئی طریقہ نہیں تھا، برخلاف امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن کے، چنانچہ ان میں سے تقریباً ہر ایک کی

(۱) فتح الباری: ۳۲۹/۹، و: ۸۶/۷.

(۲) مثلاً سورہ تحریم میں بیان کردہ واقعہ غسل، تفصیل کے لیے دیکھیے، کشف الباری، کتاب التفسیر: ۶۸۴.

والدہ یا بہنیں موجود تھیں، جن کے سامنے کوئی واقعہ پیش آنے پر وہ اپنا غم ہلکا کر سکتی تھیں۔

۲- اس کے علاوہ ان کے شوہر و خاوند نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے، آپ ان کے ساتھ جس نرمی، تطہیب قلوب وغیرہ کا معاملہ رکھتے تھے وہ اور کسی کے بس کی بات نہیں، اسی لیے تمام ازواج مطہرات ان سے ہر حال میں راضی رہتی تھیں، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس حسن خلق اور ظاہری و باطنی خوب صورتی کا شاہ کار تھے، اس کی وجہ سے اگر کوئی واقعہ پیش آ بھی جاتا وہ آپ کی قربت کی وجہ سے زائل ہو جاتا تھا (۱)۔

اس پر سب سے واضح دلیل سورۃ احزاب میں بیان کردہ واقعہ ہے، جب آیات تحنیر (۲) نازل ہوئیں اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو اختیار دیا گیا کہ یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کریں یا دنیا کی لذتوں کو تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کیا (۳)۔

دیکھیے! یہاں اختیار دیے جانے کے باوصف ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی و فراق کو منتخب نہیں کر رہی ہیں، ظاہر ہے کہ وہ ان کے ساتھ ہر حال میں راضی تھیں، جب کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے معاملے میں وہ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شکایت نبی علیہ السلام سے کر رہی ہیں۔ اسی لیے آپ نے منع فرمایا۔ واللہ اعلم بالصواب

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت واضح کرنے کے لیے تین مناسبتیں ذکر فرمائی ہیں:

۱- غالباً امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ترجمۃ الباب کے تحت اس حکایت و مکالمے کو اس لیے ذکر کر رہے ہیں

(۱) فتح الباری: ۳۲۹/۹۔

(۲) آیات تحنیر سے مراد یہ آیات ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لَأُزَاجُكُمُ إِن كُنْتُمْ تُحِبُّونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۖ وَزَيَّنَّا لَكُمُ الْغُلَامَ الْأُمَمَ ۚ إِنَّكُمْ يُرِيدُونَ كَيْدًا ۚ إِنَّ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ ۖ فَإِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُمُ أَجْرًا عَظِيمًا ۝﴾

[الأحزاب: ۲۸-۲۹]

(۳) تفصیلی واقعہ کے لیے دیکھیے، کشف الباری، کتاب النکاح، باب موعظة الرجل ابنته.....: ۳۲۸-۳۳۸،

کتاب التفسیر: ۵۱۸-۵۱۹۔

کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر اس امر سے اجتناب و احتراز فرمایا کرتے تھے، جس کی وجہ سے رشتہ داروں کے درمیان کوئی رنجش و کدورت پیدا ہو۔ یہاں بھی حضرت مسور رضی اللہ عنہ، حضرت علی بن حسین سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ بھی اس سے احتراز و اجتناب کریں اور یہ تلوار مجھے عنایت فرمائیں، تاکہ اس تلوار کی وجہ سے آپ کے اور آپ کے دیگر رشتہ داروں کے درمیان کوئی رنجش پیدا نہ ہو (۱)۔

۲- یا یہ مناسبت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح اپنے بخشی بھائیوں کی رعایت رکھتے تھے، اسی طرح آپ بھی اپنے نوفلی بھائیوں کی رعایت رکھیں اور یہ تلوار مجھے عنایت فرمائیں، کیوں کہ حضرت مسور رضی اللہ عنہ نوفلی ہیں (۲)۔

لیکن علامہ کرمانی کی یہ آخری بات درست نہیں کہ وہ نوفلی ہیں، بلکہ وہ زہری ہیں (۳)۔

۳- یا یہ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی دلجوئی کا خیال رکھتے تھے، اس کا اہتمام فرماتے تھے، اسی طرح میں بھی آپ کی دلجوئی کرنا چاہتا ہوں، کیونکہ آپ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے ہیں، اس لیے آپ یہ تلوار مجھے دیجیے، کہ میں اس کی حفاظت کروں (۴)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی علامہ کرمانی کے حوالے سے ان تینوں مناسبات کو ذکر کیا ہے اور آخری مناسبت کو معتمد قرار دیا ہے، فرماتے ہیں:

”وهذا الأخير هو المعتمد، وما قبله ظاهر التكلف“ (۵)۔

اور حافظ علیہ الرحمۃ نے خود بھی ترجمۃ الباب کے ساتھ اس حدیث کی مناسبت واضح کرنے کے لیے اسی تیسری مناسبت سے ملتا جلتا کلام ذکر کیا ہے، لکھتے ہیں:

”والغرض منه ما دار بين المسور بن مخرمة وعلي بن الحسين في

(۱) شرح الکرماني: ۸۸/۱۳۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) فتح الباري: ۲۱۴/۶۔

(۴) شرح الکرماني: ۸۸-۸۹/۱۳۔

(۵) فتح الباري: ۲۱۴/۶۔

أمر سيف النبي صلى الله عليه وسلم، وأراد المسور بذلك صيانة سيف النبي صلى الله عليه وسلم؛ لئلا يأخذه من لا يعرف قدره“ (۱)۔

لیکن یہاں دل کو لگتی بات وہی ہے، جو علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس مختصر سے جملے میں کہی ہے: ”مطابقته لجزء الترجمة الذي هو قوله: وسيفه“ (۲) کہ ترجمۃ الباب کے ساتھ اس حدیث کی مناسبت ترجمہ کے جزء ”وسیفہ“ کے ساتھ ہے، اس حدیث میں بھی سيف النبي صلى الله عليه وسلم کا ذکر ہے، جس میں وراثت جاری نہیں ہوئی تھی اور یہی قدر ترجمۃ الباب کے اثبات کے لیے کافی ہے۔

حدیث سے مستنبط فوائد

حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں مختلف و متنوع فوائد و نکات ہیں، جن کی طرف شرح حدیث نے نشان دہی کی ہے، ان میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں:

۱- اس حدیث سے ایک بات یہ مستفاد ہوئی کہ جس طرح نبی علیہ السلام کو تکلیف و اذیت دینا حرام ہے، خواہ وہ اذیت قلیل ہو یا کثیر، اسی طرح ان لوگوں کی اذیت کے درپے ہونا بھی حرام ہے کہ جن کی تکلیف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی تکلیف ہو، اس حدیث میں آپ نے جزاً فرمایا کہ جس چیز سے فاطمہ کو اذیت و تکلیف ہوگی اس سے مجھے بھی تکلیف و اذیت ہوگی، ”يؤذيني ما آذاها“۔ اب دیکھیے! اس حدیث صحیح کی رو سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ہر وہ شخص جس سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حق میں کوئی چیز صادر ہو اور اس سے ان کو تکلیف ہو تو اس سے نبی علیہ السلام کو بھی تکلیف ہوگی، پھر یہ سمجھیے کہ اس سے بڑی اور کیا اذیت و تکلیف دہی ہوگی کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے کو قتل کر دیا جائے، اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس فعل سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے والد مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر تکلیف ہوئی ہوگی؟ اس کا نتیجہ بھی قاتلین حسین کو خوب ملا، دنیا میں تو وہ ذلیل ہوئے ہی، ولعذاب الآخرة أشد (و أبقى) (۳)۔

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) عمدة القاري: ۳۳/۱۵۔

(۳) فتح الباري: ۳۲۹/۹۔

۲- فقہ کی ایک اصطلاح ہے، ”سد ذریعہ“، جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی فعل کے جائز و مباح ہوتے ہوئے بھی اس سے اس لیے روک دیا جائے کہ اس سے مستقبل میں کسی بڑے ضرر کا اندیشہ ہے۔ یہ حدیث ان لوگوں کی حجت ہے جو سد ذریعہ کے قائل ہیں۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک سے چار تک نکاح کرنا مرد کے لیے حلال و جائز ہے، اس سے زائد نہیں، اس کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دوسرے نکاح سے منع کیا، کیونکہ اس کی وجہ سے مستقبل میں ضرر مرتب ہو رہا تھا، حافظ لکھتے ہیں:

”وفیه حجة لمن یقول بسد الذریعة؛ لأن تزویج ما زاد علی الواحدة

حلال للرجال ما لم یجاوز الأربع، ومع ذلك فقد منع من ذلك فی الحال؛ لما

یترتب علیہ من الضرر فی المال“ (۱)۔

۳- اس حدیث سے یہ فائدہ بھی مستنبط ہوا کہ آباء و اجداد کی عار و ذلت ان کی پشتوں میں بھی منتقل ہوتی ہے، یا یہ کہیے کہ خون کا اثر بہر حال ہوتا ہے، چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جہل کی بیٹی کو ”بنت عدو اللہ“ فرمایا ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جو ممانعت فرمائی تھی، اس میں اس وصف کی بھی کوئی نہ کوئی تاثیر ضرور تھی، اگرچہ فی نفسہ وہ خاتون بہت اچھی مسلمان تھیں، لیکن ”بنت عدو اللہ“ ہونا ان کے لیے عار بن گیا (۲)۔

شریف مرتضیٰ اور حدیث مسور بن مخرمہ

مشہور شیعہ عالم شریف مرتضیٰ موسوی (۳) نے اپنی کتاب ”غرر“ میں حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ

(۱) حوالہ بالا، وفي السوسوعة: ”ومعنی سد الذریعة: جسم مادة وسائل الفساد دفعا لها، إذا كان الفعل السالم من المفسدة وسيلة إلى مفسدة“ (۲۷۶/۲۴) سد الذرائع.

(۲) حوالہ بالا.

(۳) یہ مشہور شیعہ عالم ابوالقاسم علی بن حسین بن موسیٰ بن محمد بن ابراہیم ہیں، ۳۵۵ھ میں ولادت ہوئی، نسلآ حسینی ہیں، شیعیت اور اعتزال دونوں کے قائل تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کتاب ”نہج البلاغہ“ کے جامع یہی ہیں، جو حقیقتہً ان کی اپنی تالیف ہے، لیکن اسے منسوب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف کر دیا گیا، حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

وهو المتهم بوضع کتاب نهج البلاغة..... ومن طالعه جزم بأنه مکتوب علی أمير المؤمنين رضي

اللہ عنہ؛ ففيه: السب الصراح، والخط علی السیدین: أبي بكر وعمر، رضي الله عنهما، وفيه من التناقض =

عنه کی اس حدیث کو موضوع کہا ہے کہ اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ایک قسم کی تنقیص ہے اور دلیل یہ دی ہے کہ اس حدیث کے راوی حضرت مسور رضی اللہ عنہ ہیں، جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض رکھتے تھے، اسی لیے اپنے بغض کو ظاہر کرتے ہوئے انہوں نے یہ حدیث اور واقعہ اپنی طرف سے گھڑا ہے۔ نیز یہ روایت حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے (۱)۔ جو بغض علی میں مسور رضی اللہ عنہ سے بھی شدید تھے (۲)۔

لیکن ان کا یہ کلام باطل و مردود ہے، کیونکہ اصحاب صحاح اس حدیث کی تخریج پر بالاجماع متفق ہیں، اگر موضوع ہوتی تو یہ حضرات ہرگز اس کو اپنی ان کتابوں میں نقل نہ کرتے جن کی صحت پر امت کا اتفاق ہے (۳)۔

۲۹۴۴ : حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سُوْقَةَ ، عَنْ مُنْذِرٍ ، عَنْ ابْنِ الْحَنْفِيَّةِ (۴) قَالَ : لَوْ كَانَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ذَا كِرًا عُمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ذَكَرَهُ يَوْمَ جَاءَهُ نَاسٌ ، فَشَكَّوْا سَعَاةَ عُمَانَ ، فَقَالَ لِي عَلِيٌّ : أَذْهَبُ إِلَى عُمَانَ فَأَخْبِرُهُ : أَنَّهَا صَدَقَةُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ : فَمَرُّ سَعَاتِكَ يَعْمَلُونَ فِيهَا . فَأَتَيْتُهُ بِهَا : فَقَالَ : أَغْنَيْهَا عَنَّا ، فَأَتَيْتُ بِهَا عَلِيًّا فَأَخْبَرْتُهُ ، فَقَالَ : ضَعَهَا حَيْثُ أَخَذْتَهَا .

تراجم رجال

۱۔ قتیبہ بن سعید

یہ مشہور محدث قتیبہ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، ”باب إفشاء

= والأشیاء الرکیكة والعبارات التي من له معرفة بنفس القرشيين الصحابة وبنفس غیرهم ممن بعدهم من المتأخرين جزم بأن الكتاب أكثره باطل“۔ میزان الاعتدال: ۱۲۴/۲۔

یہ بہت سی دیگر اور کتابوں کے مصنف بھی ہیں، ان کا انتقال ۳۳۶ھ میں ہوا۔

تفصیلی حالات کے لیے دیکھیے، الأعلام للزركلي: ۲۷۸/۴، ومیزان الاعتدال: ۱۲۴/۲، رقم (۵۸۲۷)، ولسان المیزان: ۵۲۹/۵، رقم (۵۳۷۵)، وتاریخ بغداد: ۴۰۲/۱۱۔

(۱) انظر الجامع للترمذی، کتاب المناقب، باب ماجاء فی فضل فاطمة رضي الله عنها، رقم (۳۸۶۹)۔

(۲) غرر القلائد ودرر الفوائد نامی یہ کتاب تلاش بسیار کے باوجود ہمیں مل نہیں سکی۔

(۳) فتح الباری: ۸۶/۷، وعمدة القاری: ۲۳۱/۱۶۔

(۴) قوله: ”عن ابن الحنفية“: الحديث، تفرد بتخريجه البخاري رحمه الله، وهو في هذا الباب فقط۔

السلام.....“ کے تحت آچکا (۱)۔

۲- سفیان

یہ مشہور محدث حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا مختصر تذکرہ ”بدء الوحي“ کی پہلی حدیث کے تحت آچکا ہے (۲)۔

۳- محمد بن سوقہ

یہ ابو بکر محمد بن سوقہ غنوی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۳)۔

۴- منذر

یہ ابو یعلیٰ منذر بن یعلیٰ ثوری کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۵- ابن الحنفیہ

یہ محمد بن علی بن ابی طالب ابن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کا تذکرہ کتاب العلم، ”باب من استحبنا فامر غیرہ.....“ کے تحت گزر چکا ہے (۴)۔

۶- علی

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کتاب العلم، ”باب كتابة العلم“ میں آچکا (۵)۔

۷- عثمان

یہ حضرت عثمان بن عفان ذوالنورین رضی اللہ عنہ ہیں (۶)۔

(۱) کشف الباری: ۱۸۹/۲۔

(۲) کشف الباری: ۲۳۸/۱، مفصل حالات کے لیے دیکھیے: ۱۰۲/۳۔

(۳) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب العیدین، باب ما یکرہ من حمل السلاح فی العید والحرم۔

(۴) کشف الباری: ۶۳۷/۴-۶۴۰۔

(۵) کشف الباری: ۱۴۹/۴۔

(۶) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب الوضوء ثلاثاً ثلاثاً۔

قال: لو كان علي رضي الله عنه ذاكرا عثمان رضي الله عنه ذكره يوم جاءه
ناس فشكوا سعاة عثمان

محمد ابن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کا تذکرہ نامناسب الفاظ میں کبھی کرتے تو اس دن ضرور کرتے جب کچھ لوگ ان کے پاس آئے اور ان کے سامنے حضرت عثمان کی طرف سے مقرر کردہ عاملین زکاۃ کی شکایت رکھی۔

حدیث کا پس منظر

امام ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مصنف میں اس روایت کو محمد بن سوہ سے ایک اور طریق سے بھی نقل کیا ہے، اس میں آیا ہے، منذر بن یعلیٰ فرماتے ہیں:

”کنا عند ابن الحنفیۃ، فنال بعض القوم من عثمان، فقال: مه، فقلنا له:

أكان أبوك يسب عثمان؟ فقال: ما سبه، ولو سبه يوما لسبه يوم جئته.....“ (۱)۔

کہ ”ہم لوگ محمد ابن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھے تھے کہ مجلس میں سے کسی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف کوئی نامناسب بات کہی۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ خاموش ہو جاؤ، تو ہم نے کہا کہ کیا آپ کے وال حضرت علی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کو برا بھلا کہتے تھے؟ محمد ابن الحنفیہ نے کہا میرے والد نے ان کو کبھی برا بھلا نہیں کہا، اگر وہ کبھی کہتے بھی تو اس دن کہتے جب میں ان کے پاس آیا.....۔

اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حدیث باب میں ذکر سے مراد ذکر بالسوء ہے، چنانچہ حدیث کے بعض طرق میں اس کا ذکر موجود ہے، یعنی ”ذاکرا عثمان بسوء.....“ (۱)۔

پھر یہ سمجھو کہ حدیث میں ناس اور سعاة مطلق ہیں، جس سے یہ تعین نہیں ہو سکتی کہ شکایت کرنے والے

(۱) المصنف لابن أبي شيبة: ۳۲۶/۲۱، کتاب الفتن، باب ما ذکر فی عثمان.....، رقم (۳۸۸۶۲)۔

(۲) فتح الباری: ۲۱۴/۶، نیز دیکھیے، عمدۃ القاری: ۳۴/۱۵، وابن بطال: ۲۶۷/۵، والقسطلانی: ۲۰۱/۵،

وکشف المشکل من حدیث الصحیحین: ۱۴۰/۱، مسند أبی الحسن، ومسند الإمام أحمد: ۳۹۵/۱، رقم

(۱۱۹۶) مسند علی.....

کون لوگ تھے، نہ اس امر کو متعین کیا جاسکتا ہے کہ کس عامل کی شکایت کی گئی تھی، اسی لیے حافظ لکھتے ہیں:

”لم أقف على تعيين الشاكي، ولا المشكو“ (۱)۔

اور سعاة جمع ہے ساع کی، عامل زکاۃ کو کہتے ہیں، جو مال داروں سے زکاۃ وصول کر کے امام وقت تک پہنچاتا ہے (۲)۔

فَقَالَ لِي عَلِي: اذهب إلى عثمان، فأخبره أنها صدقة رسول الله ﷺ، فمر ساعاتك يعملون فيها

تو مجھ سے علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس جاؤ، انہیں یہ بتلاؤ کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقات (کی کتاب) ہے، چنانچہ آپ اپنے عاملین کو یہ کہلا بھیجے کہ اس پر عمل کریں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جو چیز بھجوائی تھی، وہ غالباً کوئی کتاب یا صحیفہ تھا، چنانچہ باب کی اگلی روایت میں ”خذ هذا الكتاب“ کے الفاظ بھی ہیں، نیز یہ بھی ہے ”فإن فيه أمر النبي صلى الله عليه وسلم في الصدقة“ اور ابن ابی شیبہ (۳) کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: ”خذ كتاب السعاة، فاذهب به إلى عثمان“ (۴)۔

فأتيته بها، فقال: أغنها عنا

تو وہ صحیفہ لے کر میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا، تو انہوں نے فرمایا کہ اس کو مجھ سے دور رکھو۔

أغنها کی لغوی و صرفی تحقیق

یہ باب افعال سے امر حاضر معروف کا صیغہ ہے، ضمیر مفعول کی ہے، أغنى عن کذا کے معنی پھیرنے کے ہیں، کہا جاتا ہے أغن وجهك عني، أي: اصرفه۔ اسی کے مثل قول باری تعالیٰ ہے: ﴿لِكُلِّ امْرئٍ﴾

(۱) فتح الباری: ۲۱۵/۶۔

(۲) حوالہ بالا، وعمدة القاری: ۳۴/۱۵۔

(۳) المصنف لابن أبي شيبة: ۳۲۶/۲۱، كتاب الفتن، باب ما ذكر في عثمان، رقم (۳۸۸۶۲)۔

(۴) فتح الباری: ۲۱۵/۶، وعمدة القاری: ۳۴/۱۵، وأعلام الحديث للخطابي: ۱۴۴۳/۲۔

منہم یومئذ شان یغنیہ ﴿۱﴾ أي: یصدہ ویصرفہ عن غیرہ (۲)۔

اس کلمے کے ضبط میں دوسرا قول یہ ہے کہ یہ مجرد کے باب سمع سے امر حاضر کا صیغہ ہے، اس کے معنی ترک و اعراض اور بے نیاز ہونے کے ہیں۔ ابن الانباری نحوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی سے مشتق اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: ﴿وتولوا واستغنی اللہ﴾ المعنی ترکہم۔ کیونکہ جب کوئی شخص کسی چیز سے استغنا ظاہر کرتا ہے تو اسے ترک کر دیتا ہے۔

قال الخطابی رحمہ اللہ: ”وقوله: ”أغنها عنا“: كلمة معناها: الترك والإعراض.

قال ابن الأنباري: ”ومن هذا قوله سبحانه: ﴿فكفروا وتولوا واستغنى الله﴾ (۳) المعنی

ترکہم؛ لأن کل من استغنى عن شيء تركه“ (۴)۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس صحیفہ سے اعراض کیوں فرمایا؟

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے محمد ابن الحنفیہ رحمۃ اللہ علیہ سے یہ کیوں فرمایا: ”أغنها عنا“ اور اس صحیفے یا کتاب صدقات سے اعراض کیوں کیا، جب کہ اوپر یہ تصریح آچکی ہے کہ وہ صحیفہ نبی علیہ السلام کا مرتب کردہ تھا؟

علامہ داؤدی اور ابن بطل رحمہما اللہ اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ نے یہ بات اس لیے فرمائی کہ ان کے پاس اس کی نظیر موجود تھی۔ آپ اس سے ناواقف و بے خبر بھی نہ تھے، بلکہ اس کے مندرجات سے بخوبی واقف تھے، نیز اپنے عاملین سے اس پر عمل بھی کروایا کرتے تھے، چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مقصد ارسال کردہ صحیفے کو رد کرنا نہیں تھا، البتہ آپ یہ کہنا چاہتے تھے کہ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے اور یہ کوئی بعید از عقل بات بھی نہیں، دوسرا پہلو جو مراد لیا جا رہا ہے، اس کی ان سے توقع کی ہی نہیں کی جاسکتی کہ آپ نے استخفافاً رد کر دیا ہو۔

(۱) عبس/۳۷۔

(۲) فتح الباری: ۶/۲۱۵، وعمدة القاری: ۱۵/۳۴۔

(۳) التغابن/۶۔

(۴) أعلام الحديث: ۲/۱۴۴۳-۱۴۴۴، وعمدة القاری: ۱۵/۳۴، وفتح الباری: ۶/۲۱۵۔

”وأما رد الصحيفة وقوله: ”أغنها عنا“ فذلك؛ لأنه كان عنده نظير

منها، ولم يجهلها، لأنه ردها، وليس عنده علم منها، ولأنه قد كان أمر بها

سعاته، فلا يجوز على عثمان غير هذا“ (۱)۔

یہی بات ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ان کے بعض شاگردوں نے نقل کی ہے (۲)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں مزید احتمالات بھی ذکر کیے ہیں:

۱- ہو سکتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مذکورہ صحیفہ اس لیے رد فرمایا ہو کہ ان کے عاملین پر جو

الزام لگایا گیا تھا وہ ان کے نزدیک ثابت ہی نہ ہوا ہو۔

۲- الزام تو ثابت ہو گیا تھا، لیکن تدبیر اس امر کی متقاضی ہوئی کہ کچھ تاخیر سے کارروائی کی جائے۔

۳- حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو اعتراض کیا تھا، ممکن ہے اس کا تعلق مستحبات سے ہو، نہ کہ واجبات

سے، غالباً یہی وجہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عند قبول فرمالیا اور ان کی شان میں

کوئی نامناسب بات نہیں کی (۳)۔ واللہ اعلم بالصواب

حضرت شیخ الحدیث صاحب کی رائے

یہ تو ان حضرات کی رائے ہوئی، یعنی ابن عیینہ، ابن بطل، داؤدی، عینی، ابن حجر، قسطلانی اور گنگوہی

رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ۔ لیکن شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے ان سب سے ہٹ کر ایک اور بات ارشاد فرمائی ہے۔ وہ یہ

کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ صدقات کے سلسلے میں کتاب ابی بکر پر عمل کرتے تھے، اسی لیے آپ رضی اللہ عنہ نے

حضرت علی کے صحیفے سے متعلق یہ فرمایا کہ اس کی ہمیں ضرورت نہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ صدقات کے

(۱) شرح ابن بطل: ۲۶۷/۵، وعمدة القاري: ۳۴/۱۵، وشرح القسطلاني: ۲۰۱/۵۔

(۲) الجمع بين الصحيحين للحميدي: ۱/۱۶۶، رقم (۱۳۹)، أفراد البخاري عن علي رضي الله عنه،

وتاريخ مدينة دمشق: ۲۶۶/۳۹، ذكر من اسمه عثمان، وفتح الباري: ۲۱۵/۶۔

وقال الكنكوهي رحمه الله: ”قوله: ”أغنها عنا“ لأننا إنما نعمل بها، لا غير“۔ وقال الكاندهلوي

رحمه الله: ”يعني عملنا موافق لهذه الصحيفة، فلا حاجة لنا إليها“۔ لامع الدراري وتعليقاته: ۲۹۱/۷۔

(۳) فتح الباري: ۲۱۵/۶۔

سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تین قسم کے صحیفے منقول ہیں: ۱- صحیفہ ابی بکر، ۲- صحیفہ عمر اور ۳- صحیفہ آل عمرو بن حزم رضی اللہ عنہم (۱)۔

علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ شرح المواہب میں فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف شرائع و احکام سے متعلق کچھ صحیفے تیار کروائے تھے۔ ان میں سے ایک کتاب الصدقات تھی، جو ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس تھی، آپ نے جب حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بحرین کا والی بنا کر بھیجا تو اس کا ایک نسخہ ان کو بھی دیا..... (۲)۔ ان میں سے دوسرا صحیفہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا (۳)۔ واضح ہو کہ یہ وہ صحیفہ نہیں جو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انس رضی اللہ عنہ کو دیا، ان دونوں کتابوں کے درمیان جو الفاظ کی مغایرت ہے، اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں صحیفے ایک نہیں، بلکہ الگ الگ ہیں۔

جہاں تک ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب الصدقہ تیار کی، لیکن عمال حکومت کو وہ صحیفہ نہیں دکھایا اور اس کو اپنی تلوار سے باندھے رکھا، یہاں تک کہ آپ کا انتقال ہو گیا، آپ

(۱) قال ابن العربي في كتابه ”المسالك شرح مؤطا مالك“: ”ثبت عن النبي صلى الله عليه وسلم في الماشية ثلاث كتب: كتاب أبي بكر، وكتاب آل عمرو بن حزم، وكتاب عمر بن الخطاب، وعليه قول مالك.....“
انظر الأوجز: ۶۵۲/۵، وتعليقات لامع الدراري: ۲۹۸/۷.

(۲) الحديث أخرجه البخاري في صحيحه، كتاب الزكاة، باب العرض في الزكاة، رقم (۱۴۴۸)، وباب لا يجمع بين متفرق.....، رقم (۱۴۵۰)، وباب ما كان من خليطين.....، رقم (۱۴۵۱)، وباب من بلغت عنده صدقة.....، رقم (۱۴۵۳)، وباب زكاة الغنم، رقم (۱۴۵۴)، وباب لا تؤخذ في الصدقة هرمة.....، رقم (۱۴۵۵)، وكتاب الشركة، باب ما كان من خليطين.....، رقم (۲۴۸۷)، وكتاب فرض الخمس، باب ما ذكر من درع النبي صلى الله عليه وسلم.....، رقم (۳۱۰۶)، وكتاب اللباس، باب هل يجعل نقش الخاتم.....؟
رقم (۵۸۷۸)، وكتاب الحيل، باب في الزكاة.....، رقم (۶۹۵۵)، وأبوداود في سننه، كتاب الزكاة، باب في زكاة السائمة، رقم (۱۵۶۷)، والنسائي، كتاب الزكاة، باب زكاة الإبل، رقم (۲۴۴۹)، وابن ماجه، كتاب الزكاة، باب إذا أخذ المصدق سنا دون من، رقم (۱۸۰۰).

(۳) والحديث عند مالك في المؤطا، كتاب الزكاة، باب صدقة الماشية، رقم (۲۳/۶۵۹)، وأبي داود في سننه، كتاب الزكاة، باب زكاة السائمة، رقم (۱۵۷۰)، والترمذي في جامعه، كتاب الزكاة، باب ماجاء في زكاة الإبل والغنم، رقم (۶۲۱).

کے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ نے تادم خلافت اس پر عمل جاری رکھا، ان کے بعد عمر رضی اللہ عنہ تاحیات اس پر عمل پیرا رہے، (۱)۔ تو اس روایت سے ان دونوں صحیفوں (صدیقی و عمری) کا ایک ہونا لازم نہیں آتا (۲)۔

لیکن شیخ الحدیث کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ زرقانی کے کلام کے آخری حصے کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صحیفہ ابی بکر و عمر دونوں کے بعض مقامات میں موجود اختلاف اس امر سے مانع نہیں کہ ان پر عمل ممکن نہ ہو۔ شاید حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کے مطابق عمل اس لیے کرتے تھے کہ شیخین کا عمل بھی اس پر تھا اور ان کی یہ عادت معروف ہی ہے کہ وہ عمل شیخین کو ترجیح دیا کرتے اور ان کی رائے پر چلنا بہتر جانتے تھے (۳)۔

فَأَتَيْتُ بِهَا عَلِيًّا، فَأَخْبَرْتَهُ، فَقَالَ: ضَعُهَا حَيْثُ أَخَذْتُهَا

تو میں اس کو لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس لوٹ آیا اور انہیں تفصیل بتلائی تو انہوں نے فرمایا کہ یہ صحیفہ جہاں سے لیا تھا، وہیں رکھ دو۔

حدیث سے مستنبط ایک فائدہ

امام ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ استفادہ ہوا کہ امراء و ولایہ امور کو نصیحت کرتے رہنا چاہیے، ان کے ماتحت افراد میں اگر کسی قسم کا کوئی فساد ہو تو اس کو ان کے سامنے واضح کر دینا چاہیے اور امام وقت کو بھی ان سے متعلقہ شکایات کی تحقیق و تفتیش کروانی چاہیے (۴)۔

قَالَ الْحُمَيْدِيُّ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سُوْقَةَ قَالَ: سَمِعْتُ مُنْذِرًا الثَّوْرِيَّ، عَنْ أَبِي الْحَنَفِيَّةِ قَالَ: أُرْسَلَنِي أَبِي: خُذْ هَذَا الْكِتَابَ فَأَذْهَبْ بِهِ إِلَى عُثْمَانَ، فَإِنَّ فِيهِ أَمْرَ الشَّيْءِ عَلَيْهِ فِي الصَّدَقَةِ.

(۱) أخرجه الترمذي، كتاب الزكاة، باب في زكاة الإبل والغنم، رقم (۶۲۱)، وأبو داود، كتاب الزكاة، باب

زكاة السائمة، رقم (۱۵۶۸-۱۵۶۹)، وابن ماجه، كتاب الزكاة، باب صدقة الإبل، رقم (۱۷۹۸).

(۲) شرح المواهب تعليقات لامع الدراري: ۲۹۸/۷.

(۳) تعليقات لامع الدراري: ۲۹۸/۷.

(۴) فتح الباري: ۲۱۵/۶.

(۵) امام حمیدی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کشف الباری، بدء الوجہ: (۱/۲۳۷)، میں گزر چکے ہیں۔ جب کہ دیگر حضرات رواۃ کے تراجم کی نشاندہی گذشتہ سند میں کر دی گئی ہے۔

مذکورہ تعلیق کا مقصد

امام حمیدی، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ ہیں، آپ نے فقہ و حدیث دونوں میں ان کے سامنے زانوائے تلمذ تہ کیا ہے، قتیبہ بن سعید کی روایت ذکر کرنے کے بعد انہوں نے تعلیقاً امام حمیدی کی روایت بھی نقل کی، اس کی وجہ و مقصد یہ ہے کہ حمیدی علیہ الرحمۃ کی روایت میں بہ نسبت قتیبہ کی روایت کے سفیان بن عیینہ حدیث کی صراحت کر رہے ہیں۔

اسی طرح اس میں محمد بن سوقة بھی منذر بن یعلیٰ سے سماع کی صراحت کر رہے ہیں (۱)۔

تعلیق مذکور کی تخریج

امام حمیدی کی یہ تعلیق ان کی تالیف ”کتاب النوادر“ میں موصولاً اسی سند کے ساتھ موجود ہے (۲)۔

مذکورہ صحیفہ کا مضمون کیا تھا؟

حدیث باب کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دو طرق سے موصولاً و تعلیقاً نقل کیا ہے، لیکن اس میں مذکور صحیفے کا مضمون ذکر نہیں کیا کہ اس میں کیا لکھا تھا، حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس حدیث کے کسی طریق میں صحیفے کا کیا مضمون تھا، اس کی اطلاع نہیں ہو سکی، البتہ امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے ”غریب الحدیث“ میں عطیہ عن ابن عمر رضی اللہ عنہما کے طریق سے ایک حدیث نقل کی ہے کہ:

”بعث علي إلى عثمان بصحيفة، فيها: لا تأخذوا الصدقة من الزخعة،

ولا من النخعة“ (۳)۔

یعنی: ”حضرت علی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کو ایک صحیفہ بھیجا، جس کا مضمون

(۱) فتح الباری: ۲۱۵/۶، وإرشاد الساری: ۲۰۱/۵۔

(۲) فتح الباری: ۲۱۵/۶، وتعلیق التعلیق: ۴۶۹/۳۔

(۳) غریب الحدیث: ۱۷۶/۲-۱۷۷، حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ، وتلخیص الحبیر: ۱۵۶/۲، رقم

(۸۲۰)، کتاب الزکاة، باب زکاة النعم، الشرط الثالث: الحول، ولسان العرب: ۲۱/۳، مادة ”زخخ“، وفيه

عثمان بن حنیف غیر عثمان بن عفان۔

یہ تھا کہ زکاۃ میں بکری کے بچے اور اونٹ کے بچے نہ لینا۔“

اس حدیث کی سند اگرچہ ضعیف ہے، لیکن اس مضمون کا احتمال ہو سکتا ہے (۱)۔ واللہ اعلم بالصواب

ترجمة الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

اس حدیث کے دونوں طرق کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت اس جملے میں ہے: ”فأخبره أنها

صدقة رسول الله صلى الله عليه وسلم“ وہ اس طرح کہ یہاں صدقہ رسول اللہ سے مراد وہ صحیفہ ہے، جس

میں احکام صدقات تھے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب میں ایک جملہ ”وما استعمل الخلفاء

بعده“ بھی ذکر کیا ہے، اس جملے کے ساتھ اس حدیث کی مناسبت ہوگی کہ اس صحیفے کو بعد کے خلفاء نے اپنے

استعمال میں رکھا اور اس کے مندرجات پر عمل پیرا ہوئے۔ علامہ عینی فرماتے ہیں:

”مطابقته للترجمة يمكن أن تؤخذ من قوله: ”فأخبره أنها صدقة

رسول الله ﷺ“، وأراد به الصحيفة التي كانت فيها أحكام الصدقات، ويكون

هذا مطابقاً لقوله في الترجمة: وما استعمل الخلفاء بعده“ (۲)۔

ترجمة الباب کے ساتھ متعلق ایک بحث

امام بخاری رحمہ اللہ نے جو ترجمہ ذکر کیا، وہ نواجزاء پر مشتمل ہے، یعنی درع، عصا، سیف، قدح، خاتم،

وما استعمال الخلفاء بعده من ذلك، شعر، نعل اور آئینہ۔ جب کہ ترجمہ کے تحت ذکر کردہ احادیث کی تعداد چھ ہے،

پہلی میں خاتم کا، دوسری میں نعل کا، تیسری میں کسائے ملبد کا، چوتھی میں پیالے کا، پانچویں میں سیف کا اور چھٹی

میں صحیفہ کا ذکر ہے۔ مذکورہ بالا چھ احادیث کی ترجمہ کے ساتھ مناسبت کیونکر ہے وہ پیچھے ہم بیان کر آئے ہیں۔

لیکن چار چیزوں یعنی درع، عصا، شعر اور آئینہ کی مطابقت ترجمہ سے کیسے ہوگی، یہ مذکور نہیں، نہ ان سے

متعلق کوئی حدیث مصنف نے ذکر کی۔ اس کے دو جواب ہیں:

(۱) فتح الباری: ۶/۲۱۵۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت علی نے جو صحیفہ بھیجا تھا، اس کا مضمون صحیفہ صدیقی و عمری والا ہو، جو ان

کے پاس پہلے سے موجود تھا۔ کما مر عن شیخ الحدیث رحمہ اللہ آنفاً۔

(۲) عمدة القاری: ۱۵/۳۴۔

۱- ان اشیاء سے متعلق حدیثیں تو ان کے پیش نظر تھیں، لیکن اتفاق سے باب کے تحت وہ ذکر نہیں کر پائے۔

۲- مصنف کی ایک عادت یہ بھی ہے کہ وہ بعض اوقات ترجمہ میں کوئی چیز ذکر کر کے اس کے تحت متعلقہ حدیث نہیں لاتے، بلکہ اور کسی مقام کی طرف اشارہ فرمادیتے ہیں، جو اہل علم سے مخفی نہیں ہوتا تو یہاں بھی یہی معاملہ ہے۔

اب تفصیل سنئے!

❶ درع (ذره) سے متعلق حدیث انہوں نے بیوع وغیرہ میں ذکر کی ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، ”توفي رسول الله صلى الله عليه وسلم ودرعه مرهونة عند يهودي“ (۱)۔

کہ ”نبی علیہ السلام کی وفات کے وقت ان کی ذرہ ایک یہودی کے پاس بطور رہن رکھی تھی۔“

❷ عصا سے متعلق حدیث مصنف علیہ الرحمۃ نے کتاب الحج میں بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما نقل کی ہے، ”طاف النبي صلى الله عليه وسلم في حجة الوداع على بعير، يستلم الركن بمحجن“ (۲)۔

اسی طرح آگے کتاب التفسیر میں بھی ایک حدیث بروایت علی رضی اللہ عنہ ذکر فرمائی ہے (۳)، جس میں ایک مختصرہ (چھڑی) کا تذکرہ آیا ہے (۴)۔

❸ شعر سے متعلق حدیث وہ ہے جو کتاب الطہارہ میں گذری، ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”عندنا من شعر النبي صلى الله عليه وسلم، أصبناه من قبل أنس“ (۵)۔

(۱) انظر صحيح البخاري، كتاب الجهاد والسير، ما قبل في درع النبي، رقم (۲۹۱۶)۔

(۲) صحيح البخاري، كتاب الحج، باب استلام الركن بالمحجن، رقم (۱۶۰۷)۔

(۳) صحيح البخاري، كتاب التفسير، باب قوله: ﴿وَكَذَّبَ بِالْحَسَنِيِّ﴾، رقم (۴۹۴۸)۔

(۴) قال العيني في العمدة: (۳۱/۱۵): ”وأما عصاه فقد ذكروا أنه كانت له مخصصة، تسمى العرجون، وهي

كالقضيب، يستعملها الأشراف للتشاغل بها في أيديهم، ويحكون بها ما بعد من البدن عن اليد، وكان له

قضيب من شوحط يسمى الممشوق، وكان له عسيب من جريد النخل“۔

(۵) صحيح البخاري، كتاب الطهارة، باب الماء الذي يغسل به شعر الإنسان، رقم (۱۷۰)۔

۴ جہاں تک آنیہ (برتن) کا تعلق ہے تو حافظ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ قدح کے بعد اس کا ذکر عطف العام علی الخاص کے قبیل سے ہے اور باب کے تحت برتنوں میں سے انہوں نے صرف قدح کا ذکر کیا ہے اور یہی کافی ہے، کیوں کہ اس سے دوسرے برتنوں کی طرف بھی دلالت ہوتی ہے (۱)۔ واللہ اعلم بالصواب

۶ - باب : الدلیل علی أَنَّ الخُمُسَ لِنَوَائِبِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَالْمَسَاكِينِ . وَإِثَارِ النَّبِيِّ ﷺ أَهْلَ الصُّفَّةِ وَالْأَرَامِلَ . حِينَ سَأَلَتْهُ فَاطِمَةُ وَشَكَتْ إِلَى الطَّحْنِ وَالرَّحَى : أَنَّ يُخْدِمَهَا مِنَ السَّيِّ . فَزَوَّلَهَا إِلَى اللَّهِ .

ترجمۃ الباب کی نحوی تحلیل و مفہوم

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہ کہا ہے کہ ”هذا باب في بيان الدليل“ جس کا مقصد یہ ہے کہ یہاں مبتدا محذوف ہے، جو ہذا اسم اشارہ ہے، پھر المساکین اور اثار النبی کا عطف نواب پر ہے اور اہل الصفة والأرامل اثار مصدر کا مفعول بہ ہونے کی وجہ سے حالت نصبی میں ہے، علاوہ ازیں حین ظرف ہے اثار مصدر کے لیے اور جملہ ”أن يخدمها“ بتاویل مصدر مفعول ثانی ہے سألته فعل کے لیے (۲)۔

خلاصہ یہ ہوا کہ ہذا محذوف مبتدا ہے اور باقی عبارت خبر۔ جب کہ علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ الدلیل مبتدا ہے اور حین سألته جملہ خبر ہے، جس کے لیے تقدیری عبارت نکالی جائے گی، یعنی مافعلہ (۳) باقی تفصیل حسب سابق ہے، ان کے مطابق عبارت یوں ہوگی، ”الدلیل علی مافعلہ حین سألته فاطمة“ اور ترجمۃ الباب کی عبارت کا مفہوم

(۱) فتح الباری: ۶/۲۱۳. وقال العيني في العمدة (۳۱/۱۵):

”وأما آنيته فكثيرة، ذكرها أصحاب السير، منها: قدر من حجارة، يدعى المخضب، يتوضأ فيه، ومخضب آخر من شبه، يكون فيه الحناء والكتم، يضع على رأسه إذا وجد فيه حرا، وكان له مغسل من صفر، وكانت له ركوة، تسمى الصادرة، وكان له طست من نحاس، وقدح من زجاج، وكانت له جفنة عظيمة يطعم فيها الناس، يحملها أربعة رجال، تسمى الغداء.....“

وكذا انظر مجمع الزوائد: ۵/۲۷۲، كتاب الجهاد، باب آلات الحرب.....

(۲) عمدة القاري: ۱۵/۳۵.

(۳) حاشية السندی علی البخاری: ۱/۴۳۹، وتعليقات اللامع: ۷/۲۹۸-۲۹۹.

یہ ہوگا:

خمس کا مصرف نواب رسول اللہ، مساکین وغیرہ ہیں، اس کی دلیل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے کہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے گھر کے کام کاج کے لیے خادم کا مطالبہ کیا تو آپ علیہ السلام نے ان پر اہل صفہ وغیرہ کو ترجیح دی اور ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔

ترجمہ الباب کی لغوی تحقیق

ترجمہ الباب میں مذکور بعض الفاظ کی توضیح درج ذیل ہے:-

① نواب: یہ نائبة کی جمع ہے، ”وہی ما کانت تنوبہ“، یعنی مختلف امور و حوادث جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آتے تھے۔

② الأرامل: یہ أرمل کی جمع ہے، اس آدمی کو کہتے ہیں جس کی بیوی نہ ہو اور أرملة اس عورت کو کہتے ہیں جس کا شوہر نہ ہو، یہاں أرامل سے مراد دونوں ہیں، جب کہ فقراء ہوں (۱)۔

ترجمہ الباب کا مقصد

اس باب کے تحت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے خمس کا مصرف بتلایا ہے اور اس سلسلے میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب اختیار کیا ہے، جو اس امر کے قائل ہیں کہ خمس میں حاکم وقت کو اختیار ہے کہ خمس کو اپنی مرضی سے جہاں اور جتنا چاہے خرچ کرے۔ مسئلہ کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

خمس کن لوگوں کو دیا جائے گا؟

علمائے اسلام کا اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ غنیمت کے پانچ حصے کیے جائیں گے، جن میں چار حصے غنمین کے ہوں گے، یعنی جو لوگ غزوہ میں شریک تھے۔ ایک حصہ جو خمس کہلاتا ہے، اس میں اختلاف ہے کہ اس کا مستحق کون لوگ ہوں گے اور اس کو کہاں خرچ کیا جائے گا۔ تفصیل مذاہب حسب ذیل ہے:

① حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ خمس کے تین حصے کیے جائیں گے، ایک حصہ یتامیٰ کا ہوگا، ایک حصہ مساکین کا اور ایک ابن السبیل کا۔ البتہ ابن السبیل کے تحت فقراء ذوی القربیٰ بھی داخل ہیں اور اس معاملے میں ان کو ترجیح

دی جائے گی اور ذوی القربی میں جو اغنیاء ہوں گے ان کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔ امام وقت اس تقسیم میں خود مختار ہوگا کہ کسی کو دے یا نہ دے۔

ذوی القربی میں قرابت سے مراد قرابت رسول ہے، یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار وغیرہ۔ یہ خلفائے راشدین کا مذہب بھی ہے (۱)۔

۲ شوافع وحنابلہ یہ کہتے ہیں کہ خمس کے پانچ حصے ہوں گے، جو ان لوگوں پر تقسیم ہوں گے: یتامی، مساکین، ابن السبیل، ذوی القربی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اب چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے تو ان کا حصہ مصالح مسلمین اور اسلحہ وغیرہ کی خریداری پر صرف ہوگا۔

پھر ان حضرات کے ہاں ذوی القربی میں فقراء کی کوئی تخصیص نہیں، اغنیائے ذوی القربی بھی اسی سہم کے مستحق ہوں گے (۲)۔

ابن قدامہ فرماتے ہیں کہ یہی مذہب عطاء، مجاہد، شععی، نخعی، قتادہ اور ابن جریج رحمہم اللہ وغیرہ کا بھی ہے (۳)۔

۳ مالکیہ کے نزدیک خمس، جزیہ، فیء، عشور اور خراج وغیرہ سب کا محل بیت المال ہے، امام وقت اپنی صواب دید کے مطابق اس کو مسلمانوں کے مصالح پر خرچ کرے گا، لیکن اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان یعنی بنو ہاشم کو ترجیح دی جائے گی اور ان کو بہت وافر مقدار اس میں سے عطا کیا جائے گا، کہ وہ زکوٰۃ کا مال نہیں لے سکتے،

(۱) أحکام القرآن للرازی: ۸۲/۳، وإعلاء السنن: ۲۱۰/۱۲، والأوجز: ۲۸۲/۹، والدر المختار: ۲۵۸/۳، والہدایۃ: ۲۴۰/۴، وفتح القدير لابن الهمام: ۲۴۳/۵، وروح المعاني: ۲۸۰/۱۰-۲۸۳، سورة الأنفال.

اس مسئلے میں امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ بھی احناف کے ہم نوا ہیں، انہوں نے اپنی سنن میں مختلف روایات نقل کرنے کے بعد یہ کلمات ارشاد فرمائے ہیں:

”وسهم لذي القربى، وهم بنو هاشم، وبنو المطلب، بينهم الغني منهم والفقير، وقد قيل: إنه للفقير منهم دون الغني، كإيتامى وابن السبيل، وهو أشبه القولين بالصواب عندي، والله أعلم.“

راجع السنن الصغرى: أول كتاب قسم الفيء، تحت رقم (۴۱۵۲)، والسنن الكبرى: ۴۸/۳،

كتاب الخمس، تفريق الخمس.....، قبل رقم (۴۴۵۰).

(۲) المغني لابن قدامة: ۳۱۴/۶، وكتاب الأم: ۱۴۷/۴/۲، قسم الفيء، سنن تفريق القسم، رقم (۱۲۷۹۳).

(۳) المغني: ۳۱۴/۶، كتاب الزكاة، باب قسمة الفيء والغنيمة والصدقة، رقم (۵۰۷۹)، الفصل الرابع.

پھر عام مسلمانوں کے مختلف مصالح میں اس کو صرف کیا جائے گا، جیسے مساجد، پلوں اور غزوات وغیرہ (۱)۔
ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”فعند مالك الأمر مفوض إلى رأي الإمام، إن شاء قسم بينهم، وإن شاء أعطى بعضهم دون بعض، وإن شاء أعطى غيرهم، إن كان أمر غيرهم أهم من أمرهم“ (۲)۔

یہ توائمہ اربعہ کے مذاہب کا بیان تھا، اس مسئلے میں دیگر مذاہب بھی ہیں، جن کی تعداد حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کے بقول سات (۳) اور حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق گیارہ ہے (۴)۔ جن میں بعض کی طرف آگے اشارہ بھی ہوگا۔

ماخذ مذاہب

اس مسئلے میں ائمہ کرام آیت کریمہ ﴿وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ﴾ (۵) کو بطور ماخذ کے لیتے ہیں، یہی آیت کریمہ اختلاف مذاہب کی اصل بھی ہے، اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مفسرین و فقہائے ملت کا اختلاف ہے، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

آیت کریمہ میں لفظ ”اللہ“ کے معنی

پہلا اختلافی مسئلہ یہ ہے کہ آیت کریمہ میں لفظ ”اللہ“ کا کیا موقع ہے، اللہ تعالیٰ کو سہم دینے کی کیا صورت ہوگی؟

اس سلسلے میں پہلا قول ابوالعالیہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، وہ یہ فرماتے ہیں کہ خمس کے چھ حصے کیے جائیں

(۱) الشرح الكبير مع حاشية الدسوقي: ۵۰۱/۲-۵۰۲، والأوجز: ۲۸۵/۹، والمغني: ۳۱۵/۶۔

(۲) فتح القدير: ۲۴۳/۵۔

(۳) فتح الباري: ۲۳۸/۶۔

(۴) الأوجز: ۲۷۷/۹-۲۸۲۔

(۵) الأنفال: ۴۱۔

گے، کہ آیت کریمہ میں مصارف خمس چھ بیان کیے گئے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ذوالقربی، یتامی، مساکین اور ابن السبیل۔ اور اللہ تعالیٰ کو سہم خمس دینے کی یہ صورت ہوگی کہ اس کا چھٹا حصہ بیت اللہ (کعبہ مشرفہ) کے لیے استعمال ہوگا (۱)۔

بقول بیضاوی: انہوں نے ظاہر آیت سے استدلال کیا ہے (۲)۔ نیز ابوالعالیہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے غنیمت کا مال پیش کیا جاتا تو آپ اس پر ہاتھ مارتے، جو کچھ ہاتھ میں آتا اسے کعبہ مشرفہ کے لیے مختص قرار دیتے، پھر بقیہ مال آیت میں ذکر کردہ مصارف خمسہ میں تقسیم فرماتے (۳)۔

جب کہ اکثر کی رائے یہ ہے کہ آیت کریمہ میں لفظ اللہ افتتاح کلام اور تبرک و تعظیم کے لیے ہے (۴)۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ، ابوالعالیہ کے قول کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس کے کوئی معنی نہیں، کیونکہ یہ بات اگر ثابت ہوتی تو خلفائے اربعہ دوسروں کے مقابلے میں اس پر عمل پیرا ہونے کے زیادہ لائق و سزاوار ہوتے، جب کہ یہ بات ثابت نہیں تو ابوالعالیہ کا قول بھی ثابت نہیں۔

نیز اس کے کوئی معنی نہیں کہ سہم کعبہ کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کہا جائے، کیونکہ دیگر سہام مذکورہ بھی اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لیے صرف کیے جاتے ہیں، معلوم یہ ہوا کہ آیت میں ﴿فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ﴾ سہم کعبہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

اب جب کہ ابوالعالیہ کے قول کا بطلان ثابت ہو گیا تو اس کے دو معنی اور وجوہ ہو سکتے ہیں۔
اولاً۔ یہ کہ لفظ اللہ افتتاح کلام کے لیے ہو، جیسا کہ ہم نے سلف کی ایک جماعت (عطاء، شععی اور قتادہ) کے حوالے سے بتلایا ہے اور مقصد ہماری تعلیم ہو کہ اللہ کے نام سے تبرک حاصل کیا جائے اور جملہ امور کو

(۱) الأوجز: ۲۷۷/۹، وتفسير البيضاوي مع حاشية الشهاب الخفاجي: ۴/۴۷۶، والتفسير الكبير:

۱۵/۱۶۵-۱۶۶، وأحكام القرآن: ۷۹/۳.

(۲) تفسير البيضاوي مع الشهاب: ۴/۴۷۶، والأوجز: ۲۷۷/۹.

(۳) أحكام القرآن: ۷۹/۳، والأوجز: ۲۷۸/۹.

(۴) أحكام القرآن: ۷۹/۳-۸۰، والأوجز: ۲۸۱/۹، والتفسير الكبير: ۱۵/۱۶۶، والمغني: ۶/۳۱۴-۳۱۵،

وتفسير البيضاوي: ۴/۴۷۵، وبذلك جزم صاحب الهداية: ۴/۲۴۲، طبع مكتبة البشري، كراتشي، وشرح

ابن بطلال: ۵/۲۷۴.

اسی کے نام باعظمت سے شروع کیا جائے۔

ثانیاً۔ اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ خمس پورا کا پورا ان راستوں میں صرف کیا جائے جو رضائے خداوندی اور اس کے تقرب کا سبب ہوں، اس لیے ابتداءً لفظ اللہ لائے، پھر ان وجوہ و راستوں کو بتلایا کہ وہ راستے یہ ہیں۔ ﴿وللرسول ولذی القربی.....﴾ خلاصہ یہ ہوا کہ ابتداءً حکم خمس کو مجمل رکھا، پھر ان وجوہ مجملہ کی تفسیر و توضیح ذکر فرمائی (۱)۔

لیکن اشکال یہ ہوتا ہے کہ اس صورت میں اس واو کے کیا معنی ہیں، جو ﴿لله ولرسوله﴾ کے درمیان واقع ہے؟

اس کا جواب دیتے ہوئے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لغت کی رو سے اس واو کا ادخال جائز ہے، لیکن مراد اس کا الغاء ہے کہ اس کا اعتبار نہیں ہے، جیسا کہ قول باری تعالیٰ ہے: ﴿ولقد آتینا موسیٰ وهارون الفرقان وضياء﴾ (۲) اس میں واو ملغی و غیر معتبر ہے کہ فرقان ہی ضیاء ہے۔ اسی طرح قرآن کریم میں ہے: ﴿فلما أسلما وتله للجبين﴾ (۳) اس کے معنی ہیں: ”لما أسلما تله للجبين“، کیونکہ ﴿فلما أسلما﴾ جواب کا مقتضی ہے اور اس کا جواب ﴿تله للجبين﴾ ہے..... (۴)۔

سہم الرسول کے معنی اور اس میں اختلاف

اوپر کی بحث سے یہ بات واضح ہو گئی کہ آیت کریمہ میں لفظ ”الجلالة“ کے ذکر کا کیا مقصد ہے۔ اس کے بعد یہ سمجھئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تک حیات رہے خمس کا ایک حصہ لیتے رہے، اس کے علاوہ صفی (۵) پر بھی آپ کا حق تھا، نیز غنیمت میں سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بھی عام لشکری کے مثل

(۱) أحکام القرآن للرازي: ۸۰/۳۔

(۲) الأنبياء: ۴۸۔

(۳) الصافات: ۱۰۳۔

(۴) أحکام القرآن: ۸۰/۳-۸۱۔

(۵) قال الموفق: ”..... الصفي، وهو شي، يختاره من المغنم قبل القسمة، كالجارية، والعبد، والثوب والسيف ونحوه“۔ المغني: ۳۱۶/۶، وأيضاً انظر بادل المجهود: ۳۱۱/۱۲۔

سہم لیا کرتے تھے۔

لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اس سہم میں سلف کا اختلاف ہو گیا کہ اس کا حکم کیا ہے؟ اس سلسلے میں حنابلہ و شافعیہ کا موقف تو یہ ہے کہ یہ حصہ اب بھی باقی ہے اور خمس کی جب تقسیم ہوگی تو اس حصے کو بھی الگ سے شمار کیا جائے گا، البتہ اب اس کا مصرف یہ ہوگا کہ اس کو مصالح مسلمین میں صرف کیا جائے گا کہ اس سے اسلحہ کی خریداری ہوگی اور سرحدوں کی پاسداری ہوگی وغیرہ، امام شافعی فرماتے ہیں:

”أختار أن يضعه الإمام في كل أمر حصن به الإسلام وأهله؛ من سد

ثغر، وإعداد كراع أو سلاح، أو إعطائه أهل البلاء في الإسلام نفلاً.....“ (۱)۔

جب کہ مالکیہ کا مسلک خمس کے حوالے سے ابھی سابق میں گزرا کہ وہ کسی تقسیم کے قائل نہیں ہیں اور یہ کہ پورا کا پورا خمس امام کے حوالے ہے کہ وہ اس کو مسلمانوں کے مصالح میں صرف کرے (۲)۔

اور حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سہم ان کی وفات کے بعد ساقط ہو گیا ہے، کیونکہ یہ سہم آپ کو ایک خاص وصف یا صفت کی بنیاد پر ملتا تھا، یعنی رسالت، جس کا تصور آپ علیہ السلام کے بعد ممکن ہی نہیں (۳)۔ امام بھصاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”سهم النبي صلى الله عليه وسلم إنما كان له ما دام حياً، فلما توفي

سقط سهمه كما سقط الصفي بموته، فرجع سهمه إلى جملة الغنمة كما

رجع إليها، ولم يعد للنواب“ (۴)۔

سہم ذی القربی اور اس میں اختلاف

آیت کریمہ میں تیسرا جو مصرف ذکر کیا گیا، وہ ذوی القربی ہیں، ان کے سہم میں بھی اختلاف ہے، امام

(۱) المغنی: ۳۱۵/۶، والام: ۱۴۷/۴/۲، رقم (۱۲۸۰۲)، والأوجز: ۲۸۴/۹۔

(۲) الشرح الكبير للدردير: ۱۹۰/۲، والأوجز: ۲۸۵/۹۔

(۳) الدر المختار: ۲۵۹/۳، والهداية: ۲۴۲/۴، ومعالم السنن للخطابي: ۲۹۱/۲، رقم (۷۷۶)، باب السن

عن الأسير بغير فداء۔

(۴) أحكام القرآن: ۸۱/۳۔

ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سہم خمس میں سے خمس کا پانچواں حصہ ہے، یہ پانچواں حصہ اور جو کچھ بچے وہ ان طبقات میں تقسیم ہوگا جن کا ذکر آیت میں ہے، یعنی ذوی القربی، یتامی، مساکین اور ابن السبیل۔

جب کہ امام شافعی و احمد رحمہما اللہ کا مسلک پہلے گزرا کہ وہ ذوی القربی کے مستقل سہم کے قائل ہیں، خواہ یہ لوگ مال دار ہوں یا حاجت مند۔ اور ان دو القرباء میں تقسیم للذکر مثل حظ الانثیین کے اصل کے مطابق ہوگی اور حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ ذوی القربی کا مستقل کوئی حصہ خمس میں نہیں ہے، تقسیم تین طبقات میں ہوگی، یتامی، ابن السبیل اور مساکین، کما مر قبل۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حاکم وقت اپنی رائے و اجتہاد کے موافق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقرباء کو خمس میں سے دے گا، کما مر قبل۔ البتہ فقراء ذوی القربی پر بھی اس سے صرف کیا جائے گا، لیکن اس کی علت فقر ہوگی، قرابت رسول نہیں، اس طرح یہ ان تینوں طبقات میں داخل ہو جائیں گے (۱)۔

استحقاق خمس کی بنیاد کیا ہے؟

احناف و شوافع وغیرہ کے درمیان وجہ اختلاف یہ امر ہے کہ وہ حضرات قرابت رسول کو وجہ استحقاق قرار دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ قرابت رسول ہی اس استحقاق کے لیے کافی ہے، جب کہ حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ وجہ استحقاق دو چیزیں ہیں، قرابت رسول اور نصرت۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ لفظ ﴿ذوی القربی﴾ مجمل ہے، جو محتاج بیان ہے، ظاہر ہے کہ یہ لفظ قرابت رسول کے ساتھ خاص نہیں، دوسرے لوگوں کی بھی رشتے داریاں ہوتی ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ یہاں سارے لوگوں کی رشتے داریاں مراد نہیں، اس لیے اس لفظ کی وضاحت ضروری ہے۔

سلف کا اس امر میں اتفاق ہے کہ اس آیت میں قرابت سے قرابت رسول مراد ہے، اب ان میں بعض حضرات وہ ہیں، جو یہ کہتے ہیں کہ ان اقرباء میں استحقاق خمس رکھنے والے وہ افراد ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت بھی کرتے تھے، اس لیے اس سہم کے استحقاق کی بنیاد دو چیزیں ہوں گی، قرابت رسول و نصرت اور وہ

(۱) أحکام القرآن: ۸۱/۳، ۸۲، وحاشیۃ الدسوقي: ۵۰۲/۲، باب فی الجہاد، والأوجز: ۲۸۵/۹، والام:

۲/۴/۱۴۷، رقم (۱۲۷۹۳)، المغنی: ۳۱۴/۶، والہدایۃ: ۲۴۰-۲۴۲۔

اقرباء جو اس وصف نصرت سے متصف نہیں تھے کہ وہ بعد میں پیدا ہوئے یا اسلام بعد میں قبول کیا، وہ بھی اس کے مستحق رہے، لیکن اس کی بنیاد فقر تھی کہ ان میں کا اگر کوئی فقیر محتاج ہوتا تو اس کو اس سہم سے کچھ دیا جاتا، جس طرح دوسرے عام فقراء کو دیا جاتا، جو قرابت رسول سے متصف نہیں تھے۔

اس کی واضح دلیل حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، فرماتے ہیں:

”لما قسم رسول الله صلى الله عليه وسلم سهم ذوي القربى بين بني هاشم وبني المطلب أتيتُه أنا وعثمان، فقلنا: يا رسول الله، هؤلاء بنو هاشم، لا ننكر فضلهم بمكانك الذي وضعك الله فيهم، أرأيت بني المطلب أعطيتهم ومنعتنا، وإنما هم ونحن منك بمنزلة؟ فقال صلى الله عليه وسلم: إنهم لم يفارقوني في جاهلية ولا إسلام؟ وإنما بنو هاشم وبنو المطلب شيء واحد، وشبكت بين أصابعه“ (۱)۔

اس حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شعب ابی طالب کے واقعے کی طرف اشارہ فرمایا ہے، جس میں قریش نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے حمایتی قبائل بنو ہاشم و بنو المطلب کا مقاطعہ و بایکات کیا تھا، اس وقت پورا قریش آپ علیہ السلام کی مخالفت میں ایک طرف تھا، تو بنو ہاشم و بنو المطلب آپ علیہ السلام کی حمایت میں دوسری طرف۔

یہ حدیث دو وجوہ سے اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ استحقاق خمس کے لیے صرف قرابت کافی نہیں۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ بنو عبد شمس اور بنو مطلب دونوں قرابت نبی میں برابر ہیں، لیکن نبی علیہ السلام نے بنو المطلب کو تو خمس میں سے دیا اور بنو عبد شمس کو نہیں دیا، اگر استحقاق بالقرابت ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں میں برابری کرتے۔

(۱) الحدیث، أخرجه البيهقي: ۵۵۴/۶-۵۵۵، کتاب قسم الفيء،، باب سهم ذوي القربى، رقم (۱۲۹۵۱-۱۲۹۵۵)، و (۱۲۹۵۸)، وابن أبي شيبة: ۱۸/۱۳۰، کتاب السير، باب سهم ذوي القربى،، رقم (۳۴۱۳۳)، و کتاب المغازی، باب غزوة خيبر، رقم (۳۸۰۳۰)، نیز دیکھیے آگے باب (۱۷)، ومن الدليل على أن الخمس للإمام، وأنه يعطي میں حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی حدیث کی تخریج۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ آیت کریمہ میں ذکر کردہ لفظ ذوی القربی میں جو اجمال تھا، وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے مجمل نہیں رہا، اس کی وضاحت ہوگئی اور آپ کا فعل کہیں بیان اجمال کے لیے آئے وہ وجوب پر دلالت کرتا ہے، کما تقرر فی الأصول (۱)۔

جب نبی علیہ السلام نے یہ بیان کر دیا کہ قرابت مع النصرة ہے تو یہ معلوم ہوا کہ یہی اللہ تعالیٰ کی مراد بھی ہے۔ ان میں سے جو نصرت نبی سے متصف نہیں ہیں اگر وہ اس خمس میں سے لے رہے ہیں تو وہ فقر و احتیاج کی بنیاد پر، نہ کہ قرابت کی وجہ سے (۲)۔

خلفائے راشدین کا اجماع

علاوہ ازیں اس پر خلفاء اربعہ کا بھی اتفاق ہے کہ استحقاق خمس کا سبب فقر ہے، دلائل حسب ذیل ہیں:

① محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تھے، تو انہوں نے سہم ذوی القربی کا کیا کیا تھا؟ محمد بن علی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس مسئلے میں انہوں نے وہی طریقہ اختیار کیا جو ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کا تھا اور انہوں نے اس بات کو ناپسند کیا کہ ان پر ان دونوں (شیخین) کی رائے کے خلاف چلنے کا الزام دھرا جائے (۳)۔

امام ابو بکر رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے بھی اگر وہی نہ ہوتی جو شیخین کی تھی تو وہ اس کے مطابق فیصلہ نہ کرتے، کیوں کہ دوسری طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیگر کچھ مسائل میں شیخین کے ساتھ اختلاف کیا ہے، مثلاً میراث جد، کہ ان کی رائے اس مسئلے میں شیخین کی رائے سے مختلف ہے، چنانچہ اب یہ بات پایہ تکمیل کو پہنچی کہ حضرت علی اور شیخین رضی اللہ عنہم کی اس مسئلے میں ایک ہی ہے کہ سہم ذوی القربی میں ان کے فقراء ہی مستحق ہوں گے اور جب خلفائے اربعہ (حضرت عثمان کا عمل بھی اس مسئلے میں شیخین کے موافق تھا، جیسا کہ آگے حدیث آرہی ہے) کا اس مسئلے میں اجماع ہو گیا تو اس مسئلے کی حجیت ان کے

(۱) أحکام القرآن: ۸۲/۳۔

(۲) حوالہ بالا و شرح معانی الآثار: ۱۵۳/۲، والہدایۃ: ۲۴۰-۲۴۲۔

(۳) أحکام القرآن: ۸۲/۳، و شرح معانی الآثار: ۱۵۲/۲، والسنن الکبری للبیہقی: ۵۵۷-۵۵۸، کتاب

قسم الفی، والغنیمۃ، باب سہم ذی القربی من الخمس، رقم (۱۲۹۶۰)۔

اجماع سے ثابت ہوگئی، کیوں کہ ارشادِ نبوی ہے، ”علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدين من بعدی“ (۱)۔
۲ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نخبۃ المحروری کے ہم ذی القربی سے متعلق سوال کے جواب میں فرمایا تھا:

”کننا نرى أنه لنا، فذعانا عمر إلى أن نزوج منه أيمنا، ونقضي منه عن مغمنا، فأبيننا أن لا يسلمه لنا، وأبى ذلك علينا قومنا“ (۲)۔

یعنی ”ہمارا خیال یہ تھا کہ یہ حصہ ہمارا ہے، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں اس امر کی طرف بلایا کہ ہم اس کے ذریعے اپنے رنڈوؤں اور بیواؤں کی شادی کریں اور ہم میں کا جو قرض دار ہو، اس کا قرض ادا کریں، تاہم اس پر ہم نے اصرار کیا وہ ہمیں ہی دیا جائے (کسی قسم کی کوئی قید نہ لگائی جائے)، لیکن اس پر ہماری قوم (یعنی خلفائے راشدین و دیگر صحابہ) راضی نہیں ہوئے۔“

اس روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہ خود اعتراف فرما رہے ہیں کہ ان کی قوم یعنی صحابہ کا خیال یہی تھا کہ اس میں ان کے فقراء کا تو حصہ ہے، لیکن اغنیاء کا نہیں۔
 نیز ان کا یہ فرمانا کہ ”کننا نرى أنه لنا“ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ محض ان کی رائے تھی، جس کی سنت اور اتفاق صحابہ کی موجودگی میں کوئی حیثیت نہیں۔ ایک رائے ہے (۳)۔

۳ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”وكان أبو بكر يقسم الخمس نحو قسم رسول الله صلى الله عليه وسلم، غير أنه لم يكن يعطي قربي رسول الله صلى الله عليه وسلم ما كان

(۱) الحديث، أخرجه أبو داود، كتاب السنة، باب في لزوم السنة، رقم (۴۶۰۷)، وأحمد في مسنده، مسند

العرياض بن سارية، رقم (۱۷۲۷۵)، وجامع المسانيد والسنن، مسند العرياض،، رقم (۶۴۷۳)۔

(۲) مسند الإمام أحمد، مسند عبد الله بن عباس، رضي الله عنهما، رقم (۲۸۱۲) و (۲۹۴۳)، وسنن

النسائي، أول كتاب قسم الفي، رقم (۴۱۳۸-۴۱۳۹)، والمعجم الكبير للطبراني: ۳۳۶/۱۰، يزيد بن

هرمز عن ابن عباس، رقم (۱۰۸۳۲)۔

(۳) أحكام القرآن للرازي: ۸۳/۳۔

النبي صلى الله عليه وسلم يعطيهم، قال: فكان عمر بن الخطاب يعطيهم منه،
وعثمان بعده“ (۱)۔

یعنی ”حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا تقسیم خمس کا طریقہ وہی تھا جو نبی علیہ السلام کا
تھا، البتہ وہ نبی علیہ السلام کے اقرباء کو اس قدر نہیں دیا کرتے تھے، جس قدر آپ خود عطا
فرماتے تھے، بعد میں حضرت عمر و عثمان رضی اللہ عنہ ان کو اس میں سے حصہ دیتے تھے۔“

اس حدیث میں صراحت ہے کہ خلیفہ اول ذوی القربی کو سہم نہیں دیا کرتے تھے، لیکن حضرت عمر و حضرت
عثمان رضی اللہ عنہما دینے لگے، اس کی وجہ بھی گذشتہ احادیث میں گزر چکی کہ وہ احتیاج پر مبنی تھا، نہ کہ استحقاق پر (۲)۔
پھر اوپر کی حدیث جبیر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے متعلق جو یہ فرمایا گیا کہ وہ سہم دیا کرتے تھے، تو
اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ پورا پورا حصہ ذوی القربی نکال کر ان کے حوالے کرتے تھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ دیگر
سہام سے ان کی حاجت کے مطابق دیتے تھے، اس کی دلیل وہی نجدۃ الحروری کو لکھا گیا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا
مکتوب ہے، جس کے بعض طرق میں یہ الفاظ ہیں:

”وقد كان عمر عرض علينا من ذلك عرضا، رأينا دون حقنا،

فرددناه عليه، وأبينا أن نقبله“ (۳)۔

اس حدیث کے تحت حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”ولعل هذا مبني على أن عمر رآهم مصارف، وظن ابن عباس أنهم
أهل استحقاق فيه، أفترى عمر ينقص حقهم أولاً، ثم إذا نقص فردوه؟ أفيظن
به أنه يحرمهم منه أصلاً؟ فلم يكن إلا أنه رآهم مصارف، ورأى استغنائهم
عنه، فلم يرد عليهم ثانياً“ (۴)۔

(۱) سنن أبي داود، كتاب الخراج، باب في بيان مواضع قسم الخمس، رقم (۲۹۷۸-۲۹۷۹)۔

(۲) تكملة فتح الملبم: ۲۵۵/۳-۲۵۶۔

(۳) سنن أبي داود، كتاب الخراج، باب في بيان مواضع، رقم (۲۹۸۲)۔

(۴) بذل المجهود: ۱۷۱/۱۰، كتاب الخراج =

یعنی: ”شاید اس کی بنائے تھی کہ حضرت عمر کی رائے میں ذوی القربیٰ مصرف تھے اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے خیال میں یہ حضرات اس کے مستحق تھے کہ ان ہی کو دینا ضروری تھا، ورنہ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اولاً تو ان کے حق میں کمی کر دی تھی اور جب کمی کے بعد انہوں نے لوٹا دیا تو کیا یہ گمان ان کے بارے درست ہو سکتا ہے کہ وہ ان کو اس سے بالکل ہی محروم رکھیں گے؟! اس کی وجہ یہی تھی کہ ان کو مصرف سمجھتے تھے، جب انہوں نے ان کا استغناء دیکھا تو دوبارہ پیشکش نہیں کی۔“

مصرف اور استحقاق میں فرق

حضرت سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ بالا عبارت سے مصرف اور استحقاق کے درمیان فرق بھی واضح ہو گیا، مصرف کا مطلب یہ ہے کہ اگر آیت کریمہ میں مذکورہ افراد میں خمس کو خرچ کیا جائے تو یہ خرچ بر محل ہوگا، کسی کو دیا جائے اور کسی کو نہ دیا جائے تو اس میں اعتراض کی کوئی بات نہیں اور استحقاق کا مطلب یہ ہے کہ ان مذکور افراد میں اس کو متعین طور پر خرچ کرنا ضروری ہے۔

یہ بھی ائمہ اربعہ کے درمیان ایک بنیادی اختلاف ہے کہ قرآن کریم میں جن لوگوں کا ذکر ہے، وہ مصرف ہیں یا مستحق، امام شافعی و احمد مؤخر الذکر کے قائل ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ سب کو پہنچانا ضروری ہے، امام مالک و ابو حنیفہ اول الذکر کے قائل ہیں، وہ استحقاق کو مانتے نہیں۔

خلاصہ بحث

اس پوری تفصیلی بحث سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے:

- ① خمس کے اب تین حصے ہی ہوں گے، جو یتامی، مساکین اور ابن السبیل کے ہوں گے۔
- ② علت استحقاق فقر و احتیاج ہے، اسی لیے اس پر تقریباً سبھی متفق ہیں کہ آیت کریمہ میں یتیم سے مراد وہ ہے جس کا مورث اس کے لیے کچھ نہ چھوڑ کر گیا ہو محتاج ہو، غنی ہونے کی صورت میں اس کو بھی نہیں ملے گا (۱)۔

= مزید دلائل احناف کے لیے دیکھیے، تکملة فتح الملہم: ۳/۲۵۴-۲۵۸، وأحكام القرآن للجصاص:

۳/۸۲-۸۳، وإعلاء السنن: ۱۲/۲۰۹-۲۵۱، باب أربعة أخماس الغنمة.....

(۱) أحكام القرآن: ۳/۸۳ و ۸۵، وفتح القدير: ۵/۲۴۳.

۳ اس پر خلفائے راشدین کا اجماع بھی ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

احناف کے مسلک پر یہاں ایک اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر فقراء ذوی القربی خمس کے مستحق ہیں، ان کے اغنیاء نہیں، تو ان کو الگ سے ذکر کرنے کی ضرورت کیا تھی، جب کہ وہ اس علت فقر کی وجہ سے جملہ مساکین میں داخل ہیں؟

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ جس طرح یتامیٰ اور ابن السبیل کو مخصص بالذکر کیا گیا، اسی طرح ذوی القربی کی بھی تخصیص کی گئی ہے، ورنہ یتامیٰ اور ابن السبیل بھی اس سہم کے مستحق تبھی ہوں گے، جب کہ وہ فقراء ہوں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم میں ارشاد باری ہے: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَامِلِينَ.....﴾ (۱) کہ صدقات کے مستحق تو فقراء اور مساکین..... وغیرہ ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، ”إِن الصَّدَقَةَ لَا تَحِلُّ لَنَا.....“ (۲) جس سے یہ معلوم ہوا کہ صدقات آل محمد کے لیے حلال نہیں۔ اگر خمس کے مستحقین میں ان کا نام نہ ہوتا تو کوئی بھی شخص یہ کہہ سکتا تھا کہ خمس میں سے بھی ذوی القربی کو دینا جائز نہیں، جس طرح کہ صدقات میں سے ان کو دینا جائز نہیں، چنانچہ اسی تو ہم کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتلانے کے لیے ان کا ذکر بھی کیا کہ خمس کے معاملے میں ان کا مسئلہ صدقات کے مسئلے سے مختلف ہے، ان کے لیے خمس میں سے لینا جائز ہے (۳)۔ واللہ اعلم۔

ایک اور اشکال اور اس کے جوابات

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو بھی خمس کے مال میں

(۱) التوبة: ۶۰۔

(۲) وتسمامہ: ”وإن موالی القوم من أنفسهم“۔ اللفظ للترمذی، من رواية أبي رافع مولى رسول الله صلى الله عليه وسلم، كتاب الزكاة، باب ماجاء في كراهية الصدقة..... (۶۵۷)، وكذا انظر سنن أبي داود، كتاب الزكاة، باب الصدقة على بني هاشم، رقم (۱۶۵۰)، والنسائي، كتاب الزكاة، باب مولى القوم منهم، رقم (۲۶۱۳)، والمصنف لابن أبي شيبة: ۵۰/۷، كتاب الزكاة، من قال: لا تحل الصدقة على بني هاشم، رقم (۱۰۸۱۰)۔

(۳) أحكام القرآن: ۸۳/۳، و۸۶۔

سے عطا کیا تھا، جب کہ وہ غنی و مال دار تھے (۱)۔ اس سے تو یہی ثابت ہوا کہ اس میں ذوی القربی کے اغنیاء و فقراء دونوں کا حصہ ہے۔

اس اعتراض کے دو جوابات ہیں:

① ان کو آپ علیہ السلام نے جو کچھ دیا اس کی وجہ قرابت و نصرت دونوں تھی، یہ علت خود آپ نے بھی بیان فرمائی کہ ”انہم لم یعارقونی فی جاہلیۃ ولا اسلام“ تو اس میں غنی و فقیر دونوں مساوی ہیں، اس میں کوئی اختلاف نہیں، اختلاف تو نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد ہے کہ اب نصرت باقی نہیں رہی۔

② یہ بھی تو ممکن ہے کہ وہ مال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اس لیے دیا ہو کہ وہ اسے فقراء بنی ہاشم میں تقسیم فرمادیں، یعنی ان کی اپنی ذات کے لیے نہیں دیا تھا (۲)۔ واللہ اعلم۔

ذوی القربی سے مراد کون لوگ ہیں؟

علمائے امت کا ذوی القربی میں بھی اختلاف ہے کہ اس سے مراد کون ہیں، اس میں علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے تین اقوال ذکر فرمائے ہیں:

① پورا قبیلہ قریش ہے، یہ بعض سلف کا قول ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ابتدائے بعثت کے وقت جب کوہ صفا پر چڑھے تو آپ نے یہ ندادی ”یا بنی فلان، یا بنی عبد مناف، یا بنی

(۱) أحکام القرآن: ۸۴/۳، وفتح القدير: ۲۴۵/۵، روایات میں آیا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بیس غلام تھے، جو ان کو کما کر دیا کرتے تھے۔ نیز ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دو سال کی پیشگی زکاۃ وصول کی تھی، یہ بھی یسار و غنی کی دلیل ہے۔ دیکھیے شرح معانی الآثار: ۱۸۴/۲، کتاب وجوہ الفی، وخمس الغنائم، نیز دیکھیے المستدرک للحاکم: ۳۶۶/۳، ذکر اسلام العباس، رقم (۵۴۰۹)، وسنن البیہقی الکبری: ۵۲۴/۶، کتاب قسم الفی،، باب مفادۃ الرجل منهم بالمال، رقم (۱۲۸۴۹)، والمعجم الکبیر للطبرانی: ۱۷۱/۱۱، عطاء عن عباس، رقم (۱۱۳۹۸)، ومجمع الزوائد: ۲۸/۷، سورة الأنفال، والطبقات الکبری لابن سعد: ۱۵/۴، الطبقة الثانية من المهاجرين، ودلائل النبوة: ۱۴۲/۳، غزوة بدر العظمی، باب ما فعل رسول الله صلی الله علیه وسلم بالغنائم، وفتح الباری: ۳۱۲/۸، کتاب التفسیر، رقم (۴۳۸۶)، وعمدة القاری:

۹۷/۱۳، کتاب العتق، باب إذا أسرا أخو الرجل أو عمه هل يفادی؟

(۲) أحکام القرآن: ۸۴/۳.

عبدالمطلب، یا بنی کعب بن مرة، یا بنی عبدشمس، أنقذوا أنفسكم من النار.....“ (۱)۔

۲ بنو ہاشم و بنو عبد مناف ہیں، اس کے قائل امام شافعی، احمد، ابو ثور، مجاہد، قتادہ، ابن جریج اور مسلم بن خالد رحمہم اللہ ہیں۔ دلیل پیچھے گزر چکی ہے کہ ”إنهم لم يفارقوني في جاهلية.....“ (۲)۔

۳ صرف بنو ہاشم ہیں، یہ قول مجاہد (فسي رواية) حضرت عمر بن عبد العزیز، زید بن ارقم اور علی بن الحسین (امام زین العابدین) کا ہے، نیز امام مالک، ثوری اور اوزاعی رحمہم اللہ وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں (۳)۔
یہی تیسرا قول احناف کا بھی ہے اور بنو ہاشم سے مراد آل علی، آل عباس، آل جعفر، آل عقیل اور اولاد حارث بن عبدالمطلب ہیں (۴)۔

اوپر ذکر کردہ تینوں طبقات قرابت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے حامل ہیں، کیوں کہ جب آیت کریمہ ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ (۵) نازل ہوئی، تو آپ علیہ السلام نے ان سب کو کوہ صفا پر جمع فرمایا تھا اور ان کو دین کی دعوت پہنچائی تھی، جس سے یہ ثابت ہوا کہ وصف قرابت ان تمام کو شامل ہے۔

ذوی القربی سے متعلق احکام

اب ذوی القربی سے متعلق احکام تین ہیں:

۱ حصہ خمس کا استحقاق، بقولہ تعالیٰ: ﴿وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ﴾ (۶) اور ذی القربی سے مراد ان کے فقراء ہیں، کما مرّ قبل۔

۲ ان پر صدقات حرام ہیں اور جن پر صدقات حرام ہیں وہ آل علی، آل عباس، آل جعفر، آل عقیل اور اولاد حارث بن عبدالمطلب ہیں، یہی لوگ اہل بیت ہیں، اس حکم میں بنوالمطلب داخل نہیں، کیوں کہ وہ اہل بیت میں سے نہیں ہیں۔ اگر یہ اہل بیت میں داخل ہوتے تو بنو امیہ بھی اہل بیت میں سے ہوتے، چوں کہ ان کا نسب

(۱) الحدیث أخرجه مسلم، کتاب الإیمان، من رواية أبي هريرة باختصار، رقم (۵۰۱)۔

(۲) سبق تخريجه آنفاً۔

(۳) الجامع لأحكام القرآن: ۱۲/۸، وفتح الباري: ۶/۲۴۵-۲۴۶۔

(۴) أحكام القرآن للرازي: ۳/۸۴-۸۵۔

(۵) الشعراء: ۲۱۴۔

(۶) الأنفال: ۴۱۔

تعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وہی ہے جو بنوالمطلب کا ہے اور علمائے امت کا اس بابت کوئی اختلاف نہیں کہ بنو امیہ اہل بیت میں داخل نہیں، اس لیے بنوالمطلب بھی اس میں داخل نہیں ہوں گے۔

۳ اللہ تعالیٰ کا اپنے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصی طور پر یہ حکم دینا کہ وہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو عذاب الہی سے ڈرائیں، یہ انداز قریش کی تمام شاخوں و قبائل کو شامل ہے کہ جب مذکورہ بالا آیت کریمہ ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ نازل ہوئی تھی تو آپ علیہ السلام نے سب کو خطاب کر کے فریضہ انداز انجام دیا تھا، کما ورد بہ الأثر (۱)۔

اور قریبی رشتہ داروں کو انداز کے ساتھ مختص کرنے کی وجہ ایک تو یہ تھی کہ دعوت الی الدین کے سلسلے میں یہ فعل زیادہ بلیغ و حسن ہے۔ دوسری یہ کہ دعوت الی اللہ کے معاملے میں اپنی ذات سے مدہنت و محابات (بے جا طرف داری) کی نفی کی قریب ترین صورت اور بہترین راستہ یہی تھا۔

وہ اس لیے کہ جب لوگوں کو یہ علم ہوتا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قریبی رشتہ داروں اور خاندان کے بارے میں بھی یہ برداشت نہیں کیا کہ وہ غیر اللہ کی عبادت کریں اور انہیں عذاب الہی سے ڈرایا، غیر اللہ کی عبادت سے روکا تو نبی علیہ السلام اس کے زیادہ حق دار ہیں کہ دوسروں کو بھی اس سے ڈرائیں اور روکیں، کیوں کہ اس معاملے میں مدہنت و طرف داری جائز ہوتی کسی کے بھی حق میں تو ان کے رشتہ دار اس کے زیادہ مستحق و سزاوار تھے، کہ ان کو نہ چھیڑا جائے، لیکن اس کے برعکس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ دعوت دی، ان پر زیادہ توجہ مرکوز رکھی (۲)۔ واللہ اعلم بالصواب اس کے بعد حدیث باب دیکھیے۔

(۱) روی مسلم بسندہ عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: لما نزلت هذه الآية: ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ دعا رسول الله صلى الله عليه وسلم قريشاً، فاجتمعوا، فعم وخص. فقال: يا بني كعب بن لؤي، أنقذوا أنفسكم من النار، يا بني مرة بن كعب، أنقذوا يا بني عبد شمس، أنقذوا يا بني عبد مناف أنقذوا يا بني هاشم، أنقذوا يا بني عبدالمطلب: أنقذوا يا فاطمة، أنقذي نفسك من النار، فإني لا أملك لكم من الله شيئاً، غير أن لكم رحماً، سأبليها ببلالها“. انظر صحيحه، كتاب الإيمان، باب في قوله تعالى: ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ﴾ رقم (۵۰۱)۔

(۲) أحكام القرآن للرازي: ۸۵/۳۔

۲۹۴۵ : حَدَّثَنَا بَدَلُ بْنُ الْمُحَبَّرِ : أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ قَالَ : أَخْبَرَنِي الْحَكَمُ قَالَ : سَمِعْتُ
 أَبْنَ أَبِي لَيْلَى : حَدَّثَنَا عَلِيٌّ (۱) : أَنَّ فَاطِمَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا أَشْتَكَتْ مَا تَلْقَى مِنَ الرِّيحِ مِمَّا تَطْحَنُ ،
 فَلَمَّعَهَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَنَّى بِسَبِي . فَأَتَتْهُ تَسْأَلُهُ خَادِمًا فَلَمْ تُوَافِقْهُ . فَذَكَرَتْ لِعَائِشَةَ . فَجَاءَ
 النَّبِيُّ ﷺ فَذَكَرَتْ ذَلِكَ عَائِشَةُ لَهُ . فَأَتَانَا وَقَدْ دَخَلْنَا مَضَاجِعَنَا ، فَذَهَبْنَا لِنَقُومَ ، فَقَالَ :
 (عَلَى مَكَانِكُمَا) . حَتَّى وَجَدْتُ بُرْدَ قَدَمَيْهِ عَلَى صَدْرِي . فَقَالَ : (أَلَا أَذْلُكُمَا عَلَى خَيْرٍ مِمَّا
 سَأَلْتُمَاهُ ، إِذَا أَخَذْتُمَا مَضَاجِعَكُمَا فَكَبَّرَا اللَّهُ أَرْبَعًا وَثَلَاثِينَ ، وَأَحْمَدًا ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ ، وَسَبَّحًا
 ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ ، فَإِنَّ ذَلِكَ خَيْرٌ لَكُمَا مِمَّا سَأَلْتُمَاهُ) . [۳۵۰۲ . ۵۰۴۶ . ۵۰۴۷ . ۵۹۵۹]

تراجم رجال

۱- بدل بن المحبر
 یہ بدل بن المحبر - بشدد ید الباء - رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

۲- شعبہ

یہ مشہور امام حدیث شعبہ بن الحجاج عتکی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الإیمان،
 ”باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده“ کے تحت آچکے (۳)۔

۳- الحکم

یہ الحکم بن عتیبہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب العلم، ”باب السمر في العلم“ کے تحت

(۱) قوله: ”علي“: الحديث أخرجه البخاري أيضاً، كتاب فضائل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، باب
 مناقب علي.....، رقم (۳۷۰۵)، وكتاب النفقات، باب عمل المرأة في بيت زوجها، رقم (۵۳۶۱)، وباب
 خدام المرأة، رقم (۵۳۶۲)، وكتاب الدعوات، باب التكبير والتسبيح.....، رقم (۶۳۱۸)، ومسلم، كتاب
 الذكر والدعاء، باب التسبيح أول النهار.....، رقم (۶۹۱۵-۶۹۱۷)، والترمذي، كتاب الدعوات، باب ما
 جاء في التسبيح والتكبير.....، رقم (۳۴۰۵)، وأبو داود، كتاب الخراج.....، باب بيان مواضع قسم الخمس،
 رقم (۲۹۸۸-۲۹۸۹)، وكتاب الأدب، باب التسبيح عند النوم، رقم (۵۰۶۲-۵۰۶۳)۔

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الأذان، باب استواء الظهر في الركوع۔

(۳) كشف الباري: ۱/ ۶۷۸۔

گزر چکا ہے (۱)۔

۴- ابن ابی لیلیٰ

یہ مشہور محدث عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

۵- علی

خليفة رابع حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے حالات ”کتاب العلم، باب کتابہ العلم“ کے تحت گزر چکے (۳)۔

۶- فاطمہ

یہ فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں (۴)۔

حدیث باب کا ترجمہ

عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہمیں بتلایا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاتھوں (۵) پر چکی پیسنے کی وجہ سے نشان (چھالے) پڑ گئے تھے، سو انہیں خبر ملی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ قیدی لائے گئے ہیں تو وہ نبی علیہ السلام کے پاس آئیں کہ ان سے ایک خادم لیں، لیکن ان کی آپ علیہ السلام سے ملاقات نہیں ہو سکی، تو انہوں نے اپنی ضرورت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بیان کی، نبی کریم

(۱) کشف الباری: ۴/۱۴۱۔

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الأذان، باب استواء الظہر فی الركوع۔

ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ محدثین کے ہاں ابن ابی لیلیٰ سے مراد عبدالرحمن ہوتے ہیں اور فقہاء کے نزدیک اس سے مراد عبدالرحمن کے صاحبزادے محمد بن عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ ہوتے ہیں۔ عمدۃ القاری: ۱۵/۳۶۔

(۳) کشف الباری: ۴/۱۴۹۔

(۴) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب غسل المرأة أباهما الدم.....

(۵) مسلم شریف اور ابوداؤد کی روایت میں یہ یعنی ہاتھ کی تصریح ہے، کہ چکی پیسنے کی وجہ سے ہاتھ متاثر ہوئے تھے۔ صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب التبیح أول النهار..... رقم (۶۹۱۵-۶۹۱۷)، و سنن أبی داود، کتاب الخراج..... باب فی بیان مواضع قسم الخمس، رقم (۲۹۸۸)۔

صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے، حضرت عائشہ نے ان سے ذکر کیا کہ فاطمہ آئی تھیں اور اپنی ضرورت بیان کر گئی ہیں۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ہاں تشریف لائے، درانحالیکہ ہم اپنے اپنے بستروں میں جا چکے تھے، آپ کو دیکھ کر ہم نے اٹھنا چاہا تو آپ نے منع فرما دیا اور کہا دونوں اپنی جگہ رہو۔ یہاں تک کہ آپ کے قدموں کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے پر محسوس کی، سو فرمایا، میں تمہیں اس سے بہتر چیز نہ بتاؤں جس کا تم دونوں نے مجھ سے تقاضا کیا ہے؟ جب تم دونوں اپنے اپنے بستروں میں جاؤ تو چونتیس بار اللہ اکبر، تینتیس بار الحمد للہ اور تینتیس بار سبحان اللہ کہو، یہ عمل تم دونوں کے لیے اس سے بہتر ہے، جس کا تم نے تقاضا کیا ہے۔

حدیث کے بعض اجزاء کی شرح

سب کے معنی چھیننے اور لوگوں کو پکڑنے کے ہیں اور اس کا اطلاق غلام و باندی دونوں پر ہوتا ہے، اس کی جمع سبایا ہے (۱)۔ اسی طرح خادم کا اطلاق بھی مرد و عورت دونوں پر ہوتا ہے (۲)۔

باب کی روایت میں فائتہ تسألہ آیا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا آئیں۔ آیا ان کے ساتھ اور کوئی بھی تھا، اس کی یہاں تصریح نہیں۔ امام ابو داؤد نے ایک روایت نقل کی ہے، اس میں ام الحکم بنت الزبیر یا ضباعۃ بنت الزبیر رضی اللہ عنہما کا یہ بیان ہے:

”أصاب رسول الله صلى الله عليه وسلم سبياً، فذخبت أبا وأختي وفاطمة بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم، فشكونا إليه ما نحن فيه، وسألناه أن يأمر لنا بشيء من السبي، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: سبقكن يتامى بدر“ (۳)۔

کہ ”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کچھ قیدی لگے، تو میں اور میری بہن اور فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضور کے پاس گئے، ان سے جس تکلیف و مشقت کا ہم شکار تھے، اس کا ذکر کیا اور یہ درخواست کی کہ قیدیوں میں سے کچھ ہمیں بھی دیے جائیں (بطور خادم)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا کہ یتامی بدر تم سے سبقت لے گئے ہیں۔“

(۱) عمدة القاري: ۳۶/۱۵۔

(۲) جامع الأصول للجوزي: ۲۵۶/۴۔

(۳) انظر سنن أبي داود، كتاب الخراج، باب في بيان مواضع قسم رقم (۲۹۸۷)۔

ابوداؤد شریف کی روایت سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی دو صاحبزادیاں بھی تھیں، وہیں یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ غزوہ بدر کے بعد کا واقعہ ہے۔ پھر حدیث باب میں یہ آیا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گھر میں غیر موجودگی کی وجہ سے اپنی حاجت کا ذکر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کیا تھا، اکثر روایات میں اسی طرح ہے، البتہ دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ”علل“ میں ایک روایت نقل کی ہے، جس میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا ذکر ہے۔ حافظ نے دونوں میں تطبیق دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ دونوں ازواج مطہرات کے گھروں میں فاطمہ رضی اللہ عنہن آئی ہوں کہ پہلے تو حضرت عائشہ کے ہاں آئیں۔ آپ علیہ السلام وہاں نہیں ملے تو ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تشریف لے گئیں (۱)۔

فأتانا وقد دخلنا مضاجعنا، فذهبنا لنقوم، فقال: علي مكانكما، حتى وجدت برد قدميه علي صدري

اس عبارت میں مختلف فوائد ہیں:

- ① نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب ان دونوں کے پاس تشریف لائے وہ رات کا وقت تھا، چنانچہ ایک روایت میں ”أتانا النبي ﷺ ذات ليلة“ (۲) کہ ایک رات نبی علیہ السلام ہمارے پاس آئے، کی صراحت ہے۔
- ② نیز جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اس وقت یہ دونوں لحاف اوڑھ چکے تھے کہ سردی کے دن تھے، ان دونوں نے جب آپ علیہ السلام کو دیکھا تو کھڑے ہونے اور کپڑے زیب تن کرنے کا ارادہ کیا تو آپ نے روک دیا کہ اپنی حالت اور جگہ پر رہو، اٹھنے کی ضرورت نہیں، ایک روایت میں ہے، ”وكانت ليلة باردة، وقد دخلت هي وعلي في اللحاف، فأرادا أن يلبسا الثياب.....“ (۳)۔

اس سے فقہاء نے یہ مسئلہ مستنبط کیا ہے کہ باپ اپنی بیٹی کے ہاں اس وقت بھی جاسکتا ہے کہ جب وہ اپنے شوہر کے ساتھ لیٹی ہوئی ہو (۴)۔

(۱) العلل للدارقطني: ۲۸۲/۳-۲۸۴، رقم السؤال: (۴۰۶)، وفتح الباري: ۱۱/۱۲۴۔

(۲) مسند أحمد: ۴۴/۱، مسند علي بن أبي طالب رضي الله عنهما، عن ابن أبي ليلى، رقم (۱۲۲۹)۔

(۳) عمدة القاري: ۳۶/۱۵۔

(۴) شرح ابن بطلال: ۲۷۳/۵۔

❶ ابوداؤد شریف کی ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ نبی علیہ السلام ان دونوں کے سرہانے کی طرف سے تشریف لائے، جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد گرامی قد ر صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو شرم و حیا سے اپنا چہرہ لحاف میں چھپا لیا (۱)۔

❷ بخاری شریف ہی کی ایک روایت میں یہ زیادتی بھی ہے کہ نبی علیہ السلام ان دونوں کے درمیان آکر بیٹھ گئے، ”فجاء، فقعده بيني وبينها“ (۲)۔

اس سے فقہاء نے یہ مسئلہ استنباط کیا ہے کہ باپ اپنی بیٹی اور اس کے شوہر کے درمیان بیٹھ بھی سکتا ہے، جب کہ وہ لیٹے ہوئے ہوں، اگرچہ باپ کے جسم کا کوئی حصہ بیٹی کے جسم سے مس بھی ہو رہا ہو، جیسے روایت باب میں قد مین کی بروایت کا ذکر حضرت علی رضی اللہ عنہ فرما رہے ہیں (۳)۔

لیکن امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اس کو جائز نہیں کہتے (۴)۔ احوط بھی یہی ہے کہ جائز نہ ہو، خصوصاً ہمارے اس زمانے میں، جب محارم کی پہچان ختم ہوتی جا رہی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو معصوم تھے، ان کے بارے میں اس طرح سوچنا بھی درست نہیں۔

الأمر فوق الأدب

پھر حدیث میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام کو دیکھ کر حضرت علی وفاطمہ رضی اللہ عنہما نے ادباً قیام کا ارادہ کیا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکماً فرمایا، ”علی مکانکما“ کہ اپنی جگہ رہو، اس کے بعد یہ دونوں کھڑے نہیں ہوئے، اپنی سابقہ حالت میں رہے، چنانچہ یہ ”الأمر فوق الأدب“ کے قبیل سے ہے کہ جب آپ کا حکم آگیا تو ادباً جو کھڑے ہونے کا ارادہ کیا تھا، اسے ترک کر دیا (۵)۔

اس کے بعد یہ سمجھیے کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ”حتی وجدت برد قدمیه“ کے مجازی معنی

(۱) سنن أبي داود، کتاب الأدب، باب التسييح عند النوم، رقم (۵۰۶۳)۔

(۲) صحيح البخاري، کتاب النفقات، باب عمل المرأة في بيت زوجها، رقم (۵۳۶۱)۔

(۳) شرح ابن بطلال: ۲۷۳/۵۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) لامع الدراري: ۳۰۲/۷۔

مراد لیتے ہوئے اس کی تفسیر طمانینت اور سکینہ سے کی ہے، مطلب یہ ہے کہ میں نے ایک قسم کا اطمینان اور سکون محسوس کیا اور فرمایا ہے کہ اس سے بردحسی مراد نہیں ہے (۱)۔

لیکن حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کے لائق تو یہی ہے کہ ”برد قدمیہ“ سے طمانینت اور سکینہ مراد ہو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی شان ہر اعتبار سے راحت و سکون اور طمانینت تھی، تاہم روایات سے ظاہر یہی ہے کہ یہاں بردت حسی مراد ہے، چنانچہ طبری کی ایک روایت میں صراحۃً یہ الفاظ منقول ہیں: ”قال علی: حتی وجدت برد قدمیہ علی صدری فسختہما“ (۲) کہ میں نے ان کے قدمین مبارکین کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی تو میں نے انہیں گرمادیا۔ اور ایک روایت جو پیچھے بھی گزری اس میں ”وکانت لیلة باردة“ (۳) ہے (۴)، ان سب میں بردت حسی کا ذکر ہے، علاوہ ازیں پیچھے ذکر کردہ روایت میں لفظ لحاف (۵) بھی اس پر دلالت کرتا ہے کہ دن سردیوں کے تھے، چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر سے تشریف لائے تھے، اس لیے پاؤں ٹھنڈے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب

فقال: ألا أدلکما علی خیر مما سألتما نی؟

سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز نہ بتلاؤں جس کا تقاضا تم دونوں نے مجھ سے کیا ہے؟

اصل میں سائلہ حضرت فاطمہ تھیں، لیکن یہ طلب و تقاضا چوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہما کی رضا مندی سے تھا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلب کی نسبت دونوں کی طرف فرمائی اور کہا، ”سألتما نی“ (۶)۔ بلکہ جامع ترمذی کی ایک روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود اپنی اہلیہ مکرمہ

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) فتح الباری: ۱۱/۱۲۰، رقم (۶۳۱۸)، وعمدة القاری: ۳۶/۱۵، طبری۔

(۳) لم أجده فی متن الحديث، وإنما ذكره العینی فی العمدة: ۳۶/۱۵۔

(۴) تعلیقات اللامع: ۳۰۲/۷۔

(۵) انظر سنن أبي داود، کتاب الأدب، باب التسییح عند النوم، رقم (۵۰۶۳)۔

(۶) عمدة القاری: ۳۶/۱۵۔

کو نبی علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا تھا کہ وہاں سے کوئی خادم دیکھ لو، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”شکث إلي فاطمةُ مجل يديها من الطحن، فقلت لها: لو أتيت

أباك، فسألتيه خادماً؟.....“ (۱)۔

تلقین کردہ کلمات کی حکمت و خاصیت

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خادم کا تقاضا کیا تھا، جواباً آپ علیہ السلام نے ان کلمات کی تلقین فرمائی، جن کا حدیث میں ذکر ہے، ان کلمات کو ”سیح فاطمی“ بھی کہا جاتا ہے، امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ جو شخص سوتے وقت ان کلمات کی پابندی کرے گا اور ضرور بالضرور ان کا ورد کرے گا تو اسے کبھی تھکاوٹ نہیں ہوگی، کیوں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے شکایت بھی اسی کی، کی تھی کہ کام کی زیادتی اور چکی وغیرہ پیسنے کی وجہ سے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں، اس لیے ایک خادم عنایت کر دیجئے، لیکن آپ علیہ السلام نے بجائے خادم عطا کرنے کے ان کلمات کی تلقین فرمائی (۲)۔

تاہم حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کو اس میں تامل ہے، وہ یہ فرماتے ہیں کہ تھکاوٹ کا بالکل نہ ہونا متعین نہیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو شخص ان کلمات کی پابندی کرے گا اسے کام کی زیادتی سے نقصان نہیں ہوگا، نہ ہی کام کا ج اس کے لیے بھاری ثابت ہوگا، اگرچہ تھکاوٹ لاحق بھی ہو (۳)۔

ان کلمات کی تلقین کی حکمت بیان کرتے ہوئے علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جاریہ کے بدلے آپ علیہ السلام نے ان کو یہ کلمات تلقین فرمائے اور اسے خیر قرار دیا کہ ذکر کا فائدہ ثوابِ آخرت ہے اور جاریہ کا فائدہ خدمت وغیرہ ہے، جو دنیوی امر ہے، چنانچہ یہ امر مسلم ہے کہ ”الثواب أكثر وأبقى، فهو خير“ (۴)۔

(۱) الجامع للترمذی، کتاب الدعوات، باب ماجاء فی التسبیح والتکبیر.....، رقم (۳۴۰۵)، وأخرجه أبو

داود أيضاً فی سننه، کتاب الخراج.....، باب فی بیان مواضع قسم الخمس، رقم (۲۹۸۸)۔

(۲) فتح الباری: ۱۱/۱۲۴-۱۲۵، کتاب الدعوات، رقم (۶۳۱۹)، والوایل الصیب: ۲۰۶، ذکر اللہ

وفوائده، الحادية والستون۔

(۳) فتح الباری: ۱۱/۱۲۵۔

(۴) عمدة القاری: ۱۵/۳۶، ومثله عند ابن بطال بزيادة: ۲۷۳/۵۔ حدیث باب کی مزید شرح کے لیے دیکھیے،

کشف الباری، کتاب الدعوات: ۲۰۴۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

ترجمہ کی حدیث کے ساتھ مطابقت واضح ہے، ترجمہ میں امام بخاری کا دعویٰ یہ تھا کہ امام وقت کو اموال خمس میں تصرف کا اختیار کلی ہے، جہاں چاہے صرف کرے، اس میں کسی کی کوئی تخصیص نہیں۔ چنانچہ حدیث باب میں دیکھیے کہ آپ علیہ السلام نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اپنے قریب ترین اور جگر گوشہ ہونے کے باوصف خادم عطا کرنے سے منع فرمادیا اور دیگر مستحقین کو ان پر ترجیح دی۔ قالہ إسماعیل القاضي (۱)۔

یہی بات امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمائی ہے، لکھتے ہیں:

”ولو كان قسما مفروضا لذوي القربى لأخدم ابنته، ولم يكن عليه السلام ليدع شيئا اختاره الله لهم وامتن به عليهم؛ لأن ذلك حيف على المسلمين، واعتراض لما أفا، الله عليهم، فأخدم منه ناسا، وتركه ابنته، ثم لم تدع فيه رضي الله عنها حقاً لقربة حين وكلها إلى التسبيح، ولو كان فرضاً لبينه تعالى كما بين فرائض المواريث“ (۲)۔

اسی کو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا اور مزید فرمایا:

”وأن أبا بكر وعمر أخذوا بذلك، وقسما جميع الخمس، ولم يجعلوا لذوي القربى منه حقاً مخصوصاً به، بل بحسب ما يرى الإمام، وكذلك فعل علي.....“ (۳)۔

ایک اہم تنبیہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب میں اہل صفہ اور اراذل کا ذکر بھی کیا تھا، لیکن ترجمہ کے تحت نقل کردہ حدیث میں ان کا ذکر نہیں ہے۔

اس کی توجیہ کرتے ہوئے حافظ فرماتے ہیں کہ امام بخاری رحمہما اللہ نے اپنی معروف عادت کے موافق

(۱) فتح الباری: ۶/۲۱۶، وشرح ابن بطلال: ۵/۲۷۰۔

(۲) شرح ابن بطلال: ۵/۲۷۱، وفتح الباری: ۶/۲۱۶۔

(۳) شرح معانی الآثار للطحاوی: ۲/۲۰۱، وشرح ابن بطلال: ۵/۲۷۱، وفتح الباری: ۶/۲۱۶۔

یہاں ان روایات اور حدیث کے ان طرق کی طرف اشارہ پراکتفا کیا ہے، جن میں ان کا ذکر ہے۔
چنانچہ مسند احمد (۱) کے ایک طریق میں حدیث باب کو مطولاً ذکر کیا گیا ہے، اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ کلمات بھی ہیں:

”وَاللّٰهُ لَا أُعْطِيْكُمْ وَأَدْعُ أَهْلَ الصَّفَةِ تَطْوِي بِطَوْنِهِمْ مِنَ الْجُوعِ، لَا أَحَدٌ مَا أَنْفَقَ عَلَيْهِمْ، وَلَكِنْ أُبَيِّعُهُمْ وَأَنْفَقَ عَلَيْهِمْ أَثْمَانُهُمْ“ (۲)۔

”بخدا! میں تمہیں نہیں دے سکتا، جب کہ اہل صفہ کے پیٹ بھوک کی وجہ سے لگے ہوئے ہیں، میرے پاس ایسی کوئی چیز بھی نہیں، جو ان پر خرچ کروں، اس لیے میں ان خادین کو بیچ کر ان کی قیمت اہل صفہ پر خرچ کروں گا۔“

مسند احمد کی اس روایت سے یہ فائدہ مستنبط ہوا کہ طلبائے علوم دینیہ کو خمس غنائم وغیرہ میں مقدم کیا جائے گا، ان لوگوں کے مقابلے میں جن کا ذکر آیت کریمہ میں کیا گیا ہے (۳)۔

۷ - باب : قَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى : «فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ» / الأنفال : ۴۱ /
بَعْنِي : لِلرَّسُولِ قَسَمَ ذَلِكَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : (إِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَخَازِنٌ ، وَاللَّهُ يُعْطِي) .

ترجمہ الباب کا مقصد

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس امر کو رائج قرار دے رہے ہیں کہ خمس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حصہ نہیں تھا، آپ صرف تقسیم کے ذمے دار تھے، یہی کام آپ کو منجانب اللہ خمس کے معاملے میں مفوض کیا گیا تھا کہ اس کو اس کے مستحقین تک پہنچا دیا جائے۔
حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”أن إضافة الخمس إليه تبارك وتعالى تبرك، وإلى النبي صلى الله

(۱) مسند الإمام أحمد بن حنبل: ۱/۳۱۴، مسند علي بن أبي طالب، رضي الله عنه، رقم (۸۳۸)۔

(۲) فتح الباري: ۶/۲۱۶، وعمدة القاري: ۱۵/۳۶۔

(۳) شرح ابن بطلال: ۵/۲۷۲۔

علیه وسلم باعتبار أنه يقسمه، وإنما هو لنوائب المسلمين“ (۱)۔

آیت کریمہ کی تفسیر میں اختلاف

ترجمۃ الباب کے تحت ذکر کردہ آیت کی تفسیر میں مفسرین رحمہم اللہ کا اختلاف ہے، اس کی کچھ تفصیل پچھلے باب میں ذکر کی گئی، یہاں باب سے متعلق جو مسئلہ ہے، وہ یہ کہ ﴿وللرسول﴾ میں جو لام ہے، یہ لام تملیک ہے یا اور کچھ؟

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری رائے کو رائج قرار دیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سہم خمس کے مالک نہیں ہوا کرتے تھے، بلکہ آپ کو صرف تقسیم خمس کا فریضہ مفوض کیا گیا تھا کہ اس کے مصارف میں اس کو خرچ کریں۔ اس مسئلے میں شافعیہ کے دو قول ہیں اور مشہور قول تملیک کا ہے، وہ یہ کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام جنگ میں حاضر ہوں یا نہ ہوں، ان کو ایک حصہ ضرور ملتا تھا اور آپ اس کے مالک ہوا کرتے تھے (۲)۔

مالکیہ کا مذہب اس سلسلے میں وہی ہے، جو امام بخاری کا ہے (۳)۔

امام اسماعیل قاضی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”لا حجة لمن ادعى أن الخمس يملكه النبي صلى الله عليه وسلم بقوله تعالى: ﴿واعلموا أنما غنمتم من شيء، فإن لله خمسه وللرسول﴾ (۴)؛ لأنه تعالى قال: ﴿يسألونك عن الأنفال، قل الأنفال لله والرسول﴾ (۵)، واتفقوا على أنه قبل فرض الخمس كان يعطي الغنيمة للغانمين بحسب ما يؤدي إليه اجتهاده، فلما فرض الخمس تبين للغانمين أربعة أخماس الغنيمة، لا يشار كهم فيها أحد، وإنما خص النبي صلى الله عليه وسلم بنسبة الخمس

(۱) لامع الدراري وتعليقاته: ۳۰۲/۷۔

(۲) فتح الباري: ۲۱۷/۶-۲۱۸، وعمدة القاري: ۳۶/۱۵۔

(۳) بداية المجتهد: ۴۴۶/۳، كتاب الجهاد، الفصل الأول في حكم خمس الغنيمة۔

(۴) الأنفال: ۴۱۔

(۵) الأنفال: ۱۔

إليه إشارة إلى أنه ليس للغانمين فيه حق؛ بل هو مفوض إلى رأيه، وكذلك إلى الإمام بعده.....“ (۱).

اس عبارت میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل کا جہاں رو ہے، وہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت خمس کی حکمت بھی ہے۔

چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ظاہر آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ یہاں لام تملیک کا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خمس کے مالک ہوا کرتے تھے۔ لیکن یہ دلیل اس لیے درست نہیں کہ سورہ انفال کی پہلی آیت میں بھی ﴿الْأَنْفَالُ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ﴾ فرمایا گیا ہے، یہ آیت خمس کی فرضیت سے قبل کی ہے اور اس پر تقریباً سبھی کا اتفاق ہے کہ خمس کی فرضیت سے قبل بھی غنیمت کی تقسیم ہوئی ہے اور یہ تقسیم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صوابدید اور اجتہاد کے مطابق ہوئی تھی، چنانچہ جب فرضیت خمس کی ہوئی تو یہ بات واضح ہو گئی کہ غنیمت کے پانچ حصوں میں چار پر خود لشکر کا حصہ ہے، جن میں اور کوئی ان کے ساتھ شریک نہیں ہو سکتا (اور ایک حصہ جو خمس کہلاتا ہے، اس سے متعلق تفصیل گزشتہ باب میں گزر چکی)۔

﴿وللرسول﴾ کے تخصیص بالذکر کی وجہ

اب یہ سوال رہتا ہے کہ پھر آیت کریمہ میں ﴿وللرسول﴾ کے تخصیص بالذکر کی کیا وجہ ہے؟ اور خمس کی نسبت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کیوں کی گئی؟

(۱) فتح الباری: ۲۱۸/۶، وقال ابن بطال رحمه الله في شرحه (۲۷۴/۵): ”وغرض البخاري في هذا الباب أيضا الرد على من جعل للنبي خمس الخمس ملكاً؛ استدلالاً بقوله تعالى: ﴿وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ﴾، وهو قول الشافعي“.

قال المهلب: ”وإنما خص بنسبة الخمس إليه عليه السلام، لأن ليس للغانمين فيه دعوى، وإنما هو إلى إجتهد الإمام، فإن رأى رفعه في بيت المال لما يخشى أن ينزل بالمسلمين رفعه، أو يجعله فيما يراه، وقد يقسم منه للغانمين، كما أنه يعطي من المغنم لغير الغانمين، كما قسم لجعفر وغيره ممن لم يشهد الواقعة، فالخمس وغيره إلى قسمته عليه السلام واجتهاده، وليس له في الخمس ملك، ولا يملك من الدنيا إلا قدر حاجته، وغير ذلك كله عائد على المسلمين، وهذا معنى تسميته بقاسم، وليست هذه التسمية بموجبه ألا تكون أثره في اجتهداه لقوم دون قوم“ (ابن بطال: ۲۷۴/۵-۲۷۵).

اس کا جواب بھی خود قاضی اسماعیل صاحب نے دیا ہے کہ آیت کریمہ میں نبی اکرم ﷺ کا ذکر یہ بتلانے کے لیے کیا گیا کہ اس خمس میں غنمین کا کوئی حق نہیں، ان کا حق صرف اربعہ انخماس الغنیمہ سے متعلق ہے اور اس کا مصرف کیا ہوگا، اس کو کہاں خرچ کیا جائے گا؟ تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہ نبی اکرم ﷺ کی رائے پر ہے، انہیں اختیار ہے کہ اسے جہاں مرضی خرچ کریں، یہی حکم بعد میں آنے والے ہر امام وقت کے لیے بھی ہے۔

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : (إِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ وَخَازِنٌ ، وَاللَّهُ يُعْطِي) .

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے: میں تو تقسیم کنندہ اور خازن ہوں اور دینے والی ذات اللہ کی ہے۔

تعلیق کا مقصد

یہ تعلیق ہے اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے ذریعے اپنے بیان کردہ موقف پر استدلال کیا ہے کہ نبی علیہ السلام خمس کے اپنے حصے کے مالک نہیں تھے، بلکہ تقسیم کنندہ اور اس کی محافظت کے ذمے دار تھے اور ان حضرات پر رد کیا ہے، جو اس کی ملکیت کے قائل ہیں (۱)۔

مذکورہ تعلیق کی موصولاً تخریج

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام بخاری کی مذکورہ بالا تعلیق انہی الفاظ کے ساتھ اس سیاق واحد میں کہیں بھی نہیں آئی۔ درحقیقت یہ تعلیق دو مختلف حدیثوں سے لی گئی ہے۔ چنانچہ ”إنما أنا قاسم“ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث کا ٹکڑا ہے، جو آگے اسی باب (۲) میں موصولاً آرہی ہے۔ اسی طرح پیچھے کتاب العلم میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث گزری ہے، اس میں یہ الفاظ آئے ہیں: ”إنما أنا قاسم، واللہ یعطی“ (۳)۔ جہاں تک حدیث ”إنما أنا خازن، واللہ یعطی“ کا تعلق ہے تو یہ حدیث حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے آگے کتاب الاعتصام..... (۴) میں موصولاً آرہی ہے (۵)۔

(۱) عمدة القاري: ۳۷/۱۵۔

(۲) البخاري، رقم (۳۱۱۷)۔

(۳) صحيح البخاري، كتاب العلم، باب من يرد الله به خيراً يفقهه في الدين، رقم (۷۱)۔

(۴) صحيح البخاري، كتاب الاعتصام، باب قول النبي ﷺ: ”لا تزال طائفة.....“، رقم (۷۳۱۲)۔

(۵) تغليق التعليق: ۴۷۱/۳، وفتح الباري: ۲۱۸/۶۔

اس سے ملتے جلتے الفاظ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے امام ابو داؤد نے بھی نقل کیے ہیں (۱)۔ ان کی حدیث کے الفاظ امام بخاری کے مدعی پر زیادہ صراحت کے ساتھ دلالت کرتے ہیں، اس کے الفاظ یہ ہیں:

”إن أنا إلا خازن، أضع حيث أمرت“ (۲)۔

مذکورہ تعلیق کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا مدعی یہ بیان کیا تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خمس الخمس کے مالک نہیں تھے، بلکہ منتظم و متولی تھے، اس کے اثبات کے لیے انہوں نے مذکورہ بالا تعلیق نقل کی، جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کو قاسم کہا ہے اور خازن کہا ہے اور اللہ تعالیٰ کو دینے والا بتلایا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ آپ کسی چیز کے مالک نہیں ہوا کرتے تھے۔ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”واستدل علی مدعاه من حیث إنه صلی اللہ علیہ وسلم سمی نفسه

قاسما، واللہ المعطى؛ فعلم أنه لم یکن یملک شیئاً، واللہ أعلم“ (۳)۔

اس کے بعد یہ سمجھیے کہ امام بخاری نے اپنے مدعی کے لیے چار موصول حدیثیں بھی ذکر کی ہیں، ان میں کی پہلی حدیث حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی ہے، جو مؤلف نے مختلف طرق سے نقل کی ہے (۴)۔

۲۹۴۷/۲۹۴۶ : حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ : عَنْ سُلَيْمَانَ وَمَنْصُورٍ وَقَتَادَةَ : سَمِعُوا سَالِمَ بْنَ أَبِي الْجَعْدِ : عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ : وَلِدَ لِرَجُلٍ مِنَّا مِنَ الْأَنْصَارِ غُلَامٌ ، فَأَرَادَ أَنْ يُسَمِّيَهُ مُحَمَّدًا . قَالَ شُعْبَةُ : فِي حَدِيثِ مَنْصُورٍ : إِنَّ الْأَنْصَارِيَّ قَالَ : حَمَلْتُهُ عَلَى عُنُقِي فَأَتَيْتُ بِهِ النَّبِيَّ ﷺ . وَفِي حَدِيثِ سُلَيْمَانَ : وَلِدَ لَهُ غُلَامٌ ، فَأَرَادَ أَنْ يُسَمِّيَهُ مُحَمَّدًا ، قَالَ : (سَمُّوا بِاسْمِي وَلَا تَكُونُوا بِكُنْيَتِي ، فَإِنِّي إِنَّمَا جُعِلْتُ قَاسِمًا أَقْسِمُ بَيْنَكُمْ) . وَقَالَ حُصَيْنٌ :

(۱) سنن أبي داود، كتاب الخراج، باب فيما يلزم الإمام من أمر الرعية رقم (۲۹۴۹)۔

(۲) عمدة القاري: ۳۷/۱۵، وفتح الباري: ۲۱۸/۶۔

(۳) لامع الدراري: ۳۰۳/۷۔

(۴) فتح الباري: ۲۱۸/۶۔

(۵) قوله: ”جابر بن عبد الله رضي الله عنهما“: الحديث، أخرجه البخاري في نفس هذا الباب، رقم

(۳۱۱۵)، وكتاب الأنبياء، باب كنية النبي صلى الله عليه وسلم، رقم (۳۵۳۸)، وكتاب الأدب، باب أحب =

(بُعِثْتُ قَاسِمًا أَقْسِمُ بَيْنَكُمْ) . قَالَ عَمْرُو : أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ قَتَادَةَ قَالَ : سَمِعْتُ سَالِمًا ، عَنْ جَابِرٍ : أَرَادَ أَنْ يُسَمِّيَهُ الْقَاسِمَ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (سَمُّوا بِاسْمِي ، وَلَا تَكْتَنُوا بِكُنْيَتِي) .

تراجم رجال

۱- ابوالولید

یہ ابوالولید ہشام بن عبد الملک طرابلسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الایمان، ”باب علامة الایمان حب الأنصار“ کے تحت آچکا (۱)۔

۲- شعبہ

یہ امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ بن الحجاج بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الایمان، ”باب المسلم من سلم المسلمون من.....“ کے تحت گزر چکے (۲)۔

۳- سلیمان

یہ سلیمان بن مہران المعروف بالاعمش رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الایمان، ”باب ظلم دون ظلم“ کے تحت بیان کیے جا چکے ہیں (۳)۔

۴- منصور

یہ منصور بن معتمر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب العلم، ”باب من جعل لأهل العلم أياما

= الأسماء إلى الله عز وجل، رقم (۶۱۸۶)، وباب قول النبي صلى الله عليه وسلم: ”سموا باسمي.....“، رقم (۶۱۸۷)، و (۶۱۸۹)، وباب من سمى بأسماء الأنبياء، رقم (۶۱۹۶)، ومسلم، كتاب الأدب، باب النهي عن التكني بأبي القاسم، رقم (۵۵۸۸-۵۵۹۷)، والترمذي، كتاب الأدب، باب ما جاء في كراهة الجمع بين اسم.....، رقم (۲۸۴۲)، وأبوداود، كتاب الأدب، باب من رأى أن لا يجمع بينهما، رقم (۴۹۶۶)، وابن ماجه، كتاب الأدب، باب الجمع بين اسم النبي.....، رقم (۳۷۳۶)۔

(۱) كشف الباري: ۳۸/۲

(۲) كشف الباري: ۶۷۸/۱

(۳) كشف الباري: ۲۵۱/۲

معلومة“ کے تحت گزر چکا (۱)۔

۵- قتادہ

یہ قتادہ بن دعامہ سدوسی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الایمان، ”باب من الایمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه“ کے ذیل میں آچکے (۲)۔

۶- سالم بن ابی الجعد

یہ مشہور تابعی حضرت سالم بن ابی الجعد رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۳)۔

۷- جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما

یہ مشہور صحابی حضرت جابر بن عبد اللہ الانصاری رضی اللہ عنہما ہیں (۴)۔

۸- حصین

یہ ابوالہذیل حصین بن عبد الرحمن کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۵)۔

۹- عمرو

یہ عمرو بن مرزوق رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۶)۔

(۲۹۴۷) : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ الْأَعْمَشِ ، عَنْ سَالِمِ بْنِ أَبِي الْجَعْدِ ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ : وَلِدَ لِرَجُلٍ مِنَّا غُلَامٌ فَسَمَّاهُ الْقَاسِمَ ، فَقَالَتْ الْأَنْصَارُ : لَا نَكْنِيكَ أَبَا الْقَاسِمِ وَلَا نُنْعِمُكَ عَيْنًا ، فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللَّهِ ، وَلِدَ

(۱) کشف الباری: ۲۷۰/۳۔

(۲) کشف الباری: ۳/۲۔

(۳) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب التسمية على كل حال وعند الوقاع۔

(۴) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجين.....

(۵) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب مواقيت الصلاة، باب الأذان بعد ذهاب الوقت۔

(۶) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الغسل، باب إذا التقى الختانان۔

(۷) قوله: ”عن جابر بن عبد الله الأنصاري“: الحديث، مر تخريجه في الحديث السابق۔

لِي غُلَامٌ ، فَسَمَّيْتُهُ الْقَاسِمَ ، فَقَالَتِ الْأَنْصَارُ : لَا نَكْنِيكَ أَبَا الْقَاسِمِ وَلَا نُنْعِمُكَ عَيْنًا ، فَقَالَ
النَّبِيُّ ﷺ : (أَحْسَنَتِ الْأَنْصَارُ ، سَمُّوا بِاسْمِي وَلَا تَكْنُوا بِكُنْيَتِي ، فَإِنَّمَا أَنَا قَاسِمٌ) .

[۳۳۴۵ ، ۵۸۳۲ ، ۵۸۳۳ ، ۵۸۳۵ ، ۵۸۴۳]

تراجم رجال

۱- محمد بن یوسف

یہ محمد بن یوسف بیکندی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب العلم، ”باب متى يصح سماع الصغير؟“ کے تحت بیان کیے جا چکے (۱)۔

۲- سفیان

یہ مشہور محدث سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، ”باب ظلم دون ظلم“ کے تحت گزر چکا ہے (۲)۔

روایت کوتین طرق سے لانے کا سبب

اس کے بعد یہ سمجھئے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کوتین شیوخ سے نقل کیا ہے، ابوالولید ہشام بن عبد الملک طرابلسی، عمرو بن مرزوق اور محمد بن یوسف بیکندی رحمہم اللہ تعالیٰ۔
ابوالولید اور عمرو بن مرزوق کے شیخ شعبہ ہیں اور محمد بن یوسف بیکندی کے سفیان ثوری۔

اب سوال یہ ہے کہ مؤلف ہمام نے اس روایت کوتین طرق سے کیوں نقل فرمایا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو مختلف شیوخ سے روایت کیا ہے اور ان شیوخ کے الفاظ میں اختلاف ہے۔ اس اختلاف کو رفع کرنے اور امام ثوری کی روایت کو رائج قرار دینے کے لیے مؤلف نے یہ طریقہ اختیار کیا۔
چنانچہ امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ کی وہ روایت، جس میں امام بخاری کے شیخ ابوالولید ہیں، اس میں سلیمان ومنصور و قتادہ (ہؤلاء شیوخ شعبہ) تینوں اس پر متفق ہیں کہ انصاری جن کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تھا، وہ اپنے بیٹے کا نام محمد رکھنا چاہتے تھے۔

(۱) کشف الباری: ۳/۳۸۷

(۲) کشف الباری: ۲/۲۷۸

جب کہ عمرو بن مرزوق کی روایت، جو تعلیقاً امام بخاری نے نقل کی ہے، اس میں شعبہ قتادہ سے روایت کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ انصاری صحابی اپنے بیٹے کا نام قاسم رکھنا چاہتے تھے۔

اس طرح شعبہ کی روایت میں اختلاف آگیا کہ مذکورہ انصاری اپنے بیٹے کا نام محمد رکھنا چاہتے تھے یا قاسم؟

اس اختلاف کو رفع کرنے کے لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام سفیان ثوری کی روایت بھی نقل کر دی اور اس بات کی ترجیح کی طرف اشارہ فرمادیا کہ مذکورہ انصاری اپنے صاحبزادے کا نام قاسم رکھنا چاہتے تھے، نہ کہ محمد۔

معنوی اور عقلی اعتبار سے بھی امام ثوری کی روایت اس لیے رائج ہے کہ انصار نے مذکورہ انصاری صحابی پر جو نکیر کی تھی، اس کی وجہ یہ تھی کہ اگر وہ اپنے بیٹے کا نام قاسم رکھتے تو ان کی کنیت ابوالقاسم ہو جاتی، جو دیگر انصار کو گوارہ نہیں تھا، ممانعت بھی اسی کی آئی ہے، برخلاف محمد کے، کہ اس صورت میں وہ ابو محمد کہلاتے، اس میں کوئی حرج نہیں اور اس کی ممانعت بھی نہیں (۱)۔ واللہ اعلم۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

اس حدیث کی ترجمہ کے ساتھ مطابقت اس جملے میں ہے: ”إِنَّمَا جَعَلْتُ قَاسِمًا أَقْسَمُ بِكُمْ“ یہ جملہ امام بخاری کے مدعی پر واضح دلالت کر رہا ہے (۲)۔
دوسری حدیث حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۴۸ : حَدَّثَنَا حَبَّانُ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ ، عَنْ يُونُسَ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ : أَنَّهُ سَمِعَ مُعَاوِيَةَ ^(۳) قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : (مَنْ بَرِدَ اللَّهُ بِهِ خَيْرًا يُفَقِّهُهُ فِي الدِّينِ ، وَاللَّهُ الْمُعْطِي وَأَنَا الْقَاسِمُ ، وَلَا تَزَالُ هَذِهِ الْأُمَّةُ ظَاهِرِينَ عَلَى مَنْ خَالَفَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ ظَاهِرُونَ) . [ر : ۷۱]

(۱) فتح الباری: ۲۱۸/۶، وعمدة القاری: ۳۸/۱۵، وشرح القسطلانی: ۲۰۳/۵.

(۲) عمدة القاری: ۳۸/۱۵.

(۳) قوله: ”معاویة رضی اللہ عنہ“: الحدیث، مر تخریجه فی کتاب العلم، کشف الباری: ۲۷۴/۳.

تراجم رجال

۱- حبان

یہ ابو محمد حبان بن موسیٰ مروزی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۱)۔

۲- عبد اللہ

یہ مشہور محدث و امام عبد اللہ بن مبارک مروزی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ ”بدء الوحي“ کی ”الحديث الخامس“ کے تحت اجمالاً گزر چکا ہے (۲)۔

۳- یونس

یہ یونس بن یزید الأملی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات ”بدء الوحي“ میں اجمالاً اور کتاب العلم، ”باب من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ.....“ کے تحت تفصیلاً گزر چکے ہیں (۳)۔

۴- الزہری

یہ محمد بن مسلم ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ ”بدء الوحي“ میں آچکا (۴)۔

۵- حمید بن عبد الرحمن

یہ حمید بن عبد الرحمن بن عوف قرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الإیمان، ”باب تطوع قیام رمضان.....“ کے تحت گزر چکے ہیں (۵)۔

۶- معاویہ

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کتاب العلم، ”باب من یرد اللہ بہ خیراً“

(۱) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الأذان، باب یسلم حین یسلم الإمام.

(۲) کشف الباری: ۱/۴۶۲.

(۳) کشف الباری: ۱/۴۶۳، و ۳/۲۸۲.

(۴) کشف الباری: ۱/۳۲۶، الحديث الأول.

(۵) کشف الباری: ۲/۳۱۶.

یفقہہ.....“ کے تحت بیان کیا جا چکا (۱)۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت حمید بن عبد الرحمن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں، اسے دین کی سمجھ سے نوازتے ہیں اور دینے والی ذات اللہ کی ہے اور میں تقسیم کنندہ ہوں۔ اور یہ امت ہمیشہ اپنے مخالفین پر غالب رہے گی، یہاں تک کہ اللہ کا حکم (یعنی قیامت) آجائے اور یہ غالب ہی رہیں گے۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت

یہ حدیث تین اجزاء پر مشتمل ہے، اس کا پہلا جز ”من یرد اللہ..... الدین“ ہے، اس کی مفصل شرح کتاب العلم میں گزر چکی (۲)۔

دوسرا جز ”واللہ المعطی وأنا القاسم“ ہے، یہی حصہ ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا دعویٰ یہی تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اموال غنیمت کے تقسیم کنندہ ہیں، اسی کا اظہار اس جملے میں موجود ہے (۳)۔

تیسرا جز ”ولا تزال هذه الأمة..... وهم ظاهرون“ ہے، اس کی شرح بھی کتاب العلم میں گزر چکی ہے (۴)۔

تیسری حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۴۹ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ : حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ : حَدَّثَنَا هِلَالٌ ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي عَمْرَةَ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ : (مَا أُعْطِيَكُمْ وَلَا أَمْنَعُكُمْ ، إِنَّمَا أَنَا قَائِمٌ أُضْعُ حَيْثُ أُمِرْتُ) .

(۱) کشف الباری: ۲۸۵/۳۔

(۲) کشف الباری: ۲۸۹/۳ و ۲۹۰۔

(۳) فتح الباری: ۲۱۸/۶، وعمدة القاری: ۴۰/۱۵۔

(۴) کشف الباری: ۲۹۱/۳-۲۹۵۔

(۵) قولہ: ”عن أبي هريرة رضي الله عنه“: الحديث، تفرد به البخاري رحمه الله، انظر تحفة الأشراف:

۱۰/۱۴۹، رقم (۱۳۶۰۶)۔

تراجم رجال

۱- محمد بن سنان، ۲- فلیح، ۳- ہلال

فلیح سے عبد الملک بن سلیمان بن مغیرہ اور ہلال سے ابن علی الفہری مراد ہیں۔ ان تینوں حضرات کا تذکرہ تفصیلاً کتاب العلم، ”باب من سئل علما وهو مشغل.....“ کے تحت آچکا ہے (۱)۔

۴- عبد الرحمن بن ابی عمرہ

یہ عبد الرحمن بن ابی عمرہ الأنصاری النجاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

۵- ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب ایمان، ”باب أمور ایمان“ میں گزر چکے (۳)۔

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: ما أعطیکم، ولا أمنعکم، أنا قاسم أضع حيث أمرت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں دیتا ہوں نہ روکتا ہوں، میں تو صرف تقسیم کنندہ ہوں، جہاں حکم ہوتا ہے، وہیں صرف کرتا ہوں۔

مسند احمد میں یہی روایت فلیح سے سرتج بن نعمان نے روایت ہے، اس میں ”ما أعطیکم.....“ سے پہلے اس جملے کا اضافہ بھی ہے، ”والله المعطي“ کہ دینے والی ذات اللہ کی ہے (۴)۔

اور مطلب حدیث کا یہ ہے کہ عطا کرنے والا اللہ ہے، میں محض اپنی رائے سے کسی کو کچھ دیتا ہوں نہ روکتا ہوں، اس لیے اگر کسی کو کچھ دیا تو وہ اللہ کے حکم سے، اگر کسی کو نہیں دیا اور منع کر دیا تو وہ بھی اللہ کے حکم سے، اس میں میری ذات کو کچھ دخل نہیں، میری حیثیت صرف ایک تقسیم کرنے والے کی ہے، جو موقع محل کے اعتبار سے دیتا یا روکتا ہے (۵)۔

(۱) کشف الباری: ۵۳/۳-۵۸، و: ۶۲/۳-۶۳۔

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب المساقاة، باب حلب الإبل علی الماء۔

(۳) کشف الباری: ۶۵۹/۱۔

(۴) هذا ما ذكره الحافظ، ولكنني لم أجد هذه الرواية في مسند الإمام أحمد۔

(۵) فتح الباری: ۲۱۸/۶، وعمدة القاری: ۴۰/۱۵، وبذل المجهود: ۱۲۸/۱۰۔

اور ہمام عن ابی ہریرہ کے طریق سے جو روایت امام ابو داؤد نے نقل کی، اس میں ”إِن أَنَا إِلَّا خَازِنٌ“ (۱) ہے۔

ترجمة الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت بالکل واضح ہے، جو اس جملے میں ہے: ”أَنَا قَاسِمٌ.....“ (۲)

اس سے امام بخاری علیہ الرحمۃ کا مدعی واضح طور پر ثابت ہو رہا ہے۔

چوتھی حدیث حضرت خولہ انصاریہ رضی اللہ عنہا کی ہے۔

۲۹۵۰ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يَزِيدَ : حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي أَيُّوبَ قَالَ : حَدَّثَنِي أَبُو الْأَسْوَدِ ،

عَنْ أَبِي أَبِي عِيَّاشٍ ، وَأَسْمُهُ نَعْمَانُ ، عَنْ خَوْلَةَ الْأَنْصَارِيَّةِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ : سَمِعْتُ النَّبِيَّ

ﷺ يَقُولُ : (إِنَّ رِجَالًا يَتَخَوَّضُونَ فِي مَالِ اللَّهِ بِغَيْرِ حَقٍّ ، فَلَهُمُ النَّارُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ) .

تراجم رجال

۱- عبد اللہ بن یزید

یہ ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن یزید المقری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۴)۔

۲- سعید بن ابی ایوب

یہ سعید بن مقلاص ابو ایوب خزاعی مصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۵)۔

۳- ابو الاسود

یہ ابو الاسود محمد بن عبد الرحمن بن نوفل نوفلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۶)۔

(۱) سنن أبی داؤد، کتاب الخراج.....، باب فیما یلزم الإمام من أمر الرعية، رقم (۲۹۴۸)۔

(۲) عمدة القاری: ۴۰/۱۵

(۳) قولہ: ”عن خولة الأنصارية.....“ الحديث، أخرجه الترمذي في كتاب الزهد، باب ماجاء في أخذ المال

بحصة، رقم (۲۳۷۵)۔

(۴) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الأذان، باب بین کل أذانین صلاة لمن شاء،

(۵) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب التہجد، باب المداومة علی رکعتی الفجر۔

(۶) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الغسل، باب الجنب یتوضأ ثم ینام۔

۴- ابن ابی عیاش النعمان

یہ نعمان بن ابی عیاش زید زرقی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الجہاد والسير، ”باب فضل الصوم في سبيل الله“ کے تحت گزر چکا ہے (۱)۔

۵- خولہ الأنصاریہ

یہ حضرت خولہ بنت قیس بن قہد بن قیس بن ثعلبہ النجاریہ الانصاریہ رضی اللہ عنہا ہیں (۲)۔ بعض حضرات نے ان کے والد کا نام ثامر بتلایا ہے، لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ ثامر ان کے والد کا لقب ہے، نام نہیں۔ اس لیے کہیں ان کو بنت ثامر اور کہیں بنت قیس کہا گیا ہے، حقیقت میں یہ ایک ہی خاتون ہیں، ابن المدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ”خولة بنت قيس هي خولة بنت ثامر“ (۳)۔

بعض نے ان کا نام خویله۔ بالتصغیر۔ بھی نقل کیا ہے (۴)۔

ان کی کنیت ام محمد تھی۔ یہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب (عم الرسول) رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ ان کی شہادت کے بعد حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے ایک انصاری صحابی حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ سے نکاح کیا۔ بعض نے ان کا نام نعمان بن عجلان بتلایا ہے، جن کا تعلق بنو زریق سے تھا (۵)۔ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں۔

اور ان سے روایت کرنے والوں میں ابوالولید عبید سنوطا، معاذ بن رفاعۃ زرقی اور نعمان بن ابی عیاش زرقی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ شامل ہیں (۶)۔

(۱) کشف الباری، کتاب الجہاد: ۳۰۷/۱۔

(۲) تہذیب الکمال: ۱۶۴/۳۵، وعمدة القاری: ۴۰/۱۵، والاستیعاب: ۵۱۳/۲، و۵۱۵، وتہذیب التہذیب: ۴۱۵/۱۲۔

(۳) تہذیب المزی: ۱۶۵/۳۵، والإصابة: ۲۸۹/۴، والعمدة: ۴۰/۱۵، وتہذیب التہذیب: ۴۱۵/۱۲۔

(۴) تہذیب الکمال: ۱۶۵/۳۵، وعمدة القاری: ۴۰/۱۵، وتہذیب التہذیب: ۴۱۵/۱۲۔

(۵) تہذیب الکمال: ۱۶۵/۳۵، وعمدة القاری: ۴۰/۱۵، والاستیعاب: ۵۱۵/۲۔

(۶) تہذیب الکمال: ۱۶۵/۳۵، وتہذیب التہذیب: ۴۱۵/۱۲۔

ان سے بخاری اور ترمذی روایت کرتے ہیں (۱)۔

ان سے صرف ایک ہی حدیث (حدیث باب) مروی ہے (۲)۔ رضی اللہ عنہا وارضاها

قالت: سمعت النبي ﷺ يقول: إن رجالا يتخوضون في مال الله بغير حق،
فلهم النار يوم القيامة

حضرت خولہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ کچھ لوگ بغیر کسی حق کے اللہ کے مال میں تصرف کریں گے، سو ایسے لوگوں کے لیے قیامت والے دن جہنم کی آگ ہے۔
”یتخوضون“ خوض سے مشتق ہے، جو اصل میں پانی میں چلنے اور اسے ہلانے، حرکت دینے کے معنی میں ہے، لیکن بعد میں کسی چیز میں گھسنے اور اس میں تصرف کرنے میں مستعمل ہونے لگا (۳)۔
اس کے بعد یہ سمجھئے کہ یہی حدیث امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل کی ہے، اس میں حدیث کے الفاظ میں کچھ اضافہ بھی ہے، ابوالولید عبید سنوطا فرماتے ہیں:

”سمعت خولة بنت قيس -وكانت تحت حمزة بن عبدالمطلب-

تقول: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: إن هذا المال خضرة حلوة، من أصابه بحقه بورك له فيه، ورب متخوض فيما شاءت نفسه من مال الله ورسوله ليس له يوم القيامة إلا النار“ (۴)۔

اور ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ کی جو روایت ہے، اس میں حدیث کا پس منظر بھی ہے کہ نبی علیہ السلام نے یہ مبارک کلمات کب ارشاد فرمائے تھے، اس میں ہے:

”أن النبي صلى الله عليه وسلم تذاكر هو وحمزة بن عبدالمطلب

(۱) حوالہ جات بالا۔

(۲) معرفة الصحابة للأصبهانی: ۲۲۰/۵، وقال الخزرجي: ”لها أحاديث، روي عنها في (خ) حديثاً واحداً، وكذلك الترمذي“ خلاصته لتذهيب تهذيب الكمال: ۴۹۰، حرف الخاء، من كتاب النساء.

(۳) عمدة القاري: ۴۰/۱۵، وإرشاد الساري: ۲۰۵/۵.

(۴) جامع الترمذي، كتاب الزهد، باب (۴۱) ماجاء في أخذ المال بحقه، رقم (۲۳۷۴).

الدنيا، فقال النبي صلى الله عليه وسلم“ (۱)۔

دونوں روایات کا مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے عم محترم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آپس میں دنیا کے بارے مذاکرہ کر رہے تھے کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تحقیق! یہ دنیا راغب کرنے والی اور میٹھی ہے، نفوس اس کی طرف مائل ہوتے ہیں، خوب سے خوب تر کی تلاش میں رہتے ہیں، لیکن اس میں برکت اسی کو ہوگی، جو اپنے حصے حق کے بقدر اس میں سے لے گا، کسی کا مال ناحق نہ کھائے گا۔ اور بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کے مال میں اپنے نفس کی چاہت کے مطابق ناحق تصرف کرتے ہیں، چنانچہ ایسے لوگوں کے لیے قیامت والے دن صرف اور صرف جہنم کی آگ ہوگی، یہ اسی کے مستحق ہوں گے۔

اوپر حدیث میں مال کے لیے مؤنث خبر استعمال کی گئی ہے، کیونکہ یہاں مال، غنیمت کے معنی میں ہے، اس کی دلیل ”من مال اللہ“ کے الفاظ ہیں اور خضرة کے معنی مشتہاة کے ہیں کہ نفوس اس کی طرف مائل ہوتے ہیں (۲)۔

علاوہ ازیں حدیث میں ”من مال اللہ“ میں لفظ اللہ مظہراً قیماً مقام المضر کے قبیل سے ہے، یعنی ”من ماله“ کہہ دینا کافی تھا، لیکن لفظ اللہ کو تاکیداً ظاہر کیا گیا اور اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا کہ اللہ و رسول کے مال میں نفس کی چاہت پر تصرف کرنا انتہائی غیر مناسب فعل ہے (۳)۔

ترجمة الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

حافظ علیہ الرحمۃ تو یہ فرماتے ہیں کہ ترجمۃ الباب کے ساتھ اس حدیث کی مناسبت ”فی مال اللہ بغیر حق“ میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے مال میں باطل کے ساتھ تصرف کرتے ہیں اور وہ عام ہے کہ تقسیم کے ساتھ ہو یا بغیر تقسیم کے (۴)۔

(۱) الاستیعاب فی أسماء الأصحاب: ۵۱۵/۲۔

(۲) فتح الباری: ۲۱۹/۶۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) حوالہ بالا۔

اور علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی ترجمے کے ساتھ مناسبت خفی ہے، واضح اور صریح نہیں، البتہ یہ ممکن ہے کہ ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت کو اس جملے سے اخذ کیا جائے، ”یتخوضون فی مال اللہ بغير حق“ أي: بغير قسمة حق.

اگرچہ الفاظ میں یہاں عموم ہے، لیکن ہم نے تخصیص کر دی قسمة کے ساتھ، تاکہ ترجمہ صراحۃ مفہوم ہو جائے (۱)۔

اسی دوسرے قول کو علامہ عینی، قسطلانی اور حافظ ابن حجر کے شاگرد رشید شیخ الاسلام زکریا انصاری نے بھی اختیار کیا ہے (۲)۔

اور علامہ ابن بطل رحمۃ اللہ علیہ حضرت خولہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو ترجمہ کے تحت ذکر کرنے کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ جو بھی شخص غنیمت وغیرہ سے رسول یا ان کے بعد کے حاکم کی تقسیم کے بغیر کچھ لے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کے مال میں بغير حق کے تصرف کرنے والا ہوگا اور قیامت والے دن جو خیانت اس نے کی تھی، اسے لے کر وہ بارگاہِ خداوندی میں پیش ہوگا (۳)۔ واللہ اعلم بالصواب

حدیث سے مستنبط فائدے

اس حدیث سے ایک فائدہ تو یہ مستنبط ہوا کہ امام وقت کی تقسیم کے بغیر اگر کوئی غنیمت میں سے کچھ لے گا تو وہ گناہ گار ہوگا (۴)۔

دوسرا فائدہ اس حدیث میں یہ ہے کہ اس میں امرائے واعیان سلطنت کو اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے کہ وہ مال غنیمت یا بیت المال میں سے بغیر استحقاق کے کچھ نہ لیں، نیز اگر کوئی حق دار آتا ہے تو اسے منع نہ کریں، بلکہ اس کا حق اس کو پورا پورا دیں (۵)۔ واللہ اعلم بالصواب

(۱) حوالہ بالا، وشرح الکرماني: ۹۳/۱۳.

(۲) عمدة القاري: ۴۰/۱۵، وتحفة الباري للأنصاري: ۵۴۳/۳، وإرشاد الساري: ۲۰۵/۵.

(۳) شرح ابن بطل: ۲۷۵/۵.

(۴) فتح الباري: ۲۱۹/۶، قال ابن بطل رحمه الله: ”..... من أخذ من المقاسم شيئاً بغير قسم الرسول أو

الإمام بعده، فقد تخوض في مال الله بغير حق، ويأتي بما غل يوم القيمة“، انظر شرحه: ۲۷۵/۵.

(۵) حوالہ جات بالا.

۸ - باب : قَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ : (أَحَلَّتْ لَكُمْ الْغَنَائِمُ) .

وَقَالَ اللَّهُ تَعَالَى : «وَعَدَكُمْ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هَذِهِ» / الفتح : ۲۰ / .

وَهِيَ لِلْعَامَةِ حَتَّى يُبَيِّنَهُ الرَّسُولُ ﷺ .

اختلاف نسخ

اکثر نسخوں میں ”باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: احلت لكم الغنائم“ ہے، البتہ ابن التین کے نسخے میں ”أحلت لي.....“ آیا ہے۔ حافظ ابن حجر کا کہنا ہے کہ ابن التین کے الفاظ ہی زیادہ بہتر ہیں، کیوں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے خود بھی انہی الفاظ کے ساتھ اس باب میں حدیث ذکر کی ہے..... (۱)۔

ترجمة الباب کا مقصد

یہاں ترجمۃ الباب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ مغانم مسلمانوں کے لیے ہوتے ہیں، اللہ تبارک و تعالیٰ نے آیت کریمہ ﴿وَعَدَكُمْ اللَّهُ.....﴾ میں یہی وعدہ کیا ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی اسی پر دل ہے کہ غنیمت مسلمانوں کی ہوتی ہے اور وہ ان کے لیے حلال ہے۔

یہ تو عام مسلمانوں سے متعلق بات تھی، خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت مبارکہ کیا تھی، تو اس کو امام بخاری نے ”وهي للعامة حتى يبينه الرسول“ میں بتلایا کہ غنیمت تو دراصل مسلمانوں کی ہوگی، لیکن اس کے استحقاق کا فیصلہ نبی علیہ السلام کریں گے، کہ کس کو دینا ہے اور کس کو نہیں، کون غانم و مجاہد تھا اور کون نہیں، غنیمت میں سے کس کو حصہ ملے گا اور خمس میں سے کس کو؟ یہ سارے کام نبی علیہ السلام کے ہیں اور پھر ان کے بعد ان کے نائب و خلیفہ کے کہ وہ اس میں تقسیم کا اختیار رکھے گا۔ سو قرآن مجمل تھا، سنت سے اس کی تفسیر ہو گئی (۲)۔

اوپر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ کے تحت جو آیت ذکر کی اس کے دو حصے ہیں، ایک تو ﴿وَعَدَكُمْ اللَّهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا﴾ ہے، اس میں قیامت تک حاصل ہونے والی غنیمت کا ذکر ہے، خواہ نبی علیہ السلام کی معیت میں حاصل ہوئی یا بعد کے خلفاء و امراءے جیوش کے ساتھ۔ دوسرا ﴿فَعَجَّلَ لَكُمْ هَذِهِ﴾ ہے،

(۱) فتح الباری : ۶ / ۲۲۰ .

(۲) حوالہ بالا، وارشاد الساری : ۵ / ۲۰۵، وشرح ابن بطال : ۵ / ۲۷۷ .

اس سے مراد غنائم خیر ہیں (۱)۔

پھر اس باب میں امام بخاری نے چھ احادیث ذکر کی ہیں۔ پہلی حدیث حضرت عروہ الباری رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۵۱ : حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا خَالِدٌ : حَدَّثَنَا حُصَيْنٌ ، عَنْ عَامِرٍ ، عَنْ عُرْوَةَ الْبَارِقِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ ،^(۲) عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : (الْخَيْلُ مَعْقُودٌ فِي نَوَاصِيهَا الْخَيْرُ ، الْأَجْرُ وَالْمَغْنَمُ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ) . [ر : ۲۶۹۵]

تراجم رجال

۱- مسدد

یہ مسدد بن مسرہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الایمان، ”باب من الایمان أن يحب لأخيه.....“ کے تحت گزر چکا ہے (۳)۔

۲- خالد

یہ خالد بن عبد اللہ بن عبد الرحمن الطحان رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۴)۔

۳- حصین

یہ حصین بن عبد الرحمن سلمیٰ رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۵)۔

۴- عامر

یہ مشہور محدث عامر شعبی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات اجمالاً ”کتاب الایمان“ اور تفصیلاً کتاب

(۱) حوالہ جات بالا، وعمدة القاری: ۴۱/۱۵، وتحفة الباری: ۵۴۴/۳۔

(۲) قولہ: ”عروہ الباری“: الحدیث، مرّ تخريجہ فی کتاب الجہاد، کشف الباری، کتاب الجہاد: ۳۵۹/۱۔

(۳) کشف الباری: ۲/۲۔

(۴) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب من مضمض.....

(۵) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب مواقیب الصلاة، باب الأذان بعد ذهاب الوقت۔

العلم، ”باب کتابة العلم“ کے تحت آچکے (۱)۔

۵- عروہ البارقی

یہ حضرت عروہ بن ابی الجعد البارقی رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الجہاد، ”باب الخیل معقود فی نواصیہا الخیر.....“ کے تحت بیان کیا جا چکا ہے (۲)۔

حضرت عروہ البارقی رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے کہ گھوڑوں کی پیشانیوں میں خیر بندھی ہوئی ہے، یعنی اجر و غنیمت قیامت تک کے لیے۔ اس حدیث کی مفصل شرح کتاب الجہاد میں ہم بیان کر چکے (۳)۔

ترجمة الباب کے ساتھ مناسبت

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت واضح ہے۔ جو اس کلمے میں ہے، ”والمغنم“ (۴)۔ دوسری حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۵۲ : حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ : حَدَّثَنَا أَبُو الزِّنَادِ ، عَنِ الْأَعْرَجِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ : (إِذَا هَلَكَ كِسْرَى فَلَا كِسْرَى بَعْدَهُ ، وَإِذَا هَلَكَ قَيْصَرٌ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهُ ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتُنْفَقَنَّ كُنُوزُهُمَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ) . [ر : ۲۸۶۴]

تراجم رجال

۱- ابو الیمان

یہ ابو الیمان حکم بن نافع رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

(۱) کشف الباری: ۱/۶۷۹، و: ۴/۲۲۹۔

(۲) کشف الباری، کتاب الجہاد: ۱/۳۶۰۔

(۳) کشف الباری، کتاب الجہاد: ۱/۳۵۴-۳۶۵، باب الخیل معقود فی نواصیہا الخیر.....

(۴) عمدة القاری: ۱۵/۴۱، وفتح الباری: ۶/۲۲۰۔

(۵) قوله: ”عن أبي هريرة رضي الله عنه“: الحديث، مرّ تخريجہ فی الجہاد والسير، باب الحرب خدعة۔

۲- شعیب

یہ شعیب بن ابی حمزہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کا تذکرہ ”بدء الوحي“ کی ”الحديث السادس“ کے تحت گزر چکا ہے (۱)۔

۳- ابوالزناد

یہ ابوالزناد عبد اللہ بن ذکوان رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۴- الأعرج

یہ عبد الرحمن بن ہرمز المعروف بالأعرج رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں کے حالات کتاب الإیمان، ”باب حب الرسول صلى الله عليه وسلم من الإیمان“ کے تحت آچکے (۲)۔

۵- ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإیمان، ”باب أمور الإیمان“ کے ذیل میں بیان کیے جا چکے (۳)۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب کسری ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد اور کوئی کسری نہیں ہوگا۔ نیز قیصر ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد بھی کوئی قیصر نہیں ہوگا۔ اور اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! تم لوگ ان دونوں کے خزانوں میں سے اللہ کے راستے میں خرچ کرو گے۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

اس حدیث کی ترجمہ کے ساتھ مناسبت اس جملے میں ہے، ”لتنفقن كنوزهما في سبيل

(۱) کشف الباری: ۱/۴۷۹-۴۸۰۔

(۲) کشف الباری: ۲/۱۰-۱۱۔

(۳) کشف الباری: ۱/۶۵۹۔

اللہ“ (۱)۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق کسریٰ و قیصر کے خزانے مسلمانوں کے ہاتھ مالِ غنیمت کی صورت میں آئے اور انہوں نے اس کو خرچ کیا۔ معلوم ہوا کہ غنیمت مسلمانوں کے لیے ہے اور یہ ان کی ضرورتوں میں صرف ہوگا، البتہ تقسیم کرنے والا اللہ کا رسول اور ان کے بعد ان کا نائب اور خلیفہ ہوگا۔ اس حدیث کی مفصل شرح کتاب الجہاد میں گزر چکی ہے (۲)۔

تیسری حدیث حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۵۳ : حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ : سَمِعَ جَرِيرًا ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : (إِذَا هَلَكَ كِسْرَى فَلَا كِسْرَى بَعْدَهُ ، وَإِذَا هَلَكَ قَيْصَرٌ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهُ ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ ، لَتُنْفِقَنَّ كُنُوزَهُمَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ) . [۳۴۲۳ ، ۶۲۵۴]

تراجم رجال

۱- اسحاق

یہ اسحاق بن ابراہیم بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ابوعلی جیانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ انہوں نے کسی بھی راوی کو ان کی نسبت و نسب ذکر کرتے نہیں دیکھا، (یعنی یہ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ اسحاق سے مراد کون ہیں؟) لیکن بعد میں یہ حدیث اسی سیاق و مضمون کے ساتھ ہمیں مسند اسحاق میں ملی تو ظن غالب یہی ہے کہ ابن راہویہ مراد ہیں (۴)۔

اسحاق بن راہویہ کا تذکرہ کتاب العلم، ”باب فضل من علم وعلم“ کے تحت گزر چکا (۵)۔

(۱) فتح الباری: ۲۲۱/۶، وعمدة القاری: ۴۱/۱۵۔

(۲) کشف الباری، کتاب الجہاد: ۳۷۹-۳۸۵، باب الحرب خدعة۔

(۳) قولہ: ”عن جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ“: الحدیث، أخرجه البخاری فی کتاب الأنبیاء أيضاً، باب علامات النبوة فی الإسلام، رقم (۳۶۱۹)، وکتاب الأیمان والنذور، باب کیف كانت یمین النبی صلی اللہ علیہ وسلم؟ رقم (۶۶۲۹)، ومسلم، کتاب الفتن.....، باب لا تقوم الساعة حتی یمر الرجل بقبر الرجل.....، رقم (۷۳۲۷-۷۳۲۹)۔

(۴) فتح الباری: ۲۲۱/۶، وشرح الکرمانی: ۹۴/۱۳، ومسند اسحاق۔

(۵) کشف الباری: ۴۲۸/۳۔

۲- جریر

یہ جریر بن عبد الحمید رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب العلم، ”باب من جعل لأهل العلم أیاما معلومة“ کے تحت بیان کیے جا چکے (۱)۔

۳- عبد الملك

یہ عبد الملك بن عمیر کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

۴- جابر بن سمرہ

یہ مشہور صحابی حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ ہیں (۳)۔
اس حدیث کا مضمون بعینہ وہی ہے جو گذشتہ حدیث کا تھا۔
چوتھی حدیث حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کی ہے۔

۲۹۵۴ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ : حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ : أَخْبَرَنَا سَيَّارٌ : حَدَّثَنَا يَزِيدُ الْفَقِيرُ :
حَدَّثَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : (أُحِلَّتْ لِي الْغَنَائِمُ) .
[ر : ۳۲۸]

تراجم رجال

۱- محمد بن سنان

یہ محمد بن سنان بابلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب العلم، ”باب من سئل علما وهو.....“ کے تحت گزر چکا ہے (۵)۔

(۱) کشف الباری: ۲۶۸/۳۔

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الأذان، باب أهل العلم والفضل أحق بالإمامة۔

(۳) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الأذان، باب وجوب القراءة للإمام.....

(۴) قوله: ”جابر بن عبد الله.....“: الحديث، مرّ تخريجہ فی کتاب التیمم۔

(۵) کشف الباری: ۵۳/۳۔

۲- ہشیم

یہ ہشیم بن بشیر واسطی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۳- سیار

یہ سیار بن ابی سیار وردان واسطی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۴- یزید الفقیر

یہ یزید بن صہیب المعروف بالفقیر کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۱)۔

۵- جابر بن عبد اللہ

یہ مشہور انصاری صحابی حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما ہیں (۲)۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا یہاں امام بخاری نے صرف ایک جملہ ذکر کیا ہے، یہ حدیث مکمل طور پر کتاب التیمم میں آئی ہے، جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے کہ ”أعطيت خمساً.....“ کہ مجھے بطور خاص پانچ چیزوں سے منجانب اللہ نوازا گیا ہے، جو مجھ سے قبل کسی اور کو نہیں دی گئیں، چنانچہ ایک مہینے کی مسافت سے میری رعب کے ذریعے نصرت کی گئی ہے اور پوری زمین میرے لیے جائے نماز اور ذریعہ طہارت قرار دی گئی ہے، سو میری امت کا کوئی بھی آدمی کہیں بھی نماز کا وقت پالے تو نماز پڑھ لے اور میرے لیے غنائم کو حلال قرار دیا گیا ہے، جب کہ مجھ سے قبل کسی کے لیے وہ حلال نہ تھیں اور مجھے شفاعت سے نوازا گیا اور مجھ سے قبل کے انبیاء کسی ایک قوم کے لیے خاص طور پر مبعوث کیے جاتے تھے، جب کہ میری بعثت تمام انسانیت کے لیے عمومی طور پر ہوئی ہے (۳)۔

غنیمت اور سابقہ امم

علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ امم سابقہ میں لوگوں کی دو قسمیں ہوا کرتی تھیں، ایک تو وہ لوگ

(۱) ہشیم، سیار اور یزید الفقیر کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب التیمم، باب التیمم.

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب من لم یر الوضوء إلا من المخرجین.....

(۳) دیکھیے، صحیح البخاری، کتاب التیمم، باب التیمم، رقم (۳۳۵).

جن کو جہاد و قتال میں شرکت کی اجازت نہیں دی جاتی تھی تو ان کی غنیمت بھی نہیں ہوتی تھی۔ دوسرے وہ لوگ جو قتال میں تو شریک ہوتے تھے، لیکن اگر وہ کہیں مال غنیمت حاصل کرتے تو اس کا کھانا ان کے لیے حلال نہیں ہوتا تھا، بلکہ ایک آسمانی آگ آتی جو اس سارے مال غنیمت کو جلا ڈالتی (۱)۔

غنیمت میں تصرف، اس کا کھانا صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت کا خاصہ ہے (۲)۔ بلکہ قرآن کریم میں تو اسے حلالاً طیباً فرمایا گیا ہے (۳)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں آیا ہے، ”أطيب كسب المسلم سهمه في سبيل الله“ (۴) اس کی شرح میں علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”أي ما يكسبه من غنيمة وفي سلب قتيل ونحوها؛ لأن ما حصل بسبب الحرص على نصره دين الله ونيل درجة الشهادة لا شيء، أطيب منه، فهو أفضل من البيع وغيره مما صر؛ لأنه كسب المصطفى ﷺ وحرفته، ألا ترى إلى قوله: ”وجعل رزقي تحت ظل رمحي“ فأفضل الكسب مطلقاً سهم الغازي لما ذكر“ (۵)۔

ترجمہ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

حدیث کی ترجمہ کے ساتھ مطابقت واضح ہے، جو اس جملے میں ہے، ”أحلت لي الغنائم“۔

(۱) فتح الباری: ۱/۴۳۸، وأعلام الحديث للخطابي: ۱/۳۳۴، کتاب التیمم، رقم (۳۳۵)۔

(۲) قال ابن رجب الحنبلي: ”وأما إحلال الغنائم له ولأئمة خاصة، فقد روي أن من كان قبلنا من الأنبياء كانوا يحرقون الغنائم، وفي حديث عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده، عن النبي صلى الله عليه وسلم: ((وأحلت لي الغنائم أكلها، وكان من قبلي يعظمون أكلها، وكانوا يحرقونها))“۔ فتح الباری لابن رجب: ۱/۳۱۵، تحت رقم (۳۳۵)، وحديث عمرو بن شعيب أخرجه أحمد في مسنده: ۲/۲۲۲، مسند عبد الله بن عمرو بن العاص، رضي الله عنهما، رقم (۷۰۶۸)۔

(۳) قال الله تعالى: ﴿فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا﴾ [الأنفال: ۶۹]۔

(۴) دیکھیے، التمهيد لابن عبد البر: ۳/۱۳۴، حديث خامس لربيعه بن عبد الرحمن وكثر العمال: ۴/۲۸۵، عن

ابن عباس رضي الله عنهما، رقم (۱۰۵۱۶)، كتاب الجهاد، والجامع الصغير مع الفيض: ۱/۶۹۹، رقم (۱۱۲۳)۔

(۵) فض القدير شرح الجامع الصغير: ۱/۶۹۹، حرف الهمزة۔

پانچویں حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۵۵ : حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ قَالَ : حَدَّثَنِي مَالِكٌ ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ ، عَنْ الْأَعْرَجِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ (۱) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ : (تَكْفَلُ اللَّهُ لِمَنْ جَاهَدَ فِي سَبِيلِهِ ، لَا يُخْرِجُهُ إِلَّا الْجِهَادُ فِي سَبِيلِهِ وَتَصَدِيقُ كَلِمَاتِهِ ، بَأَنْ يُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ ، أَوْ يُرْجِعَهُ إِلَى مَسْكِنِهِ الَّذِي خَرَجَ مِنْهُ مَعَ مَا نَالَ مِنْ أَجْرٍ أَوْ غَنِيمَةٍ) . [ر : ۳۶]

تراجم رجال

۱- اسماعیل

یہ مشہور محدث اسماعیل بن ابی اویس رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الایمان، ”باب من کرہ أن يعود في الكفر كما يكره.....“ کے تحت گزر چکا (۲)۔

۲- مالک

یہ امام دارالبحرۃ حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات ”بدء الوحي“ کی ”الحديث الثاني“ کے تحت گزر چکے ہیں (۳)۔

۳- ابو الزناد

یہ ابو الزناد عبد اللہ بن ذکوان رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۴- الأعرج

یہ عبد الرحمن بن ہرمز رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کا ترجمہ کتاب الایمان، ”باب حب الرسول.....“ کے تحت آچکا (۴)۔

(۱) قوله: ”عن أبي هريرة رضي الله عنه“: الحديث، مرّ تخريجہ فی کتاب الایمان، باب الجهاد من الایمان، کشف الباری: ۳۰۱/۲۔

(۲) کشف الباری: ۱۱۳/۲۔

(۳) کشف الباری: ۲۹۰/۱، تفصیلی حالات کے لیے دیکھیے، کشف الباری: ۸۰/۲۔

(۴) کشف الباری: ۱۱-۱۰/۲۔

۵- ابوہریرہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الایمان، ”باب أمور.....“ میں گزر چکے (۱)۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی ضمانت لی ہے، جو اس کے راستے میں جہاد کرے، اس کو اپنے گھربار سے صرف جہاد فی سبیل اللہ اور اللہ تعالیٰ کے کلمات کی تصدیق نے نکالا ہو، کہ اسے شہادت کی صورت میں جنت میں داخل کرے گا یا غازی ہونے کی صورت میں اپنے اس مسکن کی طرف لوٹا دے گا، جہاں سے وہ نکلا تھا، اس اجر یا غنیمت کے ساتھ، جو اُس نے حاصل کی (یعنی بہر دو صورت وہ کامیاب ہے)۔

تنبیہ

اس حدیث کی مکمل شرح کتاب الایمان اور کتاب الجہاد میں گزر چکی ہے (۲)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت اس کلمے میں ہے، ”أو غنیمۃ“ (۳)۔

چھٹی حدیث بھی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۵۶ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ : حَدَّثَنَا أَبُو الْمُبَارَكِ : عَنْ مَعْمَرٍ ، عَنْ هَمَامِ بْنِ مُنَبِّهٍ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : (غَزَا نَبِيٌّ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ ، فَقَالَ لِقَوْمِهِ : لَا يَتَّبِعُنِي رَجُلٌ مَلَكَ بُضْعَ امْرَأَةٍ ، وَهُوَ يُرِيدُ أَنْ يَبْنِيَ بِهَا وَلَمَّا يَبْنِ بِهَا ، وَلَا أَحَدٌ بَنَى بُيُوتًا وَلَمْ يَرْفَعْ سُقُوفَهَا ، وَلَا أَحَدٌ اشْتَرَى غَنَمًا أَوْ خِلْفَاتٍ ، وَهُوَ يَنْتَظِرُ وَلَادَهَا ، فَغَزَا : فَدَنَا مِنَ الْقَرْيَةِ صَلَاةَ الْعَصْرِ ، أَوْ قَرِيبًا مِنْ ذَلِكَ ، فَقَالَ لِلشَّمْسِ : إِنَّكَ مَأْمُورَةٌ وَأَنَا مَأْمُورٌ ، اللَّهُمَّ احْبِسْهَا

(۱) کشف الباری: ۶۵۹/۱۔

(۲) کشف الباری، کتاب الایمان: ۳۰۵/۲-۳۱۴، و کتاب الجہاد: ۶۸/۱، و: ۱۱۲-۱۱۵۔

(۳) عمدۃ القاری: ۴۲/۱۵۔

(۴) قولہ: ”عن أبي هريرة رضي الله عنه“: الحديث أخرجه البخاري، كتاب النكاح، باب من أحب البناء =

عَلَيْنَا ، فَحُبِسَتْ حَتَّى فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْهِ ، فَجَمَعَ الْغَنَائِمَ فَجَاءَتْ - يَعْنِي النَّارَ - لِتَأْكُلَهَا فَلَمْ تَطْعَمْهَا .
فَقَالَ : إِنَّ فِيكُمْ غُلُولًا ، فَلْيَبَايِعْنِي مِنْ كُلِّ قَبِيلَةٍ رَجُلٌ ، فَلَزِقَتْ يَدُ رَجُلٍ بِيَدِهِ ، فَقَالَ : فِيكُمْ
الْغُلُولُ ، فَلْيَبَايِعْنِي قَبِيلَتِكَ ، فَلَزِقَتْ يَدُ رَجُلَيْنِ أَوْ ثَلَاثَةٍ بِيَدِهِ ، فَقَالَ : فِيكُمْ الْغُلُولُ ، فَجَاؤُوا
بِرَأْسٍ مِثْلِ رَأْسِ بَقَرَةٍ مِنَ الذَّهَبِ ، فَوَضَعُوهَا ، فَجَاءَتْ النَّارُ فَأَكَلَتْهَا ، ثُمَّ أَحَلَّ اللَّهُ لَنَا الْغَنَائِمَ ،
رَأَى ضَعْفَنَا وَعَجَزَنَا ، فَأَحَلَّهَا لَنَا) . [۴۸۶۲]

تراجم رجال

۱- محمد بن العلاء

یہ محمد بن العلاء ہمدانی کو فی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب العلم، ”باب فضل من علم وعلم“ کے تحت آچکا (۱)۔

۲- ابن المبارک

یہ حضرت عبداللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ اجمالی ”بدء الوحي“ کی ”الحديث الخامس“ کے تحت آچکا ہے (۲)۔

۳- معمر

یہ ابو عمرو معمر بن راشد ازدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ بھی ”بدء الوحي“ کی ”الحديث الخامس“ کے تحت گزر چکا (۳)۔

۴- ہمام بن منبہ

یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے مشہور تلمیذ رشید حضرت ہمام بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے

= قبل الغزو، رقم (۵۱۵۷)، ومسلم، کتاب الجہاد، باب تحلیل الغنائم لهذه الأمة خاصة، رقم (۴۵۵۵)۔

(۱) کشف الباری: ۴۱۳/۳۔

(۲) کشف الباری: ۴۶۲/۱۔

(۳) کشف الباری: ۴۶۵/۱۔

حالات کتاب الایمان، ”باب من حسن إسلام المرء.....“ کے ذیل میں گزر چکے (☆)۔

۵- ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کتاب الایمان، ”باب أمور الایمان“ میں گزر چکا (۱)۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال النبي صلى الله عليه وسلم: غزا نبي من الأنبياء

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیائے کرام میں سے ایک نے قتال کیا۔

غزا فعل ماضی ہے، لیکن مضارع کے معنی میں ہے، مطلب یہ ہے کہ غزوے اور قتال کا ارادہ کیا (۲)۔

یہ نبی کون تھے؟

قاضی عیاض، ابن اسحاق (۳)، امام حاکم (۴) و جمہور محدثین و علماء کی رائے یہی ہے کہ یہ نبی حضرت

یوشع بن نون علیہ السلام تھے، جو بنی اسرائیل کی طرف مبعوث کیے گئے تھے (۵)۔

اس کی تصدیق و تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے، جو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ”مسند“ میں

ہشام عن محمد بن سیرین عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ کے طریق سے نقل کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد

ہے: ”إن الشمس لم تحبس لبشر إلا ليوشع بن نون ليالي سار إلى بيت المقدس.....“ (۶)۔

(☆) کشف الباری: ۴۲۸/۲۔

(۱) کشف الباری: ۶۵۹/۱۔

(۲) فتح الباری: ۲۲۱/۶، وتحفة الباری: ۵۴۴/۳۔

(۳) عمدة القاری: ۴۲/۱۵، وطرح التثريب في شرح التقریب للعراقي: ۱۹۷۶/۶، باب الغنیمۃ.....

(۴) فتح الباری: ۲۲۱/۶، والمستدرک للحاکم: ۱۳۹/۲-۱۴۰، کتاب قسم الفی، رقم (۲۶۱۸)۔

(۵) فتح الباری: ۲۲۱/۶، وعمدة القاری: ۴۲/۱۵، وإرشاد الساری: ۲۰۶/۵، وشرح الأبی علی مسلم:

۵۸/۲، وتحفة الباری: ۵۴۴/۳۔

(۶) مسند أحمد: ۳۲۵/۲، مسند أبی ہریرۃ، رقم (۸۲۹۸)۔

یہ حدیث مرفوع بھی ہے اور صحیح بھی (۱)۔

لیکن ابن بطل رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعے کو حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف منسوب کیا ہے اور حدیث باب کے الفاظ کی نسبت ان کی طرف کی ہے (۲)، حافظ کہتے ہیں کہ مجھے کسی مسند حدیث میں یہ بات نہیں ملی۔ البتہ خطیب بغدادی نے اپنی تالیف ”ذم النجوم“ میں ابو حذیفہ کے طریق سے اور امام بخاری نے ”المبتدا“ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل کی ہے، جس کا ما حاصل یہ ہے کہ حضرت یوشع علیہ السلام کی قوم نے ان سے یہ مطالبہ کیا کہ ہمیں مخلوقات کی ابتدا اور ہماری آجال (ہماری موت کے مقررہ وقت) کے بارے میں بتلائیں، انہوں نے قوم کا یہ مطالبہ پورا کر دیا، اب ہر شخص کو اپنی موت کا وقت معلوم ہو چکا تھا، حالات اسی نہج پر چلتے رہے، یہاں تک کہ حضرت داؤد علیہ السلام مبعوث ہوئے اور انہوں نے ان کے ساتھ، درانحالیکہ یہ کافر ہو چکے تھے، قتال کا ارادہ کیا اور لشکر لے کر آئے، انہوں نے بھی حضرت داؤد علیہ السلام کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنے آدمی روانہ کیے، لیکن..... ان لوگوں کو روانہ کیا جن کی موت ابھی نہیں آئی تھی، اب جنگ کا نتیجہ یہ نکلا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے لشکری تو شہید ہوئے، لیکن ان میں سے کوئی بھی نہ مرا، حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے شکوہ کیا اور اس سے مدد مانگی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان پر سورج کو روک دیا، کہ غروب نہ ہو، اس طرح دن لمبا ہو گیا اور کفار پر دن و رات خلط ملط ہو گئے اور وہ اپنا حساب بھول گئے، اس طرح حضرت داؤد علیہ السلام نے ان پر قابو پایا۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”وإسناده ضعيف جدا، وحديث أبي هريرة المشار إليه عند أحمد أولى؛

فإن رجال إسناده محتج بهم في الصحيح، فالمعتمد أنها لم تحبس إلا ليوشع“ (۳)۔

کیا حبسِ شمس صرف حضرت یوشع علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے؟

اوپر کی تفصیل سے معلوم یہی ہوتا ہے کہ حبسِ شمس کا واقعہ صرف حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے

(۱) فتح الباری: ۶/۲۲۱۔

(۲) شرح ابن بطل: ۵/۱۳۵، باب استئذان الرجل الإمام.....

(۳) فتح الباری: ۶/۲۲۱۔

لیے ہوا تھا، مسند احمد کی اوپر ذکر کردہ حدیث سے حصر معلوم ہوتا ہے، ”إن الشمس لم تحبس لبشر إلا ليوثع بن نون.....“ لیکن کچھ اور واقعات جو صحیح اسانید سے مروی ہیں، سے یہ حصر باطل معلوم ہوتا ہے۔

چنانچہ ابن اسحاق نے ”المبتدا“ میں یحییٰ بن عروۃ بن الزبیر عن ابیہ کے طریق سے نقل کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے کوچ کرنے کا حکم دیا تو یہ حکم بھی دیا کہ اپنے ساتھ یوسف علیہ السلام کے تابوت کو بھی لیں۔ بتقاضائے حکم خداوندی آپ تابوت تلاش کرتے رہے، لیکن اس تک آپ علیہ السلام کی رسائی نہ ہو سکی، یہاں تک کہ صبح کا اجالا پھیلنے لگا، اس سے قبل حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل سے یہ وعدہ کر چکے تھے کہ طلوع فجر پر روانہ ہوں گے، اس لیے انہوں نے باری تعالیٰ سے دعا کی کہ طلوع فجر کو اس وقت تک مؤخر کر دیا جائے کہ وہ تابوت یوسف علیہ السلام سے متعلقہ ذمے داری سے فارغ ہوں، سو اللہ نے ان کی یہ دعا قبول کر لی (۱)۔

علاوہ ازیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں مختلف علمائے سیر نے لکھا ہے کہ معراج والی صبح آپ علیہ السلام نے قریش مکہ کو بتلایا کہ آپ نے ان کے اس قافلے کو دیکھا ہے، جو اموال تجارت لے کر آرہا ہے اور وہ قافلہ دن چڑھنے کے بعد ظاہر ہوگا۔ لیکن قافلے کے پہنچنے سے قبل ہی سورج غروب ہونے لگا تو آپ علیہ السلام نے بارگاہ خداوندی میں اپنی گزارش پیش کی کہ سورج کو روک دیا جائے، سو سورج رک گیا، یہاں تک کہ قافلہ پہنچ گیا، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے کلمات یہ ہیں: ”أن النبي صلى الله عليه وسلم أمر الشمس، فتأخرت ساعة من نهار“ (۲)۔

ان تمام واقعات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جس شمس حضرت یوشع علیہ السلام کی خصوصیت نہیں ہے اور انہیں میں منحصر بھی نہیں، بلکہ اس طرح کے اور واقعات بھی ہیں۔

(۱) حوالہ بالا، وعمدة القاري: ۴۳/۱۵۔

(۲) حوالہ جات بالا، وحديث جابر أخرجه الطبراني في ”الأوسط“: ۲۲۴/۴، باب من اسمه إبراهيم، رقم

(۴۰۳۹)، بسند حسن - كما قال الحافظ في الفتح: ۲۲۱/۶-، وشرح الثرياب: ۱۹۷۸/۶۔

وأخرجه البيهقي في دلائل النبوة: ۴۰۴/۲، بسنده عن إسماعيل بن عبد الرحمن القرشي، تحت

باب الإسراء برسول الله صلى الله عليه وسلم من المسجد.....

حدیث حصر اور مذکورہ واقعات کے درمیان تطبیق

موسیٰ علیہ السلام کے واقعے کو بنیاد بنا کر مسند احمد کی حصر والی حدیث پر اشکال درست نہیں، وہ اس لیے کہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے واقعے کا تعلق غروب شمس سے ہے اور موسیٰ علیہ السلام کے واقعے کا تعلق طلوع فجر سے، یعنی وہ شام کا واقعہ ہے اور یہ صبح کا، چنانچہ حضرت یوشع علیہ السلام کے لیے جس غروب شمس اس بات کے منافی نہیں کہ ان کے علاوہ کسی اور کے لیے جس طلوع فجر نہ ہو (۱)۔

جہاں تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کی صبح کے قصے کا تعلق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث حصر میں حصر کا تعلق انبیائے سابقین سے ہے، مطلب یہ ہے کہ ہمارے نبی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل جس شمس صرف حضرت یوشع علیہ السلام کے لیے ہوا ہے، چنانچہ اس میں اس بات کی کوئی نفی نہیں ہے کہ جس شمس ان کے بعد ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نہیں ہو سکتا (۲)۔

امام سدی رحمۃ اللہ علیہ اس واقعے کے بارے میں فرماتے ہیں:

”إن الشمس كادت أن تغرب قبل أن يقدم ذلك العير، فدعا الله

عز وجل، فحبسها حتى قدموا كما وصف لهم..... فلم تحبس الشمس على

أحد إلا عليه ذلك اليوم، وعلى يوشع بن نون.....“ (۳)

رد الشمس کے واقعات

اوپر ذکر کردہ واقعات جس شمس سے متعلق تھے، خواہ صبح ہو یا شام، ان کے علاوہ خیر و تاریخ کی کتابوں میں رد الشمس کے واقعات بھی ملتے ہیں، یعنی وہ قصے جن میں کسی شخصیت کے لیے سورج کو غروب کے بعد لوٹا دینے کا ذکر ملتا ہے، ذیل میں ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

① اس ضمن میں سب سے پہلا واقعہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں مشہور ہے، قرآن کریم کی ان آیات میں اس کا ذکر۔ بقول بعض مفسرین کے۔ آیا ہے: ﴿إِذْ عَرَضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصَّافِنَاتُ الْجِبَادُ،

(۱) فتح الباری: ۶/۲۲۱۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) عمدة القاری: ۱۵/۴۳، وشرح الأبی علی مسلم: ۵۸/۲۔

فقال إني أحببت حب الخير عن ذكر ربي حتى توارت بالحجاب، ردوها علي فطفق مسحاً بالسوق والأعناق ﴿١﴾.

ان آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شام حضرت سلیمان علیہ السلام کے معائنے کے لیے گھوڑے لائے گئے، آپ اس کام میں اس قدر مشغول ہوئے کہ عصر کی نماز رہ گئی اور سورج غروب ہو گیا، بعد میں تنبیہ ہوا تو گھوڑوں کو دوبارہ لانے کا حکم دیا اور تلوار لے کر ان کی گردنیں اور پنڈلیاں کا ثنا شروع کیں (۲)۔

یہ خلاصہ مشہور تفسیر کے مطابق ہے اور اور اس میں ﴿ردوھا﴾ کی ضمیر کا مرجع گھوڑے ہیں، لیکن بعض مفسرین (ثعلبی اور بغوی وغیرہ) (۳) نے اس ضمیر کا مرجع شمس کو قرار دے کر یہ کہا ہے کہ سورج کو لوٹانے کا سلیمان علیہ السلام نے کہا تھا، ان کی درخواست قبول کی گئی، سورج کو واپس لوٹا دیا گیا، اس طرح انہوں نے عصر کی نماز پڑھی (۴)۔

لیکن علمائے محققین کے نزدیک یہ واقعہ ثابت نہیں ہے اور جمہور مفسرین کی رائے یہی ہے کہ ﴿ردوھا﴾ کی ضمیر مؤنث خیل کی طرف لوٹ رہی ہے، حافظ فرماتے ہیں:

”أورد هذا الأثر جماعة ساكتين عليه حازمين بقولهم: “قال ابن

عباس: قلت لعلي؟“ وهذا لا يثبت عن ابن عباس ولا عن غيره، والثابت عن

جمهور أهل العلم بالتفسير من الصحابة ومن بعدهم أن الضمير المؤنث في

قوله ﴿ردوها﴾ للخيل، والله أعلم“ (۵)۔

البتہ بعض مفسرین نے مذکورہ واقعے کو درست قرار دیتے ہوئے اس کو حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ

قرار دیا ہے، علامہ قرطبی فرماتے ہیں:

(۱) سورة ص: ۳۱-۳۳۔

(۲) ان آیات کی تفسیر کے لیے دیکھیے، کشف الباری، کتاب التفسیر، ص: ۵۵۵۔

(۳) فتح الباری: ۲۲۲/۶، وتفسیر البغوي: ۶۱/۴، وتفسیر النسفي: ۳۹/۴۔

(۴) فتح الباری: ۲۲۲/۶، وعمدة القاري: ۴۳/۱۵۔

(۵) فتح الباری: ۲۲۲/۶۔

”قلت: ومن قال: إن الهاء في ﴿ردوها﴾ ترجع للشمس، فذلك من

معجزاته“ (۱)۔

۲ دوسرا واقعہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ غزوہ خندق میں قتال میں مشغولیت کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی عصر کی نماز رہ گئی تھی، یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہِ قدس میں اپنی درخواست پیش کی، جو قبول کی گئی اور سورج کو لوٹا دیا گیا۔ پھر سب نے عصر کی نماز پڑھی۔

اس واقعے کو امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح کہا ہے اور رواۃ کو ثقہ قرار دیا ہے (۲)۔

۳ تیسرا واقعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہے، جس کی تخریج امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے دو طرق سے کی ہے اور دونوں طرق کو انہوں نے صحیح و ثابت کہا ہے، حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

”کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوحی إلیہ، ورأسہ فی حجر علی، فلم یصل العصر حتی غربت الشمس، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ”صلیت یا علی؟“ قال: لا، فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ”اللهم، إنه کان فی طاعتک وطاعة رسولک، فاردد علیہ الشمس“. قالت أسماء: فرأيتها غربت، ثم رأيتها طلعت، بعدما غربت“ (۳)۔

مطلب یہ ہے کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہو رہی تھی اور ان کا سر

(۱) الجامع لأحكام القرآن للمقرطبي: ۱۵/۱۹۷۔

(۲) اس حدیث کی تخریج بقول قاضی عیاض امام طحاوی نے کی ہے، لیکن ہمیں یہ حدیث شرح مشکل الآثار میں تو نہیں ملی، حافظ ابن حجر کو بھی اس نسبت میں تامل ہے، لیکن نفس واقعہ پر انہوں نے کوئی نقد نہیں کیا، اب وہ قصے کو درست مانتے ہیں، یہی حال علامہ عینی کا بھی ہے، انہوں نے اس واقعے کو نقل کرنے کے بعد اس پر سکوت کیا ہے۔ النظر الفتح: ۶/۲۲۲، والعمدة: ۱۵/۴۳، جب کہ علامہ ذہبی (رحمہما اللہ) نے اس کی تغلیط کی ہے، دیکھیے، تنزیہ الشریعة المرفوعة: ۱/۳۷۹۔

(۳) شرح مشکل الآثار: ۳/۹۲، باب: ۱۶۵، بیان مشکل ماروی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مسألته اللہ عزوجل أن یرد الشمس، رقم (۱۰۶۷)، والمعجم الكبير للطبرانی: ۲۴/۱۵۰-۱۵۲، رقم (۳۹۰-۳۹۱)، وروی أوله ابن أبي عاصم فی کتاب السنة: ۲۲۶، رقم (۱۳۲۳)۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گود میں تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز عصر ادا نہیں کی تھی اور سورج غروب ہو چکا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کہ اے علی! تم نے نماز پڑھی ہے؟ انہوں نے نفی میں جواب دیا۔ چنانچہ آپ علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کی کہ اے اللہ! یہ علی آپ کی اور آپ کے رسول کی اطاعت و خدمت میں مشغول تھے، سو ان کے لیے سورج کو دوبارہ لوٹا دیجئے۔ حضرت اسماء کہتی ہیں کہ میں نے سورج کو دیکھا تو وہ غروب ہو چکا تھا، پھر اسے دیکھا تو یہ مشاہدہ کیا کہ وہ غروب ہونے کے بعد طلوع ہو چکا ہے۔

اس حدیث کے دوسرے طریق میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا یہ بھی فرماتی ہیں:

”ثم قام علي، فتوضأ وصلى العصر، ثم غابت، وذلك في الصهباء في غزوة خيبر“ (۱)۔

کہ ”پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اٹھے، وضو کیا اور نماز عصر ادا کی، پھر سورج غروب ہو گیا، یہ موضع صہباء کا واقعہ ہے، دن غزوہ خيبر کے تھے۔“

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث کو نقل کر کے کچھ صفحات بعد لکھتے ہیں:

”وكل هذه الأحاديث من علامات النبوة۔“

وقد حكى لي علي بن عبد الرحمن بن المغيرة، عن أحمد بن صالح، أنه كان يقول: لا ينبغي لمن كان سبيله العلم التخلف عن حفظ حديث أسماء الذي رواه لنا عنه؛ لأنه من أجل علامات النبوة“ (۲)۔

کہ ”یہ ساری حدیثیں علامات نبوت میں سے ہیں اور مجھے علی بن عبد الرحمن نے احمد بن صالح کا قول نقل کرتے ہوئے بتلایا کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ کسی بھی عالم کے لیے

(۱) شرح مشکل الآثار: ۹۲/۳، باب: ۱۶۵، بیان مشکل ماروي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم في

مسأله الله عز وجل أن يرد الشمس، رقم (۱۰۶۸)۔

(۲) حوالہ بالا، ص: ۹۷-۹۸۔

یہ مناسب نہیں کہ وہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے تخلف واجتناب کرے، کیونکہ یہ نبوت کی عظیم علامات میں سے ہے۔

علاوہ ازیں حافظ ابن حجر، علامہ عینی، امام قرطبی، امام ابوالفضل عراقی اور ان کے جلیل القدر صاحبزادے ابوزرعة عراقی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین وغیرہ نے بھی اس حدیث کو صحیح اور قصے کو درست کہا ہے (۱)۔ لیکن دوسری طرف بعض محدثین نے اس حدیث کو موضوع اور باطل قرار دیا ہے، جن میں ابن الجوزی (۲)، ابن تیمیہ (۳)، ذہبی (۴)، ابن کثیر (۵)، ابن عساکر اور جوزقانی (۶) رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے ائمہ شامل ہیں (۷)۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس حدیث کو بنیاد بنا کر امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کو بہت شدید تنقید کا نشانہ بنایا ہے اور کہا ہے کہ ان کو احادیث کے پرکھنے اور اسناد کی صحت و سقم کی شناخت میں زیادہ ادراک حاصل نہیں تھا (۸)۔

امام طحاوی اور حدیث رد الشمس لعلی

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے جہاں تک مناقب و صفات کا تعلق ہے تو ان کے بیان کا تو یہ موقع نہیں،

(۱) الفتح: ۲۲۲/۶، والعمدة: ۴۳/۱۵، وطرح التثريب في شرح التقريب: ۱۹۷۸/۶-۱۹۷۹، وتفسير القرطبي: ۱۹۷/۱۵، وأيضاً صححه القاضي عياض في الشفاء: ۱۷۷/۱، والخفاجي في شرحه نسيم الرياض للشفاء: ۳۸۳-۳۸۶، القسم الأول، فصل انشقاق القمر وحبس الشمس.

(۲) كتاب الموضوعات: ۲۶۶/۱، باب في فضائل علي رضي الله عنه، الحديث الحادي عشر، في رد الشمس له.

(۳) منهاج السنة النبوية: ۱۸۹/۴، فصل، قال الرافضي التاسع، رجوع الشمس له.....

(۴) تنزيه الشريعة المرفوعة: ۳۷۹/۱، الفصل الثاني، رقم (۱۰۴).

(۵) البداية والنهاية لابن كثير: ۸۱/۶.

(۶) الأباطيل والمناكير: ۱۵۸/۱، بحواله تعليقات شرح مشكل الآثار: ۹۳/۳.

(۷) فتح الباري: ۲۲۲/۶، وتعليقات شرح مشكل الآثار: ۹۳/۳.

(۸) منهاج السنة لابن تيمية: ۱۸۹/۴.

رہی حدیث رد الشمس لعلی اور اس بنیاد پر امام طحاوی، کو تنقید کا نشانہ بنانا، تو یہ بالکل درست نہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اس حدیث کے ناقل صرف امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نہیں ہیں، بلکہ طبرانی (۱)، بیہقی (۲) اور امام حاکم (۳) ایسے محدثین بھی اس حدیث کو روایت کرتے ہیں (۴)۔ اس لیے سرے سے اس حدیث کو رد کرنا ممکن نہیں، یہی سبب تھا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر ناقد حدیث بھی اس کو معجزہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تسلیم کرتے ہوئے یہ فرما رہے ہیں:

”وقد أخطأ ابن الجوزي بإيراده له في ”الموضوعات“، وكذا ابن

تيمية في ”كتاب الرد على الروافض“ في زعم وضعه، والله أعلم“ (۵)۔

جہاں تک ابن تیمیہ کا امام طحاوی پر تنقید کا مسئلہ ہے تو اس کا جواب علامہ کوثری مصری نے دیا ہے کہ اس الزام کی بنیاد امام طحاوی کا حدیث ”رد الشمس لعلی“ کو صحیح قرار دینا ہے، جو کہ ابن تیمیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نظریہ کے خلاف ہے، وہ اسے روافض کی شرارت سمجھتے ہیں۔ یہ سوائے عناد کے اور کچھ نہیں، اس لیے کہ اس حدیث کی بہت سارے محدثین نے تصحیح بھی کی ہے، چاہے ابن تیمیہ اس پر راضی ہوں یا ناراض (۶)۔

واللہ اعلم بالصواب۔

فقال لقومه: لا يتبعني رجل ملك بضع امرأة وهو يريد أن يني بها، ولما بين بها
تو حضرت یوشع علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا میرے ساتھ ایسا کوئی آدمی سفر نہ کرے جس نے حال

(۱) المعجم الكبير للطبراني: ۲۴/۱۵۰-۱۵۲، حدیث أسماء بنت عمیس، رقم (۳۹۰-۳۹۱)، وأيضاً

أخرجه السيوطي في الخصائص الكبرى: ۲/۸۲، باب رد الشمس بعد غروبها.

(۲) لم أجده في مطبوعاته، والله أعلم بالصواب.

(۳) لم أجده في مطبوعاته، والله أعلم بالصواب.

(۴) فتح الباري: ۶/۲۲۱

(۵) فتح الباري: ۶/۲۲۲

(۶) الحاوي في سيرة الإمام الطحاوي، ص: ۱۳، اس بحث سے متعلق مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے، نسیم الریاض

في شرح الشفاء للقاضي عياض: ۳/۳۸۳-۳۸۶، وتعليقات حمدي عبدالمجيد على المعجم الكبير:

۲۴/۱۴۸-۱۵۱، رقم (۳۹۰-۳۹۱)۔

ہی میں نکاح کیا ہو اور اپنی منکوحہ کے پاس جانا چاہتا ہو کہ وہ ابھی تک اس کے پاس نہیں گیا ہے۔
حضرت یوشع علیہ السلام نے سفر جہاد میں روانگی سے قبل ایک اعلان کروایا کہ اس اس قسم کے لوگ
میرے ہم سفر نہ ہوں، جن میں کا پہلا وہ ہے کہ اس نے ابھی ابھی نکاح کیا ہے اور بیوی سے اس کی ملاقات نہیں
ہوئی ہے اور چاہتا ہے کہ ملاقات ضرور ہو۔

”بضع“ باء کے ضمہ کے ساتھ نکاح کے معنی میں ہے، اسی طرح اس کے معنی شرم گاہ (فرج) اور جماع
کے بھی ہیں اور تینوں معنی یہاں درست ہیں، نیز اس کا اطلاق مہر اور طلاق پر بھی ہوتا ہے، جوہری نے ابن
السکیت سے بضع کے معنی نکاح کے نقل کیے ہیں، یقال: ”ملک فلان بضع فلانة“ (۱)۔

”ولما بین بھا“ میں ”لما“ جازمہ ”لم“ کے معنی میں ہے، لیکن لما کے ذریعے تعبیر کی گئی کہ وہ اس بات
کی توقع بھی رکھتا ہے کہ اسے بناء اور زفاف کا موقع مل جائے گا، چنانچہ سعید بن المسیب عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ
کے طریق سے جو روایت امام نسائی والبعوانہ اور ابن حبان (۲) نے نقل کی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

”لا يتبعني رجل بنی دارالم یسکنها أو تزوج امرأة ولم یدخل بھا“ (۳)۔

پھر عدم دخول کی جو قید لگائی گئی ہے اس سے یہ مفہوم ہو رہا ہے دخول کے بعد معاملہ برعکس ہوگا اور ان
دونوں کے درمیان جو فرق ہے وہ مخفی نہیں، اگرچہ دخول کے بعد بھی دل بعض اوقات گھر والوں میں انکار ہوتا ہے،
لیکن بہر حال وہ نوعیت نہیں ہوگی جو دخول سے قبل ہوگی کہ اس صورت میں ذہن پر خاتون ہی سوار ہوگی (۴)۔

واللہ اعلم

ولا أحد بنی بیوتا ولم یرفع سقوفها

نہ ہی ایسا شخص جس نے گھر بنایا ہو لیکن اس کی چھت نہ ڈالی ہو۔

(۱) الصحاح للجوهري: ۹۵، مادة ”بضع“، فتح الباري: ۲۲۲/۶، وعمدة القاري: ۴۳/۱۵، وإرشاد

الساري: ۲۰۶/۵، وطرح الشريب: ۱۹۷۶/۶۔

(۲) صحيح ابن حبان: ۱۴۹/۸، كتاب السير، باب الغنائم وقسمتها، ذكر تحليل الله.....، رقم (۴۷۸۷)۔

(۳) فتح الباري: ۲۲۲/۶۔

(۴) حوالہ بالا، وإرشاد الساري: ۲۰۶/۵۔

مطلب یہ ہے کہ ایسا شخص بھی میرے ساتھ نہ چلے جو گھر کی تعمیر میں مشغول رہا ہو اور اس سے مکمل فارغ نہ ہوا ہو، تعمیراتی کام کچھ باقی ہو۔

مسلم شریف (۱) اور مسند احمد (۲) کی روایت میں سَقُوفُهَا کی بجائے سُقْفُهَا ہے، صیغے دونوں جمع کے ہیں، اس طرح شیخین اور مسند احمد کی روایتیں باہم معنی موافق ہو جائیں گی، حافظ علیہ الرحمۃ نے سین کے فتح اور قاف کے سکون کے ساتھ ضبط کو وہم قرار دیا ہے (۳)۔ اس صورت میں لفظ مفرد ہوگا۔

ولا أحد اشتری غنماً أو خلفات وهو ينتظر ولادها

نہ ہی ایسا شخص جس نے بکریاں یا حاملہ اونٹنیاں خریدی ہوں اور وہ ان کے بچہ جننے کا منتظر ہو۔

خلفات کی معنوی تحقیق

خلفات - بفتح الحاء المعجمة وکسر اللام وفتح الفاء - خلفۃ کی جمع ہے، حاملہ اونٹنی کو کہتے ہیں، البتہ بعض اوقات اونٹنی کے علاوہ دوسرے جانوروں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے (۴)۔

اور کلمہ ”أو“ جو غنماً أو خلفات کے درمیان ہے، یہ تنويع کے لیے ہے، پھر یہاں غنماً کو مطلق ذکر کیا گیا ہے اور اس کی صفت حمل غالباً حذف کر دی گئی ہے، اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ دوسرا کلمہ یعنی خلفات اس پر دلالت کر رہا ہے، اس صورت میں ”غنماً“ کا ترجمہ بھی ”حاملہ بکریاں“ ہوگا۔ دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ غنم یہاں مطلق ہے، بغیر کسی وصف زائد، یعنی صرف بکریاں، اس صورت میں اس کو مطلق بیان کرنے کی توجیہ یہ ہوگی کہ بکری میں برداشت کا مادہ کم ہوتا ہے، وہ بہت جلد گھبرا جاتی ہے، اس طرح اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ رہتا ہے، برخلاف اونٹنی کے، یہاں تو اندیشہ حمل کی صورت میں ہوتا ہے کہ کہیں حمل ضائع نہ ہو جائے، کیوں کہ عرب میں جنس اونٹ کی اہمیت تھی (۵)۔

بعض شراح نے ”أو“ کو شک کے لیے قرار دیا ہے، لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ

(۱) صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب تحلیل الغنائم لهذه الأمة خاصة، رقم (۴۵۵۵)۔

(۲) مسند الإمام أحمد: ۳۱۸/۲، مسند أبي هريرة، رضي الله عنه، رقم (۸۲۲۱)۔

(۳) فتح الباري: ۲۲۲/۶، وطرح الشريب: ۱۹۷۷/۶۔

(۴) فتح الباري: ۲۲۲/۶، وعمدة القاري: ۴۳/۱۵۔

(۵) فتح الباري: ۲۲۲/۶، وطرح الشريب: ۱۹۷۷/۶۔

صرف ایک احتمال کے درجے میں ہے، معتمد تنویع کے لیے ہونا ہے، کیونکہ ابو یعلیٰ (۱) کی محمد بن العلاء سے روایت کے الفاظ یہ ہیں، ”ولا رجل له غنم أو بقر أو خلفات“ یہاں تو تنویع پر صراحت دلالت ہے (۲)۔
اور ولاد ولد یلد ولادة کا مصدر ہے، واو کے کسرہ کے ساتھ (۳)۔

ان افراد کو ممانعت کی حکمت

حضرت یوشع علیہ السلام نے، جیسا کہ آپ نے دیکھا، تین قسم کے افراد کو اپنے ساتھ نکلنے سے روکا اور فرمایا، ”لا يتبعني.....“ تو اس کی حکمت یہ تھی کہ جہاد میں ان کی توجہ بٹی ہوئی ہوتی، ذہن ان امور میں الجھا ہوتا۔ چنانچہ مہلب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس امر کی دلیل ہے کہ دنیا کے فتنے انسان کو حواس باختہ اور بے صبر بنا دیتے ہیں، مثلاً وہ آدمی جو حال ہی میں رشتہ ازدواج میں منسلک ہوا ہو، اپنی بیوی کی قربت کا بھی متمنی ہو، اس کی دید کا مشتاق ہو تو ایسا آدمی اگر جہاد میں نکل بھی گیا تو اس کا دل واپسی کی فکر میں ہی ہوگا (۴)، شیطان اس کو اس عبادت و طاعت سے ہٹا دے گا جس میں وہ مشغول ہے اور اس کے دل میں خوف ڈال دے گا۔ یہی حال دنیا کے دیگر ساز و سامان کا ہے (۵)۔

اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اہم امور کو ایسے افراد کے ذمے لگانا چاہیے جو متیقظ اور فارغ البال ہوں، ان کے لیے وقت دے سکیں، ایسے افراد کے ذمے نہیں لگانا چاہیے جن کا قلب ان کے علاوہ اور کسی معاملے میں مشغول ہو، کیوں کہ یہ اس کے عزم کو کمزور اور جس کوشش کو وہ صرف کرے گا، اس میں نقص کا باعث ہوگا (۶)۔

(۱) لم أجده في مسند أبي يعلى، وإنما عزاه إليه الحافظ، رحمه الله، في الفتح: ۲۲۲/۶۔

(۲) فتح الباري: ۲۲۲/۶۔

(۳) حوالہ بالا، وطرح الشریب: ۱۹۷۷/۶۔

(۴) وضاح بن اسماعیل نے اپنی محبوبہ کو خطاب کرتے ہوئے یہی مضمون ان ابیات میں بیان کیا ہے۔

ذريني ما أممن بنات نعش
من الطيف الذي ينتاب ليلا
ولكن إن أردت فهي جينا
إذا رمقت بأعينها سهيلا

(ديوان الحماسة: ۱۰۹)

(۵) شرح ابن بطلال: ۲۷۷/۵، وفتح الباري: ۲۲۳/۶، وطرح الشریب: ۱۹۷۶/۶۔

(۶) شرح النووي على مسلم: ۸۵/۲، ومثله في فتح الباري: ۲۲۳/۶-۲۲۴، وشرح الكرماني: ۹۶/۱۳۔

اور علامہ ابی رحمۃ اللہ علیہ شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ زیادہ واضح بات یہ ہے کہ یہ حدیث ”لا یقضی القاضی وهو غضبان“ کے قبیل سے ہے، چنانچہ یہ تنقیح مناط (۱) کے باب سے ہے..... اور مطلب حدیث کا یہ ہے کہ میرے ساتھ ایسا کوئی بھی آدمی نہ آئے جس کا قلب اور کسی معاملے میں مشغول ہو (۲)۔

واضح ہو کہ مذکورہ حکم اس صورت میں ہے جب جہاد فرض کفایہ ہو۔ ورنہ فرض عین ہونے کی صورت میں، نفیر عام ہو جائے تو ہر شخص کا نکلنا ضروری ہے، تاہم امام وقت کسی مصلحت کی بناء پر کسی کو روک لے تو اور بات ہے۔

فغزا

سو وہ غزوہ کے لیے روانہ ہوئے۔

یعنی ان افراد کو ساتھ لے کر جہاد کے لیے روانہ ہوئے جو ان امور کے ساتھ متصف نہ تھے، جن کا ذکر حضرت یوشع علیہ السلام نے کیا تھا (۳) کہ ”لا یتبعنی رجل.....“

فدنا من القرية صلاة العصر أو قريبا من ذلك

چنانچہ وہ گاؤں کے قریب پہنچے عصر کے وقت یا اس کے قریب وقت۔

قریہ سے مراد اریحا (۴) شہر ہے، شہر کو یہاں قریہ سے تعبیر کیا گیا ہے، امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ (۵) نے

(۱) وتنقیح المناط عند الأصوليين: ”هو النظر والاجتهاد في تعيين مادل النص على كونه علة من غير تعيين، بحذف ما لا مدخل له في الاعتبار مما اقترن به من الأوصاف، وذلك مثل قول النبي صلى الله عليه وسلم للأعرابي الذي قال: هلكت يا رسول الله - ما صنعت؟..... انظر الموسوعة الفقهية: ۷۷/۱۴، مادة تنقیح المناط.

(۲) شرح الأبي على مسلم: ۵۸/۵، أحادیث إباحة الغنائم لهذه الأمة.....

(۳) فتح الباری: ۲۲۲/۶.

(۴) أریحا - بالفتح، ثم الكسر، ویا ساكنة، والحاء المهملة، والقصر - عبرانی زبان کا لفظ ہے، حضرت نوح علیہ السلام کی نسل کے ایک شخص اریحا بن مالک بن ارفخشذ بن سام بن نوح کی طرف یہ شہر منسوب ہو کر اریحا کہلاتا ہے، یہ شام کے شہر اردن (آج کل مستقل مملکت!) کے نشیب میں واقع تھا، اس کے اور بیت المقدس کے درمیان ایک دن کی مشکل پہاڑی مسافت ہے، (یہ جموی کے زمانے کی بات ہے) یہاں قوم جبارین آباد تھی، جن کا ذکر قرآن کریم میں بھی آیا ہے، ﴿فالسوا یموسیٰ إن فیہا قوما جبارین.....﴾ (المائدة: ۲۲) دیکھیے، معجم البلدان: ۱۶۵/۱، مادة ”أریحا“.

(۵) المستدرک للحاکم: ۱۴۰/۲، کتاب قسم الفیء، رقم (۲۶۱۸)، والمعجم الأوسط للطبرانی:

جو روایت کعب رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے، اس میں اس قریہ کا نام اریحا آیا ہے (۱)۔

مسلم شریف کی روایت میں ”فأدنی للقرية“ (۲) آیا ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ انہوں نے اپنے لشکر کو اریحا شہر کے قریب پہنچایا (۳)۔

حضرت یوشع علیہ السلام کا جبارہ کے ساتھ جہاد

حدیث باب میں جس جہاد و قتال کا ذکر ہے، وہ جبارہ یا قوم جبارین کے خلاف تھا، ابن اسحاق کہتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام انتقال کر گئے اور اس واقعے کو چالیس سال کا عرصہ گزر گیا تو حضرت یوشع بنی اسرائیل کے لیے بطور نبی مبعوث ہوئے اور انہوں نے بنی اسرائیل کو بتلایا کہ اب وہ اللہ کے نبی ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ نے جبارین کے خلاف قتال کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ بنی اسرائیل نے ان کی تصدیق کی، ان پر ایمان لائے اور ان کے ہاتھ بیعت ہوئے۔ تو حضرت یوشع علیہ السلام بنی اسرائیل کو لیے اریحا شہر کی طرف چلے، ان کے ساتھ تابوت میثاق (۴) بھی تھا، وہاں پہنچ کر انہوں نے اریحا شہر کا محاصرہ کر لیا، جو چھ مہینے تک جاری رہا۔

ساتویں مہینے کی ابتدا میں حضرت یوشع کے ساتھیوں نے مل کر یکبارگی حملہ کر دیا، جس کی وجہ سے پوری قوم جبارین گھبرا گئی، ان میں افراتفری پھیل گئی اور شہر پناہ کی فسیل گر گئی، اس طرح یہ اندر داخل ہو گئے اور جبارہ کو خوب قتل کیا، یہ جمعے کا دن تھا اور جبارہ کے کچھ لوگ زندہ تھے اور لڑ رہے تھے، جب کہ سورج غروب ہو رہا تھا اور سبت (ہفتہ) کی رات داخل ہونے والی تھی، جس میں ان کے لیے قتال و شکار وغیرہ کی ممانعت تھی، صورت حال دیکھ کر حضرت یوشع علیہ السلام کو یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ کہیں یہ کمزور نہ پڑ جائیں اور لڑائی ہفتے کے دن سے

= ۳۵۳/۶، من اسمہ محمد، رقم (۶۶۰۰)۔

(۱) فتح الباری: ۲۲۲/۶۔

(۲) صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب تحلیل الغنائم لهذه الأمة خاصة، رقم (۴۵۵۵)۔

(۳) فتح الباری: ۲۲۲/۶، و طرح التریب: ۱۹۷۸/۶۔

(۴) تابوت میثاق سے مراد وہ تابوت ہے، جس میں سکیئہ، عصائے موسیٰ و ہارون اور ان تختیوں کے ٹکڑے تھے، جنہیں موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو پچھڑے کی عبادت کرتے دیکھ کر غضب ناک ہو کر توڑ ڈالا تھا۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

هناك أقوال أخرى أيضا، انظر تفسير القرطبي: ۲۴۹/۳۔

آگے نہ نکل جائے، اس لیے انہوں نے بارگاہِ قدس میں دعا کی ”اللهم اردد الشمس علي.....“ (۱)۔

فقال للشمس: إنك مأمورة، وأنا مأمور، اللهم احبسها علينا، فحسبت حتى فتح الله عليهم

سو حضرت یوشع علیہ السلام نے سورج کو خطاب کر کے کہا تو بھی مامور ہے اور میں بھی مامور ہوں۔ اے اللہ! اس کو ہمارے لیے روک دے۔ تو اس کو روک دیا گیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو (جبارہ پر) فتح نصیب فرمائی۔

مطلب یہ ہے کہ جب یوشع النبی نے دیکھا کہ سورج غروب ہو رہا ہے اور دشمن اب تک سارے کے سارے تہ تیغ نہیں ہوئے تو انہوں نے سورج کو خطاب کیا اور کہا کہ تو بھی مامور ہے اور میں بھی مامور ہوں، تجھے عام عادت کے موافق غروب ہونے کا حکم خداوندی ہے اور مجھے یہ حکم ہے کہ ”سبت“ کے دن قتال نہ کروں، چنانچہ حاکم کی روایت میں اس کا سبب بھی موجود ہے، حضرت کعب فرماتے ہیں:

”إنه وصل إلى القرية وقت عصر يوم الجمعة، فكادت الشمس أن

تغرب ويدخل الليل“ (۲)۔

وَأَنَا مأمور کے یہی معنی ہیں اور دونوں مامورین کے درمیان یہی فرق ہے کہ جمادات کو امر، امرِ تسخیر ہے اور عقلاء کو امر، امرِ تکلیف ہے (۳)۔

سورج کو خطاب کی حقیقت

یہاں حضرت یوشع علیہ السلام نے سورج کو جو خطاب کیا وہ یا تو حقیقت پر محمول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں یہ صلاحیت پیدا کر دی تھی کہ اس میں تمیز و ادراک آگیا تھا اور وہ ان کی بات سمجھ رہا تھا۔ یا مجاز پر محمول ہے، چوں کہ ان کو یہ بات معلوم تھی کہ سورج کو اپنی عام عادت سے ہٹانا صرف خرق

(۱) عمدة القاري: ۴۳/۱۵، و کتاب الأسماء المبهمة: ۳۳۲/۵۔

(۲) لم أجدها في المستدرک، وإنما قاله الحافظ: ۲۲۲/۶۔

(۳) فتح الباري: ۲۲۳/۶۔

عادت کے طور پر ممکن ہے، اس لیے انہوں نے دل ہی دل میں یہ بات سوچی کہ تو بھی مامور ہے اور میں بھی مامور ہوں، اس کے بعد انہوں نے زبان سے یہ فرمایا کہ ”اللهم احبسها علينا“۔

حافظ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں (۱) کہ دوسرے احتمال کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جو حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے، اس میں ہے:

”اللهم، إنها مأمورة، وإني مأمور؛ فاحبسها علي، حتى يقضى بيني وبينهم، فحبس الله عليه“ (۲)۔

”اے اللہ! یہ بھی مامور ہے، میں بھی مامور ہوں تو اس کو تو غروب ہونے سے روک دے، یہاں تک میرے اور ان جابرہ کے درمیان کوئی فیصلہ ہو جائے۔ سو اللہ تعالیٰ نے سورج کو غروب ہونے سے روک دیا۔“

اس روایت سے ”وَأَنَا مأمور“ ارشاد کی وضاحت ہو جاتی ہے (۳)۔

بہر حال دونوں احتمال ممکن ہیں اور رائج دوسرا احتمال ہے۔ واللہ اعلم

باب کی روایت میں ”اللهم احبسها علينا“ آیا ہے جو کہ مطلق ہے، جب کہ امام احمد کی روایت میں تنقید ہے کہ ”اللهم احبسها علي شيئاً“ کہ اسے اس وقت تک غروب سے روک رکھ کہ ہماری جو ضرورت ہے وہ پوری ہو جائے اور شہر فتح ہو جائے (۴)۔

کیفیت حبس میں اختلاف

جیسا کہ روایت میں آیا ہے کہ سورج کو غروب ہونے سے روک دیا گیا تھا، لیکن اس کی کیفیت کیا تھی، اس میں علمائے حدیث کا اختلاف ہے، اس سلسلے میں رائج قول وہ ہے جو ابن بطل رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا اختیار کردہ ہے کہ سورج کی حرکت آہستہ ہو گئی تھی، ہارون بن یوسف امادی کے ترجمہ میں آیا ہے کہ یہ واقعہ ماہ حزیان (غالباً جون) کی چودہ تاریخ کو رونما ہوا تھا، یہ دن بہت طویل ہوتا ہے (۵)۔ (انگریزی مہینوں میں جون کی ۲۲

(۱) حوالہ بالا، وانظر كذلك طرح التثريب: ۱۹۷۸/۶۔

(۲) صحيح ابن حبان: ۱۴۹/۸، كتاب السير، باب الغنائم وقسمتها.....، رقم (۴۷۸۷)۔

(۳) فتح الباري: ۲۲۳/۶۔

(۴) حوالہ بالا، والمسند للإمام أحمد: ۱۸/۲، مسند أبي هريرة (۸۲۲۱)۔

(۵) فتح الباري: ۲۲۳/۶، وابن بطل: ۲۷۸/۵، والكرمانی: ۹۶/۱۳، وطرح التثريب: ۱۹۷۸/۶۔

ویں تاریخ کا دن سال کے تمام دنوں سے طویل ہوتا ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ یہی دن ہو۔ واللہ اعلم

فجمع الغنائم، فجاءت - یعنی النار - لتأكلها، فلم تطعمها

چنانچہ آپ علیہ السلام نے غنائم کو جمع کیا تو وہ یعنی آگ آئی کہ اسے کھالے، لیکن اس نے غنائم کو چکھا تک نہیں۔

”یعنی النار“ جملہ تفسیر یہ ہے، جو کسی راوی کی طرف سے ہے، اس میں جاءت کے فاعل کی وضاحت کی گئی ہے۔

پھر یہاں ”فلم تطعمها“ کہا گیا ہے اور لم تأكلها نہیں کہا گیا کہ لتأكلها کے ساتھ موافقت ہو جاتی، سو یہ مبالغہ ہے کیوں کہ طعم کے معنی چکھنے اور اکل کے معنی کھانے کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ آنے والی آگ نے غنائم کو چکھا تک نہیں، چہ جائیکہ کھایا ہو، چنانچہ اس جملے ”فلم تطعمها“ کے معنی یہاں لم تذق طعمها کے ہیں، اس کی نظیر قرآن کریم میں بھی موجود ہے (۱)، ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي﴾ (۲) کہ حضرت طالوت علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا کہ جو اس نہر کے پینے کو ہاتھ تک نہیں لگائے گا وہ میرا ساتھی ہے، جو اس کے برعکس کرے اس سے میرا کوئی تعلق نہیں۔

فقال: إن فيكم غلولا

تو حضرت یوشع نبی نے فرمایا کہ بے شک تم لوگوں میں غلول ہے۔

غلول مالِ غنیمت میں خیانت کرنے کو کہتے ہیں (۳)۔

فليبايعني من كل قبيلة رجل فلزقت يد رجل بیده فقال: فيكم الغلول،

فليبايعني قبيلتك، فلزقت يد رجلين أو ثلاثة بیده، فقال: فيكم الغلول

چناں چہ ہر قبیلہ سے ایک آدمی میرے ہاتھ پر بیعت کرے، تو ایک آدمی کا ہاتھ ان کے ہاتھ پر چپک

(۱) البقرة ۲۳۹.

(۲) عمدة القاري: ۴۳/۱۵، وفتح الباري: ۲۲۳/۶، وشرح الكرماني: ۹۶/۱۳.

(۳) فتح الباري: ۲۲۳/۶، وعمدة القاري: ۴۳/۱۵.

گیا، فرمایا، خیانت تمہی لوگوں نے کی ہے، اس لیے اب تمہارا قبیلہ میرے ہاتھ بیعت کرے۔ تو دو یا تین آدمیوں کے ہاتھ چپک گئے، یوشع نے فرمایا خیانت تمہی لوگوں نے کی ہے۔

فلزقت سے قبل دونوں جگہ حذف ہے، چوں کہ سیاق کلام اس پر دلالت کر رہا ہے، اس لیے اس جملے کو حذف کر دیا گیا، یعنی فبايعوه کہ انہوں نے بیعت کی..... تو یہ واقعہ پیش آیا (۱)۔

یہاں روایت میں ”رجلين أو ثلاثة“ ہے، ابو یعلیٰ (۲) کی روایت میں ”رجل أو رجلين“ ہے۔ کتنے آدمیوں کا ہاتھ بیعت کے دوران چپکا اس میں شک ہے، تاہم سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں جزا ”رجلين“ (۳) آیا ہے کہ دو آدمیوں کا ہاتھ پھسلا تھا (۴)۔

ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان کے ہاں خیانت معلوم کرنے کا طریقہ یہی تھا (☆)، چنانچہ

(۱) فتح الباری: ۶/۲۲۳۔

(۲) لم أجده في مسند أبي يعلى، وإنما قاله الحافظ في الفتح.

(۳) صحيح ابن حبان: ۱۴۹/۸، كتاب السير، باب الغنائم وقسمتها.....، رقم (۴۷۸۷)۔

(۴) فتح الباری: ۶/۲۲۳۔

(☆) ایک عجیب واقعہ

یہاں علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ ذکر کیا ہے، جو مستند اور ثقافت سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں ایک حمام تھا، جس میں عورتوں کو غسل دیا جاتا تھا، اس میں ایک دفعہ ایک خاتون لائی گئی، اس کو غسل دیا جا رہا تھا کہ ایک دوسری عورت تخت کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی اور مردہ خاتون کو یا زانیہ کہہ کر پکارا اور اس خاتون کی سرین پر ہاتھ بھی مارا، جو... اس جگہ پر چپک گیا، اس عورت نے دیگر خواتین نے بڑا زور لگایا کہ کسی طرح ہاتھ الگ ہو جائے، لیکن ایسا نہیں ہو سکا۔ معاملہ والی مدینہ کے گوش گزار کیا گیا تو انہوں نے فقہائے مدینہ سے مشورہ کیا، چنانچہ ایک نے یہ رائے دی کہ ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ دوسرے نے کہا کہ مردہ خاتون کے اس جگہ کے گوشت کو کاٹ دیا جائے کہ بہر حال مردے کی مقابلے میں زندہ کی حرمت زیادہ ہے۔

والی نے کہا کہ میں جب تک ابو عبید (امام مالک) سے مشورہ نہ کر لوں کوئی حکم جاری نہیں کر سکتا، چنانچہ امام مالک کی طرف قاصد بھیجا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس کا ہاتھ کاٹا جائے نہ اس کا گوشت، میرا تو خیال یہ ہے کہ وہ مردہ خاتون حد میں سے اپنا حق مانگ رہی ہے۔ اس الزام لگانے والی عورت (قاذفہ) کو حد لگاؤ۔ چنانچہ اس کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے والی مدینہ نے قاذفہ پر حد جاری کروائی، جب انا سی ۹ کوڑے لگائے جا چکے تو ہاتھ اسی طرح چپکا ہوا تھا، تاہم جونہی ۸۰ واں کوڑا لگایا گیا اور =

جو خائن و غال ہوتا اس کا ہاتھ بیعت کے وقت چپک جاتا۔ اس میں اس امر کی طرف اشارہ ہوتا کہ اس ہاتھ پر کوئی حق ہے کسی دوسرے کا، جو اس سے لے لینا چاہیے، یا یہ کہ یہ ایسا ہاتھ ہے، جس کی وجہ سے اسے مارا جائے اور اس کے مالک (خائن) کو قید کر دیا جائے، یہاں تک کہ وہ مذکورہ حق کو امام وقت کے حوالے کر دے، یہ اسی جنس سے ہے جس کا ذکر روایات میں بھی آیا ہے کہ قیامت میں ہاتھ اپنے مالک کے خلاف گواہی دے گا (۱)۔

”فیکم الغلول“ کے بعد سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں ان دونوں کا اعتراف جرم بھی مذکور ہے کہ ان دونوں نے کہا ”فقلا: أجل، غللنا“ (۲)۔

فجاؤا برأس مثل رأس بقرة من الذهب، فوضعوها، فجاءت النار فأكلتها
تو وہ سونے کا ایک سر لے کر آئے، جو گائے کے سر کے برابر تھا، اسے رکھ دیا، آگ آئی اور اس نے
غنیمت کو کھا لیا۔

مطلب یہ ہے کہ جب ان پر جرم ثابت ہو گیا تو وہ گائے کے سر برابر ایک سر لے کر آئے، جو سونے کا بنا
ہوا تھا، اسے لا کر انہوں نے دوسری غنیمتوں کے ساتھ رکھ دیا، اب چونکہ غنیمت مکمل آچکی تھی تو آنے والی آگ
نے اس کو کھا لیا، جو قبولیت کی علامت تھی۔

جیسا کہ ماقبل میں گزرا کہ سابقہ امم اور انبیائے متقدمین کی خصوصیت میں سے یہ تھا کہ وہ مال غنیمت کو

= حد قذف کا نصاب پورا ہو گیا تو اس عورت کا بھی مردہ خاتون کے جسم سے الگ ہو گیا!!!

علامہ قسطلانی اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”فإما أن يكون مالك رحمه الله اطلع على هذا الحديث، فاستعمله بنور

التوفيق في مكانه، وإما أن يكون وفق، فوافق.

وقد كان إلزاق يد الغال بيد يوشع تنبيها على أنها يد عليها حق يطلب أن

يتخلص منه، أو دليلا على أنها يد ينبغي أن يضرب عليها، ويحبس صاحبها، حتى يؤدي

الحق إلى الإمام، وهو من جنس شهادة اليد على صاحبها يوم القيامة“۔ دیکھیے، إرشاد

الساري: ۲۰۷/۵۔

(۱) فتح الباري: ۲۲۳/۶، وبمثله قال ابن بطال، انظر شرحه: ۲۷۸/۵۔

(۲) حوالہ جات بالا، وصحيح ابن حبان: ۱۴۹/۸، كتاب السير، باب الغنائم.....، رقم (۴۷۸۷)۔

کسی کھلی جگہ مثلاً کھلیان وغیرہ میں جمع کر دیتے تھے، آسمان سے یہ آگ آتی جو اسے جلا ڈالتی اور اگر اس میں کسی قسم کی کوئی خیانت ہوتی یا ایسی چیز، جو حلال نہ ہو، موجود ہوتی تو آگ اسے نہ جلاتی، جو عدم قبولیت کی دلیل سمجھی جاتی تھی۔

یہی حال ان کی قربانیوں کا بھی تھا، جانور کی قربانی کے بعد جو عند اللہ مقبولیت حاصل کر لیتی اسے آگ کھا لیتی اور جو قبول نہ ہوتی وہ اپنے حال پر باقی رہتی اور آگ اسے چھوٹی بھی نہیں تھی (۱)۔

ثم أحل الله لنا الغنائم، رأى ضعفنا وعجزنا، فأحلها لنا
پھر اللہ تعالیٰ نے غنائم کو ہمارے لیے حلال کر دیا، اس نے ہماری کمزوری و ناتوانی کو دیکھا تو اسے ہمارے لیے حلال قرار دے دیا۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ سے شفقت کا معاملہ کرتے ہوئے اور حکم میں تخفیف کرتے ہوئے غنائم کو امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے لیے حلال کر دیا، اب یہ امت اسے کھا سکتی ہے اور یہ اس امت کی خصوصیت ہے، نسائی (۲) کی روایت میں آیا ہے:

”فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم عند ذلك: إن الله أطعنا

الغنائم رحمة رحمننا بها، وتخفيفاً وخففاً عنا“ (۳)۔

جملہ ”رأى ضعفنا وعجزنا“ جملہ تعلیلیہ و سیبہ ہے، اس میں امت محمدیہ علی صاحبہا التحیۃ کے لیے غنائم کو حلال کیوں قرار دیا گیا، اس کی علت بیان کی گئی ہے، سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ کی روایت اس میں اور واضح ہے، اس میں ہے، ”لما رأى من ضعفنا“ (۴) اس جملہ میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

(۱) عمدة القاري: ۴۳/۱۵-۴۴، وشرح ابن بطلال: ۲۷۸/۵، وطرح التثريب: ۱۹۷۹/۶۔

(۲) سنن النسائي الكبرى: ۳۵۲/۶، كتاب التفسير، الأنفال، قوله تعالى: ﴿حلالا طيبا﴾، رقم (۱۱۲۰۹)۔

(۳) فتح الباري: ۲۲۳/۶، وعمدة القاري: ۴۴/۱۵، وشرح الكرماني: ۹۶/۱۳۔

(۴) سنن النسائي: ۳۵۲/۶، كتاب التفسير،، قوله تعالى: ﴿حلالا طيبا﴾، رقم (۱۱۲۰۹)، ومسند أحمد: ۲۳۲/۳، مسند أبي هريرة من رواية همام بن منبه، رقم (۸۱۸۵) و: ۲۳۸/۳، رقم (۸۲۲۱)۔

کے سامنے عاجزی کا اظہار فضل و انعام کا سبب بنتا ہے (۱)۔

ترجمة الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت اس جملے میں ہے، ”ثم أحل الله لنا الغنائم“ (۲)۔

۹ - باب : الغنیمۃ لمن شهد الوقعة .

ترجمة الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مطلب و مقصد یہاں ائمہ ثلاثہ کے مذہب کو رائج قرار دینا ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ جو لوگ جہاد میں شریک ہوں گے انہی کو مالِ غنیمت میں سے حصہ ملے گا اور وہ لوگ جو شریک نہیں ہوں گے، ان کو حصہ نہیں ملے گا۔

پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ جن الفاظ سے قائم کیا ہے، وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک اثر کے الفاظ ہیں، جو انہوں نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو ان کے استفسار پر بھیجا تھا۔ اسی سے ائمہ ثلاثہ اپنے مذہب پر استدلال کرتے ہیں (۳)۔

اس اثر کو موصولاً امام عبدالرزاق صنعانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مصنف میں نقل کیا ہے (۴)۔ علاوہ ازیں امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس اثر کو مختلف طرق سے ذکر کیا ہے اور اس کا پس منظر بیان کرتے ہوئے ایک واقعہ بھی لکھا ہے، چنانچہ طارق بن شہاب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”إن أهل البصرة غزوا أهل نهاوند (۵)؛ فأمدوهم بأهل الكوفة،

وعليهم عمار بن ياسر، فقدموا عليهم بعدما ظهروا على العدو، فطلب أهل

الكوفة الغنيمة، وأراد أهل البصرة أن لا يقسموا لأهل الكوفة من الغنيمة، فقال

(۱) فتح الباری: ۶/۲۲۳۔

(۲) عمدة القاری: ۱۵/۴۴۔

(۳) فتح الباری: ۶/۲۲۴۔

(۴) مصنف عبدالرزاق: ۵/۳۰۲-۳۰۳، کتاب الجہاد، باب لمن الغنیمۃ؟ رقم (۹۶۸۹)۔

(۵) غزوہ نہاوند سے متعلق تفصیل کتاب الجزیۃ، باب الحزیۃ میں آئے گی۔

رجل من بني تميم لعمار بن ياسر: أيها الأجدع، تريد أن تشار كنا في غنائمنا؟ قال: وكانت أذن عمار جدعت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، فكتبوا إلى عمر بن الخطاب، رضي الله عنه، فكتب إليهم عمر: "إن الغنيمة لمن شهد الواقعة" (۱).

کہ ”اہل بصرہ نے اہل نہاوند کے ساتھ جنگ لڑی، ان کی مدد کے لیے بطور کمک اہل کوفہ روانہ ہوئے اور ان کے امیر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما تھے، اہل کوفہ میدان جنگ میں اس وقت پہنچے جب اہل بصرہ دشمن پر غالب آچکے تھے، سو اہل کوفہ نے غنیمت میں اپنا حصہ مانگا، جب کہ اہل بصرہ کی چاہت یہ تھی کہ اہل کوفہ ان کے ساتھ غنیمت کی تقسیم میں شریک نہ ہوں، چنانچہ بنی تمیم میں سے ایک آدمی نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو خطاب کر کے کہا..... کیا آپ ہماری غنائم میں دوسروں کو شریک کرنا چاہتے ہیں.....؟ تو ان لوگوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو صورت حال لکھ بھیجی اور حل دریافت کیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا کہ غنیمت کا حق دار وہی ہے جو جنگ میں شریک رہا ہو۔“

اصل مسئلے کی طرف جانے سے قبل یہ سمجھ لیجیے کہ غنیمت کے استحقاق کی چند شرائط ہیں، جو درج ذیل ہیں:

- ۱ مستحق صحیح و سالم ہو، بیمار نہ ہو، مطلب یہ ہے کہ قتال کی صلاحیت رکھتا ہو، لنگڑا، لولا اور نابینا وغیرہ نہ ہو۔
- ۲ دار الحرب میں اس کا داخلہ قتال کی نیت سے ہی ہوا ہو، خواہ بعد میں لڑائی میں حصہ لے یا نہ لے، کہ مقصد قتال یعنی ارہاب العدو حاصل ہو رہا ہے۔

۳ مرد ہو، عورتوں کا غنیمت میں کوئی حصہ نہیں، اگرچہ جنگ میں شریک ہوں۔

۴ مسلمان ہو، کافر کے لیے غنیمت نہیں، خواہ شریک جنگ ہو (۲)۔

(۱) السنن الكبرى للبيهقي: ۸۶/۹، كتاب السير، باب الغنيمة لمن شهد الواقعة، رقم (۱۷۹۵۳-۱۷۹۵۴)،

وأيضاً عند ابن أبي شيبة: ۴۹/۱۸، كتاب السير، باب من قال: ليس له شيء، إذا.....، رقم (۳۳۹۰۰).

(۲) الموسوعة الفقهية: ۳۱۱/۳۱-۳۱۲، وبدائع الصنائع: ۵۰۲/۹، كتاب السير، فصل في أحكام الغنائم

وما يتصل بها، وحاشية الدسوقي: ۵۰۴/۲، باب في الجهاد، والمغني: ۲۰۸/۹-۲۰۹.

مسئلہ حدیث باب

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جس مسئلے کی شرح کے لیے یہ باب قائم کیا ہے، اس کا تعلق اوپر ذکر کردہ دوسری شرط سے ہے اور صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص یا لشکر جنگ ختم ہونے کے بعد میدان جنگ پہنچے تو آیا اس کا غنیمت میں حصہ ہوگا کہ نہیں؟

تو اس کی دو صورتیں ہیں، ایک اتفاقی ہے، دوسری اختلائی۔

اتفاقی صورت یہ ہے کہ مذکورہ شخص یا لشکر اس تک پہنچا جب جنگ ختم ہو چکی اور غنیمت کی تقسیم کا عمل بھی مکمل ہو گیا، تو ان کا غنیمت میں کوئی حصہ نہیں۔

اختلائی صورت یہ ہے کہ جنگ ختم ہونے اور غنیمت تقسیم ہونے سے قبل یہ لشکر یا شخص وہاں پہنچا تو حنفیہ کے نزدیک یہ غنیمت میں شریک ہوں گے، ان کو بھی اس میں سے حصہ ملے گا، جب کہ جمہور کے نزدیک ان کو غنیمت میں سے کچھ بھی نہیں ملے گا (۱)۔

جمہور کی دلیل حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا وہ واقعہ ہے جو ابھی گزرا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے خط میں ”الغنیمۃ لمن شهد الوقعة“ فرمایا تھا۔

اور ان کی دوسری دلیل بخاری و ابوداؤد کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، ”أن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعث أبان بن سعید بن العاصی فی سرية قبل نجد، فقدم أبان بعد فتح خیبر، فلم یسهم له“ (۲)۔

دلائل احناف

اس مسئلے میں احناف کے دلائل بہت زیادہ ہیں، جن میں سے چند کو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں:

① امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت کیا

(۱) الموسوعة الفقهية: ۳۱/۳۱، غنیمۃ، شروط استحقاق الغنیمۃ.

(۲) الحدیث، أخرجه البخاري في الجهاد، باب الكافر يقتل المسلم، رقم (۲۸۲۷)، والمغازي، باب

غزوة خیبر، رقم (۴۲۳۷، ۴۲۳۹)، وأبوداود في سننه، كتاب الجهاد، باب فيمن جاء بعد الغنیمۃ لا سهم

له، رقم (۲۷۲۳-۲۷۲۴).

ہے کہ انہوں نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ”قد أمددتك بقوم، فمن أذاك منهم قبل أن تفنى القتلى، فأشركه في الغنيمة“ (۱) یعنی ”میں ایک لشکر تمہاری طرف بطور کمک کے بھیج رہا ہوں، سو ان میں سے جو بھی تمہارے پاس مقتولین کے ختم ہونے سے پہلے پہنچ جائے تو اس کو غنیمت میں شریک کرو۔“

۲ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں پانچ سو افراد پر مشتمل ایک جماعت بطور کمک ابوامیہ اور زیاد بن لبید بیاضی کی مدد کے لیے روانہ کی، یہ جماعت ان تک اس وقت پہنچی جب وہ ”نجیر“ (۲) فتح کر چکے تھے، تو انہوں نے آنے والی جماعت کو بھی اپنے ساتھ غنیمت میں شریک کیا (۳)۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل کے جوابات

ان کی پہلی دلیل الغنیمۃ لمن شهد الوقعة والا اثر تھا، اس سے استدلال چند وجوہ کی بنا پر درست نہیں، جو درج ذیل ہیں:

- ۱ اس اثر کے وقف اور رفع میں اختلاف ہے اور موقوف ہونا رائج ہے (۴)۔
- ۲ حنفیہ بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر سے استدلال کرتے ہیں، چوں کہ اب ان سے مروی روایات میں تعارض آگیا ہے، اس لیے یہ حدیث احناف کے خلاف حجت نہیں ہو سکتی۔
- ۳ حنفیہ اس اثر کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ جنگ میں جو قتال کی نیت سے شریک ہوا ہو، اس کو غنیمت میں حصہ ملے گا، اب اس کی نیت قتال کی تھی یا نہیں اس کا پتہ کیسے چلے گا تو اس کے دو طریقے ہو سکتے ہیں کہ وہ جہاد یا

(۱) التلخیص الحبیہ: ۱۰۸/۳، والمغنی: ۲۱۰/۹، وإعلاء السنن: ۱۱۸/۱۲۔

(۲) قال الحموي: ”النَجِيرُ“، حصن باليمن - قرب حضر موت - منيع، لجأ إليه أهل الردة مع الأشعث

بن قيس في أيام أبي بكر، رضي الله عنه، فحاصره زياد بن لبيد البياضي، حتى افتتحه عنوة، وقتل من فيه،

وأسر الأشعث بن قيس، وذلك في سنة ۱۲ للهجرة..... انظر معجم البلدان: ۲۷۲/۵، باب النون والحجيم.

(۳) التلخیص الحبیہ: ۱۰۸/۳، والسير الكبير: ۱۱۲/۳، مع شرحه لیسر خسی، باب کیفیۃ قسمة

الغنیمۃ۔ رقم الباب (۱۰۵)، وللاستزادة انظر إعلاء السنن: ۱۱۸-۱۲۸۔

(۴) إعلاء السنن: ۱۲۰/۱۲، کتاب السیر، باب إذا لحق عسکر الإسلام مدد، والهدایۃ مع البناۃ:

۱۴۳/۷، کتاب السیر، باب الغنائم وقسمتها.

قتال کے لیے نکلنے کا اظہار کرے، اس کی تیاری کرے اور اس کا عملی مظاہرہ بھی کرے کہ جہاد میں شریک ہو۔
 دوسری صورت یہ ہے کہ اس کا نکلنا تو کسی اور غرض سے تھا، لیکن وہاں جا کر وہ قتال میں بھی شریک ہوا،
 جیسے گھوڑوں کی دیکھ بھال وغیرہ پر مامور شخص، سو اس کو غنیمت میں اسی صورت میں شریک کیا جائے گا کہ قتال میں
 بھی شریک ہو، اس کا صرف میدان جنگ میں موجود ہونا حصول غنیمت کے لیے کافی نہیں ہوگا (۱)۔

ائمہ ثلاثہ کی دوسری دلیل حضرت ابان بن سعید بن العاصی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، اس واقعے سے ان
 حضرات کا استدلال اس لیے درست نہیں کہ یہ خیبر کا واقعہ ہے، جو فتح کے ساتھ ہی دارالاسلام میں تبدیل ہو چکا
 تھا، جب کہ مسئلہ باب کا تعلق دارالحرب سے ہے، دارالاسلام میں اس طرح کے کسی کمک کے پہنچنے پر غنیمت میں
 آنے والوں کو بالاتفاق شریک نہیں کیا جاتا (۲)۔

دوسری طرف اسی خیبر سے متعلق ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، جو آگے آرہا ہے (۳)، اس
 میں یہ آیا ہے کہ جب وہ اپنی قوم کے لوگوں، جن کی تعداد پچاس سے اوپر تھی اور حضرت جعفر بن ابی طالب رضی
 اللہ عنہ کے ساتھیوں، جو نجاشی کے ہاں مقیم تھے، کے ہمراہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو یہ عین
 وہی وقت تھا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر کی فتح سے فارغ ہوئے تھے، چنانچہ نبی علیہ السلام نے ان کو بھی
 شریک غنیمت کیا اور ان حضرات کے علاوہ اور کسی کو، جو موقع سے غائب تھا، اس غنیمت میں شریک نہیں کیا۔

ایک طرف یہ حدیث ہے، دوسری طرف حضرت ابان رضی اللہ عنہ کا واقعہ، ان دونوں میں چوں کہ ظاہری
 تعارض ہے، اس لیے جمع بین الروایات کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے احناف یہی کہتے ہیں کہ حضرت ابو موسیٰ
 اشعری کا واقعہ غنیمت کی تقسیم سے پہلے کا ہے اور حضرت ابان بن سعید رضی اللہ عنہما کے واقعے کا تعلق تقسیم غنیمت
 کے بعد کا ہے، جس پر اس حدیث کے یہ الفاظ واضح دلالت کرتے ہیں کہ ”فقدّم أبان بعد فتح خیبر.....“ (۴)

(۱) إعلاء السنن: ۱۲/۱۲۱، وفتح القدیر: ۵/۲۲۶-۲۲۷، کتاب السیر، باب الغنائم وقسمتها.

(۲) إعلاء السنن: ۱۲/۱۲۱.

(۳) الحدیث، أخرجه البخاري في فرض الخمس، باب ومن الدليل على أن الخمس لنواب المسلمين ما
 سأل هوازن.....، رقم (۳۱۳۶).

(۴) الحدیث أخرجه البخاري، وأبوداود، مر تخريجہ آنفاً.

جب کہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے الفاظ تو یہ ہیں، ”فوافیناہ حین افتتح خیبر.....“ (۱) اسی لیے احناف تفریق کے قائل ہیں اور ان کے مذہب پر دونوں واقعات پر عمل بھی ہو جاتا ہے (۲)۔ واللہ اعلم بالصواب اس کے بعد حدیث باب دیکھیے۔

۲۹۵۷ : حَدَّثَنَا صَدَقَةُ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ : قَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ : لَوْلَا آخِرُ الْمُسْلِمِينَ ، مَا فَتَحَتْ قَرْيَةً إِلَّا قَسَمْتُهَا بَيْنَ أَهْلِهَا ، كَمَا قَسَمَ النَّبِيُّ ﷺ خَيْبَرَ . [ر : ۲۲۰۹]

تراجم رجال

۱- صدقہ

یہ ابوالفضل صدقہ بن الفضل مروزی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب العلم، ”باب العلم والعظة باللیل“ کے تحت گزر چکا ہے (۴)۔

۲- عبدالرحمن

یہ عبدالرحمن بن مہدی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۵)۔

۳- مالک

یہ امام دارالبحر قمالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات ”بدء الوحي“ میں آچکے ہیں (۶)۔

(۱) صحیح بخاری، کتاب فرض الخمس، باب ومن الدلیل علی أن الخمس.....، رقم (۳۱۳۶)۔

(۲) إعلاء السنن: ۱۲/۱۲۲، نیز دیکھیے، کشف الباری، کتاب المغازی: ۴۴۷-۴۴۸۔

(۳) قوله: ”قال عمر رضي الله عنه“: الحديث، مر تخريجه في كتاب الحرث والمزارعة، باب أوقاف أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وأرض الخراج.....

(۴) كشف الباري: ۳۸۸/۴۔

(۵) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الصلاة، باب فضل استقبال القبلة۔

(۶) كشف الباري: ۲۹۰/۱، الحديث الثاني، تفصیلی کے لیے دیکھیے، کشف الباري: ۸۰/۲۔

۴- زید بن اسلم

یہ زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا ترجمہ کتاب الایمان، ”باب کفر ان العشیر.....“ کے تحت آچکا ہے (۱)۔

۵- اسلم

یہ ابو خالد اسلم مولیٰ عمر بن الخطاب رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

۶- عمر

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حالات بدء الوحي کی ”الحديث الأول“ کے ذیل میں گزر چکے (۳)۔
قال عمر رضي الله عنه: لو لا آخر المسلمين ما فتحت قرية إلا قسمتها بين أهلها، كما قسم النبي صلى الله عليه وسلم خيبر
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر آئندہ آنے والے مسلمانوں کا خیال نہ ہوتا تو کوئی بھی گاؤں (یا شہر) فتح کرنے کے بعد میں اسے اس کے باشندوں میں تقسیم کر دیتا، جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین کے ساتھ کیا تھا۔

بخاری شریف کی روایت میں یہ اثر بہت اختصار کے ساتھ وارد ہوا ہے، ابن ابی شیبہ کی روایت میں مزید تفصیل ہے۔ اسلم فرماتے ہیں:

”سمعت عمر يقول: ”والذي نفس عمر بيده، لو لا أن يترك آخر

الناس لا شيء لهم، ما افتتح على المسلمين قرية من قرى الكفار إلا قسمتها

سهمانا كما قسم رسول الله ﷺ خيبر سهمانا، ولكنني أردت أن تكون جزية

(۱) کشف الباری: ۲/۲۰۳۔

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الزکاة، باب هل يشتري صدقته؟

(۳) کشف الباری: ۱/۲۳۹۔

تجري عليهم، وكرهت أن يترك آخر الناس لا شيء لهم“ (۱)۔
اس حدیث سے متعلق تفصیلات کا ذکر کتاب الحرث والمزارعة میں آئے گا۔

ترجمہ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ترجمہ اور حدیث باب میں مناسبت نہیں ہے، وہ اس طرح کہ ترجمہ الغنیمۃ لمن شهد الوقعة کا ہے اور باب کے تحت جو حدیث ذکر کی گئی اس کا مضمون ترجمہ کے خلاف ہے، اس میں تو غنیمت کو عام مسلمانوں کے لیے وقف بنا دینے کا ذکر ہے کہ یہ غنمین میں تقسیم نہیں ہوگی، بلکہ آئندہ آنے والے مسلمانوں کے مصالح کے لیے وقف کر دی جائے گی اور آپ تو کہہ رہے تھے کہ غنیمت صرف غنمین کے لیے ہوتی ہے، اس میں باہر والوں کا حصہ نہیں، یہاں تو الٹ ہو گیا؟!

اس اشکال کا جواب بھی ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے کہ ترجمہ کے ساتھ حدیث کے اس جملے کی مطابقت ہے، ”كما قسم رسول الله صلى الله عليه وسلم خيبر“۔

اس میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے غنیمت کی فوری تقسیم کی ترجیح کی طرف اشارہ کیا ہے کہ غنیمت فوراً تقسیم کر دی جائے، جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ چنانچہ نبی علیہ السلام کا یہ فعل اس بات کی دلیل ہے کہ موقع پر غیر موجود شخص کو غنیمت حاضریہ میں کوئی استحقاق نہیں ہوگا، اسی لیے تو فوری تقسیم کا عمل اختیار کیا جا رہا ہے۔ اب جو شخص سرے سے شریک جنگ ہی نہیں، اس کو تو بطریق اولیٰ غنیمت میں حصہ نہیں ملنا چاہیے (۲)۔ واللہ اعلم
یہ امام بخاری اور ائمہ ثلاثہ کی رائے ہے، پیچھے تفصیل گزر چکی ہے، دلائل دونوں طرف ہیں، البتہ مذہب احناف میں اس سلسلے میں کچھ توسع ہے، جو ماقبل کی تفصیلات سے واضح ہے۔

۱۰ - باب : مَنْ قَاتَلَ لِلْمَغْنَمِ ، هَلْ يَنْقُصُ مِنْ أَجْرِهِ ؟

ترجمہ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہاں یہ بیان کرنا ہے کہ اگر ایک شخص غنیمت کی نیت سے قتال کرتا ہے تو اس کا حکم کیا ہوگا؟ اس کو قتال پر اجر ملے گا یا نہیں؟ اگر ملے گا تو کتنا؟ کامل یا ناقص؟

(۱) المصنف لابن أبي شيبة: ۱۷/۵۱۰، کتاب السير، في قسمة ما يفتح رقم (۳۳۶۴۸)۔

(۲) فتح الباري: ۶/۲۲۵۔

اس مسئلے میں علماء کا اختلاف ہے، ایک رائے جمہور کی ہے اور ایک موقف بعض حضرات کا ہے۔ ظاہر اتنا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کا اجر کم ہو جائے گا، لیکن جمہور علماء یہ فرماتے ہیں کہ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا، دیکھیے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب یہ پوچھا گیا کہ ایک آدمی قتال کرتا ہے غنیمت کے لیے، دوسرا شجاعت کے لیے، تیسرا دکھلاوے کے لیے تو ان میں فی سبیل اللہ کون ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ”من قاتل لتکون کلمة الله هي العليا فهو في سبيل الله“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ اگر اس کی نیت غنیمت کی ہوگی تو وہ فی سبیل اللہ میں داخل نہیں ہے۔

اب ایک آدمی اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے قتال کرتا ہے اور ساتھ ساتھ وہ مال غنیمت کا بھی خیال دل میں لیے ہوئے ہے تو وہ کامل اجر کا مستحق ہوگا اور اس کے اجر میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے جمہور علمائے امت سے یہی نقل کیا ہے (۱)، نیز علامہ قاضی ابوبکر ابن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی احکام القرآن میں اسی کی تصریح کی ہے (۲)۔

ان حضرات کی دلیل وہ روایت ہے جو امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ”سنن“ میں نقل کی ہے، حضرت عبداللہ بن حوالہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”بعثنا رسول الله صلى الله عليه وسلم لنغنم على أقدامنا، فرجعنا، فلم نغنم شيئاً، وعرف الجهد في وجوهنا، فقام فينا، فقال: اللهم، لا تكلهم إلي فإضعف عنهم، ولا تكلهم إلى أنفسهم فيعجزوا عنها، ولا تكلهم إلى الناس فيستأثروا عليهم“ (۳)۔

کہ ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں پیدل لشکر میں غنیمت کے وصول کے لیے بھیجا، لیکن ہم لوٹ آئے اور ہمیں کوئی غنیمت نہیں ملی (یعنی مقصد میں کامیاب نہیں ہوئے)، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے چہروں سے ہماری مشقت اور تکلیف بھانپ

(۱) فتح الباری: ۶/۲۸، وهو قول ابن المنير كذلك، انظر فتح الباری: ۶/۲۲۶۔

(۲) أحکام القرآن لابن العربی: ۲/۳۸۳، سورة الأنفال، الآية: ۷، المسألة الثالثة۔

(۳) سنن أبي داود، کتاب الجہاد، باب فی الرجل یغزو: یلتمس الأجر والغنیمة، رقم (۲۵۳۵)۔

لی، سو آپ خطبہ دینے کھڑے ہوئے (تسلی کے طور پر)، اس میں فرمایا، اے اللہ! ان کو میرے سپرد نہ کر، کہ میں ان کی مدد و اعانت سے قاصر رہوں، نہ ان کو ان کی ذات کے حوالے کر، کہ وہ ان کی اعانت و نصرت سے عاجز رہیں اور نہ ہی ان کو لوگوں کے سپرد کر، کہ وہ لوگ اپنے کو ان پر ترجیح دینے لگیں۔“

اس حدیث میں صراحت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو مالِ غنیمت کے حصول کے لیے بھیجا تھا، اس لیے معلوم ہوا کہ اعلائے کلمۃ اللہ کے ساتھ اگر مالِ غنیمت کی نیت بھی ہو تو اس سے اجر میں کمی واقع نہیں ہوگی (۱)۔

۲۹۵۸ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ : حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ عَمْرِو قَالَ : سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ قَالَ : حَدَّثَنَا أَبُو مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ أَعْرَابِيٌّ لِلنَّبِيِّ ﷺ : الرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلْمَغْنَمِ ، وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِيُذْكَرَ ، وَيُقَاتِلُ لِيُرى مَكَانُهُ ، مَنْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ؟ فَقَالَ : (مَنْ قَاتَلَ ، لِيَتَكُونَ كَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ، فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ) . [ر : ۱۲۳]

تراجم رجال

۱- محمد بن بشار

یہ محمد بن بشار رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب العلم، ”باب ما کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم يتخولهم.....“ کے تحت گزر چکا ہے (۳)۔

۲- غندر

یہ محمد بن جعفر المعروف بہ ”غندر“ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الإیمان، ”باب ظلم

(۱) فتح الباری: ۲۹/۶۔

(۲) قولہ: أبو موسى الأشعري رضي الله عنه: ”الحديث، مر تخريجه في كتاب العلم، باب من سأل وهو قائم عالما جالسا، كشف الباری: ۵۱۰/۴۔

(۳) كشف الباری: ۲۵۸/۳۔

دون ظلم“ کے ذیل میں آچکے (☆)۔

۳- شعبہ

یہ امیر المؤمنین فی الحدیث شعبۂ بن الحجاج بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الایمان، ”باب المسلم من سلم المسلمون.....“ کے تحت آچکا ہے (۱)۔

۴- عمرو

یہ عمرو بن مرہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

۵- ابو وائل

یہ تابعی شہیر ابو وائل شقیق بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الایمان، ”باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله.....“ کے تحت بیان کیے جا چکے ہیں (۳)۔

۶- ابو موسیٰ اشعری

حضرت ابو موسیٰ اشعری (عبداللہ بن قیس) رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الایمان، ”باب أي الإسلام أفضل؟“ کے ذیل میں آچکے (۴)۔

تنبیہ

حدیث باب کی شرح پیچھے کتاب العلم (۵) اور کتاب الجہاد (۶) میں گزر چکی ہے۔

(☆) کشف الباری: ۲/۲۵۰۔

(۱) کشف الباری: ۱/۶۷۸۔

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الأذان، باب تسوية الصفوف عند الإقامة وبعدها۔

(۳) کشف الباری: ۲/۵۵۹۔

(۴) کشف الباری: ۱/۶۹۰۔

(۵) کشف الباری: ۴/۵۱۱-۵۱۵۔

(۶) کشف الباری، کتاب الجہاد: ۱/۱۷۳-۱۷۵، باب من قاتل لتكون كلمة الله.....

ترجمہ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

یہاں ترجمہ کی باب کے ساتھ مناسبت بقول علامہ عینی ”الرجل یقاتل للمغنم“ میں ہے (☆)۔

۱۱ - باب : قِسْمَةُ الْإِمَامِ مَا يَقْدُمُ عَلَيْهِ ، وَيَخْبَأُ لِمَنْ لَمْ يَحْضُرْهُ أَوْ غَابَ عَنْهُ .

ترجمہ الباب کا مقصد

علامہ ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لوگوں میں یہ جو مشہور ہو گیا ہے کہ ”الہدیۃ لمن حضر“ کہ ہدیہ صرف ان لوگوں کو ملے گا جو شرکائے مجلس ہوں۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ان کی تردید کر رہے ہیں اور یہ فرما رہے ہیں کہ جو لوگ موجود نہیں، امام ان کے لیے ہدیہ چھپا کر رکھے تو اس میں کوئی حرج نہیں (۱)۔

لیکن ابن المنیر کی یہ رائے بے محل ہے، وہ اس لیے کہ یہاں ہدیہ کا مسئلہ تھوڑا ہی بیان کیا جا رہا ہے، یہاں تو غنائم کے ابواب چل رہے ہیں۔ لہذا یہ کہا جائے گا کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ امام المسلمین کے پاس جو مال کفار سے حاصل ہوتا ہے، جیسے غنیمت ہے، فیء ہے اور جزیہ ہے، امام اس میں مختار کل ہے، جہاں مناسب سمجھے وہاں ان کو خرچ کر سکتا ہے، حاضرین کو تقسیم کرنا چاہے تو حاضرین کو دے اور حاضرین کے علاوہ غائبین کو تقسیم کرنا چاہے تو ان کو دے، جس کو چاہے وہ دے۔ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”حاصل المعنی یقسم ما یقدم علیہ بین الحاضریں والغائبین، بأن یعطى شیئاً

للحاضریں، ویخبأ شیئاً للغائبین“ (۲)۔

۲۹۵۹ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ : حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ ، عَنْ أَيُّوبَ ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ (۳) : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أُهْدِيَتْ لَهُ أَقْبِيَّةٌ مِنْ دِيبَاجٍ ، مُزَرَّرَةٌ بِالذَّهَبِ ، فَقَسَمَهَا فِي نَاسٍ مِنْ أَصْحَابِهِ ، وَعَزَلَ مِنْهَا وَاحِدًا لِمَحْرَمَةٍ بِنْتِ نَوْفَلٍ ، فَجَاءَ وَمَعَهُ ابْنُهُ الْمُسَوِّرُ بْنُ مَحْرَمَةَ ، فَقَامَ عَلَى الْبَابِ فَقَالَ : أَدْعُهُ لِي . فَسَمِعَ النَّبِيَّ ﷺ صَوْتَهُ ، فَأَخَذَ قَبَاءً فَتَلَقَّاهُ بِهِ ، وَاسْتَقْبَلَهُ

(☆) عمدة القاري: ۴۵/۱۵۔

(۱) فتح الباري: ۲۲۶/۶، والمتواري على تراجم أبواب البخاري: ۱۹۱۔

(۲) عمدة القاري: ۴۵/۱۵، نیز دیکھیے، فتح الباري: ۲۲۶/۶، وإرشاد الساري: ۲۰۹/۵۔

(۳) قوله: ”عن عبد الله.....“: الحديث، مر تخريجه في كتاب الهبة، باب كيف يقبض العبد والمتاع؟

بِأَرْزَارِهِ ، فَقَالَ : يَا أَبَا الْمُسَوِّرِ خَبَأْتُ هَذَا لَكَ ، يَا أَبَا الْمُسَوِّرِ خَبَأْتُ هَذَا لَكَ . وَكَانَ فِي خُلُقِهِ شِدَّةٌ .

تراجم رجال

۱- عبدالله بن عبدالوہاب

یہ ابو محمد عبداللہ بن عبدالوہاب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب العلم، ”باب لیبلغ الشاہد الغائب“ کے ذیل میں گزر چکا (۱)۔

۲- حماد

یہ حماد بن زید بن درہم رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الإیمان، ”باب المعاصی من أمر الجاہلیۃ“ کے تحت گزر چکے (۲)۔

۳- ایوب

یہ ایوب بن ابی تمیمہ کیسان سختیانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، ”باب حلاوة الإیمان“ کے تحت آچکا (۳)۔

۴- عبدالله بن ابی ملیکہ

یہ قاضی عبداللہ بن ابی ملیکہ تیمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الإیمان، ”باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله“ کے تحت بیان کیے جا چکے (۴)۔

حضرت عبداللہ بن ابی ملیکہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ قبائیں ہدیہ آئیں، جو دیباچ کی تھیں اور ان پر سونے کا کام ہوا تھا، تو وہ سب آپ علیہ السلام نے بعض صحابہ میں

(۱) کشف الباری: ۱۳۸/۴۔

(۲) کشف الباری: ۲۱۹/۲۔

(۳) کشف الباری: ۲۶/۲۔

(۴) کشف الباری: ۵۴۸/۲۔

تقسیم کر دیں اور ان میں سے ایک قباء الگ کر کے مخرمہ بن نوفل (۱) کے لیے رکھ دی، حضرت مخرمہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، ساتھ ان کے بیٹے مسور (۲) بھی تھے، وہ آ کر دروازے پر کھڑے ہو گئے اور بیٹے سے کہا انہیں بلاؤ (یعنی نبی علیہ السلام کو)، نبی علیہ السلام نے ان کی آواز سن لی تو وہ قباء لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ملے اور اس کے بٹن ان کے سامنے کیے اور فرمایا اے ابوالمسور! میں نے یہ قباء تمہارے لیے چھپا رکھی تھی..... اور ان کی طبیعت میں کچھ شدت تھی۔

أن النبي صلى الله عليه وسلم أهديت له أقبية من ديباج مزرودة بالذهب
اکثر نسخوں میں اسی طرح ”مزرودة بالذهب“ آیا ہے، جس کے معنی اوپر ہم نے سونے کا کام کے بیان کیے ہیں، اصل میں تزیید کہتے ہیں زرہ کے حلقوں کا باہم ملا ہوا ہونا، متداخل ہونا (۳)، البتہ ابوذر کی مستملی سے جو روایت ہے، اس میں مزررة ہے، یعنی تزییر سے ہے، اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ اس قباء پر سونے کے بٹن لگے ہوئے تھے، کہ تزییر کے معنی بٹن لگانے کے ہیں (۴)۔

ادعه لي

یہ حضرت مخرمہ کا کلام ہے، جس کے مخاطب ان کے بیٹے مسور رضی اللہ عنہ ہیں۔ انہوں نے اپنے بیٹے سے یہ کہا کہ نبی علیہ السلام کو جا کر بتلاؤ کہ میں آگیا ہوں۔ ایک روایت میں ہے، مسور کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات نامناسب لگی اور میں نے ناپسندیدگی کا اظہار کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح بلانا اچھی بات نہیں۔ تو ان کے والد مخرمہ نے کہا اے بیٹے! اس میں برا ماننے کی کوئی بات نہیں، آپ علیہ السلام اس سے ناراض نہیں ہوں گے کہ آپ جبار نہیں ہیں (۵)۔

(۱) مخرمہ بن نوفل رضی اللہ عنہ کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب التہیة، باب کیف يقبض العبد والمتاع؟

(۲) مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب استعمال فضل وضوء الناس.

(۳) مجمع بحار الأنوار: ۴۲۲/۲، باب الزاي مع الراء، مادة ”زرر“، والقاموس الوحيد، مادة ”زرد“.

(۴) مجمع بحار الأنوار: ۴۲۲/۲، باب الزاي مع الراء، مادة ”زرر“، والقاموس الوحيد، مادة ”زرر“، وإرشاد

الساري: ۲۰۹/۵، وعمدة القاري: ۴۵/۱۵.

(۵) إرشاد الساري: ۲۰۹/۵، وعمدة القاري: ۴۵/۱۵.

اس حدیث کے متن سے متعلقہ دیگر ابحاث کتاب اللباس و کتاب الادب میں آچکے ہیں (۱)۔

وَرَوَاهُ ابْنُ عُلَيَّةَ : عَنْ أَيُّوبَ . قَالَ حَاتِمُ بْنُ وَرْدَانَ : حَدَّثَنَا أَيُّوبُ ، عَنْ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ ،
عَنِ الْمُسَوَّرِ : قَدِمْتُ عَلَى النَّبِيِّ ﷺ أَقْبِيَّةً .

اور اسی طرح اسماعیل ابن علیہ (۲) نے بھی ایوب سے روایت کیا ہے۔ جب کہ حاتم بن وردان (۳) نے سند بیان کرتے ہوئے عن المسور کا اضافہ کیا ہے۔

مذکورہ تعلیقات کا مقصد

اس عبارت کو سمجھنے سے قبل یہ جان لیجیے کہ حدیث باب کو ایوب سختیانی سے روایت کرنے والے تین حضرات ہیں، حماد بن زید، اسماعیل ابن علیہ اور حاتم بن وردان اور ان تینوں کی روایت میں ارسال اور وصل کا اختلاف ہے، چنانچہ حدیث باب میں ”أَيُّوبُ عَنْ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“ آیا ہے اور یہ حدیث مرسل ہے کہ ابن ابی ملیکہ تابعی ہیں، علاوہ ازیں اسماعیل ابن علیہ کی جو روایت ہے وہ بھی مرسل ہے، اس طرح یہ دونوں حضرات روایت کے مرسل ہونے پر متفق ہوئے، ان دونوں کی روایات ایک جیسی ہیں، جب کہ حاتم بن وردان رحمۃ اللہ علیہ کی جو روایت ہے، اس میں ”ابن أبي مليكة عن المسور بن مخرمة“ ہے، اس طرح یہ روایت موصول ہوئی۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی ارسال و وصل کے اختلاف کو واضح کرنے کے لیے یہ تعلیقات ذکر کی ہیں۔

مذکورہ تعلیقات کی تخریج

اوپر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دو تعلیقات ذکر کیں، پہلی ابن علیہ کی اور دوسری حاتم بن وردان کی۔ اسماعیل ابن علیہ رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیق کو مصنف نے موصولاً کتاب الادب میں ذکر کیا ہے (۴)۔

(۱) کشف الباری، کتاب اللباس : ۱۶۴، و کتاب الادب : ۵۲۶-۵۲۸۔

(۲) اسماعیل بن ابراہیم بن مسلم ابن علیہ کے حالات کشف الباری : ۱۲/۲، کتاب ایمان میں گزر چکے ہیں۔

(۳) حاتم بن وردان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الشهادات، باب شهادة الأعمى وأمره.....

(۴) صحيح بخاري، کتاب الادب، باب المداراة مع الناس، رقم (۶۱۳۲)۔

اور حاتم بن وردان رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیق موصولاً کتاب الشہادات میں گزر چکی ہے (☆)۔

تَابَعَهُ اللَّيْثُ ، عَنْ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ . [ر : ۲۴۵۹]

حضرت لیث بن سعد (۱) نے ابن ابی ملیکہ سے روایت کرتے ہوئے ایوب رحمہم اللہ کی متابعت کی ہے۔

مذکورہ متابعت کا مقصد

اوپر تعلیقات کے ضمن میں جو کچھ ہم نے بیان کیا اس کو آپ نے ملاحظہ کیا، اب سوال یہ ہے کہ یہ روایت مرسل ہے، جیسے ابن علیہ اور حماد بن زید کی روایت ہے، یا موصول، جیسے حاتم بن وردان کی روایت اور رائج کیا ہے؟

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ متابعت اسی ترجیح و رجحان کو بتلانے کے لیے ذکر کی ہے کہ لیث بن سعد احفظ ہیں اور روایت کا موصول ہونا ہی رائج ہے، ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”واعتمد البخاري الموصول لحفظ من وصله“ (۲)۔

مذکورہ متابعت کی تخریج

امام بخاری نے حضرت لیث رحمہما اللہ کی مذکورہ بالا متابعت کو موصولاً کتاب الہبۃ میں نقل کیا ہے (۳)۔

اصیلی کا ایک وہم

اس پوری تفصیل سے ایک بات یہ بھی واضح ہوئی کہ اصیلی کے نسخے میں جو عن ابن ابی ملیکہ عن المسور مذکور ہے وہ وہم ہے، درست اور معتمد بات یہی ہے کہ ”حماد بن زید عن ایوب عن ابن ابی ملیکہ“ والا طریق مرسل ہے (۴)۔

(☆) صحیح بخاری، کتاب الشہادات، باب شہادة الأعمی، رقم (۲۶۵۷)۔

(۱) حضرت لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کے لیے دیکھیے، کشف الباری: ۱/۳۲۴، بدء الوحي۔

(۲) فتح الباری: ۶/۲۲۶۔

(۳) صحیح بخاری، کتاب الہبۃ، باب کیف یقبض العبد والمتاع؟ رقم (۲۵۹۹)۔

(۴) فتح الباری: ۶/۲۲۶۔

ترجمة الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت اس جملے میں ہے، ”خبأت هذا لك“ (۱) اس سے امام بخاری کا مدعی ثابت ہو رہا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور امام ان امور میں مختار ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

۱۲ - باب : كَيْفَ قَسَمَ النَّبِيُّ ﷺ قُرْبَطَةَ وَالنَّضِيرَ ، وَمَا أُعْطِيَ مِنْ ذَلِكَ فِي نَوَائِبِهِ .

ترجمة الباب کا مقصد

یہاں امام بخاری رحمہ اللہ استفسار یہ فرما رہے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو قریظہ اور بنو نضیر سے حاصل شدہ اموال غنیمت کو کس طرح تقسیم کیا تھا؟ اب انہوں نے کیفیت تقسیم تو بیان نہیں کی، جو کہ ترجمہ ہے اور باب کے تحت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کر دی، جس سے معلوم ہوا کہ وہ اموال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نوائب اور حاجات کے اندر خرچ کیے، اس کے ذریعے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بتلایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تصرفات میں کلی اختیار حاصل تھا، آپ جہاں مناسبت سمجھتے، وہاں خرچ کرتے تھے (۲)۔

۲۹۶۰ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ : حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ : عَنْ أَبِيهِ قَالَ : سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ : كَانَ الرَّجُلُ يَجْعَلُ لِلنَّبِيِّ ﷺ النَّخْلَاتِ ، حَتَّى أَفْتَتَحَ قُرْبَطَةَ وَالنَّضِيرَ ، فَكَانَ بَعْدَ ذَلِكَ يَرُدُّ عَلَيْهِمْ . [۳۸۰۶ : ۳۸۹۴]

تراجم رجال

۱ - عبد الله بن أبي الاسود

یہ عبد اللہ بن حمید ابوالاسود بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۳)۔

(۱) فتح الباری: ۲۲۷/۶۔

(۲) عمدة القاری: ۴۶/۱۵، وشرح الکرمانی: ۹۹/۱۳۔

(۳) قوله: ”سمعت أنس.....“ الحديث، مر تخريجه في الهبة، باب فضل المنيحة.

(۴) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الأذان، باب بلا ترجمۃ، رقم (۷۹۸)۔

۲- معتمر

یہ معتمر بن سلیمان بن طرخان تیمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۳- ابیہ

اب سے مراد حضرت سلیمان بن طرخان تیمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دو حضرات کا تذکرہ کتاب العلم، ”باب من خص بالعلم قوما دون قوم.....“ کے تحت آچکا ہے (۱)۔

۴- انس بن مالک

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإیمان، ”باب من الإیمان أن يحب لأخيه.....“ کے تحت گزر چکے (۲)۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھجور کے درخت مختص کر دیا کرتے تھے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو قریظہ اور بنو نضیر پر فتح حاصل ہوئی، بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان درختوں کو واپس کر دیا۔

حدیث کی مختصر شرح

اس حدیث میں ”الرجل“ سے انصار مراد ہیں اور ”افتتح“ کا تعلق بنو قریظہ سے ہے، کیونکہ بنی نضیر کو تو جلاوطن کیا گیا تھا، لیکن مالا و مجازاً اسے بھی فتح سے تعبیر کیا گیا ہے (۳)۔

مدینہ منورہ میں جب مہاجرین کا ورود ہوا، وہ اپنا سب کچھ چھوڑ کر آگئے تو انصار نے ان کو حوصلہ دیا، ان کی ہر طرح سے مدد کی، کھیت وغیرہ حوالے کر دیے، جن کی دو بیویاں تھیں ان میں سے ایک کو طلاق دے کر اپنے مہاجر بھائی کے نکاح میں دے دی اور قربانی و ایثار کی عظیم مثالیں پیش کیں۔

(۱) کشف الباری: ۵۹۰/۴-۵۹۵.

(۲) کشف الباری: ۴/۲.

(۳) عمدة القاری: ۴۶/۱۵.

یہ انفرادی امور کا معاملہ تھا، اجتماعی امور کے لیے ان انصار کے جو باغات تھے، ان میں سے کچھ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مختص کر دیے، ان کی آمدنی مصارف و مصالح مسلمین اور اہل بیت پر خرچ ہوتی، یہ اختصاص بطور ہدیہ کے تھا، کیوں کہ صدقہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت کے لیے حرام ہے۔ یہ سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ نبی علیہ السلام اور مسلمانوں کو یہود مدینہ پر فتح ہوئی تو نبی علیہ السلام نے وہ درخت انصار کو واپس کر دیے (۱)۔

ان امور کی تفصیلات کتاب المغازی میں بیان ہو چکی ہیں (۲)۔

ترجمہ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

حدیث کی ترجمہ کے ساتھ مطابقت بایں معنی ہے کہ ترجمہ میں تقسیم کی کیفیت کے متعلق استفسار تھا، اس کا جواب حدیث میں موجود ہے کہ تقسیم اموال بنی قریظہ کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا گیا، کہ نبی علیہ السلام نے ان میں اپنی صوابدید کے مطابق تصرف کیا اور انہیں مصالح مسلمین پر خرچ کیا گیا (۳)۔

۱۳ - باب : بَرَكَهَ الْغَازِي فِي مَالِهِ حَيًّا وَمَيِّتًا : مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَوَلَاةِ الْأَمْرِ .

ترجمہ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمہ اللہ یہاں یہ فرما رہے ہیں کہ غازی کا مال جو غنیمت وغیرہ سے حاصل ہوا ہو، اس میں اس کی زندگی میں بھی برکت ہوتی ہے اور اس کے مرنے کے بعد بھی، چاہے اس نے جہاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں کیا ہو یا آپ کے بعد آپ کے نائبین اور خلفاء کے ہمراہ (۴)۔ شہادت و دلیل کے طور پر اس

(۱) حوالہ بالا، وإرشاد الساري: ۲۱۰/۵، وشرح ابن بطلال: ۲۸۶/۵.

(۲) كشف الباري، كتاب المغازي: ۱۸۳، و: ۳۰۲.

(۳) عمدة القاري: ۴۶/۱۵، وفتح الباري: ۲۲۷/۶، وإرشاد الساري: ۲۱۰/۵.

(۴) هذا ما قاله الشيخ الكاندهلوي رحمه الله، واختاره شيخنا المبحل حفظه الله، انظر الأبواب والتراجم للكاندهلوي: ۲۰۶/۱. وقال القسطلاني رحمه الله: "والظاهر أن الغرض ذكر الكثرة التي نشأت عن البركة في تركة الزبير؛ إذ خلف ديناً كثيراً، ولم يخلف إلا العقار المذكور، ومع ذلك فبورك فيه، حتى تحصل منه هذا المال العظيم". شرح القسطلاني: ۲۱۳/۵.

کے لیے امام علیہ الرحمۃ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا قصہ پیش کیا ہے، جس کی تفصیلات آگے آرہی ہیں۔

ایک تنبیہ

ترجمۃ الباب میں لفظ برکہ بائے موحده کے ساتھ ہے، بعض حضرات نے اس میں تصحیف کرتے ہوئے تائے مثناة کے ساتھ ترکہ پڑھا ہے، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ لفظ ترکہ اگرچہ محتمل ہے کہ اس قصہ میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے ترکہ کا ذکر ہے، لیکن آگے جو عبارت آرہی ہے، ”حیا ومیتا مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم وولایۃ الأمر“ یہ اس امر پر دلالت کر رہی ہے کہ درست جمہور ہی کی روایت ہے، یعنی بائے موحده کے ساتھ (۱)۔

۲۹۶۱ : حَدَّثَنَا إِسْحَقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ : قَالَ : قُلْتُ لِأَبِي أُسَامَةَ : أَحَدَثَكُمْ هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ^(۱) قَالَ : لَمَّا وَقَفَ الزُّبَيْرُ يَوْمَ الْجَمَلِ ، دَعَانِي فَقُمْتُ إِلَى جَنْبِهِ ، فَقَالَ : يَا بُنَيَّ إِنَّهُ لَا يُقْتَلُ الْيَوْمَ إِلَّا ظَالِمٌ أَوْ مَظْلُومٌ ، وَإِنِّي لَا أَرَانِي إِلَّا سَاقِلُ الْيَوْمِ مَظْلُومًا ، وَإِنَّ مِنْ أَكْبَرِ هَمِّي لَدَيْنِي ، أَفْتَرَى بَيْنِي دَيْنًا مِنْ مَالِنَا شَيْئًا ؟ فَقَالَ : يَا بُنَيَّ بَعْدَ مَالِنَا فَأَقْضِ دَيْنِي : وَأَوْصِي بِالْثُلُثِ ، وَثُلُثِهِ لِيْنِيهِ - يَعْنِي بَيْنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الزُّبَيْرِ - يَقُولُ : ثُلُثُ الثُّلُثِ : فَإِنْ فَضَلَ مِنْ مَالِنَا فَضْلٌ بَعْدَ قَضَاءِ الدَّيْنِ فَثُلُثُهُ لِسَوْلِكَ . قَالَ هِشَامُ : وَكَانَ بَعْضُ وَلَدِ عَبْدِ اللَّهِ قَدْ وَازَى بَعْضَ بَنِي الزُّبَيْرِ ، خُبَيْبٌ وَعَبَّادٌ ، وَلَهُ يَوْمَئِذٍ تِسْعَةُ بَنِينَ وَتِسْعُ بَنَاتٍ . قَالَ عَبْدُ اللَّهِ : فَجَعَلَ يُوصِيَنِي بِدَيْنِهِ وَيَقُولُ : يَا بُنَيَّ إِنْ عَجَزْتَ عَنْهُ فِي شَيْءٍ فَاسْتَعِنْ عَلَيْهِ مَوْلَايَ . قَالَ : فَوَاللَّهِ مَا دَرَيْتُ مَا أَرَادَ حَتَّى قُلْتُ : يَا أَبَتِ مَنْ مَوْلَاكَ ؟ قَالَ : اللَّهُ ، قَالَ : فَوَاللَّهِ مَا وَقَعْتُ فِي كُرْبَةٍ مِنْ دَيْنِهِ إِلَّا قُلْتُ : يَا مَوْلَى الزُّبَيْرِ أَقْضِ عَنْهُ دَيْنَهُ فَيَقْضِيهِ ، فَقَتَلَ الزُّبَيْرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَلَمْ يَدْعُ دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا إِلَّا أَرْضَيْنِ ، مِنْهَا الْغَابَةُ وَإِحْدَى عَشْرَةَ دَارًا بِالْمَدِينَةِ ، وَدَارَيْنِ بِالْبَصْرَةِ ، وَدَارًا بِالْكُوفَةِ ، وَدَارًا بِمِصْرَ ، قَالَ : إِنَّمَا كَانَ دَيْنُهُ الَّذِي عَلَيْهِ أَنَّ الرَّجُلَ كَانَ يَأْتِيهِ بِالْمَالِ فَيَسْتَوْدِعُهُ إِيَّاهُ ، فَيَقُولُ الزُّبَيْرُ : لَا ، وَلَكِنَّهُ سَلَفٌ ، فَإِنِّي أَخْشَى عَلَيْهِ الضَّيْعَةَ ، وَمَا وَلِي إِمَارَةً قَطُّ ، وَلَا جَبَايَةَ خَرَّاجٍ ، وَلَا شَيْئًا إِلَّا أَنْ يَكُونَ فِي غَزْوَةٍ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ، أَوْ مَعَ أَبِي بَكْرٍ

(۱) فتح الباری: ۲۲۸/۶، وعمدة القاری: ۴۷/۱۵، وشرح القسطلانی: ۲۱۰/۵۔

(۲) قوله: ”عن عبد الله“: الحديث، تفرد به البخاري، ولم يخرج غيره، انظر تحفة الأشراف: ۱۷۹/۳، رقم

(۳۶۲۶)، ومن مسند الزبير.....

وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ ، قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الزُّبَيْرِ : فَحَسِبْتُ مَا عَلَيَّ مِنَ الدِّينِ فَوَجَدْتُهُ
 أَلْفِي أَلْفٍ وَمِائَتِي أَلْفٍ ، قَالَ : فَلَقِيَ حَكِيمُ بْنُ حِزَامٍ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ الزُّبَيْرِ فَقَالَ : يَا أَبْنُ أَخِي ،
 كَمْ عَلَى أَخِي مِنَ الدِّينِ ؟ فَكْتَمَهُ ، فَقَالَ : مِائَةُ أَلْفٍ ، فَقَالَ حَكِيمٌ : وَاللَّهِ مَا أَرَى أَمْوَالَكُمْ
 تَسَعُ لِهَذِهِ ، فَقَالَ لَهُ عَبْدُ اللَّهِ : أَفَرَأَيْتَكَ إِنْ كَانَتْ أَلْفِي أَلْفٍ وَمِائَتِي أَلْفٍ ؟ قَالَ : مَا أَرَاكُمْ
 تُطِيقُونَ هَذَا ، فَإِنْ عَجَزْتُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ فَاسْتَعِينُوا بِي ، قَالَ : وَكَانَ الزُّبَيْرُ اشْتَرَى الْغَابَةَ
 بِسَبْعِينَ وَمِائَةِ أَلْفٍ ، فَبَاعَهَا عَبْدُ اللَّهِ بِالْأَلْفِ وَسِتِّمِائَةِ أَلْفٍ ، ثُمَّ قَامَ فَقَالَ : مَنْ كَانَ لَهُ
 عَلَى الزُّبَيْرِ حَقٌّ فَلْيُؤَاغِبْنَا بِالْغَابَةِ ، فَأَتَاهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ جَعْفَرٍ ، وَكَانَ لَهُ عَلَى الزُّبَيْرِ أَرْبَعُمِائَةِ أَلْفٍ ،
 فَقَالَ لِعَبْدِ اللَّهِ : إِنْ شِئْتُمْ تَرَكَتُهَا لَكُمْ ، قَالَ عَبْدُ اللَّهِ : لَا ، قَالَ : فَإِنْ شِئْتُمْ جَعَلْتُموها فيما
 تُؤَخَّرُونَ إِنْ أَخَّرْتُمْ ، فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ : لَا ، قَالَ : قَالَ : فَاقْطَعُوا لِي قِطْعَةً ، فَقَالَ عَبْدُ اللَّهِ :
 لَكَ مِنْ هَاهُنَا إِلَى هَاهُنَا ، قَالَ : فَبَاعَ مِنْهَا فَقَضَى دَيْنَهُ فَأَوْفَاهُ ، وَبَقِيَ مِنْهَا أَرْبَعَةُ أَشْهُمٍ وَنِصْفُ ،
 فَقَدِمَ عَلَى مُعَاوِيَةَ وَعِنْدَهُ عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ وَالْمُنْذِرُ بْنُ الزُّبَيْرِ وَأَبْنُ زَمْعَةَ ، فَقَالَ لَهُ مُعَاوِيَةُ : كَمْ
 قُومَتِ الْغَابَةُ ؟ قَالَ : كُلُّ سَهْمٍ مِائَةُ أَلْفٍ ، قَالَ : كَمْ بَقِيَ ، قَالَ : أَرْبَعَةُ أَشْهُمٍ وَنِصْفُ ،
 قَالَ الْمُنْذِرُ بْنُ الزُّبَيْرِ : قَدْ أَخَذْتُ سَهْمًا بِمِائَةِ أَلْفٍ ، قَالَ عَمْرُو بْنُ عُثْمَانَ : قَدْ أَخَذْتُ سَهْمًا
 بِمِائَةِ أَلْفٍ ، وَقَالَ أَبُو زَمْعَةَ : قَدْ أَخَذْتُ سَهْمًا بِمِائَةِ أَلْفٍ ، فَقَالَ مُعَاوِيَةُ : كَمْ بَقِيَ ؟ فَقَالَ :
 سَهْمٌ وَنِصْفُ ، قَالَ : أَخَذْتُهُ بِخَمْسِينَ وَمِائَةِ أَلْفٍ ، قَالَ : وَبَاعَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ جَعْفَرٍ نَصِيبَهُ
 مِنْ مُعَاوِيَةَ بِسِتِّمِائَةِ أَلْفٍ ، فَلَمَّا فَرَغَ أَبُو الزُّبَيْرِ مِنْ قَضَاءِ دَيْنِهِ ، قَالَ أَبُو الزُّبَيْرِ : أَقْسِمُ بَيْنَنَا
 مِيرَاثَنَا ، قَالَ : لَا وَاللَّهِ لَا أَقْسِمُ بَيْنَكُمْ حَتَّى أُنَادِيَ بِالْمَوْسِمِ أَرْبَعَ سِنِينَ : أَلَا مَنْ كَانَ لَهُ عَلَى
 الزُّبَيْرِ دَيْنٌ فَلْيَأْتِنَا فَلْنَقْضِهِ ، قَالَ : فَجَعَلَ كُلُّ سَنَةٍ يُنَادِي بِالْمَوْسِمِ ، فَلَمَّا مَضَى أَرْبَعُ سِنِينَ
 قَسَمَ بَيْنَهُمْ ، قَالَ : فَكَانَ لِلزُّبَيْرِ أَرْبَعُ نِسْوَةٍ ، وَرَفَعَ الثَّلَاثَ ، فَأَصَابَ كُلَّ امْرَأَةٍ أَلْفُ أَلْفٍ
 وَمِائَتَا أَلْفٍ ، فَجَمِيعُ مَالِهِ خَمْسُونَ أَلْفَ أَلْفٍ ، وَمِائَتَا أَلْفٍ .

تراجم رجال

۱- اسحاق بن ابراهيم

یہ اسحاق بن ابراہیم بن راہویہ خطی مروزی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲- أبواسامه

یہ ابواسامہ حماد بن اسامہ لیشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کا تذکرہ تفصیلاً کتاب العلم، ”باب فضل من علم وعلم“ کے تحت گزر چکا (۱)۔

۳- هشام بن عروہ

یہ هشام بن عروہ بن زبیر قرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۴- عروہ بن زبیر

یہ عروہ بن زبیر بن العوام قرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کے حالات ”بدء الوحي“ کی ”الحديث الثاني“ کے تحت گزر چکے ہیں (۲)۔

۵- عبد اللہ بن زبیر ۶- زبیر بن العوام رضي الله عنهما

ان دونوں حضرات کے مفصل حالات کتاب العلم، ”باب إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم“ کے تحت آچکے ہیں (۳)۔

قال: لما وقف الزبير يوم الجمل دعاني فقممت إلى جنبه

حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جمل والے دن جب میرے والد زبیر رضی اللہ عنہ

قال کے لیے کھڑے ہوئے تو انہوں نے مجھے بلایا، تو میں ان کے پہلو میں جا کر کھڑا ہو گیا۔

يوم الجمل (جنگ جمل)

واقعہ جمل تاریخ اسلام کے ان دردناک واقعات میں سے ہے، جس میں دونوں طرف جلیل القدر صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم تھے اور دونوں طرف کے لوگ حق پر بھی تھے، یہی اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے، اس واقعے

سے متعلق تفصیلات تو انشاء اللہ کتاب الفتن میں آئیں گی، ہم ذیل میں اس کا خلاصہ ذکر کیے دیتے ہیں۔

(۱) کشف الباری: ۳/ ۴۱۴-۴۱۷، و ۴۲۸-۴۳۱۔

(۲) کشف الباری: ۱/ ۲۹۱، نیز دیکھیے، کشف الباری: ۲/ ۴۳۲-۴۴۰۔

(۳) کشف الباری: ۴/ ۱۶۴-۱۷۴۔

یہ ۳۶ھ مطابق ۶۵۶ء، جمادی الاولیٰ یا جمادی الثانیہ کا اور خلافت علی کا واقعہ ہے، یہ جنگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حامیوں کے مابین تھی، مسئلہ حضرت عثمان کے قصاص کا تھا اور موضع حرب بصرہ۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے حامیوں کے ہمراہ مکہ سے بصرہ کے لیے روانہ ہوئیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ پہلے ہی سے بصرہ کے قریبی شہر کوفہ میں موجود تھے، جب انہوں نے اس لشکر کے بصرہ پہنچنے کا سنا تو وہ بھی کوفہ سے لشکر لے کر نکلا، یہاں تک کہ دونوں لشکر آمنے سامنے ہو گئے اور فریقین کے درمیان کئی بار مذاکرات بھی ہوئے، قریب تھا کہ یہ مذاکرات کامیابی سے ہم کنار ہوتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دلائل کی رو سے فریق ثانی کو قائل کر لیتے، لیکن ناس ہو ابن سبا یہودی اور اس کے چیلوں کا، یہ چوں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی تہادت کے ذمے دار تھے، اس لیے ان کو اندیشہ لاحق ہوا کہ اگر یہ دونوں فریق باہم مل گئے تو ہماری گردنیں ضرور قصاصاً ماری جائیں گی، چنانچہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رفاقت کا دم بھرا اور موقع پاتے ہی اہل جمل یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لشکر پر حملہ کر دیا، جب کہ اس کی خبر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو نہیں تھی، انہیں پتہ چلا تو پوچھا کہ یہ کس قسم کا شور ہے؟ تو سائیوں میں کچھ افراد نے غلط بیانی کرتے ہوئے انہیں یہ بتلایا کہ فریق ثانی نے اچانک بے خبری میں ہم پر حملہ کر دیا ہے، یہی حال دوسری طرف بھی ہوا اور یہ حضرات نہ چاہتے ہوئے بھی جنگ کی آگ میں کود پڑے اور سبائی اپنی سازش میں کامیاب ہو گئے، لعنہم اللہ وخذلہم۔

فریقین کے درمیان گھمسان کا رن پڑا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت میدان جنگ میں موجود نہیں تھیں اور انہیں لڑائی شروع ہونے کا بھی علم نہیں تھا، اتنے میں کعب بن مسور تابعی ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور احوال واقعی سے انہیں باخبر کیا اور کہا کہ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ اونٹ پر سوار ہو جائیں اور میدان قتال کی طرف چلیں، شاید صلح کی کوئی صورت پیدا ہو جائے، یہ سن کر اماں عائشہ رضی اللہ عنہا اونٹ پر سوار ہو کر نکلیں، مگر توقع کے خلاف آپ رضی اللہ عنہا کی سواری دیکھ کر لوگ اور مشتعل ہو گئے، کیوں کہ وہ یہ سمجھے تھے کہ آپ بحیثیت سپہ سالار میدان میں تشریف لائی ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب دیکھا کہ لوگ کسی طرح لڑائی روکنے پر آمادہ نہیں اور مسلسل مرنے مارنے پر تلے ہوئے ہیں تو انہوں نے کعب بن مسور کو حکم دیا کہ تم اونٹ کی مہار چھوڑ کر، قرآن مجید بلند کر کے

آگے بڑھو اور لوگوں کو قرآن مجید کے محاکمہ کی طرف بلاؤ اور کہو کہ ہمیں قرآن کا فیصلہ منظور ہے، تم بھی اس کے فیصلے کو مان لو۔

کعب نے آگے بڑھ کر اعلان کیا، عبد اللہ بن سبا کے لوگوں نے یکبارگی ان پر تیروں کی بارش کر کے ان کو شہید کر دیا، اس کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حامی اور مشتعل ہو گئے، وہ برابر قتل ہوتے رہے، لیکن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ تک کسی حریف کو رسائی نہیں دی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کیفیت کو دیکھ کر بھانپ لیا کہ جب تک یہ اونٹ میدان جنگ میں نظر آتا رہے گا، لڑائی کے شعلے کبھی فرو نہیں ہوں گے، چناں چہ آپ نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ کسی طرح اونٹ کو ختم کرو، کہ اس کے گرتے ہی لڑائی ختم ہو جائے گی۔ یہ سن کر وہ اس کوشش میں لگ گئے کہ کسی طرح اس کو گرایا جائے، لیکن دوسری طرف اہل جمل بھی غافل نہیں تھے، انہوں نے فریق ثانی کے ہروار کو روکا، اونٹ کی مہار پکڑ کر لڑتے رہے، اس طرح سینکڑوں آدمی اونٹ کی مہار پر شہید ہو گئے، آخر کار کافی دیر بعد ایک آدمی نے موقع پا کر اونٹ کے پاؤں میں تلوار ماری اور اس کی کوئی کٹ ڈالیں، اس طرح اونٹ سینے کے بل بیٹھ گیا۔

اونٹ کے گرتے ہی اہل جمل منتشر ہو گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر نے اس کا محاصرہ کر لیا اور انہوں نے محمد بن ابی بکر کو، جو ان کے ساتھ تھے، حکم دیا کہ جا کر اپنی بہن کی حفاظت کرو، ان کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے پائے، اس طرح یہ جنگ اپنے انجام کو پہنچی۔

یہ پہلی جنگ تھی جس میں فریقین مسلمان تھے، اس کے بعد فتنوں کا دروازہ کھل گیا۔

جنگ ختم ہونے کے کئی دنوں بعد، امور خلافت کو از سر نو مرتب کر کے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے محمد بن ابی بکر کو حکم دیا کہ سفر کی تیاری کریں۔ چناں چہ یکم رجب ۳۶ھ کو سفر کی مکمل تیاری کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کو روسائے بصرہ کی چالیس عورتوں اور محمد بن ابی بکر کے ہمراہ بصرہ سے روانہ کیا، کئی کوس تک خود بھی قافلے کے ساتھ چلے، بعد میں حضرات حسنین کو حفاظت کی غرض سے قافلے کے ساتھ کر دیا، آپ رضی اللہ عنہا پہلے مکہ مکرمہ گئیں، وہاں سے حج ادا کر کے محرم ۳۷ھ کو مدینہ منورہ تشریف لے گئیں۔

اس جنگ میں فریقین کے ہزاروں افراد قتل ہوئے، جن کی تعداد میں اختلاف ہے، مقتولین میں

حضرت طلحہ بن عبید اللہ بھی تھے، جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہما بھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں، ”وددت أني مت قبل هذا اليوم بعشرين سنة“ کہ ”اے کاش! آج کے دن سے بیس سال قبل ہی میں وفات پا چکی ہوتی کہ یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔“

اس جنگ کو جمل سے اس لیے موسوم کیا گیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس جنگ میں ایک بڑی جسامت کے اونٹ پر سوار تھیں، جس کا نام عسکر تھا، اسے حضرت یعلیٰ بن امیہ رضی اللہ عنہ نے قبیلہ عرینہ کے ایک آدمی سے دو سو دینار میں خریدا تھا اور یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی سواری کے لیے مخصوص تھا (۱)۔

أعاذنا الله من الفتن، مظهر منها وما بطن.

فقال: يا بني، لا يقتل اليوم إلا ظالم أو مظلوم

تو میرے والد زبیر نے مجھ سے کہا، اے بیٹے! آج کے دن قتل ہونے والا ظالم ہوگا یا مظلوم۔

اس جملے کے مختلف مطالب

اس جملے کے کئی مطالب و معانی بیان کیے گئے ہیں:

① علامہ ابن بطل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اگر وہ قتل ہو گئے تو اپنے خیال میں مظلوم ہوں گے، لیکن فریق ثانی (خصم) انہیں ظالم تصور کرتا ہوگا، کیوں کہ ہر فریق اپنے کو حق پر، دوسرے کو ناحق پر سمجھتا تھا اور اس میں وہ تاویل کرتا تھا۔

اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا مقصد اس کلام سے یہ ہے کہ صحابہ، جو امت کے بہترین اور عمدہ لوگ ہیں، کا آپس میں قتال و محاربہ ان لوگوں کا سانہیں جو عصبیت کی بنیاد پر قتل کرتے ہیں یا اہل بغی ہیں، جن کے قاتل و مقتول دونوں ظالم ہوں گے، ان کے بارے میں تو صریح ارشاد نبوی ہے، ”إذا التقى المسلمان بسيفيهما، فالقاتل والمقتول في النار“ (۲) کیوں کہ یہاں تو تاویل کی گنجائش ہی نہیں کہ اس کی وجہ سے عند اللہ یہ معذور

(۱) جنگ جمل کی تفصیلات، اسباب اور نتائج کے لیے دیکھیے، عمدة القاري: ۴۹/۱۵-۵۰، وفتح الباري: ۲۲۹/۶،

والبدایة والنهاية: ۲۲۲/۷-۲۴۱، سنة ۳۶ھ، والکامل لابن الأثير: ۹۹/۳-۱۴۹، وقعة الجمل، وشرح

القسطلاني: ۲۱۰/۵، تاریخ اسلام (اردو) از اکبر شاہ نجیب آبادی: ۴۳۰/۱-۴۴۶، طبع مکتبۃ العلم کراچی،

وتاریخ الإسلام للذهبي: ۱۷۱/۲، سنة ست وثلاثين، وقعة الجمل، الطبقة الرابعة.

(۲) الحديث أخرجه البخاري، كتاب الإيمان، باب ﴿وإن طائفتان من المؤمنين﴾ رقم (۳۱)، والديات، =

سمجھے جائیں۔۔۔۔۔

جہاں تک حضرت زبیر وطلحہ اور جماعت صحابہ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ نکلے تھے، ان کا مطالبہ تو یہ تھا قاتلین عثمان کا پیچھا کیا جائے اور ان کو گرفتار کر کے ان پر حد جاری کی جائے، ظاہر ہے کہ یہ ایک شرعی مطالبہ ہے اور یہ لوگ ہرگز ہرگز حضرت علی سے قتال کے لیے نہیں نکلے تھے، کیوں کہ اس میں تو دورائے نہیں تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہما اپنے زمانے کے لوگوں میں احق بالخلافہ تھے، وہی امامت کبریٰ کے مستحق تھے۔

البتہ ہوا یہ تھا کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاں پناہ لے رکھی تھی، وہ ان کی حمایت کا دم بھرتے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اپنا خیال یہ تھا کہ جب تک امت کے حالات پرسکون نہیں ہو جاتے ان قاتلین کو جلاد کے حوالے کرنا مناسب نہیں، ہاں! جب حالات پرسکون ہو جائیں گے تو یہ کام بھی کر لیا جائے گا۔

ظاہر ہے کہ دونوں فریق اپنی اپنی جگہ درست ہیں اس لیے دونوں کے مقتول مظلوم ہی ہوں گے، نہ کہ ظالم، یہی مذہب اہل سنت ہے، والقاتل منهم والمقتول في الجنة إن شاء الله (۱)۔

❶ علامہ ابن التین السفاقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مطلب یہ ہے کہ لڑنے والے دو طرح کے لوگ ہوں گے: صحابی وغیر صحابی، چنانچہ صحابی تو متاویل ہے، اس لیے وہ مظلوم ہے اور غیر صحابی جو دنیا کے لیے لڑنے والا ہوگا، وہ ظالم ہوگا۔

”معناه: أنهم إما صحابي متأول فهو مظلوم، وإما غير صحابي قاتل

لأجل الدنيا فهو ظالم“ (۲)۔

باب قول الله تعالى: ﴿وَمَنْ أَحْيَاهَا﴾، رقم (۶۸۷۵)، والفتن، باب إذا التقى المسلمان، رقم (۷۰۸۳)،
ومسلم في الفتن، باب إذا تواجه المسلمان، رقم (۷۲۵۲-۷۲۵۵)، وأبو داود، الفتن، باب النهي عن القتال في
الفتنة، رقم (۴۲۶۸)، والنسائي، تحريم الدم، باب تحريم القتل، رقم (۴۱۲۱-۴۱۲۲)، و (۴۱۲۵-۴۱۲۸)۔

(۱) شرح ابن بطال: ۲۹۰/۵، وعمدة القاري: ۵۱/۱۵۔

(۲) شرح القسطلاني: ۲۱۰/۵، وعمدة القاري: ۵۱/۱۵، وفتح الباري: ۲۲۹/۶۔

وإني لا أراني إلا سأقتل اليوم مظلوما

اور میرا اپنے بارے میں یہی خیال ہے کہ میں آج ظلماً شہید کیا جاؤں گا۔

ارانی ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ بمعنی اظن کے ہے، یعنی میرا خیال و گمان یہ ہے اور بفتح الہمزہ بھی پڑھا

جاسکتا ہے جو اعتقد کے معنی میں ہوگا، یعنی میرا یقین و اعتقاد یہ ہے کہ آج میں مارا جاؤں گا (۱)۔

ان کا یہ گمان یا یقین پورا ہوا اور عمرو بن جرموز نامی ایک شخص نے ان پر اچانک حملہ کر کے انہیں شہید

کر دیا، جب کہ وہ میدان جنگ سے نکل چکے تھے (۲)، جس کی تفصیل کتاب العلم میں گزر چکی ہے (۳)۔

وإن من أكبر همي لديني، أفترى يبقي ديننا من مالنا شيئاً؟

اور میری سب سے بڑی پریشانی اور فکر میرا قرض ہے، تمہارا کیا خیال ہے، ہمارا یہ قرض ہمارے مال

میں سے کچھ چھوڑے گا؟

مطلب یہ ہے کہ اتنے قرض، جو میں نے لوگوں سے لیے، ان کی ادائیگی میں ہی سارا مملوکہ مال خرچ

ہو جائے گا، شاید ہی اس میں سے کچھ بچے۔

لدینی میں لام تاکید کا ہے اور مفتوح ہے اور أفتری میں ہمزہ استفہامیہ ہے اور فعل مجہول ہے أفظن

کے معنی میں ہے اور یبقي إبقاء سے ہے (افعال سے)، نہ کہ بقاء سے (۴)۔

فقال: يا بني، بع مالنا، فاقض ديني، وأوصى بالثلث، وثلثه لبنیه - یعنی بنی

عبداللہ بن انزیر، يقول: ثلث الثلث - فإن فضل من مالنا فضلٌ بعد قضاء

الدين فثلثه لولدك

پھر کہا اے بیٹے! ہمارے مال کو بیچنا، میرا دین ادا کرنا۔ اور ثلث کی وصیت کی اور ثلث میں سے ثلث

(۱) عمدة القاري: ۵۱/۱۵، وفتح الباري: ۲۲۹/۶۔

(۲) حوالہ جات بالا۔

(۳) کشف الباري: ۱۷۳/۴۔

(۴) عمدة القاري: ۵۲/۱۵، وشرح القسطلاني: ۲۱۱/۵۔

ان کے یعنی عبداللہ بن زبیر (مخاطب) کے بیٹوں کے لیے ہوگا، کہنے لگے کہ ثلث کو تین حصوں میں تقسیم کرنا اور اس کا ایک ثلث اپنے بیٹوں کو دینا۔ اگر ہمارے مال سے دین ادا کرنے کے بعد کچھ بچ جائے تو اس کا ثلث تمہارے بیٹوں کا ہوگا۔

اوپر ذکر کردہ عبارت مختلف حضرات کے کلام پر مشتمل ہے، جس کی توضیح یہ ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا کلام یہ ہے، ”یا بنی، بع مالنا، فاقض دینی، فإن فضل من مالنا فضل بعد قضاء الدین فثلثه لولدك“ جس کا مطلب یہ ہے کہ بیٹے! میرے مال کو فروخت کر کے میرا دین ادا کرنا اور دین کی ادائیگی کے بعد بھی اگر مال بچا رہا تو اس کا ایک ثلث فقراء و مساکین کے لیے ہو، لیکن اس ثلث کا ثلث تمہاری اولاد کے لیے ہوگا۔ اور ”وأوصی بالثلث وثلثه لبنیه“ یہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا کلام ہے۔ اور ”یعنی بنی عبداللہ بن الزبیر یقول: ثلث الثلث“ یہ کسی راوی کا تفسیری و توضیحی جملہ ہے، جس میں اس نے ”ثلثه لبنیه“ کی وضاحت کی ہے۔ اگر اس تفصیل کو مد نظر نہ رکھا جائے تو اس عبارت کو سمجھنا مشکل ہے۔

چنانچہ اس عبارت میں فثلثہ کی جو ضمیر مجرور ہے، وہ مطلقاً ثلث کی طرف راجع ہے، یعنی ثلث کا ثلث کہ وصیت تو مطلقاً ثلث مال میں جاری ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف امام مہلب رحمۃ اللہ علیہ نے اس ضمیر مجرور کو فضل کی طرف راجع مانا ہے، لیکن وہ اشکال سے خالی نہیں (۱)۔

بعض حضرات نے فثلثہ کو لام کی تشدید کے ساتھ ثلثہ پڑھا ہے، یعنی اسم کی جگہ فعل امر قرار دیا ہے کہ اس ثلث مطلق کے تین حصے کرنا، اس کو حافظ نے اقرب کہا ہے (۲)۔

قال هشام: وكان بعض ولد عبد الله قد وازی بعض بني الزبير - خبيب وعباد - هشام کہتے ہیں کہ عبداللہ بن زبیر کے بعض بیٹے حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے بعض بیٹوں کے ہم عمر تھے۔ یعنی خبيب اور عباد۔

ہشام بن عروہ کا یہ قول سند سابق کے ساتھ موصول ہے (۳)۔

(۱) فتح الباری: ۶/۲۳۰، عمدۃ القاری: ۱۵/۵۲، وإرشاد الساری: ۵/۲۱۱، والکوثر الجاری: ۶/۱۱۱۔

(۲) فتح الباری: ۶/۲۳۰، وعمدۃ القاری: ۱۵/۵۲، وإرشاد الساری: ۵/۲۱۱۔

(۳) فتح الباری: ۶/۲۳۰، وإرشاد الساری: ۵/۲۱۱۔

علامہ جوہری رحمۃ اللہ علیہ نے وازی کو واو کے ساتھ لکھنا خلاف قیاس اور غلط قرار دیا ہے، وہ یہ کہتے ہیں کہ اسے ہمزہ کے ساتھ آزی لکھنا چاہیے، حدیث باب کے یہ الفاظ ان پر رد ہیں، کہ یہاں وازی واو کے ساتھ ہے۔ اس کے معنی ساوی کے ہیں، یعنی برابر ہونا (۱)۔

اس جملے کا مطلب

① علامہ مہلب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ حضرت عبداللہ کے بیٹے حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے بیٹوں یعنی اپنے اعمام کے عمر میں مساوی اور برابر ہو گئے تھے۔

② اور یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ حضرت عبداللہ کے صاحبزادگان نصیب میراث میں اپنے اعمام یعنی حضرت زبیر کے صاحبزادگان کے برابر و مساوی ہو گئے تھے کہ ان کو بھی اتنا ہی ملا، جتنا کہ ان کے اعمام کو ملا۔

اس احتمال ثانی کو مہلب رحمۃ اللہ علیہ نے اولیٰ قرار دیا ہے اور فرمایا کہ دوسری صورت میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی اولاد کی کثرت کو بیان کرنے کے کوئی معنی نہیں۔

لیکن دوسرے شراح نے پہلے احتمال کو رائج اور دوسرے کو مرجوح قرار دیا ہے (۲)۔

چنانچہ حافظ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ یہ احتمال نظر و اشکال سے خالی نہیں، کیوں کہ اس وقت تک تو میراث تقسیم ہی نہیں ہوئی تھی، مال موروث کا کوئی معلوم و معین اندازہ تھا، نہ موصی بہ یعنی ثلث کا۔

علاوہ ازیں یہ کہنا ”وإلا لم یکن لذكر كثرة أولاد الزبیر معنی فی الموازاة فی السن“ (۳) بھی درست نہیں، کیوں کہ مراد یہ ہے کہ حضرت زبیر نے حضرت عبداللہ کی اولاد کو خصوصیت کے ساتھ بیان کیا اور دوسرے پوتوں کے مقابلے میں انہیں زیادہ اہمیت دی، اس کی وجہ واضح ہے، کہ حضرت عبداللہ کے صاحبزادگان بڑی عمر کے اور گھر بار والے ہو گئے تھے، یہاں تک کہ اس معاملے میں اپنے اعمام کے برابر ہو گئے، چنانچہ

(۱) حوالہ جات بالا، والصحاح للجوہری: ۴۰، مادة ”أز“ حرف الألف، والعمدة: ۵۲/۱۵، والکوثر الجاری: ۱۱۲/۶۔

(۲) فتح الباری: ۲۳۰/۶، وإرشاد الساری: ۲۱۱/۵، وشرح ابن بطلال: ۲۹۱/۵، والکوثر الجاری: ۱۱۲/۶، وشرح الکرمانی: ۱۰۰/۱۳۔

(۳) قالہ ابن بطلال: ۲۹۱/۵۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنی وصیت کے ذریعے مال کی کچھ مقدار اپنے پوتوں کے لیے بھی مقرر کر دی، تاکہ ان کے والد عبد اللہ رضی اللہ عنہ کا حصہ وافر و زیادہ ہو جائے، اس طرح وہ مالی معاملات میں اپنے والد عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے معاون بن سکے (۱)۔ واللہ اعلم بالصواب

”خبیب و عباد“ بر بنائے بدلیت یا بیان از بعض مرفوع ہے اور یہ بعض کی تفسیر ہے، بطور مثال صرف ان دو کے نام پر اکتفا کیا گیا، ورنہ حضرت عبد اللہ کی اولاد میں دوسرے اور بھی تھے، جو عمر میں اپنے اعمام کے مساوی تھے (۲)۔

حافظ نے یہاں یہ بھی کہا ہے کہ ”خبیب و عباد“ کو مجرور بھی پڑھ سکتے ہیں کہ وہ لفظ ”بعض“ کا بیان ہو۔ لیکن یہاں حافظ سے سہو ہوا ہے، علامہ یمنی کہتے ہیں کہ لفظ ”بعض“ حدیث میں دو جگہ آیا ہے، ان میں ایک مرفوع ہے، دوسرا منصوب۔ یہ تیسری صورت کہاں سے آگئی؟ یہی بات قسطلانی نے بھی کہی۔ درست بات یہ ہے کہ مجرور بھی ان دونوں ناموں کو پڑھا جاسکتا ہے، لیکن باعتبار ولد کے، جو ”بعض ولد عبد اللہ“ میں آیا ہے، نہ کہ باعتبار بعض کے (۳)۔

خبیب

یہ خبیب بن عبد اللہ بن الزبیر بن العوام القرشی الاسدی المدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کی والدہ تماضر بنت منظور بن زبان الخزازیہ ہیں (۴)۔

یہ اپنے والد عبد اللہ بن زبیر اور حضرت عائشہ و کعب الاحبار رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں، ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے صاحبزادے زبیر بن خبیب، یحییٰ بن عبد اللہ بن مالک، زہری اور سلیمان بن عطاء وغیرہ شامل ہیں (۵)۔

(۱) فتح الباری: ۶/۲۳۰، وإرشاد الساری: ۵/۲۱۱، وكذا انظر الكوثر الجاری: ۶/۱۱۲۔

(۲) عمدة القاری: ۱۵/۵۲، وفتح الباری: ۶/۲۳۰، وإرشاد الساری: ۵/۲۱۱۔

(۳) حوالہ جات بالا۔

(۴) تہذیب الکمال: ۸/۲۲۳، تاہم ابن حبان (۴/۲۱۱) نے ان کی والدہ کا نام حنتمہ بنت عبد الرحمن لکھا ہے، جو مشہور قول کے خلاف ہے۔

(۵) تہذیب الکمال: ۸/۲۲۳، وتہذیب التہذیب: ۳/۱۳۵۔

یہ اہل علم و ورع میں سے تھے، ان کے بھائی مصعب بن عبد اللہ کہتے ہیں:

”کان خبيب قد لقي كعب الأحمار، ولقي العلماء، وقرأ الكتب،

وکان من النساك“ (۱)۔

ابن حبان نے ان کا کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے (۲)۔

علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ”ناسک، صدوق، معنی بالعلم“ (۳)۔

علامہ مزنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ”وکان عالما بقريش، وکان طویل الصلاة، قليل

الكلام“ (۴)۔

بنی امیہ کے خلیفہ ولید بن عبد الملک نے حضرت عمر بن عبد العزیز کی طرف ایک مکتوب روانہ کیا، جب عمروالی مدینہ تھے کہ انہیں سوکوڑے لگاؤ اور قید میں ڈال دو۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے حکم کی تعمیل کی، انہیں سوکوڑے لگوائے اور ایک منگے میں پانی ٹھنڈا کر کے موسم سرما کی ایک صبح وہ پانی ان پر انڈیل دیا گیا، جس کی وجہ سے ان کا جسم سکر گیا اور کپکپی طاری ہو گئی، یہی فعل بعد میں ان کی موت کا سبب بنا۔

جیل میں جب ان کی تکلیف بڑھی تو حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے ان کو جیل سے نکالا اور اپنے کیے پر بہت شرمندہ ہوئے، جب کہ خبیب کے خاندان نے ان کو عمر بن مصعب بن زبیر کے گھر منتقل کر دیا، اسی اثناء میں جب کہ خبیب کا خاندان ان کے آس پاس بیٹھا ہوا تھا، مباحثوں ملاقات کی غرض سے آئے، یہ صاحب حضرت عمر بن عبد العزیز کے ساتھیوں میں سے تھے، جب وہ والی مدینہ تھے، جب یہ اندر داخل ہوئے تو عروہ بن عبد اللہ بن زبیر نے کہا، شاید تمہارے ساتھی (عمر بن عبد العزیز) کو اب تک ان کی موت میں شک ہے۔ اور قریب بیٹھے لوگوں سے عروہ نے کہا، چادر ہٹاؤ اور انہیں خبیب کی حالت دکھاؤ۔ جب مباحثوں نے ان کی حالت دیکھی، اس وقت تک خبیب انتقال کر چکے تھے، تو وہ سیدھے حضرت عمر کے مسکن ”دار مروان“ گئے۔

(۱) تہذیب الکمال: ۲۲۴/۸، وتہذیب التہذیب: ۱۳۵/۳، وخلاصة الخرز جي: ۱۰۴، من اسمہ خبيب.

(۲) الثقات لابن حبان: ۲۱۱/۴.

(۳) الکاشف: ۳۷۱/۱، رقم (۱۳۷۶).

(۴) تہذیب الکمال: ۲۲۵/۸.

ماشون کہتے ہیں کہ وہاں پہنچ کر میں نے دروازہ پر دستک دی، پھر اندر داخل ہوا، داخل ہونے کے بعد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو اس حال میں پایا کہ وہ دروازہ میں مبتلا عورت کی طرح کبھی کھڑے ہوتے اور کبھی بیٹھتے، مجھے دیکھ کر انہوں نے فرمایا، کیا خبر لائے ہو؟ میں نے کہا بندہ (خبیب) تو مر گیا۔ تو وہ زمین پر گر گئے، پھر سر اٹھا کر انا للہ وانا الیہ راجعون کہا۔ اس حادثے کا اثر حضرت عمر بن عبدالعزیز پر تاحیات رہا، اس کے بعد انہوں نے ولایت مدینہ سے استعفیٰ دے دیا اور گورنری وغیرہ قبول کرنے سے مانع ہو گئے۔ اس کے بعد اگر کبھی انہیں کسی نیک حکم پر جو انہوں نے جاری کیا ہوتا، مبارک دی جاتی تو فرماتے ”فکیف بخیب؟!“ کہ ”تمہاری یہ بات تو ٹھیک ہے، تاہم میں خبیب کا کیا کروں؟!“

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جب خلیفہ بنے تو انہوں نے آل زبیر بن عوام کو خصوصی طور پر عطایا و ہدایا سے نوازا تو لوگ یہی کہتے تھے کہ یہ خبیب کی دیت ہے (۱)۔

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کے بقول حضرت خبیب کا انتقال ۹۳ھ میں ہوا (۲)، یہی رائے ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے اور زبیر بن بکار کی بھی (۳)۔

اصحاب ستہ میں سے صرف امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے سنن کبریٰ میں ان کے واسطے سے ایک روایت لی ہے (۴)۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔

اور حضرت عباد بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ کے حالات پیچھے گزر چکے ہیں (۵)۔

وله يومئذ تسعة بنين وتسع بنات

ان دنوں ان کے نو بیٹے اور نو بیٹیاں تھیں۔

(۱) تہذیب الکمال: ۲۲۵/۸-۲۲۶، وتہذیب التہذیب: ۱۳۵/۳-۱۳۶۔

(۲) الثقات: ۲۱۱/۴۔

(۳) الکاشف: ۳۷۱/۱، والکامل فی التاریخ: ۲۷۸/۴، سنة ثلاث وتسعين، ذکر عدة حوادث۔

(۴) السنن الکبریٰ، أبواب الزينة (۹/۷۸)، کذا فی تحفة الأشراف: ۳۹۳/۱۱، رقم (۱۶۰۶۶)، وتہذیب

الکمال: ۲۲۶/۸-۲۲۷۔

(۵) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الزکاة، باب الصدقة فیما استطاع۔

۱۔ کی جو ضمیر مجرور ہے، وہ زبیر کی طرف راجع ہے، امام کرمانی سے یہاں ایک عجیب تسامح ہوا کہ انہوں نے اس ضمیر کو عبد اللہ کی طرف راجع کہا ہے (۱)، جو بدابۃ غلط ہے، حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی اس وقت جو موجود اولاد تھی، وہ خبیب، عباد، ہاشم، ثابت اور حمزہ ہیں (۲)۔ ان کی بقیہ اولاد کی ولادت حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ہوئی (۳)۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی زینہ اولاد جو کل نو ہیں، ان کے نام درج ذیل ہیں:

عبد اللہ، عروہ اور منذر، ان کی والدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہم ہیں۔ عمرو اور خالد، ان کی والدہ ام خالد بنت خالد بن حسین ہیں۔ مصعب اور حمزہ، ان کی والدہ رباب بنت انیف ہیں۔ عبیدہ اور جعفر، ان دونوں کی والدہ کا نام زینب بنت بشر ہے۔

ان نو کے علاوہ جو زینہ اولاد تھی، وہ حضرت زبیر کی شہادت سے قبل ہی وفات پا گئے تھے۔ اور نو صاحبزادیوں کے نام یہ تھے:

خدیجہ الکبریٰ، ام الحسن اور عائشہ، یہ تینوں حضرت اسماء بنت ابی بکر کے بطن سے تھیں۔ حبیبہ، سودہ اور ہند، ان کی والدہ ام خالد ہیں۔ رملہ کی والدہ رباب، حفصہ کی زینب اور زینب کی ام کلثوم بنت عقبہ تھیں (۴)۔

رضی اللہ عنہم وعنہن اجمعین

قال عبد اللہ: فجعل یوصینی بدینہ، ویقول: إن عجزت عن شیء منہ فاستعن علیہ مولای، قال: فواللہ، ما دریٹ ما أراد، حتی قلت: یا أبة، من مولاک؟ قال: اللہ. قال: فواللہ، ما وقعت فی کربة من دینہ إلا قلت: یا مولی الزبیر، اقض عنہ دینہ، فیقضیہ.

حضرت عبد اللہ کہتے ہیں کہ میرے والد مجھے اپنے دین کے بارے میں وصیت کرتے رہے اور کہتے رہے، اے بیٹے! اگر تم دین کے کسی بھی حصے کی ادائیگی سے عاجز آ جاؤ تو میرے مولا سے مدد لے لینا۔ عبد اللہ

(۱) شرح الکرمانی: ۱۰۰/۱۳، وفتح الباری: ۲۳۰/۶.

(۲) حمزہ کا نام تہذیب الکمال: ۲۲۴/۸ میں آیا ہے، حافظ وعینی و قسطلانی نے اول الذکر چار نام ہی ذکر کیے ہیں۔

(۳) فتح الباری: ۲۳۰/۶، وعمدة القاری: ۵۲/۱۵، وإرشاد الساری: ۲۱۱/۵.

(۴) حوالہ جات بالا.

کہتے ہیں کہ بخدا! میں سمجھا نہیں کہ (یہ کیا کہہ رہے ہیں اور مولیٰ سے) ان کی مراد کیا ہے؟ یہاں تک کہ میں نے کہا، ابا جان! آپ کا مولا کون ہے؟ فرمایا: اللہ..... حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! ان کے دین کی ادائیگی میں مجھے کوئی بھی پریشانی لاحق ہوتی تو میں عرض کرتا، اے زبیر کے مولا! زبیر کی طرف سے ان کا قرضہ ادا کر دیجیے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اس کی سبیل نکال دیتے۔

حضرت عبداللہ کی تشویش کی وجہ

مولیٰ عرب میں اس شخص کو کہتے ہیں جس نے کسی غلام کو آزاد کیا ہو۔ ظاہر ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ تو حراً الاصل تھے، ان کا مولیٰ کون ہوتا، یعنی ان کا معنیق کون ہوتا؟ اسی لیے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو تشویش لاحق ہوئی کہ یہ مولیٰ سے کیا مراد لے رہے ہیں؟ اسی لیے استفسار فرمایا، ”یا أبة، من مولاك؟“ تو جواباً فرمایا، ”اللہ“ چنانچہ جب حضرت عبداللہ کو دین کے سلسلے میں کوئی مشکل پیش آتی تو اللہ تعالیٰ سے درخواست کرتے، اللہ تعالیٰ ان کی درخواست منظور کرتے، نتیجہ یہ کہ سارا دین ادا ہو گیا۔

ان حضرات کا یہ یقین کامل ہی تھا اور وہ توکل کے اس درجے پر فائز تھے کہ اپنا ہر مسئلہ، ہر مشکل، ہر پریشانی اسی رب تعالیٰ کے دربار میں پیش کرتے تھے، جو سب کو دیتا ہے، کافر و مسلم، امیر و غریب کی تفریق اس کے ہاں نہیں۔ ایک ہم ہیں کہ ہر چیز میں اسباب کو مد نظر رکھتے ہیں، رب الاسباب کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، جو امت کا حشر ہے وہ بھی سب کے سامنے ہے۔

فقتل الزبیر رضی اللہ عنہ، ولم يدع ديناراً ولا درهماً، إلا أرضین منها: الغابة،

وإحدى عشرة داراً بالمدينة، ودارین بالبصرة، وداراً بالكوفة، وداراً بمصر

بعد ازیں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے، ترکہ میں انہوں نے دینار چھوڑا نہ درہم، مگر کچھ زمینیں تھیں، جن میں سے ایک غابہ ہے اور گیارہ گھرم دینے میں، دو گھر بصرے میں، ایک گھر کوفہ میں اور ایک گھر مصر میں چھوڑا۔

”أرضین“ صیغہ جمع ہے اور حالت نصی میں ہے، أرض اس کا مفرد ہے، جس کا ترجمہ اوپر ”کچھ زمینیں“ سے کیا گیا ہے، تاہم حافظ علیہ الرحمۃ سے یہاں غالباً تسامح ہوا ہے کہ انہوں نے اس کو تثنیہ سمجھا اور فرمایا

کہ ”منہا“ کی بجائے ”منہما“ تثنیہ کے ساتھ ہونا چاہیے (۱)۔

الغابة

یہ لفظ نین مجمہ اور بائے موحده خفیفہ کے ساتھ ہے۔ بعض حضرات نے اسے الغایہ یا، کے ساتھ پڑھا ہے، جو کہ تصحیف اور فحش غلطی ہے (۲)۔

یہ مدینہ منورہ کے اطراف و مضافات، جنہیں ”عوالی المدینہ“ کہا جاتا ہے، کے ایک مشہور علاقے کا نام ہے، اس کے اور مدینہ منورہ کے درمیان چار میل کا فاصلہ تھا اور یہ شام کے راستے پر آتا تھا (۳)۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے یہ زمین، کما فی حدیث الباب، ایک لاکھ ستر ہزار میں خریدی تھی، جو بعد میں سولہ لاکھ میں فروخت کی گئی۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے حدیث باب میں مذکور گھروں کے علاوہ ایک گھر مکہ مکرمہ میں بھی تھا، اس کا ذکر ابو نعیم نے مستخرج میں کیا ہے، اس کے راوی بھی ہشام بن عروہ ہیں (۴)۔

قال: وإنما كان دينه الذي عليه أن الرجل كان يأتيه بالمال فيستودعه إياه، فيقول الزبير: لا، ولكنه سلف؛ فإني أخشى عليه الضيعة

حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ جو قرضہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے اوپر واجب تھا، اس کی شکل یہ ہوئی تھی کہ آدمی ان کے پاس مال لے کر حاضر ہوتا، کہ وہ اسے ان کے پاس امانت رکھوائے، تاہم زبیر رضی اللہ عنہ اس سے کہتے کہ امانتا تو نہیں، لیکن بطور قرض چھوڑ جاؤ، کیوں کہ مجھے اس کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔

اس عبارت میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد مکرم پر جو خطیر رقم بطور قرض واجب تھی، اس کی وجہ بیان کی ہے کہ اتنے بڑے قرض کا سبب کیا بنا تھا۔

(۱) فتح الباری: ۶/۲۳۰۔

(۲) حوالہ بالا، وعمدة القاری: ۱۵/۵۲، وإرشاد الساری: ۵/۲۱۱۔

(۳) حوالہ جات بالا، والکوائر الجاری: ۶/۱۱۲، ومعجم البلدان: ۴/۱۸۲، باب الغین مع الألف.....

(۴) فتح الباری: ۶/۲۳۱-۲۳۲۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا کمال احتیاط و تقویٰ

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی آدمی امانتاً اگر کچھ رکھوانے آتا تو آپ اس چیز کو امانتاً قبول نہ کرتے، بلکہ فرماتے کہ بطور قرض چھوڑ جاؤ۔ اس طرح صاحب مال کا مال بھی محفوظ رہتا، اس کا اعتماد بھی بحال رہتا اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی اس الزام سے بچے رہتے کہ مال انہوں نے جان بوجھ کر، عداً ضائع کیا ہے، چوں کہ امانت کی تلف و ضیاع کی صورت میں ضمان نہیں ہوتا، جب کہ قرض تو بہر حال لوٹانا ہے، اس لیے وہ ذمے داری اپنے کندھے پر لے لیتے، اسی کی طرف حدیث میں بھی اشارہ ہے، ”فلانی أخشى الضیعة“ اور اگر اس مال میں تجارت بھی کرتے تو اس کا منافع ان کے لیے طیب اور حلال ہو جاتا۔

اس سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ احتیاط و تقویٰ کے کس درجے پر فائز تھے، اس کا اندازہ بخوبی ہوتا ہے۔ علامہ ابن بطل رحمۃ اللہ علیہ انہیں وجوہات کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وأما قول الزبير للذين كانوا يستودعونہ “لا، ولكنه سلف” إنما يفعل ذلك خشية أن يضيع المال، فيظن به ظن سوء، فيه، أو تقصيرا في حفظه، فيرى أن هذا أبقي لمروءته، وأوثق لصاحب الأموال؛ لأنه كان صاحب ذمة وافرة، وعقارات كثيرة، فرأى أن يجعل أموال الناس مضمونة عليه، ولا ييقبها تحت شيء من جواز التلف، ولتطيب نفس صاحب الوديعة على ذمته، وتطيب نفسه هو على ربح هذا المال“ (۱)۔

کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے بھی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو اپنے مالی معاملات کی دیکھ بھال سپرد کر رکھی تھی، آپ ان کے مالی امور کی نگرانی فرماتے، چنانچہ زبیر بن بکار نے ہشام بن عروہ کے طریق سے نقل کیا ہے کہ حضرت عثمان، عبدالرحمن بن عوف، مطیع بن الاسود، ابوالعاص بن الربیع، عبداللہ بن مسعود اور مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہم وغیرہ ایسے صحابہ نے اپنے مالی معاملات کا انتظام و انصرام حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے سپرد کر رکھا تھا (۲)۔

(۱) شرح ابن بطل: ۲۹۱/۵، وعمدة القاري: ۵۲/۱۵، وفتح الباري: ۲۳۰/۶۔

(۲) فتح الباري: ۲۳۰/۶۔

وما ولي إمارة قط، ولا جباية خراج، ولا شيئاً إلا أن يكون في غزوة مع النبي

صلى الله عليه وسلم، أو مع أبي بكر وعمر وعثمان رضي الله عنهم

کبھی وہ کہیں کے حاکم نہیں بنے، کبھی انہوں نے خراج وصول کرنے کی ذمہ داری نہیں اٹھائی اور نہ کوئی اور چیز تھی کہ جس کے اندر کوئی عہدہ سنبھالا ہو، بس غزوہ کیا کرتے تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یا حضرت ابوبکر و عمر یا عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ (۱)۔

اس جملے میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک وہم کا دفعیہ کیا ہے کہ زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس اتنے وافر مقدار میں مال کہاں سے آیا، جب کہ وہ کبھی والی رہے نہ جابی (ٹیکس وصول کنندہ)؟ تو اس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ یہ سارا مال مختلف غزوات کی برکت ہے، حضرت زبیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء ابوبکر، عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ غزوات میں شرکت فرماتے، جو غنیمت ملتی اس کو کاروبار وغیرہ میں لگاتے، اس لیے کوئی براگمان نہیں رکھنا چاہیے، اللہ تعالیٰ نے ان کو ان اموال میں بڑی برکت دی تھی، انہیں ان میں بڑے فوائد حاصل ہوئے کہ وہ لاکھوں کروڑوں سے تجاوز کر گئے۔ ابن بطال رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”وقوله: ”وما ولي إمارة قط، ولا جباية خراج“ فيكثر ماله من هذا

الوجه، فيكون عليه ظن سوء ومغمر لظن عمر والمسلمين بالعمال، حتى

قاسمهم، بل كان كسبه من الجهاد وسهمانه من الغنائم مع رسول الله

وخليفته بعده، فبارك الله في ماله؛ لطيب أصله، وربح أرباحاً بلغت ألوف

الألوف“ (۲)۔

علاوہ ازیں زبیر بن بکار نے اپنی سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی ملکیت میں سو غلام تھے، جو انہیں خراج ادا کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ان وجوہات پر یہ خیال کرنا کہ انہوں نے یہ اموال غلط طریقوں سے حاصل کیے، بالکل غلط ہے (۳)۔

(۱) حضرت ابوبکر کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب من لم يتوضأ من لحم الشاة والسويق۔

(۲) شرح ابن بطال: ۲۹۱/۵، وعمدة القاري: ۵۲/۱۵، وفتح الباري: ۲۳۰/۶۔

(۳) فتح الباري: ۲۳۰/۶۔

قال عبد الله بن الزبير: فَحَسَبْتُ ما عليه من الدين، فوجدته ألفي ألف، ومائتي ألف
حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ان پر جو قرضہ تھا، اس کا میں نے حساب لگایا، وہ بائیس
لاکھ نکلا (دولین، دولاکھ)۔

یہ قول بھی سند سابق کے ساتھ موصول ہے (۱)۔

اور حسب باب نصر سے ماضی متکلم ہے، اس کے معنی گننے اور شمار کرنے کے ہیں، حساباً و حسباً
بالضم۔ وغیرہ اس کے مصادر ہیں۔ دوسرا ایک لفظ ہے جو باب حسب بالكسر سے ہے، مصدر اس کا
حسباناً۔ بالكسر۔ وغیرہ ہے، اس کے معنی ظن و تخمین کے ہیں (۲)۔

قال: فلقني حكيم بن حزام عبد الله بن الزبير، فقال: يا ابن أخي، كم على
أخي من الدين؟

فرماتے ہیں کہ حضرت حکیم بن حزام (۳) عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم سے ملے اور فرمایا: بھتیجے!
میرے بھائی کا قرضہ کتنا ہے؟

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی تھے، اسی بنا پر
انہوں نے عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو ”یا ابن اخي“ (بھتیجے) کہہ کر پکارا (۴)۔

فكتمه، فقال: مائة ألف

حضرت عبد اللہ نے اصل مقدار دین مخفی رکھی اور فرمایا ایک لاکھ۔

کیا یہ جھوٹ اور غلط بیانی نہیں؟

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ پر واجب دین کی مقدار بائیس لاکھ تھی، لیکن حضرت حکیم بن حزام کے استفسار

(۱) فتح الباری: ۶/۲۳۰، وعمدة القاری: ۱۵/۵۲۔

(۲) حوالہ جات بالا۔

(۳) حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الزکاة، باب لا صدقة إلا عن ظہر غنی۔

(۴) عمدة القاری: ۱۵/۵۳، وشرح الکرماني: ۱۳/۱۰۱، وفتح الباری: ۶/۲۳۱۔

پر عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے اصل مقدار دین ان سے چھپائی اور صرف ایک لاکھ دین کا انہیں بتلایا اور باقی اکیس لاکھ حذف کر گئے، کیا یہ غلط بیانی کے زمرے میں نہیں آتا؟

ابن بطل رحمۃ اللہ علیہ نے اس اشکال کا جواب یہ ارشاد فرمایا کہ یہ کذب اور غلط بیانی نہیں، کیونکہ انہوں نے کچھ بتلایا اور کچھ مخفی رکھا، کیوں کہ ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ جب اس سے کسی چیز کے بارے پوچھا جائے تو سائل کو جتنا چاہے بتلائے، اسی طرح اُسے یہ حق بھی حاصل ہے کہ کچھ بھی نہ بتلائے، یہاں انہوں نے حضرت حکیم کے استفسار پر یہی حق اختیار کیا (۱)۔

اصل دین کی مقدار چھپانے کی وجہ

اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت حکیم حضرت زبیر رضی اللہ عنہما کے بارے میں کوئی غلط گمانی اور قلت احتیاط کی رائے نہ اختیار کر لیں کہ اتنا بڑا قرضہ کیسے ان پر چڑھ گیا، جس کی ادائیگی میں ورثاء پریشان ہوں؟ علاوہ ازیں حضرت عبد اللہ کے پیش نظر یہ بھی تھا کہ حضرت حکیم ان کی بابت یہ خیال نہ کر لیں کہ یہ کسی مدد کے محتاج ہیں، جس کے نتیجے میں وہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کو اپنا محتاج سمجھنے لگیں (۲)۔

کتمان حقیقت کا خلاصہ دو باتیں ہوئیں:

- ① حضرت زبیر کے متعلق حضرت حکیم بن حزام کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔
- ② حضرت عبد اللہ کی خود داری کو ٹھیس نہ پہنچے کہ حکیم بن حزام انہیں اپنی مدد کا محتاج جانیں۔

فقال حکیم: واللہ، ما أرى أموالکم تسعُ لهذه، فقال له عبد اللہ: أرايتک إن كانت ألفی ألف ومائتي ألف؟ قال: ما أراکم تطيقون هذا، فإن عجزتم عن شيء منه فاستعينوا بی

حضرت حکیم نے فرمایا، بخدا! میرا نہیں خیال کہ تمہارے اموال اس قدر قرض کے لیے کافی ہوں گے تو حضرت عبد اللہ نے ان سے کہا، اگر قرضہ بائیس لاکھ کا ہو تو آپ کا کیا خیال ہوگا؟ تو حکیم (رضی اللہ عنہما) نے

(۱) شرح ابن بطل: ۲۹۲/۵، وفتح الباری: ۲۳۱/۶، وعمدة القاری: ۵۳/۱۵۔

(۲) حوالہ جات بالا۔

فرمایا میرے خیال میں تم اس کی ادائیگی کی قدرت نہیں رکھتے، سوا اگر تم کہیں اس کی ادائیگی سے عاجز آ جاؤ تو مجھ سے تعاون لے لینا۔

ابتداءً حضرت عبداللہ نے قرض کی مقدار کم بتلائی، جس کی وجہ ابھی گزر چکی، جب دیکھا کہ حضرت حکیم ایک لاکھ کو بھی بہت بڑی رقم سمجھ رہے ہیں تو حضرت عبداللہ نے یہ ضروری سمجھا کہ دین کی پوری مقدار ان کے علم میں لائی جائے اور انہیں یہ بھی باور کرا دیا جائے کہ وہ اتنی بڑی رقم (بائیس لاکھ) کی ادائیگی پر بھی قادر ہیں، ایک لاکھ تو بہت معمولی رقم ہے (۱)۔

وكان الزبير اشترى الغابة بسبعين ومائة ألف، فباعها عبد الله بألف ألف وستمئة ألف

اور حضرت زبیر نے غابہ ایک لاکھ ستر ہزار کا خریدا تھا، اسے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما نے سولہ لاکھ (1600000) میں فروخت کیا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے غابہ کی زمین کے سولہ حصے کیے اور ہر حصہ کی قیمت ایک لاکھ مقرر کی کہ جو لینا چاہے تو فی حصہ ایک لاکھ کا ہوگا، اس طرح پوری زمین سولہ لاکھ کی ہوئی (۲)۔

ثم قال: من كان له على الزبير حق فليوافنا بالغابة
پھر حضرت عبداللہ (اعلان کرنے کے لیے) کھڑے ہوئے، فرمایا کہ زبیر پر کسی کا حق ہو تو وہ آ کر ہم سے غابہ میں ملے۔

فليوافنا موافاة (مفاعلة) سے ہے، اس کے معنی آنے کے ہیں، أي فليأتنا (۳)۔

فأتاه عبد الله بن جعفر - وكان له على الزبير أربع مائة ألف - فقال لعبد الله:
إن شئتم تركتها لكم. قال عبد الله: لا، قال: فإن شئتم جعلتموها فيما

(۱) فتح الباری: ۶/۲۳۱، وعمدة القاری: ۵۳/۱۵۔

(۲) فتح الباری: ۶/۲۳۱۔

(۳) عمدة القاری: ۵۳/۱۵، والقاموس الوحید للکیرانوی، مادة: "وفي"۔

تؤخرون إن أخرتم. فقال عبد الله: لا، قال: قال: فاقطعوا لي قطعة. قال
عبد الله: لك من هاهنا إلى هاهنا

چنانچہ عبد اللہ بن جعفر حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم (کا اعلان سن کر ان) کے پاس آئے،
حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے اوپر ان کے چار لاکھ تھے۔ اور ابن الزبیر سے کہا کہ اگر آپ لوگ چاہیں تو میں اپنی رقم
آپ لوگوں کے لیے چھوڑ دوں (دست بردار ہو جاؤں)۔ ابن الزبیر نے فرمایا، نہیں، یہ نہیں ہو سکتا۔ تو ابن جعفر
نے کہا، اگر آپ چاہیں تو اس معاملے کو مؤخر کر دیں دیگر مؤخر شدہ معاملات کی طرح۔ ابن الزبیر نے کہا کہ نہیں،
یہ بھی نہیں ہوگا۔ ابن الزبیر کہتے ہیں کہ ابن جعفر نے کہا تو میرے لیے ایک حصہ زمین کا الگ کر دو۔ حضرت
عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم نے کہا کہ آپ کے لیے یہاں سے یہاں تک زمین ہے۔

حضرت زبیر حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم کے چار لاکھ کے مقروض تھے، جب عبد اللہ بن زبیر
نے اعلان کیا تو مذکورہ اعلان سن کر عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم ان کے پاس آئے اور دو پیشکشیں کیں، ایک تو یہ
کہ میں اپنے حق سے دست بردار ہو جاتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ معاملہ کو دیگر معاملات کی طرح فی الحال مؤخر کر دو،
میں اپنے حق کا ابھی مطالبہ نہیں کرتا، جب چاہے دے دینا۔ حدیث باب کا مضمون یہی ہے۔

تاریخ یعقوب بن سفیان میں مزید تفصیل یہ ہے کہ اس موقع پر حضرت حکیم بن حزام اور عبد اللہ بن عمر
رضی اللہ عنہم بھی حاضر تھے اور یہ بات چیت حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کے گھر میں ہوئی تھی، چنانچہ یہ
سب حضرات جب ان کے گھر میں داخل ہوئے تو ابن جعفر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ کیا تم ان حضرات کو میرے
پاس سفارش کے لیے لائے ہو، چلو میں اپنا حق تمہارے لیے چھوڑتا ہوں۔ تو ابن الزبیر نے کہا، میں یہ نہیں چاہتا، تو
انہوں نے کہا، چلو اس دین کے بدلے تم مجھے اپنی دونوں جوتیاں دے دو۔ ابن الزبیر نے کہا، میں یہ بھی نہیں
چاہتا۔ حضرت عبد اللہ بن جعفر حیران ہو کر کہنے لگے کیا تم معاملہ قیامت کے دن کے لیے چھوڑنا چاہتے ہو، کہ وہیں
فیصلہ ہو؟ ابن الزبیر نے کہا، ایسا بھی نہیں چاہتا۔ ابن جعفر نے کہا معاملہ میں تم پر چھوڑتا ہوں، تم جو فیصلہ کرو، مجھے
قبول ہوگا۔ تو ابن الزبیر نے کہا کہ میں دین کے بدلے آپ کو جائیداد دوں گا، تو انہوں نے کہا ٹھیک ہے (۱)۔

قال: فباع منها، فقضى دينه، فأوفاه، وبقي منها أربعة أسهم ونصف.

فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے ترکہ میں سے کچھ حصہ فروخت کر دیا اور دین کی ادائیگی مکمل طور پر کر دی۔ اور زمین کے ساڑھے چار حصے (دین کی ادائیگی کے بعد) بیچ گئے۔

”منہا“ سے مراد ”من الغابة والدور“ ہے، فقط ”من الغابة“ نہیں، وہ اس لیے کہ دین بائیس لاکھ تھا، اوپر گزر چکا ہے کہ زمین کی قیمت سولہ لاکھ تھی (۱)، ظاہر ہے کہ سولہ لاکھ کے ساتھ بائیس لاکھ کی ادائیگی کیسے ہو سکتی ہے؟ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے زمین بھی فروخت کی اور کچھ گھر بھی فروخت کیے، اس طرح دین کی ادائیگی کی اور زمین کے ساڑھے چار حصے بیچ گئے۔

فقدم على معاوية -وعنده عمرو بن عثمان، والمنذر بن الزبير، وابن زمعة

بعد ازیں حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت معاویہ کے پاس آئے، اس وقت ان کے ہاں عمرو بن عثمان (۲)، منذر بن زبیر اور عبداللہ بن زمرہ رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے۔

المنذر بن الزبير

یہ بطل جلیل ابو عثمان منذر بن زبیر بن عوام بن خویلد رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما ان کی والدہ ہیں (۳) اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے بھائی ہیں۔

یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں پیدا ہوئے (۴)۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے قسطنطنیہ کے محاذ کے لیے اپنے بیٹے یزید کی سرکردگی میں جو لشکر ترتیب دیا تھا، اس میں یہ بھی تھے اور اس غزوے میں شریک رہے (۵)۔

(۱) فتح الباری: ۲۳۱/۶۔

(۲) حضرت عمرو بن عثمان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الجنائز، باب قول النبی ﷺ: يعذب الميت.....

(۳) سیر أعلام النبلاء: ۳۸۱/۳، والطبقات الكبرى لابن سعد: ۱۸۲/۵۔

(۴) سیر أعلام النبلاء: ۳۸۱/۳، والبداية والنهاية: ۲۴۶/۸۔

(۵) حوالہ حیات بالا۔

زبیر بن بکار کہتے ہیں کہ ان کی ان کے بھائی حضرت عبداللہ سے کچھ ناراضگی ہو گئی تو یہ ان کو چھوڑ کر کوفہ حضرت امیر معاویہ کی خدمت میں آ گئے، جنہوں نے ان کا بہت اکرام کیا اور دس لاکھ درہم (☆) عطا کئے، لیکن ان کی وصولی سے قبل ہی حضرت معاویہ کا انتقال ہو گیا۔

حضرت معاویہ نے اپنی وصیت میں کہا تھا کہ میری قبر میں مندر اتریں گے (۱)، جس سے ان دونوں کے تعلق کی مضبوطی کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

ان کے بھائی عبداللہ بن زبیر اور یزید بن معاویہ کے درمیان جب بیعت کے معاملے پر اختلاف ہوا، بات بہت بڑھ گئی اور ان کو اطلاع ملی تو یہ کوفہ سے چلے اور آٹھ راتوں میں مکہ کی مسافت طے کر کے وہاں پہنچے، اہل شام نے جب عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کا محاصرہ کیا تو اس محاصرہ میں یہ بھی آ گئے تھے، اسی دوران ۶۳ھ میں ان کا انتقال ہوا، کل عمر چالیس سال تھی (۲)۔

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ اور عثمان بن عبداللہ بن حکیم دن میں اہل شام کے خلاف لڑتے اور رات کو انہی کو کھانا کھلاتے (۳)۔

ان کی صاحبزادی فاطمہ بنت المندر مشہور محدثہ تھیں اور ہشام بن عروہ بن زبیر کے نکاح میں تھیں (۴)۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔

ابن زمعة

یہ صحابی رسول عبداللہ بن زمعہ بن اسود بن مطلب بن اسد قرشی اسدی مدنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ قریبہ الکبریٰ ان کی والدہ ہیں، جو ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حقیقی بہن ہیں، اس طرح ابن زمعہ رضی اللہ عنہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے ہوئے (۵)۔

(۵) ابن کثیر کے مطابق یہ رقم ایک لاکھ تھی اور ساتھ کچھ جائیداد بھی تھی۔ البدایہ والنہایہ: ۲۴۶/۸۔

(۱) البدایہ والنہایہ: ۲۴۶/۸، وسیر أعلام النبلاء: ۳۸۱/۳۔

(۲) حوالہ جات بالا، وتاریخ الذهبی: ۳۷۶/۲۔

(۳) البدایہ والنہایہ: ۲۴۶/۸۔

(۴) سیر أعلام النبلاء: ۳۸۱/۳۔

(۵) تہذیب الکمال: ۵۲۵/۱۴، وتہذیب التہذیب: ۲۱۸/۵، والاستیعاب: ۵۴۴/۱، والجرح والتعديل: ۶۹/۵۔

حضرت ام سلمہ کی صاحبزادی زینب بنت ابوسلمہ ابن زمعہ رضی اللہ عنہم کے نکاح میں تھیں (۱)۔

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنی خالہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت حدیث کرنے والوں میں ان کے صاحبزادے ابوعبیدہ، عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ،

عروہ بن الزبیر اور ابوبکر بن عبد الرحمن بن الحارث رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ شامل ہیں (۲)۔

یہ اشرف قریش میں سے ہیں، تاہم محدثین کے ہاں ان کا شمار اہل مدینہ میں ہوتا ہے (۳)۔

یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر اپنی خالہ کے ہاں آیا جایا کرتے تھے، آپ علیہ السلام کے مرض

الوفات میں یہی پیغام لے کر آئے تھے کہ ابوبکر کو کہو کہ وہ نماز پڑھائیں، لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ موقع پر

موجود نہیں تھے تو انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا کہا (۴)۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر پندرہ برس تھی (۵)۔

یہ بقول زیاد بن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ ۳۵ ہجری میں شہید ہوئے، جب کہ ابن الکلی کا

کہنا یہ ہے کہ مسلم بن عقبہ نے ”یوم الحرہ“ کو انہیں ظماً شہید کیا تھا، لیکن ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

یوم الحرہ تو ان کے صاحبزادے یزید شہید ہوئے تھے، نہ کہ ابن زمعہ (۶)۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبد اللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ کو ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا

کا بھائی قرار دیا ہے (۷)۔ غالباً انہی کی تقلید میں علامہ عینی نے بھی یہی لکھا ہے، تاہم یہ درست نہیں، ان سے

= باب العین، رقم (۲۷۲)۔

(۱) تہذیب التہذیب: ۲۱۸/۵، وتہذیب الکمال: ۵۲۶/۱۴۔

(۲) تہذیب التہذیب: ۲۱۹/۵، وتہذیب الکمال: ۵۲۶/۱۴۔

(۳) الاستیعاب: ۵۴۴/۱، وإكمال مغلطی: ۳۵۹/۷، وتہذیب الکمال: ۵۲۶/۱۴۔

(۴) تہذیب الکمال: ۵۲۶/۱۴، والاستیعاب: ۵۴۴/۱، وتہذیب التہذیب: ۲۱۸/۵-۲۱۹، وسنن أبي

داود، کتاب السنۃ، باب فی استخلاف أبي بكر، رضي الله عنه، رقم (۴۶۶۰)۔

(۵) تہذیب الکمال: ۵۲۵/۱۴۔

(۶) تہذیب التہذیب: ۲۱۹/۵، والاستیعاب: ۵۴۵/۱، والإكمال للمغلطای: ۳۵۹/۷۔

(۷) الکاشف للذهبي: ۵۵۳/۱، رقم (۲۷۲۶)، وعمدة القاري: ۵۳/۱۵۔

یہاں تسامح ہوا ہے، دونوں کے نسب میں غور کرنے سے اس کا غلط ہونا واضح ہو جاتا ہے (۱)۔

اصحاب اصول ستہ نے ان کی روایات نقل کی ہیں (۲)۔

ان سے کل چار احادیث مروی ہیں، جن میں ایک حدیث ایسی ہے جو تین احکام پر مشتمل ہے، چنانچہ بعض رواۃ نے تو ان تینوں کو ملا کر ایک حدیث کا مجموعہ قرار دیا اور بعض نے ہر حکم پر مشتمل حدیث کو مستقل بالذات حدیث، جیسا کہ علامہ خزر جی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ”ولہ حدیث متفق علیہ“ (۳) اس اعتبار سے مجموعی روایات دو ہوں گی، اسی کو علامہ نابلسی رحمۃ اللہ علیہ نے اختیار کرتے ہوئے ان کی صرف دو حدیثیں ذکر کی ہیں (۴)۔ رضی اللہ عنہ وأرضاه۔

حدیث میں عبد اللہ بن زبیر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم کے پاس آنے کا جو ذکر ہے، وہ دمشق کا ہے کہ آپ وہیں تھے کہ حضرت عبد اللہ ملاقات کے لیے آئے، وہاں اس وقت دیگر حضرات بھی تشریف فرما تھے (۵)۔ کما مر۔

فقال له معاوية: كم قومت الغابة؟ قال: كل سهم مائة ألف. قال: كم بقي؟ قال: أربعة أسهم ونصف. فقال المنذر بن الزبير: قد أخذت سهمًا بمائة ألف. وقال عمرو بن عثمان: قد أخذت سهمًا بمائة ألف. وقال ابن زمعة:

(۱) تہذیب التہذیب: ۲۱۹/۵، ام المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا نسب یوں ہے: سودہ بنت زمعہ بن قیس بن عبد شمس بن عبد ود بن نصر..... قرشیہ عامریہ، رضی اللہ عنہا۔ (تہذیب الکمال: ۲۰۰/۳۵، النساء) جب کہ حضرت عبد اللہ بن زمعہ کا نسب اس طرح ہے: عبد اللہ بن زمعہ بن الا سود بن المطلب بن اُسد بن عبد العزی..... قرشی اسدی، رضی اللہ عنہ۔ (تہذیب الکمال: ۵۲۵/۱۴)۔

چنانچہ دونوں کے نسب میں واضح فرق ہے کہ حضرت سودہ کے دادا قیس بن عبد شمس ہیں، جب کہ عبد اللہ بن زمعہ کے الاسود بن المطلب۔ نیز حضرت سودہ عامریہ ہیں کہ بنو عامر سے ان کا تعلق ہے اور عبد اللہ بن زمعہ کا تعلق بنو اسد سے ہے۔ رضی اللہ عنہما۔

(۲) تہذیب الکمال: ۵۲۶/۱۴، والکشاف: ۵۵۳/۱، وتہذیب التہذیب: ۲۱۸/۵۔

(۳) خلاصۃ الخزر جی: ۱۹۸، نیز دیکھیے، الإصابة: ۳۱۱/۲، والاستیعاب: ۵۴۴/۱۔

(۴) ذخائر الموارث فی الدلالة علی مواضع: ۲۶/۲، رقم (۲۶۹۰-۲۶۹۱)۔

(۵) عمدۃ القاری: ۵۳/۱۵۔

قد أخذت سهما بمائة ألف. فقال معاوية: كم بقي؟ فقال: سهم ونصف.
قال: أخذته بخمسين ومائة ألف.

چنانچہ حضرت معاویہ نے کہا غابہ کی کیا قیمت لگی؟ عبد اللہ نے کہا ہر حصہ ایک لاکھ کا۔ فرمایا کتنے حصے رہ گئے ہیں؟ فرمایا ساڑھے چار حصے، تو منذر بن زبیر نے کہا کہ ایک حصہ ایک لاکھ میں، میں لیتا ہوں۔ اور عمرو بن عثمان نے کہا ایک حصہ ایک لاکھ کا میں نے لیا اور عبد اللہ بن زمعہ نے کہا کہ ایک حصہ ایک لاکھ کا میں نے لیا۔ پھر معاویہ نے کہا کتنا رہ گیا؟ عبد اللہ بن زبیر نے کہا کہ ڈیڑھ حصے، تو معاویہ (رضی اللہ عنہم) نے کہا کہ اسے میں نے ایک لاکھ پچاس ہزار میں لیا۔

حضرت عبد اللہ کے قول ”کل سهم مائة ألف“ میں لفظ مائة منصوب بنزع الخافض ہے، اصل عبارت یوں ہوگی، ”کل سهم بمائة ألف“ (۱)۔

قال: وباع عبد الله بن جعفر نصيبه من معاوية بستمائة ألف
فرماتے ہیں: اور عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما نے بھی اپنا حصہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ چھ لاکھ میں فروخت کر دیا۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کو اپنے قرض کے بدلے جو حصہ غابہ میں سے ملا تھا، وہ انہوں نے حضرت معاویہ کو فروخت کر ڈالا، چار لاکھ کا حصہ تھا اسے انہوں نے چھ لاکھ میں فروخت کیا، اس طرح انہیں دو لاکھ کا نفع ہوا (۲)۔

فلما فرغ ابن الزبير من قضاء دينه قال بنو الزبير: اقسام بيننا ميراثنا. قال: لا والله، لا أقسم بينكم حتى أنادي بالموسم أربع سنين: ألا من كان له على الزبير دين، فليأتنا، فلنقضه

حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما جب دین کی ادائیگی سے فارغ ہو گئے تو بنو الزبیر نے مطالبہ کیا کہ

(۱) حوالہ بالا، وإرشاد الساري: ۲۱۲/۵۔

(۲) فتح الباري: ۲۳۲/۶، وإرشاد الساري: ۲۱۳/۵۔

ہماری میراث ہمارے درمیان تقسیم کرو۔ انہوں نے فرمایا میں بخدا تقسیم نہیں کروں گا۔ اس وقت تک تقسیم نہیں کروں گا کہ حج کے موقع پر چار سال منادی نہ کرادوں کہ زبیر پر جس کسی کا حق ہو وہ ہمارے پاس آئے کہ ہم اس کا حق ادا کریں۔

حضرت عبداللہ کا قول ”لا واللہ“ بخذف فعل ہے، تقدیریوں ہے، ”لا أقسم واللہ“ اس کے بعد کا جملہ ماقبل کی تفسیر ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ چوں کہ وصی تھے اور ابناء الزبیر میں سب سے بڑے بھی تھے، اس لیے انہوں نے تقسیم میراث سے انکار کیا، اس گمان کی بنیاد پر کہ شاید کسی کا حق رہ گیا ہو اور اس تک اطلاع نہ پہنچی ہو، ظاہر ہے کہ جب تک دین وغیرہ کی مکمل ادائیگی نہ ہو جائے میراث تقسیم تو نہیں ہو سکتی تھی، اس لیے فرمایا کہ کچھ صبر کرو، میں چار سال تک حج کے موقع اعلان کرتا ہوں، اس کے بعد تقسیم کردوں گا۔ بہر حال ان کا مقصد ہرگز حق دار کو حق کی وصول یابی سے روکنا نہیں تھا، کہ اس کو اس کا حصہ نہ دیا جائے (۱)۔

الموسم - بکسر السین - سے مراد ایام حج ہے، یہ وسمہ بمعنی علامت سے مشتق ہے، چوں کہ یہ دن لوگوں کے مکہ مکرمہ میں اجتماع کے لیے علامت ہوتے ہیں، اس لیے انہیں موسم سے موسوم کیا گیا (۲)۔ اور چار سال کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت اور بعد کے زمانے میں بھی مکہ مکرمہ اور اقطار عالم کے درمیان دو سال کی مسافت تھی، ان کا مقصد یہ تھا کہ اقطار عالم تک ان کا پیغام پہنچ جائے، یہ دو سال ہوئے، پھر اس کا جواب آجائے، یہ دو سال ہوئے، اس طرح کل چار سال ہوئے (۳)۔

قال: فجعل كل سنة ينادي بالموسم. فلما مضى أربع سنين قسم بينهم فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ہر سال ایام حج میں منادی کرنے لگے، جب چار سال گزر گئے تو ورثاء میں میراث تقسیم فرمادی۔

قال: وكان للزبير أربع نسوة

فرماتے ہیں اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی چار بیویاں تھیں۔

(۱) عمدة القاري: ۵۳/۱۵، وشرح الکرمانی: ۱۰۲/۱۳۔

(۲) عمدة القاري: ۵۳/۱۵، وشرح الکرمانی: ۱۰۳/۱۳، والقاموس الوحيد، مادة ”وسم“۔

(۳) العمدة: ۵۳/۱۵، والکرمانی: ۱۰۲/۱۳، وإرشاد الساري: ۲۱۳/۵، والكوثر الجاري: ۱۱۳/۶۔

یہ وقت شہادت کا ذکر ہے کہ شہادت کے وقت ان کے عقد میں چار بیویاں تھیں، ان کے نام یہ ہیں، ام خالد، رباب، زینب اور عاتکہ بنت زید (یہ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ، جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، کی ہمشیرہ ہیں)۔
 حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے چھ نکاح کیے تھے، جن میں سے وہ حضرت اسماء بنت ابی بکر اور ام کلثوم کو طلاق دے چکے تھے، طلاق انہوں نے حضرت عاتکہ کو بھی دی تھی، لیکن ان کی شہادت کے وقت یہ عدت میں تھیں اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے مال کی ایک مخصوص مقدار پر ان کے ساتھ صلح کر لی تھی (۱)۔
 کما رواہ الحاکم (۲)۔

ورفع الثلث

اور ثلث کو الگ کر دیا۔

یعنی جس ثلث مال کی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ وصیت کر گئے تھے، اس کو الگ کر دیا (۳)۔

فأصاب كل امرأة ألف ألف ومائتا ألف

چنانچہ ہر بیوی کے حصے میں بارہ لاکھ آئے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ثمن میراث 48 لاکھ تھا، بارہ کو چار سے ضرب دینے سے یہی عدد بنتا ہے (۴)۔

فجميع ماله خمسون ألف ألف ومائتا ألف

ان کے سارے مال کی مقدار ۵ کروڑ دو لاکھ تھی۔

یہاں شراح حدیث نے تفصیلی مباحث بیان کیے ہیں، جن کو سمجھنا آسان نہیں، تاہم ذیل میں ہم مشہور

اقوال نقل کریں گے اور ان پر نقد و تبصرہ بھی ہوگا۔

حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ دین ادا کرنے کے بعد اگر کچھ مال بچ جائے تو اس

کے ثلث میں وصیت جاری کی جائے اور بقیہ مال ورثہ میں تقسیم کر دیا جائے۔ تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے۔

(۱) فتح الباری: ۲۳۲/۶، وعمدة القاری: ۵۳/۱۵۔

(۲) المستدرک: ۴۱۵/۳، کتاب معرفة الصحابة، ذکر مقتل الزبیر بن العوام، رقم (۵۵۸۲)۔

(۳) فتح الباری: ۲۳۲/۶، وعمدة القاری: ۵۳/۱۵، وإرشاد الساری: ۲۱۳/۵۔

(۴) فتح الباری: ۲۳۲/۶۔

اب حساب سمجھیے!

دین 22 لاکھ ہے اور ہر بیوی کو بارہ لاکھ دیا گیا، بیویاں چار ہیں، تو ان کا کل حصہ 48 لاکھ بنتا ہے، یہ 48 لاکھ باقی بعد الدین والوصیہ کا ثمن ہے تو 48 لاکھ کو 8 سے ضرب دیا جائے تو باقی بعد الدین والوصیہ کی کل مقدار معلوم ہو جائے گی ($38400000 = 8 \times 4800000$) اس طرح یہ رقم 3 کروڑ 84 لاکھ ہو جائے گی۔ اس کے ساتھ ثلث وصیت کو ملایا جائے، جو ایک کروڑ 92 لاکھ ہے، حاصل جمع (57600000) پانچ کروڑ چھتر لاکھ ہوا۔

ثلث وصیت نکالنے کا طریقہ یہ ہوگا کہ 5 کروڑ 76 لاکھ کو 3 پر تقسیم کیا جائے تو ثلث نکل آئے گا، یعنی $19200000 = 3 / 57600000$ ۔

پھر اس حاصل جمع یعنی 5 کروڑ 76 لاکھ میں 22 لاکھ دین کو شامل کیا جائے، یعنی $59800000 = 2200000 + 57600000$ ، تو کل مال 5 کروڑ 98 لاکھ ہوگا۔ یہ سادہ سا حساب ہے اور اس میں باقی بعد الدین والوصیہ، ثلث وصیت اور دین سب آ گئے (۱)۔

اشکال اور اس کے جوابات

تفصیل آپ نے ملاحظہ کی، اب اشکال یہ ہے کہ روایت کے آخر میں ہے، ”فجميع ماله خمسون ألف ألف ومائتا ألف“ یعنی کل مال 5 کروڑ دو لاکھ تھا اور تفصیلی حساب سے کل مال 5 کروڑ 98 لاکھ بنتا ہے،

(۱) کل مال 5 کروڑ 98 لاکھ ہے، جس کی تفصیل باعتبار اجزاء حسب ذیل ہے:

ثمن 4800000 (4 ازواج کا حصہ) (اڑتالیس لاکھ)

x8

ثمن کو آٹھ سے ضرب دیا 38400000 (جو باقی بعد الدین والوصیہ کا مجموعہ ہے) (تین کروڑ چوراسی لاکھ)

ثلث وصیہ 19200000 + (ایک کروڑ بانوے لاکھ)

حاصل جمع 57600000 (پانچ کروڑ چھتر لاکھ)

دین (قرض) 2200000 (بائیس لاکھ)

کل مال 59800000 (پانچ کروڑ، اٹھانوے لاکھ)

تفصیل کے لیے دیکھیے، فتح الباری: ۲۳۲/۶۔

چنانچہ اجمال اور تفصیل میں مطابقت نہیں ہے؟ اسی نے شرح بخاری کو حیران و پریشان کر رکھا ہے۔

جواب نمبر ۱

حافظ شرف الدین دمیاطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اشکال کا جواب یہ دیا ہے کہ بیویوں کے سہام میں بعض رواۃ کو وہم ہوا ہے، اصل میں ہر بیوی کا حصہ الف الف یعنی دس لاکھ تھا، دین میں جو الفی الف و مائتی الف تھا، اس میں سے مائتی الف (2 لاکھ) کو بیویوں کے الف الف میں شامل کر کے الف الف و مائتا الف بنا دیا گیا، اگر بیویوں کا نصف الف الف (10 لاکھ) ہو تو چار بیویوں کا حصہ 40 لاکھ ہوگا، پھر چالیس لاکھ کو، جو ثمن ہے، 8 سے ضرب دیں گے، $32000000 = 8 \times 4000000$ ، حاصل ضرب تین کروڑ بیس لاکھ ہوا، جو باقی بعد الدین والوصیہ ہے، اس میں ثلث وصیت، جو ایک کروڑ 60 لاکھ ہوگا، ملایا جائے، یعنی $48000000 = 16000000 + 32000000$ تو حاصل جمع 4 کروڑ 80 لاکھ ہو جائے گا، پھر اسکے ساتھ 22 لاکھ دین ملایا جائے، یعنی:

$$50200000 = 2200000 + 48000000$$

اجمال اور تفصیل میں مطابقت ہو جائے گی۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس جواب کو حسن کہا ہے (۱)۔

(۱) فتح الباری: ۶/۲۳۳، اسی قول کو علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکر کیا ہے، لیکن اس قول کی نسبت ذکر نہیں کی۔ دیکھیے عمدۃ القاری: ۱۵/۴۹۔

اس قول کا خلاصہ درج ذیل ہے:

ثمن	4000000	(چار ازواج کا حصہ، چالیس لاکھ)
ثمن کو ضرب دیا	$\times 8$	
حاصل ضرب	32000000	(تین کروڑ بیس لاکھ، جو باقی بعد الدین والوصیہ ہے)
ثلث وصیہ	16000000	(ایک کروڑ ساٹھ لاکھ)
حاصل جمع	48000000	(چار کروڑ اسی لاکھ)
دین	2200000	(بائیس لاکھ)
کل مال	50200000	(پانچ کروڑ دو لاکھ)

جواب نمبر ۲

حافظ شرف الدین نے دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے جو چار سال میراث کو مؤخر کیا تھا، اس زمانے میں یہ مال بڑھ کر 5 کروڑ 98 لاکھ ہو گیا، ورنہ ابتداءً 5 کروڑ 2 لاکھ ہی تھا (۱)۔ گویا چھیا نوے لاکھ کی بڑھوتری ہوئی۔

حافظ صاحب نے اس جواب کو جوابِ اول سے بھی اچھا قرار دیا ہے اور ترجمہ میں برکتہ الغازی کے ساتھ حیا و میتا کی جو قید ہے اس کے ساتھ بھی اس کی مطابقت ہے اور یہ جواب بے تکلف بھی ہے (۲)۔ اسی جواب کو علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکر کیا ہے (۳)۔

جواب نمبر ۳

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”جميع ماله خمسون“ یہ مبتدا اور خبر ہیں، اس کے معنی ہیں، ”جميع ماله خمسون سہما“ یعنی کل مال کے پچاس حصے تھے اور اس کے بعد ”ألف ألف ومائتا ألف“ ہے، یہ ہر سہم کی قیمت ہے کہ ہر حصہ 12 لاکھ کا تھا، اب 12 لاکھ کو 50 سے ضرب دیا جائے، یعنی $50 \times 1200000 = 60000000$ ، تو چھ کروڑ بن جائے گا، مجموعہ مال کا۔ اور 5 کروڑ 98 لاکھ میں صرف 2 لاکھ کا فرق رہے گا، چنانچہ تفصیل میں تو 5 کروڑ 98 لاکھ بنتا ہے اور اجمال میں تقریبی طور پر اس کو 6 کروڑ کہہ دیا گیا اور محاورات میں اس طرح کے اطلاقات ہوتے رہتے ہیں (۴)۔

لیکن ظاہر ہے کہ یہ جواب تقریبی ہوگا، تحقیقی نہیں ہوگا۔

جواب نمبر ۴

بعض علماء نے ایک اور جواب دیا ہے کہ دین ایک زوجہ کے حصے یعنی 12 لاکھ کا دو گنا یعنی 24 لاکھ۔ اس صورت میں مجموعہ چھ کروڑ ہوگا، 5 کروڑ 98 لاکھ نہیں ہوگا، اس صورت میں اجمال اور تفصیل میں پوری مطابقت ہوگی، اس جواب میں ایک بیوی کے حصے کو دو گنا کر کے دین کی مقدار متعین کی گئی ہے۔

(۱) فتح الباری: ۶/۲۳۳۔

(۲) فتح الباری: ۶/۲۳۴۔

(۳) حوالہ بالا، و شرح الکرمانی: ۱۳/۱۰۳، وعمدة القاری: ۱۵/۵۳۔

(۴) فیض الباری: ۱/۱۱۱، قصۃ شہادۃ الزبیر

یہاں دین کو من قبیل تثنیۃ المركب معتبر مانا گیا ہے، ایک بیوی کا حصہ، جو 12 لاکھ ہے، وہ مرکب ہے، اس کے دو گئے کو دین قرار دیا گیا ہے۔ پھر جمیع مالہ مبتدا اور خمسوں خبر ہے، اس سے مراد خمسوں سہما ہے اور الف الف ومائتا الف ہر ہم کی قیمت ہے، تو پچاس سہام کی قیمت 12 لاکھ کے حساب سے 6 کروڑ بنتی ہے، اس طرح اجمال و تفصیل میں فرق نہیں رہے گا (۱)۔ واللہ اعلم بالصواب

اوپر جو صورتیں بیان کی گئیں وہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو روایت نقل کی ہے اس کے مطابق ہیں، ورنہ ابن سعد نے طبقات میں، علاوہ ازیں دیگر حضرات محدثین نے جو روایات نقل کی ہیں، ان کے اعتبار سے دوسری شکلیں بنتی ہیں (۲)۔

متن حدیث سے متعلق ایک وضاحت

حدیث باب کا شمار ان احادیث میں ہے، جن میں امام بخاری متفرد ہیں کہ اصحاب ستہ میں سے کسی

(۱) الدر الساری إلی فیض الباری: ۳/۴۶۵-۴۶۶۔ اس قول کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

حصہ ازواج	4800000	(اڑتالیس لاکھ)
۸ سے ضرب دیا گیا	x8	
حاصل ضرب	38400000	(تین کروڑ چوراسی لاکھ، یہ ماقبہ بعد الدین والوصیۃ ہے)
ثلث وصیۃ	19200000	(ایک کروڑ بانوے لاکھ)
حاصل جمع	57600000	(پانچ کروڑ چہتر لاکھ)
دین کی مقدار	2400000	(چوبیس لاکھ، یہ من قبیل تثنیۃ المركب ہے)
کل مال	60000000	(چھ کروڑ)

(۲) حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے کی تقریباً تمام روایات و طرق بیان کیے ہیں (فتح الباری: ۶/۲۳۲-۲۳۴)، ان سب میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے مال کے بارے میں شدید اختلاف ہے، کوئی کچھ کہتا ہے تو دوسرا کچھ۔ تاہم حافظ علیہ الرحمۃ نے ان تمام روایات میں تطبیق دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہاں مقصود مال کی کیت میں اختلاف بیان کرنا نہیں ہے، بلکہ یہ بتانا ہے کہ ان کے ترکہ میں کس قدر کثرت و زیادتی ہوئی کہ شہادت کے وقت انہوں نے پسماندگان کے لیے کچھ جائیدادیں چھوڑیں اور ساتھ ہی بہت بڑا قرض۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس میں برکت دی اور مال کا اتنا بڑا مجموعہ حاصل ہوا، لکھتے ہیں:

”وكان القوم أنوا من عدم إلقاء البال على تحرير الحساب؛ إذ الغرض فيه ذكر الكثرة

التي نشأت عن البركة في تركة الزبير؛ إذ خلف دينا كثيرا، ولم يخلف إلا العفار المذکور، ومع

ذلك فبورك فيه حتى تحصل منه هذا المال العظيم“۔ فتح الباری: ۶/۲۳۳۔

نے ان کے علاوہ یہ حدیث ذکر نہیں کی۔

اصحاب الاطراف نے یہ حدیث مسند زبیر میں ذکر کی ہے، جب کہ اس کا شمار مسند عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما میں ہونا چاہیے اور یہ حدیث پوری کی پوری موقوف ہے، سوائے اس جملے کے، جس میں عبد اللہ فرما رہے ہیں کہ:

”وما ولي إمارة قط، ولا جباية خراج، ولا شيئاً؛ إلا أن يكون في غروة مع النبي صلى الله عليه وسلم“.

چنانچہ صرف یہ حصہ مرفوع ہے۔ اس کے علاوہ حدیث کا اکثر حصہ موقوف علی عبد اللہ ہے، اس لیے اس کو مسند عبد اللہ میں ذکر کرنا چاہیے تھا (۱)۔

جواب استفہام کا ذکر

یہاں سند حدیث میں آیا ہے، ”قلت لأبي أسامة: أحدثكم هشام بن عروة.....؟“ کہ استفہام سوال تو مذکور ہے، لیکن اس میں جواب و تصدیق مذکور نہیں کہ ابو اسامہ نے اسحاق بن ابراہیم کے استفسار پر ”نعم“ وغیرہ نہیں کہا، لیکن یہی حدیث اسی سند کے ساتھ مسند اسحاق بن راہویہ میں موجود ہے، اس میں کلمہ ایجاب پایا جاتا ہے کہ انہوں نے تحدیث کے سوال پر فرمایا کہ ہاں! ہشام بن عروہ نے مجھے یہ حدیث سنائی ہے (۲)۔

واللہ اعلم

ترجمة الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

حدیث باب کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت بایں معنی ہے کہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ نے اپنے ترکے میں کچھ گھر چھوڑے تھے، ساتھ ہی بھاری قرض بھی، لیکن جو مال حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے ثلاثہ ابوبکر، عمر و عثمان رضی اللہ عنہم کے ساتھ غزوات میں شرکت سے حاصل ہوا، اس مال

(۱) عمدة القاري: ۴۸/۱۵، وفتح الباري: ۲۲۸/۶-۲۲۹.

(۲) فتح الباري: ۲۲۹/۶، وشرح القسطلاني: ۲۱۳/۵. یہ حافظ اور ان کی اتباع میں قسطلانی کا ارشاد ہے، تاہم یہ روایت ہمیں تلاش بسیار کے باوجود مسند اسحاق میں نہیں مل سکی، بلکہ یہاں حافظ سے تسامح ہوا ہے کہ امام ابن راہویہ نے اسی سند کے ساتھ حدیث اقل بھی نقل کی ہے، جس کے آخر میں واقعی کلمہ ایجاب موجود ہے، فاقربہ أبو أسامة، وقال: نعم“. مسند

اسحاق بن راہویہ، حدیث رقم (۱۱۷۷)۔

میں اللہ تعالیٰ نے ان کی حیات میں بھی برکت دی اور شہادت کے بعد بھی (۱)۔ جیسا کہ آپ نے حدیث میں ملاحظہ کیا۔ یہی مقصود ترجمہ بھی تھا کہ غازی کے مال میں اس کی زندگی اور بعد الموت برکت ہوتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۱۴ - باب : إِذَا بَعَثَ الْإِمَامُ رَسُولًا فِي حَاجَةٍ ، أَوْ أَمَرَهُ بِالْمَقَامِ ، هَلْ يُسْهَمُ لَهُ .

ترجمہ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہاں یہ فرما رہے ہیں کہ امام وقت نے اگر کسی آدمی کو دارالاسلام ہی میں کسی ضرورت کی بنا پر چھوڑ دیا ہو، یا کسی ضرورت کی وجہ سے کسی کو قاصد و پیامبر بنا کر کہیں بھیجا ہو تو اس کو مالِ غنیمت میں سے حصہ ملے گا یا نہیں؟ (۲)

یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے، ائمہ ثلاثہ، نیز اوزاعی، ابو ثور، نخعی اور لیث بن سعد رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ اس صورت میں وہ آدمی جو رسول ہو یا مامور بالاقامہ اس کو غنیمت سے حصہ نہیں ملے گا، اسی سے ملتا جلتا مسئلہ باب [۹] الغنیمۃ لمن شهد الوقعة کے تحت گزرا ہے۔

جب کہ امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کا کہنا یہ ہے کہ ان لوگوں کو غنیمت میں حصہ ملے گا۔ یہ شریک غنیمت ہوں گے (۳)۔

ائمہ ثلاثہ کی دلیل

اس سلسلے میں جمہور کی دلیل مشہور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اثر ہے کہ ”الغنیمۃ لمن شهد الوقعة“ کہ غنیمت میں اسی کا حصہ ہوگا جو شریک جنگ بھی رہا ہو (۴)۔

باب الغنیمۃ لمن شهد الوقعة والے مسئلے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ائمہ ثلاثہ وغیرہ کے ہم مسلک تھے، جب کہ زیر نظر مسئلے میں وہ حضرات حنفیہ کے ہم مشرب معلوم ہوتے ہیں۔

(۱) فتح الباری: ۲۳۳/۶، وشرح القسطلانی: ۲۱۳/۵، وعمدة القاری: ۴۸/۱۵۔

(۲) عمدة القاری: ۵۴/۱۵۔

(۳) شرح ابن بطلال: ۲۹۳/۵، والکوثر الجاری: ۱۱۴/۶۔

(۴) إرشاد الساری: ۲۱۴/۵۔

احناف کی دلیل

حضرات حنفیہ کی دلیل حدیث باب ہے، جس میں آیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ بدر میں باوجود عدم شرکت کے غنیمت میں سے حصہ دیا تھا، کیوں کہ ان کی عدم شرکت کی وجہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت تھی کہ آپ یہاں اپنی زوجہ کی نگہداشت کریں (۱)۔

اسی طرح اہل سیر نے ذکر کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعید بن زید وطلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہما کو شام جانے والے راستے کی طرف بھیجا تھا، مقصد جاسوسی تھا، یہ دونوں حضرات غزوہ بدر ختم ہونے کے بعد پہنچے تو آپ علیہ السلام نے ان دونوں حضرات کو غنیمت میں حصہ دیا، دونوں نے کہا، حضرت! اجر سے تو محرومی رہی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اجر بھی ملے گا (۲)۔

(۱) شرح ابن بطلال: ۲۹۳/۵، والکوثر الجاری: ۱۱۴/۶، وعمدة القاری: ۵۴/۱۵۔

(۲) حوالہ جات بالا۔ علامہ عینی نے ابن اسحاق کے حوالے سے اور ابن عبد البر رحمہم اللہ نے ان صحابہ کرام کے نام گنوائے ہیں، جو غزوہ بدر میں مختلف وجوہات کی بنا پر شریک غزوہ نہیں رہے، لیکن ان کو سہم دیا گیا، ان کی تعداد تقریباً دس ہے، جو حسب ذیل ہیں:

- ۱ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ۔ عدم شرکت کی وجہ حدیث باب میں مذکور ہے۔
- ۲ طلحہ بن عبید اللہ و سعید بن زید بن نفیل۔ جاسوسی کے لیے شام کی طرف بھیجے گئے تھے۔
- ۳ ابولبابہ بشیر بن عبد المذر۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین کی مکہ سے روانگی کا علم ہوا تو انہیں مقامِ روحاء سے واپس کر دیا اور بحیثیت عاملِ مدینہ مقرر فرمایا۔

- ۵ حارث بن حاطب بن عبید، انہیں بھی راستے سے واپس کر دیا گیا تھا۔
- ۶ حارث بن صمد۔ انہیں مقامِ روحاء میں چوٹ وغیرہ آئی تھی، اس لیے واپس ہو گئے۔
- ۷ خوات بن جبیر۔ غزوہ میں شریک نہیں تھے۔
- ۸ ابو الضیاح بن ثابت بن نعمان۔ راستے میں ان کی ایک پنڈلی پتھر لگنے کی وجہ سے شدید زخمی ہو گئی تھی، اس لیے لوٹ گئے۔

- ۹ عاصم بن عدی بن الجعد بن العجلان۔ یہ بھی غزوہ میں شرکت کے لیے نکلے تھے، تاہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں واپس کر دیا۔

- ۱۰ سعد بن مالک بن خالد الساعدی۔ انہوں نے غزوہ کے لیے پوری تیاری کر لی تھی کہ انتقال ہو گیا۔ ایک قول یہ ہے کہ مقامِ روحاء میں ان کی وفات ہوئی۔ یہ مشہور صحابی حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہما کے والد ہیں۔

جمہور کی طرف سے جواب

جمہور نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حدیث کا جواب یہ دیا کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی

خصوصیت ہے۔

یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو خمس میں سے دیا تھا (۱)۔

احناف کی طرف سے جمہور کو جواب

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے معاملے کو خصوص پر محمول کرنا اس لیے درست نہیں کہ خصوص کے لیے

دلیل کا پایا جانا ضروری ہے، جو یہاں موجود نہیں۔

اور یہ کہنا کہ نبی علیہ السلام نے ان کو خمس غنیمت میں سے دیا تھا، تو یہ غزوہ حنین کا واقعہ ہے، بدر کا

نہیں (۲)، غزوہ بدر میں سہم ہی دیا گیا تھا، جس پر حدیث باب کے یہ الفاظ واضح دلالت کر رہے ہیں، ”فقال له

النبي صلى الله عليه وسلم: ”إن لك أجر رجل ممن شهد بدرا وسهمه“.

بہر حال دلائل کی رو سے یہاں احناف کا مذہب ہی رائج معلوم ہو رہا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

۲۹۶۲ : حَدَّثَنَا مُوسَى : حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ : حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ مَوْهَبٍ ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ : إِنَّمَا تَغِيَّبَ عُثْمَانُ عَنْ بَدْرٍ ، فَإِنَّهُ كَانَتْ تَحْتَهُ بِنْتُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ

وَكَانَتْ مَرِيضَةً ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ : (إِنَّ لَكَ أَجْرَ رَجُلٍ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا وَسَهْمَهُ) .

[۳۴۹۵ : ۳۸۴۹]

= چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو مال غنیمت سے حصہ دیا اور اجر کی خوش خبری بھی۔

دیکھیے عمدة القاري: ۵۴/۱۵، والسيرۃ النبویۃ لابن ہشام: ۶۷۸/۲-۷۰۶، باب: من حضر بدرا

من المسلمین، والاستیعاب: ۳۶۱/۱، باب سعد، رقم (۹۵۲) واللہ اعلم.

(۱) عمدة القاري: ۵۵/۱۵، والکوثر الجاری: ۱۱۴/۶.

(۲) العمدة: ۵۵/۱۵، اس مسئلے سے متعلق کچھ تفصیلات پیچھے باب الغنیمۃ لمن شهد الوقعة میں گزر چکی ہیں۔

(۳) قوله: ”عن ابن عمر رضي الله عنهما“: الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، كتاب فضائل أصحاب،

باب مناقب عثمان بن عفان، رضي الله عنه، رقم (۳۶۹۸)، و باب مناقب علي بن أبي طالب، رقم

(۳۷۰۴)، و کتاب المغازی، باب قول الله تعالى: ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ﴾، رقم =

تراجم رجال

۱- موسیٰ

یہ موسیٰ بن اسماعیل تبوذ کی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲- ابو عوانہ

یہ ابو عوانہ وضاح بن عبد اللہ الشکری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کا تذکرہ اجمالاً ”بدء الوحي“ کی ”الحديث الرابع“ کے تحت آچکا ہے (۱)۔

۳- عثمان بن موهب

یہ عثمان بن عبد اللہ بن موهب الاعرج تمیمی قرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

تنبیہ

ابو علی جیانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اصیلی کے نسخے میں عثمان بن موهب کی بجائے عمرو بن عبد اللہ مذکور ہے، جو غلط ہے، درست عثمان بن موهب ہے (۳)۔

۴- ابن عمر

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإیمان، ”باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ”بنی الإسلام علی خمس“ کے تحت آچکے ہیں (۴)۔

= (۴۰۶۶)، و کتاب التفسیر، باب ﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً وَيُكُونَ﴾، رقم (۴۵۱۳-۴۵۱۴)، و باب ﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةً﴾، رقم (۴۶۵۰-۴۶۵۱)، و کتاب الفتن، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: الفتنۃ من قبل المشرق، رقم (۷۰۹۵)، و الترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، رقم (۳۷۰۹)۔

(۱) کشف الباری: ۴۳۳/۱-۴۳۴۔

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الزکاة، باب وجوب الزکاة۔

(۳) عمدة القاری: ۵۴/۱۵۔

(۴) کشف الباری: ۶۳۷/۱۔

قال: إنما تغيب عثمان عن بدر؛ فإنه كانت تحته بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم وكانت مريضة، فقال له النبي صلى الله عليه وسلم: إن لك أجر رجل ممن شهد بدرا وسهمه

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ غزوہ بدر سے غائب رہے تھے، کیوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی محترمہ ان کے عقد میں تھیں اور وہ بیمار تھیں۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ آپ کے لیے بدری صحابی کا سا اجر اور غنیمت میں حصہ ہے۔

حدیث باب کا پس منظر

اس حدیث کا تعلق دراصل فضائل سے ہے، تاہم امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا مدعی ثابت کرنے کے لیے اسے یہاں نقل کیا ہے، وہ بھی اختصار کے ساتھ، تفصیلی روایت مولف علیہ الرحمۃ نے فضائل اصحاب النبی اور مغازی وغیرہ (۱) میں نقل کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے:

ایک مصری شخص، جو حج کے لیے آیا ہوا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مخالفین میں سے تھا، اس نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے سامنے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر تین اعتراضات کیے، آپ رضی اللہ عنہ نے اس کو ٹٹولنے کے لیے اولاً تو اس کی تائید فرمائی اور پھر اس کے تینوں اعتراضات کے جوابات دیے تھے۔

اس کا پہلا اعتراض یہ تھا کہ حضرت عثمان غزوہ احد کے دن بھاگ گئے تھے، اس کی ابن عمر رضی اللہ عنہما نے تصدیق کی، پھر وضاحت فرمائی کہ اس مسئلے کی منجانب اللہ معافی تلافی ہو چکی، اس لیے ہما شاکو اس پر بات کرنے کا حق نہیں، ارشاد خداوندی ہے: ﴿وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ﴾ (۲) سو یہ معاملہ اب ختم۔

دوسرا اعتراض اس کا یہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جنگ بدر سے بھی غائب رہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عقد میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں اور بدر کے موقع پر وہ بیمار تھیں، چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی اہلیہ محترمہ رضی اللہ عنہا کی

(۱) دیکھیے، صحیح بخاری، کتاب فضائل أصحاب، رقم (۳۶۹۸)، و کتاب المغازی، رقم (۴۰۶۶)۔

(۲) آل عمران: ۱۵۵۔

یتامرداری کے لیے مدینہ میں رہنے کا حکم دیا اور یہ فرمایا کہ آپ کو وہی اجر اور غنیمت میں وہی حصہ ملے گا، جو شریک قتال کو ملتا ہے۔ سو وہ حکماً بدری ہی ہیں۔

اس شخص کا تیسرا اعتراض یہ تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ بیعت رضوان سے پیچھے رہ گئے تھے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر مکہ کی وادی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے زیادہ معزز اور کوئی ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی کو بھیجتے (چوں کہ آپ سب سے زیادہ معزز تھے، اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا انتخاب فرمایا)۔ جب آپ رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ پہنچے تو بیعت رضوان کا واقعہ پیش آیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ چوں کہ موقع پر خود موجود نہیں تھے، اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے داہنے ہاتھ کو اٹھا کر فرمایا کہ ”یہ عثمان کا ہاتھ ہے“۔ پھر اس کو دوسرے ہاتھ پر مار کر فرمایا کہ ”یہ عثمان کی بیعت ہے“۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس شخص کے تینوں اعتراضات کا جواب دینے کے بعد کہا کہ ”اب اپنے ساتھ اس تفصیل کو لے کر جاؤ“۔

حدیث باب کے بعض اجزاء کی شرح

تغیب باب تفعل سے ہے، یہ تکلف کے معنی کو متضمن ہے، مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی اہلیہ کی یتامرداری کی غرض سے غزوہ بدر سے غائب رہے، عدا غائب نہیں ہوئے (۱)۔
بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا

یہ جگر گوشہ رسول حضرت ام عبداللہ رقیہ بنت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم محمد بن عبداللہ البہاشمیہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ ان کی والدہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہیں (۲)۔

مشہور قول کے مطابق یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی منجھلی صاحبزادی ہیں، ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس میں تو کوئی اختلاف نہیں کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی ہیں، تاہم رقیہ، فاطمہ اور ام کلثوم رضی اللہ عنہن کے بارے میں اختلاف ہے، اکثر کا قول یہی

(۱) عمدة القاری: ۵۴/۱۵۔

(۲) الإصابة: ۴/۳۰۴، وسیر أعلام النبلاء: ۲/۳۵۰۔

ہے کہ رقیہ منجلی، فاطمہ ان سے چھوٹی اور ام کلثوم رضی اللہ عنہن سب سے چھوٹی ہیں (۱)۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا ابولہب کے بیٹے عتبہ کے نکاح میں تھیں، یہ ہجرت سے قبل کی بات ہے، تاہم جب سورہ اللہب نازل ہوئی تو ابولہب سخت ناراض ہوا اور اپنے بیٹے سے کہا کہ اگر تم نے ان کی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی) بیٹی کو طلاق نہ دی تو میرا تمہارا کوئی تعلق نہیں رہے گا۔ تو عتبہ نے ان کو دخول سے قبل طلاق دے دی، پھر یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عقد میں آئیں، ان سے ان کے ایک بیٹے عبداللہ پیدا ہوئے، انہی کی طرف کنیت کرتے ہوئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ابو عبداللہ کہلاتے تھے (۲)۔

ان کو اپنے شوہر عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ حبشہ کی طرف کی جانے والی دونوں ہجرتوں میں معیت کا شرف حاصل ہے (۳)۔

حبشہ ہی میں ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ کا انتقال ہوا، اس وقت صاحبزادے کی عمر چھ سال تھی (۴)۔

پھر حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا نے اپنے شوہر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد مدینہ منورہ ہجرت کی، وہاں بدر سے کچھ پہلے ان کو خسرہ کی بیماری لگ گئی، چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو آپ علیہ السلام نے ان کی تیمارداری کے لیے مدینہ منورہ میں رکنے کا حکم دیا، اسی مرض میں ان کا انتقال ہوا، جب کہ مسلمان اس وقت بدر میں تھے (۵)۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جس وقت ان کی تدفین میں مشغول تھے، اتفاق سے اسی اثناء میں حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ غزوہ بدر میں فتح کی خوشخبری لے کر مدینہ پہنچے، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما بھی تدفین کے عمل میں شریک تھے، ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں:

(۱) الاستیعاب بہامش الإصابة: ۲۹۹/۴، والإصابة: ۳۰۴/۴.

(۲) حوالہ جات بالا، وسیر أعلام النبلاء: ۲۵۱/۲.

(۳) حوالہ جات بالا.

(۴) الاستیعاب بہامش الإصابة: ۳۰۰/۴، والإصابة: ۳۰۴/۴، وسیر أعلام النبلاء: ۲۵۱/۲.

(۵) الإصابة: ۳۰۴-۳۰۵، وسیر أعلام النبلاء: ۲۵۱/۲، وطبقات ابن سعد: ۳۶/۸، والاستیعاب بہامش

الإصابة: ۳۰۱/۴.

”تخلف عثمان وأسامة بن زيد عن بدر، فبيناهم يدفنون رقية سمع

عثمان تكبيرا، فقال: يا أسامة، ما هذا؟ فنظروا، فإذا زيد بن حارثة على ناقه

رسول الله ﷺ الجدهاء، بشيرا بقتل المشركين يوم بدر“ (۱)۔

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ۰۲ ہجری میں ہوا۔ ان کے انتقال کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ربیع الاول ۰۳ ہجری کو اپنی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عقد میں دے دیا اور فرمایا کہ ”اگر میری دس بیٹیاں بھی ہوتیں تو میں سب کو عثمان کے نکاح میں دے دیتا“ (۲)۔ اس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ذوالنورین کہلائے۔ رضی اللہ عنہم وأرضاهم۔

ترجمة الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے جزء ثانی کے ساتھ مناسبت تو واضح ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت پر اپنی اہلیہ کی تیمارداری کی وجہ سے غزوہ سے رہ گئے، اس کے باوصف آپ کو غنیمت اور اجر دونوں ملا۔ اس کا تعلق ترجمہ کے الفاظ ”أو أمره بالمقام“ کے ساتھ ہے (۳)۔

لیکن ترجمہ کے جزء اول یعنی ”بعث الإمام رسولا في حاجة“ کے اثبات کے لیے مؤلف علیہ الرحمۃ نے کوئی حدیث وغیرہ ذکر نہیں کی؟

اس کے دو جواب ہیں:

ایک تو یہ کہ انہوں نے اس مسئلے کو اقامت والے مسئلے پر قیاس کیا ہے (۴) کہ وہاں جس طرح حکم حاکم موجود ہے، اسی طرح ارسال رسل بھی حاکم وقت کے ذریعے ہو رہا ہے، اس لیے قاعدہ یہ ہوگا کہ امام وقت اگر کسی

(۱) الإصابة: ۳۰۵/۴، والاستيعاب بهامش الإصابة: ۳۰۲/۴، وكذا انظر المعجم الكبير: ۴۳۵/۲۲، رقية بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم (۱۰۵۸)۔

(۲) الطبقات الكبرى: ۳۸/۸، وسير أعلام النبلاء: ۲۵۲/۲-۲۵۳، ومجمع الزوائد: ۲۱۷/۹، والمعجم الكبير: ۴۳۶/۲۲، رقم (۱۰۶۱)۔

(۳) عمدة القاري: ۵۴/۱۵، والكوثر الجاري: ۱۱۴/۶۔

(۴) الكوثر الجاري: ۱۱۴/۶۔

بھی شخص کو کسی بھی غرض سے غزوہ میں شرکت سے روک دے اور دوسرا کوئی کام تفویض کر دے تو اس کا بھی غنیمت میں حصہ ہوگا۔

دوسرا یہ کہ حدیث تو موجود تھی، لیکن امام بخاری کی شرط پر پوری نہیں اترتی تھی، اس لیے آپ علیہ الرحمۃ نے ارسال رسل کے تحت کوئی حدیث ذکر نہیں کی۔

اور وہ حدیث وہی ہے جو ابھی ماقبل میں گزری کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ بن عبید اللہ اور سعید بن زید رضی اللہ عنہما کو شام جانے والے راستے کی طرف جاسوسی کے لیے روانہ فرمایا تھا، یوں یہ دونوں حضرات غزوہ بدر میں شریک نہیں ہو سکے، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کو غنیمت دی اور اجر کی خوش خبری بھی (۱)۔ واللہ اعلم بالصواب

۱۵ - باب . وَمِنَ الدَّلِيلِ عَلَى أَنَّ الْخُمْسَ لِلتَّائِبِينَ :

مَا سَأَلَ هَوَازِنُ النَّبِيِّ ﷺ بِرِضَاعِهِ فِيهِمْ فَتَحَلَّلَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ، وَمَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ بَعْدُ النَّاسَ أَنْ يُعْطِيَهُمْ مِنَ الْفَيْءِ وَالْأَنْفَالِ مِنَ الْخُمْسِ ، وَمَا أُعْطِيَ الْأَنْصَارُ ، وَمَا أُعْطِيَ جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ تَمَرًا خَيْرًا .

ترجمہ الباب کا مقصد

یہ باب اس امر کے بیان میں ہے کہ خمس کو عام مسلمانوں کی ضروریات میں خرچ کیا جائے گا، اس کی دلیل قبیلہ ہوازن کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ درخواست کرنا ہے کہ ان سے لی گئی غنیمت لوٹا دی جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کا (ہوازن کا) رضاعی تعلق ہے، چنانچہ آپ علیہ السلام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کہا کہ وہ اپنے اپنے حق غنیمت سے دست بردار ہو جائیں (اور غنیمت واپس کر دیں)۔ نیز اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مختلف صحابہ کرام سے یہ وعدہ فرمایا کرتے تھے کہ آپ انہیں فئیء اور انفال، جو خمس سے حاصل ہوگی، میں سے دیں گے۔ علاوہ ازیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو جو دیا اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کو جو خیبر کی کھجوریں دیں یہ بھی اس امر کی دلیل ہیں کہ خمس کا مصرف عام مسلمانوں کی ضروریات بھی ہیں۔

(۱) حوالہ بالا، والاستیعاب لابن عبد البر بہامش الإصابة: ۱/ ۴۵۹ - ۴۶۰، باب طلحة، رقم (۱۲۷۹)

ترجمہ الباب کی نحوی تحلیل

باب مرفوع ہے اور منون ہے، بنا بر خبریت، اس کی مبتدا محذوف یعنی ہذا ہے (۱)۔

ومن الدلیل - المسلمین تک خبر مقدم ہے، ما موصولہ اور معطوف علیہا ہے اور ”وما کان وما

أعطى الأنصار، وما أعطى جابر بن“ یہ سب معطوف ہیں، پھر مبتدا (۲)۔

ما سأل هوأزنُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ میں هوأزن فاعلیت کی بنا پر مرفوع اور النَّبِيِّ مفعول بہ

ہونے کی وجہ سے منصوب ہے (۳)۔

هوأزن سے مراد قبیلہ ہے، لیکن یہاں اس کے بعض افراد پر اس کا اطلاق مجازاً کیا گیا ہے اور برضا عہ

میں باء سببیہ ہے، یعنی بسبب رضاعہ (۴)۔

واو عاطفہ یا استفتاحیہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے پیچھے آٹھ ابواب قبل ایک باب ”ومن الدلیل علی أن الخمس

لنوائب رسول الله صلى الله عليه وسلم“ قائم کیا تھا، اس کے بعد دوسرا باب یہ قائم کیا ہے، ”ومن

الدلیل علی أن الخمس لنوائب المسلمین“، تیسرا ایک باب آگے آ رہا ہے ”ومن الدلیل علی أن

الخمس للإمام، وأنه يعطى“ یہ تین ابواب ہیں۔

اب حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے تو یہ ہے کہ ”ومن الدلیل“ میں واو عاطفہ ہے، اس کا معطوف علیہ

وہی گزشتہ باب ہے جو آٹھ ابواب پیشتر مذکور ہے اور یہ باب معطوف ہے اور ایک معطوف آگے آ رہا ہے (۵)۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بلا دلیل کے ایک دعویٰ ہے، یہ بھی کوئی بات ہے کہ معطوف

علیہ اور معطوف کے درمیان اس قدر فصل ہو، اتنے سارے ابواب احادیث سمیت فاصل بن جائیں؟

(۱) عمدة القاري: ۵۵/۱۵، وفتح الباري: ۶/۲۳۸، وإرشاد الساري: ۵/۲۱۴.

(۲) عمدة القاري: ۵۵/۱۵، وإرشاد الساري: ۵/۲۱۴.

(۳) حوالہ جات بالا، وفتح الباري: ۶/۲۳۸.

(۴) حوالہ جات بالا.

(۵) فتح الباري: ۶/۲۳۸.

اگر ان کی بات تسلیم بھی کر لی جائے کہ یہاں واؤ آیا ہوا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ واو عاطفہ نہیں ہے، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ واو کا استعمال کر لیا جاتا ہے اور وہ کسی چیز پر عطف نہیں ہوتا، اس لیے یہ کہا جائے گا کہ یہ واو استفاح ہے، یہی بات کبار اساتذہ سے سنی گئی ہے (۱)۔

علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلے میں علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کی موافقت کرتے ہیں (۲)۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

اصل بات یہاں یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایک ہی بات بیان کر رہے ہیں کہ خمس نواب مسلمین میں صرف ہوگا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی قسمت کے ذمے دار ہوں گے، جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ضروریات میں بھی بقدر کفایت خرچ کر سکتے ہیں اور آپ کے بعد جو امام ہوگا وہ آپ کا نائب ہوگا، وہ بھی اپنی ضرورت کے مطابق اس میں سے لے سکتا ہے، اس کے علاوہ وہ خمس کو مسلمانوں کی ضروریات و حاجات میں صرف کرے گا (۳)۔

تعلیقات کا مقصد

پھر یہ سمجھیے کہ مصنف علیہ الرحمۃ نے اپنی بات ثابت کرنے کے لیے باب کے تحت احادیث کے علاوہ ترجمۃ الباب کا جز بنا کر چار تعلیقات بھی ذکر کی ہیں، ان سب سے ان کا مدعی ثابت ہو رہا ہے کہ خمس عامۃ المسلمین کی ضروریات وغیرہ میں خرچ ہوگا۔

تعلیقات کی موصولاً تخریج

پہلی تعلیق کا تعلق قصہ ہوازن سے ہے، جس کو مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے اسی باب میں مسنداً ذکر کیا ہے، اس کے علاوہ کتاب الہبۃ..... وغیرہ میں (۴)۔

(۱) عمدة القاري: ۵۵/۱۵۔

(۲) شرح القسطلاني: ۲۱۴/۵۔

(۳) فتح الباري: ۲۳۸/۶۔

(۴) امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ حدیث باب ہذا کے علاوہ مختلف مقامات پر موصولاً نقل کی ہے، دیکھیے، کتاب الوکالۃ، رقم

(۲۳۰۷، ۲۳۰۸)، و کتاب العتق، رقم (۲۵۳۹، ۲۵۰۴)، و کتاب الہبۃ، رقم (۲۵۸۳، ۲۵۸۴)، و رقم =

دوسری تعلیق مواعید سے متعلق ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مختلف اوقات میں یہ وعدہ کیا تھا کہ آپ انہیں مال فیء و انفال وغیرہ سے نوازیں گے، اس بارے میں بھی احادیث باب ہذا میں موجود ہیں (۱)۔

تیسری تعلیق کا تعلق حضرات انصار رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مختلف مواقع پر مال وغیرہ سے نوازا تھا، ان میں سے ایک واقعہ کی تخریج حضرت مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الہبہ وغیرہ (۲) میں کی ہے (۳)۔

اور چوتھی تعلیق حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو خیبر کی کھجوریں عطا کرنے سے متعلق ہے۔ اس واقعے کو موصولاً امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سنن میں ذکر کیا ہے، جس میں واقعے کی پوری تفصیل ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے زیر نظر باب میں جو چھٹی حدیث ذکر کی ہے، وہ اُس حدیث کا ایک حصہ ہے (۴)۔

تعلیقات مذکورہ کی ترجمہ کے ساتھ مناسبت

مذکورہ بالا چاروں تعلیقات کی ترجمہ الباب کے ساتھ مناسبت بالکل واضح ہے، کہ دعویٰ اس امر کا تھا کہ خمس کا مصرف نواب المسلمین وغیرہ ہے اور ان تعلیقات میں اس دعوے کی دلیل ہے کہ خمس کو مسلمانوں کی ضروریات وغیرہ میں صرف کیا جائے گا، موقع محل کو پیش نظر رکھتے ہوئے۔

(۲۶۰۷، ۲۶۰۸)، و کتاب المغازی، رقم (۴۳۱۸، ۴۳۱۹)۔

ان کے علاوہ امام ابوداؤد نے بھی یہ حدیث موصولاً اپنی سنن میں روایت کی ہے، دیکھیے، کتاب الجہاد، باب فی

فداء الأسیر بالمال، رقم (۲۶۹۳)۔

(۱) فی، کے لیے دیکھیے، باب ہذا کی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث، رقم (۳۱۳۷)، و کتاب الجزیة، رقم (۳۱۶۴)۔ اور انفال سے متعلق حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ہے، جو باب میں مذکور ہے۔

(۲) ہو من حدیث أنس بن مالک، انظر کتاب الہبة، باب فضل المنیحة، رقم (۲۶۳۰)، نیز دیکھیے، کتاب الخمس، باب کیف قسم النبی ﷺ قریظۃ والنضیر،، رقم (۳۱۲۸)، و کتاب المغازی، باب حدیث بنی النضیر، رقم (۴۰۳۰)، و باب مرجع النبی ﷺ من الأحزاب،، رقم (۴۱۲۰)۔

(۳) تغلیق التغلیق وتعلیقاتہ: ۴۷۶/۳۔

(۴) حوالہ بالا: ۴۷۶/۳-۴۷۷، و سنن أبی داؤد، کتاب الأقضية، باب فی الوکالة، رقم (۳۶۳۲)۔

باب کی پہلی حدیث

پھر یہ جانے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں کل سات حدیثیں ذکر کی ہیں، جن میں کی پہلی حدیث حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ اور مروان بن حکم سے مروی ہے۔

۲۹۶۳ : حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عَفِيرٍ قَالَ : حَدَّثَنِي اللَّيْثُ قَالَ : حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ . عَنْ ابْنِ شِهَابٍ قَالَ : وَزَعَمَ عُرْوَةُ : أَنَّ مَرْوَانَ بْنَ الْحَكَمِ وَمِسُورَ بْنَ مَخْرَمَةَ أَخْبَرَاهُ (۱) أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ : حِينَ جَاءَهُ وَقَدْ هَوَّازَنَ مُسْلِمِينَ ، فَسَأَلُوهُ أَنْ يَرُدَّ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ وَسَبِيَّهُمْ فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : (أَحَبُّ الْحَدِيثِ إِلَيَّ أَصْدَقُهُ ، فَأَخْتَارُوا إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ : إِمَّا السِّيَّيَ . وَإِمَّا الْمَالَ ، وَقَدْ كُنْتُ أَسْتَأْنِيتُ بِهِمْ) . وَقَدْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَنْتَظَرَ آخِرَهُمْ بِضَعْعَ عَشْرَةِ لَيْلَةٍ حِينَ قَفَلَ مِنَ الطَّائِفِ ، فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ غَيْرُ رَادٍّ إِلَيْهِمْ إِلَّا إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ ، قَالُوا : فَإِنَّا نَخْتَارُ سَبِيْنَا ، فَقَامَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي الْمُسْلِمِينَ ، فَأَثْنَى عَلَى اللَّهِ بِمَا هُوَ أَهْلُهُ . ثُمَّ قَالَ : (أَمَّا بَعْدُ ، فَإِنْ إِخْوَانُكُمْ هَؤُلَاءِ قَدْ جَاؤُونَا تَائِبِينَ : وَإِنِّي قَدْ رَأَيْتُ أَنْ أُرَدَّ إِلَيْهِمْ سَبِيَّهُمْ ، مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُطِيبَ فَلْيَفْعَلْ ، وَمَنْ أَحَبَّ مِنْكُمْ أَنْ يَكُونَ عَلَى حَظِّهِ ، حَتَّى نُعْطِيَهُ إِيَّاهُ مِنْ أَوَّلِ مَا يُبَيِّئُ اللَّهُ عَلَيْنَا فَلْيَفْعَلْ) . فَقَالَ النَّاسُ : قَدْ طَبِينَا ذَلِكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ . فَقَالَ لَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : (إِنَّا لَا نَدْرِي مَنْ أَذِنَ مِنْكُمْ فِي ذَلِكَ مِمَّنْ لَمْ يَأْذُنْ ، فَارْجِعُوا حَتَّى يَرْفَعَ إِلَيْنَا عُرْفَاؤُكُمْ أَمْرَكُمْ) . فَارْجَعَ النَّاسُ فَكَلَّمَهُمْ عُرْفَاؤُهُمْ ، ثُمَّ رَجَعُوا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَأَخْبَرُوهُ أَنَّهُمْ قَدْ طَبَبُوا فَأَذِنُوا . فَهَذَا الَّذِي بَلَّغْنَا عَنْ سَيِّ هَوَّازَنَ . [ر : ۲۱۸۴]

تراجم رجال

۱- سعید بن عفیر

یہ سعید بن کثیر بن عفیر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب العلم، ”باب من یرد اللہ بہ خیراً.....“ کے تحت گزر چکا (۲)۔

(۱) قوله: ”أَنَّ مَرْوَانَ..... وَمِسُورَ.....“: الحديث، مر تخريجہ فی الوكالة، باب إذا وهب شيئاً لوكيل أو.....

(۲) كشف الباري: ۳/۲۷۴.

۲- الیث

یہ مشہور محدث لیث بن سعد فہمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۳- عقیل

یہ عقیل بن خالد رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۴- ابن شہاب

یہ محمد بن مسلم بن عبید اللہ ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان تینوں کا تذکرہ ”بدء الوحي“ کی ”الحديث الثالث“ کے تحت بیان کیا جا چکا ہے (☆)۔

۵- عروہ

یہ مشہور تابعی حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات مختصراً ”بدء الوحي“ کی ”الحديث الثاني“ کے تحت گزر چکے (۱)۔

۶- مروان بن الحکم

یہ مروان بن حکم اموی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

۷- المسور بن مخرمہ

یہ مشہور صحابی ابن صحابی حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ ہیں (۳)۔

تنبیہ

اس حدیث کی شرح مغازی میں غزوہ حنین کے تحت بیان کی جا چکی ہے (۴)۔

(۴) کشف الباری: ۱/۳۲۴-۳۲۶۔

(۱) کشف الباری: ۱/۲۹۱، نیز دیکھیے: ۲/۴۳۶۔

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب البزاق والمخاط ونحوہ فی الثوب۔

(۳) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب استعمال فضل وضوء الناس۔

(۴) کشف الباری، کتاب المغازی: ۵۳۶-۵۳۸۔

ترجمہ الباب اور حدیث باب

یہ حدیث اپنے مطلب میں بالکل واضح ہے، تاہم ترجمہ الباب میں مذکور ایک اہم جزئیہ کا اس میں ذکر نہیں، وہ یہ کہ ترجمہ میں مؤلف علیہ الرحمۃ نے یہ فرمایا تھا کہ قبیلہ بنو ہوازن نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعت کو سبب بنا کر اپنی درخواست پیش کی تھی، جب کہ حدیث میں اس رضاعت کا کوئی ذکر نہیں۔

اس کا جواب ملاحظہ کرنے سے قبل یہ سمجھ لیجیے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضعہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کا تعلق بنو سعد سے تھا، جو ہوازن کی ایک شاخ ہے (۱)۔

سوامام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے رضاعت کا ذکر یہاں تو نہیں کیا، لیکن اپنی تاریخ میں اس کا تفصیلی ذکر کیا ہے، ان کے علاوہ دیگر ائمہ سیر نے بھی اس کا ذکر کیا ہے (۲)۔

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعت سے متعلق یہ حدیث ابن اسحاق نے مغازی میں عمرو بن شعیب عن ابیہ (شعیب) عن جدہ (عبداللہ بن عمرو بن العاص) رضی اللہ عنہما کے طریق سے نقل کی ہے اور اس کا دوسرا طریق زہیر بن صردا لُحْشَمی رضی اللہ عنہ کا ہے، جو طبرانی میں مذکور ہے۔

ان دو طرق کا خلاصہ یہ ہے کہ ہوازن کا وفد جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مقام جعرانہ میں آیا، درآنحالیکہ یہ قبیلہ مسلمان ہو چکا تھا، کہنے لگے کہ ہم ایک قوم اور قبیلہ ہیں، ہم پر وہ مصیبت آپڑی ہے جو آپ سے مخفی نہیں، آپ ہم پر احسان کیجیے، اللہ آپ کو اس احسان کا بدلہ دیں گے۔ پھر ان میں کا ایک آدمی، جس کا نام زہیر (۳) تھا، کھڑا ہوا اور کہنے لگا اے اللہ کے رسول! ہماری عورتیں آپ کی پھوپھیاں، خالائیں اور پرورش کنندہ ہیں، جنہوں نے صغریٰ میں آپ کی دیکھ بھال کی۔

اگر حارث بن ابی شمر (بادشاہ شام) اور نعمان بن المنذر (بادشاہ عراق) کو ہم نے دودھ پلایا ہوتا اور ہم پر یہ مصیبت ان کی طرف سے آئی ہوتی جو آپ کی طرف سے آئی، تو اس معاملے میں ان دونوں کی مہربانی اور

(۱) فتح الباری: ۶/۲۳۸، وعمدة القاری: ۱۵/۵۶، والکوثر الجاری: ۶/۱۱۴۔

(۲) تاریخ البخاری الصغیر: ۵/۱۔

(۳) علامہ واقدی رحمہ اللہ کی روایت میں اس آدمی کا نام ابو برقان السعدی مذکور ہے، جس سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ خطیب کوئی اور تھا، شاعر کوئی اور۔ تاہم ان میں تطبیق بھی ہو سکتی ہے کہ ابو برقان کنیت تھی اور زہیر نام۔ شرح القسطلانی: ۵/۲۱۴۔

بھلائی کے بھی ہم امیدوار ہوتے، جب کہ آپ تو ان سب سے بہترین ہیں (تو آپ کی خیر خواہی اور بھلائی کے امیدوار کیسے نہ ہوں؟) پھر زہیر نامی اس آدمی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ اشعار پیش کیے (۱)۔ جن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رشتہ داری وغیرہ کا ذکر تھا (۲)۔ اس شخص کی اس گفتگو سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہت متاثر ہوئے، اس کے بعد کی تفصیل حدیث باب میں موجود ہے۔

حدیث کی ترجمہ الباب کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی ترجمہ الباب کے ابتدائی حصے ”ومن الدلیل علی أن الخمس لنوائب المسلمین ما سأل هوازن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فتحلل من المسلمین“ کے ساتھ مطابقت ہے (۳)۔ باب کی دوسری حدیث ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۶۴ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَبْدِ الرَّهْمَنِ : حَدَّثَنَا حَمَّادٌ : حَدَّثَنَا أَيُّوبُ ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ قَالَ : وَحَدَّثَنِي الْقَاسِمُ بْنُ عَاصِمٍ الْكَلْبِيُّ ، وَأَنَا لِحَدِيثِ الْقَاسِمِ أَحْفَظُ ، عَنْ زُهْدَمٍ قَالَ : كُنَّا عِنْدَ أَبِي مُوسَى ^(۴) ، فَأَتَانِي - وَذَكَرَ دَجَاجَةً - وَعِنْدَهُ رَجُلٌ مِنْ بَنِي تَيْمٍ اللَّهُ أَحْمَرُ كَانَهُ مِنَ الْمَوَالِي ، فَدَعَاهُ لِلطَّعَامِ ، فَقَالَ : إِنِّي رَأَيْتُهُ يَأْكُلُ شَيْئًا فَقَارَتْهُ ، فَحَلَقْتُ لَا أَكُلُ ، فَقَالَ : هَلُمَّ فَلَا أُحَدِّثُكُمْ

(۱) ان میں سے کچھ اشعار درج ذیل ہیں۔

وَعِنْدَنَا بَعْدَ هَذَا الْيَوْمِ مَذْخَرٌ	إِنَّا لَنَشْكُرُ لِلنَّعْمَاءِ إِذَا كَفَرَتْ
مِنْ أَمَهَاتِكَ إِنْ الْعَفْوُ مَشْتَهَرٌ	فَأَلْبَسَ الْعَفْوُ مَنْ قَدْ كُنْتَ تُرْضِعُهُ
عِنْدَ الْهِجَاجِ إِذَا مَا اسْتَوْقَدَ الشَّرَرُ	يَا خَيْرَ مَنْ مَرَحَتْ كَمَتْ الْجِيَادُ بِهِ
هَدَى الْبَرِيَّةَ إِذَا تَعَفَّوْا وَتَنْتَصِرُ	إِنَّا لَنُؤْمِلُ عَفْوًا مِنْكَ تَلْبِسُهُ
يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِذَا يَهْدَى لَكَ ظَفَرُ	فَاعْفُ عَفَا اللَّهُ عَمَّا أَنْتَ رَاهِبُهُ

تغليق التعليق: ۴۷۵/۳۔

(۲) القسطلاني: ۲۱۴/۵، والفتح: ۲۳۸/۶، ومجمع الزوائد: ۱۸۷/۶، وتغليق التعليق: ۴۷۳/۳-۴۷۵۔

(۳) عمدة القاري: ۵۷/۱۵۔

(۴) قوله: ”كنا عند أبي موسى“: الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، المغازي، باب قدومنا لأشعريين، =

عَنْ ذَلِكَ . إِنِّي أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي نَفَرٍ مِنَ الْأَشْعَرِيِّينَ نَسْتَحْمِلُهُ ، فَقَالَ : (وَاللَّهِ لَا أُحْمِلُكُمْ ، وَمَا عِنْدِي مَا أُحْمِلُكُمْ) . وَإِنِّي رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَنْهَبُ إِبِلَ ، فَسَأَلَ عَنَّا فَقَالَ : (أَبْنِ النَّفَرَ الْأَشْعَرِيُونَ) . فَأَمَرَ لَنَا بِخُمْسِ ذَوْدٍ غُرِّ الذُّرَى ، فَلَمَّا انْطَلَقْنَا قُلْنَا : مَا صَنَعْنَا ؟ لَا يُبَارِكُ لَنَا ، فَرَجَعْنَا إِلَيْهِ ، فَقُلْنَا : إِنَّا سَأَلْنَاكَ أَنْ تَحْمِلَنَا ، فَحَلَفْتَ أَنْ لَا تَحْمِلَنَا ، أَفَنَسِيتَ ؟ قَالَ : (لَسْتُ أَنَا حَمَلْتُكُمْ ، وَلَكِنَّ اللَّهَ حَمَلَكُمْ ، وَإِنِّي وَاللَّهِ - إِنْ شَاءَ اللَّهُ - لَا أَحْلِفُ عَلَى يَمِينٍ ، فَأَرَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا . إِلَّا أَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ ، وَتَحَلَّلْتُهَا) .

[۴۱۲۴ : ۴۱۵۳ ، ۵۱۹۸ ، ۵۱۹۹ ، ۶۲۴۹ ، ۶۲۷۳ : ۶۳۰۰ ، ۶۳۰۲ ، ۶۳۴۰ ،

[۶۳۴۲ : ۷۱۱۶]

تراجم رجال

۱- عبد الله بن عبد الوهاب

یہ ابو محمد عبد اللہ بن عبد الوہاب حنفی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب العلم، ”باب لیبلغ العلم الشاهد الغائب“ کے تحت گزر چکے ہیں (۱)۔

۲- حماد

یہ حماد بن زید بن درہم رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، ”باب المعاصی من أمر

= رقم (۴۳۸۵)، و باب غزوة تبوك، رقم (۴۴۱۵)، والأطعمة، باب الدجاج، رقم (۵۵۱۷-۵۵۱۸)، والإيمان والنذور، باب قول الله تعالى: ﴿لَا يَأْخُذُكُمُ اللَّهُ.....﴾، رقم (۶۶۲۳)، و باب: لا تحلفوا بأبائكم، رقم (۶۶۴۹)، و باب اليمين فيما لا يملك،، رقم (۶۶۷۸ و ۶۶۸۰)، و باب الاستثناء في الإيمان، رقم (۶۷۱۸-۶۷۱۹)، و باب الكفارة قبل الحنث وبعده، رقم (۶۷۲۱)، و التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ﴾، رقم (۷۵۵۵)، و مسلم، الإيمان، باب ندب من حلف يميناً، فرأى غيرها خيراً منها،، رقم (۴۲۶۳-۴۲۸۰)، و النسائي، الإيمان، باب الكفارة قبل الحنث، رقم (۳۸۱۱)، و الصيد والذبائح، باب أكل لحوم الدجاج، رقم (۴۳۵۱-۴۳۵۲)، و أبوداود، الإيمان، باب الرجل يكفر قبل أن يحنث، رقم (۳۲۷۶)، و ابن ماجه، الكفارات، باب من حلف على يمين، رقم (۲۱۰۷)۔

(۱) كشف الباري: ۳۸/۳۔

الجاهلیة.....“ کے تحت آچکا ہے (۱)۔

۳- ایوب

یہ ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۴- ابوقلابہ

یہ ابوقلابہ عبداللہ بن زید جرمی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کے حالات کتاب
الإیمان، ”باب حلاوة الإیمان“ کے تحت گزر چکے (۲)۔

۵- قاسم بن عاصم الکلبی

یہ مشہور محدث و تابعی حضرت قاسم بن عاصم کلبی تميمی لیشی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔
بعض نے ان کی نسبت کلینی (۳) بھی لکھی ہے (۴)۔

یہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ اور زہد بن مضرب جرمی، سعید بن المسیب اور عطاء الخراسانی
رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت حدیث کرنے والوں میں ایوب سختیانی، حمید الطویل اور خالد الحذاء رحمہم اللہ تعالیٰ
وغیرہ شامل ہیں (۵)۔

(۱) کشف الباری: ۲/۲۱۹۔

(۲) کشف الباری: ۲/۲۶۔

(۳) حافظ مزنی اور ابن حجر وغیرہ رحمہم اللہ نے ان کی نسبت کلینی (نون کے ساتھ) ذکر کی ہے، لیکن یہ بظاہر درست نہیں، درست
کلبی بائے موحده کے ساتھ ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا اصل تعلق بنو تميم سے ہے، جس کی ایک شاخ کلب بن یربوع بھی
ہے، اسی کی طرف منسوب ہو کر یہ کلبی بھی کہلاتے ہیں، دیکھیے، الأنساب: ۱۰/۴۶۵، وتعلیقات تحریر تقریب
التہذیب: ۳/۱۷۰۔

اور کلین -بضم الکاف وفتح اللام- مصغراً أو کسرہا بالامالة. عراق کا ایک گاؤں ہے، دیکھیے،
الأنساب: ۱۰/۴۶۳، والإكمال للمغلطای: ۷/۱۸۶، وتوضیح المشتبه للذهبي: ۵/۵۶، واللہ اعلم۔

(۴) تہذیب الکمال: ۲۳/۳۷۱، وتہذیب التہذیب: ۸/۳۱۹۔

(۵) حوالہ جات بالا۔

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو اپنی کتاب ”الثقات“ میں ذکر کیا ہے (۱)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”مقبول“ (۲)۔

امام ابوداؤد نے ان سے ”مراسل“ میں، امام ترمذی نے ”شمال“ میں اور دیگر محدثین بخاری و مسلم اور

نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے ان کی روایات لی ہیں۔ البتہ ابن ماجہ میں ان کی کوئی روایت نہیں ہے (۳)۔

رحمہ اللہ تعالیٰ رحمة واسعة.

۶- زہدم

یہ زہدم بن مضرب جرمی ازدی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۴)۔

۷- ابو موسیٰ

حضرت ابو موسیٰ عبد اللہ بن قیس اشعری رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الايمان، ”باب أي

الإسلام أفضل؟“ کے تحت آچکے (۵)۔

اس سند کے تمام رواۃ بصری ہیں، اس طرح یہ سند بصری ہوئی۔

قال: وحدثني القاسم بن عاصم الكلبي، وأنا لحدث القاسم أحفظ عن زهدم

یہاں قائل ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۶) اور اس عبارت کی توضیح یہ ہے کہ ایوب اس روایت کو دو

حضرات یعنی ابوقلابہ اور قاسم بن عاصم سے روایت کرتے ہیں اور یہ دونوں حضرات زہدم بن مضرب جرمی سے۔

چنانچہ امام بخاری نے کتاب الايمان والنذور میں جو روایت نقل کی، اس کی سند یوں ہے: ”حدثنا قتيبة،

حدثنا عبد الوهاب عن أيوب، عن أبي قلابة والقاسم التميمي، عن زهدم.....“ (۷) اس میں

(۱) الثقات لابن حبان: ۳۰۳/۵.

(۲) تقریب التہذیب: ۱۹/۲، رقم (۵۴۶۵)

(۳) حوالہ بالا، وتہذیب الکمال: ۳۷۲/۲۳، وتہذیب ابن حجر: ۳۱۹/۸، وخلاصة الخرزجي ۳۱۲.

(۴) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الشهادات، باب لا يشهد على شهادة زور.....

(۵) کشف الباری: ۱/۶۹۰.

(۶) فتح الباری: ۲۳۹/۶، وعمدة القاری: ۵۷/۱۵، وإرشاد الساری: ۲۱۵/۵.

(۷) صحيح بخاري، كتاب الايمان والنذور، باب: لا تحلفوا بأبائكم، رقم (۶۶۴۹).

دونوں کا ذکر ایک ساتھ ہے۔ اب ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ یہ فرما رہے ہیں کہ قاسم کی روایت بنسبت ابوقلابہ کی روایت کے مجھے زیادہ یاد ہے۔

تنبیہ

اس حدیث کی تشریح مغازی واطعمہ وغیرہ مختلف مقامات پر آچکی ہے (۱)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت اس جملے میں ہے، ”وَأَتَى رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَنُهَبَ إِبِلَ..... فَأَمَرَ لَنَا بِخَمْسِ ذُودٍ غَرِ الذَّرَى“ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اونچی کوہان والے پانچ سفید اونٹ عنایت فرمائے۔ یہ اونٹ خمس کے تھے، اس طرح اس حدیث کی ترجمہ کے جزء ”وَمَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَعْدُ النَّاسَ أَنْ..... مِنَ الْخَمْسِ“ کے ساتھ مناسبت واضح ہے (۲)۔

باب کی تیسری حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۶۵ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ : أَخْبَرَنَا مَالِكٌ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا : أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بَعَثَ سَرِيَّةً فِيهَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ قَبْلَ نَجْدٍ ، فَغَنِمُوا إِبِلًا كَثِيرَةً ، فَكَانَتْ سِبَاهُ مَهُمُ اثْنِي عَشَرَ بَعِيرًا ، أَوْ أَحَدَ عَشَرَ بَعِيرًا ، وَنُفِلُوا بَعِيرًا بَعِيرًا . [۴۰۸۳]

تراجم رجال

۱- عبد اللہ بن یوسف

یہ عبد اللہ بن یوسف تنیسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

(۱) کشف الباری، کتاب المغازی: ۶۰۸، و: ۶۳۳، و کتاب الأطعمة: ۲۸۷-۲۹۰.

(۲) عمدة القاري: ۵۷/۱۵.

(۳) قوله: ”عن ابن عمر رضي الله عنهما“: الحديث، أخرجه البخاري في المغازی، باب السرية التي قبل

نجد، رقم (۴۳۳۸)، ومسلم، في الجهاد والسير، باب الأنفال، رقم (۴۵۲۱-۴۵۲۵)، وأبوداود، في

الجهاد، باب في النفل في السرية.....، رقم (۲۷۴۱-۲۷۴۶).

۲- مالک

یہ امام دارالہجرۃ حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کا تذکرہ —
الوحي کی ”الحديث الثاني“ کے تحت آچکا (۱)۔

۳- نافع

یہ نافع مولیٰ ابن عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کے مفصل حالات کتاب العلم، ”باب ذکر العلم والفتيا
في المسجد“ کے تحت گزر چکے ہیں (۲)۔

۴- ابن عمر

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حالات کتاب ایمان، ”باب ایمان.....“ میں آچکے (۳)۔
عن ابن عمر رضي الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم بعث
سرية، فيها عبد الله بن عمر، قبل نجد، فغنموا إبلا كثيرة
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ روانہ فرمایا، جس
میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما خود بھی موجود تھے، یہ سریہ نجد کی طرف بھیجا گیا تھا، اس میں بہت سارے اونٹ
انہوں نے غنیمت میں حاصل کیے۔

اوپر حدیث میں جس سریہ کا ذکر ہے، وہ ”سرية أبي قتادة بن ربعي الأنصاري“ سے موسوم ہے،
اس کے امیر حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ تھے، یہ سریہ فتح مکہ سے قبل روانہ کیا گیا تھا، ابن سعد کی تحقیق کے مطابق
یہ واقعہ ۸ھ کا ہے (۴)۔

یہاں نجد کو مطلقاً ذکر کیا گیا ہے، جو بہت بڑا علاقہ ہے، اس کی تحقیق پیچھے کسی مقام پر گزر چکی ہے (۵)۔

(۱) کشف الباری: ۱/۲۸۹-۲۹۰.

(۲) کشف الباری: ۴/۶۵۱.

(۳) کشف الباری: ۱/۶۳۷.

(۴) طبقات ابن سعد: ۲/۱۳۲.

(۵) دیکھیے، باب ما جاء في بيوت أزواج النبي کی چھٹی حدیث، حدیث ابن عمر.

تاہم حدیث باب میں نجد سے مراد ایک خاص علاقہ ”ارض محارب“ ہے، جہاں قبیلہ غطفان کی رہائش تھی، یہ سریہ اسی قبیلہ کی سرکوبی کے لیے روانہ کیا گیا تھا (۱)۔

اس سریہ میں مشہور قول کے مطابق پندرہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے، مال غنیمت میں دو سو اونٹ، دو ہزار بکریاں اور بہت سے قیدی ہاتھ آئے۔ یہ سریہ صرف پندرہ دن پر مشتمل تھا (۲)۔

اس حدیث میں نفل کا ذکر آیا ہے، ذیل میں ہم اس سے متعلق ابحاث اختصاراً پیش کریں گے، کیوں کہ یہ حدیث نفل کے باب میں اصل کی حیثیت رکھتی ہے۔

نفل کی لغوی و اصطلاحی تعریف

نفل نون اور فاء کے فتح کے ساتھ ہے، کبھی فاء کو ساکن بھی پڑھتے ہیں، اس کی جمع انفال ہے۔ اس کے معنی زیادتی کے ہیں (۳)۔

اصطلاح شرع میں نفل اس انعام اور زیادتی کو کہتے ہیں جو مجاہد و مقاتل کو غنیمت کے علاوہ ملتی ہے، تاہم اس کا اطلاق اکثر روایات میں غنیمت مطلقہ پر بھی کیا گیا ہے، علامہ راغب اصفہانی فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف تعبیر کا ہے، چنانچہ بایں اعتبار کہ غازی کو یہ انعام ملا ہے تو اس کو غنیمت کہہ دیتے ہیں اور اس اعتبار سے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے یہ ایک انعام ملا، جو ضروری نہیں تھا تو اسے نفل کہہ دیا جاتا ہے، ان دونوں میں اور بھی فرق بیان کیے گئے ہیں، جن کی یہاں ضرورت نہیں (۴)۔

نفل کی مشروعیت

نفل کی مشروعیت پر جمہور علماء و فقہاء کا اتفاق ہے، جب کہ صرف ایک فقیہ عمرو بن شعیب اس کی عدم

(۱) طبقات ابن سعد: ۱۳۲/۲-۱۳۳۔

(۲) حوالہ بالا، والأوجز: ۱۱۸/۹۔

(۳) شرح الزرقانی: ۱۵/۳، کتاب الجہاد، جامع النفل فی الغزو، باب رقم (۳۰۲)، والأوجز: ۱۱۶/۹۔

(۴) المفردات فی غریب القرآن: ۵۰۴، کتاب النون، مادة ”نفل“، والأوجز: ۱۱۶/۹، والبذائع: ۴۵۹/۶،

وفی الموسوعة الفقہیة (۷۴/۱۴): ”وہو زیادة مال علی سہم الغنیمۃ، یشرطہ الإمام أو أمیر الجیش

لمن یقوم بما فیہ نکایة زائدة علی العدو“۔

مشروعیت کے قائل ہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس کی گنجائش نہیں۔ لیکن یہ قول مرجوح ہے (۱)۔

پھر ائمہ ثلاثہ میں امام شافعی و مالک رحمہما اللہ اس کو ضرورت کے ساتھ مشروط و مقید کرتے ہیں کہ جب تک شدید ضرورت نہ ہو، مثلاً مسلمان تعداد میں کم اور کفار زیادہ ہوں تو جائز ہے، ورنہ نہیں۔

جب کہ حنفیہ اس کے مطلق جواز کے قائل ہیں، کیوں کہ یہ بھی تحریض و ترغیب کی ایک قسم ہے، اسی کا حکم خداوندی بھی ہے کہ ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ﴾ (۲) کہ ”اے نبی! مسلمانوں کو قتال پر ابھارو“۔ یہ حکم مطلق ہے (۳)۔

تاہم احناف۔ کثر اللہ سوادہم۔ یہ بھی فرماتے ہیں۔ کما فی البدائع۔ کہ امام وقت کے لیے یہ مناسب نہیں کہ سارا مال غنیمت ہی کسی کو نفل دے دے، کیوں کہ اس میں دوسرے مقاتلین کا حق مارا جائے گا، لیکن اگر ایسا کرے تو جائز ہے (۴)۔

نفل کی صورتیں

تفیل کی پھر تین صورتیں ہیں:

① امام وقت بڑے لشکر سے پہلے کوئی چھوٹا لشکر (سریہ) بھیجے، جو دشمن پر حملہ آور ہو، اس لشکر کو جو غنیمت ملے اس کا ایک مقرر حصہ، مثلاً ربع یا ثلث ان کے لیے مختص کر دے۔

② امام وقت یا امیر لشکر کچھ متعین افراد کے لیے کوئی انعام مقرر کر دے اور وہ اس لیے کہ انہوں نے قتال کے دوران شجاعت کا مظاہرہ یا اقدام کیا ہو یا اور کوئی ایسا مفید کام سرانجام دیا ہو جو دوسرے نہ دے سکے اور یہ معاملہ مشروط نہ ہو، یعنی پہلے سے طے نہ کیا گیا ہو، بلکہ غنیمت کی تقسیم کے وقت یہ انعام دیا جائے کہ فلاں شخص کے

(۱) الموسوعة الفقهية: ۷۵/۱۴، (مادة تفیل)، وفتح الباری: ۲۴۰/۶، والأوجز: ۱۲۱/۹۔

(۲) الأنفال: ۶۵۔

(۳) الموسوعة الفقهية: ۷۵/۱۴، وشرح الزرقاني: ۱۶/۳۔

(۴) بدائع الصنائع: ۴۵۹/۹-۴۶۰، وانظر أيضاً فتح القدير: ۲۴۹/۵، والفتاوى الشامية لابن عابدين:

۲۶۰/۳، وكتاب السير الكبير للشيباني: ۱۲۱/۲، أبواب الأنفال۔

اس کارنامے کی وجہ سے اس کے مقرر حصے سے زائد یہ مال بطور انعام اسے دیا جا رہا ہے۔

۳- امام وقت یہ کہے جو شخص فلانی دیوار توڑے گا یا اس میں نقب لگائے گا (ونحو ذلك) تو اس کو یہ چیز یا اس قدر مال بطور انعام دیا جائے گا (۱)۔

یہ تین صورتیں ہوئیں، یہ صورت ثلاثہ جمہور فقہاء کے نزدیک درست ہیں، تاہم امام مالک اور ان کے اصحاب رحمہم اللہ تیسری صورت کو مکروہ گردانتے ہیں، وہ یہ فرماتے ہیں کہ اس سے مقاتل کا اخلاص متاثر ہوگا اور اس کا قتال دنیا کے لیے ہوگا، نہ کہ آخرت کے لیے، نیز اس میں اپنی جان کو خطرے میں ڈالنا بھی پایا جاتا ہے، جو جائز نہیں (۲)۔

جمہور کی دلیل اس سلسلے میں حضرت حبیب بن مسلمہ فہری کی وہ روایت ہے، جو ابوداؤد شریف (۳) میں مذکور ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء میں ربع اور لوٹے وقت ثلث بطور نفل کے دیا، جس سے ثابت ہوا کہ ابتداء بھی یہ فعل درست ہے (۴)۔

محل تنفیل

نفل کی ادائیگی بیت المال سے بھی جائز ہے، لیکن اس صورت میں نفل کی نوع اور مقدار کا معلوم ہونا ضروری ہے۔

اسی طرح دشمن سے عنقریب جو غنیمت حاصل ہوگی، اس میں بھی تنفیل جائز ہے، اس میں اگرچہ جہالت پائی جاتی ہے کہ کیا معلوم غنیمت حاصل ہوگی یا نہیں؟ لیکن یہ جہالت مضر نہیں کہ اس کی ضرورت ہے (۵)۔

پھر فقہائے امت کا اس امر میں اختلاف ہے کہ نفل اگر غنیمت سے ہو تو کس چیز سے ہوگی؟
حنابلہ اور شوافع کے نزدیک نفل خمس غنیمت کے ربع سے دیا جائے گا، یہی قول حضرت انس رضی اللہ عنہ

(۱) الموسوعة: ۷۵/۱۴، والمغنی: ۱۸۵/۹، وحاشیة ابن عابدین: ۲۶۲/۳، وفتح القدیر: ۲۴۹/۵۔

(۲) حاشیة الزرقانی: ۱۶/۳، والأوجز: ۱۲۵/۹۔

(۳) سنن أبی داود، کتاب الجہاد، باب فیمن قال: الخمس قبل النفل، رقم (۲۷۴۸-۲۷۵۰)۔

(۴) المغنی: ۱۸۴/۹، والأوجز: ۱۲۵/۹۔

(۵) المغنی: ۱۸۶/۹، والموسوعة: ۷۵/۱۴۔

کا بھی ہے، دلیل یہ حدیث ہے، ”لا نفل إلا بعد الخمس“ (☆)۔

خفیہ کے نزدیک اس میں تفصیل ہے:

اگر جنگ کے دوران امام تنفیل کرے تو غنیمت کے خمس کا ربع ہوگا۔

اگر مال غنیمت کے اتراز کے بعد کرے، یعنی جنگ ختم ہونے کے بعد تقسیم غنیمت کا عمل شروع ہو جائے

اور اس وقت نفل دینے کا اعلان کرے تو وہ خمس سے ہوگا (۱)۔

جب کہ مالکیہ کے نزدیک تنفیل خمس غنیمت سے ہوگی (۲)۔

نفل کی مقدار

فقہاء کے نزدیک نفل کی دو مقداریں ہیں، ادنیٰ اور اعلیٰ۔

ادنیٰ تو یہ ہے کہ ثلث یا ربع یا اس سے بھی کم ہو یا بالکل نہ ہو، امام وقت کو ان سب چیزوں میں اختیار

ہے کہ نفل میں ثلث دے یا ربع یا اس سے بھی کم یا بالکل نہ دے۔ اس میں تمام فقہاء کا اتفاق ہے (۳)۔

تاہم حد اعلیٰ میں ان کا اختلاف ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ثلث سے زائد مقدار نفل نہیں دی جاسکتی (۴)۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں نفل کی کوئی حد اعلیٰ نہیں ہے، بلکہ یہ امام وقت کی رائے پر منحصر ہے کہ نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ثلث دیا ہے تو کبھی ربع، جو اس بات کی دلیل ہے کہ ”لیس للنفل حد“ (۵)۔

(☆) المغنی: ۱۸۷/۹، یہ موفق کی تصریح کے مطابق ہے، ورنہ شوافع کی کتابوں میں ان کا مذہب یہ لکھا ہے کہ نفل خمس الخمس

سے ہوگا، یعنی غنیمت کے پانچویں حصے کا پانچواں بطور نفل ہوگا، یہی اصح ہے۔ دیکھیے، نسوی: ۸۶/۲، وفتح الباری:

۲۴۰/۶۔ وحديث أسس أخرجه أبو داود من حديث معن بن يزيد، كتاب الجهاد، باب في النفل من الذهب

والفضة.....، رقم (۲۷۵۳)۔

(۱) حاشیة ابن عابدین: ۲۶۴/۳، وفتح القدير: ۲۵۰/۵، والأوجز: ۱۲۷/۹۔

(۲) شرح الزرقاني: ۱۶/۳، وبداية المجتهد: ۳۹۶/۱، الفصل الثالث في حكم الأنفال۔

(۳) الموسوعة: ۷۶/۱۴، (مادة تنفيل)۔

(۴) حوالہ بالا، والمغنی: ۱۸۴/۹، والأوجز: ۱۲۵/۹۔

(۵) الأوجز: ۱۲۵/۹، والموسوعة: ۷۶/۱۴۔

جب کہ حنفیہ کے نزدیک بھی نفل کی کوئی اعلیٰ مقدار متعین نہیں ہے، امام وقت چاہے تو ساری غنیمت بھی سر یہ کو دے سکتا ہے، لیکن وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ فعل مناسب نہیں ہے، کیوں کہ اس صورت میں دوسرے غائبین کا حق مارا جائے گا (۱)۔

یہ تو نفل سے متعلق فقہی اجتہاد تھیں، جو ہم نے مختصراً یہاں پیش کیں۔
اب ایک نظر حدیث باب پر ڈالتے ہیں۔

فكانت سهمانهم اثني عشر بعيرا أو أحد عشر بعيرا

سو شرکائے سر یہ میں سے ہر ایک کو بارہ بارہ یا گیارہ گیارہ اونٹ ملے۔

”سُہمان“ سین کے ضمہ اور ہاء کے سکون کے ساتھ، سہم کی جمع ہے، یعنی حصے (۲)۔

مطلب یہ ہے کہ ہر شریک کو مذکورہ بالا تعداد میں اونٹ بطور غنیمت ملے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے اس کے معنی یہ بیان کیے کہ تمام شرکاء کا حصہ بارہ

اونٹ تھے، لیکن یہ بدائتہ غلط ہے، کیونکہ ابوداؤد رحمہ اللہ وغیرہ (۳) کی روایت میں تصریح آئی ہے کہ ہر شریک کا حصہ بارہ بارہ اونٹ تھے (۴)۔

شرکاء کے حصے میں کتنے کتنے اونٹ آئے؟

حدیث باب میں شک کے ساتھ ”اثني عشر بعيرا أو أحد عشر بعيرا“ آیا ہے، یہ شک امام

(۱) حاشیۃ ابن عابدین: ۲۶۳/۳، والبدائع: ۴۶۰/۹، فصل في أحكام الغنائم..... والأوجز: ۱۲۶/۹-۱۲۷۔

نفل سے متعلق مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے، الأوجز: ۱۱۶/۹-۱۲۸، والموسوعة الفقهية:

۷۴/۷۷، والاستذکار لابن عبد البر: ۴۱/۴-۴۶، وفتح الباری: ۲۳۹/۶-۲۴۱، وعمدة القاری: ۵۵/۱۵-۶۰۔

(۲) أوجز: ۱۱۹/۹، وشرح الزرقاني: ۱۵/۳۔

(۳) سنن أبي داود، كتاب الجهاد، باب في النفل في السرية..... رقم (۲۷۴۱)۔

(۴) الأوجز: ۱۱۹/۹، والنووي على مسلم: ۸۶/۲، وفتح الباری: ۲۳۹/۶۔

مالک رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے آیا ہے، جب کہ حضرت نافع کے دوسرے تمام تلامذہ اس کو بغیر شک کے ”اثنی عشر بعیراً“ نقل کرتے ہیں۔ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے یہی فرمایا ہے (۱)۔

اثنی عشر بعیراً کی مراد

پیچھے یہ بات گزر چکی کہ اس سریہ میں، جس کا ذکر حدیث باب میں ہے، جو غنیمت حاصل ہوئی وہ دو سو اونٹ، دو ہزار بکریاں اور کچھ قیدی تھے اور یہ بھی بیان ہو چکا کہ اہل سیر کا مشہور قول یہ ہے کہ اس میں پندرہ افراد شریک تھے، اب دو سو اونٹوں کو پندرہ پر بارہ کے حساب سے تقسیم کیا جائے تو جواب 180 آتا ہے اور دو سو کا خمس چالیس ہے، ایک سو اسی اور چالیس تو 220 ہوئے، چنانچہ یہاں حساب درست نہیں آ رہا کہ یا تو دو سو کا عدد غلط ہے یا دو سو نہیں کا؟

اس تضاد کا جواب شراح حدیث نے یہ دیا ہے کہ اونٹ اور بکریاں ساتھ دی گئی تھیں اور دس بکریاں ایک اونٹ کے برابر تھیں، چنانچہ دو ہزار بکریاں اس حساب سے دو سو اونٹوں کے برابر ہوئیں، دو سو اونٹ پہلے ہی تھے، اس طرح مجموعہ چار سو ہوا۔ اسی عدل کو پیش نظر رکھ کر اثنی عشر بعیراً کہا گیا ہے اور نفل میں بھی اسی کا لحاظ ہے۔ یہی توجیہ سب سے بہتر ہے (۲)۔

ایک اعتراض اور اس کے جوابات

تاہم اس پوری تفصیل پر ایک اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ اونٹ عدل کے بعد چار سو ہوئے، اس کا خمس اتنی ہے، جس سے نفل دیا گیا، پندرہ افراد کو 12, 12 کے حساب سے ایک سو اسی اونٹ دیے گئے، حاصل جمع 260 (دو سو ساٹھ) ہوا۔ اب سوال یہ ہے کہ بقیہ ایک سو چالیس اونٹ کہاں گئے؟

اس اعتراض سے خلاصی کے لیے حافظ علیہ الرحمۃ نے تو یہ کہہ دیا کہ شرکائے سریہ پندرہ نہیں، بلکہ پچیس تھے (۳)، پچیس کو بارہ پر ضرب دیں گے تو حاصل 300 (تین سو) ہوگا، اسی خمس ہے، ان دونوں اعداد کو جمع کیا

(۱) الاستذکار: ۴/۴۱، والتمہید: ۱۴/۳۶، حدیث رابع عشر لنافع عن ابن عمر، وفتح الباری: ۶/۲۳۹،

والأوجز: ۱۱۹/۹.

(۲) طبقات ابن سعد: ۲/۱۳۲-۱۳۳، سربة أبي قتادة ربعي.....، والأوجز: ۱۱۹/۹.

(۳) فتح الباری: ۸/۵۶، والأوجز: ۱۱۹/۹.

جائے تو حاصل 380 (تین سو اسی) آتا ہے۔ جو چار سو کے عدد کے کچھ قریب ہے۔

لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا یہ جواب بعض وجوہ کی بنا پر معتمد نہیں۔

ایک وجہ تو یہ ہے کہ اکثر اہل سیر نے شرکاء کی تعداد پندرہ ہی بتلائی ہے، مثلاً ابن سعد، قسطلانی، وصاحب السیرۃ الحلبيہ وغیرہ وغیرہ (۱)۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض حضرات نے شرکاء کی تعداد دس (۲) اور بعض نے سولہ (۳) اور بعض نے چار ہزار بھی بتلائی ہے (۴)، اس صورت میں آپ کیا کریں گے؟

اس اعتراض کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کی تمام روایات کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر روانہ فرمایا تھا، رخ اس کا نجد کی طرف تھا، وہاں پہنچنے کے بعد لشکر کا ایک حصہ الگ ہو کر بنو غطفان کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوا، جہاں یہ فتح یاب ہوئے اور غنیمت سے سرفراز بھی، امیر سریہ نے اپنے ہر ایک ساتھی کو ایک ایک اونٹ نفل دیا، باقی غنیمت لے کر لشکر میں واپس آ گئے۔ جب یہ لشکر میں واپس آئے تو بقیہ غنیمت بھی تقسیم ہوئی اور لشکر کے ہر فرد کو بارہ بارہ اونٹ ملے کہ لشکر کی اپنی بھی غنیمت تھی، ان سب کو جمع کیا گیا تو ہر ایک کے حصے میں بارہ بارہ اونٹ آئے اور اہل سریہ کے ہاتھ تیرہ تیرہ اونٹ کہ ایک اونٹ نفل کا تھا۔

اس کی دلیل دو الگ الگ روایات ہیں، پہلی ابن اسحاق سے مروی ہے اور دوسری شعیب بن ابی حمزہ سے، ان دونوں روایات کا حاصل وہی ہے جو اوپر ذکر ہوا، ہم یہاں صرف شعیب بن ابی حمزہ کی روایت کے الفاظ نقل کرتے ہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

”بعثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی جیش، قبل نجد، وانبعث

سریۃ من الجیش، فکان سہمان الجیش اثنی عشر بعیرا، اثنی عشر بعیرا،

(۱) دیکھیے، طبقات ابن سعد: ۱۳۲/۲، والسیرۃ الحلبيہ: ۲۰۴/۳، والأوجز: ۱۱۹/۹۔

(۲) یہ ابن التین رحمۃ اللہ کی رائے ہے۔ دیکھیے، عمدۃ القاری: ۳۱۲/۱۷۔

(۳) حکاہ ابن الأثیر فی الکامل: ۱۵۷/۲۔

(۴) یہ ابن عبد البر کا قول ہے۔ اس قول کو حضرت سہارنپوری رحمہما اللہ نے بذل میں خلاف حقیقت اور بے اصل قرار دیا ہے۔

دیکھیے، بذل: ۳۵۳/۱۲۔

ونفل أهل السرية بعيرا بعيرا، فكانت سهمانهم ثلاثة عشر“ (۱)۔

اس روایت پر اگرچہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے شدید رد کیا ہے کہ یہ روایت نافع رحمہ اللہ کے دیگر تلامذہ کی بیان کردہ روایات کے خلاف ہے، جو شعیب کے مقابلے میں ثقات بھی ہیں اور اثبات بھی (۲)۔ تاہم ابن عبدالبر رحمہ اللہ کے اس رد سے کوئی فرق نہیں پڑتا، وہ اس لیے کہ ابن عبدالبر خود بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ شعیب کے بیان کردہ معنی بھی صحیح ہیں، کیوں کہ علمائے امت وفقہائے ملت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر کسی لشکر کا کوئی حصہ سریہ کے لیے روانہ ہو تو جو غنیمت ملے گی، اس میں لشکر بھی شریک ہوگا، اہل سریہ کا امتیاز اس طرح ہوگا کہ انہیں نفل دیا جائے گا (۳)۔ چنانچہ اس واقعے میں بھی یہی ہوا ہے، جیسا کہ شعیب بن ابی حمزہ اور ابن اسحاق کی تصریح موجود ہے۔ اس لیے ابن عبدالبر رحمہ اللہ کا یہ اعتراض اپنے محل پر نہیں۔ واللہ اعلم

فائدہ

حدیث باب میں جس نفل کا تذکرہ ہے، اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ یہ کس چیز سے دیا گیا تھا، مشہور قول تین ہیں:

❶ امام اوزاعی، احمد اور ابو ثور اور احناف رحمہم اللہ وغیرہ اس بات کے قائل ہیں کہ یہ نفل اصل غنیمت سے تھا۔ دلیل ابو اسحاق کی روایت ہے، جس کا ذکر ابھی ابوداؤد کے حوالے سے گزرا۔

❷ امام مالک، قاسم بن سلام، سعید بن المسیب اور امام بخاری رحمہم اللہ وغیرہم کی رائے یہ ہے کہ یہ غنیمت کے خمس سے تھا، ان کی دلیل بقول ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ کے حدیث باب ہے کہ حضرت نافع کے اکثر تلامذہ کی روایات اس پر دلالت کرتی ہیں، سوائے روایت ابن اسحاق کے۔

❸ امام شافعی وغیرہ رحمہم اللہ کی رائے یہ ہے کہ اس میں نفل خمس الخمس سے تھا، ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ باوجودیکہ مالکی المذہب ہیں، اسی رائے کو ترجیح دیتے ہیں (۴)۔ واللہ اعلم

(۱) سنن أبی داود، کتاب الجہاد، باب فی النفل فی السریة، رقم (۲۷۴۱)، وروایة ابن إسحاق انظرها فی نفس هذا الباب، برقم (۲۷۴۳)۔

(۲) الاستذکار: ۴/۴۲۔

(۳) حوالہ بالا، والفتح: ۶/۲۴۰، والنووي علی مسلم: ۸۶/۲، والمغني: ۱۸۳/۹-۱۸۴، والأوجز: ۱۳۰/۹۔

(۴) وللاستزادة انظر: الاستذکار: ۴/۴۳-۴۶، والفتح: ۶/۲۴۰، والأوجز: ۱۲۸/۹، وإعلاء السنن: ۱۲/۲۶۰-۲۷۴۔

ونفلوا بعیرا بعیرا

اور اہل سریہ میں سے سب کو ایک ایک اونٹ نفل دیا گیا۔

اس روایت میں مُنْفِل کی تعین نہیں ہے کہ نفل کس نے دیا تھا، یہاں منفل مجہول ہیں، جب کہ مسلم کی روایت (۱) سے معلوم ہوتا ہے کہ منفل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور ابوداؤد کی روایت (۲) اس کے بالکل مخالف ہے، جس میں ابواسحاق یہ فرماتے ہیں کہ منفل امیر سریہ حضرت ابوقنادہ انصاری رضی اللہ عنہ تھے؟

پھر قسم غنیمت میں بھی اختلاف ہے کہ غنیمت کس نے تقسیم کی تھی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ تنفیل امیر سریہ کی طرف سے تھی اور تقسیم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تنفیل کا علم ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو برقرار رکھا، چنانچہ یہ ”تقریر“ کی نوع سے ہوا، جو سنت کی ایک قسم ہے۔

اس پر لیث عن نافع وغیرہ کی روایت دلالت کرتی ہے، جس میں آیا ہے کہ ”ولم یغیرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم“ (۳)۔

یادوں کا کام امیر سریہ کے ذریعے انجام پائے تھے، یہ بھی تقریر پر مجہول ہے کہ نبی علیہ السلام نے کوئی اعتراض نہیں کیا اور امیر لشکر کا فیصلہ برقرار رکھا (۴)۔

ترجمة الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

اس حدیث کی مطابقت ترجمۃ الباب کے جزء ”الأنفال من الخمس“ کے ساتھ ہے، حدیث میں ”ونفلوا بعیرا بعیرا“ جو آیا ہے وہ خمس ہی سے تھا، یہی امام بخاری کی رائے ہے (۵)، کما مر آنفاً مفصلاً۔

(۱) صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسير، باب الأنفال، رقم (۴۵۲۳)۔

(۲) ابوداؤد شریف، کتاب الجہاد، باب فی النفل فی السریۃ.....، رقم (۲۷۴۳)۔

(۳) صحیح مسلم، کتاب الجہاد والسير، باب الأنفال، رقم (۴۵۲۲)۔

(۴) شرح النووی علی مسلم: ۸۶/۲، وفتح الباری: ۲۴۰/۶، والأوجز: ۱۲۱/۹۔

(۵) الکونر الجاری: ۱۱۷/۶۔

ایک فائدہ

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اکثر روایات میں اثناعشر آیا ہے اور بعض میں اثنی عشر
 - کما فی حدیث الباب - یہ لفظ تو واضح ہے کہ حالت نصی میں ہے اور مشہور قاعدے کے مطابق ہے۔
 پہلا اعراب بھی ان حضرات کے نزدیک صحیح ہے، جو یہ کہتے ہیں کہ ثنی کا اعراب تینوں حالات (رفع،
 نصب و جر) میں الف کے ساتھ ہی ہوگا، یہ عرب کے چار قبائل کی لغت ہے اور اس کی مثالیں بھی کلام عرب میں
 بکثرت پائی جاتی ہیں..... (۱)۔

باب کی چوتھی حدیث بھی ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ہے۔

۲۹۶۶ : أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ : أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ ، عَنْ عُقَيْلٍ ، عَنْ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنْ
 سَالِمٍ . عَنْ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا ؛ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ يُنْفِلُ بَعْضَ مَنْ يَبْعَثُ مِنَ
 السَّرَايَا لِأَنْفُسِهِمْ خَاصَّةً ، سِوَى قَسَمِ عَامَّةِ الْجَيْشِ .

تراجم رجال

۱- یحییٰ بن بکیر

یہ یحییٰ بن عبد اللہ بن بکیر مخزومی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲- الیث

یہ لیث بن سعد فہمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

(۱) شرح النووي علی صحيح مسلم: ۸۶/۲، وتعليقات جامع الأصول: ۶۸۱/۲.

(۲) قوله: "عن ابن عمر رضي الله عنهما": الحديث، أخرجه مسلم، كتاب الجهاد.....، باب الأنفال، رقم

(۴۵۲۸-۴۵۲۶)، وأبو داود، كتاب الجهاد، باب في النفل في السرية.....، رقم (۲۷۴۶).

یہ تخریج عام اصحاب تخریج کے مطابق ہے، کہ انہوں نے اس کو مستقل حدیث شمار کیا ہے۔ ورنہ علامہ ابن الاثیر جزری

رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ باب کی سابقہ روایت اور یہ روایت دونوں ایک ہی حدیث ہیں۔ لہذا دونوں کو الگ شمار کرنا درست

نہیں۔ دیکھیے، جامع الأصول: ۶۸۱/۲-۶۸۲.

۳- عقیل

یہ عقیل بن خالد رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۴- ابن شہاب

یہ محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن عبد اللہ المعروف بابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان چاروں حضرات کا تذکرہ ”بدء الوحي“ کی ”الحديث الأول“ کے تحت گزر چکا (۱)۔

۵- سالم

یہ مشہور تابعی سالم بن عبد اللہ بن عمر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الإیمان، ”باب الحياء من الإیمان“ کے تحت گزر چکے ہیں (۲)۔

۶- ابن عمر

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کتاب الإیمان، ”باب الإیمان.....“ میں آچکا (۳)۔
عن ابن عمر رضي الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان ينفل بعض من يبعث من السرايا لأنفسهم خاصة، سوى قسم عامة الجيش
حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سرایا میں جن لوگوں کو بھیجتے تھے، ان میں سے بعض کو نفل دیتے تھے، جو ان کے ساتھ خاص ہوتا، عام لشکریوں کی غنیمت کے علاوہ۔

حافظ کا حدیث باب سے استدلال

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث سے یہ استدلال کیا ہے کہ نفل میں ایک ہی سریہ کے بعض افراد کو محروم رکھنا اور بعض کو دینا جائز ہے (۴)۔

(۱) کشف الباری: ۱/۳۲۳-۳۲۶.

(۲) کشف الباری: ۲/۱۲۸.

(۳) کشف الباری: ۱/۶۳۷.

(۴) فتح الباری: ۶/۲۴۱.

جب کہ جمہور کے نزدیک یہ جائز نہیں، سریہ کے تمام شرکاء کو نفل دینا ضروری ہے (۱)۔

ہمارے نزدیک اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مختلف سرایا روانہ فرماتے تھے، جن میں بعض سرایا کو نفل دیتے اور بعض کو نہ دیتے۔ اوپر ہم نے ترجمہ شافعیہ کے مسلک کے مطابق کیا ہے (۲)۔

حافظ کے مذکورہ استدلال کی وجہ

شواہد چونکہ اس بات کے قائل ہیں کہ نفل خمس الخمس سے دیا جائے گا۔ اس لیے وہ ایک ہی سریہ میں ”تخصیص البعض دون البعض في النفل“ کو جائز کہتے ہیں، اگر وہ اس کو جائز نہ کہیں تو ان کا خمس الخمس والا قول درست نہیں رہے۔

حافظ کے پیشرو علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی تشریح کچھلی حدیث کے جملے ”ونفلوا بعیرا بعیرا“ کی کی تھی اور فرمایا تھا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ سریہ میں جو مستحق نفل تھے، ان میں سے ہر ایک کو، ایک ایک اونٹ بطور نفل ملا، یہ مطلب نہیں کہ اہل سریہ میں سے ہر ایک کو نفل ملا (۳)۔

حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام نووی (اور حافظ) کو اس تاویل کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ اپنے مذہب رائج کے لیے کوئی موبد تلاش کریں، کیوں کہ یہ حضرات نفل کے خمس الخمس سے ہونے کے قائل ہیں، چنانچہ اس حدیث میں خمس الخمس کی جو مقدار بن رہی ہے، وہ پورے کے پورے سریہ پر تقسیم نہیں ہو سکتی، اسی لیے انہوں نے مذکورہ تاویل کی۔

تاہم یہ تاویل چل نہیں سکتی، کیوں کہ اسی حدیث کے ایک طریق میں صراحۃً یہ الفاظ آئے ہیں، ”نفلنا أمیرنا بعیراً بعیراً کل إنسان“ (۴) جس سے بداہتہً یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام شرکائے سریہ نفل کے مستحق ٹھہرے تھے (۵)۔ واللہ اعلم

(۱) یہ بحث گذشتہ باب میں گزر چکی ہے۔

(۲) التلخیص الحبیر: ۲/۲۷۳، وإعلاء السنن: ۱۲/۲۷۶، نقلًا عن الترمذی بیلا غ مالک بن أنس۔

(۳) شرح النووی علی مسلم: ۸۶/۲۔

(۴) سنن أبي داود، کتاب الجہاد، باب في النفل في السرية رقم (۲۷۴۳)۔

(۵) الأوجز: ۱۲۰/۹۔

ترجمہ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت

اس حدیث کی ترجمہ الباب کے ساتھ مناسبت بالکل واضح ہے، کہ ترجمہ میں ایک جزء الانفصال من الخمس تھا، اس حدیث میں بھی نفل کا ذکر ہے، جو خمس ہی سے نکالا جاتا ہے۔ کما هو مذهب البخاری۔ اس لیے مطابقت پائی گئی۔ واللہ اعلم بالصواب

باب کی پانچویں حدیث حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۶۷ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ : حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ : حَدَّثَنَا بُرَيْدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ . عَنْ أَبِي بُرْدَةَ ، عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : بَلَّغْنَا مَخْرَجَ النَّبِيِّ ﷺ وَنَحْنُ بِالْبَيْتِ . فَخَرَجْنَا مُهَاجِرِينَ إِلَيْهِ . أَنَا وَأَخَوَانِ لِي أَنَا أَصْغَرُهُمْ ، أَحَدُهُمَا أَبُو بُرْدَةَ وَالْآخَرُ أَبُو رُحْمٍ ، إِمَّا قَالَ : فِي بَضْعٍ ، وَإِمَّا قَالَ : فِي ثَلَاثَةِ وَخَمْسِينَ ، أَوْ اثْنَيْنِ وَخَمْسِينَ رَجُلًا مِنْ قَوْمِي ، فَرَكِبْنَا سَفِينَةً ، فَأَلْفَقْنَا سَفِينَتَنَا إِلَى الشَّجَائِثِ بِالْحَبْشَةِ ، وَوَأَفَقْنَا جَعْفَرَ بْنَ أَبِي طَالِبٍ وَأَصْحَابَهُ عِنْدَهُ ، فَقَالَ جَعْفَرٌ : إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بَعَثَنَا هَاهُنَا ، وَأَمَرَنَا بِالْإِقَامَةِ : فَأَقِيمُوا مَعَنَا . فَأَقَمْنَا مَعَهُ حَتَّى قَدِمْنَا جَمِيعًا ، فَوَأَفَقْنَا النَّبِيَّ ﷺ حِينَ أَفْتَحَ خَيْبَرَ : فَأَسْهَمَ لَنَا ، أَوْ قَالَ : فَأَعْطَانَا مِنْهَا ، وَمَا قَسَمَ لِأَحَدٍ غَابَ عَنْ فَتْحِ خَيْبَرَ مِنْهَا شَيْئًا ، إِلَّا لِيْنِ شَهِدَ مَعَهُ . إِلَّا أَصْحَابَ سَفِينَتِنَا مَعَ جَعْفَرَ وَأَصْحَابِهِ . قَسَمَ لَهُمْ مَعَهُمْ . [۳۶۶۳ ، ۳۹۹۰ - ۳۹۹۲]

تراجم رجال

۱- محمد بن العلاء

یہ ابوالعلاء محمد بن العلاء ہمدانی کو فی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲- ابواسامہ

یہ ابواسامہ حماد بن اسامہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کا تذکرہ کتاب العلم، ”باب فضل

(۱) قولہ: ”عن أبي موسى رضي الله عنه“: الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، كتاب مناقب الأنصار، باب هجرة الحبشة، رقم (۳۸۷۶)، وكتاب المغازي، باب غزوة خيبر، رقم (۴۲۳۰ و ۴۲۳۳)، ومسلم، كتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل جعفر.....، وأهل سفينتهم، رضي الله عنهم، رقم (۶۴۱۰)، وأبوداود، في كتاب الجهاد، باب فيمن جاء بعد الغنيمة.....، رقم (۲۷۲۵).

من علم وعلم“ کے تحت آچکا (۱)۔

۳- برید بن عبد اللہ

یہ ابو بردہ برید بن عبد اللہ بن عامر کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۴- ابو بردہ

یہ ابو بردہ عامر بن ابی موسیٰ اشعری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۵- ابو موسیٰ

یہ حضرت ابو موسیٰ عبد اللہ بن قیس اشعری رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان تینوں حضرات کا تذکرہ کتاب
الإیمان، ”باب أي الإسلام أفضل؟“ کے ضمن میں بیان ہو چکا (۲)۔

عن أبي موسى رضي الله عنه قال: بلغنا مخرج النبي صلى الله عليه وسلم
ونحن باليمن

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں نبی اکرم ﷺ کے خروج کی خبر ملی، درآنحالیکہ ہم یمن
میں تھے۔

”مخرج“ مصدر میمی ہے، خروج کے معنی میں ہے اور فاعل ہونے کی بنا پر مرفوع ہے (۳)۔

مخرج سے کیا مراد ہے؟

مخرج سے دو چیزیں مراد ہو سکتی ہیں:

❶ بعثت: اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ بظاہر ان حضرات کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت
و خروج کا علم ہجرت کے بعد طویل مدت گزرنے پر ہوا، چناں چہ جب انہیں علم ہوا تو یہ زیارت کی غرض سے
یمن سے نکلے۔

(۱) کشف الباری: ۴۱۳/۳-۴۱۷۔

(۲) کشف الباری: ۶۹۰/۱۔

(۳) عمدة القاری: ۶۰/۱۵۔

۲ ہجرت: اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں انہیں علم تو پہلے ہی ہو گیا تھا، اسلام بھی یہ حضرات قبول کر چکے تھے، لیکن اپنے وطن ہی میں مقیم رہے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا علم ہوا تو انہوں نے ہجرت کا ارادہ کیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر یہ حضرات اس طویل عرصے کہاں رہے اور ہجرت کیوں نہیں کی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ غالباً انہیں صحیح حالات کا علم نہیں ہو پا رہا تھا، جب حالات کی مکمل اطلاع ہوئی تو انہوں نے بھی ہجرت کر ڈالی اور اپنا وطن چھوڑ دیا (۱)۔

فخرجنا مهاجرين إليه، أنا وأخوان لي، أنا أصغرهم، أحدهما: أبو بردة، والآخر أبو رهم

سو ہم ان کی طرف ہجرت کی نیت سے نکلے، میں اور میرے دو بھائی، میں ان میں کا سب سے چھوٹا تھا، ایک ابو بردہ تھے، دوسرے ابو رهم۔

لفظ مهاجرين حالت کی بنا پر منصوب ہے (۲)۔

ابو بردہ

یہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے بھائی ابو بردہ بن قیس بن سلیم بن حضار بن حرب رضی اللہ عنہ ہیں (۳)۔

ان کا نام عام ہے، لیکن اپنے بھائی کی طرح یہ بھی اپنی کنیت سے ہی مشہور ہیں (۴)۔

اخیر میں کوفہ کو اپنا مسکن بنایا، تادم آخری وہیں رہے (۵)۔

یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث روایت کرتے ہیں، فرماتے ہیں:

(۱) فتح الباری: ۴۸۵/۷۔

(۲) عمدة القاری: ۶۰/۱۵۔

(۳) الإصابة مع الاستیعاب: ۱۸/۴، وفتح الباری: ۴۸۵/۷، وعمدة القاری: ۶۰/۱۵۔

(۴) حوالہ جات بالا۔

(۵) الإصابة: ۱۸/۴۔

”قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اللهم اجعل فناء أمتي قتلا في سبيلك بالطعن والطاعون“ (۱)۔
رضي الله عنه وأرضاه۔

تنبیہ

ابو بردہ ان کے ایک بھتیجے کی بھی کنیت ہے، جو حدیث باب کے راوی بھی ہیں، ان کا نام بھی عامر ہے، تاہم یہ صحابی ہیں اور ان سے صرف یہی ایک روایت مذکورہ بالا ہے، جب ان بھتیجے ابو بردہ مشہور تابعی فقیہ ہیں اور اپنے والد ابو موسیٰ اشعری و دیگر صحابہ کرام سے کثرت سے روایت کرتے ہیں۔

أبو رهم

یہ بھی ابو موسیٰ اشعری کے بھائی ہیں، رضی اللہ عنہما، ان کا نام کیا تھا، اس میں اقوال مختلف ہیں، ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ تو یہ فرماتے ہیں کہ ان کا نام مجدی تھا، جب کہ ابن حبان جزماً ان کا نام محمد بتلاتے ہیں، لیکن حافظ نے اس پر رد کیا ہے۔ ابن قانع رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ ان کا نام مجید تھا (۲)۔

ابن قتیبہ نے کہا ہے کہ یہ طبیعت کے ذرا تیز تھے، جس پر ان کے بھائی ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ انہیں ٹوکا کرتے (۳)۔ رضی اللہ عنہ وأرضاه

إما قال في بضع، وإما قال في ثلاثة وخمسين أو اثنين وخمسين رجلاً من قومي
يا یہ فرمایا کچھ، یا فرمایا کہ تریں یا باون آدمیوں کے ساتھ، جو میری قوم کے تھے۔

یہ حضرات کل کتنے تھے؟

یہاں روایت باب میں، نیز کتاب المغازی کی روایت میں عبارت اسی طرح شک کے ساتھ ہے،

(۱) الحدیث رواہ أحمد فی مسنده: ۴۳۷/۳، مسند أبي بردة..... رقم (۱۵۶۹۳)، و: ۲۳۸/۴، حدیث
أبي بردة..... رقم (۱۸۲۴۸)، والحاكم فی مستدرکہ: ۹۳/۲، کتاب الجہاد، رقم (۲۴۶۲)، وقال: هذا
حدیث صحیح الإسناد، وقال الذهبي فی تلخیصہ: صحیح۔

(۲) الإصابة: ۷۱/۴، والاستيعاب بهامش الإصابة: ۶۹/۴، وفتح الباري: ۴۸۵/۷، وعمدة القاري:

۶۰/۱۵، وابن قانع فی معجم الصحابة: ۳۹/۳، باب الميم، رقم (۱۱۰۶)۔

(۳) الإصابة: ۷۱/۴۔

بضع کا اطلاق تین سے نو تک ہوتا ہے، اس لیے یہ تریپن سے انسٹھ تک کسی بھی عدد کو مختل ہے، جب کہ تریپن بھی مروی ہے اور باون بھی۔

تاہم ابن مندہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور طریق سے نقل کیا ہے کہ اشعریین کی تعداد پچاس تھی (۱)، پچاس سے زائد جو لوگ ہیں شاید وہ حضرت ابو موسیٰ اور ان کے دیگر بھائی تھے، تو جس روایت میں باون ہے وہ ان کے دونوں بھائیوں ابو بردہ اور ابو رہم کو ملا کر ہے، جن کا ذکر حدیث باب میں ہے، جو تریپن یا اس سے زائد کہتے ہیں تو ان کی مراد اس اختلاف کی طرف اشارہ ہے جو ان کے بھائیوں کی تعداد میں ہے، ابن عبدالبر نے ان سب بھائیوں کی تعداد چار بتلائی ہے اور ابن مندہ کی روایت میں پانچ کا ذکر ہے۔ اس روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ چھ آدمی قبیلہ عک کے بھی تھے، لیکن وہ یہاں مراد نہیں، کیوں کہ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے من قومہ کی تصریح بھی تو کی ہے۔ ان کی تعداد میں اور بھی اقوال ہیں (۲)۔

فر کبنا سفینة، فألقتنا سفینتنا إلى النجاشي بالحبشة، ووافقنا جعفر بن أبي طالب وأصحابه عنده، فقال جعفر: إن رسول الله ﷺ بعثنا ههنا، وأمرنا بالإقامة، فأقيموا معنا

تو ہم ایک کشتی پر سوار ہوئے، اس کشتی نے ہمیں بادشاہ حبشہ حضرت نجاشی رضی اللہ عنہ کے ہاں پھینک دیا، ان کے ہاں ہماری ملاقات جعفر بن ابی طالب اور ان کے ساتھیوں (رضی اللہ عنہم) سے ہوئی، چنانچہ حضرت جعفر نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہاں بھیجا ہے اور یہیں ٹھہرنے کا حکم بھی دیا ہے، سو تم بھی یہیں اقامت اختیار کرو۔

فأقمنا معه، حتی قدمنا جميعا

سو ہم ان کے ساتھ وہیں مقیم رہے، یہاں تک کہ سب ایک ساتھ (خدمت اقدس میں) آئے۔

ابن اسحاق نے مغازی میں لکھا ہے کہ نبی علیہ السلام نے حضرت عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کو نجاشی کی

(۱) فتح الباری: ۷/۴۸۵، وابن مندہ.

(۲) فتح الباری: ۷/۴۸۵-۴۸۶، والاستیعاب بہامش الإصابة: ۴/۶۹.

طرف یہ پیغام دے کر بھیجا کہ حضرت جعفر اور ان کے ساتھیوں کو تیار کر کے روانہ کر دیں تو انہوں نے ان کو اور ان کے ساتھیوں کو تجہیز واکرام کے ساتھ روانہ کیا، چنانچہ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ ان حضرات کو لے کر خیبر پہنچے (۱)۔ ابن اسحاق نے ان حضرات کی تعداد سولہ بتلائی ہے (۲)۔ یہ اشعریین کے علاوہ ہیں۔

فوافقنا النبي ﷺ حين افتتح خيبر، فأسهم لنا أو قال: فأعطانا منها، وما قسم لأحد غاب عن فتح خيبر منها شيئاً، إلا لمن شهد معه، إلا أصحاب سفينتنا مع جعفر وأصحابه، قسم لهم معهم.

ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت پہنچے جب آپ علیہ السلام خیبر فتح کر چکے تھے، چنانچہ آپ علیہ السلام نے ہمیں بھی غنیمت دی، ہمارے علاوہ جو بھی فتح خیبر سے غائب رہے ان کو آپ علیہ السلام نے اس کی غنیمت میں سے کچھ بھی نہیں دیا، وہ صرف انہی کو ملی جو آپ کے ساتھ شریک غزوہ تھے اور ہم کشتی والے ساتھیوں کو جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ، ان سب کو بھی شرکائے غزوہ کے ساتھ تقسیم غنیمت میں شریک کیا۔

یہ شرکت کس مد سے تھی؟

اس حدیث میں ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے غنائم میں ہمیں شرکائے غزوہ کے ساتھ شریک فرمایا۔ تاہم سوال یہ ہے کہ یہ شرکت کس بنیاد پر تھی، کیوں کہ غنیمت تو ان لوگوں کو ملتی ہے، جو شریک و ہمیم فی الغزوہ ہوں، جب کہ یہاں انہوں نے خود ہی تصریح کر دی کہ وہ شریک نہیں تھے، بلکہ فتح کے بعد حاضر ہوئے تھے؟

اس اشکال کے جوابات پیچھے ہم ذکر کر آئے ہیں اور مغازی میں اس پر بحث آچکی ہے، البتہ اختصاراً ان جوابات کو دوبارہ ہم یہاں ذکر کیے دیتے ہیں:

① موسیٰ بن عقبہ فرماتے ہیں کہ اصل غانمین کی اجازت سے آپ علیہ السلام نے ان حضرات کو غنیمت

(۱) سیرۃ ابن ہشام: ۳۶۲/۴/۲، ذکر قدوم جعفر (عدة من حملهم مع عمرو بن أمية).

(۲) حوالہ بالا، وفتح الباری: ۴۸۶/۷.

میں شریک کیا تھا، چوں کہ مستحقین راضی تھے، اس لیے کوئی بات نہیں۔

۲ مال فیء میں سے دیا تھا، جو بغیر قتال کے حاصل ہوا تھا۔

۳ خمس میں سے ان کو عطا فرمایا تھا، خمس میں امام کو اختیار ہوتا ہے، جہاں مرضی صرف کرے، اسی طرف

بقول علامہ کرمانی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا میلان ہے (۱)۔

۴ تحقیقی جواب یہ ہے کہ غنیمت میں اصل یہ ہے کہ تقسیم سے قبل کچھ اور افراد جو قتال میں شریک نہیں

ہوئے تھے، پہنچ جائیں تو وہ بھی شریک فی القسمة ہوتے ہیں، تقسیم کے بعد پہنچیں تو غنیمت کے مستحق نہیں ہوتے،

یہاں بھی یہی ہوا ہے کہ یہ حضرات فتح کے بعد تقسیم غنیمت سے قبل پہنچ گئے تھے، اس لیے شریک فی القسمة

ہوئے (۲)۔ حافظ نے بھی مختلف احتمالات ذکر کرنے کے بعد اسی آخری احتمال کو رائج قرار دیا ہے (۳)۔

اس مسئلے میں تفصیل پیچھے باب الغنیمۃ لمن شهد الوقعة وغیرہ میں آچکی ہے۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

اس حدیث کی مناسبت ترجمۃ الباب کے ساتھ اس دعوے کی بنیاد پر ہے کہ اشعریین وغیرہ کو جو کچھ عطا

کیا گیا تھا، وہ خمس میں سے تھا، اسی پر ابو عبید نے بھی کتاب الاموال میں جزم کیا ہے۔ چنانچہ ترجمہ کے لفظ

”من الخمس“ کے ساتھ اس کی مناسبت ہوگی (۴)۔

باب کی چھٹی حدیث حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۶۸ : حَدَّثَنَا عَلِيُّ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُكَدِّرِ : سَمِعَ جَابِرًا رَضِيَ

اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : (لَوْ قَدْ جَاءَنِي مَالُ الْبَحْرَيْنِ لَقَدْ أُعْطَيْتُكَ هَكَذَا وَهَكَذَا

وَهَكَذَا) . فَلَمْ يَجِبْ حَتَّى قُبِضَ النَّبِيُّ ﷺ . فَلَمَّا جَاءَ مَالُ الْبَحْرَيْنِ ، أَمَرَ أَبُو بَكْرٍ مُنَادِيًا فَنَادَى :

(۱) عمدة القاري: ۶۰/۱۵، وشرح الكرماني: ۱۰۸/۱۳.

(۲) إعلال السنن: ۱۲۲/۱۲.

(۳) فتح الباري: ۶/۲۴۱-۲۴۲.

(۴) فتح الباري: ۶/۲۴۱.

(۵) قوله: ”سمع جابر رضي الله عنه“: الحديث، مر بخریجه في الكفالة، باب من تكفل عن ميت ديناً.....

مَنْ كَانَ لَهُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ دَيْنٌ أَوْ عِدَّةٌ فَلْيَأْتِنَا ، فَأَتَيْتُهُ فَقُلْتُ : إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ لِي كَذًا وَكَذَا ، فَحَثَا لِي ثَلَاثًا . وَجَعَلَ سُفْيَانُ يَحْثُو بِكَفَيْهِ جَمِيعًا ، ثُمَّ قَالَ لَنَا : هَكَذَا قَالَ ابْنُ الْمُنْكَدِرِ .

وَقَالَ مَرَّةً : فَأَتَيْتُ أَبَا بَكْرٍ فَسَأَلْتُ فَلَمْ يُعْطِنِي ، ثُمَّ أَتَيْتُهُ فَلَمْ يُعْطِنِي . ثُمَّ أَتَيْتُهُ الثَّلَاثَةَ ، فَقُلْتُ : سَأَلْتُكَ فَلَمْ تُعْطِنِي ، ثُمَّ سَأَلْتُكَ فَلَمْ تُعْطِنِي ، ثُمَّ سَأَلْتُكَ فَلَمْ تُعْطِنِي ، فَأَمَّا أَنْ تُعْطِنِي . وَإِمَّا أَنْ تَبْخَلَ عَنِّي ، قَالَ : قُلْتَ تَبْخُلُ عَنِّي ؟ مَا مَنَعْتُكَ مِنْ مَرَّةٍ إِلَّا وَأَنَا أُرِيدُ أَنْ أُعْطِيكَ .

تراجم رجال

۱- علی

یہ مشہور محدث حضرت علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب العلم، ”باب الفہم فی العلم“ کے تحت گزر چکا ہے (۱)۔

۲- سفیان

یہ ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات اجمالاً ببدء الوحي کی ”الحديث الأول“ اور تفصیلاً کتاب العلم، ”باب قول المحدث.....“ کے تحت گزر چکے ہیں (۲)۔

۳- محمد بن المنکدر

یہ محمد بن المنکدر بن عبد اللہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۳)۔

۴- جابر

یہ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہما ہیں (۴)۔

(۱) کشف الباری: ۲۵۶/۳۔

(۲) کشف الباری: ۱/۲۳۸، و: ۳/۱۰۲۔

(۳) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب صب النبي صلى الله عليه وسلم وضوءه.....

(۴) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجين.....

قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لو قد جاءنا مال البحرين لقد أعطيتك هكذا وهكذا وهكذا

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اگر ہمارے پاس بحرین کا مال آیا تو ہم تمہیں تین لپ بھر کر دیں گے۔

حدیث میں جس مال کا ذکر ہے وہ جزیہ کا تھا، آگے کتاب الجزیہ کی حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس کی تصریح آرہی ہے (۱) اور یہ مال حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ نے بھیجا تھا (۲)۔

ابن بطل رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ فرمایا ہے کہ غالباً یہ مال خمس یا مال فیء تھا (۳)، لیکن مذکورہ صراحت کی موجودگی میں اس تاویل کی کوئی ضرورت نہیں (۴)۔

فلم یجئ حتی قبض النبی صلی اللہ علیہ وسلم

تاہم وہ مال نہیں آیا، یہاں تک کہ نبی علیہ السلام دنیا سے پردہ فرما گئے۔

یعنی اس مال موعود کی آمد سے قبل ہی آپ علیہ السلام کا انتقال ہو گیا۔

فلما جاء مال البحرين أمر أبو بكر منادياً، فنادی: من كان له عند رسول الله

صلى الله عليه وسلم دين أو عِدَّة فليأتنا

جب بحرین سے مال آیا تو خلیفہ اول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک منادی کو حکم دیا کہ وہ اعلان

کریں تو انہوں نے اعلان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جس کسی کا قرض یا وعدہ ہو تو وہ ہمارے پاس آئے (کہ ہم اس کو ادا کریں گے یا وعدہ ایفاء کریں گے)۔

اس منادی کا نام بقول حافظ مجھے معلوم نہیں ہو سکا، تاہم غالباً یہ حضرت بذال رضی اللہ عنہ تھے (۵)۔

(۱) انظر صحيح البخاري، كتاب الجزية والموادعة، باب الجزية والموادعة، رقم (۳۱۵۸)۔

(۲) عمدة القاري: ۶۱/۱۵۔

(۳) شرح ابن بطل: ۳۰۱/۵۔

(۴) فتح الباري: ۲۴۲/۶۔

(۵) فتح الباري: ۲۴۲/۶، وأيضاً عمدة القاري: ۶۱/۱۵۔

فأتيتُه، فقلت: إن رسول الله ﷺ قال لي كذا وكذا، فحثالي ثلاثا

سو میں ان کے پاس آیا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے تین لپ بھر کر دینے کا وعدہ فرمایا تھا۔ تو انہوں نے مجھے تین حثیہ مال دیا۔

ثلاثا سے مراد ثلاث حثیات ہے، جو حثیہ کی جمع ہے، یہ ضرب و نصر دونوں سے مستعمل ہے، ایک مٹھی کی مقدار کو کہتے ہیں اور ایک لفظ الحفۃ ہے، اس کے معنی دو مٹھیوں کے مقدار کے ہیں، تاہم ابو عبید نے دونوں کو ہم معنی قرار دیا ہے (۱)، حدیث باب میں دو مٹھیوں کی مقدار، یعنی دونوں ہتھیلیاں برابر مال مراد ہے، جیسا کہ حضرت سفیان نے آگے تصریح کر دی ہے (۲)۔

مطلب یہ ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے مجھے تین مرتبہ دونوں ہاتھ بھر کر مال دیا، یہی وعدہ نبی علیہ السلام نے فرمایا تھا، أعطيتك هكذا وهكذا وهكذا۔

وجعل سفیان يحثو بكفيه جميعا، ثم قال لنا: هكذا قال لنا ابن المنكدر اور حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ ہمیں دونوں ہتھیلیاں بھر بھر کے دکھانے لگے، پھر فرمایا کہ ابن المنکدر رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیں اسی طرح کہا تھا۔

یہ جملہ حضرت ابن المدینی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، اس سے محدثین کے کمال ضبط کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کس طرح ایک ایک جزے کو محفوظ و ضبط فرمالیا کرتے تھے۔

وقال مرة: فأتيت أبا بكر، فسألت، فلم يعطني، ثم أتيتُه، فلم يعطني، ثم أتيتُه الثالثة، فقلت: سألتك، فلم تعطني، ثم سألتك، فلم تعطني، ثم سألتك، فلم تعطني! فإما أن تعطيني، وإما أن تبخل عني

اور ایک مرتبہ فرمایا، میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور ان سے مال طلب کیا، تاہم انہوں نے نہیں

(۱) حوالہ جات بالا۔

(۲) فتح الباری: ۶/۲۴۲۔

دیا، پھر آیا، پھر نہیں دیا، تیسری مرتبہ آیا اور کہا کہ میں نے آپ سے طلب کیا، لیکن آپ نے نہیں دیا، پھر طلب کیا، مگر آپ نے نہیں دیا، پھر تیسری بار درخواست کی، تب بھی آپ نے نہیں دیا۔ اب یا تو آپ مجھے عطا کریں یا میرے معاملے میں بخل سے کام لیں۔

یہاں قائل حضرت سفیان ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۱)۔

قال : قلت تبخل عليّ ، ما منعك من مرة إلا وأنا أريد أن أعطيك

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے (استعجاباً) فرمایا تم یہ کہتے ہو کہ میں نے تمہارے ساتھ بخل کا معاملہ کیا ہے (تو ایسی کوئی بات نہیں)؟ میں نے تو تمہیں جب بھی دینے سے انکار کیا، تو مقصد یہی تھا کہ میں تمہیں ضرور دوں گا۔

یہاں قال کے قائل حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں اور مخاطب حضرت جابر اور قلت جملہ استفہامیہ استعجابیہ ہے، یہاں ہمزہ استفہام حذف ہو گیا ہے، مغازی میں یہی لفظ ہمزہ کے ساتھ اقلت آیا ہے (۲)۔

ممانعت کی وجہ کیا تھی؟

یہاں سوال یہ ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے جب جابر رضی اللہ عنہ کا تقاضا پورا کرنا ہی تھا تو بار بار خالی ہاتھ واپس کیوں لوٹا رہے تھے؟

اس کے مختلف جوابات ہو سکتے ہیں:

① حالاً منع کر رہے تھے، مالا نہیں، یعنی ابھی نہیں دے سکتا، بعد میں آنا۔

② اس معاملے سے اہم معاملات درپیش تھے۔

③ ان کو دیتا دیکھ کر دوسرے لوگ بھی نہ آجائیں، اس لیے منع فرمایا۔

بہر حال ممانعت کلی نہیں تھی (۳)۔ کما ذکر ابو بکر بنفسہ۔

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) صحيح بخاري، كتاب المغازي، باب قصة عمان والبحرين، رقم (۴۳۸۳)۔

(۳) عمدة القاري: ۶۱/۱۵، وفتح الباري: ۲۴۲/۶۔

قال سُفْيَانُ : وَحَدَّثَنَا عَمْرُو : عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ : عَنْ جَابِرٍ : فَحَثْنَا لِي حَبَّةٌ وَقَالَ :
عُدَّهَا ، فَوَجَدْتُهَا خَمْسِيًّا ، قَالَ : فَخُذْ مِثْلَهَا مَرَّتَيْنِ . وَقَالَ : يَعْنِي ابْنُ الْمُنْكَدِرِ : وَأَيُّ دَاءٍ
أَدْوَأُ مِنَ الْبُخْلِ . [ر : ۲۱۷۴]

یہ سند مذکور کے ساتھ متصل ہے اور عمرو سے مراد ابن دینار (۱) اور محمد بن علی (۲) سے مراد حضرت حسین
کے پوتے اور حضرت علی کے پڑپوتے ہیں (۳)۔

حضرت جابر فرما رہے ہیں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہما نے دونوں ہاتھ بھر کے ایک بار دیا اور فرمایا کہ جو دیا ہے
اس کو گنو، تو دیکھا کہ وہ پانچ سو درہم تھے، فرمایا اس کے مثل دوبار اور لے لو۔

اس روایت کو ذکر کرنے کا مقصد اس زیادتی کی طرف اشارہ ہے، جو عمرو بن محمد بن علی کے طریق میں تو
پائی جاتی ہے، لیکن محمد بن المنکدر کے طریق نہیں۔

ابن المنکدر کی روایت تعداد کے اعتبار سے مبہم تھی، تاہم اوپر کے طریق سے وہ ابہام دور ہو گیا اور یہ
معلوم ہو گیا کہ جابر رضی اللہ عنہ کو حاصل ہونے والے درہم پندرہ سو تھے اور ثلاثا کے معنی بھی متعین ہو گئے (۴)۔

وقال - یعنی ابن المنکدر - : وأي داء أدوى من البخل ؟!

اور فرمایا یعنی ابن المنکدر نے کہ اور کون سا مرض بخل سے زیادہ سنگین ہو سکتا ہے!

لفظ ”وقال“ کے قائل حضرت سفیان ہیں اور یعنی کے قائل ابن المدینی ہیں (۵)، مطلب یہ ہے کہ
حضرت سفیان نے وقال فرمایا، اس کی توضیح ابن المدینی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی کہ سفیان کی مراد وقال سے ابن
المنکدر رہیں کہ ابن المنکدر فرماتے تھے کہ بخل سے بڑھ کر اور کون سا مرض سنگین اور خطرناک ہو سکتا ہے؟!

(۱) ان کے حالات کشف الباری، کتاب العلم میں آچکے ہیں، دیکھیے: ۳۰۹/۴۔

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجین.....

(۳) فتح الباری: ۲۴۲/۶، وعمدة القاری: ۶۱/۱۵۔

(۴) فتح الباری: ۲۴۲/۶، تاہم ابن عساکر کی ایک روایت میں ”أعطاني ألفاً وألفاً وألفاً“ آیا ہے، یعنی درہم کی مقدار

تین ہزار تھی۔ تاریخ مدینة دمشق: ۳۰/۳۲۳، حرف العين۔

(۵) فتح الباری: ۲۴۲/۶۔

یہ جملہ کس کا ہے؟

حدیث باب کے ظاہر سے معلوم یہی ہوتا ہے کہ ”وأي داء أدوى من البخل“ والا جملہ ابن المنکدر رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ چنانچہ علامہ ابو یوسف یعقوب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی الخیر الجاری میں اسی کو اختیار کیا ہے (۱)۔ تاہم یہ صحیح نہیں، بلکہ یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقولہ ہے، مغازی میں اس کی تصریح وارد ہوئی ہے، وہاں یہ بھی ہے کہ حضرت ابو بکر نے یہ جملہ تین مرتبہ ارشاد فرمایا (۲)۔

اسی طرح مسند حمیدی میں بھی اس کی صراحت آئی ہے، انہوں نے سفیان سے روایت کرتے ہوئے اس حدیث میں فرمایا ہے، ”وقال ابن المنکدر في حديثه“ (۳)۔ جس سے اس جملے کی نسبت حضرت ابو بکر کی طرف ہونا واضح ہو رہا ہے (۴)۔

لفظ أدوی کی تحقیق

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ محدثین اس لفظ کو غیر مہموز نقل کرتے ہیں، یعنی دوی دوی دوی سے، جس کے معنی پیٹ کے مرض میں مبتلا ہونے کے ہیں، لیکن درست أدوا ہمزہ کے ساتھ ہے، کیوں کہ یہ داء سے ہے، نہ کہ دوی سے (۵)۔

تاہم حافظ علیہ الرحمۃ محدثین کے نقل کردہ لفظ میں تاویل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ شاید انہوں نے ہمزہ میں تسہیل کا قاعدہ جاری کر دیا ہو (۶)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت میں علامہ یعنی رحمۃ اللہ نے تو یہ فرمایا ہے کہ ترجمہ کے

(۱) الخیر الجاری لم أطلع على هذا الكتاب!

(۲) صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب قصة عمان والبحرين، رقم (۴۳۸۳)۔

(۳) مسند الحمیدی: ۵۱۸/۲، أحادیث جابر بن عبد الله، رقم (۱۲۳۳)، وفتح الباری: ۲۴۲/۶۔

(۴) فتح الباری: ۲۴۲/۶، وأيضاً انظر لامع الدراري وتعليقاته: ۳۱۰/۷۔

(۵) حوالہ جات بالا، وعمدة القاري: ۶۱/۱۵۔

(۶) فتح الباری: ۲۴۲/۶۔

جزء ”وما كان النبي ﷺ يعد الناس أن يعطيهم من الفيء والأنفال من الخمس“ اور حدیث کے جملے ”من كان له عند رسول الله ﷺ دين أو عدة“ کی آپس میں مناسبت ہے (۱)۔

علامہ احمد الکورانى الحنفى نے ترجمۃ الباب کے جزء ”من الفيء“ کے ساتھ اس حدیث کی مطابقت بیان کی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ مال جو بحرین سے آیا تھا وہ فیء کا تھا، لہذا مناسبت پائی گئی (۲)۔ اور ابن بطل رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو مال خمس قرار دیا تھا، کما مر قبل۔ اس اعتبار سے مناسبت لفظ الخمس سے ہوگی (۳)۔

جب کہ حافظ علیہ الرحمۃ کی رائے یہ ہے کہ ظاہراً حدیث کی مناسبت ترجمہ کے ساتھ واضح نہیں ہے، تاہم یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ امام بخاری کے نزدیک خمس اور جزیہ کے مصارف چوں کہ ایک ہی ہیں، اس مناسبت سے انہوں نے جزیہ سے متعلق حدیث، خمس کے ترجمہ کے تحت نقل کر دی (۴)۔ باب کی ساتویں حدیث بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۶۹ : حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ أَبِرَاهِيمَ : حَدَّثَنَا قُرَّةُ : حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ : بَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَقْسِمُ غَنِيمَةً بِالْجُعْرَانَةِ ، إِذْ قَالَ لَهُ رَجُلٌ : أَعْدِلْ ، فَقَالَ لَهُ : (لَقَدْ شَقِيتُ إِنْ لَمْ أَعْدِلْ) .

تراجم رجال

۱- مسلم بن ابراہیم

یہ مسلم بن ابراہیم فراہیدی، از دی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الایمان، ”باب أحب

(۱) عمدة القاري: ۶۱/۱۵۔

(۲) الكوثر المجاري: ۱۱۹/۶۔

(۳) شرح ابن بطلال: ۳۰۱/۵۔

(۴) فتح الباري: ۲۴۲/۶۔

(۵) قوله: ”عن جابر.....“: الحديث، أخرجه مسلم، كتاب الزكاة، باب ذكر الخوارج وصفاتهم، رقم

(۲۴۴۹-۲۴۵۰)، وابن ماجه، كتاب السنة، باب في ذكر الخوارج، رقم (۱۷۲)۔

الدين إلى الله أدومه“ کے تحت گزر چکا (۱)۔

۲- قرۃ بن خالد

یہ ابو محمد قرۃ بن خالد سدوسی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

۳- عمرو بن دینار

یہ مشہور تابعی حضرت عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب العلم، ”باب کتابۃ العلم“ کے تحت بیان کیا جا چکا (۳)۔

۴- جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما

یہ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہما ہیں (۴)۔

قال: بينما رسول الله صلى الله عليه وسلم يقسم غنيمة بالجعرانة حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس دوران کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مقام جعرانہ میں غنیمت تقسیم فرما رہے تھے۔

یہ واقعہ کب کا ہے؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب حنین کے غزوہ سے فارغ ہوئے تو مقام جعرانہ تشریف لائے، یہاں آکر آپ نے غنائم حنین کو تقسیم فرمایا، یہ ۵ ذوالقعدہ ۸ ہجری کا واقعہ ہے (۵)۔
مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی چادر سے چاندی نکال نکال کر لوگوں کو تقسیم کر رہے تھے اور مٹھی بھر بھر کے دے رہے تھے (۶)۔

(۱) کشف الباری: ۴۵۵/۲۔

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب مواقیت الصلاة، باب السمر في الفقه.....

(۳) کشف الباری: ۳۰۹/۴۔

(۴) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجين.....

(۵) فتح الباری: ۲۸/۸، و: ۲۹۱/۱۲، و کشف الباری، کتاب المغازی: ۵۵۳۔

(۶) صحیح مسلم، کتاب الزکاة، باب ذکر الخوارج وصفاتهم، رقم (۲۴۴۹)۔

إذ قال له رجل: اعدل

تو ایک آدمی نے آپ علیہ السلام کو خطاب کر کے کہا کہ عدل کرو۔

یہ آدمی کون تھا؟

یہاں رجل مبہم ہے، اسی طرح مسلم شریف کی روایت میں بھی ”رجل“ مبہم ہے (۱)۔

تاہم شراح نے دیگر روایات کو سامنے رکھ کر اس کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہاں دو واقعات ہیں، ایک تو حدیث باب کا واقعہ، جس میں چاندی کی تقسیم کا ذکر ہے، دوسرا واقعہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، یہ واقعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ کرنے کے بعد کا ہے، جو ۹ ہجری کو پیش آیا، اس میں سونا تقسیم کیا گیا تھا، وہ بھی صرف چار افراد کے درمیان۔

اب یہ دو قصے ہوئے، دونوں میں ایک شخص نے نبی علیہ السلام کی تقسیم پر اعتراض کیا، تاہم ابوسعید خدری کی روایت میں معترض کے نام کی صراحت کی گئی ہے کہ وہ ذوالخویصرہ تمیمی تھا (۲) اور حضرت جابر کی روایت میں معترض کے نام کی تصریح نہیں کی گئی۔

اس ابہام کو رفع کرنے کے لیے بعض حضرات نے تو یہ کہہ دیا کہ حدیث باب میں بھی رجل مبہم سے مراد ذوالخویصرہ تمیمی ہے، لیکن بنیاد یہ قائم کی کہ دونوں روایات میں ایک ہی قصہ ہے، لیکن اس کو حافظ نے وہم قرار دیا ہے۔

پھر حافظ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت جابر کی حدیث کا ایک شاہد بھی مل گیا، اس میں بھی رجل مبہم ہے،

(۱) حوالہ بالا، وسنن سعید بن منصور: ۳۲۲/۲، کتاب الجہاد، باب جامع الشہادۃ، رقم (۲۹۰۲)۔

(۲) صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوة فی الإسلام، رقم (۳۶۱۰)، وکتاب الأدب، باب ماجاء فی قول الرجل: ویلک، رقم (۶۱۶۳)، وکتاب استتابة المرتدین، باب من ترک قتال الخوارج للتألف.....، رقم (۶۹۳۳)۔ حضرت ابوسعید کی یہ روایت بخاری میں کئی مقامات پر آئی ہے، لیکن ہم نے صرف ان مقامات کی تخریج کی ہے، جن میں ذوالخویصرہ کے نام کی تصریح آئی ہے، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث کی شرح کے لیے دیکھیے، کشف الباری، کتاب المسغازی، باب بعث النبی.....: ۵۷۱-۵۷۴، وکتاب الأدب، باب ماجاء فی

قول الرجل: ویلک: ۵۸۱-۵۸۲۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام کے پاس غزوہ حنین کے موقع پر ایک آدمی آیا، جب کہ آپ علیہ السلام کچھ تقسیم فرما رہے تھے، تو اس آدمی نے کہا، ”یا محمد، اعدل“۔ تاہم حضرت عبداللہ بن عمرو کی اس حدیث کے ابہام کو محمد بن اسحاق نے سند حسن کے ساتھ رفع کیا ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ ذوالخویصرہ تھا (۱)، اس روایت کی تخریج امام احمد و طبری نے بھی کی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

”أني ذوالخويصرة التميمي رسول الله صلى الله عليه وسلم، وهو

يقسم الغنائم بحنين، فقال: يا محمد.....“ (۲)۔

چنانچہ ان روایات کے ذریعے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت کے رجل مبہم کی تعیین ہو گئی ہے، کہ وہ ذوالخویصرہ تھا، دونوں واقعات میں تطبیق کے لیے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ معترض ہر دو جگہ یہی شخص تھا، حنین کی جب غنیمتیں تقسیم ہو رہی تھیں اس وقت بھی ذوالخویصرہ نے اعتراض کیا اور حضرت علی کے بھیجے ہوئے سونے (ذہب) کی تقسیم کے وقت بھی اسی نے اعتراض کیا (۳)۔ واللہ اعلم بالصواب علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حدیث باب میں رجل مبہم کو ذوالخویصرہ کہا ہے اور اسی کو ترجیح بھی دی ہے (۴)۔

علامہ ذہبی وغیرہ نے ذوالخویصرہ کا نام حرقوص بن زہیر نقل کیا ہے (۵)۔

قال: لقد شقيتُ إن لم أعدل

نبی علیہ السلام نے فرمایا میں شقی ہو جاؤں گا اگر عدل نہ کروں۔

(۱) سیرۃ ابن ہشام: ۴/۴۹۶، أمر أموال هوازن، اعتراض ذي الخويصرة التميمي.

(۲) مسند أحمد: ۲/۲۱۹، مسند عبد الله بن عمرو، رقم (۷۰۳۸)، وتاريخ الأمم والملوك للطبري: ۱۷۶/۲، سنة ۵۸.

(۳) فتح الباري: ۱۲/۲۹۱، وفتح الملهم، كتاب الزكاة، باب ذكر الخوارج: ۵/۱۴۸، رقم (۲۴۲۴).

(۴) عمدة القاري: ۱۵/۶۲، ورأى ابن الجوزي أيضاً في كشف المشكل: ۱/۷۱۱، وقال: ”هذا الرجل يقال له: ذوالخويصرة، كذلك ذكره أبو سعيد الخدري في مسنده“.

(۵) عمدة القاري: ۱۵/۶۲، ومثله عند الحافظ في الفتح: ۱۲/۲۹۲، كتاب استنابة المرتدين، رقم (۶۹۳۳).

شقیّت کے معنی

لفظ شقیّت میں دو احتمال ہیں، متکلم کا صیغہ ہو یا مخاطب کا۔ تاہم اکثر حضرات نے تائے مضمومہ کے ساتھ، متکلم کا صیغہ نقل کیا ہے، اس کے معنی واضح ہیں کہ اگر عدل سے کام نہ لوں تو میں شقی ہو جاؤں گا۔

یہاں یہ واضح رہے کہ شرط کے ساتھ یہ لازم نہیں کہ وہ واقع بھی ہو، کیونکہ نبی علیہ السلام ان میں سے ہرگز ہرگز نہیں، جو عدل نہ کریں کہ ان کو شقاوت لازم ہو، بلکہ آپ تو عادل ہیں، اس لیے شقی نہیں ہو سکتے (۱)۔

دوسری طرف قاضی عیاض تاء کو مفتوح یعنی خطاب کا صیغہ کہتے ہیں، اسی کو علامہ نووی اور ابن الجوزی ترجیح دیتے ہیں، نیز اسماعیلی نے اپنی ایک روایت، جو وہ اپنے شیخ المنعمی سے نقل کرتے ہیں، میں عثمان بن عمر عن قرۃ (رحمہم اللہ) کے طریق سے مفتوح ہی نقل کیا ہے (۲)۔

اس صورت ثانیہ میں اس جملہ کا مطلب یہ ہوگا کہ تم تو گمراہ ہو گئے کہ ایسے شخص کی اقتدا (اپنے زعم میں) کر رہے ہو جو عادل نہیں ہے، ظاہر ہے کہ ظالم کا مقتدی و تبع بھی ظالم ہی ہوتا ہے۔

دوسرا مطلب یہ ہوگا کہ تم تو گمراہ و بد بخت ہو گئے کہ اپنے نبی کے بارے میں تم اس قسم کا اعتقاد رکھتے ہو، جو کوئی مسلمان نہیں رکھ سکتا۔ تم تو اسلام سے نکل گئے، ظاہر ہے کہ جو اس سے نکل گیا وہ شقی و بد بخت ہی ہوا (۳)۔ واللہ اعلم

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ بظاہر کوئی مطابقت نہیں ہے، تاہم یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ فی، انفال، غنائم، اور اخماس میں نبی علیہ السلام کو تصرف کا حق حاصل تھا اور حدیث میں تقسیم غنائم کا ذکر ہے، جب ہ ترجمۃ الباب میں اس پر دلالت موجود ہے، اس طرح مطابقت کچھ کچھ تو ہو جائے گی، لیکن یہ تکلف

(۱) فتح الباری: ۲۴۳/۶، و عمدة القاری: ۶۲/۱۵، وإرشاد الساری: ۲۱۸/۵، و کشف المشکل من حدیث الصحیحین: ۷۱۱/۱۔

(۲) حوالہ جات بالا، وانظر أخبار مكة للفاکھی: ۶۳/۵، رقم (۲۸۴۳)، ذکر مسجد الجعراة وما جاء فيه۔

(۳) حوالہ جات بالا، غیر أخبار مكة.....، والکوثر الجاری: ۱۱۹/۶۔

وتعسف سے خالی نہیں۔ هذا ما قاله العيني (۱)۔

علامہ کورانی حنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ترجمہ کے ساتھ حدیث کی مطابقت اس آدمی کے قول ”اعدل“ میں ہے، کیوں کہ جب ذوالخویصرہ نے دیکھا کہ آپ مولفہ القلوب کو بہت زیادہ مال دے رہے ہیں تو اس کو اعتراض ہوا اور مولفہ القلوب کو دیا جانے والا مال خمس سے تھا (۲)۔ ترجمہ میں تو خمس کا ذکر صراحتہ موجود ہے، تو مطابقت پائی گئی۔ واللہ اعلم بالصواب

۱۶ - باب : ما منَ النَّبِيِّ ﷺ عَلَى الْأَسَارَى مِنْ غَيْرِ أَنْ يُخَمَّسَ .

ترجمہ الباب کا مقصد

یہاں بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی وہی بات دہرا رہے ہیں کہ امام وقت کو غنیمت میں کئی اختیار حاصل ہے، وہ غنیمت میں ہر طرح کا تصرف کر سکتا ہے، اگر تخمیس سے پہلے دے تو بھی ٹھیک ہے اور تخمیس کے بعد دے تو بھی درست ہے (۳)۔ کیفما رأيت مصلحته .

وجہ استدلال یہ ہے کہ نبی علیہ السلام قیدیوں پر کبھی تو اصل غنیمت کے ذریعے احسان کرتے تھے اور کبھی خمس کے ساتھ، جس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ آپ علیہ السلام کو اصل غنیمت میں بھی اختیار کئی حاصل تھا، ترجمہ الباب میں ”من غیر أن یخمس“ سے مراد اصل غنیمت ہے اور تخمیس کا بغیر احسان کرنے کے معنی ہیں بلا فدیہ لیے چھوڑ دینا (۴)، کیوں کہ اس وقت تک خمس کا حکم نازل نہیں ہوا تھا، خمس کا حکم بدر کے بعد آیا ہے، حسب القول المشہور .

(۱) عمدة القاري: ۶۱/۱۵ .

(۲) الكوثر الجاري: ۱۱۹/۶، ومثله قال السهاري نفوري رحمه الله في ”الأبواب والتراجم“: فيقول: ”والأوجه عند هذا العبد الضعيف أن النبي صلى الله عليه وسلم لما أعطى بعضهم أزيد من بعض، حمله المعترض على خلاف العدل، كما عند مسلم (رقم ۲۴۴۹)؛ فإنه أخرج الحديث أتم مما في البخاري، وكان تصرفه صلى الله عليه وسلم ذلك من الخمس، فطابق الحديث الترجمة“. الأبواب والتراجم: ۲۰۷/۱ .

(۳) عمدة القاري: ۶۲/۱۵، وفتح الباري: ۲۴۳/۶ .

(۴) حوالہ جات بالا .

جب کہ ابن بطل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں وجہ استدلال یہ ہے کہ نبی السلام کے لیے یہ بات بالکل درست نہیں کہ کسی ایسے امر یا ایسی چیز کی بابت کچھ بتلائیں جو اگر حقیقتاً واقع ہو جائے تو جائز نہ ہو، یعنی جائز فعل کے بارے میں ہی آپ بتلائیں گے، ایسا نہیں ہو سکتا کہ نبی علیہ السلام کی بیان کردہ کوئی چیز وقوع سے پہلے تو جائز ہو اور وقوع کے بعد ناجائز، اس سے ثابت ہوا کہ امام کے لیے یہ جائز ہے کہ وہ قیدیوں کو فدیہ لیے بغیر چھوڑ دے (۱)۔ یہ فعل اگر جائز نہ ہوتا تو آپ علیہ السلام ہرگز مطعم بن عدی کی حیات کی تمنا نہ کرتے، جائز تھا اسی لیے تو تمنا کی کہ اگر وہ سفارش کرتا تو میں ان کو فدیہ لیے بغیر چھوڑ دیتا۔

غانمین غنیمت کے مالک کب ہوتے ہیں؟

اسی حدیث سے یہ مسئلہ بھی مستنبط ہوا کہ غانمین غنیمت کے مالک اس وقت ہوتے ہیں جب مال تقسیم کے بعد ان کے ہاتھ میں آجائے۔ یہی مالکیہ اور حنفیہ کا مذہب ہے۔ جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ نفس غنیمت کے حصول سے ہی وہ مالک بن جاتے ہیں (۲)۔

۲۹۷۰ : حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مَنْصُورٍ : أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ : أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ ، عَنْ الزُّهْرِيِّ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرٍ ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ (۳) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ فِي أُسَارَى بَدْرٍ : (لَوْ كَانَ الْمُطْعَمُ بْنُ عَدِي حَيًّا ، ثُمَّ كَلَّمَنِي فِي هَؤُلَاءِ النَّتْنِ ، لَتَرَكْتُهُمْ لَهُ) . [۳۷۹۹]

تراجم رجال

۱- إسحاق بن منصور

یہ ابو یعقوب اسحاق بن منصور کونج رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲- عبد الرزاق

یہ صاحب مصنف، امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں کے حالات کتاب

(۱) شرح ابن بطل : ۳۰۴/۵ ، وفتح الباری : ۲۴۳/۶ .

(۲) فتح الباری : ۲۴۳/۶ ، وعمدة القاری : ۶۲/۱۵-۶۳ .

(۳) قولہ : "عن أبيه رضي الله عنه" : الحديث ، أخرجه البخاري أيضاً ، كتاب المغازي ، باب (بلا ترجمه) بعد

باب شهود ، رقم (۴۰۲۴) ، وأبو داود ، كتاب الجهاد ، باب في المن على الأسير بغير فداء ، رقم (۲۶۸۹) .

الإيمان، "باب حسن إسلام المرء....." کے تحت گزر چکے (۱)۔

۳- معمر

یہ معمر بن راشد رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ بدء الوحي کی "الحديث الخامس" کے تحت آچکا ہے (۲)۔

۴- الزهري

یہ ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات اجمالاً "بدء الوحي" کے تحت بیان کیے جا چکے (۳)۔

۵- محمد بن جبیر

یہ محمد بن جبیر بن مطعم بن عدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۴)۔

۶- أبيه

یہ مشہور صحابی حضرت جبیر بن مطعم قرشی رضی اللہ عنہ ہیں (۵)۔

أن النبي ﷺ قال في أسارى بدر: لو كان المطعم بن عدي حيا، ثم كلمني في هؤلاء النتنى لتركتهم له

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے قیدیوں کے متعلق یہ فرمایا کہ اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا، پھر میرے سامنے ان بدبودار لوگوں کی سفارش کرتا تو میں اس کی خاطر ان سب کو چھوڑ دیتا۔

(۱) کشف الباری: ۴۲۰/۲-۴۲۱۔

(۲) کشف الباری: ۴۶۵/۱۔

(۳) کشف الباری: ۳۲۶/۱، الحديث الثالث۔

(۴) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الأذان، باب الجهر في المغرب۔

(۵) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الغسل، باب من أفاض على رأسه ثلاثاً۔

مطعم بن عدی کی تخصیص کی وجہ

یہ صاحب مکہ کے روستاء میں سے تھے اور حالتِ شرک میں ہی ان کا انتقال ہوا تھا، لیکن ان کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر دو احسانات تھے، ایک تو یہ کہ نبی علیہ السلام جب طائف دعوت کے لیے گئے اور واپس آئے تو اس وقت مطعم ہی نے آپ کو پناہ دی تھی۔

دوسرا احسان یہ تھا کہ مشرکین مکہ نے جب بنو ہاشم و بنو مطلب کا مقاطعہ کیا تھا تو اس مقاطعے کو ختم کروانے میں ان کا بڑا کردار تھا (۱)۔

انہی احسانات کو سامنے رکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا جملہ ارشاد فرمایا۔

السنٹی یہ جمع ہے، اس کا مفرد نَتْنٌ وَنَتْنٌ ہے، جیسا کہ زَمْنٌ کی جمع زَمْنٌ اور جَرِيحٌ کی جمع جَرَحٌ ہے، یہ بدبودار کے معنی میں ہے اور اسارائے بدر مراد ہیں (۲)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت بایں معنی ہے کہ نبی علیہ السلام اس خواہش کا اظہار کر رہے ہیں کہ اگر ایسا ہوتا تو میں ایسا کرتا، ظاہر ہے کہ وہ مذکورہ خواہش اگر جائز نہ ہوتی تو اس کا اظہار کیوں کیا جاتا؟ معلوم ہوا کہ امام غنائم میں تصرف کلی رکھتا ہے، خمس نکالے بغیر بھی غنیمت میں تصرف کر سکتا ہے (۳)۔

واللہ اعلم بالصواب



(۱) عمدة القاري: ۶۲/۱۵، وکشف الباري، کتاب المغازی: ۱۷۲۔

(۲) العمدة: ۶۲/۱۵، والفتح الباري: ۲۴۴/۶، وأعلام الحديث للخطابي: ۱۴۵۵/۲، والکوثر الجاری: ۱۲۰/۶۔

(۳) عمدة القاري: ۶۲/۱۵، وشرح ابن بطلال: ۳۰۴/۵۔

قال الکوراني رحمه الله (الکوثر الجاری: ۱۲۰/۶): "فإن قلت: ليس في الباب دلالة على أنه من"

على أحد من غير أن يخلص؟

قلت: قوله: "لو كان مطعم حياً، وكلمني فيهم لتركتهم له" كاف في الدلالة۔

۱۷ - باب : وَمِنَ الدَّلِيلِ عَلَى أَنَّ الْخُمْسَ لِلْإِمَامِ ، وَأَنَّهُ يُعْطَى بَعْضَ قَرَائْتِهِ دُونَ بَعْضٍ :
مَا قَسَمَ النَّبِيُّ ﷺ لِبَنِي الْمُطَّلِبِ وَبَنِي هَاشِمٍ مِنْ خُمْسٍ خَيْرَ .

ترجمہ الباب کا مقصد

یہ ایک اور باب ہے، سابق میں اس طرح کے کئی ابواب گزر چکے ہیں، یہاں بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ فرما رہے ہیں کہ امام و حاکم خمس کے معاملے میں تصرف کلی رکھتے ہیں، جس طرح چاہیں اس میں تصرف کریں، اپنے بعض رشتے داروں کو دیں اور بعض کو محروم رکھیں (۱)۔

پیچھے باب ”وَمِنَ الدَّلِيلِ عَلَى أَنَّ الْخُمْسَ لِنَوَائِبِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.....“ میں مذاہب کی تفصیل گزر چکی ہے، اس میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ احناف کے نزدیک ذوی القربی کا حق اب ساقط ہو گیا ہے۔ جب کہ امام مالک ان کو مصرف خمس تو مانتے ہیں، تاہم مستحق خمس نہیں۔ وہیں یہ بھی ذکر کیا گیا تھا کہ امام بخاری ان مسائل میں امام مالک کے ہم نوا ہیں، زیر نظر باب بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، چنانچہ مصنف کی رائے کے مطابق ذوی القربی مستحق نہیں ہیں، صرف مصرف ہیں، دیگر مصارف خمس کی طرح، امام کو اختیار ہے جہاں چاہے خرچ کرے، ذوی القربی کو دے یا نہ دے، گویا یہ باب ذوی القربی سے متعلق ہے۔ مزید تفصیل کے لیے محولہ باب دوبارہ دیکھ لیا جائے۔

یہ تو امام بخاری کا دعویٰ ہے اور دلیل میں انہوں نے ایک تو حضرت عمر بن عبدالعزیز کا قول نقل کیا ہے، دوسری حضرت جبیر رضی اللہ عنہ کی حدیث نقل کی ہے۔

ترجمہ الباب کے الفاظ میں تقدیم و تاخیر ہے، چنانچہ ”وَمِنَ الدَّلِيلِ دُونَ بَعْضٍ“ تک خبر مقدم ہے اور ”مَا قَسَمَ النَّبِيُّ ﷺ إِلَى آخِرِهِ“ مبتدائے موخر ہے (۲)۔

بنی المطلب سے مراد المطلب بن عبد مناف ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبد المطلب کے چچا ہیں، یہ چار بھائی تھے، مطلب، ہاشم، نوفل اور عبد شمس، ان سب کے والد عبد مناف ہیں (۳)۔

(۱) عمدة القاري: ۶۳/۱۵، والكوثر الجاري: ۱۲۱/۶، والأبواب والتراجم: ۲۰۷/۱۔

(۲) عمدة القاري: ۶۳/۱۵۔

(۳) حوالہ بالا، وسيرة ابن هشام: ۱۰۶/۱، أولاد عبد مناف وأمهاتهم، مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔

قَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ : لَمْ يَعْصِهِمْ بِذَلِكَ ، وَلَمْ يَخْصُ قَرِيبًا دُونَ مَنْ هُوَ أَحْوَجُ إِلَيْهِ ، وَإِنْ كَانَ الَّذِي أُعْطِيَ لِمَا يَشْكُرُ إِلَيْهِ مِنَ الْحَاجَةِ ، وَلِمَا مَسَّهُمْ فِي جَنْبِهِ ، مِنْ قَوْمِهِمْ وَحُلَقَائِهِمْ .

تعلیق مذکور کی لغوی و نحوی تحلیل

اس تعلیق کو سمجھنے سے قبل اس کی لغوی و نحوی تحلیل دیکھ لیجیے۔

لَمْ يَعْصِ میں ضمیر فاعل نبی علیہ السلام اور ضمیر مفعول ”ہم“ قریش کی طرف لوٹ رہی ہے، جو آپ علیہ السلام کے اقارب ہیں۔

بِذَلِكَ سے مراد بسا قسمہ یعنی تقسیم غنیمت ہے، یا إعطاء الخمس ہے، ثانی الذکر رائج ہے، کیوں کہ بحث خمس کی چل رہی ہے۔

دُونَ مَنْ أَحْوَجُ إِلَيْهِ میں موصول کا عائد یعنی ”ہو“ محذوف ہے، اصل عبارت یوں ہونی چاہیے تھی: ”دُونَ مَنْ هُوَ أَحْوَجُ إِلَيْهِ“ ابن مالک کہتے ہیں کہ ایسا بہت قلیل ہوتا ہے کہ موصول کا عائد محذوف ہو، چنانچہ آیت قرآنی ﴿تَسَامَا عَلَى الَّذِي أَحْسَنَ﴾ (۱) میں ایک قرات یحییٰ بن یعمر کی ہے، وہ أَحْسَنُ کو بضم النون روایت کرتے ہیں، اس کو ضعیف اسی بنیاد پر قرار دیا گیا ہے کہ اس میں حذف العائد پایا جاتا ہے، یعنی اصل عبارت یہ ہے: ”تَسَامَا عَلَى الَّذِي هُوَ أَحْسَنُ“۔

مزید فرماتے ہیں کہ اگر کلام طویل ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں، اس کی دلیل آیت قرآنی: ﴿وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهُ وَفِي الْأَرْضِ إِلَهُ﴾ (۲) ہے، اس میں بھی حذف عائد پایا جاتا ہے کہ اصل عبارت یہ ہونی چاہیے: ”وَفِي الْأَرْضِ هُوَ إِلَهُ“ تاہم یہ مضر نہیں کہ کلام طویل ہے۔

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض نسخوں میں ”دُونَ مَنْ هُوَ أَحْوَجُ إِلَيْهِ“ مذکور ہے، اس صورت میں اس سارے تکلف کی ضرورت نہیں۔

اور ”أَحْوَجُ“ أَحْوَجُہ إِلَيْهِ غیرہ سے ہے، احتاج یعنی محتاج ہونے کے معنی میں ہے۔

أُعْطِيَ کو اکثر حضرات نے معروف قرار دیا ہے، اس صورت میں ضمیر نبی علیہ السلام کی طرف راجع

(۱) الأنعام: ۱۵۴۔

(۲) الزخرف: ۸۴۔

ہوگی۔ جب کہ علامہ عینی اسے مجہول قرار دیتے ہیں اور اس کے معنی یہ بیان کرتے ہیں: ”وإن كان الذي أُعطي أبعد قرابة ممن لم يعط“ یہاں خبر کان محذوف ہے، یعنی ممن لم يعط۔

”لَمَّا يَشْكُو.....“ جملہ تعلیل ہے، کہ دور کے رشتے دار کو دینے کی علت بیان ہو رہی ہے۔

”وَلَمَّا مَسْتَهُم“ یہ پہلے والے لما پر عطف ہے اور دونوں جگہ لَمَّا لام مکسورہ کے ساتھ ہے، یہ لَمَّا، میم مشدودہ کے ساتھ نہیں ہے۔

”جنبہ“ یہ جانب کے معنی میں ہے، یعنی طرف اور جہت۔

”خلفاء ہم“ حاء مہملہ کے ساتھ حلیف کی جمع ہے۔ اور اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام

رضی اللہ عنہم کو قریش مکہ اور ان کے حلیفوں کی طرف سے جواز بیتیں وغیرہ دی گئی تھیں ان کی طرف اشارہ ہے (۱)۔

تعلیق مذکور کا مطلب

حضرت عمر بن عبدالعزیز کی اس تعلیق کا مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوی القربی (قریش) میں سے سب کو نہیں دیا، نہ ہی یہ کیا کہ جو زیادہ محتاج ہے اس کی احتیاج کو نظر انداز کر کے قریب کو دیا، بلکہ اس کے برعکس کیا کہ ایک قریب ہے، زیادہ محتاج نہیں، دوسرا بعید ہے، لیکن زیادہ محتاج ہے تو جو زیادہ محتاج ہے اور قریب وہ نہیں اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا اور قریب غیر محتاج کو نہیں دیا۔

اور اس دینے میں دو چیزوں کی رعایت رکھی، جن کا بیان ”لَمَّا يَشْكُو..... إلى آخره“ میں ہے، ایک احتیاج و ضرورت، دوسری چیز حمایت و نصرت کہ ابتدائے اسلام میں جب مسلمانوں پر غموں کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے، اس وقت یہ لوگ ظلم و ستم کے مقابلے میں ڈٹے رہے اور اللہ اور اس کے رسول کی نصرت و اعانت کرتے رہے (۲)۔

تعلیق مذکور کا مقصد

اس تعلیق کا مقصد اوپر کی تقریر سے واضح ہو چکا ہے کہ امام کو اختیار ہے کہ مال خمس کو جہاں مرضی صرف کرے، اس میں کسی کی تخصیص نہیں ہے، یہی امام مالک کا مذہب ہے، جس کو امام بخاری نے اختیار کیا ہے۔

(۱) عمدة القاري: ۶۳/۱۵، وفتح الباري: ۲۴۴/۶، وإرشاد الساري: ۲۱۹/۵، وشرح ابن بطلال: ۳۰۶/۵۔

(۲) عمدة القاري: ۶۳/۱۵، وفتح الباري: ۲۴۴/۶، وشرح القسطلاني: ۲۱۹/۵۔

تعلیق کی ترجمہ سے مناسبت

اس تعلیق کی ترجمہ الباب کے ساتھ مناسبت اب بالکل واضح ہو گئی ہے، امام بخاری نے تصرف کلی کا جو دعویٰ کیا تھا، اس پر حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا ارشاد واضح طور پر دلالت کر رہا ہے۔

اس تعلیق سے ضمناً احناف کا مذہب بھی ثابت ہو رہا ہے، وہ یہ فرماتے ہیں کہ ذوی القربیٰ بہم کے مستحق احتیاج و نصرت کی بنا پر ہوں گے، انہی دونوں کو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ”نما یشکو.....“ الی آخرہ“ میں بیان کیا ہے۔ تفصیل سابق میں گزر چکی ہے (۱)۔

تعلیق مذکور کی تخریج

اس تعلیق کو ابو زید عمر بن شبہ نے اپنی کتاب اخبار المدینہ میں موصولاً و مطولاً نقل کیا ہے، اس میں یہ ایک خط کی شکل میں ہے، جو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قریشی کو لکھا تھا، اس کے ابتدائی جملے یہ تھے:

”أما بعد! فإن الله تبارك وتعالى أنزل القرآن على محمد، هدى

وبصائر لقوم يؤمنون.....“ (۲)۔

۲۹۷۱ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ : عَنْ عُقَيْلٍ : عَنْ ابْنِ شِهَابٍ .
عَنِ ابْنِ الْمُسَيَّبِ : عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ (۳) قَالَ : مَشَيْتُ أَنَا وَعُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ .
فَقُلْنَا : يَا رَسُولَ اللَّهِ ، أُعْطِيتَ بَنِي الْمُطَّلِبِ وَتَرَكْتَنَا ، وَنَحْنُ وَهُمْ مِنْكَ بِمَنْزِلَةٍ وَاحِدَةٍ ؟ فَقَالَ
رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : (إِنَّمَا بَنُو الْمُطَّلِبِ وَبَنُو هَاشِمٍ شَيْءٌ وَاحِدٌ) .

(۱) دیکھیے، باب ومن الدلیل علی أن الخمس لنوائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم.....، باب رقم (۶)۔
(۲) تعلیق التعلیق: ۴۷۸/۳، و کتاب أخبار المدینة: ۱۳۲/۱، خصومة علي والعباس إلى عمر رضي الله عنهم-، رقم (۵۷۷)۔

اور حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے حالات کے لیے دیکھیے، كشف الباري: ۱/۶۲۳۔

(۳) قولہ: ”عن جبیر.....“ الحديث، أخرجه البحاري أيضاً، كتاب المناقب، باب مناقب قریش، رقم (۳۵۰۲)، و کتاب المغازی، باب غزوة خيبر، رقم (۴۲۲۹)، وأبو داود، كتاب الخراج والإمارة.....، باب بيان مواضع قسم الخمس،..... رقم (۲۹۷۸-۲۹۸۰)، والنسائي، كتاب قسم النبي، رقم (۴۱۴۲-۴۱۴۱)، وابن ماجه، كتاب الجهاد، باب قسمة الخمس، رقم (۲۸۸۱)۔

تراجم رجال

۱- عبد اللہ بن یوسف

یہ عبد اللہ بن یوسف تنیسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات اجمالاً بدء الوحي کی ”الحديث الثاني“ کے تحت گزر چکے (۱)۔

۲- الیث، ۳- عقیل، ۴- ابن شہاب

ان تینوں حضرات کے حالات ”بدء الوحي“ کی ”الحديث الثالث“ کے تحت آچکے (۲)۔

۵- ابن المسیب

یہ مشہور تابعی محدث حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب ایمان، ”باب من قال: إن الإيمان هو العمل“ کے ضمن میں گزر چکا ہے (۳)۔

۶- جبیر بن مطعم

یہ حضرت جبیر بن مطعم بن عدی رضی اللہ عنہ ہیں (۴)۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہ) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! آپ نے بنو المطلب کو تو نوازا، لیکن ہمیں محروم رکھا، جب کہ ہم اور وہ ایک منزلت کے حامل ہیں؟ جواباً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بنو المطلب اور بنو ہاشم تو ایک ہی چیز ہیں۔

(۱) کشف الباری: ۱/۲۸۹۔

(۲) کشف الباری: ۱/۳۲۴-۳۲۶۔

(۳) کشف الباری: ۲/۱۵۹۔

(۴) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الغسل، باب من أفاض على رأسه ثلاثاً۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت پیچھے جو تفصیل گزری، اس کی روشنی میں بالکل واضح اور ظاہر ہے۔

تنبیہ

اس حدیث کی شرح پیچھے کتاب النخمس ہی میں ”باب ومن الدلیل علی أن الخمس لنوائب رسول اللہ.....“ اور کتاب المغازی (۱) میں گزر چکی ہے، تاہم یہاں ہم بعض فوائد کو ذکر کریں گے۔

شیء واحد میں نسخوں اور روایات کا اختلاف

علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث ہم سے حسن بن صالح نے روایت کی ہے اور انہوں نے ابن المنذر سے، اس میں ”سیء واحد“ آیا ہے، یعنی سین مہملہ کے کسرہ اور یاء کی تشدید کے ساتھ، جس کے معنی مثل کے ہیں (۲)۔

حافظ فرماتے ہیں کہ میرے پاس بخاری کا جو اصل نسخہ ہے، اس میں کشمینی کی روایت میں حدیث باب، مغازی میں مستملی کی روایت اور مناقب قریش میں مستملی اور حموی کی روایت میں سیء - بکسر السین المہملہ وتشدید التھیانیۃ - ہی ہے، ابن معین رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی طرح سین مہملہ کے ساتھ روایت کرتے تھے اور خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی روایت کو اجود کہا ہے (۳)۔

تاہم اکثر حضرات نے اس لفظ کو شین معجمہ کے ساتھ نقل کیا ہے، قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بخاری شریف میں تو ہم تک یہی روایت بغیر کسی اختلاف کے پہنچی ہے، لیکن بخاری کے علاوہ میں سیء والی روایت ہے اور اکثر کی نقل کردہ روایت ہی درست اور صواب ہے، اس کی واضح دلیل حدیث کے یہ الفاظ ہیں،

(۱) کشف الباری، کتاب المغازی: ۴۴۴۔

(۲) تلخیص الحبیر، کتاب قسم الفی، والغنیمة: ۱۰۱/۳، رقم (۱۳۸۷)، وکشف المشکل: ۴۷/۴، من مسند حبیر بن مطعم، رقم (۲۸۵۶)۔

(۳) فتح الباری: ۲۴۵/۶، وعمدة القاری: ۶۴/۱۵۔

”وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ“ (۱) کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تشبیک بین الأصابع کی ہے، کہ جس طرح یہ انگلیاں آپس میں باہم ملی ہوئی ہیں، اسی طرح بنو ہاشم اور بنو المطلب بھی آپس میں ایک ہیں۔ چوں کہ یہاں مقصود مساوات کا بیان کرنا ہے، مماثلت کا نہیں اور نبی علیہ السلام یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہم اور بنو المطلب ایک ہی ہیں اور مساوی ہیں (۲)۔

واحد یا أحد

پھر یہ سمجھئے کہ اکثر روایات میں واحد ہے، مگر ابوزید مروزی کی روایت میں شئی، أحد آیا ہے، تو بعض نے کہا کہ دونوں لفظ ہم معنی ہیں (۳)۔

قَالَ اللَّيْثُ : حَدَّثَنِي يُونُسُ ، وَزَادَ : قَالَ جُبَيْرٌ : وَلَمْ يَقْسِمِ النَّبِيُّ ﷺ لِبَنِي عَبْدِ شَمْسٍ وَلَا لِبَنِي نَوْفَلٍ . وَقَالَ أَبُو إِسْحَقَ : عَبْدُ شَمْسٍ وَهَاشِمٌ وَالْمُطَلِبُ إِخْوَةٌ لِأُمِّ . وَأُمُّهُمْ عاتِكةُ بِنْتُ مُرَّةَ . وَكَانَ نَوْفَلٌ أَخَاهُمُ لِأَبِيهِمْ . [۳۳۱۱ ، ۳۹۸۹]

لیث بن سعد کہتے ہیں کہ یہی حدیث مجھے یونس بن یزید ایلی نے بھی روایت کی ہے، انہوں نے اپنی روایت میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے بنو عبد شمس اور بنو نوفل کو شمس میں سے نہیں دیا تھا.....

تعلیق مذکور کی تخریج

اس تعلیق کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے موصولاً و مسنداً کتاب المغازی (۴) میں ذکر کیا ہے، یحییٰ بن کبیر کے طریق سے (۵)۔

تاہم حافظ فرماتے ہیں کہ عبد اللہ بن یوسف عن الیث کے طریق سے بھی یہ روایت میرے پاس ہے،

(۱) یہ الفاظ ابوداؤد کی روایت کے ہیں، دیکھیے، کتاب الخراج.....، باب بیان مواضع قسم الخمس، رقم (۲۹۸۰)

(۲) فتح الباری: ۶/۲۴۵، وعمدة القاری: ۱۵/۶۴.

(۳) حوالہ جات بالا.

(۴) کتاب المغازی، باب غروة خیبر، رقم (۴۲۲۹).

(۵) فتح الباری: ۶/۲۴۵، وعمدة القاری: ۱۵/۶۴، وإرشاد الساری: ۵/۳۱۹.

اس طرح یہ روایت موصول ہوگی، معلق نہیں (۱)، لیکن معلق ہونا زیادہ رائج ہے، کیوں کہ حافظ نے خود بھی اس روایت کو اپنی کتاب تغلیق التعلیق میں تعلیقات میں شمار کیا ہے (۲)۔

تعلیق مذکور کا مقصد

اس کا مقصد واضح ہے، جو لفظ ”وزاد“ میں موجود ہے، کہ لیث نے یونس بن یزید (۳) سے بھی یہ روایت لی ہے، اس میں یہ اضافہ بھی ہے کہ حضرت جبیر بن مطعم (ان کا تعلق بنو نوفل سے تھا) و حضرت عثمان بن عفان (ان کا تعلق بنو عبد شمس سے تھا) رضی اللہ عنہما دونوں کی گزارش کے باوجود انہیں کچھ بھی نہیں دیا، جیسا کہ مغازی کی روایت میں ”شیئاً“ کے الفاظ بھی ہیں۔

ترجمة الباب کے ساتھ تعلیق کی مناسبت

یہاں مناسبت واضح ہے کہ ان دونوں حضرات کی گزارش کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خمس میں سے کچھ بھی نہیں دیا، جو یہ بات ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ ان امور میں اصل تصرف امام ہے، وہ جس طرح اور جہاں چاہے صرف کرے، اس پر کوئی قدغن نہیں۔ واللہ اعلم

وقال ابن اسحاق: عبد شمس وهاشم والمطلب إخوة لأم، وأمهم عاتكة بنت مرة، وكان نوفل أخاهم لأبيهم

اور ابن اسحاق کہتے ہیں کہ عبد شمس، ہاشم اور مطلب ماں شریک بھائی تھے، ان کی والدہ عاتکہ بنت مرہ ہیں۔ اور نوفل ان سب کے باپ شریک بھائی تھے، یعنی ان کی ماں دوسری تھی۔

عبد مناف کی دو بیویوں سے چار زینہ اولاد تھیں، جن میں سے تین کی ماں تو عاتکہ بنت مرہ بن ہلال تھیں، ان کا تعلق بنو سلیم سے تھا۔

(۱) فتح الباری: ۶/۲۴۵۔

(۲) تغلیق التعلیق: ۳/۴۷۹۔

(۳) یونس بن یزید ایلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات اجمالاً بدء الوحی: (۱/۴۶۳) اور مفصلاً کتاب العلم، ”باب من یرد اللہ بہ خیراً.....“ (۳/۲۸۲) کے تحت گزر چکے ہیں۔

جب کہ نوفل کی والدہ واقعہ بنت عمرو ہیں (۱)۔ ان کا تعلق بنو مازن سے تھا (۲)۔

امام ابن جریر نے لکھا ہے کہ ہاشم اور عبد شمس دونوں جڑواں تھے، ولادت کے وقت ہاشم پہلے پیدا ہوئے، لیکن ان کی ایک ٹانگ عبد شمس کے سر کے ساتھ جڑی رہی، الگ کرنے کی کوشش میں دونوں اعضاء (پاؤں اور سر) سے خون بہہ پڑا، اسی وقت لوگوں نے یہ بدشگونی لی کہ ان دونوں کی اولاد میں جنگیں ہوں گی، آگے جا کر ہوا بھی یہی، چنانچہ ایک سو تینتیس/۱۳۳ ہجری میں بنو العباس اور بنو امیہ بن عبد شمس کے درمیان کئی معرکے ہوئے (۳)۔

علاوہ ازیں زبیر بن بکار نے ”نسب“ میں لکھا ہے کہ لوگ ہاشم و مطلب کو ان کی خوب صورتی و جمال کی وجہ سے بدران اور عبد شمس و نوفل کو ابہران کہتے تھے۔ اس میں اس بات کی دلالت ہے کہ ان دونوں میں ایک خاص قسم کا تعلق و محبت تھی، جو بعد میں ان کی اولاد میں بھی جاری و ساری رہی، اسی لیے جب قبائل قریش نے متفق ہو کر بنو ہاشم کا مقاطعہ کیا اور شعب ابی طالب میں انہیں پناہ لینی پڑی تو اس وقت بنو مطلب بھی بنو ہاشم کے ساتھ شعب ابی طالب میں داخل ہوئے، جب کہ بنو عبد شمس اور بنو نوفل قریش کے ساتھ ان کا مقاطعہ کرنے والوں میں شامل رہے اور گھاٹی میں داخل نہیں ہوئے (۴)۔

اس گھاٹی میں دونوں قبائل کے جو لوگ داخل ہوئے، ان میں دونوں قسم کے لوگ تھے، مسلمان اور مشرک۔ مسلمان تو اس لیے داخل ہوئے کہ ان کا جینا مرنا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا تو اللہ و رسول کی اطاعت میں یہ حضرات وہاں محصور رہے۔ اور کفار قبائلی حمیت و غیرت اور ابوطالب کی اطاعت میں وہاں محصور رہے۔

اسی پر ابوطالب نے ایک مشہور قصیدہ کہا ہے، جو ”لامیہ“ سے معروف ہے، اس میں انہوں نے بنو نوفل و بنو عبد شمس کی مذمت بیان کی ہے، یہ قصیدہ ایک سو دس ابیات پر مشتمل ہے، جن میں سے صرف چار ابیات ذیل

(۱) سیرۃ ابن ہشام: ۱/۱۰۶، أولاد عبد مناف وأمهاتهم.

(۲) حوالہ بالا، وفتح الباری: ۶/۲۴۵، وعمدة القاری: ۱۵/۶۴.

(۳) عمدة القاری: ۱۵/۶۴، وتاریخ ابن جریر: ۱/۵۰۴، ذکر نسب رسول اللہ ﷺ، ابن ہاشم.

(۴) فتح الباری: ۶/۲۴۵، والکامل فی التاریخ: ۱/۵۵۴، نسب رسول اللہ ﷺ و ذکر أخبار آبائه.....

میں ہم درج کرتے ہیں:

جزی اللہ عنا عبد شمس ونوفلا عقوبة شر عاجل غیر آجل
بمیزان قسط لا یفیض شعيرة له شاهد من نفسه حق عادل
لقد سفهت أخلاق قوم تبدلوا بنی خلف فیضاً بنا والغیاطل
ونحن الصمیم من ذؤابة هاشم وآل قصي في الخطوب الأوائل (۱)

تعلیق کا مقصد

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ کیا یہ سب نسب میں بالکل برابر ہیں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ کو عطا فرمایا اور کچھ کو عطا نہیں فرمایا، جو اس بات کی دلیل ہے، کہ علتِ راءطاء قرابت نہیں ہے، اسی پر تنبیہ کے لیے امام بخاری نے یہ تعلیق ذکر کی ہے (☆)۔

تعلیق مذکور کی تخریج

امام محمد بن اسحاق، صاحب المغازی کی اس تعلیق کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تاریخ کبیر و صغیر دونوں میں اسماعیل بن ابی اویس کے طریق سے موصولاً نقل کیا ہے (۲)۔
علاوہ ازیں ابن جریر اور زبیر بن بکار نے بھی اس تعلیق کو ذکر کیا ہے (۳)۔

(۱) عمدة القاري: ۶۵/۱۵، وذكر أوله في زاد المعاد: ۳/۳۰، فصل (إسلام حمرة)، وكامله في سيرة ابن هشام: ۲۷۲/۱-۲۸۰، شعر أبي طالب في استعطاف قريش، والروض الأنف: ۱۷۴/۱-۱۷۹، فصل في ذكر قصيدة لامية أبي طالب.....

ترجمہ آیات

- ۱ اللہ ہماری طرف سے عبد شمس اور نوفل کو برابر لہ دے، جو جلد ہو اور غیر موخر ہو۔
- ۲ ایسی میزانِ عدل کے ساتھ، جو ایک جو برابر مقدار بھی نہ چھوڑے، اس پر اسی میں سے کوئی حق گواہ عدل ہو۔
- ۳ اس قوم کے اخلاق خراب ہو گئے، جنہوں نے ہمیں چھوڑ کر بنو خلف بن نجح اور غیاطل (بنو ہبہم) کو اپنایا۔
- ۴ ہم ہاشم و آل قصی کی نسل کے خالص نسب لوگ ہیں، پچھلے زمانوں کے حوادث میں۔

(☆) لامع الدراري: ۳۱۱/۷۔

(۲) فتح الباري: ۲۴۵/۶، وتعلیق التعلیق: ۴۷۹/۳، والتاریخ الكبير: ۴/۱، والتاریخ الصغير: ۶/۱۔

(۳) عمدة القاري: ۶۴/۱۵، وتاریخ ابن جریر: ۵۰۴/۱۔

۱۸ - باب : مَنْ لَمْ يُخَمَّسِ الْأَسْلَابَ ، وَمَنْ قَتَلَ قَتِيلًا فَلَهُ سَلْبُهُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُخَمَّسَ .
وَحُكْمُ الْإِمَامِ فِيهِ .

اسلاب لغوی واصطلاحی

اسلاب جمع ہے سلب کی، سلب سین اور لام مفتوحہ کے ساتھ مصدر بمعنی مسلوب ہے، اس میں ایک لغت بسکون اللام بھی ہے، اس کے معنی ہیں، زبردستی چھیننا ہوا کہ سلبہ کے معنی چھیننے کے ہیں (۱)۔

اصطلاحاً: مایوجد مع المحارب من ملبوس وغیرہ، عند الجمهور (۲) کہ مقاتل کے ساتھ جو لباس ہتھیار وغیرہ ہوتا ہے، اس پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

احکام سلب میں بہت سی تفصیلات ہیں، جن کو ترتیب وار ہم ذکر کریں گے۔

حکم تکلفی (مشروعیت سلب)

جمہور فقہائے امت کا موقف یہ ہے کہ کوئی مسلم جنگ جو دورانِ معرکہ کسی مشرک کو آگے بڑھ کر قتل کرے تو جو کچھ مال و اسباب اس مشرک کے پاس ہوتا ہے، اس کا یہ مقاتل مسلم مستحق ہوتا ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

تاہم اس میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ آیا اس کے لیے امام کی اجازت بھی ضروری ہے یا نہیں؟

تو حنفیہ کے علاوہ دوسرے تمام حضرات، سوائے امام مالک کے، یہ کہتے ہیں کہ اس کے لیے امام کی اجازت کی کوئی ضرورت نہیں، امام سلب کی تصریح کرے یا نہ کرے، مقاتل بہر حال اس کا مستحق ہوگا۔

جب کہ حضرات حنفیہ - کثر اللہ سوادہم - اس کے لیے امام کی اجازت کو شرط قرار دیتے ہیں، مثلاً یہ کہے کہ غنیمت جمع ہونے سے قبل جو کسی کو قتل کرے گا فلا سلبہ، بصورت دیگر سلب بھی غنیمت کا حصہ ہوگا، جو غانمین کے درمیان تقسیم ہوگا (۳)۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "أمر السلب موكول للإمام فيرى فيه رأيه....." (۴)۔

(۱) فتح الباری: ۲۴۷/۶، وعمدة القاری: ۶۵/۱۵، والأوجز: ۱۸۵/۹، والموسوعة: ۱۷۶/۲۵۔

(۲) حوالہ جات بالا، ولسان العرب: ۳۱۷/۶، باب السین، مادة: "سلب"۔

(۳) عمدة القاری: ۶۵/۱۵، وحاشیة ابن عابدین: ۲۶۰/۳، مطلب فی التنغیل، وفتح الباری: ۲۴۸/۶۔

(۴) شرح معانی الآثار: ۱۴۶/۲ - ۱۵۰، باب الرجل يقتل قتيلا في دار الحرب.....

مالکیہ کا مذہب بھی احناف کے قریب قریب ہے، لیکن وہ یہ کہتے ہیں کہ امام کے لیے یہ مناسب نہیں کہ ابتداءً اس طرح کی کوئی بات یا شرط لگائے، ہاں! جنگ ختم ہونے کے بعد ایسی بات کہی جاسکتی ہے، تاکہ نیت مقاتل میں فساد نہ آئے۔

در اصل مالکیہ سلب کو نفل ہی کا حصہ قرار دیتے ہیں، چنانچہ جو مذہب نفل کے سلسلے میں ان کا گذرا، وہی مذہب ان کا سلب میں بھی ہے (۱)۔

دلائل ائمہ

جمہور کی دلیل اس سلسلے میں ایک تو حدیث معروف ہے کہ ”من قتل قتیلًا، له عليه بينة، فله سلبہ“ (۲) اور دوسری دلیل حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا قول ہے، ”اللهم ارزقني رجلا شديداً..... حتى أقتله وأخذ سلبه“ (۳)۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ یہ احادیث مطلق اور عام ہیں، ان میں کسی قسم کی تقیید نہیں (۴)۔

دلائل احناف

احناف کی ایک دلیل حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، فرماتے ہیں:

- (۱) المنتقى: ۱۹۱/۳، والأوجز: ۱۹۴/۹، والشرح الكبير للدردير: ۱۹۰/۲۔
- (۲) رواه البخاري في الباب، وأخرجه الجماعة - غير النسائي - من حديث أبي قتادة رضي الله عنه، انظر جامع الأصول وتعليقاته: ۶۸۷/۲-۶۸۸، وابن ماجه، كتاب الجهاد، باب المبارزة والسلب، رقم (۲۸۳۷)۔
- (۳) هو بعض حديث سعد بن أبي وقاص رضي الله عنه، أخرجه الحاكم، وكامله:
- ”..... أن عبد الله بن جحش قال يوم أحد: ألا تأتي ندعو الله؟ فخلوا في ناحية، فدعا سعد، فقال: يا رب، إذا لقينا القوم غدا فلقيني رجلاً شديداً بأسه، شديداً حرده، فأقانه فيك، ويقاتلني، ثم ارزقني عليه الظفر، حتى أقتله وأخذ سلبه. فقام عبد الله بن جحش، ثم قال: اللهم ارزقني غدا رجلاً شديداً حرده، شديداً بأسه، أقانه فيك ويقاتلني، ثم يأخذني؛ فيجدع أنفي وأذني، فإذا لقيتك غدا قلت: يا عبد الله، فيم جدع أنفك وأذنك؟ فأقول: فيك، وفي رسولك، فيقول: صدقت. قال سعد بن أبي وقاص: يا بني، كانت دعوة عبد الله بن جحش خيراً من دعوتي، لقد رأيته آخر النهار وأن أذنه وأنفه لمعلقان في خيط“. انظر: المستدرک: ۸۶/۲، كتاب الجهاد، رقم (۲۴۰۹)۔
- وأخرجه البيهقي أيضاً في الكبرى: ۵۰۲/۶، كتاب قسم الفي والغنيمه، باب السلب للقاتل، رقم (۱۲۷۶۹)۔
- (۴) المعني: ۱۸۹/۹۔

”أن مددیا (۱) اتبعهم فقتل علجاء، فأخذ خالد بعض سلبه، وأعطاه

بعضه، فذكر ذلك لرسول الله ﷺ، فقال: لا ترده عليه يا خالد“ (۲)۔

”ایک مددی بھی ان کے ساتھ ساتھ چلا گیا اور اس نے ایک بہادر کا فر کو قتل کیا، تو

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے سلب کا بعض حصہ خود رکھ لیا اور اوروں کا بقیہ حصہ اس آدمی کو

دیا۔ اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا تو آپ نے فرمایا، اے خالد! جو کچھ تم

نے لیا ہے وہ اس آدمی کو واپس نہ کرو“۔

دوسری دلیل حدیث باب ہے، جس میں ابو جہل لعین کے قتل کا قصہ مذکور ہے۔ اس میں آپ صلی اللہ

علیہ وسلم نے سلب معاذ بن جموح رضی اللہ عنہ کو دیا تھا (۳)۔

تیسری دلیل شبر بن علقمہ کا واقعہ ہے، فرماتے ہیں:

”بارزت رجلاً يوم القادسية فقتلته، وأخذت سلبه، فأتيث به سعداً،

فخطب سعد أصحابه، ثم قال: إن هذا سلب شبر، لهو خير من اثني عشر

ألفاً، وإنا قد نفلناه إياه“ (۴)۔

وجہ استدلال

یہاں وجہ استدلال واضح ہے، چنانچہ پہلی حدیث میں نبی علیہ السلام نے ان دونوں حضرات کے

درمیان فیصلہ فرمایا اور سلب کو دونوں میں تقسیم کیا، اگر اذن امام شرط ہوتا یا قاتل ہی مستحق ہوتا تو اس فیصلے کی

ضرورت ہی کیوں پیش آتی؟

(۱) جنگ موتہ میں جو لشکر بطور کمک کے آیا تھا، اس کا ایک فرد مراد ہے، مددی بمعنی معین۔ مسلم شریف وغیرہ کی روایت سے معلوم

ہوتا ہے کہ اس آدمی کا تعلق بنو تمیر سے تھا۔ دیکھیے، مسلم، کتاب الجہاد والسير، باب استحقاق القاتل سلب القاتل،

رقم (۴۵۷۰)، وسنن سعید بن منصور: ۲/۲۶۰، رقم (۲۶۹۷)۔

(۲) هذا ملخص من حديث طويل، رواه أبو داود في كتاب الجهاد، باب في الإمام يمنع القاتل السلب، رقم

(۲۷۱۹)، وسعيد بن منصور في سننه: ۲/۲۶۰، كتاب الجهاد، باب النفل والسلب، رقم (۲۶۹۷)۔

(۳) دیکھیے، حدیث باب، رقم (۳۱۴۱)، اس دلیل سے متعلق تنبیہ آگے حدیث کی شرح میں آئے گی۔

(۴) رواه سعيد في سننه: ۲/۲۵۸، في كتاب الجهاد، باب النفل والسلب في الغزو، رقم (۲۶۹۲)۔

دوسری دلیل میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلب معاذ بن الجموح کو دیا، جب کہ یہ بھی فرمایا کہ ”کلا کما قتله“ اس طرح تو سلب سب کو ملنا چاہیے تھا، لیکن اس کے برخلاف سلب صرف معاذ بن الجموح کو دیا گیا، ظاہر ہے کہ نبی علیہ السلام نے اپنا اختیار استعمال کیا ہے۔

تیسری دلیل میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ یہ فرما رہے ہیں کہ ”وإننا قد نفلناه إياه“ جب کہ وہ سلب شہر کا حق ہے تو اس قول کی ضرورت کیوں پڑی کہ ہم نے اس سلب کو اسے بطور نفل کے دے دیا ہے؟ (۱)

سلب کا مستحق کون ہوتا ہے؟

اس جزء میں بھی فقہاء کا اختلاف ہے، چنانچہ جمہور (امام اعظم ابو حنیفہ، شافعی و احمد رحمہم اللہ) کے نزدیک سلب کا مستحق ہر وہ شخص ہو سکتا ہے جو سہم کا مستحق ہو یا رضح کا مستحق ہو، جیسے غلام، عورت، بچہ، تاجر اور ذمی۔ کیوں کہ حدیث میں عموم ہے ”من قتل قتيلاً، له عليه بينة، فله سلبه“ (۲)۔

تاہم شوافع کے نزدیک اس حکم سے ذمی مستثنیٰ ہے، ان کے نزدیک ذمی اگرچہ امام کے اذن سے شریک قتال ہوا ہو، سلب کا مستحق نہیں ہوتا، اجازت کے بغیر تو سب کا اتفاق ہے کہ وہ سلب کا استحقاق نہیں رکھتا (۳)۔ جب کہ مالکیہ کا مذہب استحقاق سلب میں یہ ہے کہ اس کا مستحق وہی ہوتا ہے، جو صرف سہم کا مستحق ہو، چنانچہ ان کے نزدیک صبی، امرأة اور ذمی اس استحقاق سلب میں شامل نہیں، تاہم اگر امام ان کو اجازت دے دے یا ان پر جہاد فرض عین ہو جائے تو یہ بھی مستحق ہوں گے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جو سہم کا مستحق نہ ہو اور رضح کا بھی تو وہ بالا اتفاق اس حکم میں داخل نہیں (۴)۔

اپنی جان خطرے میں ڈالے

استحقاق سلب کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ قاتل اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر مقتول کو قتل کرے اور

(۱) المغنی: ۱۹۲/۹، وأيضاً انظر البناية شرح الهداية: ۱۸۱/۷-۱۸۲، وإعلاء السنن: ۲۸۲/۱۲۔

(۲) دیکھیے، حدیث باب، رقم (۳۱۴۲)، ومسلم، کتاب الجہاد، باب استحقاق القتال، رقم (۴۵۶۸)۔

(۳) حاشیة ابن عابدین: ۲۶۱/۳، والسغنی: ۱۸۹/۹، وفتح القدير: ۲۵۰/۵، فصل في التنفيل، وسبل

السلام شرح بلوغ المرام: ۵۲/۴-۵۳۔

(۴) المغنی: ۱۹۱/۹، والأوجز: ۱۸۵/۹، والموسوعة: ۱۷۸/۲۵، وعمدة القاري: ۶۹/۱۵۔

موت کا سامنا کرے، بصورت دیگر مستحق نہیں ہوگا، مثلاً صف سے تیر پھینکے اور وہ کسی کافر کو جا لگے یا کافر قلعہ بند ہو اور کسی کا تیر اس کو قلعے کے اندر جا کر قتل کر دے (۱)۔

مقتول کے قتل کی شرعی اجازت ہو

ایک شرط یہ بھی ہے کہ جس کافر کو قتل کیا جا رہا ہے، اس کا قتل شرعاً جائز ہو، اس لیے عورت، بچہ، شیخ فانی، پاگل اور راہب وغیرہ کے قتل سے سلب کا مستحق نہیں ہوگا، کیوں کہ ان کے قتل کی شرعاً ممانعت ہے۔ ہاں! اگر ان میں سے کوئی شخص شریک فی القتال ہو تو ایسے شخص کے قتل سے مستحق سلب ہوگا کہ ان کا قتل اب جائز ہو گیا (۲)۔

قتل کر دے یا.....

ایک شرط یہ بھی ہے کہ مقتول کو قتل کر دے یا مقتول کے حکم میں کر دے کہ اس کا اس قدر خون بہا دے کہ مسلمان اس کے شر سے محفوظ ہو جائیں اور اس کو بالکل بے دست و پا کر دے، مثلاً اس کی آنکھیں پھوڑ دے، یا اس کی بینائی ختم کر دے یا اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ دے (۳)۔

دوران قتال قتل کرے

علاوہ ازیں ایک شرط یہ بھی ہے کہ قتل اس وقت کرے جب جنگ جاری ہو اور مقتول مصروف قتال ہو۔ اگر جنگ ختم ہو جائے اور مشرکین کو ہزیمت ہو جائے، پھر کوئی مسلم کفار کا تعاقب کرے ان میں سے کسی کو قتل کرے تو سلب کا مستحق نہیں ہوگا، کیوں کہ مشرکین کی ہزیمت کے ساتھ ہی ان کا شر بھی مرفوع ہو گیا ہے۔

اسی میں اسیر کافر، نائم وغیرہ بھی داخل ہیں، کیوں کہ اس صورت میں قاتل اپنی جان کو خطرے میں نہیں ڈال رہا (۴)۔

یہ جمہور کا مسلک ہے، تاہم شافعیہ میں سے ابو ثور اور ابن المنذر وغیرہ کی رائے یہ ہے کہ کافر کو قتل

(۱) المغنی: ۱۹۰/۹، والأوجز: ۱۸۷/۹، وللاستزادة انظر الموسوعة: ۱۷۸/۲۵-۱۷۹، و کتاب السیر الکبیر للشیبانی: ۱۲۱/۲، أبواب الأنفال، مع شرحه للسرخسی.

(۲) الموسوعة: ۱۷۹/۲۵، والمغنی: ۱۹۰/۹، والأوجز: ۱۸۶/۹، والدر المختار: ۲۶۱/۳.

(۳) الموسوعة: ۱۷۹/۲۵، والمغنی: ۱۹۰/۹، والأوجز: ۱۸۷/۹.

(۴) الموسوعة: ۱۸۱/۲۵، والمغنی: ۱۹۱/۹، والأوجز: ۲۰۳/۹.

کرنے والا ہر صورت میں مستحق سلب ہوتا ہے، کیوں کہ ”من قتل قتيلا فله سلبه“ حدیث عام ہے (۱)۔

کیا استحقاق سلب کے لیے بینہ ضروری ہے؟

اس باب میں مشہور اختلافی مسائل میں سے ایک یہ مسئلہ ہے، جمہور فقہاء اس بات کے قائل ہیں کہ استحقاق سلب کے لیے بینہ پیش کرنا ضروری ہے، جب تک قاتل بینہ پیش نہیں کرے گا کہ قتل اسی نے کیا ہے، اس کا دعویٰ استحقاق سلب میں مقبول نہیں ہوگا۔ کیونکہ بعض روایات صحیحہ میں ”لہ علیہ بینة“ کے الفاظ کی تصریح ہے (۲)۔

دوسری طرف امام مالک اور امام اوزاعی رحمہما اللہ کا مسلک یہ ہے کہ اس کے لیے بینہ کی کوئی ضرورت نہیں، قاتل کا اتنا کہنا کافی ہے: أنا قتلته۔

ان کی دلیل حضرت ابوققادہ اور معاذ بن الجراح رضی اللہ عنہما کی حدیثیں ہیں (ذکرہما الإمام فی هذا الباب) کہ ان میں نبی علیہ السلام نے ان دونوں سے کوئی بینہ اور قسم وغیرہ نہیں مانگی۔

لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابوققادہ رضی اللہ عنہ سے گواہی نہ مانگنے کا دعویٰ اس لیے درست نہیں کہ واقدی کی مغازی (۳) میں آیا ہے کہ اوس بن خولی رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر گواہی دی تھی۔

اور اگر بالفرض یہ صحیح نہ بھی ہو تو ممکن ہے کہ نبی علیہ السلام کو کسی اور ذریعے سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ

قاتل ابوققادہ ہی ہیں (۴)۔

(۱) حوالہ جات بالا، وفتح الباری: ۶/۲۴۹۔

(۲) فتح الباری: ۶/۲۴۹، والموسوعة: ۲۵/۱۸۲، وشرح الأبي علي مسلم: ۵/۶۳، باب استحقاق القاتل

سلب القتل، والمغني: ۵/۱۹۴-۱۹۵، کتاب الجناد، فصل: لا تقبل دعوى القتل إلا بينة، رقم (۷۴۷۶)۔

(۳) علامہ واقدی کی مغازی میں حضرت ابوققادہ کے حق میں شہادت دینے والوں میں دو حضرات کا نام آیا ہے، عبد اللہ بن أنیس

اور الاسود بن الخزاعي رضی اللہ عنہما، اس میں حضرت اوس رضی اللہ عنہ کا نام نہیں آیا، دیکھیے، کتاب المغازی للواقدي:

۹۰۸/۳، غزوة حنين:

غالباً یہاں حافظ سے تسامح ہوا ہے، کیوں کہ اصابۃ میں انہوں نے خود واقدی کے حوالے سے حضرت الاسود بن الخزاعي کے

بارے میں یہ لکھا ہے ”شهد لأبي قتادة بسلب قتيله يوم حنين“ واللّٰهُ أعلم. الإصابة: ۱/۴۳، القسم الأول، رقم (۱۵۳)۔

(۴) فتح الباری: ۶/۲۴۹، نیز دیکھیے، الموسوعة: ۲۵/۱۸۲۔

بینہ سے کیا مراد ہے؟

پھر ان حضرات کا، جو بینہ تو ضروری قرار دیتے ہیں، اس امر میں اختلاف ہے کہ بینہ سے کیا مراد ہے؟ چنانچہ بعض حضرات تو شہادۃ رجلین کو شرط قرار دیتے ہیں، یہ امام احمد کا مذہب بھی ہے۔ بعض دیگر حضرات کہتے ہیں کہ شہادۃ رجل وامرأتین أو رجل ویمین بھی کافی ہے، کیوں کہ دعویٰ مال میں ہے۔

جب کہ بعض حضرات اس معاملے میں شہادۃ رجل واحد کو بھی کافی قرار دیتے ہیں، کیونکہ نبی علیہ السلام نے حضرت ابوقحادہ رضی اللہ عنہ کے معاملے میں ایک شاہد کی شہادت بھی قبول کر لی تھی اور ان سے قسم بھی نہیں لی گئی۔ ابن العطیہ کہتے ہیں کہ اس باب میں اکثر فقہاء کا یہی قول ہے (۱)۔

سلب میں تخمیس جاری ہوگی یا نہیں؟

یہ ایک اور مشہور اختلافی مسئلہ ہے، شافعیہ (فی المشہور عند ہم)، حنابلہ، ابن المذہب اور ابن جریر رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کا مسلک یہ ہے کہ سلب میں تخمیس جاری نہیں ہوگی، مطلب یہ ہے کہ سلب قاتل کے حوالہ کر دیا جائے گا اور اس میں سے خمس نہیں لیا جائے گا۔

ان کی ایک دلیل حضرت عوف بن مالک اور خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ، ”أن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضی بالسلب للقاتل، ولم یخمس السلب“ (۲) کہ ”آپ علیہ السلام نے سلب قاتل کو دینے کا حکم جاری کیا اور اس میں خمس نہیں لیا“۔

اور دوسری دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے، ”إننا كنا لانخمس السلب“ (۳) کہ ”ہم سلب میں تخمیس نہیں کرتے تھے“۔

(۱) حوالہ جات بالا، والمغنی: ۱۹۵/۹، وإكمال الأبي: ۶۳/۵، ومكمل إكمال المعلم المطبوع مع إكمال

الأبي: ۶۳/۵، وسبل السلام: ۵۳/۴، کتاب الجہاد، رقم (۲۲)، والأوجز: ۲۰۵/۹۔

(۲) صحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب استحقاق القاتل سلب القاتل، رقم (۴۵۷۱)، وسنن أبي داود،

کتاب الجہاد، باب في السلب لا یخمس، رقم (۲۷۲۱)۔

(۳) التمهید: ۲۴۷/۲۳، حدیث ثامن وعشرون لیحیی بن سعید، والمصنف لابن أبي شیبہ: ۵۵۸/۱۷،

کتاب السیر، من جعل السلب للقاتل، رقم (۳۳۷۶۱)۔

اس مسئلے میں دوسرا مذہب امام اوزاعی اور مکحول رحمہما اللہ کا ہے کہ سلب کا بھی خمس نکالا جائے گا۔ ان حضرات کی دلیل آیت قرآنی ﴿وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ﴾ (۱) ہے، کہ یہ آیت عام ہے، چنانچہ غنائم میں مطلقاً تخمیس کا عمل جاری ہوگا۔ یہی مذہب حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا بھی ہے (۲)۔

تیسرا مذہب اس مسئلے میں اسحاق بن راہویہ کا ہے، وہ فرماتے ہیں: "إِنْ اسْتَكْثَرَ الْإِمَامُ السَّلْبَ خُمُسَهُ، وَذَلِكَ إِلَيْهِ" کہ "امام اگر یہ دیکھے کہ سلب کی مقدار بہت زیادہ ہے تو اس کی تخمیس کرے گا اور اس کا اختیار امام کو ہوگا" (۳)۔

ان کی دلیل ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے مروی حدیث ہے کہ حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ نے ایک مرزبان (اہل فارس کا فقیہ و مذہبی پیشوا) کے ساتھ بحرین میں مبارزت کی، حضرت براء رضی اللہ عنہ نے اس کو نیزہ مارا، جس نے اس مرزبان کی کمر توڑ دی، آپ رضی اللہ عنہ نے اس کے دونوں کنگن لے لیے اور دوسرا سامان بھی، نماز ظہر کے بعد یہ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور پورا واقعہ سنایا، تو حضرت ابو طلحہ نے فرمایا کہ ہم پہلے سلب میں سے خمس نہیں لیا کرتے تھے، تاہم براء کا جو سلب ہے وہ معتد بہ مال ہے، اس لیے میں اس کا خمس لوں گا۔ چنانچہ یہ پہلا سلب تھا جس میں تخمیس ہوئی، اس سلب کی مقدار تیس ہزار تھی (۴)۔

اس مسئلے میں چوتھا مذہب حنفیہ اور مالکیہ کا ہے، ان حضرات کے نزدیک سلب مقول دوسرے غنائم کی طرح ہے، یہ قاتل کے ساتھ مختص نہیں، بلکہ قاتل و غیر قاتل سب اس میں برابر ہیں، سلب کو امام نفل کے طور پر دے گا۔

اب احناف کے ہاں محل التنفیل غنائم کو دارالاسلام منتقل کرنے سے قبل تو اربعۃ الاخماس ہے اور

(۱) الأنفال: ۴۱۔

(۲) الموسوعة: ۱۸۳/۲۵، وعمدة القاري: ۶۵/۱۵، وفتح الباري: ۲۴۷/۶۔

(۳) حوالہ جات بالا، والمغني: ۱۹۲/۹، والأوجز: ۱۸۸/۹۔

(۴) رواہ سعید فی السنن: ۲۶۳-۲۶۴، کتاب الجہاد، باب ما یخمس فی النفل، رقم (۲۷۰۸)، وابن

عبد البر فی التمهید: ۲۴۷/۲۳، حدیث ثامن وعشرون لیحیی بن سعید، وعبد الرزاق فی مصنفه: ۱۵۸/۵،

کتاب الجہاد، باب السلب والمبارزة، رقم (۹۵۳۱)۔

دارالاسلام منتقل کرنے کے بعد خمس ہے۔

اور مالکیہ کے نزدیک ہر حال میں خمس ہے اور امام کی رائے پر موقوف ہے، وہ اگر مناسب سمجھے گا تو قاتل کو دے گا، ورنہ نہیں (۱)، کما مر تفصیلہ فیما قبل۔

سلب میں کون سی چیزیں ملیں گی؟

فقہاء کا اس امر میں اتفاق ہے کہ قاتل کو مقتول کا جو سلب ملے گا، اس میں وہ مندرجہ ذیل اشیاء کا مستحق ہوگا: کپڑے، ٹوپی، پگڑی، موزے اور چادر وغیرہ، یعنی استعمال کی چیزیں۔ اسی طرح اسلحہ اور آلات حرب، مثلاً ڈھال، خود، نیزہ، چھری، تلوار، کمان اور تیر۔ نیز مقتول کی سواری کی زین، لگام وغیرہ (۲)۔

ان اشیاء کے علاوہ مقتول کی دیگر چیزوں میں ائمہ کا اختلاف ہے، چنانچہ مقتول کی سواری ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سلب میں داخل ہے، امام اوزاعی اور امام مکحول کا مذہب بھی یہی ہے، ان کی دلیل وہی حدیث مددی ہے، جو پیچھے گزری، اس میں آیا ہے، ”أنه قتل علجاء فحاز فرسه وسلاحه“۔

جب کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سواری کو خارج از سلب کہتے ہیں، یہی قول ابو بکر کا بھی ہے (۳)۔ یہ بحث اس سواری کے بارے میں ہے جو مقتول کے زیر استعمال تھی، چنانچہ وہ سواری جو اس کے خیمے میں ہو یا بھاگ گئی ہو تو وہ سلب میں بالاتفاق داخل نہیں (۴)۔

علاوہ ازیں مقتول کا تاج، کنگن، انگوٹھی، طوق، پڑکا، اگرچہ سونے کا ہو یا کسی اور چیز کا، اسی طرح ہریان

(۱) عمدة القاري: ۶۵/۱۵، والموسوعة: ۱۸۳/۲۵، لیکن احناف کا تحقیقی مذہب وہ ہے، جو فتاویٰ ہندیہ میں الحیط کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے، وہ یہ ہے کہ اگر امام یوں کہے من قتل قتیلًا فله السلب بعد الخمس تو اس صورت میں سلب میں تخمیس ہوگی اور اگر مطلقاً من قتل قتیلًا کہے تو تخمیس نہیں ہوگی۔ الفتاویٰ الہندیہ: ۲۱۸/۲، الفصل الثالث فی التنفیل، من کتاب السیر۔

(۲) البناية مع الهداية: ۱۸۴/۷، وفتح القدير: ۲۵۳/۵، وحاشية ابن عابدين: ۲۶۴/۳، والمغني: ۱۹۳/۹، والأوجز: ۱۹۰/۹۔

(۳) المغني: ۱۹۳/۹، والأوجز: ۱۹۰/۹، والدر المختار: ۲۶۴/۳، والموسوعة: ۱۸۴/۲۵۔

(۴) حوالہ جات بالا۔

(رقم کی وہ تھیلی جو کمر سے باندھی جاتی ہے) اور اس میں موجود رقم، یہ ساری چیزیں ائمہ ثلاثہ کے نزدیک سلب میں داخل ہیں، کیوں کہ یہ ساری چیزیں عموم حدیث میں داخل ہیں، یعنی ”من قتل قتیلاً فله سلبہ“۔ نیز حدیث براء بن مالک، جو ابھی گزری، میں بھی کنگن اور پٹکے کا ذکر آیا ہے۔

جب کہ مالکیہ کا مذہب ان اشیاء میں یہ ہے کہ یہ چیزیں سلب میں داخل نہیں، کیوں کہ ان اشیاء کے ذریعے کوئی اعانت و مدد جنگ میں حاصل نہیں ہوتی (۱)۔

پھر امام احمد کے نزدیک مقتول کو بالکل بے لباس کر دینا بھی جائز ہے، یہی قول امام اوزاعی کا بھی ہے، جب کہ ابن منذر اور سفیان ثوری رحمہم اللہ اس کو نا پسندیدہ قرار دیتے ہیں، کیوں کہ اس میں کشف العورة پایا جاتا ہے۔ اور امام احمد وغیرہ کی دلیل حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نبی علیہ السلام کا یہ جملہ ہے، ”لہ سلبہ أجمع“ (۲) نیز حدیث ”من قتل قتیلاً فله سلبہ“ بھی جمہور کے مذہب کے لیے دلیل ہے، کیوں کہ اس میں سب کچھ داخل ہو جاتا ہے، ”وهذا يتناول جميعه“ (۳)۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سلب سے متعلق ان ساری تفصیلات کے بعد اب باب سے متعلقہ ابحاث کو دیکھیے۔

ترجمۃ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس ترجمۃ الباب کو قائم کر کے اس مشہور اختلاف کی طرف اشارہ کیا ہے، جو سلب کی تخمیس میں ہے کہ اس کا خمس نکالا جائے گا یا نہیں؟ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلے میں جمہور کے ہم نوا ہیں، انہیں کے مذہب کو ثابت کرنے کے لیے انہوں نے یہ باب قائم کیا (۴)۔

(۱) المغنی: ۱۹۳/۹، والمنتقى: ۱۹۱/۳، والأوجز: ۱۹۵/۹، والموسوعة: ۱۸۴/۲۵۔

(۲) حدیث سلمة أخرجه البخاري في كتاب الجهاد، رقم (۳۰۵۱)، وانظر لتخريجه الكامل كشف الباري، كتاب الجهاد: ۴۵۸/۲۔

(۳) المغنی: ۱۹۵/۹، وعمدة القاري: ۶۹/۱۵، والأوجز: ۲۰۶/۹۔

تنبیہ: سلب سے متعلق مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے، أوجز المسالك: ۱۸۳/۹-۲۰۶، كتاب الجهاد، باب ما جاء في السلب في النفل، والموسوعة الفقهية: ۱۷۶/۲۵-۱۸۴، وإعلاء السنن: ۲۷۵/۱۲-۳۰۰،

وأحكام القرآن للرازي: ۶۹/۳-۷۲، مطلب في سلب القتل، وفتح الباري: ۲۴۷/۶-۲۴۹۔

(۴) عمدة القاري: ۶۵/۱۵، وفتح الباري: ۲۴۷/۶۔

ومن قتل قتيلاً فله سلبه

اور جو کسی کو قتل کرے گا تو اس مقتول کا سلب قاتل کا ہوگا۔

یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث کا ٹکڑا ہے، پوری حدیث اس طرح ہے:

”أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال يوم حنين: من قتل قتيلاً فله

سلبه. فقتل أبو طلحة يومئذ عشرين رجلاً، فأخذ أسلابهم“ (۱)۔

کہ ”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین کے موقع پر ارشاد فرمایا کہ جو کسی کو قتل

کرے گا تو اس کا سلب قاتل کو ملے گا۔ چنانچہ اس دن حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ

نے بیس آدمیوں کو قتل کیا اور ان سب کا سلب لیا۔“

من غیر أن یخمس

سلب کی تخمیس کیے بغیر۔

یہ جملہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے تفقہ میں سے ہے (۲)۔

غالباً انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث ذکر کر کے اس کے عموم سے استدلال کیا ہے

کہ اس میں سلب کی تخمیس وغیرہ کی کوئی بات نہیں ہے، یہ حدیث چوں کہ مطلق ہے، اس لیے سلب میں تخمیس کا

عمل نہیں ہوگا۔ واللہ اعلم

وحکم الإمام فیہ

اور اس میں امام کا حکم۔

یہ ترجمہ کا آخری جز ہے، حکم کو مرفوع اور مجرور دونوں طرح پڑھا گیا ہے، مرفوع ہونے کی صورت میں

(۱) رواہ أبو داود، کتاب الجہاد، باب فی السلب یعطى القتال، رقم (۲۷۱۸)، والحاکم فی المستدرک:

۳/۳۹۷، کتاب معرفة الصحابة، مناقب أبي طلحة.....، رقم (۵۵۰۵)، وابن أبي شيبه في مصنفه:

۲۰/۵۳۲، کتاب المغازی، غزوة حنین وما جاء فیہا، رقم (۳۸۱۵۴)، و: ۲۰/۵۲۳، رقم (۳۸۱۴۳)۔

(۲) فتح الباری: ۶/۲۴۷، وقال العيني (۶۵/۱۵): ”من غیر أن یخمس“ لیس من لفظ الحدیث، وأراد به أن

السلب لا یخمس۔“

مطلب یہ ہوگا کہ سلب میں امام کی رائے چلے گی، وہ جیسا چاہے گا، ویسا حکم لگائے گا، اس پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا۔
اس صورت میں یہ مذہب احناف و موالک کی تائید ہو جائے گی کہ امام کے حکم اور اس کی اجازت کے بغیر سلب کا مستحق نہیں ہوگا۔ گویا امام بخاری ان حضرات کے ساتھ اس مسئلے میں ہم نوا ہیں۔

اور مجرور پڑھنے کی صورت میں اس کے معنی و مطلب یہ ہوگا کہ امام کے فیصلے کے بغیر بھی قاتل سلب کا مستحق ہوگا، اس صورت میں مؤلف علیہ الرحمہ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ کے ہم خیال ہو جائیں گے۔
مسئلے سے متعلق تفصیل باب کے شروع میں آچکی ہے۔

پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب کے تحت دو حدیثیں نقل کی ہیں:

۲۹۷۲ : حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا يُونُسُ بْنُ الْمَاجَشُونِ . عَنْ صَالِحِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ جَدِّهِ قَالَ : بَيْنَا أَنَا وَاقِفٌ فِي الصَّفِّ يَوْمَ بَدْرٍ ، فَنَظَرْتُ عَنْ يَمِينِي وَشِمَالِي . فَإِذَا أَنَا بِغَلَامَيْنِ مِنَ الْأَنْصَارِ . حَدِيثُهُ أُسْنَانُهُمَا ، تَمَنَّيْتُ أَنْ أَكُونَ بَيْنَ أَضْلَعٍ مِنْهُمَا ، فَغَمَزَنِي أَحَدُهُمَا فَقَالَ : يَا عَمَّ هَلْ تَعْرِفُ أَبَا جَهْلٍ ؟ قُلْتُ : نَعَمْ ، مَا حَاجَتُكَ إِلَيْهِ يَا أَبْنُ أَخِي ؟ قَالَ : أَخْبَرْتُ أَنَّهُ يَسُبُّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ : لَئِنْ رَأَيْتُهُ لَا يُفَارِقُ سَوَادِي سَوَادُهُ حَتَّى يَمُوتَ الْأَعْجَلُ مِنَّا ، فَتَعَجَّبْتُ لِذَلِكَ ، فَغَمَزَنِي الْآخَرُ ، فَقَالَ لِي مِثْلَهَا . فَلَمْ أَتَسَبَّ أَنْ نَظَرْتُ إِلَى أَبِي جَهْلٍ يَحُولُ فِي النَّاسِ ، قُلْتُ : أَلَا . إِنَّ هَذَا صَاحِبُكُمَا الَّذِي سَأَلْتُمَانِي ، فَأَبْتَدَرَاهُ بِسَيْفَيْهِمَا ، فَضَرَبَاهُ حَتَّى قَتَلَاهُ ، ثُمَّ أَنْصَرَفَا إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَأَخْبَرَاهُ ، فَقَالَ : (أَيُّكُمَا قَتَلَهُ) . قَالَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا : أَنَا قَتَلْتُهُ ، فَقَالَ : (هَلْ مَسَحْتُمَا سَيْفَيْكُمَا) . قَالَا : لَا ، فَنَظَرَ فِي السَّيْفَيْنِ ، فَقَالَ : (كِلَاكُمَا قَتَلَهُ ، سَلَبُهُ لِمُعَاذِ بْنِ عَمْرٍو بْنِ الْجُمُوحِ) . وَكَانَا مُعَاذُ بْنُ عَفْرَاءَ وَمُعَاذُ بْنُ عَمْرٍو بْنِ الْجُمُوحِ .

تراجم رجال

۱- مسدد

یہ مسدد بن مسرہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الایمان، ”باب من الایمان أن یحب

(۱) قولہ: ”عن جدہ“: الحدیث، أخرجه البخاري أيضاً، كتاب المغازي، باب قتل أبي جهل، رقم

(۳۹۶۴)، و باب (بلا ترجمہ)، بعد باب فضل من شهد بدراً، رقم (۳۹۸۸)، ومسلم، كتاب الجهاد والسير، =

لأخيه.....“ کے تحت گزر چکا (۱)۔

۲- یوسف بن الماحشون

یہ یوسف بن یعقوب الماحشون بن عبد اللہ بن ابی سلمہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۳- صالح بن ابراہیم بن عبد الرحمن بن عوف

یہ مشہور صحابی، حضرت عبد الرحمن بن عوف کے پوتے صالح بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

۴- أبیه

اس سے مراد ابراہیم بن عبد الرحمن بن عوف رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۵- جدہ

جدہ سے مراد مشہور صحابی حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ہیں (۳)۔

قال بينا أنا واقف في الصف يوم بدر.....

اس حدیث میں ابو جہل لعین کے قتل کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے، جو بدر میں پیش آیا، اس کی تفصیل چوں کہ مغازی میں آچکی ہے، اس لیے اس کو یہاں دوبارہ ذکر کرنے کی چنداں حاجت نہیں ہے (۴)، تاہم یہاں ہم حدیث کے کچھ الفاظ و جملوں کی وضاحت ضرور کریں گے۔

فإذا أنا بسلامين من الأنصار حديثه أسنانهما

تو میں نے دیکھا کہ میں دو انصاری لڑکوں کے درمیان میں ہوں، جو نو عمر تھے۔

”حديثه أسنانهما“ یہ شبہ جملہ صفت ہے، ”سلامين“ کی، اسی لیے مجرور بھی ہے، جب کہ

= باب استحقاق القاتل سلب القتل، رقم (۴۵۶۹)۔

(۱) کشف الباری: ۲/۲۔

(۲) ان دونوں کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوكالة، باب إذا وكل المسلم حربيا في دار الحرب.....

(۳) ان دونوں کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الجنائز، باب الكفن من جميع المال۔

(۴) کشف الباری، کتاب المغازی: ۱۰۳-۱۰۸۔

أسنانهما مرفوع ہے، کیوں کہ وہ حدیثہ کا فاعل ہے (۱) اور اس کے معنی نو عمر کے ہیں۔

تمنیت أن أكون بين أضلع منهما

میں نے تمنا کی کہ کاش! میں ان دونوں کے علاوہ کسی طاقت ور آدمی کے پہلو میں ہوتا (جس سے مجھے کچھ سہارا ہوتا)۔

أضلع کی لغوی و صرفی تحقیق

أضلع - بفتح الهمزة، وسكون الضاد، وفتح البلام - صيغة اسم تفضيل ہے، اس کے معنی اقویٰ کے ہیں، مصدر اس کا الضلاعة ہے، جس کے معنی قوت کے ہیں۔ یہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق ہے (۲)۔ جب کہ حافظ علیہ الرحمۃ نے اس کو - بضم البلام - ضلع کا جمع قرار دیا ہے، جس کے معنی پسلی کے ہیں۔ علاوہ ازیں حافظ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ اکثر کی روایت ہے اور علامہ عینی کی ذکر کردہ تحقیق کو وریدی کہہ کر ضعیف قرار دینے کی کوشش کی ہے (۳)۔

لیکن رائج یہاں علامہ عینی کی تحقیق ہی ہے، اسی کو امام نووی نے بھی ذکر کیا ہے (۴) اور علامہ ابن الاثیر جزیری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کو اختیار کیا ہے (۵)۔ علاوہ ازیں یہ اقرب الی الفہم بھی ہے۔

أضلع میں نسخوں کا اختلاف

پھر یہ سمجھیے کہ اکثر رواۃ صحیح بخاری نے اس لفظ کو ضاد مجمہ کے ساتھ أضلع نقل کیا ہے، تاہم حموی کے نسخے میں أصلح - بالصاد المهملة والحاء المهملة - آیا ہے (۶)۔

علامہ ابن بطل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ اختلاف مسدود شیخ بخاری کی طرف سے ہے، ورنہ یہی

(۱) عمدة القاري: ۶۶/۱۵، وفتح الباري: ۲۴۸/۶۔

(۲) عمدة القاري: ۶۶/۱۵۔

(۳) فتح الباري: ۲۴۸/۶، تاہم مقدمہ میں انہوں نے عینی کی تحقیق ہی کو اختیار کیا ہے۔ ہدی الساری: ۲۲۷، فصل ض، ل، حرف الضاد المعجمة، الفصل الخامس۔

(۴) شرح النووي علی مسلم: ۸۷/۲، کتاب الجہاد، باب استحقاق القاتل سلب القتل۔

(۵) جامع الأصول: ۱۹۵/۸، والنہایۃ فی غریب الحدیث والأثر: ۹۷/۳، باب الضاد مع البلام۔

(۶) عمدة القاري: ۶۶/۱۵، وفتح الباري: ۲۴۸/۶۔

روایت یوسف بن المباحثون سے ابراہیم بن حمزہ نے طحاوی میں (۱)، موسیٰ بن اسماعیل نے ابن خیر میں اور عفان نے ابن ابی شیبہ (۲) میں بھی روایت کی ہے، ان سب میں أضلع ہے (۳)۔

اور رائج روایت بھی یہی أضلع والی ہے، کیونکہ تین حفاظ راویوں کے مقابلے میں ایک حافظ راوی کی روایت ظاہر ہے، مرجوح ہوگی (۴)۔

علامہ قرطبی اور قاضی عیاض رحمہما اللہ نے بھی أضلع والی روایت کو رائج قرار دیا ہے (۵)۔

لا يفارق سوادى سواده

میری ذات اس کی ذات کو نہیں چھوڑے گی۔

یہ کلام ان نو عمر لڑکوں میں سے ایک کا ہے، سواد- بفتح السین- شخص کو کہتے ہیں، چوں کہ آدمی کی شبیہ دور سے دیکھنے پر کالی (سیاہ) نظر آتی ہے، اس لیے شخص کو سواد بھی کہتے ہیں (۶)۔

حتى يموت الأعجل منا

یہاں تک کہ ہم میں سے جس کی موت زیادہ قریب ہوگی، وہ مر جائے۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ الأعجل تحریف ہے، اصل میں یہ الأعجز تھا، لیکن حافظ فرماتے ہیں کہ روایت میں مذکور لفظ ہی صواب ہے (۷)۔

علاوہ ازیں یہ جملہ ملازمت سے کنایہ ہے اور اس معنی میں کثیر الاستعمال بھی ہے، مطلب یہ ہے کہ جب تک میں اس کی جان نہ لے لوں، اس کو چھوڑوں گا نہیں۔

(۱) شرح معانی الآثار: ۱۴۷/۲، کتاب السیر، باب الرجل يقتل قتيلا.....

(۲) المصنف، لم أجده فيه رغم تبعية، وإنما أشار إليه الحافظان ابن حجر وابن بطلان.

(۳) ابن بطلان: ۳۱۵/۵، والعمدة: ۶۶/۱۵، والفتح: ۲۴۸/۶، والنووي على مسلم: ۸۷/۲-۸۸.

(۴) حوالہ جات بالا.

(۵) عمدة القاري: ۶۶/۱۵، المفهم للقرطبي: ۷۵/۱۱، باب استحقاق القاتل سلب.....، ومشارك الأنوار:

۵۹/۲، (ض ل ع).

(۶) عمدة القاري: ۶۶/۱۵، وفتح الباري: ۲۴۹/۶.

(۷) فتح الباري: ۲۴۹/۶.

اب اس نو عمر صحابی کی عقل کا کمال دیکھیے کہ جنگ کی حالت میں، جہاں بڑوں بڑوں کا پتہ پانی ہو جاتا ہے، وہاں بھی عقل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور یہ محتاط جملہ ارشاد فرمایا، جب کہ شدت غضب کا تقاضا تو یہ تھا کہ یہ فرماتے ”حتی اقتله“ لیکن عاقبت چوں کہ مجہول تھی، اس لیے حتی يموت الأعجل منا فرمایا (۱)۔

فلم أنشَب أن نظرت إلى أبي جهل يَجُول في الناس

کچھ ہی دیر گزری تھی کہ میں نے ابو جہل کو دیکھا، وہ لوگوں میں چکر لگا رہا تھا۔

نشَب نشوبا ونشبا باب سمع سے چمٹ جانے اور اٹک جانے کے معنی میں ہے اور لم أنشَب کے

معنی ہیں: لم ألبث ولم أتعلق بشيء غیرہ (۲)۔

روایت باب میں ”یَجُول“ آیا ہے، جب کہ مسلم شریف میں ”یَزُول“ آیا ہے (۳)، دونوں لفظ ہم معنی

ہیں، مطلب یہ ہے کہ ابو جہل انتہائی مضطرب تھا اور ادھر ادھر گھوم پھر رہا تھا اور ایک جگہ ٹھہرنا نہ تھا (۴)۔

فابتدراه بسيفيهما

تو ان دونوں نے ابو جہل کی طرف اپنی اپنی تلوار لے کر جلدی کی۔

ابتدراه وبادر ایک معنی میں ہیں، مطلب سبقت اور جلدی کرنا ہے (۵)۔ مغازی کی روایت میں

”فشداه عليه مثل الصقرين“ کے الفاظ ہیں (۶)، کہ ”یہ دونوں لڑکے ابو جہل پر شکرے کی طرح حملہ آور ہوئے“۔

فنظر في السيفين، فقال: كلا كما قتله

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں تلواروں کو بغور دیکھا، پھر فرمایا: تم دونوں نے اس کو قتل کیا ہے۔

(۱) عمدة القاري: ۶۶/۱۵۔

(۲) حوالہ بالا، وشرح النووي علی مسلم: ۸۸/۲۔

(۳) صحيح مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب استحقاق القاتل سلب.....، رقم (۴۵۶۹)۔

(۴) عمدة القاري: ۶۶/۱۵۔

(۵) حوالہ بالا۔

(۶) صحيح بخاري، كتاب المغازي، باب (بلا ترجمه)، رقم (۳۹۸۸)۔

یہاں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں تلواروں کو بغور دیکھا اور اس سے قبل یہ بھی پوچھ لیا کہ کہیں تم نے تلواریں صاف تو نہیں کر ڈالیں، پھر فرمایا کہ تم دونوں نے قتل کیا ہے۔ اس ساری کارروائی کا مقصد کیا تھا؟

علامہ مہلب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا مقصد یہ بتلانا تھا کہ سلب کے استحقاق کے لیے اشخان شرط ہے اور اشخان کو ایک قسم کا اس باب میں امتیاز حاصل ہے، وہ اس طرح کہ آپ علیہ السلام نے ان دونوں کی تلواروں کا معائنہ کیا کہ تلواروں کی دونوں طرف خون کس قدر لگا ہوا ہے اور ابو جہل کے جسم میں کون سی تلوار کس قدر گھسی ہے، اسی لیے یہ سوال بھی کیا کہ تلواریں کہیں صاف تو نہیں کیں؟ کیوں کہ صاف کرنے کی صورت میں دخول کی مقدار تبدیل ہو جاتی (۱)۔

پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ ”کلا کما قتله“ کیوں کہ آپ علیہ السلام نے دیکھ لیا تھا کہ اشخان ایک کا فعل ہے، جب کہ دوسرے صحابی نے صرف مشارکت فی القتل کی ہے، لیکن آپ علیہ السلام نے ان کا دل رکھنے کے لیے اور بطور تسلی یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ ”کلا کما قتله“ (۲)۔

سلبہ لمعاذ بن عمرو بن الجموح
لیکن اس کا سلب معاذ بن عمرو بن الجموح کا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ دونوں لڑکے اگرچہ مشارک فی القتل ہیں، مگر اشخان چوں کہ معاذ بن عمرو کی جانب سے ہے، اس لیے سلب بھی انہی کا حق ہے، یہاں تک تو بات واضح ہے، اس کے بعد ان جملوں سے احناف و مالکیہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ قتل قتیل سے قاتل سلب کا مستحق نہیں ہوتا، بلکہ اعطائے امام سے اس کا مستحق ہوتا ہے، ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلب ان دونوں کے درمیان تقسیم فرماتے، ایک کو محروم رکھ کر دوسرے کو نہ دیتے، اس سے واضح ہوا کہ ان معاملات کا اختیار امام کو ہے۔ قالہ الطحاوی رحمہ اللہ (۳)۔

لیکن یہ استدلال ضعیف ہے، کیوں کہ یہ بات تو سب کو تسلیم ہے کہ سلب کا مستحق مُشخِن ہوتا ہے اور نبی

(۱) حوالہ بالا، شرح ابن بطلال: ۳۱۲/۵، وفتح الباری: ۲۴۸/۶، وعمدة القاری: ۶۶/۱۵۔

(۲) شرح ابن بطلال: ۳۱۲/۵، وعمدة القاری: ۶۶-۶۷/۱۵۔

(۳) شرح ابن بطلال: ۳۱۲/۵، وشرح معانی الآثار: ۱۴۷/۲-۱۴۸، کتاب التفسیر، باب الرجل یقتل.....

اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تلواروں کا معائنہ کیا تھا، اس کا مقصد بھی یہی تھا کہ یہ دیکھا جائے کہ اشخان کس کی تلوار سے ہوا ہے، اسی بنیاد پر سلب معاذ بن عمرو کو دیا گیا۔

اس جز سے متعلق دلائل احناف باب کی ابتدا میں آچکے ہیں۔

تاہم اس حدیث کے ایک اور طریق، جس کو امام ابو داؤد (۱) و امام احمد (۲) وغیرہ نے نقل کیا ہے، اس سے مذکورہ جز پر استدلال ہو سکتا ہے، اس طریق میں آیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جہل کی تلوار حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو عطا فرمائی تھی۔ جب کہ وہ مٹھن بھی نہیں تھے، اصل استحقاق معاذ بن عمرو کا تھا کہ مٹھن وہی تھے، چنانچہ ابو جہل کی تلوار حضرت عبداللہ کو عطا فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ سلب حق شرعی (۳) نہیں ہے، بلکہ قاتل اس کا مستحق نفل (انعام) کے طور پر ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

وکانا معاذ بن عفراء، ومعاذ بن عمرو بن الجموح

اور وہ دونوں نو عمر لڑکے معاذ بن عفراء اور معاذ بن عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہم تھے۔

کلمہ معاذ دونوں جگہ منصوب ہے، کیوں کہ یہ کاناکہ خبر ہے۔

معاذ بن عفراء

یہ حضرت معاذ بن الحارث بن رفاعہ بن سواد الانصاری رضی اللہ عنہ ہیں (۴)۔

یہ اپنی والدہ عفراء - بفتح العین وسكون الفاء - بنت عبید بن ثعلبہ کے حوالے سے معروف ہیں (۵)۔

بدر واحد اور دیگر تمام غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب رہے (۶)۔

(۱) سنن أبي داود، کتاب الجہاد، باب من أجاز علی جریح مشخن.....، رقم (۲۷۲۲)۔

(۲) فی مسندہ: ۱/۴۴۴، مسند عبداللہ بن مسعود، رقم (۴۲۴۶)، وابن أبي شیبہ فی مصنفہ: ۱۷/۵۶۰،

کتاب النیر، باب من جعل السلب للقاتل، رقم (۳۳۷۶۵)، و: ۲۰/۳۲۴، رقم (۳۷۸۵۲)، کتاب

المغازی، غزوة بدر الکبری.....

(۳) سلب حق شرع ہے یا حق امام؟ اس پر بحث باب کے آخر میں آئے گی۔ انشاء اللہ۔

(۴) ان کے نسب میں اور بھی اقوال ہیں، دیکھیے، تہذیب الکمال: ۱۱۵/۲۸۔

(۵) حوالہ بالا، وعمدة القاری: ۱۵/۶۷، والإصابة: ۳/۴۲۸۔

(۶) حوالہ جات بالا۔

حضرت معاذ کی ایک فضیلت یہ بھی ہے کہ آپ ان انصار میں سے ہیں، جنہوں نے بیعت عقبہ اولیٰ کے دوران مکہ مکرمہ میں اسلام قبول کیا، رائج قول کے مطابق یہ چھ انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم تھے (۱)۔
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن عفراء اور حضرت معمر بن الحارث رضی اللہ عنہما کے درمیان مواخاة قائم فرمائی تھی (۲)۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی ایک روایت ”لا صلاة بعد العصر حتى تغرب الشمس.....“ ذکر کی ہے (۳)۔ باقی ائمہ خمسہ کے ہاں ان کی کوئی روایت نہیں ہے۔

ان کی وفات میں اختلاف ہے کہ کہاں اور کب ہوئی۔ رائج قول کے مطابق ان کا انتقال حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ہوا (۴)۔ رضي الله عنه وأرضاه.

معاذ بن عمرو بن الجموح

یہ معاذ بن عمرو بن الجموح بن زید بن حرام انصاری خزرجی سلمی رضی اللہ عنہ ہیں (۵)۔
یہ بھی بیعت عقبہ میں شریک رہے ہیں۔ بدری صحابی ہیں (۶)، کما فی حدیث الباب۔
یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، جب کہ ان سے روایت کرنے والے صرف حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ہیں (۷)۔

(۱) تہذیب الکمال: ۱۱۶/۲۸، والإصابة: ۴۲۸/۳۔

(۲) تہذیب الکمال: ۱۱۶/۲۸، والاستيعاب بهامش الإصابة: ۳۶۴/۳۔

(۳) سنن النسائي الكبرى: ۱/۱۵۵، کتاب الصلاة الأولى، باب النهي عن الصلاة بعد العصر، رقم (۳۷۱)، والحدیث أخرجه أيضاً ابن أبي عاصم في الأحاد والمثنائي: ۳۹۱، رقم (۵۵۵)، وابن أبي شيبة، رقم (۷۳۹۹)، وأبو داود الطيالسي، رقم (۱۲۲۶)، وغيرهم من الأئمة، انظر للاستزادة تعليقات الشيخ محمد عوامة على المصنف لابن أبي شيبة: ۱۰۸/۵، رقم (۷۳۹۹)۔

(۴) تہذیب الکمال: ۱۱۵/۲۸-۱۱۶، والعمدة: ۶۷/۱۵، والإصابة: ۴۲۸/۳، وتہذیب التہذیب: ۱۸۸/۱۰۔

(۵) عمدة القاري: ۶۷/۱۵، والإصابة: ۴۲۹/۳، والاستيعاب بهامش الإصابة: ۳۶۱/۳۔

(۶) حوالہ جات بالا، وسیر أعلام النبلاء: ۲۴۹/۱۔

(۷) سیر أعلام النبلاء: ۲۵۰/۱۔

علامہ ذہبی کے مطابق ان کا انتقال خلافت فاروقی میں ہوا۔ جب کہ ابن اسحاق کے مطابق خلافت عثمانی میں ان کا انتقال ہوا (۱)۔ واللہ اعلم۔ رضی اللہ عنہ وأرضاه۔

ترجمة الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

حدیث عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی مطابقت ترجمة الباب کے ساتھ بایں معنی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جہل کے سلب کی تخمیس نہیں کی تھی (۲)۔

قَالَ مُحَمَّدٌ : سَمِعَ يُوسُفَ صَالِحًا ، وَإِبْرَاهِيمَ أَبَاهُ . [۳۷۴۶ ، ۳۷۶۶]

محمد کہتے ہیں: یوسف کا صالح سے ثابت ہے اور ان کے والد ابراہیم کا سماع بھی حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔

مذکورہ جملے کا مطلب

محمد سے مراد امام بخاری خود ہیں اور یوسف سے مراد ابن مابشون، صالح سے مراد ابن ابراہیم اور ابراہیم سے مراد ابن عبد الرحمن بن عوف رحمہم اللہ اور اب سے مراد حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ہیں اور ان سب کا سماع بالترتیب ثابت ہے۔ علاوہ ازیں یہ جملہ صرف ابو ذر اور ابو الوقت کے نسخے میں پایا جاتا ہے (۳)۔

مذکورہ جملے کا مقصد

بعض حضرات نے حدیث باب کو منقطع کہا ہے، وہ یہ کہتے ہیں کہ یوسف بن مابشون اور صالح بن ابراہیم کے درمیان ایک راوی عبد الواحد بن ابی عون ساقط ہے، جب کہ ان کا ذکر ضروری ہے، اس لیے روایت منقطع ہے، متصل نہیں۔

در اصل یہی روایت امام بزار نے بھی اپنی مسند میں ذکر کی ہے اور سند یہی بخاری والی ہے، لیکن اُس میں عبد الواحد بن ابی عون بھی ہیں، جو ثقہ راوی ہیں، پوری سند ملاحظہ کیجیے، بات آسان ہو جائے گی۔ امام بزار

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۱/ ۲۵۰-۲۵۱، والاستيعاب بهامش الإصابة: ۳/ ۳۶۳۔

(۲) عمدة القاري: ۱۵/ ۶۶۔

(۳) عمدة القاري: ۱۵/ ۶۸۔

اپنی روایت میں فرماتے ہیں:

”حدثنا محمد بن عبد الملك القرشي وعلي بن مسلم قالا: حدثنا

يوسف بن أبي سلمة.....، حدثنا عبد الوحد بن أبي عون، حدثني صالح بن

إبراهيم.....، قال: بينا.....“.

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد امام بزار نے یہ بھی فرمادیا:

”وهذا الحديث لا نعلمه يروى عن عبد الرحمن بن عوف، عن

رسول الله صلى الله عليه وسلم إلا من هذا الوجه بهذا الإسناد.....“.

ظاہر ہے کہ اب بات پیچیدہ ہو گئی کہ بزار تو کچھ کہہ رہے ہیں اور امام بخاری کچھ۔

اس اشکال اور پیچیدگی کو دور فرمانے کے لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا جملہ ارشاد فرمایا کہ

عبد الواحد بن ابی عون اگرچہ میری سند میں نہیں ہیں، لیکن اس سے حدیث کے اتصال پر کوئی فرق نہیں پڑتا، اس

کی وجہ یہی ہے کہ یوسف کا سماع صالح سے ثابت ہے اور ابراہیم کا سماع بھی اپنے والد عبد الرحمن بن عوف رضی

اللہ عنہ سے ثابت ہے، اس لیے اس میں کوئی حرج نہیں اور حدیث متصل ہی ہے۔ منقطع نہیں (۱)۔ واللہ اعلم

دوسری حدیث حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۷۳ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مَسْلَمَةَ ، عَنْ مَالِكٍ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ ، عَنْ ابْنِ أَفْلَحٍ ،

عَنْ أَبِي مُحَمَّدٍ مُوَكَّلٍ أَبِي قَتَادَةَ ، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : خَرَجْنَا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ

عَامَ حَنْينَ ، فَلَمَّا التَقَيْنَا . كَانَتْ لِلْمُسْلِمِينَ جَوْلَةٌ . فَرَأَيْتُ رَجُلًا مِنَ الْمُشْرِكِينَ عَلَا رَجُلًا مِنَ

الْمُسْلِمِينَ ، فَاسْتَدْرَتُ حَتَّى أَتَيْتُهُ مِنْ وَرَائِهِ حَتَّى ضَرَبْتُهُ بِالسَّيْفِ عَلَى حَبْلِ عَاتِقِهِ ، فَأَقْبَلَ عَلَيَّ

فَضَمَّنِي ضِمَّةً وَجَدْتُ مِنْهَا رِيحَ الْمَوْتِ ، ثُمَّ أَذْرَكُهُ الْمَوْتَ فَأَرْسَلَنِي ، فَلَحِقْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ

فَقُلْتُ : مَا بَالُ النَّاسِ ؟ قَالَ : أَمْرُ اللَّهِ ، ثُمَّ إِنَّ النَّاسَ رَجَعُوا ، وَجَلَسَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ :

(مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا لَهُ عَلَيْهِ بَيِّنَةٌ فَلَهُ سَلْبُهُ) . فَقُمْتُ فَقُلْتُ : مَنْ يَشْهَدُ لِي ، ثُمَّ جَلَسْتُ ، ثُمَّ قَالَ :

(۱) مسند الإمام البزار: ۲۲۵/۳، باب ماروی سعد بن إبراهيم..... رقم (۱۰۱۳)، وعمدة القاري:

۶۸/۱۵، وإرشاد الساري: ۲۲۱/۵، نیز دیکھیے، فتح الباری: ۲۴۹/۶.

(۲) قوله: ”عن أبي قتادة.....“: الحديث، مرّ تخريجہ فی کتاب البیوع، باب بیع السلاح فی الفتنة.....

(مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا لَهُ عَلَيْهِ بَيِّنَةٌ فَلَهُ سَلْبُهُ) . فَقُمْتُ ، فَقُلْتُ : مَنْ يَشْهَدُ لِي ، ثُمَّ جَلَسْتُ ، ثُمَّ قَالَ
الثَّالِثَةُ مِثْلُهُ : فَقُمْتُ ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : (مَا لَكَ يَا أَبَا قَتَادَةَ) . فَأَقْتَصَصْتُ عَلَيْهِ الْقِصَّةَ ،
فَقَالَ رَجُلٌ : صَدَقَ يَا رَسُولَ اللَّهِ ، وَسَلْبُهُ عِنْدِي فَأَرْضِيهِ عَنِّي ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ رَضِيَ
اللَّهُ عَنْهُ : لَا هَا اللَّهُ ، إِذَا لَا يَعْمِدُ إِلَى أَسَدٍ مِنْ أَسَدِ اللَّهِ ، يُقَاتِلُ عَنِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ ﷺ ، يُعْطِيكَ
سَلْبُهُ . فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (صَدَقَ) . فَأَعْطَاهُ ، فَبِعْتُ الدَّرْعَ ، فَأَتَيْتُ بِهِ مَخْرَفًا فِي بَنِي سَلَمَةَ ،
فَإِنَّهُ لَأَوَّلُ مَالٍ تَأْتَلَتْهُ فِي الْإِسْلَامِ . [ر : ۱۹۹۴]

تراجم رجال

۱- عبد اللہ بن مسلمہ

یہ عبد اللہ بن مسلمہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الایمان، ”باب من الدین الفرار من
الفتن“ کے تحت گزر چکے (۱)۔

۲- مالک

یہ امام دارالبحر مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ بدء الوحي کی ”الحديث الثاني“
کے تحت آچکا (۲)۔

۳- یحییٰ بن سعید

یہ یحییٰ بن سعید انصاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات بدء الوحي کی ”الحديث الأول“ کے
تحت بیان ہو چکے ہیں (۳)۔

۴- ابن افلح

یہ عمر بن کثیر بن افلح - منسوب إلى جدہ - رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۴)۔

(۱) کشف الباری: ۸۰/۲۔

(۲) کشف الباری: ۲۹۰/۱، و: ۸۰/۲۔

(۳) کشف الباری: ۲۳۸/۱، و: ۳۲۱/۲، باب صوم رمضان احتساباً.....

(۴) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب البیوع، باب بیع السلاح في الفتنة وغيرها.

۵- اُبی محمد

یہ ابو محمد نافع مولیٰ ابی قتادہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۱)۔

۶- اُبو قتادہ

یہ مشہور صحابی حضرت ابو قتادہ الحارث بن ربیع الانصاری رضی اللہ عنہ ہیں (۲)۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حنین والے سال (۸ھ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حنین کی طرف نکلے، جب ہمارا دشمن سے آمنا سامنا ہوا تو مسلمانوں کو (شروع میں) ناکامی ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ ایک مشرک ایک مسلمان پر غالب آ گیا ہے تو میں گھوما اور اس کی گردن کی رگ پر تلوار ماری تو وہ میری طرف متوجہ ہو گیا اور مجھے اس زور سے دبایا کہ مجھے موت کی بو محسوس ہونے لگی، پھر وہ مر گیا اور مجھے بھی چھوڑ دیا!

اس کے بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملا (اور ان سے پوچھا کہ) لوگوں کو کیا ہوا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ یہی فیصلہ خداوندی تھا (جو پورا ہوا)۔ اس کے بعد مسلمان دوبارہ پلٹے (اور فتح حاصل کی)، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے اور اعلان کیا کہ ”من قتل قتیلاً، له علیه بینه، فله سلبہ“۔

(یہ اعلان سن کر) میں کھڑا ہوا اور کہا کہ میرے لیے کون گواہی دے گا؟ پھر بیٹھ گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اعلان کیا تو میں پھر کھڑا ہوا..... تیسری مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کیا تو ایک آدمی بول اٹھا، یا رسول اللہ! یہ سچ کہہ رہے ہیں اور ان کا سلب میرے پاس ہے، لیکن آپ ان کو میرے حق میں راضی کروائیں (کہ اسے میرے پاس ہی رہنے دیں)۔

(اس آدمی کی یہ بات سن کر) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، نہیں، خدا کی قسم! اللہ کے شیروں میں ایک شیر جو اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے قتال کرتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز یہ نہیں

(۱) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب جزاء الصيد، باب لا یعین المحرم الحلال.....

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب النہی عن الاستنجاء بالیمین۔

چاہیں گے کہ اس کا سلب آپ کو دے دیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تصدیق کی اور سلب ابوقنادہ کو دے دیا۔

ابوقنادہ کہتے ہیں کہ میں نے اس سلب سے (جوزرہ تھی) قبیلہ بنی سلمہ میں ایک باغ خریدا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد یہ سب سے پہلا مال تھا، جو میں نے ذخیرہ کیا۔
اس حدیث کی شرح کتاب المغازی میں غزوہ حنین کے تحت آچکی ہے (۱)۔

ترجمہ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

اس حدیث کی ترجمہ کے ساتھ مطابقت بایں معنی ہے کہ حضرت ابوقنادہ رضی اللہ عنہ کو جو سلب دیا گیا اس کی تخمیس نہیں ہوئی تھی (۲)۔

سلب حق شرعی ہے یا حق امامت؟

باب کے شروع میں یہ مسئلہ گزر چکا ہے کہ قاتل سلب قاتل کا مستحق ہوتا ہے اور یہ کہ اس کے لیے اذن امام شرط ہے یا نہیں؟

اس مسئلے کو مزید واضح کرنے کے لیے ہم ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا خلاصہ نقل کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ غزوہ حنین میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ بھی ارشاد فرمایا، ”من قتل قتیلاً، له علیہ بینة، فله سلبہ“ اب فقہاء کا اختلاف ہو گیا کہ استحقاق سلب کی بنیاد شرع ہے یا شرط (یعنی امام شرط لگائے اور اجازت دے)؟ شافعی و احمد تو حق شرع کے قائل ہوئے، جب مالک و ابو حنیفہ شرط کے۔

اب ماخذ نزاع کیا ہے اور اختلاف فقہاء کی بنیاد کس پر ہے؟

ماخذ و بنیاد یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کی مختلف حیثیتیں ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم امام بھی ہیں اور حاکم بھی، مفتی بھی اور رسول بھی۔

اب آپ علیہ السلام کوئی بات منصب رسالت کے تحت ارشاد فرماتے ہیں تو وہ عام شریعت بن جاتی ہے اور اس کا اطلاق سب پر ہوتا ہے۔ کوئی بات منصب افتاء کے تحت ارشاد فرماتے ہیں، اس کی واضح مثال

(۱) کشف الباری، کتاب المغازی: ۵۴۰-۵۴۱۔

(۲) عمدة القاری: ۶۸/۱۵۔

حضرت ہند بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان رضی اللہ عنہما کا مسئلہ ہے، یہ خاتون آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور اپنے شوہر کے بخل کی اور نان و نفقہ میں تنگی کی شکایت کی، تو آپ نے فرمایا، ”خذی ما یکفیک، وولدک بالمعروف“ یہ فتویٰ ہے، حکم اور فیصلہ نہیں، ورنہ آپ مدعی علیہ کو بھی طلب کرتے، جواب دعویٰ دائر کرنے کا حکم دیتے اور آپ ہند رضی اللہ عنہا سے بینہ بھی طلب کرتے۔

کبھی کوئی بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم منصب امامت کے تحت فرمایا کرتے تھے، جس میں امت کی اس وقت، اس جگہ اور اس کیفیت اور حالت کے تقاضے اور مصلحت کو پیش نظر رکھا جاتا تھا، پھر بعد کے ائمہ بھی اس کی رعایت کیا کرتے تھے، اس مصلحت کے پیش نظر، جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی زمانا، مکان یا حالاً چلے تھے، یہیں سے فقہاء کا اختلاف ہو جاتا ہے، اس کی بہت سی مثالیں ہیں، جن میں ایک مثال ”من قتل قتیلاً.....“ ہے۔

اب یہ ارشاد کس قسم کے تحت داخل ہے، اس میں فقہائے امت کا اختلاف رائے ہو گیا، چنانچہ وہ حضرات جو اس بات کے قائل ہیں کہ یہ ارشاد منصب امامت کے تحت تھا تو ان کے نزدیک یہ حکم ائمہ سے متعلق ہے اور ان کی اذن سے مشروط۔ اور جو حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ یہ ارشاد منصب رسالت و نبوت کے تحت تھا تو ان کے نزدیک یہ حکم شرع عام ہے کہ جو بھی قاتل ہو گا وہ سلب قتل کا مستحق ہوگا، اذن امام ہو یا نہ ہو۔ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”وفي هذه الغزوة أنه قال: ”مَنْ قَتَلَ قَتِيلًا، لَهُ عَلَيْهِ بَيْنَةٌ، فَلَهُ

سَلْبُهُ“ (۱). وقاله في غزوة أخرى قبلها، فاختلف الفقهاء، هل هذا السلب

مستحق بالشرع أو بالشرط؟ على قولين، هما روايتان عن أحمد.

أحدهما: أنه له بالشرع، شرطه الإمام أو لم يشرطه، وهو قول الشافعي.

والثاني: أنه لا يستحق إلا بشرط الإمام، وهو قول أبي حنيفة.

وقال مالك رحمه الله: لا يستحق إلا بشرط الإمام بعد القتال. فلو

نصَّ قبله، لم يجز، قال مالك: ولم يبلغني أن النبي صلى الله عليه وسلم قال

ذلك إلا يوم حنين، وإنما نفل النبي صلى الله عليه وسلم بعد أن برد القتال.

ومأخذ النزاع أن النبي صلى الله عليه وسلم كان هو الإمام، والحاكم، والمفتي، وهو الرسول، فقد يقول الحكم بمنصب الرسالة، فيكون شرعاً عاماً إلى يوم القيامة، كقوله: "من أحدث في أمرنا هذا ما ليس منه فهو رد" (١) وقوله: "من زرع في أرض قوم بغير إذنهم فليس له من الزرع شيء، وله نفقته" (٢)، وكحكمه "بالشاهد، واليمين" (٣) "وبالشفعة فيما لم يقسم" (٤).

وقد يقول بمنصب الفتوى، كقوله لهند بنت عتبة امرأة أبي سفيان -وقد شكّت إليه شخّ زوجها، وأنه لا يعطيها ما يكفيها-: "خذي ما يكفيك وولديك بالمعروف" (٥)، فهذه فتيا لا حكم؛ إذ لم يدع بأبي سفيان، ولم يسأله عن جواب الدعوى، ولا سألها البينة.

وقد يقول بمنصب الإمامة، فيكون مصلحة للأمة في ذلك الوقت، وذلك المكان، وعلى تلك الحال، فيلزم من بعده من الأئمة مراعاة ذلك على حسب المصلحة التي راعاها النبي صلى الله عليه وسلم زماناً ومكاناً وحالاً،

(١) أخرجه البخاري، كتاب الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور.....، رقم (٢٦٩٧)، ومسلم، كتاب الأفضية، باب نقض الأحكام الباطلة.....، رقم (٤٤٩٢) (١٨)، من حديث عائشة رضي الله عنها.
(٢) أخرجه أحمد: ٤٦٥/٣، ١٤١/٤، رقم (١٥٩١٥)، وأبوداود (٣٤٠٣)، وابن ماجه (٣٤٦٦)، من حديث رافع بن خديج.

(٣) أخرجه مسلم (٤٤٧٢)، في الأفضية: باب القضاء باليمين والشاهد، من حديث ابن عباس.
(٤) أخرجه البخاري، كتاب البيوع، باب بيع الشريك.....، رقم (٢٢١٣)، وكتاب الشفعة، باب الشفعة فيما لم يقسم.....، رقم (٢٢٥٧)، وفي مواضع أخرى، ومسلم، كتاب المساقاة، باب الشفعة، رقم (٤١٢٨)، وأبوداود (٣٥١٤)، من حديث جابر بن عبد الله.

(٥) أخرجه البخاري، كتاب البيوع، باب من أجرى أمر أمصار.....، رقم (٢٢١١)، والنفقات: باب إذا لم ينفق الرجل، فللمرأة أن تأخذ بغير علمه، رقم (٥٣٦٤)، ومسلم (٤٤٧٧)، في الأفضية: باب قضية هند.

ومن هاهنا تختلف الأئمة في كثير من المواضع التي فيها أثر عنه صلى الله عليه وسلم، كقوله صلى الله عليه وسلم: "من قتل قتيلاً فله سلبه" هل قاله بمنصب الإمامة، فيكون حكمه متعلقاً بالأئمة، أو بمنصب الرسالة والنبوة، فيكون شرعاً عاماً؟ وكذلك قوله: "من أحيأ أرضاً ميتة فهي له" (۱) هل هو شرع عام لكل أحد، أذن فيه الإمام، أو لم يأذن أو هو راجع إلى الأئمة، فلا يملك بالإحياء إلا بإذن الإمام؟ على القولين، فالأول: للشافعي وأحمد في ظاهر مذهبهما.

والثاني: لأبي حنيفة، وفرق مالك بين الفلوات الواسعة، وما لا يتشاح فيه الناس، وبين ما يقع فيه التشاح، فاعتبر إذن الإمام في الثاني، دون الأول (۲).

۱۹ - باب : ما كان النبي ﷺ يُعْطِي الْمُؤَلَّفَةَ قُلُوبُهُمْ وَغَيْرَهُمْ مِنَ الْخُمْسِ وَنَحْوِهِ .

ترجمة الباب كما مقصد

یہاں امام بخاری مؤلفۃ القلوب کا مسئلہ بیان کر رہے ہیں، نیز یہ کہ نبی علیہ السلام خمس میں سے مؤلفۃ القلوب وغیرہ کو دیا کرتے تھے، تو بات وہی آگئی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو غنائم کے معاملے میں مکمل اختیار حاصل تھا، جہاں آپ مناسب سمجھتے تھے، خرچ کرتے، جس میں مؤلفۃ القلوب بھی داخل ہیں۔ قاضی اسماعیل فرماتے ہیں:

"في إعطاء النبي صلى الله عليه وسلم للمؤلفة من الخمس دلالة

على أن الخمس إلى الإمام؛ يفعل فيه ما يرى من المصلحة" (۳).

(۱) رواه البخاري، في المزارعة: باب من أحيأ أرضاً مواتاً، تعليقا، ومالك في المؤطأ موصولا: ۷۴۴/۲، في الأقضية، باب القضاء في عمارة الموات، رقم (۱۴۲۵)، عن ابن عمر رضي الله عنهما، ورواه غير واحد من الصحابة، انظر جامع الأصول: ۳۴۷/۱-۳۵۱، الكتاب السادس.....

(۲) زاد المعاد: ۴۸۹/۳-۴۹۱، فصل في أن من قتل قتيلاً فله سلبه.

(۳) فتح الباري: ۲۵۲/۶.

مؤلفۃ القلوب کن کو کہا جاتا ہے؟

مؤلفۃ القلوب کی مختلف قسمیں ہیں:

① وہ لوگ جو مسلمان تو ہو چکے تھے، لیکن اسلام ان کے دلوں میں رچا نہیں تھا، راسخ نہیں ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو دیا کرتے تھے، تاکہ اسلام ان کے دلوں میں راسخ ہو جائے، قاعدہ ہے: ”الإنسان عبد الإحسان“ (۱)۔

② وہ لوگ جو تھے تو کافر، تاہم ان کے بارے میں یہ توقع کی جاتی تھی کہ ان کو قریب لایا گیا تو یہ مسلمان ہو جائیں گے۔ ان لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تالیف قلب کے طور پر دیا کرتے تھے۔

③ وہ کفار جن کے بارے میں یہ خطرہ رہتا تھا کہ وہ اپنے پڑوسی مسلمانوں کو تکلیف پہنچائیں گے، مصلحتاً ان جیسوں کی تالیف بھی کی جاتی تھی۔

ترجمة الباب میں ”المؤلفۃ قلوبہم“ سے پہلی دو قسمیں اور ”و غیرہم“ سے آخری قسم مراد ہے (۲)۔ یہ رائے کہ وغیرہم سے مؤلفۃ القلوب کی تیسری قسم مراد ہے، عام شراح بخاری کی ہے، تاہم مولف علیہ الرحمۃ نے ترجمۃ الباب کے تحت جو احادیث ذکر کی ہیں، ان میں حضرت عمر اور حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہما کا ذکر بھی آیا ہے، ان کو تیسری قسم میں شامل کرنا ممکن ہی نہیں ہے، ان کی ایمانی کیفیت ظاہر و باہر ہے، چہ جائیکہ ان کو کفار میں داخل مانا جائے، اس لیے یہ کہا جائے گا کہ لفظ وغیرہم عام ہے، اس میں مؤلفۃ القلوب کے علاوہ بھی داخل ہیں، تیسری قسم کے کفار اور سارے مسلمان اور یہ کہا جائے گا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار کلی کو یہاں بیان کیا جا رہا ہے۔ واللہ اعلم

”ونحوہ“ میں ضمیر مجرور النخمس کی طرف راجع ہے، ”أی ونحو الخمس“ اس سے مراد مال خراج، جز یہ اور فیء ہے (۲)۔

(۱) دیکھیے، الإعجاز والإيجاز للثعالبی: ۹۲/۱، والتمثیل والمحاضرة له: ۶۶، ما یتمثل به من ذکر الإنسان..... وفوات الوفيات: ۱۵۳/۳، ترجمة السراج الوراق، رقم (۳۷۹)۔

(۲) عمدة القاري: ۶۹/۱۵، وفتح الباري: ۲۵۲/۶، وأحكام القرآن للرازي: ۱۵۹/۳، البتہ ابن قدامہ نے مؤلفۃ القلوب کی چھ قسمیں بیان کی ہیں، دو کفار کی اور چار مسلمانوں کی۔ دیکھیے، المغنی: ۳۲۸-۳۲۹، باب قسمة الفيء..... =

مؤلفۃ القلوب کا حصہ اب باقی ہے یا نہیں؟

اب سوال یہ ہے کہ مؤلفۃ القلوب کا حصہ باقی ہے یا نہیں؟

ائمہ ثلاثہ کے نزدیک معتمد قول کے مطابق مؤلفۃ القلوب کا حصہ اب بھی کسی نہ کسی صورت میں باقی

ہے، وہ ساقط نہیں ہوا۔

ان حضرات کا ایک قول مقید بالاحتیاج والضرورة بھی ہے، یعنی ان کا سہم ساقط ہو گیا ہے کہ اسلام کو اب

شوکت ومنعۃ حاصل ہو گیا ہے، لیکن اگر کسی وقت ان کے استتلاف کی ضرورت پائی گئی تو ان کو سہم دیا جائے گا (۱)۔

حنفیہ کا قول یہ ہے کہ مؤلفۃ القلوب کو حصہ نہیں ملے گا کہ ان کے سہم کے ساقط ہونے پر صحابہ کا اجماع

ہو چکا ہے (۲)۔ حنفیہ کی دلیل اقرع بن حابس اور عیینہ بن حصن کا واقعہ ہے۔

چنانچہ امام بیہقی وغیرہ نے روایت نقل کی ہے کہ یہ دونوں حضرات صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس

آئے اور ان سے انہوں نے تقاضا کیا، زمین مانگی اور ایک تحریر لکھوائی، پھر یہ دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے

پاس گئے کہ وہ بھی اس تحریر پر اپنی گواہی ثبت کر دیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس تحریر کو لیا، اس پر تھوک دیا اور

تھوک کر اس کو مٹا دیا، مٹا کر پھر پھاڑ دیا۔ یہ لوگ غصے میں حضرت صدیق اکبر کے پاس آئے اور کہنے لگے: ”ما

ندری، الخلیفۃ أنت أم عمر؟“ صدیق نے فرمایا: ”هو إن شاء الله“، کتنا عجیب جواب دیا!!

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا تھا کہ اسلام اس زمانے میں ذلیل تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم

تمہاری تالیف کیا کرتے تھے، اب اللہ نے اسلام کو عزت دے دی ہے، جاؤ! جو مرضی آئے کرو، اسلام اب تم

سے مستغنی ہے، اس لیے اسلام پر قائم رہو، ورنہ تمہارے اور ہمارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی (۳)۔ یہ شان

تھی عمر کی!!!

= المؤلفۃ قلوبہم، فصل، رقم (۵۱۰۷)۔

(۲) عمدة القاری: ۶۹/۱۵، وفتح الباری: ۲۵۲/۶۔

(۱) المؤطا مع الأوجز: ۹۰/۶، کتاب الزکاة، باب أخذ الصدقة ومن يجوز له أخذها، رقم (۲۹/۶۶۵)۔

(۲) فتح القدیر: ۲۰۱/۲، وأحكام القرآن للرازي: ۱۶۱/۳، وفتح الملہم: ۱۳۳/۵۔

(۳) سنن البيهقي الكبرى: ۳۲/۷، کتاب قسم التصرفات، باب سقوط سهم المؤلفۃ قلوبہم، رقم

(۱۳۱۸۹)، وأحكام القرآن للرازي: ۱۶۰/۳-۱۶۱۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی اس مسئلے میں عمر رضی اللہ عنہ کی موافقت کی اور صحابہ میں سے کسی نے اس پر نکیر نہیں کی، گویا کہ ایک قسم کا اجماع صحابہ منعقد ہو گیا (۱)۔

اس واقعے سے معلوم ہوا کہ یہ حکم معلول بالعلۃ تھا، علت ختم ہو گئی تو حکم بھی مرتفع ہو گیا، مگر اس کا تقاضا یہ ہو گا کہ اگر علت عود کر آئے گی تو حکم پھر کیا ہو گا؟ تو اس میں مختلف اقوال ہیں:

بعض احناف فرماتے ہیں کہ یہ انتہاء الحکم بانتهاء علتہ کے قبیل سے ہے، جیسا کہ رمضان کے ختم ہونے سے اس کا حکم یعنی صوم بھی ختم ہو جاتا ہے، اسی طرح ذل الاسلام بھی ہے، یعنی علت اعطاء ختم ہو جانے کی وجہ سے اعطاء المؤلفہ بھی ختم ہو گیا ہے، ورنہ اسلام کا دوبارہ ذلیل ہونا لازم آئے گا، وذا لا يجوز۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں اجماع صحابہ ہو چکا ہے، شیخین کی موافقت ہو چکی ہے اور یہ اجماع ناسخ ہے۔ جب کہ مذکورہ حکم منسوخ (۲)۔

تنبیہ

ابن رشد نے بدایۃ المجتہد میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ مؤلفۃ القلوب کو حصہ دیا جاسکتا ہے، اگر امام کی اس پر رائے ہو (۳)۔

لیکن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس نقل کو غریب قرار دیا ہے اور فرمایا ہے:

”لم أجد هذا النقل عن أبي حنيفة، رحمه الله، في كتبنا إلى الآن،

وليته ثبت!“ (۴)۔

بہر حال اس مسئلے میں احناف کا جو مسلک ہے وہ غیر مؤید بالدلیل نہیں ہے (۵)۔

(۱) أحکام القرآن: ۱۶۱/۳، وفتح الملہم: ۱۳۴/۵، وشرح النقاۃ: ۳۸۵/۱، الزکاة، مصارف الزکاة۔

(۲) شرح النقاۃ: ۳۸۵/۱، وفتح الملہم: ۱۳۴/۵۔

(۳) بدایۃ المجتہد: ۲۷۵/۱، کتاب الزکاة، الفصل الأول فی عدد الأصناف المسألة الثانية۔

(۴) فتح الملہم: ۱۳۴/۵۔

(۵) اس مسئلے کی مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے، أحکام القرآن: ۱۶۰/۳-۱۶۱، مطلب: فی المؤلفۃ القلوب۔ وفتح

الملہم: ۱۳۳/۵-۱۳۵، والموسوعة الفقهية: ۳۱۹/۲۳، و: ۱۳/۳۶۔

مؤلفۃ القلوب کو کہاں سے دیا جاتا تھا؟

اس کے بعد اس میں بھی ائمہ کا اختلاف ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مؤلفۃ القلوب کو کہاں سے دیا کرتے تھے؟ چنانچہ امام مالک اور ایک جماعت کا خیال یہ ہے کہ ان کو خمس میں سے دیا کرتے تھے۔ امام شافعی اور ایک گروہ کی رائے یہ ہے کہ ان لوگوں کو خمس الخمس میں سے دیتے تھے (۱)۔

امام بخاری کی اپنی رائے بھی امام مالک کی رائے کے موافق ہے۔ کما مر۔

رَوَاهُ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ زَيْدٍ ، عَنْ النَّبِيِّ ﷺ . [ر : ۴۰۷۵]

اس بات کو عبد اللہ بن زید نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

عبد اللہ بن زید بن عاصم انصاری، مازنی، مدنی رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں (۲)۔

تعلیق مذکور کا مقصد

اس تعلیق کا مقصد مؤلف علیہ الرحمۃ نے ترجمۃ الباب میں اپنا جو دعویٰ ذکر کیا ہے، اس کی تقویت ہے کہ یہی چیز عبد اللہ بن زید سے بھی مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مؤلفۃ القلوب وغیرہ کو خمس وغیرہ میں سے دیا کرتے تھے۔

تعلیق مذکور کی تخریج

اس تعلیق میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی اس طویل حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے، جو مؤلف نے مغازی (۳) میں قصہ حنین کے تحت موصولاً ذکر کی ہے (۴)۔ امام بخاری کے علاوہ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کتاب الزکاة میں اس حدیث کو موصولاً ذکر کیا ہے (۵)۔

(۱) فتح الباری: ۲۵۲/۶، نیز دیکھیے، کشف الباری، کتاب المغازی: ۵۵۳-۵۵۴۔

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب لا يتوضأ من الشك.....

(۳) صحيح البخاري، کتاب المغازی، باب غزوة الطائف، رقم (۴۳۳۰)۔

(۴) فتح الباری: ۲۵۲/۶، وعمدة القاری: ۷۰/۱۵۔

(۵) صحيح مسلم، کتاب الزکاة، باب إعطاء المؤلفۃ قلوبهم على الإسلام، رقم (۲۴۴۶)۔

تعلیق کی ترجمہ الباب کے ساتھ مناسبت

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث کے ابتدائی جملے یہ ہیں:

”لما أفاء الله على رسوله صلى الله عليه وسلم يوم حنين، قسم في

الناس في المؤلفة قلوبهم“.

انہی الفاظ میں ترجمہ الباب کے ساتھ تعلیق کی مطابقت ہے کہ ان میں مؤلفۃ القلوب کو عطا یا دیے

جانے کا ذکر ہے (۱)۔

اس تعلیق کے علاوہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب کے تحت دس احادیث ذکر کی ہیں، ان میں کی پہلی

حدیث حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۷۴ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُونُسَ : حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ ، عَنْ الزُّهْرِيِّ ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ ، وَعُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ : أَنَّ حَكِيمَ بْنَ حِزَامٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : سَأَلْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَأَعْطَانِي ، ثُمَّ سَأَلْتُهُ فَأَعْطَانِي ، ثُمَّ قَالَ لِي : (يَا حَكِيمُ ، إِنَّ هَذَا الْمَالَ خَصِيرٌ حُلُوٌّ ، فَمَنْ أَخَذَهُ بِسَخَاوَةِ نَفْسٍ بُورِكَ لَهُ فِيهِ ، وَمَنْ أَخَذَهُ بِإِشْرَافِ نَفْسٍ لَمْ يُبَارَكْ لَهُ فِيهِ ، وَكَانَ كَالَّذِي يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ ، وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلَى) . قَالَ حَكِيمٌ : فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ اللَّهِ ، وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ ، لَا أُرْزَأُ أَحَدًا بَعْدَكَ شَيْئًا حَتَّى أَفَارِقَ الدُّنْيَا . فَكَانَ أَبُو بَكْرٍ يَدْعُو حَكِيمًا لِيُعْطِيَهُ الْعَطَاءَ فَيَأْتِي أَنْ يَقْبَلَ مِنْهُ شَيْئًا ، ثُمَّ إِنَّ عُمَرَ دَعَاهُ لِيُعْطِيَهُ فَيَأْتِي أَنْ يَقْبَلَ مِنْهُ ، فَقَالَ : يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ ، إِنِّي أُعْرِضُ عَلَيْكُمْ حَقَّهُ الَّذِي قَسَمَ اللَّهُ لَهُ مِنْ هَذَا النَّيِّ فَيَأْتِي أَنْ يَأْخُذَهُ . فَلَمْ يَرَزَأُ حَكِيمٌ أَحَدًا مِنَ النَّاسِ شَيْئًا بَعْدَ النَّبِيِّ ﷺ حَتَّى تُوُفِيَ . [ر : ۱۳۶۱]

تراجم رجال

۱- محمد بن یوسف

یہ محمد بن یوسف فریابی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب العلم، ”باب ما کان النبی صلی اللہ

(۱) فتح الباری: ۶/۲۵۲.

(۲) قولہما: ”أَنَّ حَكِيمَ بْنَ حِزَامٍ“ الحدیث، مر تخريجہ فی کتاب الزکاة، باب الاستغفار عن المسألة.

علیہ وسلم یتخولہم.....“ کے تحت آچکا ہے (۱)۔

۲- الأوزاعي

یہ مشہور محدث عبدالرحمن بن عمرو الاوزاعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے مفصل حالات کتاب العلم، ”باب الخروج في طلب العلم“ میں گزر چکے (۲)۔

۳- الزهري

محمد بن مسلم ابن شہاب الزہری رحمۃ اللہ علیہ کا اجمالی تذکرہ ”بدء الوحي“ میں گزر چکا ہے (۳)۔

۴- سعيد بن المسيب

یہ مشہور محدث حضرت سعید بن المسیب رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الايمان، ”باب من قال: إن الايمان.....“ کے ضمن میں بیان کیے جا چکے ہیں (۴)۔

۵- عروہ بن الزبير

مشہور تابعی حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ اجمالاً ”بدء الوحي“ میں گزر چکا (۵)۔

۶- حكيم بن حزام

یہ صحابی رسول، حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ ہیں (۶)۔

ترجمہ حدیث

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگا، آپ صلی

(۱) کشف الباری: ۲۱۶/۳۔

(۲) کشف الباری: ۳۵۳/۳۔

(۳) کشف الباری: ۳۲۶/۱، الحدیث الثالث۔

(۴) کشف الباری: ۱۵۹/۲۔

(۵) کشف الباری: ۲۹۱/۱، تفصیلی حالات کے لیے دیکھیے، کشف الباری: ۴۳۶/۲۔

(۶) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الزکاة، باب لا صدقة إلا عن ظهر غنی۔

اللہ علیہ وسلم نے مجھے عطا فرمایا، میں نے پھر مانگا، آپ علیہ السلام نے پھر عطا کیا، پھر فرمایا، اے حکیم! یہ مال سرسبز و خوش گوار ہے، سو جو شخص اسے نیک نیتی سے لیتا ہے تو اس کے مال میں برکت ہوتی ہے اور جو لالچ و حرص (اشراف نفس) کے ساتھ لیتا ہے تو اس کے مال میں برکت نہیں ہوتی، بلکہ وہ اس جیسا ہو جاتا ہے جو کھاتا جاتا ہے، لیکن..... اس کا پیٹ نہیں بھرتا اور اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔

حضرت حکیم فرماتے ہیں، میں نے کہا اے اللہ کے رسول! قسم اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا! میں آپ کے بعد کسی سے کچھ بھی نہیں لوں گا، یہاں تک کہ دنیا چھوڑ دوں۔
چنانچہ حضرت ابوبکر، حضرت حکیم کو بلایا کرتے کہ انہیں عطا فرمائیں، لیکن وہ ان سے کچھ بھی لینے سے انکاری رہے۔ پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہم نے انہیں طلب کیا کہ انہیں عطا کریں، ان سے بھی انہوں نے کچھ لینے سے انکار کیا۔

(یہ صورت حال دیکھ کر) عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اے مسلمانوں کی جماعت! میں حکیم پر ان کا وہ حق پیش کر رہا ہوں، جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اس مال فیء میں رکھا ہے، لیکن وہ اس کے قبول سے انکار کر رہے ہیں۔
اس طرح حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تاحیات لوگوں میں سے کسی سے کچھ بھی نہیں لیا۔ اللہ اکبر!

تنبیہ

اس حدیث کا تعلق چونکہ کتاب الزکاۃ سے ہے، اس لیے اس کی شرح وہاں ذکر ہوگی (۱)۔

ترجمہ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں اس لیے ذکر فرمایا ہے کہ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ مؤلفۃ القلوب میں سے تھے (۲)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی بنیاد پر مختلف مواقع پر انہیں مال وغیرہ عطا فرمایا کرتے تھے، جس کا ذکر ”سألت فأعطانی“ میں ہے، سو مطابقت پائی گئی (۳)۔

(۱) اس حدیث کی بعض تشریحات، کشف الباری، کتاب الرقاق: ۳۹۷-۲۹۸ میں آچکیں۔

(۲) مؤلفۃ القلوب کے ناموں کے لیے دیکھیے، کشف الباری، کتاب المغازی: ۵۵۴، مع حوالہ جات۔

(۳) عمدة القاری: ۷۰/۱۵، والکوثر الجاری: ۱۲۵/۶۔

باب کی دوسری حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۷۵ : حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ : حَدَّثَنَا حَمَادُ بْنُ زَيْدٍ ، عَنْ أَيُّوبَ ، عَنْ نَافِعٍ : أَنَّ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : يَا رَسُولَ اللَّهِ ، إِنَّهُ كَانَ عَلَيَّ اعْتِكَافُ يَوْمٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ ، فَأَمَرَهُ أَنْ يَنْبِيَ بِهِ ، قَالَ : وَأَصَابَ عُمَرُ جَارِبَتَيْنِ مِنْ سَيِّ حُنَيْنٍ ، فَوَضَعَهُمَا فِي بَعْضِ بُيُوتِ مَكَّةَ ، قَالَ : فَمَنْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى سَيِّ حُنَيْنٍ ، فَجَعَلُوا يَسْعَوْنَ فِي السُّكَّكِ ، فَقَالَ عُمَرُ : يَا عَبْدَ اللَّهِ ، أَنْظِرْ مَا هَذَا ؟ فَقَالَ : مَنْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى السَّيِّ ، قَالَ : أَذْهَبَ فَأَرْسِلَ الْجَارِبَتَيْنِ .

قال نافع : ولم يعتمر رسول الله ﷺ من الجعرانة ، ولو اعتمر لم يخف على عبد الله .

تراجم رجال

۱- ابوالنعمان

یہ ابوالنعمان محمد بن الفضل سدوسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الایمان، ”باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: الدین النصیحة.....“ کے تحت بیان ہو چکا (۲)۔

۲- حماد بن زید

یہ حماد بن زید بن درہم رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الایمان، ”باب المعاصی من أمر الجاہلیة.....“ کے تحت گزر چکے ہیں (۳)۔

۳- ایوب

یہ ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الایمان، ”باب حلاوة الایمان“ کے تحت آچکا (۴)۔

(۱) قوله: ”أن عمر.....“ الحديث، مر تخريجه في الاعتكاف، باب الاعتكاف ليلا.

(۲) كشف الباري: ۷۶۸/۲.

(۳) كشف الباري: ۲۱۹/۲.

(۴) كشف الباري: ۲۶/۲.

۴- نافع

یہ نافع مولیٰ ابن عمر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب العلم، ”باب ذکر العلم والفتیاء فی المسجد“ کے تحت گزر چکا ہے (۱)۔

۵- عمر بن الخطاب

ثانی الخلفاء حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اجمالی تذکرہ ”بدء الوحي“ میں بیان ہو چکا ہے (۲)۔

أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال: يا رسول الله

ایک حدیث اور تین احکام

یہ حدیث دراصل تین مختلف حکموں پر مشتمل ہے، یا یوں کہیے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تین احادیث کو ایک حدیث میں جمع کر دیا ہے، کیوں کہ راوی بہر حال سب کے نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔

پہلا حکم اعتکاف سے متعلق ہے (۳)، جس کی شرح اسی کے ذیل میں آئے گی۔

دوسرا حکم غزوہ حنین کے قیدیوں سے متعلق ہے، جس کی شرح یہاں مطلوب ہے، یہ دوسرا حکم و اصاب

عمر جاریتین سے قال: اذهب فأرسل الجاریتین تک ہے۔

تیسرا حکم عمرے سے متعلق ہے، جو ”قال نافع: ولم يعتمر.....“ سے آخر حدیث تک ہے۔ اس کی

شرح کتاب العمرة میں آئے گی (۴)۔

وأصاب عمر جاریتین من سبي حنین، فوضعهما فی بعض بیوت مكة.....

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حنین کے قیدیوں میں سے دو باندیاں حاصل ہوئیں، جنہیں آپ رضی اللہ عنہ

(۱) کشف الباری: ۶۵۱/۳۔

(۲) کشف الباری: ۱۳۹/۱۔

حدیث باب کے ارسال اور اتصال میں رواۃ کا اختلاف ہے، بحث کے لیے دیکھیے کشف الباری، کتاب

المغازی: ۵۳۸-۵۳۹۔

(۳) صحیح بخاری، کتاب الاعتکاف (الصوم)، باب الاعتکاف لیلاً، رقم (۲۰۳۲)۔

(۴) کتاب الحج (العمرة)، باب کم اعتمر النبی صلی اللہ علیہ وسلم؟

نے مکہ کے کسی گھر میں ٹھہرایا۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قیدیوں پر احسان کیا، چنانچہ یہ قیدی مکہ مکرمہ کی گلیوں میں بھاگنے دوڑنے لگے، تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، اے عبد اللہ! دیکھو! کیا بات ہے؟ انہوں نے جواباً فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیدیوں کو آزاد کر دیا ہے، عمر نے فرمایا، جاؤ! دونوں باندیوں کو آزاد کر دو۔ اس حدیث میں بنو ہوازن کے قیدیوں کے قصے کا ذکر ہے، قصے کی تفصیل گزشتہ ابواب میں اور کتاب المغازی میں گزر چکی ہے (۱)۔

یہاں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ہوازن کے قیدیوں کو غنمیں میں تقسیم کیا گیا تو دو باندیاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حصے میں بھی آئیں، جب ہوازن کے قیدیوں نے اسلام قبول کر لیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کرنے کا حکم دیا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے حصے کی دونوں باندیاں آزاد کر دیں۔

باندیاں دو تھیں یا ایک؟

پھر یہ سمجھیے کہ حدیث میں جارتین کا ذکر ہے کہ باندیاں دو تھیں، جب کہ مسلم شریف (۲) کی روایت میں ایک ہی باندی کا ذکر ہے۔

ان دونوں روایات میں تطبیق یوں ہے کہ باندیاں اصل میں دو ہی تھیں، لیکن ان میں سے ایک باندی انہوں نے اپنے صاحبزادے عبد اللہ کو ہبہ کر دی تھی، اس موہوبہ باندی کا نام قلابہ تھا۔ اور دوسری باندی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے پاس رکھ لی۔ چنانچہ ابن اسحاق نے نافع عن ابن عمر کے طریق سے ایک روایت نقل کی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:

”قال: بعثت جاريتي إلى أخوالي في بني جمح؛ ليصلحوالي منها، حتى

أطوف بالبيت، ثم أتيتهم، فخرجت من المسجد، فإذا الناس يشتدون، قلت: ما

شأنكم؟ قالوا: رد علينا رسول الله ﷺ نساءنا وأبناءنا. فقلت: دونكم صاحبكم،

فهني في بني جمح، فانطلقوا، فأخذوها“ (اللفظ للحافظ) (۳)۔

(۱) کشف الباری، کتاب المغازی: ۵۳۲، باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿وَيَوْمَ حُنَيْنٍ﴾

(۲) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب نذر الکافر، وما یفعل فیہ إذا أسلم، رقم (۴۲۹۴)۔

(۳) سیرۃ ابن ہشام: ۱۳۳/۴، أمر أموال هوازن، وفتح الباری: ۳۶/۸۔

”ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی باندی قبیلہ جمح میں اپنے ماموؤں کی طرف بھیج دی، تاکہ اس کو وہ لوگ میرے لیے تیار کریں، یہاں تک کہ میں طواف بیت اللہ سے فارغ ہو جاؤں، پھر ان کے پاس آیا اور مسجد سے نکلا تو دیکھا کہ لوگ دوڑ رہے ہیں! میں نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ (یہ افراتفری کیوں؟) تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری عورتیں اور بچے ہمیں واپس کر دیے ہیں۔ میں نے کہا کہ اپنی خاتون کے پاس جاؤ، وہ بنی جمح میں ہے۔ چنانچہ یہ لوگ وہاں گئے اور اسے اپنے ساتھ لے آئے۔“

اس روایت سے معلوم ہوا کہ ایک باندی ابن عمر رضی اللہ عنہ کو دی گئی تھی (۱)۔ واللہ اعلم بالصواب

وَزَادَ جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ ، عَنْ أَيُّوبَ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ قَالَ : مِنَ الْخُمْسِ .
اور جریر نے اپنے طریق میں ”من الخمس“ کا اضافہ نقل کیا ہے۔

تعلیق مذکور کا مقصد

اس تعلیق کے دو مقصد ہیں:

ایک تو حماد بن زید کی اوپر ذکر کردہ روایت مرسل تھی، کیونکہ نافع کا عمر رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں، بلکہ روایت بھی ثابت نہیں ہے۔ جب کہ جریر بن حازم (۲) کی روایت مسند ہے کہ اس میں وہ ابن عمر سے نقل کر رہے ہیں۔

تاہم امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جریر کی روایت اگرچہ موصول و مسند ہے اور حماد بن زید کی مرسل، لیکن راجح حماد بن زید کی روایت ہے، کیونکہ وہ ایوب سختیانی کی روایات میں جریر سے اثبت وقوی ہیں (۱)۔
دوسرا مقصد یہ بتلانا ہے کہ حضرت عمر کے حصے میں دو باندیاں جو آئی تھیں، وہ خمس کی تھیں (۲)۔

(۱) فتح الباری: ۳۶/۸۔

(۲) جریر کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الصلاة، باب الخوخة والممر في المسجد۔

(۱) عمدة القاري: ۷۱/۱۵، وفتح الباری: ۲۵۳/۶، وشرح القسطلاني: ۲۲۴/۵، وشرح علل الترمذي

لابن رجب، ترجمة حماد بن زيد بن درهم: ۴۶۳/۱۔

(۲) عمدة القاري: ۷۱/۱۵، وشرح القسطلاني: ۲۲۴/۵، والكوثر الجاري: ۱۲۵/۶-۱۲۶۔

تعلیق مذکور کی تخریج

اس تعلیق کی موصولاً و مسنداً تخریج امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الایمان (۱) میں کی ہے (۲)۔

وَرَوَاهُ مَعْمَرٌ ، عَنْ أَيُّوبَ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنْ ابْنِ عُمَرَ فِي النَّذْرِ ، وَلَمْ يَقُلْ : يَوْمٌ . [ر : ۱۹۲۷]

اور اعتکاف والی حدیث کو معمر نے ایوب عن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ کے طریق سے حدیث نذر

میں نقل کیا ہے اور اس میں یوم کا اضافہ نہیں ہے۔

تعلیق مذکور کا مقصد

اس تعلیق کا مقصد یہ ہے کہ اعتکاف والی حدیث معمر کے طریق سے بھی مروی ہے، لیکن اس میں یوم کا

ذکر نہیں ہے، بلکہ مطلق نذر کا ذکر ہے۔

تخریج تعلیق

اس تعلیق کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے موصولاً کتاب المغازی (۳) میں ذکر کیا ہے (۴)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث کے ابتدائی حصے ”وأصاب عمر جاريتين

من سبي حنين“ میں ہے، کیونکہ یہ باندیاں خمس میں سے تھیں، جو غیر المؤمنین یعنی عمر رضی اللہ عنہ کو دی گئیں۔ یہی

بات جریر کی تعلیق میں بھی آئی ہے (۵)۔ واللہ اعلم بالصواب

تیسری حدیث حضرت عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۷۶ : حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ : حَدَّثَنَا جَرِيرُ بْنُ حَازِمٍ : حَدَّثَنَا الْحَسَنُ قَالَ :

(۱) صحيح مسلم، كتاب الأيمان، باب نذر الكافر،، رقم (۴۲۹۴)۔

(۲) تعلیق التعلیق: ۴۸۰/۳۔

(۳) صحيح بخاري، كتاب المغازي، باب قول الله تعالى: ﴿وَيَوْمَ حنين﴾، رقم (۴۳۲۰)۔

(۴) تعلیق التعلیق: ۴۸۰/۳، وفتح الباري: ۲۵۳/۶۔

(۵) عمدة القاري: ۷۰/۱۵، وفتح الباري: ۲۵۲/۶، والكوثر الجاري: ۱۲۵-۱۲۶، واللامع: ۳۱۲/۷۔

حَدَّثَنِي عَمْرُو بْنُ تَغْلِبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : أَعْطَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَوْمًا وَمَنْعَ آخَرِينَ ، فَكَأَنَّهُمْ عَتَبُوا عَلَيْهِ ، فَقَالَ : (إِنِّي أُعْطِي قَوْمًا أَخَافُ ظَلَعَهُمْ وَجَزَعَهُمْ ، وَأَكِلُ أَقْوَامًا إِلَى مَا جَعَلَ اللَّهُ فِي قُلُوبِهِمْ مِنَ الْخَيْرِ وَالْغَنَاءِ ، مِنْهُمْ عَمْرُو بْنُ تَغْلِبٍ) . فَقَالَ عَمْرُو بْنُ تَغْلِبٍ : مَا أَحَبُّ أَنْ لِي بِكَلِمَةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ حُمْرَ النَّعَمِ .

تراجم رجال

۱- موسیٰ بن اسماعیل

یہ موسیٰ بن اسماعیل تبوذی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کا تذکرہ اجمالاً ابداء الوحي کی ”الحديث الرابع“ کے تحت گزر چکا ہے (۱)۔

۲- جریر بن حازم

یہ جریر بن حازم - بالحاء المهملة والزاي - رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

۳- حسن

یہ مشہور تابعی بزرگ حضرت الامام حسن البصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الایمان، ”باب المعاصي من أمر الجاهلية.....“ کے تحت آچکے (۳)۔

۴- عمرو بن تغلب

یہ صحابی رسول، حضرت عمرو بن تغلب نمری رضی اللہ عنہ ہیں (۴)۔

قال: أعطى رسول الله صلى الله عليه وسلم قوما، ومنع آخرين، فكأنهم عتبوا عليه
حضرت عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو دیا اور کچھ

(☆) قوله: ”حدثني عمرو.....“: الحديث، مر تخريجه في كتاب الجمعة، باب من قال في الخطبة.....

(۱) كشف الباري: ۴۳۳/۱.

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الصلاة، باب الخوخة والممر في المسجد.

(۳) كشف الباري: ۲۲۰/۲.

(۴) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الجمعة، باب من قال في الخطبة بعد الشاء: أما بعد.

لوگوں کو نہیں دیا، گویا کہ محروم رہ جانے والے آپ پر ناراض ہوئے۔

خلیل فرماتے ہیں کہ عتاب اس شکوہ اور اظہارِ ناراضگی کو کہتے ہیں، جو بطور ناز کے ہو (۱)۔

فقال: إني أعطي قوما أخاف ظلمهم وجزعهم

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ان لوگوں کو دیتا ہوں، جن کے متعلق مرضِ قلب و ضعف یقین

اور جزع و فزع کا اندیشہ ہوتا ہے۔

ظلمهم ظاء اور لام کے ساتھ اعوجاج اور ٹیڑھے پن کے معنی میں ہے، یہاں اس سے مراد ضعف

ایمان اور مرضِ قلب ہے (۲)۔

اس جملے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو مال دینے کی علت بیان فرمائی ہے کہ ان کا

ضعف ایمان دیکھ کر میں انہیں نوازتا ہوں، کہ کہیں یہ بدک نہ جائیں۔

وأكل أقواما إلى ما جعل الله في قلوبهم من الخير والغنى

اور کچھ اقوام کو جو خیر اور استغنا ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے اس کے حوالے کر دیتا ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ پہلی صنف کے مقابلے میں ایک دوسری صنف بھی ہے، جو مال وغیرہ سے مستغنی ہے،

ان کے دل خیر و بھلائی سے پُر ہیں، یہ لوگ مال کے بغیر بھی اپنے ایمان و ایقان پر مضبوط ہیں اور رہیں گے، تو

ایسوں کا معاملہ کچھ دشوار نہیں، نہ ہی ان سے کوئی خطرہ و اندیشہ ہے۔

علاوہ ازیں صنف اول کے لوگ کم ہی ہوتے ہیں، جب کہ قرن اول سے آج تک ایسے لوگوں کی

کثرت رہی ہے، جو جکتے ہیں، نہ دین بدلتے ہیں، غالباً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی میں بھی اسی

نکتے کی طرف اشارہ ہے کہ پہلی صنف کے لیے ”قوم“ کا اور دوسری صنف کے لیے اقوام کا لفظ ارشاد فرمایا ہے،

جو جمع کا صیغہ ہے اور کثرت پر دلال ہے۔

غنی مکسور اور مقصور ہے، جو فقر کی ضد ہے (۳)۔

(۱) عمدة القاري: ۷۱/۱۵، والقسطلاني: ۲۲۴/۵، وكتاب العين: ۷۵/۲، باب العين والتاء والياء.....

(۲) عمدة القاري: ۷۱/۱۵، وإرشاد الساري: ۲۲۵/۵، وفتح الباري: ۲۵۳/۶.

(۳) حوالہ جات بالا.

منہم عمرو بن تغلب

جن میں سے عمرو بن تغلب بھی ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی دوسری صنف والوں میں رکھا ہے، یہ مال وغیرہ سے مستغنی اور خیر و بھلائی سے پُر ہیں، ان کو اگر مال نہ بھی دیا جائے تو کوئی اندیشہ نہیں۔

فقال عمرو بن تغلب: ما أحب أن لي بكلمة رسول الله صلى الله عليه وسلم
حمر النعم

تو عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ ارشاد کے عوض میں سرخ اونٹ بھی پسند نہیں۔

بکلمۃ میں باء بدلیت و عوض کے لیے ہے اور نعم نون کے فتح کے ساتھ بقول جوہری کے الانعام کا واحد ہے، اس کا عمومی اطلاق اونٹ پر ہوتا ہے۔ اور حمراء کے ضمہ اور میم کے سکون کے ساتھ ہے (۱)۔
پھر یہ واضح ہو کہ حمر منصوب ہے، کیونکہ یہ ان کا اسم مؤخر ہے۔

اس جملے کے دو مطلب

حضرت عمرو بن تغلب رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا جملے کے دو مطلب ہیں:

① بکلمۃ رسول اللہ..... سے مراد وہ کلام ہے، جو آپ علیہ السلام نے حضرت عمرو کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ یہ بھی اہل خیر و غنی میں سے ہیں اور ان میں داخل ہیں۔

تو اس جملے سے ان کو اس قدر خوشی و مسرت ہوئی کہ بقول ان کے اس کے بدلے اگر سرخ اونٹ بھی حاصل ہوتے تو اس قدر خوشی نہ ہوتی۔

② کلمہ سے مراد وہ جملہ ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صنف اول (ضعفاء الايمان و مرضی القلوب) کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ مجھے ان کے ساتھ شامل نہ کرنے پر بے

(۱) الصحاح للجوهري: ۱۰۵۴، مادة "نعم"، وعمدة القاري: ۷۱/۱۵، وإرشاد الساري: ۲۲۵/۵.

حدو بے حساب خوشی و مسرت ہے کہ سرخ اونٹوں کے حصول پر بھی اس قدر خوشی نہ ہوتی (۱)۔

حمر النعم کی تخصیص کی وجہ واضح ہے کہ سرخ اونٹ عربوں کے ہاں سب سے قیمتی مال ہوا کرتا تھا۔
واللہ اعلم بالصواب

وَزَادَ أَبُو عَاصِمٍ ، عَنْ جَرِيرٍ قَالَ : سَمِعْتُ الْحَسَنَ يَقُولُ : حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ :
أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَتَى بِمَالٍ أَوْ بِسَبْيٍ فَقَسَمَهُ ، بِهَذَا . [ر : ۸۸۱]

ابو عاصم سے مراد ضحاک ہیں، جو النبیل سے معروف تھے (۲)۔

تعلیق مذکور کا مقصد

اس تعلیق کا مقصد واضح ہے، وہ یہ ہے کہ حدیث باب میں اختصار ہے، نیز اس میں جس چیز کے دینے اور نہ دینے کا ذکر ہے، اس سے مراد مال یا قیدی ہیں، جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تقسیم فرما رہے تھے۔ چنانچہ ابو عاصم کی روایت حدیث باب کی بنسبت واضح ہے۔
کشمیہنی کی روایت میں سبی کی بجائے شیء یعنی شین کے ساتھ ہے اور یہی روایت زیادہ بہتر ہے، کیوں کہ یہ تمام اشیاء کو شامل و عام ہے (۳)۔

تعلیق مذکور کی تخریج

اس تعلیق کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے موصولاً کتاب الجمعة (۴) میں نقل کیا ہے (۵)۔

ترجمة الباب سے حدیث کی مطابقت

اس حدیث کی ترجمۃ الباب سے مطابقت حدیث کے ابتدائی حصے میں ہے، یعنی ”أعطى رسول الله صلى الله عليه وسلم قوما ومنع آخرين“ کہ ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کو تو عطا فرمایا اور

(۱) فتح الباری: ۲۵۳/۶، وعمدة القاري: ۷۱/۱۵، وإرشاد الساري: ۲۲۵/۵۔

(۲) ان کے حالات کشف الباری، باب القراءة والعرض: ۱۲۹/۳ میں آچکے۔

(۳) فتح الباری: ۲۵۳/۶، وعمدة القاري: ۷۱/۱۵، وإرشاد الساري: ۲۲۵/۵۔

(۴) صحيح البخاري، كتاب الجمعة، باب من قال في الخطبة بعد الشاء، رقم (۹۲۳)۔

(۵) عمدة القاري: ۷۱/۱۵، وفتح الباري: ۲۵۴/۶، وتعليق التعليق: ۴۸۱/۳، وشرح القسطلاني: ۲۲۵/۵۔

دوسروں کو منع کر دیا۔“ اس سے جہاں یہ ثابت ہو رہا ہے کہ امام کو ان امور میں مطلق اختیار ہے، اسی طرح یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ آپ مؤلفۃ القلوب کو عطا فرماتے تھے۔

چوتھی حدیث حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۷۷/۲۹۷۸ : حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ قَتَادَةَ ، عَنْ أَنَسٍ (۱) رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (إِنِّي أُعْطِي قُرَيْشًا أَتَأَلَّفُهُمْ ، لِأَنَّهُمْ حَدِيثُ عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ) .

تراجم رجال

۱- ابو الولید

یہ ابو الولید ہشام بن عبد الملک طیا سی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب ایمان، ”باب علامة ایمان حب الأنصار“ کے تحت گزر چکے (۲)۔

۲- شعبہ

یہ امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ بن الحجاج عتکی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب ایمان، ”باب المسلم عن سلم المسلمون من.....“ کے تحت گزر چکا ہے (۳)۔

(۱) قوله: ”عن أنس.....“: الحديث أخرجه البخاري أيضاً، نفس هذا الباب، رقم (۳۱۴۷)، وكتاب فضائل أصحاب النبي ﷺ، باب ابن أخت القوم منهم.....، رقم (۳۵۲۸)، وكتاب مناقب الأنصار، باب مناقب الأنصار، رقم (۳۷۷۸)، وباب قول النبي صلى الله عليه وسلم للأنصار:، رقم (۳۷۹۳)، وكتاب المغازي، باب غزوة الطائف، رقم (۴۳۳۱-۴۳۳۴)، وكتاب اللباس، باب القبة الحمراء من آدم، رقم (۵۸۶۰)، وكتاب الفرائض، باب مولى القوم من أنفسهم،، رقم (۶۷۶۲)، وكتاب التوحيد، باب قول الله تعالى: ﴿وَجْهَ يَوْمَئِذٍ نَاضِرٌ.....﴾، رقم (۷۴۴۱)، ومسلم، كتاب الزكاة، باب إعطاء المؤلفه.....، رقم (۲۴۳۶-۲۴۴۲)، والترمذي، كتاب المناقب، باب فضل الأنصار وقریش، رقم (۳۹۰۱)۔

(۲) کشف الباری: ۳۸/۲۔

(۳) کشف الباری: ۶۷۸/۱۔

۳- قتاده

یہ قتادہ بن دعامہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۴- انس

یہ صحابی رسول، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کا تذکرہ کتاب الایمان، ”باب من الایمان أن يحب لأخيه.....“ کے تحت بیان کیا جا چکا ہے (۱)۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں قریش کو دیتا ہوں، ان کو اپنے سے مانوس کرنے کے لیے، کیوں کہ یہ زمانہ جاہلیت سے قریب ہیں۔
پانچویں حدیث بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ہے۔

(۲۹۷۸) : حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ : حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ قَالَ : أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ^(۲) : أَنَّ نَاسًا مِنَ الْأَنْصَارِ قَالُوا لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ ، حِينَ أَفَاءَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ ﷺ مِنْ أَمْوَالِ هَوَازِنَ مَا أَفَاءَ ، فَطَفِقَ يُعْطِي رِجَالًا مِنْ قُرَيْشٍ الْمِائَةَ مِنَ الْإِبِلِ ، فَقَالُوا : يَغْفِرُ اللَّهُ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ ، يُعْطِي قُرَيْشًا وَيَدْعُنَا ، وَسَيُوفِنَا تَقَطُّرُ مِنْ دِمَائِهِمْ . قَالَ أَنَسٌ : فَحَدَّثَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِمَقَالَتِهِمْ ، فَأَرْسَلَ إِلَى الْأَنْصَارِ فَجَمَعَهُمْ فِي قُبَّةٍ مِنْ أَدَمَ ، وَلَمْ يَدْعُ مَعَهُمْ أَحَدًا غَيْرَهُمْ ، فَلَمَّا اجْتَمَعُوا جَاءَهُمْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ : (مَا كَانَ حَدِيثٌ بَلَغَنِي عَنْكُمْ) . قَالَ لَهُ فَقَهَاؤُهُمْ : أَمَا ذَوُو آرَائِنَا يَا رَسُولَ اللَّهِ فَلَمْ يَقُولُوا شَيْئًا ، وَأَمَّا أَنَسٌ مِنَّا حَدِيثُهُ أَسْنَانُهُمْ ، فَقَالُوا : يَغْفِرُ اللَّهُ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ ، يُعْطِي قُرَيْشًا ، وَيَتْرُكُ الْأَنْصَارَ ، وَسَيُوفِنَا تَقَطُّرُ مِنْ دِمَائِهِمْ . فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : (إِنِّي أُعْطِي رِجَالًا حَدِيثُ عَهْدُهُمْ بِكُفْرٍ ، أَمَا تَرْضَوْنَ أَنْ يَذْهَبَ النَّاسُ بِالْأَمْوَالِ ، وَتَرْجِعُوا إِلَى رِحَالِكُمْ بِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ ، فَوَاللَّهِ مَا تَنْقَلِبُونَ بِهِ خَيْرٌ مِمَّا يَنْقَلِبُونَ بِهِ) . قَالُوا : بَلَى يَا رَسُولَ اللَّهِ قَدْ رَضِينَا ، فَقَالَ لَهُمْ : (إِنَّكُمْ سَتَرُونَ بَعْدِي أَثَرَةً شَدِيدَةً فَاصْبِرُوا حَتَّى تَلْقُوا اللَّهَ تَعَالَى وَرَسُولَهُ ﷺ عَلَى الْحَوْضِ) . قَالَ أَنَسٌ : فَلَمْ نَصْبِرْ .

[۳۳۲۷ ، ۳۵۶۷ ، ۳۵۸۲ ، ۴۰۷۶ - ۴۰۷۹ ، ۴۰۸۲ ، ۵۵۲۲ ، ۶۳۸۱ ، ۷۰۰۳]

(۱) کشف الباری: ۳/۲-۴.

(۲) قولہ: ”أخبرني أنس.....“ الحديث، مرّ تخريجہ فی الحديث السابق آنفاً.

تراجم رجال

۱- ابوالیمان

یہ ابوالیمان حکم بن نافع رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲- شعیب

یہ شعیب بن ابی حمزہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کے حالات اجمالاً بدء الوحي کی ”الحديث السادس“ کے تحت گزر چکے ہیں (۱)۔

۳- زہری

یہ محمد بن مسلم ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات بھی بدء الوحي کی ”الحديث الثالث“ کے ضمن میں بیان ہو چکے (۲)۔

۴- انس

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کتاب الإیمان، ”باب من الإیمان.....“ میں گزر چکا (۳)۔

تنبیہ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب کے تحت حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث مشہور کو اجمالاً و تفصیلاً دونوں طرح نقل کیا ہے، اس کی شرح مغازی میں آچکی ہے (۴)۔

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

انس رضی اللہ عنہ کی باب کی گزشتہ اور موجودہ دونوں احادیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت بالکل واضح ہے، پہلی کی مطابقت تو اس جملے میں ہے، ”انی أعطي قريشا أنألفهم“ جب کہ دوسری کی مطابقت ”فطلق يعطي رجالا من قريش.....“ میں ہے۔ چنانچہ یہاں بھی مؤلفۃ القلوب کو دینے کا ذکر ہے۔

(۱) کشف الباری: ۱/ ۴۷۹-۴۸۰۔

(۲) کشف الباری: ۱/ ۳۲۶۔

(۳) کشف الباری: ۲/ ۴۔

(۴) کشف الباری، کتاب المغازی: ۵۵۲-۵۵۹۔

باب کی چھٹی حدیث حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۷۹ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْأَوْسِيُّ : حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ ، عَنْ صَالِحٍ ، عَنْ أَبِي شَهَابٍ قَالَ : أَخْبَرَنِي عُمَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ بْنُ مُطْعِمٍ : أَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ جُبَيْرٍ قَالَ : أَخْبَرَنِي جُبَيْرُ بْنُ مُطْعِمٍ (۱) أَنَّهُ بَيْنَا هُوَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَمَعَهُ النَّاسُ ، مُقْبِلًا مِنْ حُنَيْنٍ ، عَلِقَتْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ الْأَعْرَابُ بِسَأْلُونَهُ ، حَتَّى اضْطَرُّوهُ إِلَى سَمَرَةٍ فَخَطِفَتْ رِدَاءَهُ ، فَوَقَفَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ : (أَعْطُونِي رِدَائِي ، فَلَوْ كَانَ عَدَدُ هَذِهِ الْعِصَاهِ نَعْمًا لَقَسَمْتُه بَيْنَكُمْ ، ثُمَّ لَا تَجِدُونِي بَحِيلًا ، وَلَا كَذُوبًا ، وَلَا جَبَانًا) . [ر : ۲۶۶۶]

تراجم رجال

۱- عبدالعزیز بن عبداللہ الأویسی

یہ عبدالعزیز بن عبداللہ اویسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب العلم، ”باب الحرص علی الحدیث“ کے تحت گزر چکا ہے (۲)۔

۲- ابراہیم بن سعد

یہ ابراہیم بن سعد بن ابراہیم بن عبدالرحمن بن عوف رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۳- صالح

یہ صالح بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کا ترجمہ کتاب الایمان، ”باب من کرہ أن يعود فی الکفر.....“ کے تحت بیان کیا جا چکا (۳)۔

۴- ابن شہاب

یہ محمد بن مسلم ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ ”بدء الوحي“ میں گزر چکا (۴)۔

(۱) قوله: ”أخبرني جبیر.....“: مر تخريجه في الجهاد، انظر كشف الباري، كتاب الجهاد: ۲۲۲/۱.

(۲) كشف الباري: ۳۴/۳.

(۳) كشف الباري: ۱۲۰/۲-۱۲۱.

(۴) كشف الباري: ۳۲۶/۱، الحديث الثالث.

۵- عمر بن محمد بن جبیر بن مطعم

یہ حضرت جبیر بن مطعم کے پوتے عمر بن محمد رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الجہاد، ”باب الشجاعة في الحرب والجبين“ میں گزر چکے (۱)۔

۶- محمد بن جبیر

یہ محمد بن جبیر بن مطعم نوفلی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

۷- جبیر بن مطعم

یہ ابو محمد جبیر بن مطعم نوفلی رضی اللہ عنہ ہیں (۳)۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حنین سے لوٹتے ہوئے جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور آپ کے ساتھ دوسرے لوگ بھی تھے، بدوی لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چمٹ گئے، وہ آپ سے مانگ رہے تھے، یہاں تک کہ انہوں نے آپ علیہ السلام کو کیکر کے ایک درخت کے پاس پناہ لینے پر مجبور کر دیا تو کیکر نے آپ علیہ السلام کی چادر مبارک اچک لی، چناں چہ آپ نے توقف کیا اور کہا، میری چادر مجھے دو۔ اگر میرے پاس ان کانٹے دار درختوں کے برابر بھی چوپائے ہوتے تو سب کو میں تم لوگوں میں تقسیم کر دیتا، پھر تم مجھے بخیل پاؤ گے، نہ جھوٹا اور نہ ہی بزدل۔

اس حدیث کی مفصل شرح چوں کہ کتاب الجہاد (۴) میں آچکی ہے، اس لیے یہاں ہم نے صرف

ترجمہ پر اکتفا کیا ہے۔

(۱) کشف الباری، کتاب الجہاد: ۱/۲۲۳۔

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الأذان، باب الجہر فی المغرب۔

(۳) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الغسل، باب من أفاض علی رأسه ثلاثاً۔

(۴) کشف الباری، کتاب الجہاد: ۱/۲۲۴-۲۲۸۔

ترجمة الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

اس حدیث کی ترجمہ الباب کے ساتھ مطابقت اس جملے میں ہے، ”لقسمته بینکم“ (۱) کہ ”مال تمہارے درمیان تقسیم کر دیتا“ کیوں کہ یہ اعراب بھی مؤلفۃ القلوب میں سے ہیں۔ چنانچہ یہ جملہ آپ علیہ السلام نے ان کی تالیف و تسلی کے لیے فرمایا ہے۔

ساتویں حدیث حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۸۰ : حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ : حَدَّثَنَا مَالِكٌ ، عَنْ إِسْحَقَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ : عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : كُنْتُ أَمْشِي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ وَعَلَيْهِ بُرْدٌ نَجْرَانِيٌّ غَلِيظٌ الْحَاشِيَّةُ ، فَأَدْرَكَهُ أَعْرَابِيٌّ فَجَذَبَهُ جَذْبَةً شَدِيدَةً ، حَتَّى نَظَرْتُ إِلَى صَفْحَةِ عَاتِقِ النَّبِيِّ ﷺ قَدْ أَثَرَتْ بِهِ حَاشِيَةُ الرِّدَاءِ مِنْ شِدَّةِ جَذْبَتِهِ ، ثُمَّ قَالَ : مَرُّ لِي مِنْ مَالِ اللَّهِ الَّذِي عِنْدَكَ ، فَأَلْتَفَتَ إِلَيْهِ فَضَحِكَ ، ثُمَّ أَمَرَ لَهُ بِعَطَاءٍ . [۵۴۷۲ ، ۵۷۳۸]

تراجم رجال

۱- یحییٰ بن بکیر

یہ یحییٰ بن عبد اللہ بن بکیر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات بدء الوحي میں ”الحديث الثالث“ کے تحت آچکے (۳)۔

۲- مالک

یہ امام دارالبحرۃ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات بدء الوحي میں ”الحديث

(۱) عمدة القاري: ۷۳/۱۵، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”لقسمته بینکم“ فیہ الترجمة: حیث لم یکن هؤلاء کملا فی ایمانہم، وإلا لما فعلوا ما فعلوا“۔ لامع الدراري: ۳۱۳/۷۔

(۲) قولہ: ”عن أنس.....“ الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، كتاب اللباس، باب البرود والحبرة والشملة، رقم (۵۸۰۹)، وكتاب الأدب، باب التيسم والضحك، رقم (۶۰۸۸)، ومسلم، كتاب الزكاة، باب إعطاء من سأل بفحش وغلظة، رقم (۲۴۲۹-۲۴۳۰)، وابن ماجه، كتاب اللباس، باب لباس رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم (۳۵۵۳)۔

(۳) كشف الباري: ۳۲۳/۱۔

الثاني “ کے تحت آچکے (۱)۔

۳- اسحاق بن عبداللہ

یہ مشہور تابعی ابویحییٰ اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب العلم، ”باب من قعد حیث ینتہی بہ المجلس“ کے تحت گزر چکا ہے (۲)۔

۴- انس بن مالک

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کتاب الإیمان، ”باب من الإیمان أن یحب.....“ میں گزر چکا (۳)۔

قال: كنت أمشي مع النبي صلى الله عليه وسلم، وعليه برد نجراني غليظ الحاشية
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چل رہا تھا، آپ کے بدن مبارک پر ایک نجران کی بنی ہوئی چادر تھی، جس کے کنارے موٹے تھے۔
نجران یمن کے ایک شہر کا نام ہے، جس کی چادریں مشہور ہوا کرتی تھیں اور برد اس چادر کا نام ہے، جس کی جمع برود اور ابراد ہے (۴)۔

فأدرکہ أعرابي، فجذبه جذبة شديدة، حتى نظرتُ إلى صفحة عاتق النبي
صلی اللہ علیہ وسلم، قد أثرت به حاشية الرداء، من شدة جذبه
تو ایک اعرابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پکڑ لیا اور بہت شدت سے آپ کی چادر کو کھینچا، تو میں نے دیکھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک کے کنارے پر اس کے کھینچنے کی وجہ سے نشان پڑ گئے ہیں۔
یہاں کی روایت میں جذبہ آیا ہے، جب کہ مسلم شریف کی روایت میں جذبہ ہے (۵)، تاہم معنی

(۱) کشف الباری: ۱/۲۹۰، والإیمان: ۲/۸۰۔

(۲) کشف الباری: ۳/۱۸۲۔

(۳) کشف الباری: ۲/۴۔

(۴) عمدة القاري: ۱۵/۷۳، وفتح الباري: ۱۰/۵۰۶، وشرح القسطلاني: ۵/۲۲۶۔

(۵) مسلم شریف، کتاب الزکاة، باب إعطاء من سأل بفحش وغلظة، رقم (۲۴۲۹-۲۴۳۰)۔

دونوں کے ایک ہی، یعنی کھینچنے کے ہیں۔

عائق تو گردن کو کہتے ہیں اور صفحہ کے معنی کنارے اور ناحیہ کے ہیں، یعنی گردن کا کنارہ (۱)۔

ثم قال: مر لي من مال الله الذي عندك

پھر اس نے کہا کہ تمہارے پاس جو مال اللہ کا دیا ہوا ہے، اس میں سے مجھے دینے کا حکم دو۔

مطلب یہ ہے کہ آپ اپنے بیت المال کے ذمے داروں کو کہیے کہ اللہ کے مال میں سے مجھے بھی کچھ دیں، آپ کے اپنے مال میں سے نہیں، نہ ہی آپ کے والد کی کمائی سے، بلکہ اس مال سے جو آپ کی اپنی محنت سے حاصل نہیں ہوا۔ چنانچہ ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: ”لا من مالك، ولا من مال أبيك“ (۲) اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس سے مراد مال زکوٰۃ ہے، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی میں سے مؤلفۃ القلوب پر خرچ کیا کرتے تھے (۳)۔

فالتفت إليه، فضحك، ثم أمر له بعتاء

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف مڑے، پھر ہنس پڑے، پھر اس کو کچھ دینے کا حکم دیا۔

مطلب یہ ہے کہ پہلے تو تعجباً اس کی طرف مڑے، پھر تلافیاً ہنس پڑے (۴)۔ اس حدیث سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال حلم و برداشت کا خوب اظہار ہو رہا ہے کہ آپ لوگوں کی تکالیف اور نادانیوں پر کس قدر صبر سے کام لیا کرتے تھے (۵)۔

ترجمة الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

حدیث کی ترجمہ کے ساتھ مطابقت آخری جملہ میں ہے، ”ثم أمر له بعتاء“ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) عمدة القاري: ۷۳/۱۵، وشرح القسطلاني: ۲۲۶/۵، وفتح الملهم: ۱۳۵/۵۔

(۲) فتح الباري: ۵۰۶/۱۰، وفتح الملهم: ۱۳۶/۵۔

(۳) حوالہ جات بالا۔

(۴) فتح الملهم: ۱۳۶/۵، والكوثر الجاري: ۱۲۸/۶۔

(۵) حوالہ جات بالا، وفتح الباري: ۵۰۶/۱۰، وعمدة القاري: ۷۳/۱۵۔

نے اس بدوی کے عجیب و غریب انداز سوال کے باوجود اس کو مال دینے کا حکم دیا، یہی تو تالیف قلب ہے (۱)۔

ایک اہم فائدہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صرف امام مالک کے طریق سے نقل کی ہے، جو اسحاق بن عبد اللہ سے روایت کر رہے ہیں، یہی حدیث امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل کی ہے، انہوں نے اس کو امام مالک کے علاوہ امام اوزاعی، ہمام بن منبہ اور عکرمۃ بن عمار کے طریق سے بھی نقل کیا ہے، لیکن وہاں بھی اصل روایت مالک کی ہے، جب کہ دیگر حضرات کے طرق کو بعض اضافی فوائد کے بیان کے لیے نقل کیا گیا ہے (۲)۔

پھر یہ سمجھیے کہ یہ حدیث موطا کے مشہور نسخوں میں نہیں ہے، امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”لم أر هذا الحديث عند أحد من رواة المؤطا، إلا عند يحيى بن

بکیر ومعن بن عيسى، ورواه جماعة من رواة المؤطا عن مالك، لكن خارج

المؤطا“ (۳)۔

کہ ”موطا کے جو رواۃ ہیں ان میں سے کسی کے نسخے میں، میں نے یہ روایت نہیں دیکھی، سوائے یحییٰ بن بکیر اور معن بن عیسیٰ کے نسخے کے اور موطا کے راویوں کی ایک جماعت نے اس حدیث کو امام مالک سے نقل کیا ہے، لیکن موطا کے علاوہ“۔

جب کہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ موطا کے دو اور راویوں مصعب بن عبد اللہ زبیری اور

سلیمان بن صرد نے بھی اپنے اپنے نسخوں میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے (۴)۔

تاہم ہمارے برصغیر کے نسخوں میں یہ حدیث نہیں پائی جاتی۔ واللہ اعلم بالصواب

(۱) عمدة القاري: ۷۳/۱۵، وفتح الباري: ۲۵۴/۶، ولامع الدراري: ۳۱۳/۷۔

(۲) فتح الباري: ۵۰۶/۱۰۔ اور صحیحین میں مواضع حدیث کی نشاندہی پیچھے تخریج حدیث میں کردی گئی ہے۔

(۳) فتح الباري: ۵۰۶/۱۰۔

(۴) حوالہ بالا۔ اس حدیث کی مزید شرح کے لیے دیکھیے، کشف الباري، کتاب الأدب، باب التسبیم والضحک:

باب کی آٹھویں حدیث حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۸۱ : حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ : حَدَّثَنَا جَرِيرٌ ، عَنْ مَنْصُورٍ ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : لَمَّا كَانَ يَوْمُ حُنَيْنٍ ، آثَرَ النَّبِيُّ ﷺ أَنَسًا فِي الْقِسْمَةِ ، فَأَعْطَى الْأَقْرَعَ بْنَ حَابِسٍ مِائَةَ مِنَ الْإِبِلِ ، وَأَعْطَى عُمَيْيَةَ مِثْلَ ذَلِكَ ، وَأَعْطَى أَنَسًا مِنْ أَشْرَافِ الْعَرَبِ ، فَأَثَرَهُمْ يَوْمَئِذٍ فِي الْقِسْمَةِ ، قَالَ رَجُلٌ : وَاللَّهِ إِنَّ هَذِهِ الْقِسْمَةَ مَا عُدِلَ فِيهَا ، وَمَا أُرِيدَ بِهَا وَجْهُ اللَّهِ . فَقُلْتُ : وَاللَّهِ لَا أَخْبِرَنَّ النَّبِيَّ ﷺ ، فَأَنْتَيْتُهُ فَأَخْبَرْتُهُ ، فَقَالَ : (فَمَنْ يَعْدِلُ إِذَا لَمْ يَعْدِلِ اللَّهُ وَرَسُولُهُ ، رَحِمَ اللَّهُ مُوسَى ، قَدْ أُوذِيَ بِأَكْثَرٍ مِنْ هَذَا فَصَبَرَ) .

[۳۲۲۴ ، ۴۰۸۰ ، ۴۰۸۱ ، ۵۷۱۲ ، ۵۷۴۹ ، ۵۹۳۳ ، ۵۹۷۷]

تراجم رجال

۱- عثمان بن ابی شیبہ

یہ عثمان بن محمد بن ابی شیبہ کوفی عسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲- جریر

یہ جریر بن عبدالحمید ضعی رازی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۳- منصور

یہ منصور بن معتمر سلمی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان تینوں حضرات محدثین کا تذکرہ کتاب العلم، ”باب

من جعل لأهل العلم.....“ کے تحت تفصیلاً گزر چکا ہے (۲)۔

(۱) قولہ: ”عن عبداللہ (رضی اللہ عنہ)“: الحدیث، أخرجه البخاري أيضاً، كتاب أحاديث الأنبياء، باب

(بلا ترجمہ) بعد باب حدیث الخضر.....، رقم (۳۴۰۵)، وكتاب المغازي، باب غزوة الطائف، رقم

(۴۳۳۵-۴۳۳۶)، وكتاب الأدب، باب من أخبر صاحبه بما يقال فيه، رقم (۶۰۵۹)، وباب الصبر على

الأذى، رقم (۶۱۰۰)، وكتاب الاستئذان، باب إذا كانوا أكثر من ثلاثة..... رقم (۶۲۹۱)، وكتاب

الدعوات، باب قول الله تعالى: ﴿وَصَلِّ عَلَيْهِمْ﴾.....، رقم (۶۳۳۶)، ومسلم، كتاب الزكاة، باب إعطاء

المؤلفة قلوبهم.....، رقم (۲۴۴۷-۲۴۴۸)۔

(۲) كشف الباري: ۲۶۶/۳-۲۷۲۔

۴- ابوائل

یہ ابوائل شقیق بن سلمہ اسدی کو فی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الایمان، ”باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله“ کے تحت گزر چکے ہیں (۱)۔

۵- عبد اللہ

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الایمان، ”باب ظلم دون ظلم“ میں آچکے (۲)۔

قال: لما كان يوم حنين، أثر النبي صلى الله عليه وسلم أناسا في القسمة، فأعطى الأقرع بن حابس مئة من الإبل، وأعطى عيينة مثل ذلك
حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوہ حنین کے موقع پر تقسیم میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض لوگوں کو ترجیح دی، چنانچہ اقرع بن حابس کو سواونٹ عطا کیے، اسی قدر عیینہ بن حصن کو بھی دیے۔
اس عبارت میں فی القسمة سے مراد قسمة الخمس ہے، نہ کہ قسمة الغنیمہ، کیوں کہ غنیمت میں تو حصہ متعین ہوتا ہے، جو غانمین کا ہوتا ہے (۳)۔

اقرع بن حابس

یہ اقرع بن حابس بن عقال بن محمد بن سفیان تمیمی دارمی رضی اللہ عنہ ہیں (۴)۔ یہ مؤلفۃ القلوب میں سے تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فتح مکہ، غزوہ حنین اور طائف میں شریک رہے (۵)۔
ذہبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان کا اصل نام فراش تھا، جب کہ اقرع لقب ہے، جو نام پر غالب آگیا، یہ

(۱) کشف الباری: ۵۵۹/۲۔

(۲) کشف الباری: ۲۵۷/۲۔

(۳) الکواثر الجاری: ۱۲۹/۶۔

(۴) عمدة القاری: ۷۴/۱۵، والاستیعاب: ۷۰/۱، باب أقرع، رقم (۶۹)۔

(۵) عمدة القاری: ۷۴/۱۵۔

اشراف عرب میں سے تھے، حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے انہیں ایک لشکر کا امیر بنا کر خراسان کی طرف بھیجا تھا، جہاں یہ زخمی ہو گئے، بالآخر زخموں کی تاب نہ لا کر وہیں انتقال کر گئے (۱)۔ رضی اللہ عنہ وأرضاه۔

عیینہ

یہ عیینہ - بضم العین، مصغر العین - بن حصن بن حذیفہ بن بدر الفزازی ہیں۔ یہ بھی مؤلفۃ القلوب میں سے تھے (۲)۔

امام ذہبی کہتے ہیں کہ یہ بھی اپنی قوم میں سید اور مطاع تھے، لیکن طبیعت میں گنوار پن اور تیزی تھی (۳)۔ رضی اللہ عنہ وأرضاه۔

اس حدیث کی مفصل شرح کتاب المغازی و کتاب الادب وغیرہ میں آگئی ہے (۴)۔

ترجمة الباب کے ساتھ مطابقت

اس حدیث کی مطابقت بالباب بالکل واضح ہے، اس میں تقسیم خمس کا ذکر بھی ہے اور اقرع و عیینہ، رضی اللہ عنہما کا بھی، جو مؤلفۃ القلوب میں سے تھے۔

باب کی نویں حدیث حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کی ہے۔

۲۹۸۲ : حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ : حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ : حَدَّثَنَا هِشَامُ قَالَ : أَخْبَرَنِي أَبِي ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَتْ : كُنْتُ أَنْقُلُ النَّوَى مِنْ أَرْضِ الزُّبَيْرِ الَّتِي أَقْطَعَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى رَأْسِي ، وَهِيَ مِنِّي عَلَى ثُلُثِي فَرَسَخٍ . وَقَالَ أَبُو ضَمْرَةَ ، عَنْ هِشَامٍ ، عَنْ أَبِيهِ : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَقْطَعَ الزُّبَيْرَ أَرْضًا مِنْ أَمْوَالِ بَنِي النَّضِيرِ . [۴۹۲۶]

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) حوالہ بالا، والکوثر الجاری: ۱۲۹/۶، والاستیعاب: ۱۳۵/۲، رقم (۲۰۶۶)۔

(۳) عمدة القاری: ۷۴/۱۵، وأيضاً انظر الاستیعاب: ۱۳۵/۲۔

(۴) کشف الباری، کتاب المغازی: ۵۵۷، نیز دیکھیے، کتاب الأدب: ۴۴۶۔

(۵) قولہ: ”عن أسماء.....“: الحدیث، أخرجه البخاری أيضاً، کتاب النکاح، باب الغيرة، رقم (۵۲۲۴)،

ومسلم، کتاب السلام، باب جواز إرداف المرأة الأجنبية.....، رقم (۵۶۹۲-۵۶۹۳)۔

تراجم رجال

۱- محمود بن غیلان

یہ محمود بن غیلان - بفتح المعجمة وسكون المثناة تحت - رحمة اللہ علیہ ہیں (۱)۔

۲- ابو اسامہ

یہ ابو اسامہ حماد بن اسامہ رحمة اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب العلم، ”باب فضل من علم وعلم“ کے تحت گزر چکا ہے (۲)۔

۳- ہشام

یہ ہشام بن عروہ بن زبیر قرشی رحمة اللہ علیہ ہیں۔

۴- أبی

اس سے مراد حضرت عروہ بن زبیر رحمة اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کا تذکرہ بدء الوحي کی ”الحديث الثاني“ کے تحت آچکا ہے (۳)۔

۵- اسماء بنت ابی بکر

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کے حالات تفصیلاً کتاب العلم، ”باب من أجاب الفتيا بإشارة اليد.....“ کے تحت گزر چکے ہیں (۴)۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما فرماتی ہیں کہ میں اس زمین سے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بطور جائیداد دی تھی، اپنے سر پر گٹھلیاں منتقل کیا کرتی تھی اور میرے گھر اور اس

(۱) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب مواقیب الصلاة، باب النوم قبل العشاء لمن غلب.

(۲) کشف الباری: ۴۱۴/۳.

(۳) کشف الباری: ۲۹۱/۱، نیز دیکھیے، ۴۳۲/۲-۴۴۰.

(۴) کشف الباری: ۴۸۷/۳.

زمین کی درمیانی مسافت دوثلث فرسخ تھا۔

النوی نواة کی جمع ہے، گٹھلی کو کہتے ہیں۔ اور أقطعه: إقطاع الأرض سے ہے، جس کے معنی جائیداد عطا کرنے کے ہیں۔ اور علی رأسی جار مجرور أنقل کے ساتھ متعلق ہے، جب کہ بعض حضرات نے اس کو حال قرار دیا ہے..... حال کو نہا علی رأسی..... (۱)۔

”فرسخ“ تین میل کی مسافت کو کہتے ہیں (۲)، توثلثی فرسخ کے معنی دو میل کے ہوئے۔

وقال أبو ضمرة عن هشام عن أبيه أن النبي صلى الله عليه وسلم أقطع الزبير أرضاً من أموال بني النضير

اور ابو ضمروہ ہشام عن ابیہ کے طریق سے نقل کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کی اراضی میں سے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو زمین دی تھی۔

ابو ضمروہ - بفتح الضاد وسكون الميم - سے مراد انس بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۳)۔

تعلیق مذکور کا مقصد

اس تعلیق کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے دو فائدے بیان کرنے کے لیے نقل کیا ہے۔

① ابواسامہ نے اس حدیث کو موصولاً نقل کیا ہے، جب کہ ابو ضمروہ نے ان کی اس معاملے میں مخالفت کر دی اور اس کو مرسل نقل کیا ہے۔

② اس تعلیق میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو دی گئی زمین کی تعیین کر دی گئی ہے کہ وہ یہود کی تھی اور مال فیء میں سے تھی۔

اس وضاحت کے ساتھ علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ کا اشکال بھی مرتفع ہو گیا، جو یہ کہتے ہیں کہ معلوم نہیں کہ نبی علیہ السلام نے مدینہ منورہ، جس کے باشندے برضا و رغبت اسلام میں داخل ہوئے تھے، کی زمین کیسے جائیداد کے طور پر دے دی؟ یہ زمین تو انصار کی تھی، اس میں نبی علیہ السلام نے تصرف کیسے کیا؟

(۱) عمدة القاري: ۷۵/۱۵، وشرح القسطلاني: ۲۲۷/۵۔

(۲) القاموس الوحيد، مادة ”فرسخ“۔

(۳) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب التبرز في البيوت۔

یہ اشکال نقل کرنے کے بعد علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا ایک احتمالی جواب بھی دیا کہ شاید یہ زمین ان اراضی میں سے تھی، جو انصار نے نبی علیہ السلام کے حوالے کر دی تھیں کہ ہم میں ان کے احیاء و سیرابی کی سکت نہیں، پانی وغیرہ کا وہاں کوئی انتظام نہیں، لہذا ان زمینوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رائے کے مطابق تصرف کریں۔ چنانچہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو دی گئی زمین انہی زمینوں میں تھی۔ ہذا رأي الخطابي (۱)۔

لیکن اس اشکال کا جواب وہی ہے جو تعلیق میں مذکور ہوا کہ یہ زمین انصار کی نہیں، بلکہ یہود مدینہ کی تھی اور مال فیء میں سے تھی (۲)۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں روایت باب میں اقطاع ارض کا ذکر ہے، جب کہ ابو داؤد شریف کی روایت میں ہے کہ حضرت اسماء فرماتی ہیں کہ ”أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أقطع الزبير نخلا“ (۳) کہ جاگیر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کا باغ عطا فرمایا تھا۔

اس میں اشکال یہ ہوتا ہے کہ جاگیر دینے کا دستور یہ ہے کہ امام ارض بیضاء (خالی زمین) جاگیر میں دیا کرتا ہے، تاکہ جاگیر دار اس کا احیاء کرے اور اس کو آباد کرے، باغ تو پہلے ہی آباد ہوتا ہے، اسے کیوں آپ علیہ السلام نے جاگیر میں دیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ابو عبید قاسم بن سلام نے ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ زمین ایک آدمی کو عطا فرمائی تھی، اس نے اس کا احیاء کیا اور وہ ہرے بھرے نخلستان میں تبدیل ہو گیا، اس کے بعد اس آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اس زمین کی مشغولی کی وجہ سے میں آپ کی خدمت میں حاضر نہیں ہو پاتا، اس لیے یہ زمین آپ مجھ سے واپس لے لیجئے (۴)۔

(۱) أعلام الحديث: ۱۴۵۸-۱۴۵۹، وفتح الباري: ۲۵۴/۶، وعمدة القاري: ۷۵/۱۵۔

(۲) فتح الباري: ۲۵۴/۶، وعمدة القاري: ۷۵/۱۵، نیز دیکھیے، بذل: ۳۱۳/۱۰، وشرح السنة: ۴۱۳/۴، کتاب البيوع، رقم (۲۱۸۶)۔

(۳) أبو داود مع البذل: ۳۱۳/۱۰، کتاب الخراج، باب في إقطاع الأرضين، رقم (۳۰۶۹)۔

(۴) کتاب الأموال، رقم (۶۷۶)، بحوالہ تعلیقات مصنف ابن أبي شيبة، محمد عوامة: ۵۲۷/۱۷، رقم (۳۳۶۹۵)۔

چنان چہ ہو سکتا ہے کہ وہی زمین آپ علیہ السلام نے حضرت زبیر کو دی ہو۔ واللہ اعلم

تعلیق مذکور کی تخریج

اس تعلیق کے متعلق حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ہدی الساری میں یہ فرمایا ہے کہ ”ورواية أبي ضمرة

بإرسالها لم أجدها“ (۱)۔

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

ترجمۃ الباب میں دو لفظ ہیں، ”وغیرہم“ اور ”نحوہ“ اس حدیث کی مناسبت ترجمہ کے لفظ وغیرہم کے ساتھ بھی ہو سکتی ہے اور نحوہم کے ساتھ بھی۔ وغیرہم کے ساتھ اس طرح کہ ابتدائے باب میں ہم یہ بتلا آئے ہیں کہ وغیرہم کو عام رکھا جائے تو زیادہ بہتر ہے، چوں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان اموال میں اختیار کلی حاصل تھا، اس لیے مسلم وغیر مسلم دونوں کو آپ مال وغیرہ دیا کرتے تھے۔ اسی بنیاد پر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو مذکورہ جائیداد دی گئی تھی۔

اور نحوہ کے ساتھ بھی مطابقت ہو سکتی ہے کہ نحوہ میں چوں کہ خراج، فی اور جزیہ وغیرہ سب داخل ہیں، اس لیے جو حضرات مثلاً علامہ خطابی (فی فصول) (۱) یہ کہتے ہیں کہ مذکورہ زمین خمس میں سے دی گئی تھی تو مطابقت من الخمس کے ساتھ ہوگی اور جو حضرات اس زمین کو مال فیء میں سے قرار دیتے ہیں ان کے نزدیک مناسبت نحوہ کے ساتھ ہوگی، کیوں کہ فیء بھی اس میں داخل ہے اور انہی حضرات کا قول رائج ہے۔ کیوں کہ مشہور قول اموال بنی نضیر میں فیء کا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

باب کی دسویں حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ہے۔

۲۹۸۳ : حَدَّثَنِي أَحْمَدُ بْنُ الْمُقْدَامِ : حَدَّثَنَا الْفُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ : حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ

(۱) ہدی الساری: ۵۷، کتاب الجہاد، الفصل الرابع من المقدمة، هذا ما قاله الحافظ!

ولكن الرواية بإرسالها رواها ابن سعد في الطبقات: ۱۰۴/۳، ومن بني أسد بن عبد العزى بن

قصي: الزبير بن العوام، والبلاذري في فتوح البلدان: ۳۴/۱، أموال بني النضير، وانظر أيضاً تعليقات الشيخ

محمد عوامة على المصنف: ۵۲۸/۱۷، رقم (۳۳۶۹۵)۔

(۲) أعلام الحديث للخطابي: ۱۴۵۴/۲، رقم (۳۱۳۶)، وشرح السنة: ۴/۴۱۳، رقم (۲۱۸۶)۔

قَالَ : أَخْبَرَنِي نَافِعٌ ، عَنْ أَبِي عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا (۱) : أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ أَجَلَى الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى مِنْ أَرْضِ الْحِجَازِ ، وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لَمَّا ظَهَرَ عَلَى أَهْلِ خَيْبَرَ أَرَادَ أَنْ يُخْرِجَ الْيَهُودَ مِنْهَا ، وَكَانَتْ الْأَرْضُ لَمَّا ظَهَرَ عَلَيْهَا لِلْيَهُودِ وَلِلرَّسُولِ وَلِلْمُسْلِمِينَ ، فَسَأَلَ الْيَهُودُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَنْ يَتْرُكَهُمْ عَلَى أَنْ يَكْفُوا الْعَمَلَ وَلَهُمْ نِصْفُ الثَّمَرِ ، فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : (نُقِرُّكُمْ عَلَى ذَلِكَ مَا شِئْنَا) . فَأَقْرُوا حَتَّى أَجَلَهُمْ عُمَرُ فِي إِمَارَتِهِ إِلَى تِمَاءَ وَأَرِيحَا . [ر : ۲۲۱۳]

تراجم رجال

۱- احمد بن المقدام

یہ احمد بن المقدام بن سلیمان عجمی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

۲- فضیل بن سلیمان

یہ فضیل بن سلیمان نمیری بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۳)۔

۳- موسیٰ بن عقبہ

یہ مشہور امام مغازی موسیٰ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۴)۔

۴- نافع

یہ نافع مولیٰ ابن عمر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب العلم، ”باب ذکر العلم والفتیاء فی المسجد“ کے تحت گزر چکے (۵)۔

۵- ابن عمر رضی اللہ عنہما

ابن عمر رضی اللہ عنہما کے حالات کتاب ایمان، ”باب ایمان.....“ کے تحت آچکے (۶)۔

(۱) قوله : ”عن ابن عمر.....“ : الحديث، مر تخريجه في كتاب الإجارة، باب إذا استأجر أرضاً.....

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب البيوع، باب من لم ير الوسوس.....

(۳) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الصلاة، باب المساجد التي على طرق المدينة.....

(۴) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب إسباغ الوضوء..

(۵) كشف الباري: ۶۵۱/۴.

(۶) كشف الباري: ۶۳۷/۱.

حدیث کا ترجمہ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے یہود و نصاریٰ کو حجاز سے باہر نکال دیا تھا (اس سے قبل) جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہود خیبر پر فتح یا ب ہوئے تھے تو آپ علیہ السلام نے انہیں خیبر سے نکال باہر کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اور خیبر کی یہ زمین جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فتح کیا تھا تو یہود کی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی اور مسلمانوں کی تھی، چنانچہ (جب یہود کو یہ خبر ملی کہ ان کو یہاں سے نکالنے کا ارادہ ہے تو) انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ انہیں وہاں سے نکالنا نہ جائے، اس شرط پر کہ زمین پر کام یہود کریں گے اور پیداوار میں ان کا نصف حصہ ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ٹھیک ہے) ہم اس پر تمہیں چھوڑتے ہیں، لیکن جب تک ہم چاہیں، اس طرح انہیں (ان کی زمین پر) برقرار رکھا گیا۔ یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے دنوں میں انہیں تیماء و اریحا کی طرف جلا وطن کر دیا۔

حدیث کے بعض اجزاء کی تشریح

روایت باب میں آیا ہے، ”وكانت الأرض - لما ظهر عليها - لليهود وللرسول وللمسلمين“ اکثر نسخوں میں عبارت اسی طرح ہے، تاہم ابن السکن کے نسخے میں للہ وللرسول ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ تعارض ہے کہ اکثر کے نسخوں میں لفظ یہود ہے اور ابن السکن کے نسخے میں لفظ الجلالة یعنی للہ۔ اس تعارض کو مختلف طریقوں سے رفع کیا گیا ہے۔

① طریقہ ترجیح کہ ابن السکن کی روایت راجح و درست ہے۔

② تاہم ابن ابی صفرہ کہتے ہیں کہ اکثر کا نسخہ بھی صحیح ہے، یعنی لليهود کے الفاظ۔

اس صورت میں اشکال یہ ہوگا کہ پھر لما ظهر علیہا کے کیا معنی ہوں گے؟! کیوں کہ مسلمانوں کے

غلبہ کے بعد زمین یہود کی ہونے کے کیا معنی ہوئے؟

اشکال کے جوابات

اس اشکال کے مختلف جوابات ہیں:

۱۔ لما ظهر علیہا سے مراد یہ ہے کہ جب اکثر علاقہ خیبر فتح ہو گیا اور اس وقت تک یہود نے مصالحت کی درخواست نہیں کی تھی۔ ظاہری بات ہے کہ اس وقت زمین تو یہود کی تھی اور مسلمانوں کی بھی۔ لیکن جب یہود کی طرف سے صلح کی درخواست آئی اور شرائط پر صلح ہو گئی تو زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہو گئی۔

۲۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہو، یعنی ثمرۃ الأرض کہ زمین کی پیداوار یہود اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔

۳۔ لفظ ”ارض“ مفتوحہ وغیرہ مفتوحہ دونوں کو شامل ہے اور ظہور سے مراد غلبہ ہے کہ مسلمان یہود پر غالب تھے، اس صورت میں زمین یہود اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی ہوگی، یعنی مفتوحہ مسلمانوں کی اور غیر مفتوحہ یہود کی (۱)۔

تیماء وأریحا

تیماء - بالفتح والمد - شام کی طرف ایک چھوٹا سا شہر ہے، یہ شام اور وادی القری کے درمیان حاجیوں کا جو راستہ ہے، وہاں واقع ہے (۲)۔
أریحا سے متعلق وضاحت کتاب الخمس کے اوائل میں گزر چکی ہے (۳)۔

ترجمة الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

ترجمة الباب سے اس حدیث کا تعلق بظاہر نظر نہیں آتا، اس لیے کہ اس میں مؤلفۃ القلوب کا ذکر ہے، نہ اعطاء کا؟

تو بعض حضرات نے کہا ہے کہ مطابقت موجود ہے، حدیث میں آیا ہے، ”وكانت الأرض لما ظهر علیہا لليهود وللرسول وللمسلمين“ ان الفاظ سے مصنف نے ترجمہ ثابت کیا ہے، وہ اس لیے کہ جب وہ زمین اللہ کے رسول کی تھی تو اس میں آپ کو تصرف کرنے کا حق بھی تھا، جس کو چاہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیں، اس میں مؤلفۃ القلوب بھی داخل ہیں اور غیر مؤلفۃ القلوب بھی۔ کما ذکرنا قبل۔

(۱) فتح الباری: ۶/۲۵۵، وعمدة القاری: ۱۵/۷۵۔

(۲) معجم البلدان: ۲/۶۷، باب التاء والياء وما يليهما۔

(۳) دیکھیے، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: أحلت لكم الغنائم.....

تاہم یہاں سب سے بہترین توجیہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، جو انہوں نے لامع میں ذکر کی، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ خیبر کی زمین یہود کو مزارعت پر دی گئی تھی، اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب خالص کو خرص کے لیے بھیجتے تو اس کو حکم فرماتے کہ خرص کے بعد ربع یا ثلث ان یہود کے لیے چھوڑ دینا۔ یہی تو اعطاء ہے! اور اس اعطاء کا مقصد ظاہر ہے کہ تالیف قلب تھا۔

پھر یہ دینے کا جو عمل ہے، خمس و نحو الخمس دونوں سے ہوتا تھا، کیوں کہ جو بھی پیداوار وہاں سے حاصل ہوتی تھی اولاً اس کا خمس نکالا جاتا تھا، پھر غانمین میں تقسیم کیا جاتا، اب یہ سمجھیے کہ مزارعت نصف پر تھی، پھر خالص کو حکم تھا کہ ثلث یا ربع وغیرہ نصف کے علاوہ بھی ان کے لیے چھوڑ دیا جائے، گویا اکثر حصہ یہود کو گیا اور مسلمانوں کے حصے میں، نیز خمس میں کمی آگئی، چنانچہ خمس میں سے بھی یہود کو ملا اور مسلمانوں (غانمین) کے حصے میں سے بھی ان کو ملا کہ غانمین اور خمس دونوں کے حصے بدلتے ثلث یا ربع کے دینے کی وجہ سے کم ہو گئے تھے۔ حضرت کے الفاظ یہ ہیں:

”ولعل إيراد هذه الرواية ههنا لأجل أن النبي صلى الله عليه وسلم كان يأمر أصحابه أن يتركوا لهم بعد الخرص ربعاً أو ثلثاً، كما تشهد به الروايات، وليس ذلك إلا إعطاء؛ فكان هذا الحديث مما يناسب الباب باعتبار إعطاء الغير المؤلفة إن أريد به المؤمنون، وإن كان أعم ممن آمن، ولم يكمل إيمانه بعد، وممن لم يكن مؤمناً بعد، فهو من قبيل إعطاء المؤلفة، وكان ذلك إعطاء من الخمس ونحوه معاً؛ لأن ما كان يجي، إلى المسلمين كان ي خمس منه أولاً، ثم يقسم بين الغانمين على حسب حصصهم، فما انتقص من نصيبهم وجباياتهم بترك الربع والخمس والثلث ونحوه انتقص بحسبه من الخمس أيضاً، فكان هذا الحط لهم من المسلمين إعطاءً أيضاً“.

مولانا کی رحمۃ اللہ علیہ اس عبارت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

”فافهم؛ فإنه غريب، وكم للأستاذ مثل ذلك من عجيب!“ (۱).

۲۰ - باب : ما يُصِيبُ مِنَ الطَّعَامِ فِي أَرْضِ الْحَرْبِ .

ترجمة الباب کا مقصد

کسی مجاہد کو اگر دار الحرب میں کھانے کو طعام مل جائے، یا اپنی سواری کے لیے گھاس مل جائے تو اس کا کھانا اور استعمال کرنا اس مجاہد کے لیے جائز ہوگا یا نہیں؟ یہ اختلافی مسئلہ ہے۔

جمہور فقہاء کے نزدیک اس کا کھانا اور استعمال کرنا جائز ہے، کھانے میں ہر وہ چیز داخل ہے جس کا طعام کے طور پر استعمال معقاد ہو، خواہ تقسیم غنیمت سے قبل ہو یا بعد، امام کی اجازت موجود ہو یا نہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ دار الحرب میں کھانے پینے کی اشیاء کا حصول عموماً دشوار ہوتا ہے، اس لیے ضرورت کے پیش نظر اس کو جائز کہا گیا ہے، پھر جمہور کے نزدیک ضرورت نہ ہو، تب بھی جائز ہے۔

تاہم بعض حضرات مثلاً امام زہری واوزاعی وغیرہ نے اس کو اذن امام کے ساتھ مقید کیا ہے، جب کہ سلیمان بن موسیٰ یہ فرماتے ہیں کہ ابتداءً تو جائز و درست ہے، لیکن امام منع کر دے تو جائز نہیں ہے۔ یہی امام محمد (رحمہم اللہ) سے بھی مروی ہے۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس ترجمۃ الباب سے جمہور علماء کی تائید کی ہے اور یہ فرمایا ہے کہ ان اشیاء میں تخمیس وغیرہ نہیں ہوگی، بلکہ مقاتلین کے لیے اس کا کھانا اور جانور کو کھلانا جائز و مباح ہوگا (۱)۔

حنفیہ کے نزدیک اس میں مزید توسع ہے، وہ طعام اور گھاس کے علاوہ لکڑی، اسلحہ، گھوڑا اور وہ تیل، جس میں تقسیم نہ ہوئی ہو، کو بھی اس حکم میں داخل کہتے ہیں (۲)۔

پھر جمہور کے نزدیک مذکورہ بالا حکم دار الحرب کے ساتھ خاص ہے، ان اشیاء کو ساتھ لیے دارالاسلام آنا جائز نہیں، اگر ایسا کیا تو ان اشیاء کو غنیمت میں داخل کرنا ضروری ہوگا (۳)۔

(۱) فتح الباری: ۶/۲۵۵، وشرح النووی علی مسلم: ۲/۹۷، وإعلاء السنن: ۱۲/۱۲۹، وعمدة القاری:

۱۵/۷۶، والأوجز: ۹/۱۵۷، والدر المختار: ۳/۲۵۴، والمغنی: ۸/۴۴۵، وشرح السیر الکبیر: ۲/۳/۱۲۰،

باب ما يستعمل في دار الحرب، ويؤكل ويشرب.

(۲) الدر المختار: ۳/۲۵۴.

(۳) اس مسئلے کی مزید تفصیلات و شروط کے لیے دیکھیے، السیر الکبیر مع شرحہ: ۲/۳/۱۲۰-۱۲۳، والمغنی: ۹/۲۲۳-۲۲۴، =

اب باب کی احادیث دیکھیے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جمہور کے موقف کو ثابت کرنے کے لیے یہاں تین حدیثیں ذکر کی ہیں، جن میں پہلی حدیث باب حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۸۴ : حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلَالٍ ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَغْفَلٍ (۱) رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : كُنَّا مُحَاصِرِينَ قَصْرَ خَيْبَرَ ، فَرَمَى إِنْسَانٌ بِجِرَابٍ فِيهِ شَحْمٌ ، فَتَزَوَّتُ لِأَخْذِهِ ، فَالْتَفَتُ فَإِذَا النَّبِيُّ ﷺ فَاسْتَحْيَيْتُ مِنْهُ . [۳۹۷۷ ، ۵۱۸۹]

تراجم رجال

۱- ابو الوليد

یہ ابو الولید ہشام بن عبد الملک طیالسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الایمان، ”باب علامۃ الایمان حب الأنصار“ کے تحت گزر چکا (۲)۔

۲- شعبہ

یہ امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ بن الحجاج عتکی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الایمان، ”باب المسلم من سلم.....“ کے تحت گزر چکے (۳)۔

۳- حمید بن ہلال

یہ حمید بن ہلال عدوی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۴)۔

= رقم (۷۵۵۴)، والأوجز: ۱۵۱/۹-۱۶۳، وإعلاء السنن: ۱۲۹/۱۲-۱۳۷، والموسوعة الفقهية: ۳۰۷/۱-۳۰۹، (غنيمة: الأخذ من الغنيمة.....)، رقم (۱۸)۔

(۱) قوله: ”عن عبد الله.....“: الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، كتاب المغازي، باب غزوة خيبر، رقم (۴۲۱۴)، وكتاب الذبائح والصيد، باب ذبائح أهل الكتاب وشحومها.....، رقم (۵۵۰۸)، ومسلم، كتاب الجهاد، باب جواز الأكل من طعام الغنيمة.....، رقم (۴۶۰۵-۴۶۰۶)، وأبوداود، كتاب الجهاد، باب إباحة الطعام في أرض العدو، رقم (۲۷۰۲)، والنسائي، كتاب الضحايا، باب ذبائح اليهود، رقم (۴۴۴۰)۔

(۲) كشف الباري: ۳۸/۲۔

(۳) كشف الباري: ۶۷۸/۱۔

(۴) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الصلاة، باب یرد المصلی من مرّ بین یدیه۔

۴- عبداللہ بن مغفل

یہ صحابی رسول حضرت عبداللہ بن مغفل (بزنیہ محمد) رضی اللہ عنہ ہیں (۱)۔

قال: کنا محاصرین قصر خیبر، فرمی انسان بجراب فیہ شحم
حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے خیبر کے محل کا محاصرہ کر رکھا تھا کہ (اوپر
سے) ایک آدمی نے چمڑے کی ایک تھیلی پھینکی، جس میں چربی تھی۔
جراب مزود کو کہتے ہیں، یعنی زاد راہ کی تھیلی، جو چمڑے سے بنی ہوئی ہو، اس کو جیم کے کسرہ اور فتح
دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے، صحیح کسرہ ہے، اس کی جمع أجربہ وجرب ہے (۲)۔

فنزوت لاخذہ

میں نے اس کو پکڑنے کے لیے تیزی سے چھلانگ ماری۔
نزوت-نوں اور زای کے ساتھ- اس کے معنی کودنے اور چھلانگ مارنے کے ہیں، یہ باب نصر سے ہے (۳)۔
ابوداؤد (۴) کی سلیمان بن المغیرہ کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے: "فالتزمته، فقلت: لا أعطي
اليوم أحداً من هذا شيئاً" کہ "میں اس تھیلی کے ساتھ چمٹ گیا اور کہا کہ آج کے دن میں کسی کو اس میں سے
کچھ بھی نہیں دوں گا"۔

اور ابن وہب کی ایک روایت، جو سند معضل (۵) کے ساتھ مروی ہے، میں یہ بھی آیا ہے کہ حضرت

(۱) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب مواقیت الصلاة، باب من کره أن يقال للمغرب.....

(۲) عمدة القاري: ۷۶/۱۵، وفتح الباري: ۲۵۶/۶۔

(۳) حوالہ جات بالا، والقاموس الوحيد، مادة "نزو"۔

(۴) سنن أبي داود، کتاب الجہاد، باب إباحة الطعام في أرض العدو، رقم (۲۷۰۲)۔

(۵) "والمعضل - بفتح الضاد -: ما سقط من سنده اثنان فصاعداً مع التوالي كقول مالك (ابن أنس): قال

رسول الله صلى الله عليه وسلم (فقد ترك فيه: نافعاً، ثم ابن عمر)، وقول الشافعي: قال ابن عمر كذا (فقد

ترك فيه: مالكا، ثم نافعاً)۔ قواعد في علوم الحديث للعثماني: ۴۱، من اندباج المذهب: ۳۷، وتعليقات

عبد الفتاح أبي غدة على قواعد.....

کعب بن عمرو بن زید انصاری رضی اللہ عنہ نے وہ تھیلی ان سے لے لی، جس پر نبی علیہ السلام نے حضرت کعب سے فرمایا کہ اس کو اس کی تھیلی دے دو (☆)۔

فالتفت، فإذا النبي صلى الله عليه وسلم، فاستحييت منه

میں نے مڑ کر دیکھا تو اچانک وہاں نبی اکرم ﷺ موجود تھے تو میں آپ علیہ السلام سے شرمایا گیا۔
 ”إذا“ مفاعاتیہ ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ جب میں مڑا تو اچانک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو شرمایا گیا، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا فعل دیکھ لیا تھا اور جو الفاظ میں نے کہے تھے وہ سن لیے تھے (۱)۔
 اس سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں نبی علیہ السلام کی جو عزت و توقیر تھی، وہ بھی واضح ہو گئی۔
 نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ حضرات خلاف مروت امور سے کس قدر اپنے کو بچایا کرتے اور ان سے دور رہا کرتے تھے (۲)۔

ترجمة الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عدم انکار میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے انہیں دیکھا کہ وہ ارضِ عدو سے کھانا لے رہے ہیں، اس کے باوجود انہیں کچھ بھی نہیں کہا، بلکہ مسلم شریف کی روایت میں تو یہ بھی آیا ہے، ”فإذا رسول الله صلى الله عليه وسلم متبسمًا“ (۳) کہ نبی علیہ السلام مسکرا رہے تھے۔ جو آپ علیہ السلام کی رضا مندی پر دال ہے۔ علاوہ ازیں ابوداؤد طیالسی (۴) کی روایت میں یہ اضافہ بھی ہے، ”فقال: هو لك“ کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تھیلی تمہاری ہے (۵)، اس پوری

(☆) فتح الباری: ۶/۲۵۶۔

(۱) حوالہ بالا، عمدة القاری: ۷۶/۱۵، والکوثر الجاری: ۱۳۰/۶۔

(۲) حوالہ جات بالا۔

(۳) مسلم شریف، کتاب الجہاد، باب جواز الأكل من، رقم (۴۶۰۵)۔

(۴) مسند أبي داود الطيالسي: ۱/۴۹۱، وما أسند عن عبد الله بن مغفل رضي الله عنه، رقم (۹۵۹)۔

(۵) فتح الباری: ۶/۲۵۶، وعمدة القاری: ۷۶/۱۵۔

اس حدیث کی مزید شرح کے لیے دیکھیے، کشف الباری، کتاب المغازی: ۴۳۲-۴۳۳، و کتاب الذبائح

والصيد، باب ذبائح أهل الكتاب: ۲۷۴-۲۷۶۔

تفصیل سے اس فعل کا جواز معلوم ہو رہا ہے۔

دوسری حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ہے۔

۲۹۸۵ : حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا حَمَادُ بْنُ زَيْدٍ ، عَنْ أَيُّوبَ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنْ أَبِي عُمَرَ (۱)
رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ : كُنَّا نُصِيبُ فِي مَغَازِينَا الْعَسَلَ وَالْعِنَبَ ، فَأُكِّلَهُ وَلَا نَرْفَعُهُ .

تراجم رجال

۱- مسدد

یہ مسدد بن مسرہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الایمان، ”باب من الایمان أن يحب لأخيه.....“ کے تحت گزر چکے (۲)۔

۲- حماد بن زید

یہ حماد بن زید بن درہم رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الایمان، ”باب المعاصي من أمر الجاهلية.....“ کے تحت آچکا ہے (۳)۔

۳- ایوب

یہ ایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا مفصل تذکرہ کتاب الایمان، ”باب حلاوة الایمان“ میں آچکا (۴)۔

۴- نافع

یہ نافع مولیٰ ابن عمر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے مفصل حالات کتاب العلم، ”باب ذکر العلم

(۱) قوله: ”عن ابن عمر رضي الله عنه“: الحديث، تفرد به البخاري، ولم يخرج به إلا في هذا الموضع.

تحفة الأشراف: ۷۶/۶، رقم (۷۵۵۸).

(۲) كشف الباري: ۲/۲.

(۳) كشف الباري: ۲/۲۱۹.

(۴) كشف الباري: ۲/۲۶.

والفتيا في المسجد“ میں گزر چکے ہیں (۱)۔

۵- ابن عمر رضی اللہ عنہ

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الایمان، ”باب الایمان.....“ میں آچکے (۲)۔

عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: كنا نصيب في مغازينا.....

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ ہم اپنی جنگوں میں شہد اور انگور حاصل کرتے تھے، سو اس کو کھایا کرتے۔

یہ روایت اسماعیلی اور ابو نعیم نے بھی نقل کی ہے، ان کی روایت میں ”الفواکہ“ کی زیادتی بھی ہے۔ اسی طرح اسماعیلی نے ایک اور روایت ابن المبارک رحمہم اللہ کے طریق سے نقل کی ہے، اس میں سمن (گھی) کا تذکرہ بھی ہے (۳)۔

علاوہ ازیں ایک روایت جریر بن حازم عن ایوب رحمہم اللہ کے طریق سے بھی مروی ہے، اس میں ہے، ”أصبنا طعاماً وأغناماً يوم اليرموك، فلم يقسم“ (۴) کہ غزوہ یرموک کے موقع پر ہمیں کھانا اور بکریاں حاصل ہوئیں، جو تقسیم نہیں ہوئیں، یعنی ان کو غنیمت میں شامل کر کے تقسیم نہیں کیا گیا، بلکہ یہ اشیاء ہمارے پاس ہی رہیں۔ یرموک والی یہ روایت موقوف ہے، کیوں کہ یرموک کا غزوہ عہد فاروقی میں لڑا گیا تھا، جب کہ پہلی روایت مرفوع کے حکم میں ہے، کہ اس میں تصریح ہے کہ یہ عہد نبوی کا واقعہ ہے، لیکن اس موقوف روایت میں بھی کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ مرفوع کے موافق ہے (۵)۔

(۱) كشف الباري: ۶۵۱/۴۔

(۲) كشف الباري: ۶۳۷/۱۔

(۳) فتح الباري: ۲۵۶/۶، وعمدة القاري: ۷۶/۱۵، وكذا في رواية سعيد بن منصور في سننه: ۲۷۱/۲، لفظ ”الثمار“، وهو متناول للفواكه، رقم (۲۷۳۵)، وشرح الزرقاني: ۲۳/۳، وسنن البيهقي الكبرى: ۱۰۱/۹، كتاب السير، باب السرية تأخذ العلف.....، رقم (۱۷۹۹۴)۔

(۴) تاريخ مدينة دمشق لابن عساكر: ۸۳/۳۱، حرف العين۔

(۵) عمدة القاري: ۷۶/۱۵، وفتح الباري: ۲۵۶/۶۔

ولا نرفعه

اور اس کو ہم جمع نہیں کرتے تھے۔

اس جملہ کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ ہم اس کو ذخیرہ نہیں کرتے تھے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اسے ہم غنیمت کے ذمے دار یا نبی علیہ السلام کے حوالے نہیں کرتے تھے، نہ ہی کھانے کی اجازت طلب کرتے، کیوں کہ پہلے سے اس قسم کی چیزوں کے استعمال کی اجازت موجود ہوتی تھی (۱)۔

ترجمة الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت بالکل ظاہر ہے (۲)، ابن عمر رضی اللہ عنہ عہد نبوی کی جنگوں کے بارے میں بتا رہے ہیں کہ ہم عام کھانے پینے کی اشیاء استعمال کر لیا کرتے تھے، جو جواز کی دلیل ہے۔ واللہ اعلم

باب کی تیسری حدیث عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۲۹۸۶ : حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ : حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِيُّ قَالَ : سَمِعْتُ
أَبْنَ أَبِي أَوْفَى رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يَقُولُ : أَصَابَتْنَا مَجَاعَةٌ لَيْلِي خَيْبَرَ ، فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ خَيْبَرَ وَقَعْنَا
فِي الْحُمْرِ الْأَهْلِيَّةِ فَانْتَحَرْنَاَهَا ، فَلَمَّا غَلَّتِ الْقُدُورُ نَادَى مُنَادِي رَسُولِ اللَّهِ ﷺ : أَكْفِتُوا الْقُدُورَ ،
فَلَا تَطْعَمُوا مِنْ لُحُومِ الْحُمْرِ شَيْئًا . قَالَ عَبْدُ اللَّهِ : فَقُلْنَا : إِنَّمَا نَهَى النَّبِيُّ ﷺ لِأَنَّهَا لَمْ تُخَمَّسْ ،
قَالَ : وَقَالَ آخَرُونَ : حَرَّمَهَا أَلْبَنَةً ، وَسَأَلْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ فَقَالَ : حَرَّمَهَا أَلْبَنَةً .

[۳۹۸۳ - ۳۹۸۶ ، ۵۲۰۵]

(۱) حوالہ جات بالا، وشرح القسطلانی: ۲۲۸/۵۔

(۲) عمدة القاری: ۷۶/۱۵، والکوثر الجاری: ۱۳۱/۶۔

(۳) قوله: "سمعت ابن أبي أوفى.....": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، كتاب المغازي، باب غزوة خيبر، رقم (۴۲۲۰، ۴۲۲۲، ۴۲۲۴)، وكتاب الذبائح والصيد، باب لحوم الحمر الإنسية، رقم (۵۵۲۶)، ومسلم، كتاب الصيد والذبائح، باب تحريم أكل لحم الحمر الإنسية (۵۰۱۰-۵۰۱۱)، والنسائي، كتاب الصيد، باب تحريم أكل لحوم الحمر الأهلية، رقم (۴۳۴۴)، وابن ماجه، كتاب الذبائح، باب لحوم الحمر الأهلية، رقم (۳۱۹۲)۔

تراجم رجال

۱- موسیٰ بن اسماعیل

یہ موسیٰ بن اسماعیل تبوذ کی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات بدء الوحي کی ”الحديث الرابع“ کے تحت گزر چکے (۱)۔

۲- عبدالواحد

یہ عبدالواحد بن زیاد عبدی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، ”باب الجہاد من الإیمان“ کے تحت گزر چکا ہے (۲)۔

۳- الشیبانی

یہ سلیمان بن ابی سلیمان کوفی شیبانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۳)۔

۴- ابن ابی اوفی

یہ مشہور صحابی حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ ہیں (۴)۔

تنبیہ

عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی شرح کتاب الذبائح والصيد میں آچکی ہے (۵)۔

قال عبد الله: فقلنا إنما نهى النبي صلى الله عليه وسلم؛ لأنها لم تخمس.

قال: وقال آخرون: حرمها البتة

عبد اللہ کہتے ہیں تو ہم نے کہا کہ نبی علیہ السلام نے (ان گدھوں کا گوشت کھانے سے اس لیے) منع

(۱) کشف الباری: ۱/۴۳۳.

(۲) کشف الباری: ۲/۳۰۱.

(۳) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الحيض، باب مباشرة الحائض.

(۴) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب من لم ير الوضوء إلا من المخرجين.....

(۵) کشف الباری، کتاب الذبائح والصيد: ۲۹۳-۲۹۵.

کیا کہ ان کا خمس نہیں نکالا گیا تھا، فرماتے ہیں: جب کہ بعض دیگر صحابہ نے کہا کہ نبی علیہ السلام نے حراہلیہ کو مطلقاً حرام قرار دے دیا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حراہلیہ کے گوشت سے بھری، ابلتی ہوئی ہانڈیوں کو گرانے کا حکم دیا اور ان کے کھانے سے منع کیا تو علت نہی و ممانعت میں صحابہ کی دو آراء ہو گئیں۔
کچھ صحابہ کی رائے یہ ہوئی کہ چونکہ یہ غنیمت میں شامل ہونے چاہیے تھے اور ان میں تقسیم جاری نہیں ہوئی تھی، اس لیے آپ علیہ السلام نے منع فرمایا کہ یہ غنیمت کا حصہ ہے، جس میں تصرف جائز نہیں۔
جب کہ بعض دیگر صحابہ کی رائے یہ ہوئی کہ آپ علیہ السلام نے ان کے کھانے سے مطلق ممانعت کی ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ کھانے کی چیز نہیں (۱)۔

اس عبارت میں عبد اللہ سے مراد ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ ہیں، چنانچہ مغازی کی روایت میں دوسرے طریق سے اس کی صراحت آئی ہے (۲)۔

وسألت سعید بن جبیر فقال: حرمها البتة

اور میں نے سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ نبی علیہ السلام نے حراہلیہ کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے۔

اس جملے کے قائل شیبانی ہیں (۳) اور یہ فرما رہے ہیں کہ جب میں نے مذکورہ بالا مسئلے میں صحابہ کرام کی دو آراء دیکھیں تو تحقیق حال کے لیے حضرت سعید بن جبیر سے پوچھا کہ ممانعت کی وجہ کیا تھی؟ تو انہوں نے فرمایا، حرمها البتة۔

ترجمة الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

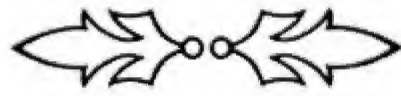
اس حدیث کی مطابقت بھی ترجمۃ الباب کے ساتھ ظاہر ہے، کیوں کہ صحابہ کرام کی عادت اس سلسلے

(۱) فتح الباری: ۶/۲۵۷، وعمدة القاری: ۱۵/۷۷۔

(۲) حوالہ جات بالا، و کتاب المغازی، باب غزوہ خیبر، رقم (۴۲۲۰)۔

(۳) عمدة القاری: ۱۵/۷۷، و فتح الباری: ۶/۲۵۷، و شرح القسطلانی: ۵/۲۲۸۔

میں ماکولات وغیرہ کی طرف جلدی کی تھی، اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ حضرات نبی علیہ السلام کی موجودگی کے باوصف ایسے کسی بھی اقدام سے گریز کرتے، یہاں ایسا نہیں ہوا، جس سے ثابت ہوا کہ کھانے پینے کی عام اشیاء کا استعمال دورانِ جنگ جائز ہے (۱)۔ واللہ اعلم بالصواب



وبہ تم کتاب الخمس، ویلیہ کتاب (أبواب) الجزية والموادعة إن شاء الله.

www.ahlehaq.org

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

۶۲ - أبواب الجزية والموادعة

اختلاف نسخ

ناسخین بخاری کی اکثر روایتوں میں عنوان ”باب الجزية.....“ آیا ہے، جب کہ لفظ ”کتاب“ کے ساتھ عنوان صرف ابو نعیم اور ابن بطلال کے نسخوں میں مذکور ہے۔ اور یہی زیادہ مناسب ہے، جیسا کہ حافظ علیہ الرحمہ کی رائے ہے (۱)۔

اور بسملہ بھی سوائے ابو ذر کے تمام نسخوں میں موجود ہے (۲)۔

۱ - باب : الْجِزْيَةُ وَالْمَوَادَعَةُ مَعَ أَهْلِ الذِّمَّةِ وَالْحَرْبِ .

مقصد ترجمۃ الباب

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہاں احکام جزیہ اور کفار کے ساتھ احکام صلح کو بیان کرنا ہے، کما قالہ العینی (۳)۔

چنانچہ اہل حرب کے ساتھ وقت اور حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے مصالحت کی جاسکتی ہے اور جو اہل ذمہ ہیں، ان سے جزیہ لیا جائے گا۔ تفصیل آرہی ہے۔

جزیہ کے لغوی معنی

علمائے لغت اور شراح حدیث نے جزیہ کے تین معنی بیان کیے ہیں:

① لفظ ”جزية“ جزأ یجزئ تجزیة سے مشتق ہے، جس کے معنی تقسیم کرنے اور کسی چیز کے حصے کرنے کے ہیں، جزیہ بھی ذمیوں پر تقسیم کیا جاتا ہے۔

(۱) عمدة القاري: ۷۷/۱۵، وفتح الباري: ۲۵۸/۶، ۲۵۹، وشرح ابن بطلال: ۳۲۷/۵.

(۲) عمدة القاري: ۷۷/۱۵، وفتح الباري: ۲۵۸/۶، وإرشاد الساري: ۲۲۹/۵.

(۳) عمدة القاري: ۷۷/۱۵.

۲ یہ کلمہ جزاء سے مشتق ہے، جس کے معنی بدلے کے ہیں، کہ جزیہ کی ادائیگی کے بدلے اہل ذمہ کو دارالاسلام میں رہنے اور ٹھہرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔

۳ یہ اجزاء (افعال) سے ہے، جس کے معنی کفایت کرنے کے ہیں۔ وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جزیہ کی ادائیگی بھی اس شخص کی عزت و آبرو، جان و مال کی حفاظت و عصمت کے لیے کفایت کرنے والا ہوتا ہے، جس پر جزیہ مقرر کیا جاتا ہے (۱)۔

جزیہ کے اصطلاحی معنی

جزیہ وہ مقرر مال ہے جو کافر سے دارالاسلام میں سکونت و اقامت کی وجہ سے اور اس کے عوض وصول کیا جاتا ہے (۲)۔

دوسرے الفاظ میں یوں کہیے کہ جزیہ وہ مال ہے جو اہل کتاب پر بوجہ ذمہ مقرر کیا جاتا ہے (۳)۔

موادعہ کے معنی اور مراد

موادعہ باب مفاعلہ کا مصدر ہے، جس کے معنی متارکت یعنی چھوڑنے کے ہیں اور یہاں اس سے مراد یہ ہے کہ اہل حرب کے ساتھ جنگ و قتال کو ایک معینہ مدت تک کے لیے کسی مصلحت کی بنا پر چھوڑ دینا (۴)۔

پھر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ان الفاظ ”الجزية والموادعة مع أهل الذمة والحرب“ میں لف و نشر مرتب ہے، کیوں کہ جزیہ کا تعلق اہل ذمہ سے اور موادعت کا اہل حرب سے ہے (۵)۔

جزیہ کی مشروعیت

اس کے بعد یہ سمجھئے کہ جزیہ کا ثبوت اور اس کی مشروعیت قرآن کریم، احادیث نبویہ اور اجماع سے ہے،

(۱) حوالہ بالا، وفتح الباری: ۶/۲۵۹، ومعجم مقایس اللغة: ۱/۴۵۵، والجامع لأحكام القرآن للقرطبي:

۸/۱۱۴، والبنایة: ۷/۲۳۸، باب الجزية.

(۲) إعلاء السنن: ۱۲/۴۲۹.

(۳) عمدة القاري: ۷۷/۱۵، والنهاية في غريب الحديث والأثر: ۱/۲۷۱.

(۴) عمدة القاري: ۷۷/۱۵، وفتح الباری: ۶/۲۵۹، وتحفه الباری: ۳/۵۶۵.

(۵) حوالہ جات بالا.

نیز قیاس کا بھی یہی تقاضا ہے۔

چنانچہ قرآن کریم کی یہ آیت ﴿قاتلوا الذين لا يؤمنون بالله ولا باليوم الآخر ولا يحرمون ما حرم ورسوله ولا يدينون دين الحق من الذين اوتوا الكتاب حتى يعطوا الجزية عن يد وهم صاغرون﴾ جس کو امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی یہاں ذکر کیا ہے، جزیہ کی مشروعیت کے لیے اصل اصیل ہے (۱)۔

اور سنت میں بھی اس کی مشروعیت پر بہت سی احادیث ہیں، مثلاً حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے ”جنگ نہاوند“ کے موقع پر کسریٰ کی فوج کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:

”أمرنا نبينا رسول ربنا أن نقاتلكم حتى تعبدوا الله وحده أو تؤدوا

الجزية.....“ (۲)۔

اسی طرح امت مسلمہ کا بھی اس پر اجماع ہے کہ اہل ذمہ سے جزیہ وصول کیا جائے گا (۳)۔

جہاں تک قیاس کا تعلق ہے تو اس کا مقتضی بھی یہی ہے کہ ان سے جزیہ وصول کیا جائے، اس لیے کہ جب وہ ہمارے مسلک و دین کے تابع نہیں ہیں تو ہمارے ملک (دارالاسلام) سے انتفاع کرنے میں بہر حال ان کو کچھ نہ کچھ دینا پڑے گا۔ یہ تو جزیہ کی وصولی کی ظاہری وجہ ہوئی (۴)۔

اس کے علاوہ جزیہ کی وصولی کے اندر ایک باطنی حکمت بھی ہے اور وہ یہ کہ جزیہ جب وہ ادا کریں گے اور دو نمبر کے شہری شمار ہوں گے تو ان کے نفس کو ٹھیس پہنچے گی اور ان کی طبیعتوں میں اسلام کی طرف میلان پیدا ہوگا، تاکہ وہ ایک نمبر کے شہری ہو جائیں، نیز جب وہ مسلمانوں کے ساتھ اختلاط و میل جول رکھیں گے اور معاملات میں آپس میں شرکت کریں گے تو ان کو اسلام کے محاسن پر مطلع ہونے کا موقع ملے گا، جو ممکن ہے ان کے اسلام قبول کرنے کا سبب بنے (۵)۔

(۱) فتح الباری: ۶/۲۵۹، وعمدة القاري: ۱۵/۷۸، وإعلاء السنن: ۱۲/۴۲۹۔

(۲) إعلاء السنن: ۱۲/۴۳۰۔

(۳) المغني لابن قدامة: ۹/۲۶۳، وحوالہ بالا۔

(۴) أحكام القرآن: ۳/۱۳۳، سورة التوبة، فصل، وإعلاء السنن: ۱۲/۴۳۰، الجواب عن شبهة الملحدين في الجزية۔

(۵) فتح الباری: ۶/۲۵۹۔

جزیہ کی مشروعیت ۸ھ میں ہوئی یا ۹ھ میں، دونوں قول ہیں (۱)۔

ایک شبہ اور اس کا جواب

ممکن ہے ملاحظہ میں سے کوئی روشن خیال یہ شبہ پیش کرے کہ اہل ذمہ سے جزیہ کی وصولی ان کے کفر پر رضامندی ہے اور اس طرح اپنے شرکیہ مذہب پر قائم رہنے کو ان کے لیے مباح قرار دیا گیا ہے، جزیہ کی ادائیگی کی بنا پر اسلام کے بدلے ان کے کفر پر برقرار رہنے کو کیسے درست کہا جاسکتا ہے؟

اس شبہ کا جواب بہت واضح ہے، وہ یہ کہ جزیہ اسلام کا بدلہ ہے نہ اس کی قیمت، بلکہ یہ ایک قسم کا ٹیکس ہے، جو دارالاسلام میں رہنے اور سکونت اختیار کرنے کی وجہ سے ان سے وصول کیا جاتا ہے، ان کو جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت کی ضمانت اسی کی ادائیگی پر دی جاتی ہے اور معاملات میں احکام اسلام کے التزام کی ضمانت ان سے لی جاتی ہے کہ وہ ان کا احترام کریں گے۔

نیز ان سے جزیہ کی وصولی کا مطلب یہ بالکل نہیں کہ ان کے کفر پر رضامندی اختیار کی جا رہی ہے، بلکہ یہ تو ان کے کفر اختیار کرنے کی دنیاوی سزا ہے کہ اس میں ان کی ذلت ہے، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿.....حتى يعطوا الجزية عن يد وهم صاغرون﴾ (۲)۔

اور ان سے جزیہ لے کر ان کو زندہ رکھنا تو اسی طرح ہے کہ بغیر جزیہ لیے ہم ان کو چھوڑ دیں اور ان سے تعرض نہ کریں، کیوں کہ عقلاً بھی یہ بات صحیح نہیں کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے، اگر یہ درست ہوتا تو اللہ تبارک و تعالیٰ کسی کافر کو ایک لمحہ کے لیے بھی زندہ نہ چھوڑتے، اب اگر اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ رکھا ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ ان کو یہ سزا دی جائے، تاکہ ان کو کفر سے توبہ کی توفیق ہو اور ایمان کی طرف رغبت، چنانچہ جب مقصود خداوندی یہی ہے تو اس میں کوئی امتناع و استبعاد نہیں کہ خدا کی طرف سے ان کو مہلت دی جائے، یہ تو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے ہی کہ بعض انہیں میں سے ایمان لائیں گے اور بعض کی آئندہ نسلوں میں کوئی مومن ہوگا، چنانچہ اس جزیہ کی وصولی اور کفار کو زندہ رکھنے میں خدا کی بہت بڑی مصلحت ہے۔

پھر اس میں مسلمانوں کے بھی فوائد و منافع کثیرہ ہیں، اس لیے کہ اہل اسلام اگر کفار کو بالکل زندہ نہ

(۱) حوالہ بالا

(۲) التوبة: ۲۹۔

چھوڑیں گے تو مسلمانوں کا ہی حرج ہوگا، مثلاً زمینوں میں کھیتی باڑی اور مجاہدین کی خدمت کون انجام دے گا؟ نیز لشکر اسلام کے کھانے پینے کا بندوبست کون کرے گا؟ پلوں کی تعمیر اور قلعوں کی پختگی کا فریضہ کس کے ذمہ ہوگا؟ اس لیے ان تمام امور کو بھی مد نظر رکھنا چاہیے (۱)۔

وَقَوْلِ اللَّهِ تَعَالَى : «قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ» / التوبة : ۲۹ / : أَذِلَّةٌ . وَ : «الْمَسْكَنَةُ» / البقرة : ۶۱ / وَ : آل عمران : ۱۱۲ / : مَصْدَرُ الْمُسْكِينِ ، يُقَالُ : فُلَانٌ أَسْكَنُ مِنْ فُلَانٍ : أَحْوَجُ مِنْهُ : وَلَمْ يَذْهَبْ إِلَى السُّكُونِ .

اور اللہ تعالیٰ کا قول کہ اہل کتاب میں سے جو لوگ ایمان نہیں لاتے اور نہ قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ ان چیزوں کو حرام سمجھتے ہیں، جن کو اللہ نے اور اس کے رسول نے حرام بتلایا ہے اور نہ سچے دین کو قبول کرتے ہیں، ان سے لڑو، یہاں تک کہ وہ ماتحت ہو کر اور رعیت بن کر جزیہ دینا منظور کر لیں۔

آیت کریمہ کا شان نزول اور مختصر تشریح

جب مشرکین پر اہل اسلام کو غلبہ حاصل ہو گیا، لوگ گروہ درگروہ اسلام میں داخل ہونے لگے، جزیرہ عرب میں مسلمانوں کی جڑیں مضبوط ہو گئیں اور اللہ تعالیٰ کا آخری دین، دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم خوب پھلنے پھولنے، برگ و بار لانے لگا تو یہ آیت نازل ہوئی، جس میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتابین یہود و نصاریٰ سے قتال کا حکم دیا، یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر اسلام کو رومیوں کے ساتھ جہاد و قتال کے لیے تیار فرمایا اور لوگوں کو اس میں شرکت کی دعوت دی، جس کے نتیجے میں غزوہ تبوک پیش آیا، جس کا واقعہ معروف ہے (۲)۔

”ید“ کے ائمہ لغت نے بیس سے زائد معانی بیان کیے ہیں، لیکن ”ید“ سے مراد یہاں قہر و غلبہ ہے (۳)۔ یا طیب نفس ہے اور ہر وہ شخص جو کسی قاہر و جابر کی اطاعت اختیار کرے اور اس کو دلی رضا مندی کے

(۱) هذا ملخص ما قاله الرازي في أحكام القرآن : ۱۳۳/۳ ، فصل ، سورة التوبة ، والعثماني في إعلال السنن :

۱۲/۴۳۰ ، وكذا انظر البناية شرح الهداية : ۷/۲۳۸ و ۲۴۱ .

(۲) عمدة القاري : ۱۵/۷۸ .

(۳) حوالہ بالا ، وتحفة الباري : ۳/۵۶۵ ، والقاموس الوحيد ، مادة ”يدي“ .

ساتھ بذریعہ ہاتھ کچھ دے تو کہا جاتا ہے: ”أعطاه عن يد“ اب ﴿حتى يعطوا الجزية عن يد﴾ کے معنی ہوں گے: ”یہاں تک کہ وہ طیب نفس کے ساتھ جزیہ ادا کریں“۔ اور قہر و غلبہ کے معنی کے اعتبار سے مطلب یہ ہوگا کہ جزیہ ادا کرنے والے مقہور و مغلوب ہونے کی وجہ سے جزیہ دیں گے۔ اس کا ایک اور مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ جزیہ وہ اپنے ہاتھ سے خود ادا کریں، کسی کے ذریعہ نہ بھجوائیں (۱)۔ واللہ اعلم

أذلاء

یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے ﴿وہم صاغرون﴾ کی تفسیر ہے، یعنی ”صاغرون“ کے معنی ذلیل و حقیر کے ہیں، چنانچہ ابو عبید نے اپنی کتاب ”المجاز“ میں لکھا ہے: ”الصاغر: الذلیل، الحقیر“ (۲)۔
والمسکنة مصدر المسکین، يقال: أسکن من فلان أحوج منه۔

اور مسکنة مسکین کا مصدر ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے أسکن من فلان یعنی وہ فلاں سے زیادہ محتاج ہے۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی معروف عادت ہے کہ وہ کسی ادنیٰ مناسبت کی وجہ سے قرآن کریم کی دوسری آیات کو بھی باب کے تحت ذکر کر دیتے ہیں اور اس کی تفسیر و شرح کرتے ہیں، یہاں بھی مصنف علیہ الرحمۃ کا ذہن دوسری طرف منتقل ہو گیا اور انہوں نے اہل کتاب ہی کے بارے میں وارد ایک دوسری آیت ﴿وضربت علیہم الذلة والمسکنة﴾ (۳) کی تفسیر شروع کر دی کہ لفظ ”مسکنة“ مسکین کا مصدر ہے، چنانچہ أسکن من فلان کے معنی أحوج من فلان بیان کیے جاتے ہیں (۴)۔

ولم يذهب إلى السكون

اور امام بخاری سکون کی طرف نہیں گئے۔

مطلب یہ ہے کہ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے مسکین کا اشتقاق سکون سے قرار نہیں دیا، بلکہ انہوں نے اس کو مسکنة سے ماخوذ قرار دیا ہے۔

(۱) فتح الباری: ۲۵۹/۶، وأحكام القرآن: ۱۲۹/۳۔

(۲) فتح الباری: ۲۵۹/۶، وتحفة الباری: ۵۶۵/۳، والقسطلانی: ۲۲۹/۵، وعمدة القاری: ۷۸/۱۵۔

(۳) البقرة: ۶۱۔

(۴) عمدة القاری: ۷۸/۱۵، وتحفة الباری: ۵۶۵/۳، والقسطلانی: ۲۲۹/۵، وفتح الباری: ۲۵۹/۶۔

اس جملہ کا قائل کون ہے؟ اس کے بارے میں حافظ صاحب کا خیال یہی ہے کہ اس جملہ کے قائل صحیح بخاری کے راوی فربری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۱)۔

آیت کریمہ کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ترجمۃ الباب کے ساتھ آیت کریمہ کی مناسبت آیت کے اس حصے میں ہے: ﴿حتى يعطوا الجزية عن يد وهم صاغرون﴾ (۲)۔

وَمَا جَاءَ فِي أَخَذِ الْجَزِيَّةِ مِنَ الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى وَالْمَجُوسِ وَالْعَجَمِ .

اور یہود و نصاریٰ، مجوس اور عجم سے جزیہ کی وصولی کے بیان میں یہ کتاب ہے۔

یہ ترجمۃ الباب کا بقیہ حصہ ہے۔

جزیہ کس سے لیا جائے گا؟

یہاں سے اختلافی مسئلہ شروع ہو رہا ہے کہ جزیہ کن لوگوں سے لیا جائے گا، آیا صرف اہل کتاب سے یا دوسرے مذاہب کے متبعین سے بھی؟ تفصیل حسب ذیل ہے:

❶ امام شافعی و احمد رحمۃ اللہ علیہما کا مذہب یہ ہے کہ جزیہ صرف اہل کتاب اور مجوس سے لیا جائے گا (۳)۔

رہے بت پرست، اہل ہوی اور باقی تمام کفار، تو ان سے جزیہ قبول نہیں کیا جائے گا، ان سب کی طرف سے صرف اسلام قابل قبول ہوگا (۴)۔

ان حضرات کا مستدل اس مسئلہ میں ترجمہ میں مذکور آیت کریمہ ہے، جس کا مفہوم یہی ہے کہ غیر اہل کتاب سے جزیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

جہاں تک مجوس کا تعلق ہے تو چوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ انہوں نے مجوس سے

(۱) فتح الباری: ۶/۲۵۹۔

(۲) عمدة القاری: ۷۸/۱۵۔

(۳) حوالہ بالا، وفتح الباری: ۶/۲۵۹، والأوجز: ۶/۱۹۱، والمغنی: ۹/۲۶۳، وکتاب الأم: ۲/۴/۱۷۴۔

(۴) المغنی: ۹/۲۶۶، رقم: (۷۶۴۲)۔

جزیہ لیا تھا، تو سنت کے ذریعے کتاب اللہ میں تخصیص ہوگی اور جزیہ کے حکم میں مجوس بھی شامل ہوں گے (۱)۔

۲ امام مالک رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ جزیہ کا حکم ہر کافر کو شامل ہے، اس لیے ہر کافر سے جزیہ وصول کیا جائے گا، خواہ کتابی ہو یا مجوسی، کوئی ہندو ہو یا سکھ، عرب کا ہو یا عجم کا (۲)۔

لیکن ان کے ہاں مرتد اس حکم عام میں داخل نہیں، یعنی اس کے حق میں جزیہ قابل قبول نہیں، اس کے لیے تو دو ہی صورتیں ہیں، توبہ یا قتل۔

یہی مذہب امام اوزاعی اور فقہائے شام کا بھی ہے (۳)۔

ان حضرات کا متدل اس سلسلے میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، جس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے نقل فرمایا ہے، حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم إذا أمر أميراً على جيش أو سرية أوصاه في خاصته بتقوى الله ومن معه من المسلمين خيراً، ثم قال: وإذا لقيت عدوكم من المشركين فادعهم إلى ثلاث خصال - أو خلال - فإن هم أبوا فسلهم الجزية، فإن هم أجابوك فاقبل منهم، وكف عنهم“ (۴)۔

یعنی: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ، جب کسی کو جیش کا یا سریہ کا امیر مقرر فرماتے تو، یہ تھی کہ مذکورہ امیر کو اپنی ذات اور عام مسلمانوں کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت فرماتے، پھر ارشاد فرماتے اور جب دشمن سے تمہاری

(۱) الفتح: ۶/۲۵۹-۲۶۰، و کتاب الأم: ۲/۴/۱۷۲-۱۷۳، وعمدة القاري: ۱۵/۷۸، وأحكام القرآن: ۱۲۰/۳۔

(۲) المدونة الكبرى: ۲/۴۶، وفتح الباري: ۶/۲۵۹، وعمدة القاري: ۱۵/۷۸۔

(۳) فتح الباري: ۶/۲۵۹، وعمدة القاري: ۱۵/۷۸۔

(۴) الحديث أخرجه مسلم، كتاب الجهاد والسير، باب تأمير الإمام الأمراء على البعوث ووصيته.....، رقم (۴۵۲۱-۴۵۲۴)، وأبوداود، أول كتاب الجهاد، باب في دعاء المشركين، رقم (۲۶۱۲-۲۶۱۳)، والترمذي، أبواب السير، باب ما جاء في وصيته صلى الله عليه وسلم في القتال، رقم (۱۶۱۷)، وابن ماجه، أبواب الجهاد، باب وصية الإمام، رقم (۲۸۵۸)۔

مذہب بھٹہ ہو تو تم ان کو تین چیزوں کی دعوت دو..... اگر وہ انکار کر دیں تو ان سے جز یہ طلب کرو،
اگر اس پر رضامندی کا اظہار کریں تو ان سے جز یہ قبول کر لو اور ان سے تعرض نہ کرو.....“۔

اس حدیث کے عموم سے یہ حضرات استدلال کرتے ہیں کہ یہ حدیث تمام مشرکین و کفار کو عام ہے، چنانچہ یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کا لفظ استعمال فرمایا ہے، لہذا شرک کہیں کا بھی ہو، کسی بھی قسم کا ہو، وہ اس حدیث کے عموم کے تحت داخل ہے (۱)۔ اہل کتاب بھی ظاہر ہے کہ ان کا اکثریتی طبقہ مشرک ہی ہے، کوئی عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ کہتا ہے اور کوئی مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتا ہے۔

نیز یہ حضرات اس بات سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوس، جبر سے جز یہ وصول کیا ہے، جو اس امر کا مقتضی ہے کہ آیت کریمہ کے مفہوم مخالف کا یہاں اعتبار نہیں کیا گیا، بلکہ اسے ترک کر دیا گیا ہے، چنانچہ جب اہل کتاب کی تخصیص کو اس حدیث کے ذریعے کر دیا گیا تو معلوم ہوا کہ آیت کریمہ میں مذکورہ کلمات ﴿من اهل الكتاب﴾ کا کوئی مفہوم مخالف نہیں (۲)۔

۳ حضرات حنفیہ۔ کثر اللہ سوادہم۔ کا مذہب اخذ جز یہ میں یہ ہے کہ اہل کتاب، مجوس اور عجم کے بت پرستوں سے لیا جائے گا، جہاں تک عرب بت پرستوں کا تعلق ہے، ان سے جز یہ نہیں لیا جائے گا، ان کے لیے اسلام ہے یا تلوار، تیسری کوئی صورت نہیں، نیز مرتدین سے بھی جز یہ قبول نہیں کیا جائے گا (۳)۔

غالباً امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی مسلک کے قائل ہیں کہ انہوں نے یہاں ترجمۃ الباب کے تحت جو الفاظ ذکر کیے ہیں، ان سے یہی متبادر ہوتا ہے (۴)۔

(۱) شرح ابن بطلال: ۳۳۰/۵، وأحكام القرآن للرازي: ۱۱۸/۳-۱۲۱.

(۲) شرح ابن بطلال: ۳۳۰/۵، وفتح الباري: ۲۶۰/۶.

(۳) الهداية مع فتح القدير: ۲۹۱/۵، وعمدة القاري: ۷۸/۱۵، وأحكام القرآن: ۱۲۱/۳.

قال الإمام محمد بن الحسن الشيباني رحمه الله: "ثم كل من يجوز استرقاقه من الرجال يجوز أخذ الجزية منه بعقد الذمة؛ كأهل الكتاب وعبدة الأوثان من العجم، ومن لا يجوز استرقاقه لا يجوز أخذ الجزية منه؛ كالمرتدين وعبدة الأوثان من العرب، والأصل فيه حديثان....." السير الكبير مع شرحه للسرخسي: ۱۳۲/۳/۲، باب قتل الأسارى والمن عليهم، رقم الباب (۱۰۷).

(۴) عمدة القاري: ۷۸/۱۵، وأوجز المسالك: ۱۹۲/۶، وفيض الباري: ۴۷۲/۳.

حضرات حنفیہ کا مذہب مالکیہ ہی کی طرح ہے، فرق صرف یہ ہے کہ وہ مشرکین عرب سے بھی جزیہ قبول کیے جانے کے قائل ہیں، جب کہ احناف اس کے قائل نہیں۔

ان حضرات کا مستدل ایک تو یہی آیت کریمہ ہے، جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی باب کے تحت ذکر کیا ہے۔

دوسرا مستدل حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی مجوس ہجر سے جزیہ وصول کیے جانے والی حدیث ہے۔ جو باب کے تحت آگے آرہی ہے (۱)۔

پھر قیاس بھی احناف کا مؤید ہے، وہ یہ کہ اہل کتاب، مجوس اور عجمی بت پرستوں کو غلام بنانا جائز ہے تو ان سے جزیہ قبول کرنا بھی جائز ہوگا۔ اس کا عکس مرتد ہے کہ اس کو غلام بنانا جائز نہیں، لہذا اس سے جزیہ لینا بھی درست نہیں (۲)۔

مشرکین عرب کی تخصیص کی وجوہات

جہاں تک مشرکین عرب اور مرتدین سے جزیہ قبول نہ کیے جانے کا تعلق ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے کفر کی نوعیت ذرا مختلف ہے کہ ان کا کفر کچھ زیادہ ہی شدید ہے، دیکھیے! نبی کریم ﷺ مشرکین عرب کے درمیان ہی پلے بڑھے تھے، قرآن کریم بھی انہی کی زبان میں نازل ہوا تھا، اس لیے معجزات ان کے حق میں زیادہ ظاہر و باہر تھے، ان سب کے باوجود اسلام قبول نہ کرنے کا مطلب ہٹ دھرمی اور سینہ زوری نہیں تو اور کیا ہے؟ (۳)

اسی طرح مرتد کا معاملہ ہے، اس نے ہدایت کے بعد ظلمت، اسلام و انقیاد کے بعد اپنے رب حقیقی کا جو دوا نکار کیا ہے، جب کہ اسے اسلام کے محاسن حسنہ کا بھی علم تھا، اس لیے جزیہ اس سے نہیں لیا جائے گا، سزا میں بطور زیادتی کے صرف اسلام یا تلو اس کی جانب سے قابل قبول ہوگا۔

علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے احکام القرآن میں دیگر وجوہات بھی اس تخصیص کے لیے ذکر کی ہیں:

(۱) الفقہ الحنفی وأدلته: ۳۹۹/۲، والہدایۃ مع فتح القدیر: ۲۹۲/۵۔

(۲) شرح ابن بطلال: ۳۳۰/۵، والہدایۃ مع فتح القدیر: ۲۹۲/۵۔

(۳) مرقاة المفاتیح: ۵۵۵/۷، الفصل الثالث من باب الجزیة، والہدایۃ مع فتح القدیر: ۲۹۲/۵، وأوجز

المسالك: ۱۹۷/۶، والمبسوط للسرخسي: ۱۰/۱۲۶، باب المرتدين۔

۱ امام معمر رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ زہری رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرمایا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بت پرستوں کے ساتھ جزیہ پر صلح کی تھی، البتہ اس سے وہ بت پرست مستثنیٰ تھے، جو عرب تھے۔

۲ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿فَاَقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ﴾ (۱)۔ یہ آیت عرب کے بت پرستوں کے بارے میں نازل ہوئی، اس لیے ان کو یا تو قتل کیا جائے گا یا ان کو اسلام قبول کرنا ہوگا (۲)۔

اسی طرح ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مشرکین عرب کے بارے میں ہماری دلیل یہ آیت ہے: ﴿تَقَاتِلُونَهُمْ أَوْ يُسْلَمُونَ﴾ (۳)۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا: ”لَا يَقْبَلُ مِنْ مُشْرِكِي الْعَرَبِ إِلَّا الْإِسْلَامُ أَوِ السِّيفُ“ (۴)۔

کن لوگوں سے جزیہ نہیں لیا جائے گا؟

پچھے ذکر کردہ بحث کا تعلق اس سے تھا کہ جزیہ کن لوگوں پر واجب ہے۔ اب بحث یہ ہے کہ جزیہ کن لوگوں پر واجب نہیں، چنانچہ احناف رحمہم اللہ کا مذہب اس سلسلے میں یہ ہے کہ عرب کے بت پرستوں، مرتدین، عورت، بچے، معذور، اندھے، شیخ فانی اور کام پر قدرت نہ رکھنے والے فقیر پر جزیہ واجب نہیں (۵)۔

عرب کے بت پرستوں اور مرتدین سے جزیہ نہ لیے جانے کی وجہ ماقبل میں ہم ذکر کر چکے، جہاں تک عورت، بچے، معذور اور شیخ فانی وغیرہ سے جزیہ نہ لیے جانے اور ان پر اس کے واجب نہ ہونے کا تعلق ہے تو اس

(۱) التوبة: ۵۔

(۲) أحكام القرآن: ۱۲۱/۳، مطلب فی الصابین، والأوجز: ۱۹۳/۶، و ۱۹۵، والمصنف لعبد الرزاق: ۳۲۶/۱۰، رقم (۱۹۲۵۹)۔ وانظر كذلك كتاب السير الكبير مع شرح السرخسي: ۱۳۲/۳/۲، باب (۱۰۷)، قتل الأسارى والمن عليهم۔

(۳) الفتح: ۱۶۔

(۴) كتاب الخراج لأبي يوسف القاضي، ومرواة المفاتيح: ۵۵۵/۷، و”عن الحسن قال: أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يقاتل العرب على الإسلام، ولا يقبل منهم غيره.....“ إعلاء السنن: ۴۵۰/۱۲، والفقہ الحنفی وأدلته: ۴۰۰/۲۔

(۵) الفقہ الحنفی وأدلته: ۴۰۰/۲، والهداية مع فتح القدير: ۲۹۳/۵-۲۹۴۔

کی وجہ یہ ہے کہ جنگوں میں ان کو قتل نہیں کیا جاتا اور قانون یہ ہے کہ جس شخص کو بطور سزا کے قتل نہیں کیا جاتا، اس سے جزیہ کا مطالبہ بھی نہیں کیا جاتا، چوں کہ جزیہ تو اس لیے لازم ہوا تھا کہ قتل کو ساقط کر دیا جائے، اس لیے جس کا قتل واجب نہیں اس پر جزیہ بھی لازم نہیں اور یہ وہ اشخاص ہیں جن کا قتل جائز نہیں، اس لیے ان پر جزیہ کی ادائیگی بھی لازم نہیں۔

حضرت اسلم مولیٰ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

”کتب عمر رضي الله عنه إلى أمراء الجزية: أن لا يضعوا الجزية إلا على من جرت عليه المواسي، ولا يضعوا الجزية على النساء والصبيان.....“ (۱)۔

کہ ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جزیہ وصول کرنے کے ذمہ داروں کو لکھا کہ وہ جزیہ کو لازم نہ کریں سوائے اس شخص کے جس پر استرا چل گیا ہو، یعنی بالغ ہو اور عورتوں اور بچوں پر جزیہ کو لازم نہ کریں۔“

فقیر غیر معتمل، یعنی وہ فقیر، جو کسی حرفت و صنعت کو جاننے کے باوجود عمل پر قدرت نہ رکھتا ہو، سے جزیہ نہ لیے جانے کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ شرط لگائی تھی کہ اس فقیر سے جزیہ لیا جائے گا جو کام پر قدرت رکھے گا، چنانچہ صلہ بن زفر فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل ذمہ کے ایک بوڑھے کو دیکھا کہ وہ بھیک مانگ رہا ہے، حضرت نے پوچھا کہ تمہیں کیا تکلیف ہے؟ بھیک کیوں مانگ رہے ہو؟ تو بوڑھے نے کہا میرے پاس مال نہیں ہے اور مجھ سے جزیہ لیا جاتا ہے، اس رقم کو پورا کرنے کے لیے سوال کر رہا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے تمہارے ساتھ انصاف نہیں کیا کہ تمہاری جوانی ہم کھا گئے، اب تم سے جزیہ بھی لے رہے ہیں۔ پھر خلیفہ نے اپنے تمام عمال کو لکھا، شیخ فانی سے جزیہ نہ لیں (۲)۔

(۱) سنن البيهقي: ۳۳۳/۹، كتاب الجزية، باب من يرفع عنه الجزية، رقم (۱۸۷۰۰)، والهداية مع فتح القدیر: ۲۹۴/۵، والفقہ الحنفی وأدلته: ۴۰۱/۲۔

(۲) نصب الراية: ۴۵۳/۳، باب الجزية، الحديث الرابع، وكتاب الأموال لابن زنجويه: ۱۶۲/۱، باب من تجب عليه الجزية ومن تسقط عنه، رقم (۱۶۵) وكنز العمال: ۲۱۳/۴، كتاب الجهاد، رقم (۱۱۴۷۳) إعلاء السنن: ۴۶۲/۱۲، والهداية مع فتح القدیر: ۲۹۴/۵، والفقہ الحنفی وأدلته: ۴۰۱/۲۔

اسی طرح مملوک، مکاتب، مدبر، ام ولد اور راہب، جو لوگوں کے ساتھ اختلاط نہ رکھتے ہوں، سے بھی جزیہ نہیں لیا جائے گا (۱)۔

وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ ، عَنْ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ : قُلْتُ لِمَجَاهِدٍ : مَا شَأْنُ أَهْلِ الشَّامِ عَلَيْهِمْ أَرْبَعَةُ دَنَانِيرَ ، وَأَهْلُ الْيَمَنِ عَلَيْهِمْ دِينَارٌ ؟ قَالَ : جُعِلَ ذَلِكَ مِنْ قِبَلِ الْيَسَارِ .

اور ابن عیینہ ابن ابی نَجیح سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے مجاہد سے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ اہل شام ان پر تو چار دینار لازم ہیں اور اہل یمن پر صرف ایک دینار؟ تو انہوں نے فرمایا کہ یہ مالداری و تو نگری کے حساب سے مقرر کیا گیا ہے۔

یعنی شامی چوں کہ امیر ہیں، اس لیے ان سے چار دینار لیے جاتے ہیں اور یمنی غریب ہیں تو ان سے ایک دینار لیا جاتا ہے۔

مذکورہ تعلیق کی تخریج

اس تعلیق کو امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مصنف میں موصولاً ”أخبرنا ابن عيينة عن ابن أبي نجيح“ کی سند سے نقل کیا ہے (۲)۔

اسی طرح ابو عبید رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کتاب الاموال میں اسے بلا غاروایت کیا ہے (۳)۔

مذکورہ تعلیق کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس اثر کو یہاں ذکر فرما کر جزیہ کی وصولی میں تفاوت و فرق کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

(۱) الهداية مع فتح القدير: ۲۹۴/۵، و ۲۹۵، باب الجزية، وقال ابن رشد في بداية المجتهد: ۴۰۴/۱، الفصل السابع في الجزية: ”فإنهم اتفقوا على أنها إنما تجب بثلاثة أوصاف: الذكورية، والبلوغ، والحرية، وأنها لا تجب على النساء والصبيان؛ إذ كانت إنما هي عوض من القتل، والقتل إنما هو متوجه بالأمر نحو الرجال البالغين؛ إذ قد نهى عن قتل النساء والصبيان، وكذلك أجمعوا أنها لا تجب على العبيد“.

(۲) المصنف لعبد الرزاق: ۳۳۰/۱۰، كتاب أهل الكتابين، باب كم يؤخذ منهم في الجزية، رقم: (۱۹۲۷۱)، وتغليق التعليق: ۴۸۲/۳، وعمدة القاري: ۷۹/۱۵.

(۳) كتاب الأموال، باب قرض الجزية، ومبلغها.....: ۵۱/۱، وتغليق التعليق: ۴۸۲/۳.

اہل ذمہ سے وصول کیے جانے والے جزیہ کی مقدار کیا ہوگی، اس میں بھی ائمہ اربعہ کا اختلاف ہے۔
چنانچہ امام ابوحنیفہ اور ایک روایت میں امام احمد (۱) کا مذہب یہ ہے کہ تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں:
غنی، متوسط اور فقیر، اغنیاء سے سالانہ اڑتالیس درہم وصول کیے جائیں گے (یا چار دینار)، ہر مہینے کے حساب
سے یہ تین درہم بنتے ہیں، متوسطین سے چوبیس درہم (یا دو دینار)، یعنی فی مہینہ دو درہم۔ اور فقراء سے بارہ درہم
(یا ایک دینار)، فی مہینہ ایک درہم (۲)۔

امام ثوری، ابو عبید، ایک روایت میں امام احمد رحمہم اللہ کا مذہب یہ ہے کہ جزیہ کی کوئی خاص مقدار متعین
نہیں، امام کی رائے پر منحصر ہے کہ کم وصول کرے یا زیادہ (۳)۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہ ہے کہ غنی اور فقیر دونوں سے ایک ہی دینار وصول کیا جائے گا (۴)۔
البتہ امام کو یہ اختیار ہے کہ مما کست کرے، یعنی جزیہ کی رقم بڑھانے کی کوشش کرے، یہاں تک کہ چار دینار ان
سے لے لیے جائیں (۵)۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا قول مختار یہ ہے کہ سونے والوں سے چار دینار اور چاندی والوں سے چالیس
درہم لیے جائیں گے (۶)۔ اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو بقدر ضرورت کم کر دیا جائے گا (۷)۔

حنابلہ میں سے امام ابوبکر کا مسلک مختار یہ ہے کہ جزیہ کی کم سے کم مقدار ایک دینار ہے، اکثر کی حد مقرر
نہیں، امام احمد سے ایک روایت یہ بھی مروی ہے (۸)۔

(۱) المغنی لابن قدامة: ۲۶۷/۹، وإعلاء السنن: ۴۳۱/۱۲۔

(۲) فتح الباری: ۲۶۰/۶، وإعلاء السنن: ۴۳۱/۱۲، والهدایة مع فتح القدیر: ۲۸۹/۵۔

(۳) المغنی لابن قدامة: ۲۶۷/۹، رقم (۷۶۴۵)، وإعلاء السنن: ۴۳۱/۱۲۔

(۴) أحكام القرآن للجصاص: ۱۲۵/۳، وإعلاء السنن: ۴۳۱/۱۲، وکتاب الأم: ۲۷۹/۴۔

(۵) فتح الباری: ۲۶۰/۶، وشرح النووي علی مسلم: ۸۲/۲۔

(۶) شرح الزرقانی علی المؤطا: ۱۴۰/۲، جزية أهل الكتاب والمجوس، وبداية المجتهد: ۴۰۴/۱، الفصل

السابع في الجزية، وأوجز المسالك: ۲۰۴/۶۔

(۷) حوالہ جات بالا، وفتح الباری: ۲۶۰/۶۔

(۸) المغنی لابن قدامة: ۲۶۷/۹، وإعلاء السنن: ۴۳۱/۱۲۔

دلائل مذاہب

احناف کی دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ فیصلہ ہے، جو انہوں نے مختلف عمال و گورنروں کو لکھ بھیجا تھا، چنانچہ ابوعمون محمد بن عبید اللہ الثقفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”وضع عمر بن الخطاب رضي الله عنه في الجزية على رؤوس الرجال؛ على الغني ثمانية وأربعين درهماً، وعلى المتوسط أربعة وعشرين درهماً، وعلى الفقير اثني عشر درهماً“.

امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے اس روایت کو اپنی ”مصنف“ میں مرسل روایت کیا ہے (۱) اور ابن زنجویہ نے ”کتاب الاموال“ میں اسے مسند روایت کیا ہے اور اس مسند روایت میں ایک راوی مندل پر کلام ہے، لیکن مرسل اگر مسند روایت کی جائے، خواہ ضعیف طریق سے، تمام کے نزدیک حجت ہوتی ہے (۲)۔

اسی طرح حارثہ بن مضرب، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

”أنه بعث عثمان بن حنيف، فوضع عليهم ثمانية وأربعين درهماً، وأربعة وعشرين، واثني عشر.....“ (۳)۔

کہ ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عثمان بن حنیف کو روانہ فرمایا، چنانچہ انہوں نے اہل ذمہ پر اڑتالیس درہم، چوبیس درہم اور بارہ درہم مقرر فرمائے“۔

یہ حدیث مرسل و موصولاً متعدد طرق سے مروی ہے اور یہ صحیح اور مشہور حدیث ہے، علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ المغنی میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی صحت و شہرت میں کوئی شبہ نہیں، خواہ صحابہ ہوں یا غیر صحابہ، سب کے نزدیک اس کی صحت مسلمہ ہے، کسی منکر نے اس کا انکار نہیں کیا اور اس میں کسی کا اختلاف بھی نہیں، اس حدیث پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد کے خلفاء نے بھی عمل کیا ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ اس پر اجماع

(۱) المصنف لابن أبي شيبة: ۴۰۶/۱۷، کتاب السیر، ما قالوا في وضع الجزية، رقم (۳۳۳۱۱)، وحوالہ جات بالا۔

(۲) کتاب الاموال لابن زنجويه: ۲۱۰/۱، باب أرض العنوة تقر بأیدی.....، رقم (۲۵۸)، إعلاء السنن:

۴۳۱/۱۲۔

(۳) حوالہ بالا، ص: ۴۳۳، ۴۳۴، وفتح الباری: ۲۶۰/۶۔

منعقد ہو چکا اور اس کے خلاف کرنا جائز نہیں، حتیٰ کہ خود امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ اس حدیث پر عمل مستحب ہے (۱)۔

امام ثوری و ابو عبید وغیرہ کا کہنا یہ ہے کہ جزیہ کی مقدار کے سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مختلف قسم کے احکام مروی ہیں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا تھا کہ ہر بالغ سے ایک دینار وصول کریں (۲)۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے نصاریٰ سے دو ہزار جوڑوں پر صلح کی تھی، آدھے کی ادائیگی صفر میں ہونی تھی، باقی نصف کی رجب میں (۳)۔

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جزیہ کے تین طبقے مقرر فرمائے تھے کہ غنی پر اڑتالیس دراهم، متوسط پر چوبیس اور فقیر پر بارہ (۴)۔

نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب بنو تغلب کے نصاریٰ سے صلح کی تھی تو اس میں یہی طے پایا تھا کہ مسلمان زکوٰۃ میں جو ادا کرتے ہیں، اس کا دو گنا یہ ادا کریں گے (۵)۔

ان تمام واقعات سے یہی ثابت ہوا ہے کہ جزیہ کا معاملہ امام کے حوالے ہے کہ وہ جس طرح چاہے، فیصلہ کرے۔ اگر جزیہ کی کوئی مقررہ حد متعین ہوتی تو یہ اختلاف رونما نہ ہوتا اور یہ بھی ممکن نہیں کہ مقدار متعینہ میں اختلاف ہو کہ کوئی کچھ وصول کرے، کوئی کچھ (۶)۔

(۱) المغنی لابن قدامة: ۲۶۸/۹، وإعلاء السنن: ۴۳۲/۱۲-۴۳۳۔

(۲) حدیث معاذ أخرجه الترمذی، أبواب الزکاة، باب ماجاء فی زکاة البقر، رقم (۶۲۳)، وأبوداود، أبواب الزکاة، باب زکاة السائمة، رقم (۱۵۷۶)، والنسائی، کتاب الزکاة، باب زکاة البقر، رقم (۲۴۵۵-۲۴۵۲)، وابن ماجه، کتاب السنة، باب اجتناب الرأي والقیاس، رقم (۵۵)، وأبواب الزکاة، باب صدقة البقر، رقم (۱۸۰۳)۔

(۳) الحدیث أخرجه أبوداود فی سننه، کتاب الخراج.....، باب فی أخذ الجزیة، رقم (۳۰۴۱)۔

(۴) المصنف لابن أبي شیبة: ۴۰۶/۱۷، رقم (۳۳۳۱۱)، والمغنی: ۲۶۷/۹، وإعلاء السنن: ۴۳۱/۱۲۔

(۵) المغنی: ۲۶۷/۹، وإعلاء السنن: ۴۳۱/۱۲، والمرقاة: ۶۶/۸، وأوجز المسالك: ۲۰۷/۶۔

(۶) المغنی: ۲۶۷/۹، وإعلاء السنن: ۴۳۱/۱۲۔

جمہور کی طرف سے جواب

جمہور کا اگرچہ اس مسئلے میں اختلاف ہے کہ جزیہ کی مقدار کیا ہوگی؟ لیکن اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جزیہ کی مقررہ حد ہے، اس سلسلے میں صرف امام ثوری، ابو عبیدہ وغیرہ رحمہم اللہ ہی اس کے قائل ہیں کہ امام کی رائے پر منحصر ہے کہ اہل ذمہ سے کتنا جزیہ وصول کیا جائے۔

چنانچہ جمہور کی طرف سے ان حضرات کو یہ جواب دیا گیا ہے کہ دراصل جزیہ کی دو قسمیں ہیں:

- ① الجزیہ بالتراضی: یہ وہ قسم ہے جو فریقین کے درمیان صلح کی صورت میں باہمی رضامندی سے طے پائے، اس میں وہی شے ان سے لی جائے گی جس پر صلح ہوئی ہے، اس میں تعدی جائز نہیں، اس کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل نجران کے ساتھ صلح ہے، جو نصاریٰ تھے، دوسری دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وہ فعل ہے، جو ابھی گزرا کہ انہوں نے بنو تغلب سے مسلمانوں سے وصول کی جانے والی زکوٰۃ کا دو گنا وصول کیا تھا۔
- ② الجزیہ بالغلبۃ علی الکفار: یہ وہ قسم ہے کہ جس میں امام وقت کفار پر جنگ میں غلبہ و تسلط حاصل کرنے کے بعد، ان پر باعتبار غنی و فقیر وغیرہ کے جزیہ مقرر کرتا ہے (۱)۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ، علامہ ابن الہمام کے حوالے سے لکھتے ہیں:

”الجزیة علی ضربین: جزیة توضع بالتراضی والصلح علیہا، فتقدر بحسب ما علیہ الاتفاق، فلا یزاد علیہ تحرزا عن الغدر، وأصله صلح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أهل نجران -وهم قوم من النصارى بقرب الیمن- علی ما فی أبي داود عن ابن عباس رضي اللہ عنہما قال: صالح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أهل نجران علی ألفی حلة، الحدیث (۲). وصالح عمر رضي اللہ عنہ نصاری بنی تغلب علی ضعف ما يؤخذ من المسلم من المال (۳)، والضرب الثاني: جزیة یتدی الإمام بتوظيفها إذا غلب علی

(۱) الفقه الحنفی وأدلته: ۳۹۸/۲، والمرقاۃ: ۶۶/۸، والأوجز: ۲۰۷/۶، والبنایة: ۲۳۸/۷، باب الجزیة.

(۲) رواہ أبو داود، کتاب الخراج.....، باب فی أخذ الجزیة، رقم (۳۰۴۱).

(۳) انظر المصنف لابن أبي شیبہ: ۵۶۲/۶، کتاب الزکاة، فی نصاری بنی تغلب: ما.....، رقم (۱۰۶۸۴)، =

الکفار.....“ (۱)۔

چوں کہ دونوں قسموں کی نوعیت الگ الگ ہے، اس لیے جزیہ کے احکام بھی الگ ہوئے، صلح کی صورت میں اہل ذمہ کو بھی کچھ اختیار حاصل ہے، لیکن شکست کی صورت میں انہیں کوئی اختیار نہیں، امام وقت ہی اس سلسلے میں فیصلہ کرے گا، وہ فیصلہ احناف کے نزدیک حضرت عمر کے فیصلے کی روشنی میں ہوگا، شوافع کے ہاں حضرت معاذ کی حدیث کو مد نظر رکھ کر اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ان کی دلیل کی بنیاد پر۔

شوافع کی دلیل

حضرات شافعیہ رحمہم اللہ کی مشہور دلیل اس سلسلے میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی وہ حدیث ہے، جو ابھی گزری کہ:

”أن النبي ﷺ لما وجهه إلى اليمن أمره أن يأخذ..... ومن كل حالمة
-يعني محتلماً- ديناراً أو عدله من المعافر، ثياب تكون باليمن“ (اللفظ لأبي داود) (۲)۔
یعنی ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کی طرف
روانہ کیا تو انہیں حکم فرمایا کہ..... اور ہر بالغ شخص سے ایک دینار یا اس کے مساوی معافری
کپڑے، جو یمنی کپڑوں کی ایک قسم ہے، لیں۔“

شوافع کی دلیل کا جواب

یہ ہے شافعیہ کی دلیل، لیکن یہ ہمارے خلاف حجت اس لیے نہیں ہے کہ ہم بھی اس پر عمل کے قائل ہیں

=والسنن الكبرى للبيهقي: ۳۶۳/۹-۳۶۴، کتاب الجزية، باب نصارى العرب تضعف.....، رقم
(۱۸۷۹۶-۱۸۷۹۴)، وکتاب الخراج لیحیی بن آدم، رقم (۲۰۶-۲۰۸)، والخراج لأبي يوسف القاضي
۱۲۹-۱۳۱، فصل في شأن نصارى بني تغلب.....، ونصب الراية في تخریج أحادیث الهداية: ۳/۵۵،
باب الجزية، من کتاب السير.

(۱) مرقاة المفاتیح: ۶/۶۶، وأوجز المسالك: ۶/۲۰۷، وفتح القدير: ۵/۲۸۸-۲۸۹.

(۲) الحديث صححه الترمذي والحاكم في كتاب الزكاة، زكاة البقر: ۱/۳۹۸، ومر تخریجه آنفاً. وفتح

الباري: ۶/۲۶۰.

اور اس کو فقیر پر محمول کرتے ہیں (۱)۔

اسی طرح حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اہل یمن سے جو ایک دینار لیے تھے، اس کی وجہ ان کا فقر تھا کہ یمنی غریب لوگ تھے، اس پر دلیل امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی وہ تعلیق ہے جو ابتدائے باب میں گزری.....

”قال ابن عیینة عن ابن أبي نجيح: قلت لمجاهد: ما شأن أهل الشام

عليهم أربعة دنائير وأهل اليمن عليهم دينار؟ قال: جعل ذلك من قبل

اليسار“ (۲)۔

اور امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث معاذ صلح پر محمول ہے، اس کی دلیل یہ ہے کہ اسی حدیث کے بعض طرق میں ”حالمة“ (۳) کا اضافہ بھی مروی ہے اور اس بابت تو کوئی اختلاف ہی نہیں کہ عورت سے جزیہ صرف صلح کی صورت میں لیا جائے گا (۴)۔

یہی بات صاحب ہدایہ علامہ مرغینانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمائی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں:

”وما رواه محمول على أنه كان ذلك صلحا، ولهذا أمره بالأخذ من

الحالمة، وإن كانت لا يؤخذ منها الجزية.....“ (۵)۔

اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ یمن کی فتح صلحا ہوئی تھی، نہ کہ عنوة (۶)۔

مالکیہ کی دلیل

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مذہب کے لیے بطور استدلال یہ روایت پیش فرمائی ہے، جو ”نافع

عن أسلم مولى عمر بن الخطاب“ کے طریق سے مروی ہے:

(۱) إعلاء السنن: ۴۳۳/۱۲، والمسوی: ۱۶۷/۲، وأوجز المسالك: ۲۰۹/۶۔

(۲) إعلاء السنن: ۴۳۲/۱۲، والمغنی: ۲۶۸/۹، وأوجز المسالك: ۲۰۸/۶۔

(۳) المصنف لعبد الرزاق: ۳۳۰/۱۰، رقم (۱۹۲۶۸)، ”وكان معمر يقول: هذا غلط، قوله: ”حالمة“، ليس

على النساء شيء“، كذا في نصب الراية: ۴۴۶/۳، رقم (۶۰۴۲)۔

(۴) أحكام القرآن: ۱۲۶/۳، وإعلاء السنن: ۴۳۲/۱۲، وأوجز المسالك: ۲۰۸/۶۔

(۵) الهداية مع فتح القدير: ۲۹۱/۵۔

(۶) إعلاء السنن: ۴۳۲/۱۲، كتاب الأموال لابن زنجويه: ۱۲۹/۱، رقم (۱۱۰)، والأوجز: ۲۱۰/۶۔

”أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه ضرب الجزية على أهل الذهب أربعة دنانير، وعلى أهل الورق أربعين درهماً، مع ذلك أرزاق المسلمين، وضيافة ثلاثة أيام“ (۱)۔

کہ ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سونے والوں پر چار دینار، چاندی والوں پر چالیس درہم، اس کے ساتھ لشکر اسلام کو غذا کی فراہمی اور تین دن کی ضیافت بطور جزیہ مقرر فرمائی تھی۔“

اس اثر کو دیکھا جائے تو یہی بات سامنے آتی ہے کہ سونے والوں سے چار دینار لیے جائیں گے، چاندی والوں سے چالیس درہم اور اس میں غنی یا فقیر کی کوئی تقسیم نہیں۔

اس کے علاوہ اس اثر میں اور بھی دو چیزیں ہیں، ایک ہے لشکر اسلام کو غذا کی فراہمی کہ اہل ذمہ پر یہ بھی واجب ہوگا کہ لشکر اسلام جب ان کے علاقوں سے گزرے تو ان کو غذائی اجناس وغیرہ بھی مہیا کریں (۲)۔

دوسری چیز ہے تین دن کی مہمان نوازی، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے علاقوں سے گزرنے والے مسلمانوں کو یہ لوگ روٹی، بچو اور سالن وغیرہ فراہم کریں گے اور ان کے لیے ایسی رہائش کا بندوبست کریں گے، جو سردی و گرمی سے بچائے (۳)۔

لیکن ان دونوں چیزوں پر عمل اب مالکیہ کے ہاں بھی نہیں ہے، چنانچہ علامہ درریر مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”وسقطت إضافة المجتاز عليهم من المسلمين ثلاثاً من الأيام؛

وإنما سقطت عنهم للظلم الحادث عليهم من ولاة الأمور.....“ (۴)۔

یعنی: ”اہل ذمہ کے ہاں سے گزرنے والے مسلمانوں کی تین دن کی ضیافت کا

(۱) المؤطأ: ۲۷۹/۱، کتاب الزکاة، باب جزية أهل الكتاب.....، رقم (۴۳)، والأوجز: ۲۰۴/۶-۴۱۱۔

(۲) المنتقى: ۱۷۴/۲، والأوجز: ۲۱۰/۶۔

(۳) التمهيد لابن عبد البر: ۱۳۱/۲۔

(۴) أوجز المسالك: ۴۱۱/۶، والشرح الكبير للدردير مع الدسوقي: ۵۲۱/۲، فصل في عقد الجزية۔

اضافہ اب ساقط ہو چکا اور اس کی وجہ حکم رانوں کی طرف سے ان پر ظلم کے نئے طریقوں کا اختیار کرنا ہے۔“

مالکیہ کی دلیل کا جواب

یہ تو ہوئی مالکیہ کی دلیل، لیکن اس کا جواب بہت واضح ہے، وہ یہ کہ اگر اس اثر پر مکمل عمل کیا جائے تو اس کا مطلب بھی وہی نکلتا ہے جس کے احناف قائل ہیں، اس لیے کہ مسلمانوں کو غذا کی فراہمی اور تین دن کی مہمان نوازی کو اگر چالیس کے ساتھ ملایا جائے تو یہ اڑتالیس درہم کے مساوی بنتا ہے (۱)۔

ترجیح رائج

مذہب احناف کی دلیل کے طور پر ماقبل میں ہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ نقل کیا تھا، جو حارث بن مضرب اور محمد بن عبید اللہ الشافعی رحمہما اللہ وغیرہ سے مروی ہے، ان آثار مرویہ میں انسانوں کے تینوں طبقات (غنی، متوسط اور فقیر) کی تفصیل بیان کی گئی ہے، اس لیے عمل کے اعتبار سے یہی آثار رائج ہوں گے، کیوں کہ ان میں زیادتی مروی ہے، نیز ہر طبقہ کا حکم بھی۔

پھر یہ بات بھی ہے کہ جو حضرات طبقات کے حساب سے جزیہ مقرر کیے جانے کے قائل ہیں، وہ اس روایت پر بھی عمل پیرا ہیں، جس میں صرف اڑتالیس درہم کا ذکر ہے، یعنی حضرت عمرو بن میمون اودی رحمۃ اللہ علیہ کا اثر، اس کے برخلاف حضرات شافعیہ نے چوں کہ اڑتالیس درہم پر انحصار و اقتصار کیا ہے، اس لیے وہ ان آثار و روایات کے تارک ہوئے، جن میں طبقات کی تمیز اور ان میں سے ہر طبقے پر مقدار مقررہ کی تخصیص کا ذکر ہے۔ اسی کو بیان کرتے ہوئے امام بھصاص رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”فكان الخبر الذي فيه تفصيل الطبقات الثلاث أولى بالاستعمال؛

لما فيه من الزيادة، وبيان حكم كل طبقة، ولأن من وضعها على الطبقات فهو

قائل بخبر الثمانية والأربعين، ومن اقتصر على الثمانية والأربعين، فهو تارك

للخبر الذي فيه ذكر تمييز الطبقات، وتخصيص كل واحد بمقدار

(۱) أحكام القرآن للرازي: ۱۲۶/۳، والأوجز: ۲۰۸/۶، و۲۱۰، وإعلاء السنن: ۴۳۲/۱۲.

منها.....“ (☆). واللہ أعلم بالصواب

۲۹۸۷ : حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ : حَدَّثَنَا سُفْيَانُ قَالَ : سَمِعْتُ عُمَرَ ^(ؓ) قَالَ : كُنْتُ جَالِسًا مَعَ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ وَعَمْرٍو بْنِ أَوْسٍ : فَحَدَّثَهُمَا بِحَالَةِ سَنَةِ سَبْعِينَ ، عَامَ حَجِّ مُضْعَبِ بْنِ الزُّبَيْرِ بِأَهْلِ الْبَصْرَةِ عِنْدَ دَرَجِ زَمْزَمَ ، قَالَ : كُنْتُ كَاتِبًا لِحَزْرٍ بْنِ مُعَاوِيَةَ ، عَمِّ الْأَحْنَفِ ، فَأَتَانَا كِتَابُ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَبْلَ مَوْتِهِ بِسَنَةٍ : فَرَّقُوا بَيْنَ كُلِّ ذِي مَحْرَمٍ مِنَ الْمَجُوسِ ، وَلَمْ يَكُنْ عُمَرُ أَخَذَ الْجَزِيَّةَ مِنَ الْمَجُوسِ ، حَتَّى شَهِدَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ : أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ^(ﷺ) أَخَذَهَا مِنْ مَجُوسٍ هَجَرَ .

تراجم رجال

۱- علی بن عبد اللہ

یہ مشہور امام حدیث علی بن عبد اللہ ابن المدینی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کا تذکرہ کتاب العلم، ”باب الفہم فی العلم“ کے تحت گزر چکا ہے (۲)۔

۲- سفیان

یہ مشہور محدث سفیان بن عیینہ بن ابی عمران کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات مختصراً ”بدء الوجی“ کی پہلی حدیث اور مفصلاً کتاب العلم، ”باب قول المحدث: حدثنا.....“ کے تحت آچکے (۳)۔

۳- عمرو

تابعی شہیر حضرت عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ کتاب العلم میں آچکا (۴)۔

(☆) أحكام القرآن: ۱۲۶/۳، والأوجز: ۲۰۸/۶، وإعلاء السنن: ۴۳۳/۱۲.

(۱) قوله: ”سمعت عمرًا“ الحديث، أخرجه الترمذي، كتاب السير، باب ما جاء في أخذ الجزية من المجوس، رقم (۱۵۸۶)، وأبو داود، كتاب الخراج والفيء، والإمارة، باب في أخذ الجزية من المجوس، رقم (۳۰۴۳)، والنسائي في الكبرى، كتاب السير، رقم (۸۷۶۸).

(۲) كشف الباري: ۲۹۷/۳.

(۳) كشف الباري: ۲۶۰/۱، و۱۰۲/۳.

(۴) كشف الباري: ۳۰۹/۴، باب كتابة العلم.

قال: كنت جالساً مع جابر بن زيد وعمرو بن أوس

حضرت عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں جابر بن زید اور عمرو بن اوس رحمہما اللہ کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔

جابر بن زید سے مراد ابو الشعثاء جابر بن زید بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۱)۔ اور عمرو بن اوس سے مشہور تابعی عمرو بن اوس بن ابی اوس رحمۃ اللہ علیہ مراد ہیں (۲)۔

فحدثهما بجمالة سنة سبعين عام حج مصعب بن الزبير بأهل البصرة عند درج زمزم

سنہ ۷۰ھ، جس میں مصعب بن زبیر نے اہل بصرہ کے ساتھ حج کیا تھا، اسی سال بئر زمزم کی سیڑھیوں کے پاس بجالہ نے جابر بن زید اور عمرو بن اوس سے بیان کیا۔

بجمالة

یہ مشہور تابعی بجالہ - بفتح الباء الموحدة، بعد ہاجیم - بن عبدہ بن سالم (۳) تمیمی عنبری بصری رحمہ اللہ ہیں (۴)۔

یہ جزء بن معاویہ کے کاتب تھے اور اخف بن قیس کے چچا (۵)۔

یہ حضرت عمر، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت عمران بن حصین اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم سے روایت حدیث کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں عمرو بن دینار، عوف الاعرابی، قتادہ بن دعامہ اور قشیر بن عمرو رحمہم اللہ

(۱) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الغسل، باب من أفاض على رأسه.....

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب التہجد، باب من نام عند السحر.

(۳) تعلیقات تہذیب الکمال: ۸/۴، وتعلیقات تہذیب التہذیب: ۱/۱۷۴، وتوضیح المشتبه: ۷۳/۴.

(۴) تہذیب الکمال: ۸/۴، وتہذیب التہذیب: ۱/۱۷۴، وفتح الباری: ۲۶۰/۶.

(۵) حوالہ جات بالا، وطبقات ابن سعد: ۱۳۰/۷.

تعالیٰ وغیرہ شامل ہیں (۱)۔

امام ابو زرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”مکی ثقة“ (۲)۔

امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”هو شيخ“ (۳)۔

علامہ جاحظ نے ان کا تذکرہ اہل بصرہ کے عبادت گزاروں میں کیا ہے (۴)۔

اسی طرح مجاہد بن موسیٰ اور ابن حبان رحمہما اللہ نے بھی ان کی توثیق فرمائی ہے (۵)۔

البتہ امام ربیع بن سلیمان نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ امام صاحب نے ان

کے بارے میں فرمایا تھا: ”بجالة رجل مجهول“ (۶)۔

چنانچہ علامہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ”کتاب الحدود“ میں لکھا کہ

یہ مجہول ہیں اور مشہور نہیں، نیز یہ بھی معروف نہیں کہ جزء بن معاویہ نامی کوئی شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عامل

تھا۔ پھر امام شافعی نے ان کو ”کتاب الجزیہ“ میں ذکر کیا اور فرمایا: ”حدیث بجالة متصل ثابت؛ لأنه أدرك

عمر، وكان رجلاً في زمانه، كاتباً لعماله“۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی سابقہ بات سے رجوع کر لیا تھا کہ بجالة مجہول

ہیں، کتاب الجزیہ کی عبارت سے معلوم ہوا کہ وہ مجہول نہیں، علامہ بیہقی اسی کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وكان الشافعي رحمه الله لم يقف على حال بجالة حين صنف كتاب الحدود، ثم وقف عليه

حين صنف كتاب الجزية، إن كان صنفه بعده“ (۷)۔

(۱) تہذیب الکمال: ۹/۸-۹، والجرح والتعديل: ۳۶۲/۲، رقم (۱۷۳۷)۔

(۲) تہذیب الکمال: ۹/۴، والجرح والتعديل: ۳۶۲/۲، رقم (۱۷۳۷)۔

(۳) حوالہ جات بالا۔

(۴) تہذیب الکمال: ۹/۴، وتہذیب التہذیب: ۴۱۷/۱۔

(۵) تعلیقات تہذیب الکمال: ۹/۴، وتہذیب التہذیب: ۴۱۷/۱-۴۱۸۔

(۶) حوالہ جات بالا، وکتاب الأم: ۵۲۲/۱۲/۷، کتاب الحدود، باب حد الذمیین إذا زنوا، رقم (۲۳۲۸۶)۔

(۷) السنن الكبرى للبيهقي: ۲۴۸/۸، کتاب الحدود، باب حد الذمیین، رقم (۱۷۱۲۳) وکتاب

الجزية، باب المجوس أهل کتاب: ۱۸۹/۹، رقم (۱۸۶۵۳)، وکتاب الأم: ۱۷۴/۴/۲، کتاب الجزية، =

امام بخاری، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی روایات لی ہیں (۱)۔
صحیح بخاری میں ان کا ذکر صرف اسی جگہ آیا ہے (۲)، رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ۔

مصعب بن الزبیر

یہ مشہور صحابی حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے مصعب بن الزبیر بن العوام قرشی
اسدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۳)۔

ابو عیسیٰ اور ابوعبداللہ ان کی کنیت ہے (۴)، ان کی والدہ رباب بنت انیف کلبیہ ہیں (۵)۔ انتہائی
بہادر تھے اور بہت حسین و جمیل، اپنی سخاوت کی وجہ سے ”آنیۃ النخل“ (شہید کا چھتہ یا برتن) کہلاتے تھے، لیکن
اس کے ساتھ ہی سفاک بھی تھے، مختار بن عبید اشقی سے جنگ کی اور اس کو قتل بھی کیا (۶)۔

یہ اپنے باپ شریک بھائی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی طرف سے عراقین (عراق و شام)
کے امیر مقرر ہوئے تھے، یہ تقرر ایک اعتبار سے مصعب کی ایک تمنا ہی نتیجہ تھا، جو خدا کے ہاں قبول ہوئی۔

چنانچہ ابن ابی الزناد اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: مقام حجر میں چار حضرات
جمع ہوئے: عبداللہ، مصعب، عروہ (حضرت زبیر بن العوام کے صاحبزادگان) اور ابن عمر رضی اللہ عنہم۔ حضرت
ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمنا کرو، اپنی اپنی خواہش کا اظہار کرو کہ پتہ چلے کون کیا چاہتا ہے؟ عبداللہ بن
زبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میری خواہش خلافت کا حصول ہے اور حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا
کہ میری تمنا خواہش تو یہ ہے کہ میرے ذریعے علم پھیلے اور مجھ سے استفادہ کیا جائے۔ اور مصعب بن زبیر رحمۃ
اللہ علیہ نے کہا کہ میری خواہش عراق کی امارت کا حصول ہے اور عائشہ بنت طلحہ و سلکینہ بنت الحسین کو اپنے عقد

= من یلحق بأهل الكتاب، رقم (۱۳۱۹۳)، وتعلیقات تہذیب الکمال: ۹/۴۔

(۱) تہذیب الکمال: ۹/۴۔

(۲) فتح الباری: ۲۶۰/۶، وعمدة القاری: ۸۰/۱۵۔

(۳) سیر أعلام النبلاء: ۱۴۰/۴۔

(۴) حوالہ بالا، وطبقات ابن سعد: ۱۸۲/۵۔

(۵) سیر أعلام النبلاء: ۱۴۱/۴، وطبقات ابن سعد: ۱۸۲/۵۔

(۶) سیر أعلام النبلاء: ۱۴۱/۴، وطبقات ابن سعد: ۱۸۳/۵۔

نکاح میں لانا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میری تمنا تو صرف یہ ہے کہ میری مغفرت کر دی جائے۔
راوی کہتے ہیں کہ ہر ایک نے جو تمنا کی تھی، اسے وہ حاصل ہوئی، رہے ابن عمر رضی اللہ عنہ، ان کی بھی
مغفرت کر دی گئی ہوگی (۱)۔

اسماعیل بن ابی خالد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ”ما رأیت أمیراً قط أحسن من المصعب“ (۲)۔
امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ما رأیت أمیراً قط علی منبر أحسن من مصعب“ (۳)۔
ابھی گزرا کہ یہ انتہائی حسین تھے، مدائنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:
”کان یحسد علی الجمال“ (۴) کہ خوبصورتی کی وجہ سے ان سے حسد کیا جاتا تھا۔

اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان اور مصعب بن زبیر کی افواج کے درمیان ایک شدید اور فیصلہ کن
جنگ ہوئی، مصعب تو اس لیے نکلے تھے کہ شام کو دوبارہ واپس لیں گے اور عبدالملک کا مقصود دفاع تھا، ان دونوں
کا ٹکراؤ عراق کے ایک چھوٹے سے شہر ”اوانا“ (۵) کے قریب دیر الجاثلیق (۶) کے مقام پر ہوا، جس میں آخر کار
فتح عبدالملک کو ملی اور مصعب مقتول ہوئے۔ یہ ۷۲ھ، نصف جمادی الاولیٰ کا واقعہ ہے اور دن جمعرات کا تھا، اس
وقت مصعب کی عمر چالیس سال تھی (۷)۔

قتل کے بعد ان کے سر کو کاٹ کر عبدالملک کے سامنے پیش کیا گیا، عبدالملک بن عمر کہتے ہیں:

”رأیت بقصر الکوفة رأس الحسین الشہید، ثم رأس ابن زیاد، ثم

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۱۴۱/۴، وحلیۃ الأولیاء: ۱۷۶/۲، رقم الترجمة (۱۷۱)۔

(۲) سیر أعلام النبلاء: ۱۴۱/۴۔

(۳) حوالہ بالا، وفوات الوفيات: ۱۴۳/۴، رقم (۵۲۵)۔

(۴) حوالہ جات بالا

(۵) قال ابن خلکان: ”أوانا بلیدة كثيرة البساتین والشجر، نزهة من نواحي دجیل بغداد، بینها و بین بغداد
عشرة فراسخ من جهة تکریت.....“ معجم البلدان: ۲۷۴/۱، باب الهمزة والواو.....

(۶) دیر الجاثلیق: دیر قدیم البناء، رحب الفناء، من طسوج مسکن قرب بغداد فی غربي دجلة، وهو رأس
الحد بین السواد وأرض تکریت. معجم البلدان: ۵۰۲/۲، باب الدال والياء.....

(۷) سیر أعلام النبلاء: ۱۴۳/۴، وطبقات ابن سعد: ۱۸۳/۵۔

رأس المختار، ثم رأس مصعب بين يدي عبد الملك“ (۱)۔

حدیث سے متعلقہ ایک اصولی بحث

یہاں حدیث سے متعلقہ ایک اور بات بھی سمجھئے کہ حضرت عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ تھے: ”فحدثهما بجاله.....“ کہ بجالہ نے ان دونوں اصحاب سے بیان کیا..... اس سے معلوم ہوا کہ بجالہ نے یہ روایت عمرو سے بیان نہیں کی تھی اور وہ مقصود بالحدیث بھی نہیں تھے، اس کے باوجود عمرو بجالہ سے روایت کر رہے ہیں، اس طرح سنی ہوئی حدیث کی روایت جائز ہے اور یہ بالاتفاق وجوہ تخیل میں سے ہے (۲)۔

البتہ اس میں اختلاف ہے کہ ایسی صورت میں ”حدثنا“ کہنا جائز ہے یا نہیں؟ جمہور جواز کے قائل ہیں، امام نسائی اور بعض حضرات اس سے منع کرتے ہیں، جب کہ علامہ برقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”حدثنا“ کی بجائے ”سمعت فلانا“ کہنا چاہیے (۳)۔

”درج“ کے معنی

”درج“ دال اور راء کے فتح کے ساتھ، درجۃ کی جمع ہے، سیڑھی کو کہتے ہیں (۴)۔ المغرب میں ہے:

”درج السلم: رتبہ، الواحدۃ: درجۃ“ (۵)۔

قال: كنت كاتباً لجزء بن معاوية عم الأحنف

بجاله فرماتے ہیں کہ میں احنف کے چچا جزء بن معاویہ کا کاتب تھا۔

جزء بن معاویہ

یہ جزء - بفتح الجیم، وسکون الزای، وفي آخره همزة - (۶) ابن معاویہ بن حصین بن عبادہ بن النزال بن

(۱) سیر أعلام النبلاء: ۱۴۳/۴۔

(۲) عمدة القاري: ۷۹/۱۵-۸۰، وفتح الباري: ۲۶۰/۶۔

(۳) عمدة القاري: ۸۰/۱۵، وفتح الباري: ۲۶۰/۶۔

(۴) عمدة القاري: ۸۰/۱۵، والصحاح للجوهري: ۳۳۷، مادة ”درج“۔

(۵) المغرب: ۲۸۴، الدال مع الراء۔

(۶) اس لفظ کے ضبط میں محدثین اور اہل نسب کا اختلاف ہے، ہم نے مشہور قول، جو محدثین کا ہے، کو ذکر کیا ہے، دیگر اقوال =

مرۃ تسمی سعدی رضی اللہ عنہ ہیں (۱)۔

یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے اہواز کے عامل تھے، جب کہ ترمذی شریف کی روایت میں یہ آیا ہے کہ جزء ”تادر“ کے عامل تھے (۲)۔

لیکن حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تادر اہواز ہی کا ایک گاؤں ہے (۳)۔

ان کے صحابی ہونے میں اختلاف ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان کا شمار صحابہ میں کیا ہے، ابن الاثیر جزری رحمہ اللہ کی رائے بھی یہی ہے، البتہ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے ان کی صحبت کا انکار کیا ہے (۴)۔

لیکن حافظ صاحب ان کے قول کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس زمانے میں خلفاء عامل انہی کو مقرر فرماتے تھے جو صحابی ہوں (۵)۔ غیر صحابی عموماً عامل نہیں ہوتے تھے، اس لیے راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ صحابی تھے۔

بلاذری کی تصریح کے مطابق حضرت جزء رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت تک زندہ رہے اور زیادہ کی طرف سے کچھ ذمہ داریاں بھی انہوں نے ادا کیں (۶)۔

الأحنف

یہ مشہور مخضرم تابعی حضرت احنف بن قیس رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الإیمان، ”باب

= کے لیے دیکھیے: عمدة القاري: ۷۹/۱۵، وفتح الباري: ۲۶۰/۶، والإكمال لابن ماكولا: ۷۹/۲-۸۱، باب جري وجزري.....

(۱) الإصابة: ۲۳۴/۱، والاستيعاب بهامش الإصابة: ۲۵۹/۱.

(۲) انظر الجامع للترمذي، كتاب السير، باب في أخذ الجزية من المجوس، رقم (۱۵۸۶)، ولكن المثبت في رواية الترمذي ”مناذر“ بدل ”تادر“ ولعل المثبت هو الصحيح، انظر معجم البلدان: ۱۹۹/۵، باب الميم والنون.....

(۳) فتح الباري: ۲۶۰/۶.

(۴) الإصابة: ۲۳۴/۱، والاستيعاب بهامش الإصابة: ۲۵۹/۱، وأسد الغابة: ۱۷۸/۱، باب الجيم والزاي.

(۵) الإصابة: ۲۳۴/۱.

(۶) حوالہ بالا.

المعاصي من أمر الجاهلية“ کے تحت گزر چکے (۱)۔

فأتانا كتاب عمر بن الخطاب قبل موته بسنة

تو ہمارے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خط ان کی وفات سے ایک سال قبل آیا۔

عمر بن الخطاب

خليفة ثانی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا تذکرہ اجمالی ”بدء الوجی“ کی پہلی حدیث کے تحت

آچکا ہے (۲)۔

اوپر ذکر کردہ واقعہ ۲۲ھ کا ہے، کیوں کہ حضرت عمر کی وفات ۲۳ھ میں ہوئی ہے (۳)۔

فرقوا بين كل ذي محرم من المجوس

مجوس میں سے جس کسی نے اپنے ذی محرم سے شادی کر رکھی ہو، اسے اس سے جدا کر دو۔

مجوس

مجوس، مجوسی کی جمع ہے، جو منسوب ہے مجوسیت کی طرف اور مجوسیت قدیم فرق باطلہ میں سے ایک فرقہ ہے اور یہ کلمہ منج گوش کا معرب ہے، جو ایک آدمی کا نام ہے، اس کے کان چھوٹے چھوٹے تھے، اسی کی طرف منسوب ہو کر یہ فرقہ ”مجوس“ کہلاتا ہے، یہی وہ شخص تھا جس نے مجوسیت کو ایجاد کیا اور لوگوں کو اس کی طرف بلایا۔
مجوس اپنے مزعومہ پیغمبر زرتشت کی طرف منسوب ہو کر زرتشتی بھی کہلاتے ہیں۔

مشہور قول کے مطابق یہ آگ کی پوجا کرتے ہیں، جب کہ قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ سورج، چاند اور آگ کی عبادت کرتے ہیں۔

اپنے عروج کے زمانے میں انہوں نے دنیا کے مختلف مقامات پر آتش کدے تعمیر کیے، جہاں وہ آگ کی پوجا کرتے تھے، آج بھی ان میں سے کچھ پائے جاتے ہیں۔ اور اس مذہب کے پیروکار اس کے بھی قائل

(۱) کشف الباری: ۲/۲۲۳۔

(۲) کشف الباری: ۱/۲۳۹۔

(۳) فتح الباری: ۶/۲۶۱۔

تھے کہ خدا وہ ہیں، ایک خالق خیر ہے، دوسرا خالق شر ہے، پہلے کا نام یزدان، دوسرے کا نام ابہرمن ہے (۱)۔

کیا مجوس اہل کتاب میں داخل ہیں؟

فقہائے امت کا اس میں اختلاف ہے کہ مجوس اہل کتاب میں داخل ہیں یا نہیں؟

یہی اختلاف اس مسئلہ کا مدار ہے، جو ماقبل میں گزرا کہ مجوس سے جزیہ لیا جائے گا یا نہیں؟ اور کس بنیاد

پر لیا جائے گا؟

حضرات شوافع مجوس کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ یہ بھی اہل کتاب ہیں، اس کی دلیل میں وہ حضرت علی

رضی اللہ عنہ کا ایک اثر پیش کرتے ہیں:

”كان المجوس أهل كتاب يعرفونه، وعلم يدرسونه، فشرب أميرهم

الخمير، فوقع على أخته، فرآه نفر من المسلمين، فلما أصبح قالت أخته: إنك

قد صنعت بها كذا وكذا، وقد رآك نفر لا يسترون عليك، فدعا أهل الطمع،

فأعطاهم، ثم قال لهم: قد علمتم أن آدم أنكح بنیه بناته، فجاء أولئك الذين

رأوه، فقالوا: ويلاً للأبعد، إن في ظهرك حداً، فقتلهم، وهم الذين كانوا عنده،

ثم جاءت امرأة، فقالت له: بلى، قد رأيتك، فقال لها: ويح البغي بني فلان،

قالت: أجل، والله لقد كنت بغية، ثم تبت، فقتلها، ثم أسري على ما في

قلوبهم وعلى كتبهم، فلم يصح عندهم شيء“ (۲). (اللفظ لعبد الرزاق).

(۱) مذکورہ تفصیلات کے لیے دیکھیے، أوجز المسالك: ۱۹۱/۶، ولسان العرب: ۲۲۳/۶، مادة: ”مجس“، وروح

المعاني: ۱۲۹/۱۷، سورة الحج: ۱۷، تفسير قوله تعالى: ﴿وَالنَّصَارَى وَالْمَجُوسَ﴾ ودائرہ معارف اسلامیہ

(اردو): ۵۸۸/۱۸.

(۲) انظر المصنف لعبد الرزاق، كتاب أهل الكتابين، باب هل يقاتل أهل الشرك حتى يؤمنوا.....؟ رقم

(۱۹۲۶۲)، وكتاب أهل الكتاب، أخذ الجزية من المجوس، رقم (۱۰۰۲۹)، وفتح الباري: ۲۶۱/۶.

وعمدة القاري: ۸۰/۱۵، وكتاب الأم: ۱۷۳/۴/۲، وسنن البيهقي الكبرى، كتاب الجزية، باب المجوس

أهل الكتاب،: ۱۸۹/۹، رقم (۱۸۶۵۰).

یعنی: ”مجوس ایک کتاب کے حامل تھے، جس کو وہ جانتے تھے اور علم والے تھے جس کو وہ پڑھتے تھے، ایک دن ان کے امیر نے شراب پی، چناں چہ اپنی بہن پر جا پڑا، تو مسلمانوں کی ایک جماعت نے اس کو دیکھ لیا، جب صبح ہوئی تو اس کی بہن نے کہا کہ تو نے اس کے ساتھ (یعنی میرے ساتھ) ایسا ایسا کیا ہے اور تحقیق تمہیں کچھ ایسے افراد نے دیکھا ہے جو تمہاری ستر پوشی نہیں کریں گے۔ تو اس نے اہل طمع (علمائے سو) کو بلایا، پھر ان سے کہا کہ تمہیں بخوبی علم ہے کہ آدم علیہ السلام اپنے بیٹوں کا نکاح اپنی بیٹیوں سے کرواتے تھے (لہذا میں نے بھی ایسا کیا ہے تو اس میں کیا حرج ہے؟) چناں چہ وہ لوگ آئے جنہوں نے اس کو (اپنی بہن کے ساتھ بتلا) دیکھا تھا، کہنے لگے کہ ہلاکت ہو منحوس کے لیے، تم پر حد واجب ہو چکی۔ تو اس نے ان کو قتل کروادیا، یہی وہ لوگ تھے، جو اس کے پاس تھے، پھر ایک عورت آئی، اس نے کہا: ہاں! میں نے تمہیں دیکھا ہے، تو امیر نے اس عورت سے کہا: بنی فلان کی زانیہ کے لیے ہلاکت ہو، اس عورت نے کہا: درست ہے (بالکل) بخدا! میں زانیہ تھی، پھر میں نے توبہ کر لی، اس نے اس عورت کو بھی قتل کروادیا، پھر ان کے دلوں اور کتابوں میں جو کچھ تھا، اسے اٹھا لیا گیا، اس طرح ان کے پاس کوئی درست چیز نہ رہی۔“

یہ تو ہوئی شوافع کی دلیل، لیکن اس اثر کی صحت میں کلام ہے، بعض حضرات نے اس کو متصل قرار دیا ہے تو بعض نے منقطع (۱)۔ جب کہ بعض علماء تو اس اثر کی صحت کے سرے سے قائل ہی نہیں، چناں چہ علامہ ابن قیم اور حافظ ابن بطل رحمۃ اللہ علیہما نے اس اثر کو غیر صحیح و غیر ثابت کہا ہے (۲)۔

پھر اگر اس کی صحت تسلیم کر بھی لی جائے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ ان کے اسلاف اہل کتاب تھے، کیوں کہ مذکورہ اثر کا مضمون یہی ہے کہ وہ پہلے اہل کتاب تھے، لیکن بعد میں کتاب کو ان کے سینوں سے نکال دیا گیا، اب وہ اہل کتاب کیسے ہوئے؟!

(۱) إعلاء السنن: ۴۳۹/۱۲۔

(۲) زاد المعاد فی ہدی خیر العباد: ۱۵۴/۳، وشرح ابن بطل: ۳۳۱/۵، نیز دیکھیے، نصب الراية: ۲۵۶/۲،

والجوهر النقی: ۱۹۰/۹۔

ان کے اہل کتاب نہ ہونے پر وہ روایت بھی دلالت کرتی ہے، جو حسن بن محمد رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ: ”لا تؤکل لهم ذبیحة، ولا تنکح لهم امرأة“ (۱)۔ کہ: ”ان کا ذبیحہ کھایا جائے گا نہ ہی ان کی عورت سے نکاح جائز ہوگا۔“

چنانچہ اگر وہ اہل کتاب ہوتے تو ان کا ذبیحہ اور ان کی عورت سے نکاح بہر حال جائز ہوتا، جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے دیگر اہل کتاب کے ساتھ ان امور کو مباح قرار دیا ہے (۲)۔

حضرات احناف رحمۃ اللہ علیہم کی دلیل مجوس کے اہل کتاب میں داخل نہ ہونے کے سلسلے میں قرآن کریم سے تو یہ ہے کہ اس میں آیا ہے: ﴿أَنْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَنْزَلَ الْكِتَابَ عَلَى طَائِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا﴾ (۳) اس آیت میں اہل کتاب کو دو طائفوں میں منحصر کہا گیا ہے، اگر مجوس بھی اہل کتاب میں سے ہوتے تو یہ تین طائفے ہو جائیں گے، جو آیت کے منافی ہے، اس لیے اس آیت کی رو سے اہل کتاب میں مجوس داخل نہیں (۴)۔ احناف کی دوسری دلیل وہ روایت ہے جو مؤطا وغیرہ میں جعفر بن محمد بن علی عن ابیہ کے طریق سے مروی ہے:

”أن عمر بن الخطاب ذكر المجوس، فقال: ما أدرى كيف أصنع في أمرهم؟ فقال عبدالرحمن بن عوف: أشهد لسمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: سنوا بهم سنة أهل الكتاب“ (۵)۔

یعنی: ”حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجوس کا تذکرہ کیا، پھر فرمایا کہ مجھے علم نہیں ان

(۱) أحکام القرآن: ۱۲۱/۳، وطبقات ابن سعد: ۲۶۳/۱، والمصنف لابن أبي شيبة: ۴۰۷/۱۷، کتاب السير، ماقالوا في المجوس، رقم (۳۳۳۱۳)۔

(۲) أحکام القرآن للجصاص: ۱۲۱/۳، وأوجز المسالك: ۱۹۴/۶۔

(۳) الأنعام/ ۱۵۶۔

(۴) أحکام القرآن للجصاص: ۱۲۱/۳، وأوجز المسالك: ۱۹۴/۶۔

(۵) المؤطا، کتاب الزکاة، باب جزية أهل الكتاب، رقم (۴۲)، ومصنف ابن أبي شيبة: ۷۲-۷۱/۷،

في الزکاة، في المجوس يؤخذ منهم، رقم (۱۰۸۷۰)، و۴۰۹/۱۷، کتاب السير (۳۳۳۱۹)، وسنن

البيهقي الكبرى: ۱۸۹/۹، کتاب السير، رقم (۱۸۶۵۴)۔

مجوسیوں کے سلسلے میں، میں کیا کروں؟ تو حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ان کے ساتھ اہل کتاب والا برتاؤ کرو۔

یہ روایت اگرچہ منقطع ہے، کیوں کہ محمد کا لقاء عمر فاروق سے ثابت ہے نہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہما سے، لیکن اس کے معنی مختلف دیگر طرق حسان کی وجہ سے متصل ہیں (۱)۔

اسی طرح ابوعلی الحنفی نے بھی اس روایت کو امام مالک کے طریق سے نقل کیا ہے، جس کی تخریج بزار اور دارقطنی رحمۃ اللہ علیہما وغیرہ نے کی ہے اور یہ روایت مرسل ہے، جو ہمارے نزدیک حجت ہے (۲)۔ اور اس روایت میں تو صراحۃً ”فی الجزیة“ کا لفظ بھی موجود ہے (۳)۔

پھر طبرانی میں مسلم بن العلاء الحضرمی کے طریق سے اس کا شاہد بھی موجود ہے کہ ”سننوا بالمجوس سنة أهل کتاب“ (۴)۔

نیز اس کے علاوہ یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ شوافع اس بات کے تو قائل ہیں کہ مجوس کا ذبیحہ اور ان کے ساتھ مناکحت جائز نہیں، لیکن پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ اہل کتاب ہیں، اگر وہ اہل کتاب ہوتے تو یہ امور بھی جائز ہوتے؟ (۵)

اسی طرح حدیث باب خود بھی اس پر دلالت کر رہی ہے کہ مجوس اہل کتاب میں داخل نہیں اور وہ ”اہل الکتاب“ کے عموم میں شامل نہیں ہیں، ورنہ حضرت عمر کے ان سے جزیہ کی وصولی میں توقف کے معنی کیا ہوں گے (۶)۔

(۱) أوجز: ۲۰۰/۶، والتعليق الممجد على مؤطا محمد: ۱۷۶، كتاب الزكاة، باب الجزية.

(۲) أوجز: ۲۰۰/۶، والشمهيد لابن عبد البر: ۱۱۵/۲، ومسند البزار: ۲۶۴/۳، مسند عبد الرحمن بن

عوف، رقم (۱۰۵۶).

(۳) فتح الباري: ۲۶۱/۶، والأوجز: ۲۰۱/۶.

(۴) مجمع الزوائد: ۱۳/۶، كتاب الجهاد، ماجاء في الجزية، والطبراني في الكبير: ۴۳۷/۱۹، رقم

(۱۰۵۹)، مسلم بن العلاء الحضرمي.

(۵) المتقى: ۲۷۶/۳، كتاب الزكاة، جزية أهل الكتاب، رقم (۶۸۱)، والأوجز: ۲۰۲/۶، وشرح ابن بطلال: ۳۳۰/۵.

(۶) عمدة القاري: ۸۰/۱۵، وأعلام الحديث للخطابي: ۱۴۶۲/۲.

اس لیے درست یہی معلوم ہوتا ہے کہ مجوس اہل کتاب میں داخل نہیں، صرف جزیہ کی وصولی میں وہ اہل کتاب کے ساتھ شریک ہیں، وہ بھی اس بنا پر کہ نبی علیہ السلام نے ان سے جزیہ لیا ہے، نہ کہ اس لیے کہ وہ اہل کتاب میں داخل ہیں (۱)۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

شرح حدیث نے یہاں ایک اشکال ذکر کیا ہے، جس کی تقریر یہ ہے کہ اہل ذمہ کے دینی عقائد و شعائر سے تعرض نہیں کیا جاسکتا، مثلاً مجوس کے ہاں محرمات سے نکاح چوں کہ جائز ہے، اس لیے خلیفہ اور اس کے نائبین ان کے اس فعل میں مداخلت نہیں کر سکتے (۲)۔ اور یہاں حدیث باب میں آیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجوس کے ان جوڑوں کو جدا کرنے کا حکم دیا تھا، جو آپس میں محرم تھے، یہ تو ان کے مذہبی عقائد میں مداخلت ہوئی، جو شرعی نقطہ نظر سے درست نہیں۔

اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ یہاں دو الگ الگ چیزیں ہیں، ایک تو یہ کہ اہل ذمہ اپنے مذہبی معاملات کو انجام دیں۔ دوسرے یہ کہ ان معاملات کا عام مسلمانوں کے سامنے اظہار بھی کریں۔ چنانچہ پہلی چیز تو جائز ہے، لیکن دوسرے امر کی قطعاً اجازت نہیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم کا مطلب بھی یہی تھا کہ وہ اپنے محارم سے نکاح تو کر سکتے ہیں، لیکن عامۃ المسلمین کے سامنے اس کا اظہار نہیں کر سکتے، نہ ہی اس کے لیے اجتماعات منعقد کر سکتے ہیں، اسی طرح مسلمانوں کی شادیوں کا جس طرح اعلان کیا جاتا ہے، اس طرح اعلان بھی نہیں کر سکتے۔

اس کی مثال وہ شرائط ہیں، جو امین الامہ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی طرف سے دمشق کی فتح کے بعد نصاریٰ پر لاگو کی گئی تھیں، ان میں بعض شرائط یہ تھیں کہ وہ صلیب کھلے بندوں لٹکا نہیں سکتے، اپنے مخصوص تہواروں کا اعلان نہیں کر سکتے۔ گر جاگھروں کے دروازوں کو مسلمانوں پر بند نہیں کر سکتے، وغیرہ وغیرہ (۳)۔ تاکہ عامۃ المسلمین فتنہ میں مبتلا نہ ہوں اور ان کی شان و شوکت سے متاثر نہ ہوں (۴)۔ واللہ اعلم

(۱) أحکام القرآن: ۱۱۹/۳-۱۲۱۔

(۲) وفي الشامیة: ۲۹۷/۳: "نتركهم وما يدينون" فصل في الجزية، مطلب ليس المراد منه.....

(۳) انظر نص تلك الشروط في تهذيب تاريخ دمشق الكبير: ۱/۱۵۰، باب كيف كان أمر دمشق.....؟

(۴) أعلام الحديث: ۱۴۶۳/۲، وفتح الباري: ۲۶۱/۶، وعمدة القاري: ۸۰/۱۵، وإعلاء السنن: ۴۴۱/۱۲-۴۴۲، =

ولم یکن عمر أخذ الجزية من المجوس حتی شهد عبدالرحمن بن عوف
اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجوس سے جزیہ نہیں لیا تھا، یہاں تک کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف (۱)
رضی اللہ عنہ نے گواہی دی.....

مذکورہ جملے پر سند کی بحث

مذکورہ بالا جملہ یا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسی خط کا حصہ ہے، جس کا تذکرہ اوپر حدیث میں گزرا،
اس صورت میں روایت کی حیثیت ”روایۃ عمر عن عبدالرحمن بن عوف“ کی ہوگی، یعنی حضرت عمر،
حضرت عبدالرحمن سے روایت کر رہے ہیں، چنانچہ ترمذی شریف (۲) کی ایک روایت میں اس کی تصریح بھی
ہے کہ ”فجاءنا کتاب عمر: انظر مجوس من قبلک، فخذ منهم الجزية؛ فإن عبدالرحمن بن
عوف أخبرني.....“۔

لیکن اصحاب ”اطراف الحدیث“ نے اس حدیث کو بجالۃ عن عبدالرحمن میں ذکر کیا ہے (۳)۔
حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان حضرات کا یہ فعل درست نہیں، کیوں کہ حدیث کے جمیع
طرق میں سے کسی بھی طریق میں یہ بات مذکور نہیں ہے کہ بجالہ نے اس روایت کو عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ
سے لیا ہے، بلکہ ترمذی شریف کی اوپر ذکر کردہ روایت تو اس باب میں صریح ہے، اس لیے اس روایت کو ”عمر بن
الخطاب عن عبدالرحمن“ میں ذکر کیا جانا مناسب تھا، نہ کہ ”بجالۃ عن عبدالرحمن“ میں (۴)۔

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أخذها من مجوس هجر
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجر کے مجوس سے جزیہ لیا تھا۔

= وتحفة الباري: ۵۶۵/۳، وإرشاد الساري: ۲۳۰/۵۔

(۱) حضرت عبدالرحمن بن عوف کے حالات کے لیے دیکھیے: کتاب الجنائز، باب الکفن من جمیع المال۔

(۲) الحدیث أخرجه الترمذي في أبواب السير، باب في أخذ الجزية من المجوس، رقم (۱۵۸۷)، وأبوداود،

کتاب الخراج.....، باب في أخذ الجزية من المجوس، رقم (۳۰۴۳)، والنسائي في الكبرى، رقم (۸۷۶۸)۔

(۳) انظر مثلاً: تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف: ۲۰۷/۷۔

(۴) فتح الباري: ۲۶۱/۶، والنکت الظراف علی الأطراف: ۲۰۸/۷۔

ہجرت

یہ کلمہ ہاء اور جیم کے فتح کے ساتھ ہے، نبی علیہ السلام کے عہد میں اس نام کے کئی علاقے تھے، جن میں ہجر بحرین، ہجر نجران، ہجر جازان اور ہجر مازن وغیرہ شامل ہیں۔ لیکن یہاں ہجر بحرین مراد ہے، اس وقت یہاں بہت بڑی تعداد میں مجوس آباد تھے، سن ۸ یا ۱۰ ہجری کو نبی علیہ السلام کی حیات میں یہ علاقہ حضرت علاء بن الحضرمی کے ہاتھوں فتح ہوا تھا (۱)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب مجوس سے جزیہ لینے میں تردد ہوا تو حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اسی علاقے کا حوالہ دیا اور فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس علاقے کے مجوس سے جزیہ لیا تھا۔

ترجمة الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت اس جملے میں ہے: ”أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أخذها من المجوس“ (۲) اس میں مجوس سے جزیہ لینے کا ذکر ہے، جو مقصود مصنف علیہ الرحمۃ ہے۔

۲۹۸۸ : حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ ، عَنِ الزُّهْرِيِّ قَالَ : حَدَّثَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ ، عَنْ الْمُسَوَّرِ بْنِ مَخْرَمَةَ أَنَّهُ أَخْبَرَهُ : أَنَّ عَمْرَو بْنَ عَوْفٍ الْأَنْصَارِيَّ ، وَهُوَ حَلِيفُ لَبِيٍّ عَامِرِ بْنِ لُؤْيٍ ، وَكَانَ شَهِدَ بَدْرًا ، أَخْبَرَهُ : أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ بَعَثَ أَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ إِلَى الْبَحْرَيْنِ بِأَنِّي بِجَزِينَهَا ، وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ هُوَ صَالِحُ أَهْلِ الْبَحْرَيْنِ وَأَمَرَ عَلَيْهِمُ الْعَلَاءُ بْنُ الْحَضْرَمِيِّ ، فَقَدِمَ أَبُو عُبَيْدَةَ بِمَالٍ مِنَ الْبَحْرَيْنِ ، فَسَمِعَتِ الْأَنْصَارُ بِقُدُومِ أَبِي عُبَيْدَةَ فَوَافَتْ صَلَاةَ الصُّبْحِ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ ، فَلَمَّا صَلَّى بِهِمُ الْفَجْرَ أَنْصَرَفَ ، فَتَعَرَّضُوا لَهُ فَبَسَّمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حِينَ

(۱) معجم البلدان: ۳۹۳/۵، باب الهاء والجيم، وعمدة القاري: ۸۰/۱۵، ”وذكر ابن سعد في طبقاته

(۱/۲۶۳): أن النبي صلى الله عليه وسلم بعد قسمة الغنائم بالجعرانة أرسل العلاء إلى المنذر بن ساوي عامل

البحرين، يدعوهم إلى الإسلام، فأسلم، وصالح مجوس تلك البلاد على الجزية“. فتح الباري: ۶/۲۶۲، وهذه

العبارة تدل على أنها كانت في سنة تسع؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم نزل بالجعرانة سنة تسع من الهجرة.

(۲) عمدة القاري: ۷۹/۱۵.

(۳) قوله: ”عمرو بن عوف الأنصاري رضي الله عنه“: الحديث، أخرجه البخاري أيضاً في صحيحه، في

كتاب المغازي، باب بلا ترجمة، بعد باب شهود الملائكة بدرا، رقم (۴۰۱۵)، وفي كتاب الرقاق، باب ما=

رَأَاهُمْ ، وَقَالَ : (أَظُنُّكُمْ قَدْ سَمِعْتُمْ أَنَّ أَبَا عُبَيْدَةَ قَدْ جَاءَ بِشَيْءٍ) . قَالُوا : أَجَلٌ يَا رَسُولَ اللَّهِ ، قَالَ : (فَأَبْشِرُوا وَأَمْلُوا مَا يَسُرُّكُمْ ، فَإِنَّ اللَّهَ لَا الْفَقْرَ أَخْشَى عَلَيْكُمْ ، وَلَكِنْ أَخْشَى عَلَيْكُمْ أَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا ، كَمَا بُسِطَتْ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ ، فَتَنَّا فَسُوهَا كَمَا تَنَافَسُوهَا ، وَتُهْلِكُكُمْ كَمَا أَهْلَكْتُهُمْ) . [۳۷۹۱ ، ۶۰۶۱]

تراجم رجال

۱- ابو الیمان، ۲- شعیب

حضرت ابو الیمان حکم بن نافع اور شعیب بن ابی حمزہ الحمصی رحمہما اللہ تعالیٰ کے حالات ”بدء الوحی“ کی چھٹی حدیث کے تحت گزر چکے ہیں (۱)۔

۳- زہری

یہ امام ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کا تذکرہ ”بدء الوحی“ میں آچکا (۲)۔

۴- عروہ بن الزبیر

یہ مشہور تابعی حضرت عروہ بن زبیر بن العوام رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات ”بدء الوحی“ کی دوسری حدیث کے ذیل میں ذکر ہو چکے ہیں (۳)۔

۵- مسور بن مخرمہ

یہ معروف صحابی حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ ہیں (۴)۔

= يحذر من زهرة الدنيا والتنافس فيها، رقم (۶۴۲۵)، ومسلم في صحيحه، كتاب الزهد، باب الدنيا سجن المؤمن وجنة الكافر، رقم (۷۴۲۵-۷۴۲۶)، والترمذي، في أبواب صفة القيامة (باب حديث: والله ما الفقر أخشى عليكم)، رقم (۲۴۶۲)، وابن ماجه في سننه، كتاب الفتن، باب فتنة المال، رقم (۳۹۹۷)۔

(۱) کشف الباری: ۱/۴۷۹-۴۸۰۔

(۲) کشف الباری: ۱/۳۲۶، الحديث الثالث۔

(۳) کشف الباری: ۱/۲۹۱، و: ۲/۴۳۶۔

(۴) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب استعمال فضل وضوء الناس۔

۶- عمرو بن عوف الانصاری

یہ حضرت عمرو بن عوف انصاری رضی اللہ عنہ ہیں، یہ قدیم الاسلام صحابی اور بنو عامر بن لوی کے حلیف تھے اور شرکائے بدر میں سے تھے (۱)۔

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والے صرف حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ ہیں (۲)۔

اور ان سے صرف ایک ہی حدیث مروی ہے، جو باب کے تحت مندرج ہے (۳)۔

ائمہ ستہ میں سے امام ابو داؤد کے علاوہ باقی تمام حضرات نے ان سے روایت لی ہے (۴)۔

عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ان کا انتقال ہوا (۵)۔ رضی اللہ عنہ وأرضاه۔

یہ انصاری کیونکر ہیں؟

یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ انصاری کیونکر ہیں، جب کہ اہل مغازی کے ہاں معروف یہی ہے کہ یہ مہاجر تھے، اس کی تائید اس جملے سے بھی ہوتی ہے: ”وہو حلیف لبني عامر بن لؤي“ اس جملے سے تو معلوم یہ ہوتا ہے کہ یہ مکئی ہیں؟

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس سوال کے دو جوابات دیے ہیں:

① ہو سکتا ہے کہ یہ انصاری مشہور معنی کے اعتبار سے ہوں، اس امر سے تو کوئی چیز مانع نہیں کہ ان کا اصل تعلق اوس یا خزرج سے ہو، پھر مکہ میں رہائش اختیار کر لی اور وہاں کے بعض قبائل سے اتحاد کر لیا ہو، چنانچہ اس اعتبار سے وہ انصاری و مہاجر دونوں ہوئے۔

(۱) تہذیب الکمال: ۱۷۴/۲۲، والطبقات: ۳۶۳/۴، وتہذیب التہذیب: ۸۵/۸، والاستیعاب: ۱۰۴/۲، رقم (۱۹۵۲)۔

(۲) الطبقات: ۳۶۳/۴، وتہذیب الکمال: ۱۷۵/۲۲، والجرح والتعديل: ۳۱۳/۶، باب العین، رقم (۱۳۴۰)۔

(۳) تہذیب الکمال: ۱۷۵/۲۲۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) فتح الباری: ۲۶۲/۶۔

۲ لفظ ”الأنصاري“ وہم ہے اور یہ شعیب بن ابی حمزہ کا تفرّد ہے، کیوں کہ صحیحین میں اس حدیث کو امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے پانچ شاگرد نقل کرتے ہیں، شعیب بن ابی حمزہ، معمر بن راشد، یونس بن یزید، موسیٰ بن عقبہ اور صالح بن کیسان رحمہم اللہ تعالیٰ (۱)۔ ان میں سے شعیب کے علاوہ کوئی بھی ”الأنصاري“ کا لفظ روایت نہیں کرتا، اس لیے حافظ صاحب کا جزم اسی پر ہے کہ مذکورہ لفظ وہم ہے (۲)۔

اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے احتمال کو رائج قرار دیا ہے کہ یہ انصاری بھی ہیں اور مہاجر بھی۔ علامہ قسطلانی کی رائے بھی یہی ہے (۳)۔

ایک اہم تنبیہ

امام موسیٰ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت عمرو بن عوف کے نام کے سلسلے میں دو قول مروی ہیں، چنانچہ انہوں نے اپنی کتاب ”المغازی“ میں ان کا نام عمیر بن عوف تصغیر کے ساتھ نقل کیا ہے، جب کہ بخاری شریف کی کتاب الرقاق کی روایت، جو موسیٰ ہی سے مروی ہے، اس میں بغیر تصغیر کے عمرو ہے (۴)۔

چنانچہ ممکن ہے کہ ان کے یہ دونوں نام ہوں، کبھی عمیر کہلاتے ہوں اور کبھی عمرو (۵)۔ (ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ان کو عمیر بھی کہا جاتا ہے) (۶)۔

البتہ عسکری علیہ الرحمہ نے عمیر اور عمرو بن عوف کے درمیان تفریق کی، ان کو دو الگ الگ شخصیت قرار دیا ہے، لیکن درست یہی ہے کہ ایک ہی صحابی کے یہ دو نام ہیں (۷)۔

أن رسول الله ﷺ بعث أبا عبيدة بن الجراح (۸) إلى البحرين يأتي بجزيتها.

(۱) تحفة الأشراف: ۱۶۸/۸، مسند عمرو بن عوف الأنصاري.....

(۲) فتح الباري: ۲۶۲/۶.

(۳) عمدة القاري: ۸۱/۱۵، وإرشاد الساري: ۲۳۰/۵.

(۴) انظر صحيح البخاري، كتاب الرقاق، باب ما يحذر من زهرة الدنيا..... رقم (۶۴۲۵).

(۵) عمدة القاري: ۸۱/۱۵، وفتح الباري: ۲۶۲/۶.

(۶) الاستيعاب: ۱۰۴/۲، رقم (۱۹۵۲).

(۷) عمدة القاري: ۸۱/۱۵، وفتح الباري: ۲۶۲/۶، وتهذيب التهذيب: ۸۶/۸.

(۸) ان کے حالات کے لیے دیکھیے: کتاب الشركة، باب الشركة في الطعام.....

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو بحرین کی طرف وہاں سے جزیہ کی وصولی کے لیے روانہ فرمایا۔

”بحرین“ آج کل ایک مستقل ریاست ہے، لیکن اس زمانے میں یہ علاقہ عراق میں شامل تھا، یہ بصرہ اور بصرہ کے درمیان واقع ہے، اس کے باشندے اس وقت اکثر مجوس تھے (۱)۔ کما مر قبل أيضاً۔

وكان رسول الله ﷺ هو صالح أهل البحرين، وأمر عليهم العلاء (۲) بن الحضرمي

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحرین کے باشندوں سے صلح کی تھی اور ان پر حضرت علاء بن الحضرمی کو امیر مقرر فرمایا تھا۔

حدیث میں مذکور صلح کا واقعہ ”سنۃ الوفود“ یعنی سنہ ۹ ہجری کا ہے (۳)۔

مذکورہ واقعے کی تفصیل

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرانہ سے واپسی کے دوران حضرت علاء بن الحضرمی رضی اللہ عنہ کو منذر بن ساوی العبدی کی طرف روانہ فرمایا، مقصد اس تک اسلام کی دعوت کا پہنچانا تھا اور ایک خط بھی اس کے نام لکھ دیا۔ منذر نے جوابی خط نبی علیہ السلام کو لکھا، جس میں اس کے اسلام قبول کرنے کی اطلاع تھی، یہ بھی لکھا تھا کہ:

”وإني قد قرأت كتابك على أهل هجر؛ فمنهم من أحب الإسلام،

وأعجبه، ودخل فيه، ومنهم من كرهه، وبأرضي مجوس ويهود، فأحدث إلي

في ذلك أمراً“۔

یعنی: ”میں نے آپ کا والا نامہ اہل ہجر کو پڑھ کر سنایا، کچھ نے تو اسلام کو پسند کیا،

وہ ان کو اچھا لگا اور اس میں داخل ہو گئے اور کچھ نے ناپسند کیا اور میری حکومت میں مجوس اور

(۱) فتح الباری: ۶/۲۶۲۔

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے: کتاب الشهادات، باب من أمر بإنجاز الوعد۔

(۳) فتح الباری: ۶/۲۶۲، وشرح القسطلانی: ۵/۲۳۰، وعمدة القاری: ۱۵/۸۱۔

یہودی بھی ہیں، ان کے بارے میں آپ مجھے لکھ بھیجئے کہ ان سے متعلق آپ کا حکم کیا ہے۔“

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جواباً لکھا کہ جب تک تم اچھی طرح امور حکومت انجام دو گے ہم تمہیں معزول نہیں کریں گے اور جو بھی شخص یہودیت اور مجوسیت پر برقرار رہے گا، اس کو جزیہ ادا کرنا ہوگا..... (۱)۔

فقدّم أبو عبیدة بمال من البحرین

چنانچہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بحرین سے کچھ مال لے کر لوٹے۔

حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ جو مال لے کر بحرین سے لوٹے تھے، اس کی مقدار کیا تھی؟ تو اس سلسلے میں ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے حمید بن ہلال کے طریق سے مرسل روایت کیا ہے کہ اس مال کی مقدار آٹھ لاکھ تھی، اس کو حضرت علاء رضی اللہ عنہ نے بھیجا تھا اور یہ سب سے پہلا خراج تھا، جو نبی علیہ السلام کی خدمت میں لایا گیا (۲)۔

فسمعت الأنصار بقدم أبي عبیدة، فوافقت صلاة الصبح مع النبي صلى الله عليه وسلم، فلما صلى بهم الفجر انصرف، فتعرضوا له، فتبسم رسول الله صلى الله عليه وسلم حين رأهم، وقال: أظنكم قد سمعتم أن أبا عبیدة قد جاء بشيء. حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی واپسی کا انصار نے سنا تو انہوں نے فجر کی نماز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی، جب نبی علیہ السلام ان کو نماز فجر پڑھا چکے تو واپسی کے لیے مڑے تو انصار ان کے سامنے آ گئے، نبی علیہ السلام نے جب ان کو دیکھا تو مسکرائے اور ارشاد فرمایا، میرا خیال یہ ہے کہ تم لوگ ابو عبیدہ کی (بحرین سے) واپسی کا سن چکے ہو کہ وہ کچھ لے کر آئے ہیں۔

(۱) الطبقات الكبرى لابن سعد: ۴/۳۶۳.

(۲) المصنف لابن أبي شيبه: ۱۹/۵۳۳، كتاب الأوائل، باب أول ما فعل، رقم (۳۶۹۵۵)، وفتح الباري: ۱/۵۱۷، رقم (۴۲۱)، كتاب الصلاة، وهدى الساري: ۳۹۶، كتاب الصلاة.

تنبیہ: ابن ابی شیبہ کے نسخوں میں مذکورہ مال کی مقدار آٹھ لاکھ آئی ہے، جب کہ حافظ نے ابن ابی شیبہ سے ایک لاکھ نقل کیا ہے اور ابن سعد، یعقوب بن سفیان اور حاکم کی روایات میں مذکورہ مال کی مقدار اسی ہزار مذکور ہے۔ واللہ اعلم بالحقیقہ. دیکھیے، تعلیقات الشیخ محمد عوامۃ علی المصنف: ۱۹/۵۳۲.

حدیث سے مستنبط ایک فائدہ

مذکورہ بالا عبارت سے یہ امر مستنبط ہوا کہ صحابہ کرام (مہاجرین و انصار) رضی اللہ عنہم اجمعین تمام نمازوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز باجماعت میں شریک نہیں ہوا کرتے تھے، ہاں! یہ کہ کوئی حادثہ پیش آجائے اور یہ کہ صحابہ اپنی اپنی مساجد میں نماز پڑھا کرتے تھے، کیونکہ ہر قبیلہ کی اپنی اپنی مساجد تھیں، جہاں وہ جمع ہوا کرتے، اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انصار رضی اللہ عنہم کو دیکھا کہ نماز فجر میں سب کے سب جمع ہیں، تو آپ کو معلوم ہو گیا کہ یہ سب کسی کام سے آئے ہیں اور اس کام کی تعیین پر قرینہ بھی دلالت کر رہا ہے کہ مال و دولت کی ان کو ضرورت تھی کہ اس میں کچھ گنجائش ان کے لیے بھی ہو، تاہم ان کی خواہش تھی کہ مہاجرین کو بھی اس میں حصہ ملنا چاہیے، اس لیے جب نبی علیہ السلام نے ان کو بحرین میں جاگیروں کی پیش کش کی تو انصار نے یہی فرمایا کہ ”حتی تقطع لایخواننا من المهاجرین مثل الذي تقطع لنا“ (۱)۔ جب مال آیا تو انصار نے سوچا کہ اس مال میں ان کا بھی حق ہے۔

اور یہ احتمال بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی ان سے وعدہ فرمایا ہو کہ جب مال آئے گا تو میں آپ لوگوں کو دوں گا، چنانچہ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا تھا کہ بحرین سے مال آئے گا تو میں تمہیں دوں گا، پھر اس وعدہ کو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نبی علیہ السلام کی وفات کے بعد پورا فرمایا تھا (۲)۔

خلاصہ یہ ہوا کہ انصار یا تو خود ہی مال کے آنے کا سن کر حاضر ہو گئے کہ اس مال میں ہمارا حق بھی ہے۔

یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ ان سے وعدہ فرمایا تھا اس لیے وہ حاضر ہوئے (۳)۔

قالوا: أجل يا رسول الله

انصار نے جواباً کہا، جی ہاں! یا رسول اللہ!

امام خفش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ أجل معنی میں نعم کے مثل ہے، البتہ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ

(۱) دیکھیے صحیح البخاری، کتاب المساقاة، باب القطائع، رقم (۲۳۷۶)۔

(۲) انظر صحیح البخاری، کتاب الکفالة، باب من نکفل عن میت.....، رقم (۲۲۹۶)۔

(۳) فتح الباری: ۶/۲۶۲-۲۶۳۔

نعم کا استعمال جواب استفہام کے لیے ہوتا ہے کہ اس کا استعمال وہیں بہتر ہے اور جب تصدیق مقصود ہو تو وہاں اجل کا استعمال نعم کی بنسبت زیادہ بہتر ہے (۱)۔

قال: فأبشروا، وأملوا مايسرکم

نبی علیہ السلام نے فرمایا، خوش ہو جاؤ اور اس چیز کی امید رکھو جو تمہیں خوش کر دے گی۔

”أبشروا“ صورتہ تو امر ہے، لیکن معنی خبر ہے، مطلب یہ ہے کہ جس مقصود کے لیے تم میرے پاس آئے ہو، وہ حاصل ہو گیا اور مال تمہیں مل جائے گا (۲)۔

فواللہ، لا الفقر أخشى علیکم، ولكن أخشى علیکم أن تبسط علیکم الدنیا، کما

بسطت علی من کان قبلکم، فتنافسوها کما تنافسوها، وتهلککم کما أهلكهم

بخدا! مجھے تمہارے فقر و فاقے کا اندیشہ نہیں ہے، بلکہ یہ خوف لاحق ہے کہ دنیا تم پر کشادہ و وسیع کر دی

جائے گی، جس طرح تم سے پہلی امتوں پر کر دی گئی تھی، تم بھی اس میں اسی طرح رغبت کرنے لگو گے، جس طرح انہوں نے رغبت کی تھی، پھر تمہیں انہی کی طرح یہ دنیا ہلاک کر دے گی۔

”تنافس“ کے معنی کسی چیز میں رغبت رکھنے اور اس کو اپنے ساتھ خاص کرنے کے ہیں اور حدیث میں

یہ بات کہی گئی ہے کہ دنیا میں رغبت بعض اوقات ہلاکت کی طرف لے جاتی ہے اور اس کی وجہ سے آخرت برباد ہو جاتی ہے (۳)۔

ترجمة الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

حدیث کے مندرجہ ذیل جملوں کی باب کے ساتھ مطابقت پائی جاتی ہے:

① ”أن رسول الله صلى الله عليه وسلم بعث أبا عبيدة يأتي بجزيتهما“ کہ اس میں جزبہ

(۱) فتح الباری: ۶/۲۶۳۔

(۲) حوالہ بالا۔

(۳) حوالہ بالا، عمدة القاری: ۸۱/۱۵، وإرشاد الساری: ۲۳۱/۵، نیز دیکھیے، کشف الباری، کتاب

المغازی: ۱۶۶۔

کا ذکر ہے اور ترجمہ کا پہلا جز جز یہ ہے۔

۲ ”فقدّم أبو عبيدة بـمال من البحرين“ اس لیے کہ بحرین سے جو مال آیا تھا، وہ جز یہ کا تھا، نیز بحرین کے باشندے اس وقت مجوس وغیرہ ہی تھے۔

چنانچہ ترجمۃ الباب کے جز ”الجزية“ اور ”المجوس“ دونوں کے ساتھ مناسبت موجود ہے (۱)۔

واللہ اعلم بالصواب

۲۹۸۹ : حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ يَعْقُوبَ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ جَعْفَرِ الرَّقِيِّ : حَدَّثَنَا الْمُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ : حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُبَيْدِ اللَّهِ الثَّقَفِيُّ : حَدَّثَنَا بَكْرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ الْمُرِّيُّ وَزِيَادُ بْنُ جُبَيْرٍ ، عَنْ جُبَيْرِ بْنِ حَيَّةٍ قَالَ : بَعَثَ عُمَرُ النَّاسَ فِي أَفْنَاءِ الْأَمْصَارِ يُقَاتِلُونَ الْمُشْرِكِينَ ، فَأَسْلَمَ الْهَرْمُزَانُ ، فَقَالَ : إِنِّي مُسْتَشِيرُكَ فِي مَغَازِي هَذِهِ ، قَالَ : نَعَمْ ، مَثَلُهَا وَمَثَلُ مَنْ فِيهَا مِنَ النَّاسِ مِنْ عَدُوِّ الْمُسْلِمِينَ مَثَلُ طَائِرٍ : لَهُ رَأْسٌ وَلَهُ جَنَاحَانِ وَلَهُ رِجْلَانِ ، فَإِنْ كُسِرَ أَحَدُ الْجَنَاحَيْنِ نَهَضَتِ الرَّجْلَانِ بِجَنَاحٍ وَالرَّأْسُ ، فَإِنْ كُسِرَ الْجَنَاحُ الْآخَرُ نَهَضَتِ الرَّجْلَانِ وَالرَّأْسُ ، وَإِنْ شُدِخَ الرَّأْسُ ذَهَبَتِ الرَّجْلَانِ وَالْجَنَاحَانِ وَالرَّأْسُ ، فَالرَّأْسُ كِيسَرَى ، وَالْجَنَاحُ قَيْصَرُ ، وَالْجَنَاحُ الْآخَرُ فَارِسُ ، فَمَرِ الْمُسْلِمِينَ فَلْيَنْفِرُوا إِلَى كِيسَرَى .

تراجم رجال

۱- الفضل بن یعقوب

یہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شیخ، الفضل بن یعقوب رخامی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۳)۔

۲- عبد اللہ بن جعفر الرقي

یہ امام عبد اللہ بن جعفر بن غیلان القرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ابو جعفر اور ابو عبد الرحمن ان کی کنیت ہے۔

(۱) عمدة القاري: ۸۱/۱۵.

(۲) قوله: ”بعث عمر“: الحديث، أخرجه البخاري أيضاً في صحيحه، في كتاب التوحيد، باب قول الله

تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا الرِّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ﴾ رقم (۷۵۳۰)، وتحفة الأشراف بمعرفة الأطراف: ۱۹/۸.

(۳) ان کے حالات کے لیے دیکھیے: کتاب البيوع، باب التجارة في البر.

آل عقبہ بن ابی معیط کے آزاد کردہ غلام تھے (۱)۔

یہ رقبہ کی طرف منسوب ہو کر الرقی - بفتح الراء المشددة، وکسر القاف المشددة - کہلاتے ہیں۔ جو عراق میں فرات کے مشرقی کنارے کے ساتھ ایک مشہور شہر تھا، اب اجڑ گیا ہے (۲)۔
یہ عبید اللہ بن عمرو، ابوالسلیح حسن بن عمر الرقی، عبدالعزیز الدراوردی، معتمر بن سلیمان اور موسیٰ بن اعمین رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں احمد بن ابراہیم الدورقی، ابوالازہر نیسابوری، اسماعیل بن عبداللہ الرقی، علی بن الحسین الرقی، ایوب بن محمد الوزان، سلمۃ بن شبيب، دارمی، عمرو الناقد، فضل بن یعقوب رُخامی، محمد بن حاتم بن میمون، محمد بن جبلة، ابو زرعة الدمشقی اور ابو حاتم رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ شامل ہیں (۳)۔
امام حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ثقة، وهو أحب إلي من علي بن معبد الذي كان بمصر“ (۴)۔

امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ثقة“ (۵)۔
امام عجل رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کو ”ثقة“ کہا ہے (۶)۔
حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ثقة، حافظ“ (۷)۔
ابن شاہین رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو اپنی کتاب ”الثقات“ میں ذکر کیا ہے (۸)۔

-
- (۱) تہذیب الکمال: ۳۷۶/۱۴، وتہذیب التہذیب: ۱۷۳/۵، وتاریخ البخاری الكبير: ۶۲/۵، رقم (۱۵۰)، وإكمال مغلطاي: ۲۸۵/۷، رقم (۲۸۵۳)، والطبقات: ۴۸۶/۷۔
(۲) عمدة القاري: ۸۲/۱۵۔
(۳) شیوخ وتلامذہ کے لیے دیکھیے تہذیب الکمال: ۳۷۷-۳۷۸/۱۴۔
(۴) الجرح والتعديل: ۲۹/۵، رقم (۱۰۴)، وتہذیب الکمال: ۳۷۸/۱۴۔
(۵) الجرح والتعديل: ۲۸/۵، رقم (۱۰۴)، وتہذیب الکمال: ۳۷۸/۱۴۔
(۶) إكمال مغلطاي: ۲۸۶/۷، وتہذیب التہذیب: ۱۷۴/۵۔
(۷) الکاشف للإمام الذهبي: ۵۴۳/۱، رقم (۲۶۶۷)۔
(۸) تعليقات تہذیب الکمال: ۳۷۸/۱۴، وإكمال مغلطاي: ۲۸۵/۷۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”لیس به بأس قبل أن يتغير“ (۱)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ثقة؛ لكنه تغير بأخرة، فلم يفحش اختلاطه“ (۲)۔

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا اور کہا کہ آخر عمر میں ان کو اختلاط واقع

ہو گیا تھا (۳)۔

لیکن یہ اختلاط اور ذہنی کمزوری مضر نہیں، وہ اس لیے کہ ان حضرات یعنی حافظ صاحب اور ابن حبان رحمہما اللہ نے خود اس بات کا اعتراف کر لیا ہے کہ اختلاط فحش نہیں، بلکہ کم تھا اور کبھی کبھار ہی ہوتا تھا، جو روایات کے لیے مضر نہیں۔

ائمہ ستہ میں تمام حضرات نے ان کی روایات لی ہیں (۴)۔ جو خود ثقاہت کی ایک دلیل ہے۔

۲۱ یا ۲۳ شعبان ۲۲۰ ہجری کورقہ ہی میں ان کا انتقال ہوا (۵)۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمة واسعة

۳- المعتمر بن سليمان

یہ معتمر - عین کے سکون، تاء کے فتح اور میم کے کسرہ کے ساتھ - ابن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ ہیں، تمام نسخوں میں یہی نام آیا ہے، مستخرج اسماعیلی وغیرہ میں اس حدیث کی سند میں بھی بخاری کی طرح ہے، یعنی معتمر، جب کہ دمیاطی رحمہ اللہ کا خیال یہ ہے کہ درست نام معتمر - بفتح المہملہ، وتشديد المفتوحة بغير مثناة - ہے، اس کی دلیل انہوں نے یہ دی کہ عبد اللہ بن جعفر رقی، معتمر بن سلیمان سے روایت نہیں کرتے۔ ان کی ملاقات ثابت نہیں۔

حافظ یعنی فرماتے ہیں کہ صرف یہ وجہ کہ عبد اللہ رقی ہیں اور معتمر بصری، ان کا لقاء ممکن نہیں۔ تو اتنی سی بات روایات صحیحہ کے رد کے لیے کافی نہیں، اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے شہروں میں داخل

(۱) تہذیب الکمال: ۳۷۸/۱۴، وتہذیب التہذیب: ۱۷۳/۵، ومیزان الاعتدال: ۴۰۳/۲، رقم: (۴۲۴۹)۔

(۲) تقریب التہذیب: ۴۸۳/۱، رقم (۳۲۶۴)، وھدی الساری: ۵۸۰، الفصل التاسع، حرف العین۔

(۳) کتاب الثقات: ۳۵۱/۸۔

(۴) تقریب: ۴۸۳/۱، وتہذیب الکمال: ۳۷۶/۱۴۔

(۵) الثقات لابن حبان: ۳۵۲/۸، والطبقات الکبری: ۴۸۶/۷، الکاشف: ۵۴۳/۱، وتہذیب الکمال:

۳۷۸/۱۴، ومیزان الاعتدال: ۴۰۳/۲، رقم (۴۲۴۹)۔

نہیں ہوئے تو کیا کسی حج یا غزوے میں بھی ان کی ملاقات نہیں ہوئی ہوگی؟!..... پھر دمیا طی کا اعتراض خود ان کے قول کے معارض ہے، کیوں کہ اگر معمر ہونا درست قرار دیا جائے، جو رقی نہیں اور روایت کر رہے ہیں سعید بن عبید اللہ سے، جو بصری ہیں تو بعینہ وہی اعتراض یہاں بھی ہوتا ہے کہ اگر رقی کا بصری سے لقاء ممکن نہیں تو بصری کا لقاء بھی رقی سے مستبعد ہونا چاہیے، حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں۔ دونوں صورتیں ممکن ہیں۔

علاوہ ازیں جن حضرات نے رجال بخاری پر کام کیا ہے، ان میں سے کسی نے بھی معتمر بن سلیمان رقی کا ذکر رجال بخاری میں نہیں کیا، بلکہ سب نے متفقہ طور پر معتمر بن سلیمان تیمی بصری ہی کو رجال بخاری میں شامل کیا ہے۔ اصیلی، ابن قرقول وغیرہ نے بھی معتمر ہونا راجح کہا ہے (۱)۔

علامہ کرمانی رحمہ اللہ سے یہاں یہ تسامح ہو گیا کہ انہوں نے بعض حضرات سے نقل کرتے ہوئے معتمر کو اولاً معمر کہا، پھر ابن راشد، یعنی معمر بن راشد (عبدالرزاق صنعانی کے شیخ)، یہ عجائب و غرائب میں سے ہے، کیوں کہ عبداللہ بن جعفر رقی کی تو معمر بن راشد سے سرے سے روایت ہی نہیں ہے (۲)۔

۴- سعید بن عبید اللہ الثقفی

سعید بن عبید اللہ بن جبیر بن حیا الثقفی الجبیری البصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۳)۔ یہ اپنے چچا زیاد، بکر بن عبداللہ المزنی، حسن بصری، حکم بن اعرج اور عبداللہ بن بریدہ رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

اور ان سے ان کے صاحبزادے اسماعیل، معتمر بن سلیمان، ابو عبیدہ الحداد، بشر بن السری، خالد بن الحارث، روح بن عبادہ اور مکی بن ابراہیم رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ روایت کرتے ہیں (۴)۔ امام احمد، یحییٰ بن معین اور ابوزرعة رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”ثقة“ (۵)۔

(۱) فتح الباری: ۲۶۳/۶، وعمدة القاری: ۸۲/۱۵۔

(۲) حوالہ جات بالا، وشرح الکرمانی: ۱۲۶/۱۳۔

(۳) تہذیب الکمال: ۵۴۵/۱۰، وتہذیب التہذیب: ۶۱/۴، والتاریخ الکبیر: ۴۹۵/۳، رقم (۱۶۵۴)۔

(۴) شیوخ و تلامذہ کے لیے دیکھیے، تہذیب الکمال: ۵۴۵/۱۰-۵۴۶۔

(۵) الجرح والتعديل: ۳۸/۴، رقم (۱۶۷)، و خلاصة الخزر جی: ۱۴۱۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”لیس به بأس“ (۱)۔
 امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا ذکر کتاب الثقات میں کیا ہے (۲)۔
 حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ثقة“ (۳)۔
 ابن شاہین رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کا ذکر کتاب الثقات میں کیا ہے (۴)۔
 البتہ امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے ان پر جرح کی ہے اور کہا ہے کہ یہ مضبوط راوی نہیں ہیں، وہ روایات جن کو دوسرے حضرات موقوفاً روایت کرتے ہیں، ان کو یہ مسنداً روایت کرتے تھے (۵)۔
 اسی طرح حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کے بارے میں لکھا ہے: ”صدوق، ربما وهم“ (۶)۔
 اس سلسلے میں امام بخاری پر کوئی اعتراض اس لیے نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے سعید بن عبید اللہ کی دو ہی روایات اپنی صحیح میں لی ہیں۔ ایک اشربہ (۷) میں، جس کے شواہد موجود ہیں، دوسری حدیث باب، جو کتاب التوحید (۸) میں بھی مختصراً آئی ہے، تاہم اس کا شاہد و متابع بھی موجود ہے، چنانچہ حدیث باب کا یہی مضمون حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی روایت ابن ابی شیبہ (۹) نے سند قوی کے ساتھ روایت کی ہے (۱۰)۔

(۱) تہذیب الکمال: ۵۴۶/۱۰، وتہذیب التہذیب: ۶۱/۴۔

(۲) تہذیب الکمال: ۵۴۶/۱۰، والثقات لابن حبان: ۲۵۹/۸۔

(۳) الکاشف: ۴۴۱/۱۔

(۴) إكمال مغلطاي: ۳۲۶/۵، رقم (۲۰۱۱)۔

(۵) حوالہ بالا، وتہذیب التہذیب: ۶۱/۴، والمغني في الضعفاء: ۴۰۹/۱، وميزان الاعتدال: ۱۵۰/۲۔

(۶) تقریب التہذیب: ۳۵۹/۱، رقم (۲۳۶۶)، وتعليقات تہذیب الکمال: ۵۴۶/۱۰۔

(۷) صحيح بخاري، كتاب الأشربة، رقم (۵۵۸۴)۔

(۸) صحيح بخاري، كتاب التوحيد، رقم (۷۵۳۰)۔

(۹) المصنف: ۲۸۷/۱۸-۲۹۱، كتاب البعث والسرايا، توجيه النعمان بن مقرن إلى نهاوند، رقم

(۳۴۴۸۵)، اس قصے کی مزید تخریج کے لیے دیکھیے، تعليقات محمد عوامة على المصنف: ۲۸۸/۱۸۔

(۱۰) هدي الساري، ۵۷۰، الفصل التاسع في سياق أسماء من طعن، باب السين۔

بخاری کے علاوہ ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی ان سے روایت لی ہے (۱)۔

۵- بکر بن عبد اللہ المزنی

یہ بکر بن عبد اللہ المزنی البصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

۶- زیاد بن جبیر

یہ زیاد بن جبیر بن حیہ الثقفی الجبیری البصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۳)۔

۷- جبیر بن حیہ

یہ جبیر بن حیہ بن مسعود بن معتب بن مالک بن عمرو بن سعد بن عوف ثقفی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ یہ حضرت عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ کے بھتیجے ہیں (۴)۔

ان کی کنیت ابو فرس یا ابو فرش اور ابو زیاد ہے (۵)۔

یہ حضرت عمر بن خطاب، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔

اور ان سے بکر بن عبد اللہ المزنی اور ان کے صاحبزادے زیاد روایت کرتے ہیں (۶)۔

ابو الشیخ فرماتے ہیں:

”جبیر طائف کے رہائشی تھے اور وہاں ایک مکتب کے معلم، پھر وہاں سے عراق منتقل ہوئے، عراق میں دیوان خانے میں کاتب بنے، جب زیاد بن ابی سفیان عراق کے والی بنے تو انہوں نے جبیر کا اکرام و اعزاز کیا، اپنی قربت سے نوازا، اس طرح ان کی شان

(۱) تہذیب الکمال: ۵۴۶/۱۰۔

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الغسل، باب عرق الجنب.....

(۳) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الحج، باب نحر الإبل المقيدة.....

(۴) تہذیب الکمال: ۵۰۲/۴، وتہذیب التہذیب: ۶۲/۲۔

(۵) طبقات ابن سعد: ۱۸۸/۷، وإكمال مغلطاي: ۱۶۷/۳۔

(۶) الجرح والتعديل: ۴۴۵/۲، وتہذیب الکمال: ۵۰۲/۴، وإكمال مغلطاي: ۱۶۷/۳۔

بڑھ گئی اور زیاد نے ان کو اصفہان کا والی بنا دیا.....“ (۱)۔

سبط ابن العجمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ثقة جلیل“ (۲)۔

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں جلیل القدر تابعین میں شمار کیا ہے (۳)۔

اسی طرح ابن خلفون نے الثقات میں ان کا ذکر کیا اور فرمایا: ”کان ثقة“ (۴)۔

اکثر ائمہ رجال نے ان کو تابعی ہی قرار دیا ہے، لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ جبیر بن

حیہ صحابی ہیں، اسی لیے حافظ صاحب نے ان کا تذکرہ ”الإصابة“ کی قسم اول میں لکھا ہے۔

ان کا کہنا یہ ہے کہ صحیح بخاری کی روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد کی

فتوحات میں جبیر شریک ہوئے تھے اور امام بخاری نے مذکورہ روایت ”زائدة بن أبي زياد بن جبیر عنه“ کے

طریق سے نقل کی ہے (۵)۔ اور میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ انہوں نے ان کا ذکر صحابہ میں کیا ہو، جب کہ یہ ان

کی شرط پر پورا اترتے ہیں۔

وہ اس لیے کہ بنو ثقیف کا کوئی بھی آدمی نبی علیہ السلام کی حیات میں زندہ نہیں تھا، مگر یہ کہ وہ اسلام قبول

کر چکا تھا اور حجۃ الوداع میں انہوں نے شرکت کی تھی (یہ بھی ثقفی ہیں)۔

البتہ ابو موسیٰ المدینی نے ان کا شمار صحابہ میں کیا، ایک حدیث بھی ان کی ذکر کی، پھر لکھا کہ حدیث مرسل

ہے اور اسی بات کو صحیح قرار دیا کہ یہ تابعی ہیں، نہ کہ صحابی (۶)۔

لیکن میرے نزدیک ان کی صحابیت ناممکن نہیں، چنانچہ جس شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد

میں فتوحات میں شرکت کی ہوگی، وہ لامحالہ اس وقت مکمل جوان ہوگا اور جس واقعے میں یہ حاضر رہے ہیں وہ نبی

علیہ السلام کی وفات کے دس سال گزرنے سے بھی پہلے وقوع پذیر ہوا ہے، اس لیے کم از کم ان کی روایت بہر حال

(۱) تہذیب الکمال: ۵۰۲/۴، وتہذیب التہذیب: ۶۲/۲۔

(۲) حاشیۃ سبط ابن العجمی علی الکشاف: ۲۸۹/۱۔

(۳) تہذیب التہذیب: ۶۳/۲۔

(۴) إكمال مغلطاي: ۱۶۷/۳۔

(۵) لعل الحافظ رحمه الله أراد حديث الباب، ولكن طريقه يخالف لما قاله الحافظ، والله أعلم۔

(۶) إكمال مغلطاي: ۱۶۷/۳، والإصابة: ۲۲۵/۱۔

ثابت ہوگی، جو شرف صحابیت کے لیے کافی ہے (۱)۔

حضرت جبیر کا انتقال اموی خلیفہ عبدالملک بن مروان کے عہد میں ہوا (۲)۔

ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے دوسرے جمعے کو حجاج بن یوسف نے خطبہ دیا، چنانچہ کہا کہ میرا خیال و گمان یہ ہے کہ تم لوگ حق و باطل کے درمیان تمیز کے قابل نہیں رہے، میں تم سے تین چیزوں کے بارے میں سوال کرتا ہوں، اگر ان سوالات کا صحیح صحیح جواب تم لوگوں نے دیا تو اچھی بات ہے، ورنہ میں تم پر جزیہ لازم کر دوں گا اور تم اس کے اہل بھی ہو گے۔

سوالات یہ ہیں کہ وہ کون سی چیز ہے جس سے کوئی چیز مستغنی نہیں ہو سکتی؟ وہ کون سی چیز ہے جو کنیت ہی سے پہچانی جاتی ہے اور وہ کون سا بچہ ہے جس کا والد نہیں؟

چنانچہ حضرت جبیر بن حبیہ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اے امیر! اگر تمہارا مذکورہ عزم نہ ہوتا تو میں تمہیں جواب نہ دیتا، رہی وہ چیز جس سے کوئی چیز مستغنی نہیں ہو سکتی نام (الاسم) ہے، وہ چیز جو کنیت ہی سے معروف ہے ام البنین ہے اور وہ بچہ جس کے والد نہیں تھے، عیسیٰ علیہ السلام تھے۔

حجاج نے کہا: اے متکلم! آپ کون ہیں؟ فرمایا: جبیر بن حبیہ ثقفی۔ حجاج نے کہا کہ آپ کے صحیح جوابات بھی غلط ہو گئے، اس قرابت قریبہ کے باوجود آپ مجھ سے دور کیوں رہے (حجاج خود بھی ثقفی تھا)؟ فرمایا: اے امیر! تم ہمیشہ کے لیے اپنی قوم کے لیے باقی رہو گے نہ یہ تمہاری عزت دائمی ہے، کیوں کہ زمانہ الٹ پھیر کا شکار رہتا ہے اور آج ہم تم سے فوائد و منافع حاصل کر کے یہ نہیں چاہتے کہ کل ہمیں اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے۔ راوی کہتے ہیں کہ حجاج نے ان کو انعام و اکرام سے نوازا (۳)۔

قال: بعث عمر الناس في أفناء الأمصار يقاتلون المشركين

حضرت جبیر بن حبیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بڑے بڑے شہروں میں روانہ کیا کہ وہ مشرکین سے قتال کریں گے۔

(۱) الإصابة: ۱/۲۲۵، وتعليقات تهذيب الكمال: ۴/۵۰۳، وفتح الباري: ۶/۲۶۳.

(۲) تهذيب الكمال: ۴/۵۰۳، وتهذيب التهذيب: ۲/۶۳، والتقريب: ۱/۱۵۶، رقم (۹۰۱).

(۳) إكمال مغلطاي: ۳/۱۶۸.

”أفناء“ فنو - بکسر الفاء وسکون النون - کی جمع ہے، اس کے معنی جماعت، نچلے و معمولی درجے کے لوگ کے ہیں، اسی طرح وہ شخص، جس کا کوئی قبیلہ نہ ہو، ”فنو“ کہلاتا ہے (۱)۔

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ”الأمصار“ کی بجائے ”الأنصار“ نقل کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ بعض نسخوں میں ”الأمصار“ آیا ہے۔ سمجھنا چاہیے کہ ”الأمصار“ ہی درست ہے، ان کے ذکر کردہ کلمہ کے یہاں کوئی معنی نہیں بنتے، کہ انصار تو پہلے سے مسلمان تھے، ان سے جنگ کرنے کا کیا مطلب؟ جب کہ اس کے بعد متصل حدیث میں ”یقاتلون المشرکین“ بھی آیا ہے! (۲)۔

فأسلم الهرمزان

چنانچہ ہرمزان نے اسلام قبول کر لیا۔

یہاں سیاق حدیث میں بہت زیادہ اختصار ہے، کیوں کہ ہرمزان کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ فوراً پیش نہیں آیا تھا، بلکہ اس سے پہلے کئی جنگیں لڑی گئیں، واقعات کی تفصیل چوں کہ بہت زیادہ ہے، اس لیے ہم خلاصہ پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔

ہرمزان کے قبول اسلام کا واقعہ

ہرمزان - بضم الہاء وسکون الراء وضم المیم وتخفيف الزاي وفي آخره نون - (۳)۔ عجم کے بڑے بادشاہوں میں سے تھے، ان کی حکومت میں بہت سے علاقے شامل تھے، مثلاً: اہواز، جندی ساہور، سوس، سرق، نہربین، نہرتیری اور مناذرو غیرہ۔

قادیسیہ کے مقام پر مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان جو مشہور زمانہ جنگ ”غزوہ قادیسیہ“ لڑی گئی، اس جنگ میں ایرانیوں کے لشکر میں یہ بھی شامل تھے، اس لشکر کو یزدجرد نے روانہ کیا تھا، مسلمانوں کے سپہ سالار

(۱) فتح الباری: ۶/۲۶۴، وعمدة القاري: ۱۵/۸۳، والنهاية: ۳/۴۸۸، باب الفاء مع النون.

(۲) شرح الکرماني: ۱۳/۱۲۷، وإرشاد الساري: ۵/۲۳۱، وفتح الباري: ۶/۲۶۴، وعمدة القاري:

۱۵/۸۳، ومثله قال ابن بطال أيضاً، انظر شرحه: ۵/۳۳۴.

(۳) عمدة القاري: ۱۵/۸۳.

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور ایرانی لشکر کا سپہ سالار رستم تھا، ایرانی لشکر دو لاکھ جنگجوؤں پر مشتمل تھا، ان کے ساتھ تینتیس ۳۳ ہاتھی بھی تھے اور ہرمزان میمنہ کے سالار تھے۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ مسلم لشکر صرف ساتھ یا آٹھ ہزار افراد پر مشتمل تھا، فریقین کے درمیان گھمسان کارن پڑا، ایسا معرکہ بپا ہوا کہ تاریخ نے اس کی مثال اس سے قبل نہ دیکھی تھی، مسلم لشکر کی ایک جماعت نے اس دن خوب بہادری کے جوہر دکھائے اور بے مثال شجاعت کے نمونے پیش کیے، ان میں حضرت طلحہ الاسدی، حضرت عمرو بن معدیکرب، حضرت قعقاع بن عمرو، حضرت جریر بن عبد اللہ الجلی، حضرت ضرار بن خطاب، حضرت خالد بن عرفطہ - رضی اللہ عنہم - اور دوسرے بہت سے حضرات شامل تھے۔

فریقین کے درمیان یہ جنگ بروز پیر یکم محرم ۱۴ھ کو لڑی گئی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی مدد مسلم لشکر کے شامل حال یوں ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے ایک آندھی بھیجی، جس نے فارسیوں کے خیموں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور رستم کے تخت کو فوج کے سامنے ہی الٹ دیا، چناں چہ وہ ایک نچر پر سوار ہوا اور بھاگ نکلا، لیکن مسلمانوں نے اسے جالیا اور جہنم رسید کر دیا، اس طرح ایرانی لشکر شکست فاش سے دو چار ہوا، مسلمانوں نے ان کی ایک بڑی جمعیت کو قتل کیا۔ ایرانی لشکر کا ایک حصہ زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا، اس کی تعداد تیس ہزار تھی، یہ سب بھی تہ تیغ ہوئے، یہ فرار کے بعد کا قصہ ہے، جب کہ صرف دورانِ معرکہ بھی تقریباً دس ہزار ایرانی مارے گئے، مسلمانوں نے ان کا مسلسل پیچھا کیا، یہاں تک کہ ان کے پیچھے پیچھے شہنشاہ کے پایہ تخت ”مدائن“ میں جا گھسے، جہاں کسریٰ کا محل تھا۔

ہرمزان بھی فرار ہونے والوں میں شامل تھے، مسلمانوں اور ہرمزان کے درمیان بھی ایک معرکہ ہوا، پھر فریقین میں صلح ہو گئی، جس کو کچھ دنوں بعد ہرمزان نے توڑ دیا اور کردوں کی ایک جماعت سے معاونت حاصل کی، چناں چہ مسلمان پھر ان کے مد مقابل آئے اور مسلمانوں کو واضح فتح حاصل ہوئی، ہرمزان کے قلمرو میں شامل ابواز، مناذر اور نہر تیری پر اسلامی جھنڈا لہرانے لگا، یہ ۱۶ یا ۱۷ ہجری کا واقعہ ہے۔

مذکورہ علاقوں سے فرار ہو کر ہرمزان نے تئسٹر کی راہ لی اور وہاں قلعہ بند ہو کر بیٹھ گئے، مشورہ کے لیے مسلمانوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لکھ بھیجا کہ کیا طریقہ اختیار کیا جائے؟ چناں چہ امیر المومنین کے حکم پر ہرمزان کا مقابلہ کرنے کے لیے حضرت جزء بن معاویہ رضی اللہ عنہ روانہ ہوئے اور مسلسل ہرمزان کا تعاقب کیا، یہاں تک کہ زمین ان پر تنگ کر دی، ہرمزان نے عاجز آ کر پھر صلح کی درخواست کی، جس کی منظوری کے لیے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام روانہ کیا گیا، جہاں سے رامہرمز، تستر، جندی ساہور اور دوسرے شہروں کے بارے میں منظوری آگئی کہ صلح کر لی جائے۔

ادھر شہنشاہ ایران یزدجرد ایرانیوں کو ہر وقت برا بیچتے کرتا رہتا تھا کہ یہ عرب تمہارے شہروں پر غالب آگئے ہیں، ان کے مقابلے کے لیے اٹھو، چناں چہ اس نے اہل اہواز و اہل فارس کو لکھا کہ مسلمانوں سے جنگ کے لیے متحرک و مستعد ہو جاؤ۔ یہ خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی پہنچ گئی، آپ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ، اس وقت یہ کوفہ میں تھے، کو لکھا کہ حضرت نعمان بن مقرن کے ساتھ ایک لشکر اہواز کی طرف بھیجو، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ، اس وقت یہ بصرہ میں تھے، کو بھی لکھا کہ اہواز کی طرف ایک لشکر روانہ کرو اور اس کا امیر سہیل بن عدی رضی اللہ عنہ کو مقرر کرو، نیز فرمایا کہ ان دونوں جمعیتوں کے اصل امیر حضرت ابوسبرہ بن ابی رہم ہوں گے۔

چناں چہ حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کو فی لشکر کو لے کر روانہ ہوئے اور بصرہ کے لشکر پر سبقت کر گئے، حتیٰ کہ رامہرمز پہنچ گئے اور وہیں ہرمزان بھی تھے، یہ اپنی فوج لے کر مسلم لشکر کی طرف نکلے، سابقہ معاہدہ توڑ ڈالا، دونوں فوجیں مد مقابل ہوئیں اور سخت جنگ ہوئی، جس میں ہرمزان کو شکست ہوئی اور وہ تستر کی طرف فرار ہو گئے، جب بصری لشکر کو اس واقعے کی اطلاع ہوئی کہ حضرت نعمان کی قیادت میں ہرمزان کو شکست ہوئی ہے اور وہ تستر کی طرف فرار ہو گئے تو یہ تستر کی طرف روانہ ہوئے، جہاں کو فی لشکر بھی ان سے آ ملا، حضرت ابوسبرہ بن ابی رہم رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بصری و کو فی دونوں لشکروں نے تستر کا محاصرہ کر لیا، جو کئی مہینے جاری رہا، اس دوران فریقین کی ایک بڑی تعداد قتل ہوئی، آخر ایک دن ایک ایرانی حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ اگر آپ شہریوں کو امان دیں تو میں شہر پر آپ کا قبضہ کر ادوں گا، حضرت نے اس کو منظور فرمایا، چناں چہ اس نے مسلمانوں کو وہ جگہ دکھائی جہاں سے شہر کے اندر دجلہ کی ایک شاخ کا پانی داخل ہو رہا تھا، اسی راستے سے مسلمانوں کی ایک جماعت بطخوں کی طرح تیر کر اندر داخل ہوئی، اس نے پہرے داروں کو قتل کیا، شہر پناہ کے دروازے کھول دیے، مسلمانوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور سب کے سب فجر کے وقت اندر داخل ہو گئے، جب ہرمزان نے یہ صورت حال دیکھی تو قلعہ میں پناہ لی، جس پر کچھ صحابہ نے ان کا تعاقب کیا، اسی دوران حضرت براء بن مالک اور مجزأہ بن نور رضی اللہ عنہما ہرمزان کے ہاتھوں شہید ہوئے، جب ہرمزان قلعہ کے اندر ایک مکان میں محصور ہو گئے اور کچھ لوگوں کے علاوہ کوئی بھی ساتھ نہ رہا تو انہوں نے کہا کہ میرے ترکش میں اب

بھی سو ۱۰۰ تیر ہیں، تم میں سے جو بھی آگے آئے گا، اسے میں قتل کر دوں گا، چوں کہ اپنے سو بندے مروا کر مجھے قتل کرنے کا تمہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا، اس لیے مجھے امان دے دو اور مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا دو، ان کی مرضی کہ وہ میرے بارے میں جو فیصلہ چاہیں کریں۔

ہرمزان کے اس مطالبے کو حضرت ابوسبرۃ بن ابی رہم رضی اللہ عنہ نے منظور فرمایا اور حضرت انس رضی اللہ عنہ و اخف بن قیس کو اس پر مامور فرمایا کہ ان کو مدینہ منورہ پہنچا دیں، یہ حضرات ان کو لے کر چلے، مدینہ منورہ کے قریب پہنچے تو یہ شاہانہ ٹھاٹھ سے آراستہ ہوئے، شاہان عجم کے موافق تاج اور زیورات وغیرہ پہنے، اس کے بعد مدینہ میں داخل ہوئے، یہ سب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے، جہاں سے انہیں بتلایا گیا کہ وہ مسجد میں تشریف فرما ہیں اور کوفہ کے ایک وفد کا انتظار کر رہے ہیں، وہاں سے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو دیکھا کہ وہ شخص جس کے دبدبے و رعب سے پوری دنیا لرزاں تھی، فرش خاک پر سو رہا ہے، ٹوپی کو تکیہ بنایا ہوا ہے اور مسجد میں ان کے علاوہ اور کوئی نہیں، درہ ہاتھ میں پکڑا ہوا ہے، ہرمزان نے پوچھا کہ عمر کہاں ہیں؟ جواب ملا: یہی تو ہیں!! لوگ آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے کہ آرام میں خلل نہ ہو، ہرمزان کہنے لگے ان کا دربان اور محافظ کہاں ہیں؟ جواب ملا: ”لیس لہ حجاب، ولا حرس، ولا کاتب، ولا دیوان“ بڑے حیران ہوئے اور کہا ان کو تو نبی ہونا چاہیے تھا! عوام کی کثرت اور ان کی آہٹ سے آپ رضی اللہ عنہ کی آنکھ کھل گئی، چناں چہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے، پھر ہرمزان کی طرف دیکھا اور فرمایا: ”الہرمزان؟“ لوگوں نے جواب دیا: جی ہاں! وہی ہیں۔ اوپر سے نیچے تک دیکھا اور فرمایا: ”اعوذ باللہ من النار، وأستعین باللہ“ مزید فرمایا: ”الحمد للہ الذی اذل بالاسلام هذا وأشیاعہ“۔

وفد نے عرض کی کہ یہ ابھواز کے بادشاہ ہیں، ان سے گفتگو کیجیے۔ فرمایا، پہلے ان کے یہ زیورات وغیرہ اترواؤ، چناں چہ لوگوں نے ہرمزان کا لباس تبدیل کروایا، اس کے بعد امیر المؤمنین ان سے مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ تم نے غداری و بدعہدی کا کیا نتیجہ پایا؟ ہرمزان نے کہا اے عمر! زمانہ جاہلیت میں اللہ تعالیٰ نے ہم دونوں کو تنہا چھوڑ دیا تھا، اس لیے اس وقت ہم تم پر غالب آگئے تھے، کہ خدا اس وقت تمہارے ساتھ تھا، نہ ہمارے ساتھ، اب چوں کہ اللہ کی معیت تمہیں حاصل ہے، اس لیے تم ہم پر غالب آگئے۔ جواباً امیر المؤمنین نے فرمایا کہ درحقیقت جاہلیت میں تم ہم پر غالب اس لیے تھے کہ تم متحد تھے، ہم متفرق، پھر فرمایا کہ تم نے یہ جو کئی مرتبہ

بدعہدی کی، اس سلسلے میں تمہارا عذر کیا ہے؟ جواب دیا کہ مجھے اس بات کا اندیشہ ہے کہ پوری بات بتلانے سے قبل آپ مجھے قتل نہ کروادیں، فرمایا قتل کا خوف نہ کرو، چناں چہ اس کے بعد ہرمزان نے پانی طلب کیا، پانی لایا گیا، جب انہوں نے پانی پینا چاہا تو ان کے ہاتھ کاپنے لگے اور کہا کہ مجھے اندیشہ ہے کہ پانی پیتے ہوئے میں قتل نہ کر دیا جاؤں، امیر المؤمنین نے فرمایا، مت گھبراؤ، پانی پینے تک تمہیں کچھ نہ کہا جائے گا۔ اس پر ہرمزان نے سارا پانی گرا دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ان کو دوبارہ پانی دو، قتل اور پیاس دونوں کو ان پر جمع نہ کرو۔ تو ہرمزان نے کہا مجھے پانی کی اب ضرورت ہی نہیں، میں تو ذرا تسلی حاصل کرنا چاہتا تھا، امیر المؤمنین نے فرمایا کہ میں تمہیں قتل کروں گا۔ ہرمزان نے کہا آپ مجھے امان دے چکے ہیں، قتل کیسے کریں گے؟ فرمایا، جھوٹ بولتے ہو، میں نے تمہیں کب امان دی ہے؟ ادھر سے حضرت انس رضی اللہ عنہ بول پڑے کہ امیر المؤمنین! یہ سچ کہہ رہے ہیں، امیر المؤمنین کہنے لگے اے انس! تمہارا ناس ہو، کیا میں اس شخص کو امان دوں جس نے براء اور مجزأہ کو قتل کیا ہے؟ چھٹکارے کی کوئی صورت پیش کرو، ورنہ سزا کے لیے تیار ہو جاؤ، حضرت انس نے کہا، امیر المؤمنین! آپ ان کو دوبار امان دے چکے ہیں کہ آپ نے پہلے تو یہ فرمایا ”لا بأس عليك حتى تخبرني“ پھر یہ فرمایا: ”لا بأس عليك حتى تشربه“ یہ امان ہی تو ہے، دیگر حاضرین نے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی تائید کی، اس پر امیر المؤمنین ہرمزان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا، تم نے مجھے دھوکا دیا ہے، بخدا! میں تمہارے دھوکے میں نہ آؤں گا، مگر یہ کہ تم اسلام قبول کرلو، چناں چہ ہرمزان نے اسلام قبول کر لیا، امیر المؤمنین نے ان کے لیے دو ہزار سالانہ رقم مقرر فرمائی اور مدینہ منورہ میں رہنے کی اجازت دی۔

ہرمزان کو چوں کہ عربی نہیں آتی تھی، اس لیے ان دونوں کے درمیان ترجمانی کے فرائض حضرت مغیرہ بن شعبہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے انجام دیے۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعد میں ان کے اسلام میں نکھار آ گیا تھا، یہ ہر وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہتے، کبھی ان سے دوری اختیار نہ کرتے، امیر المؤمنین کی شہادت کے بعد کچھ لوگوں نے یہ الزام لگایا کہ ابو لؤلؤ فیروز کو بہلانے پھسلانے میں ان کا اور جفینہ کا ہاتھ تھا، اسی بنیاد پر حضرت عبید اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان دونوں کو قتل کروادیا۔

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ جب حضرت عبید اللہ بن عمر نے ان کو قتل کرنے کے لیے

تلوار اٹھائی تو انہوں نے ”لا إله إلا الله“ کہا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بہت عزیز تھے اور جنگی مہمات میں ان سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ کما فی

حدیث الباب أيضاً (۱)۔

فقال: إني مستشيرك في مغازي هذه

تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہرمزان سے کہا کہ میں اپنی ان جنگی مہمات کے سلسلے میں تم سے مشورہ

کرنا چاہتا ہوں۔

”مغازي“ کی یاء مشدد ہے، دوسری یاء ضمیر متکلم کی ہے (۲)۔

”مغازي“ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مراد کیا تھی؟ اس کی وضاحت طبرانی اور مصنف ابن ابی

شیبہ (۳) کی معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فارس، اصفہان

اور اذربایجان کے بارے میں ہرمزان کی رائے دریافت کی، ان سے مشورہ کیا کہ کس علاقے سے جنگ کی ابتدا

کی جائے، وجہ ظاہر تھی، چوں کہ ہرمزان انہی علاقوں سے تعلق رکھتے تھے، اس لیے ان کو معلومات بھی اس سلسلے

میں زیادہ تھیں (۴)۔

قال: نعم، مثلها ومثل من فيها من الناس من عدو المسلمين مثل طائر له

رأس، وله جناحان، وله رجلان.

ہرمزان نے کہا جی ہاں! ان مغازی کی اور ان لوگوں کی، جو ان مغازی میں مسلمانوں کے دشمن کی

صورت میں شرکت کرتے ہیں، اُن کی مثال بعینہ اس پرندے کی سی ہے، جس کا ایک سر ہو، دو پر اور دو پاؤں ہوں۔

(۱) تفصیلی واقعات کے لیے دیکھیے: العمدة: ۸۳/۱۵، والفتح: ۲۶۴/۶، والبدایة والنهاية: ۸۲/۷-۸۸، والکامل

لابن الأثیر: ۳۸۹/۲-۳۹۲، سنة سبع عشرة، ذکر فتح رامهرمز.....، والقاروق لشبلی: ۱۴۳-۱۴۵.

(۲) فتح الباری: ۲۶۴/۶، وعمدة القاری: ۸۳/۱۵.

(۳) المصنف لابن أبي شيبة: ۲۸۸/۱۸، کتاب البعوث والسرائاء، باب فی توجيه النعمان بن مقرن إلى

نہاوند، رقم (۳۴۴۸۵)، ومجمع الزوائد: ۲۱۵/۶.

(۴) فتح الباری: ۲۶۴/۶، وعمدة القاری: ۸۳/۱۵، وإرشاد الساری: ۲۳۱/۵.

نعم حرف ایجاب ہے، علامہ کرمانی وعینی رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر وہ روایت درست ہو، جس میں ”نعم“ فعل مدح کی صورت میں آیا ہے، تو مطلب یہ ہوگا کہ اس کی سب سے بہتر مثال اس پرندے کی سی ہے.....۔

فعل مدح ہونے کی صورت میں تقدیری عبارت یہ ہوگی: ”نعم المثل مثلها“ اور مثلها میں جو ضمیر مجرور ہے، وہ ارض کی طرف راجع ہے، جو سیاق کلام سے مفہوم ہو رہا ہے اور مثلها مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے اور اگلا جملہ ”مثل طائر.....“ خبر ہے (۱)۔

فإن كسر أحد الجناحين نهضت الرجلان بجناح والرأس، فإن كسر الجناح الآخر نهضت الرجلان والرأس، وإن شذخ الرأس، ذهبت الرجلان والجناحان والرأس.

اگر اس پرندے کا ایک بازو توڑ دیا جائے تو دونوں پاؤں بازو اور پر کو اٹھائیں گے اور وہ پرندہ متحرک رہے گا، اگر دوسرا بازو بھی توڑ دیا جائے تو پاؤں اور سر اس کو اٹھائیں گے، پھر بھی وہ متحرک رہے گا۔ اور اگر سر کچل دیا جائے تو دونوں پاؤں، دونوں پر (بازو) اور سر سب ختم ہو جائیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اس پرندے کے دو پروں میں سے ایک کو توڑ دیا جائے تب بھی کوئی فرق آنے کا نہیں، دوسرے بازو، سر اور دونوں پاؤں اٹھانے کے قابل ہوگا، اسی طرح دوسرا بازو اگر توڑ دیا جائے تب بھی وہ دونوں پاؤں اور سر اٹھا سکے گا، لیکن اگر سر ہی کچل دیا جائے اور اسے توڑ دیا جائے تو قصہ ختم، اس صورت میں پروں اور پاؤں کی حیثیت سرے سے ختم ہو جائے گی، کیوں کہ سر ہی اصل ہے۔

”شذخ“ کے معنی توڑنے اور کچلنے کے ہیں، علامہ ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اندر سے خالی چیز توڑنے کو شذخ کہتے ہیں، ”نقول: شذخت رأسه فان شذخ“ (۲)۔

فالرأس كسري، والجناح قيصر، والجناح الآخر فارس

(۱) شرح الکرمانی: ۱۳/۱۲۷، وعمدة القاری: ۸۴/۱۵۔

(۲) حوالہ جات بالا، والنهاية في غريب الحديث والأثر: ۴۵۱/۲، باب الشين مع الدال۔

سرتو کسریٰ ہے اور پہلا پر قیصر، دوسرا فارسی قوم ہے۔

ایک اشکال اور اس کے جوابات

تاریخی طور پر یہ بات مصدقہ ہے کہ قیصر کی سلطنت الگ تھی اور کسریٰ کی الگ، پہلا روم کا بادشاہ تھا، دوسرا ایران کا، اس لیے یہ کہنا کیونکر درست ہوگا کہ سرتو کسریٰ ہے اور قیصر اس کا بازو، یعنی تابع ہے، جب کہ حقیقت میں قیصر اس کا بازو یا تابع نہیں تھا۔

اس اشکال کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ کسریٰ کی مثال سر کی تھی، کیوں کہ اس زمانے میں اس سے بڑا بادشاہ کوئی دوسرا نہیں تھا، بادشاہان عالم سب کے سب اس سے خوف کھاتے اور گھبراتے تھے، اس طرح یہ ان کے لیے سر کی طرح ہوا۔ یہ جواب علامہ کرمانی، عینی و قسطلانی رحمہم اللہ نے دیا ہے (۱)۔

لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا یہ ہے کہ بخاری شریف کی یہ روایت درست نہیں، صحیح روایت وہ ہے جو امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے، اس میں ہے: ”فإن فارس اليوم رأس وجناحان“ اور یہ روایت ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ کی اس روایت کے بھی موافق ہے، جو ماقبل میں گزری کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہرمزان سے مشورہ جو کیا تھا، وہ فارس، اصفہان اور اذربایجان کے بارے میں تھا اور یہی راجح بھی ہے (۲)۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ قیصر شام میں ہوتا تھا یا شمالی علاقوں کی طرف۔ عراق، فارس اور مشرق وغیرہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا، اس لیے قیصر کو ذکر کرنے کا یہاں کوئی معنی نہیں۔

پھر حافظ صاحب علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر کسریٰ کو درآنحالیکہ وہ مشرق کا بادشاہ تھا، تمام بادشاہوں کا سردار قرار دیا جائے اور قیصر شاہ روم کو اس سے کمتر، اسی بنا پر قیصر کو کسریٰ کا بازو کہا جائے تب بھی مناسب یہی تھا کہ دوسرا بازو ان بادشاہوں کو قرار دیا جاتا جو قیصر کے مقابلے میں دہنی جانب تھے، مثلاً ہندوستان اور چین کے بادشاہ، لیکن حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی حدیث اسی

(۱) شرح الکرماني: ۱۲۷/۱۳، وعمدة القاري: ۸۴/۱۵، وشرح القسطلاني: ۲۳۱/۵۔

(۲) تاریخ ابن جریر الطبری: ۵۲۰/۲، سنة إحدى وعشرين، ومجمع الزوائد: ۲۱۴/۶، ومصنف ابن أبي

شيبه: ۲۸۸/۱۸، کتاب البعوث والسرائيا،، رقم (۳۴۴۸۵)۔

بات پر دلالت کر رہی ہے کہ ہرمزان کی مراد وہی علاقے تھے، جن کی بابت اسے معلومات حاصل تھیں، گویا کہ ایرانی فوج اس وقت تین شہروں میں ہی تھی، اس فوج کا بڑا اور زیادہ حصہ اس شہر میں تھا، جہاں کسریٰ موجود تھا، اس لیے کسریٰ سر ہوگا اور باقی دو شہروں کو بازو کہا جائے گا، کیونکہ یہی ان سب کا رئیس تھا (۱)۔

یہاں تحقیقی بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ حافظ صاحب کی رائے میں زیادہ وزن ہے۔

فمر المسلمین فلینفروا إلی کسریٰ

تو آپ مسلمانوں کو حکم دیجیے کہ وہ کسریٰ کی طرف چلیں۔

تاریخ طبری کی مبارک بن فضالہ کی روایت میں یہ ہے کہ ہرمزان نے کہا کہ آپ بازوؤں کو کاٹ دیجیے، سر نرم ہو جائے گا، اس رائے کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ناپسند کیا اور فرمایا کہ میں تو پہلے سر کاٹوں گا۔ اس روایت کی بنیاد پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ہرمزان نے اول پروں کو کاٹنے کا مشورہ دیا تھا، لیکن جب عمر رضی اللہ عنہ اس مشورے کو رد فرما دیا تو ہرمزان نے دوبارہ صحیح مشورہ دیا کہ پہل کسریٰ سے کرنی چاہیے، جیسا کہ حدیث باب میں ہے (۲)۔

وَقَالَ بَكْرٌ وَزِيَادٌ جَمِيعًا : عَنْ جُبَيْرِ بْنِ حَيَّةَ قَالَ : فَدَبَبْنَا عُمَرَ ، وَاسْتَعْمَلَ عَلَيْنَا النُّعْمَانُ ابْنَ مَقْرِنٍ ، حَتَّى إِذَا كُنَّا بِأَرْضِ الْعَدُوِّ ، وَخَرَجَ عَلَيْنَا عَامِلُ كِسْرَى فِي أَرْبَعِينَ أَلْفًا ، فَقَامَ تَرْجُمَانٌ فَقَالَ : لِيُكَلِّمَنِي رَجُلٌ مِنْكُمْ ، فَقَالَ الْمُغِيرَةُ : سَلْ عَمَّا شِئْتَ ، قَالَ : مَا أَنْتُمْ ؟ قَالَ : نَحْنُ أَنْاسٌ مِنَ الْعَرَبِ ، كُنَّا فِي شَقَاءٍ شَدِيدٍ ، وَبَلَاءٍ شَدِيدٍ ، نَمَصُّ الْجِلْدَ وَالنَّوَى مِنَ الْجُوعِ ، وَنَلْبَسُ الْوَبَرَ وَالشَّعَرَ ، وَنَعْبُدُ الشَّجَرَ وَالْحَجَرَ ، فَبَيْنَا نَحْنُ كَذَلِكَ إِذْ بَعَثَ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَرَبُّ الْأَرْضِينَ - تَعَالَى ذِكْرُهُ ، وَجَلَّتْ عَظَمَتُهُ - إِلَيْنَا نَبِيًّا مِنْ أَنْفُسِنَا نَعْرِفُ أَبَاهُ وَأُمَّهُ ، فَأَمَرَنَا نَبِينَا ، رَسُولُ رَبِّنَا ﷺ : أَنْ نُقَاتِلَكُمْ حَتَّى تَعْبُدُوا اللَّهَ وَحْدَهُ أَوْ تُؤَدُّوا الْجَزِيَّةَ ، وَأَخْبَرَنَا نَبِينَا ﷺ عَنْ رَسُولِهِ رَبِّنَا : أَنَّهُ مَنْ قُتِلَ مِنَّا صَارَ إِلَى الْجَنَّةِ فِي نَعِيمٍ لَمْ يَرِ مِثْلَهَا قَطُّ ، وَمَنْ بَقِيَ مِنَّا مَلَكَ رِقَابَكُمْ . فَقَالَ النُّعْمَانُ : رَبَّمَا أَشْهَدُكَ اللَّهَ مِثْلَهَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فَلَمْ يُنْذِمَكَ وَلَمْ يُخْزِكَ ، وَلَكِنِّي شَهِدْتُ الْقِتَالَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ ، كَانَ إِذَا لَمْ يُقَاتِلْ فِي أَوَّلِ النَّهَارِ ، أَنْتَظَرَ حَتَّى تَهْبِ الْأَرْوَاحُ ،

(۱) فتح الباری: ۶/۲۶۴۔

(۲) حوالہ بالا، و تاریخ طبری: ۲/۵۲۰۔

وَنَحْضُرُ الصَّلَاةِ . [۷۰۹۲]

وقال بكر وزیاد جميعا: عن جبیر بن حية، قال: فندبنا عمر

اور بکروزیاد دونوں حضرت جبیر بن حیہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ حضرت عمر نے ہمیں طلب کیا۔ مطلب یہ ہے کہ جب ہرمزان اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مشورہ ہو چکا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جنگ کی حکمت عملی طے کر لی تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسے عملی جامہ پہنانے کے لیے مجاہدین کو بلایا اور انہیں جہاد کے لیے جمع ہونے کو کہا (۱)۔

واستعمل علينا النعمان بن مقرن

اور حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ کو ہمارا امیر مقرر فرمایا۔

حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ

یہ مشہور صحابی رسول حضرت نعمان بن مقرن بن عائد بن میجاب بن جبیر بن نصر المزنی رضی اللہ عنہ ہیں (۲)۔ البتہ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ مقرن ان کے دادا ہیں، ان کے والد کا نام انہوں نے عمرو ذکر کیا ہے، یعنی نعمان بن عمرو بن مقرن (۳)۔ ان کی کنیت ابو عمرو یا ابو حکیم ہے (۴)۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے صاحبزادے معاویہ بن النعمان، جبیر بن حیہ الشقی، مسلم بن یثم عبدی، معقل بن یسار مزنی اور ابو خالد والبی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ شامل ہیں (۵)۔ ان کا سب سے پہلا غزوہ ”غزوہ خندق“ ہے، فتح مکہ میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

(۱) عمدة القاري: ۸۴/۱۵، وإرشاد الساري: ۲۳۲/۵.

(۲) تهذيب الكمال: ۴۵۸/۲۹، وسير أعلام النبلاء: ۳۵۶/۲، وطبقات ابن سعد: ۱۸/۶.

(۳) طبقات ابن سعد: ۱۸/۶، وإكمال مغلطاي: ۶۳/۱۲.

(۴) تهذيب الكمال: ۴۵۹/۲۹، وسير أعلام النبلاء: ۳۵۶/۲.

(۵) تهذيب الكمال: ۴۵۹/۲۹.

شریک رہے، اس موقع پر قبیلہ مزینہ کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں تھا (۱)۔

حضرت سوید بن مقرن رضی اللہ عنہ ان کے بھائی ہیں، مصعب بن عبد اللہ زبیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے اپنے سات بھائیوں کے ساتھ ہجرت کی (۲)۔

یہ ساتوں بھائی ”الکواؤن“ سے معروف تھے، حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایمان کے کچھ گھر ہیں اور نفاق کے بھی، آل مقرن کا گھر ان ایمان کے گھرانوں میں سے ہے (۳)۔

حضرت نعمان رضی اللہ عنہ سے خود مروی ہے، فرماتے ہیں کہ قبیلہ مزینہ کے چار سو افراد کے ساتھ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے (۴)۔

علامہ ابن عبد البر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے لکھا ہے کہ حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے پھر بصرہ میں رہائش اختیار کی اور وہاں سے کوفہ منتقل ہوئے، یہاں سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ان کو ”کسکر“ کی طرف روانہ کیا، جہاں انہوں نے ”زندورد“ کے باشندگان سے صلح کی اور مدینہ منورہ قادسیہ کی فتح کی خوش خبری لے کر آئے، اس کے بعد جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس اطلاع نے پریشان کیا کہ اصفہان، ہمدان، رے، اذربایجان اور نہاوند کے ایرانی جمع ہو گئے ہیں تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے مشورہ کیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ رائے دی کہ اہل کوفہ کو پیغام دیجیے کہ ان کا دو تہائی حصہ تو لشکر اسلام کے ساتھ چلے اور ایک تہائی عورتوں وغیرہ کے ساتھ ہی رہے اور اہل بصرہ کو بھی پیغام دیجیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے استفسار کیا کہ ان لوگوں کا امیر کون ہو؟ حضرت علی نے فرمایا کہ آپ ہم سے رائے میں افضل و اعلم ہیں۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ان پر ایسے شخص کو امیر مقرر کروں گا جو اس کا اہل بھی ہوگا۔ امیر المؤمنین اس کے بعد مسجد کی طرف گئے تو حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کو وہاں نماز میں مشغول پایا۔

اس کے بعد ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ امیر المؤمنین بیٹھ گئے اور انتظار کرنے لگے، جب یہ نماز

(۱) حوالہ بالا، وطبقات ابن سعد: ۱۸/۶، وإكمال مغلطاي: ۶۳/۱۲۔

(۲) تہذیب الکمال: ۴۵۹/۲۹، وعمدة القاري: ۸۴/۱۵۔

(۳) تہذیب الکمال: ۴۵۹/۲۹، وطبقات ابن سعد: ۲۰/۶، وإكمال مغلطاي: ۶۳/۱۲۔

(۴) تہذیب الکمال: ۴۵۹/۲۹، والاستيعاب: ۲۹۹/۲-۳۰۰، باب النعمان۔

سے فارغ ہوئے تو امیر المؤمنین نے ان سے کہا کہ میں تمہیں امیر مقرر کرنا چاہتا ہوں؟ انہوں نے کہا کہ اگر یہ ولایت و امارت ٹیکس وصولی کے لیے ہے، تو نہیں، لیکن بطور غازی کے قبول ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا: ”فإنك غاز“ اور ان کے ساتھ حضرت زبیر، حذیفہ، ابن عمر، الاشعث اور عمرو بن معدیکرب رضی اللہ عنہم بھی نکلے۔

کوفہ اور بصرہ کے لشکر کو لے کر یہ ایرانیوں کی طرف گئے، جہاں اصفہان انہی کے ہاتھوں فتح ہوا، اس کے بعد غزوہ نہاوند، جو ۲۱ ہجری کو لڑا گیا، اس میں یہ شہید ہو گئے، ان کے بعد لشکر کی قیادت حضرت حذیفہ نے سنبھالی، آخر کار کمرانی و کامیابی حاصل ہوئی (۱)۔

ان کی شہادت جمعہ کے دن ہوئی، جس کی خبر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کو منبر سے دی اور پھر حضرت نعمان کو یاد کر کے بہت روئے (۲)۔ رضي الله عنه وأرضاه.

حتى إذا كنا بأرض العدو

یہاں تک کہ جب ہم دشمن کی سرزمین میں تھے۔

”ارض العدو“ سے مراد نہاوند ہے، جیسا کہ طبری وغیرہ کی روایت میں اس کی تصریح ہے (۳)۔

نہاوند کا تعارف

نہاوند - بضم النون وتخفيف الهاء وفتح الواو وسكون النون وفي آخره دال

(۱) تہذیب الکمال: ۴۵۹/۲۹، والاستیعاب: ۳۰۰/۲، والمصنف لابن أبي شيبة: ۲۸۹/۱۸، کتاب

البعوث والسرايا، رقم (۳۴۴۸۵)، وفتح الباري: ۲۶۴/۶.

(۲) سير أعلام النبلاء: ۳۵۷/۲، وذكر الذهبي في ذلك حكاية أيضاً، وتہذیب التہذیب: ۴۵۶/۱۰.

وفي الطبري: (۵۲۱/۲): ”وكتب إلى عمر بالفتح مع رجل من المسلمين، فلما أتاه قال له: أبشر

يا أمير المؤمنين بفتح، أعز الله به الإسلام وأهله، وأذل به الكفر وأهله، فحمد الله عز وجل، ثم قال: النعمان

بعثك؟ قال: احتسب النعمان يا أمير المؤمنين. قال: فبكي عمر، واسترجع، قال: ومن ويحك؟ قال: فلان

وفلان حتى عدّ له ناساً كثيراً، ثم قال: وآخرين يا أمير المؤمنين لا تعرفهم. فقال عمر - وهو يبكي -: لا

يضرهم أن لا يعرفهم عمر، ولكن الله يعرفهم.“

(۳) عمدة القاري: ۸۴/۱۵، وفتح الباري: ۲۶۴/۶، وتاريخ الطبري: ۵۲۰/۲.

مہملہ (۱)۔ ہمدان کے جنوب میں ایک شہر ہے، اس کی تعمیر چوں کہ نوح علیہ السلام نے کی تھی، اس لیے اس کو ”نوح اوند“ کہا جانے لگا، یعنی ”عمرہا نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام“ بعد میں حاء کو ہاء سے بدل کر بولا جانے لگا، یہ شہر اپنی نہروں اور باغات کی وجہ سے مشہور تھا (۲)۔

وخرج علينا عامل كسرى في أربعين ألفا

اور کسریٰ کا گورنر چالیس ہزار کا لشکر لیے ہمارے سامنے نکلا۔

طبری کی روایت میں اس عامل کا نام بندار، جب کہ ابن ابی شیبہ کی روایت میں ذوالحاجبین مذکور ہے، شاید ان دونوں ناموں میں سے کوئی ایک لقب ہو (۳)۔

پھر یہ سمجھیے کہ حدیث باب میں ہے: ”وخرج علينا عامل كسرى في أربعين ألفاً“ یہ تعداد اس لشکر کی ہے جو اہل فارس و کرمان پر مشتمل تھا۔ اصل لشکر کی تعداد ڈیڑھ لاکھ تھی، جس میں اہل نہاوند کا حصہ ۲۰ ہزار، اہل اصفہان کا ۲۰ ہزار، اہل قم و قاشان کا ۲۰ ہزار، اہل اذربجان کا ۳۰ ہزار اور دیگر علاقوں کا ۲۰ ہزار تھا۔ ان سب کا مجموعہ ایک لاکھ پچاس ہزار بنتا ہے (۴)۔

فقام ترجمان، فقال: ليكلمني رجل منكم، فقال المغيرة: سل عما شئت
چناں چہ ترجمان کھڑا ہوا، پس کہا تم میں سے کوئی شخص مجھ سے بات کرے، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ
نے فرمایا جو پوچھنا ہو پوچھو۔

(۱) علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کلمے کو اسی طرح ضبط کیا ہے (۸۴/۱۵)، جب کہ علامہ یاقوت حموی نے نون کو مفتوح یا مکسور کہا ہے (معجم البلدان: ۳۱۵/۵) اور علامہ عینی علیہ الرحمۃ نے اس کا انکار کیا ہے کہ نون مفتوح یا مکسور ہو۔

(۲) حوالہ جات بالا۔

(۳) تاریخ طبری: ۵۲۰/۲، ومصنف ابن أبي شيبة: ۲۸۹/۱۸، کتاب البعوث والسرایا، رقم (۳۴۴۸۵)، والفتح: ۲۶۴/۶، البتہ علامہ عینی و یاقوت الحموی رحمہما اللہ نے ایک تیسرا نام بھی ذکر کیا ہے: ”الفیروزان“، جو مصحف ہو کر عمدة القاری میں ”الغیرزان“ بن گیا ہے، شاید طباعت کی غلطی ہو، دیکھیے، عمدة: ۸۴/۱۵، ومعجم البلدان: ۳۱۶/۵، نیز دیکھیے: البدایة والنهاية: ۱۱۰/۷۔

(۴) عمدة القاري: ۸۴/۱۵۔

یہاں روایت میں اختصار ہے، درمیان کے واقعات مذکور نہیں ہیں، اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب فریقین جمع ہو گئے تو بندار نے اپنا قاصد مسلمانوں کی طرف روانہ کیا کہ اپنا کوئی بندہ بھیجو، جس سے ہم بات کریں، چنانچہ مسلمانوں نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا، فریقین کے درمیان حد فاصل ایک نہر تھی، حضرت مغیرہ روانہ ہوئے اور نہر عبور کی، ادھر بندار نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا کہ مسلمانوں کے قاصد کے لیے کیسے بیٹھا جائے؟ انہوں نے کہا کہ بادشاہ کی ہیئت اختیار کرو، چنانچہ وہ اپنے تخت پر بیٹھا، سر پر تاج رکھا، شہزادے اس کے سامنے دو قطاروں میں کھڑے ہو گئے، جنہوں نے سونے کا کنگن اور دیباچہ و حریر کے لباس زیب تن کر رکھے تھے، پھر اس نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو اندر داخل ہونے کی اجازت دی، چنانچہ دو آدمی ان کے دونوں بغلوں سے پکڑ کر لے چلے، ان کے ساتھ ان کا نیزہ اور تلوار بھی تھی، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نیزے کو قالین پر چھوتے گئے، تاکہ وہ اس فعل سے یہ اثر لیں کہ ان کی تلوار ان کو زخمی کرے گی (۱)۔

قال: ما أنتم؟

بندار نے کہا: تم کیا ہو؟

بندار نے حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کو اسی طرح خطاب کیا کہ کلمہ ”ما“ استعمال کیا، جو غیر ذوی العقول کے لیے موضوع ہے، بطور حقارت کے کہ تمہاری حیثیت ہی کیا ہے، جو ہم سے لڑنے چلے آئے؟ (۲)

ابن ابی شیبہ کی روایت میں یہ بھی اضافہ ہے کہ بندار نے کہا، اے عربو! تمہیں بھوک اور مشقت نے ستایا تو یہاں آ گئے، اگر تم چاہو تو ہم تمہیں زاد راہ فراہم کر سکتے ہیں، تم اپنے شہروں کو واپس لوٹ جاؤ۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کی بات سن کر میں نے اللہ کی تعریف و ثناء بیان کی، پھر کہا کہ تم نے ہمارے متعلق جو کچھ کہا اس میں غلطی نہیں کی، ہم اسی طرح تھے..... (۳)۔

قال: نحن أناس من العرب، كنا في شقاء شديد، نمص الجلد والنوى من

(۱) فتح الباری: ۲۶۵/۶، وتاریخ الطبری: ۵۲۰/۲، والمصنف لابن أبي شيبة: ۲۸۹/۱۸، کتاب

البعوث..... رقم (۳۴۴۸۵)، ومجمع الزوائد: ۲۱۴/۶۔

(۲) العمدة: ۸۵/۱۵، والفتح: ۲۶۵/۶، وتحفة الباری: ۵۶۵/۳، وإرشاد الساری: ۲۳۲/۵۔

(۳) عمدة القاری: ۸۵/۱۵، وفتح الباری: ۲۶۵/۶۔

الجوع، ونبس الوبر والشعر، ونعبد الشجر والحجر

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم عرب قوم کے کچھ افراد ہیں، ہم سخت بدنختی کا شکار تھے، ہم بھوک کی وجہ سے درختوں کی کھال اور گٹھلی چوستے، لپٹم اور بال کا لباس پہنتے اور درختوں اور پتھروں کی عبادت کرتے تھے۔
”الوبر“ اس کا مفرد و برة ہے، اونٹ، خرگوش وغیرہ کے نرم بال، اون وغیرہ کے لیے مستعمل ہے (۱)۔

فبینا نحن كذلك، إذ بعث رب السموات ورب الأرضين - تعالیٰ ذکرہ،
وجلّت عظمتہ - إلینا نبیا من أنفسنا، نعرف أباه وأمه

ہم اسی حال میں تھے کہ آسمانوں اور زمینوں کے رب..... جس کا ذکر بلند اور عظمت بڑی ہو..... نے ہماری طرف ہمیں میں سے ایک نبی مبعوث فرمایا، جن کے ماں باپ کو ہم جانتے ہیں۔

یعنی ہم اسی بدنختی و غربت وغیرہ کا شکار تھے، حقیقی رب کو بھول چکے تھے کہ رب ذو الجلال کو ہم پر رحم آیا اور اس نے ہمیں لوگوں میں سے ایک شخص کو منتخب فرما کر ہماری ہدایت کے لیے مبعوث فرمایا، جن کو ہم بخوبی جانتے و پہچانتے ہیں، ان کے نسب و حسب کی شرافت کا بھی ہمیں بخوبی علم ہے، جو ہم میں سب سے اشرف، نسب کے اعتبار سے سب سے اعلیٰ اور گفتگو میں سب سے زیادہ سچے ہیں (۲)۔

فأمر نبينا ورسول ربنا صلى الله عليه وسلم أن نقاتلكم حتى تعبدوا الله

وحده، أو تؤدوا الجزية

چناں چہ ہمارے نبی اور ہمارے رب کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم تم سے قتال کریں، یہاں تک کہ تم خدائے واحد کی عبادت کرو یا جزیہ ادا کرو۔

اس حدیث سے بھی معلوم ہوا ہے کہ مجوس سے جزیہ لینا درست ہے، جس کی تصریح حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کر رہے ہیں، کیوں کہ ان کے مخاطبین مجوس ہی تھے (۳)۔

(۱) القاموس الوحيد، مادة: ”وبر“.

(۲) المصنف لابن أبي شيبة: ۲۸۹/۱۸، والعمدة: ۸۵/۱۵، وفتح الباري: ۲۶۵/۶، وابن بطال: ۳۳۵/۵.

(۳) فتح الباري: ۲۶۵/۶، وإرشاد الساري: ۲۳۲/۵، وشرح الكرماني: ۱۲۸/۱۳.

وأخبرنا نبينا عن رسالة ربنا أنه من قتل منا صار إلى الجنة في نعيم لم ير مثلاً قط، ومن بقي منا ملك رقابكم

نیز ہمارے نبی نے ہمارے رب کی طرف سے ہمیں یہ پیغام بھی دیا کہ ہم میں سے جو مقتول و شہید ہوگا وہ سیدھا جنت میں جائے گا، ایسی نعمتوں میں جن کا مثل دیکھا بالکل نہیں گیا۔ اور جو زندہ رہے گا، وہ تمہاری گردنوں کا مالک ہوگا۔

یعنی ہم ہر صورت میں کامیاب ہیں، شہادت پائی تو جنت، جس کی کوئی مثال نہیں، زندہ رہے تو تمہاری گردنوں کے مالک، نبی علیہ السلام کے قول پر ہمیں چوں کہ سو فیصد یقین ہے، اس لیے ہم یہاں سے ٹلنے والے نہیں، نہ تم سے دبنے والے ہیں، طبری میں حضرت مغیرہ سے یہی مفہوم و معنی مروی ہیں: ”وإننا والله، لا نرجع إلى ذلك الشقاء، حتى نغلبكم على ما في أيديكم“ (۱)۔

فقال النعمان (۲): ربما أشهدك الله مثلها مع النبي ﷺ فلم يندمك ولم يخزك، ولكنني شهدت القتال مع رسول الله ﷺ، كان إذا لم يقاتل في أول النهار، انتظر حتى تهب الأرواح، وتحضر الصلوات

اس پر حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ نے فرمایا (اے مغیرہ!) آپ بسا اوقات جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک جنگ رہے ہیں، جہاں آپ کو اللہ تعالیٰ نے ندامت و رسوائی سے بچا کر رکھا اور میں بھی کئی بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کئی جنگوں میں شریک رہا ہوں، آپ کی عادت یہ تھی کہ دن کے

(۱) فتح الباری: ۶/۲۶۵، وعمدة القاری: ۱۵/۸۵، وقال العلامة الكرمانی شارحاً لكلام المغيرة:

”وفيه فصاحة المغيرة، من حيث إن كلامه مبين لأحوالهم فيما يتعلق بديارهم: من المطعوم والملبوس، ودينهم من العبادة، وبمعاملتهم من الأعداء: من طلب التوحيد أو الجزية، ولمعادهم في الآخرة إلى كونهم في الجنة، وفي الدنيا إلى كونهم ملوكاً ملائكة للرقاب.....“، انظر الكواكب الدراري: ۱۳/۱۲۸.

(۲) قوله: ”النعمان“ الحديث، أخرجه الترمذي أيضاً، كتاب السير، باب ما جاء في الساعة التي يستحب فيها القتال، رقم (۱۶۱۳).

شروع میں اگر قتال کی ابتداء نہ فرماتے تو نماز پڑھنے کے بعد مناسب ہواؤں کے چلنے کا انتظار کرتے تھے۔

حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا ارشاد میں شراح کا اختلاف

حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کا مذکورہ بالا ارشاد دو حصوں یعنی ”ربما أشهدك الله ولم يخزك“

اور ”ولكني شهدت الخ“ پر مشتمل ہے، اب شراح حدیث کا ان دونوں جملوں کے باہمی ارتباط اور شرح میں اختلاف ہو گیا کہ ان جملوں کا مطلب و مقصد کیا ہے؟

علامہ ابن بطل رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان اس جانب ہے کہ پہلے جملہ کا مستقل مفہوم اور دوسرے جملے کا

مستقل مفہوم ہے، ان دونوں کے درمیان کوئی ارتباط نہیں، چنانچہ پہلے جملے ”ربما أشهدك الله مثلها

.....“ کی شرح یوں کرتے ہیں کہ حضرت نعمان نے حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ مغیرہ! آپ

گذشتہ ایام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اس طرح کے مشکل حالات میں بسا اوقات شریک رہے ہیں،

ان کے ساتھ آپ غزوات میں بھی ساتھ رہے، چنانچہ ان مصائب و شدائد نے آپ کو نادم نہیں کیا، جو نبی علیہ

السلام کے ساتھ آپ کو لاحق ہوئیں، نہ ہی غزوات سے زندہ سلامت لوٹ آنے، نے آپ کو پریشان کیا، کیوں

کہ ان شدائد کے مقابلے میں جو نعمتیں اور شہادت کا ثواب ملنا تھا، ان کا آپ کو بخوبی علم تھا۔

اور حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ”ولكني شهدت القتال مع رسول الله صلى الله عليه

وسلم“ ایک نئے کلام کی ابتدا اور نئے قصے کا افتتاح ہے، جس میں حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی

اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اپنی فوج کو یہ بتلایا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کی ابتدا اگر دن کے پہلے حصہ

میں نہ فرماتے تو جنگ سے رک جاتے، یہاں تک کہ (نصرتِ خداوندی کی) ہوائیں چلنے لگیں اور نماز کا وقت

ہو جائے۔ اس معنی کی تائید کے لیے علامہ ابن بطل رحمۃ اللہ علیہ نے وہ حدیث پیش کی ہے، جو حماد بن سلمہ عن

النعمان بن مقرن کے طریق سے مروی ہے کہ ”كان النبي صلى الله عليه وسلم إذا لم يقاتل أول النهار

آخر القتال، حتى تزل الشمس وتهب رياح النصر“ (۱)۔

علامہ ابن بطل مزید یہ بھی فرماتے ہیں کہ افضل ترین اوقات نماز کے اوقات ہیں، جن میں اذان بھی

(۱) حوالہ بالا، وأخرجه ابن أبي شيبة في مصنفه: ۲۹۰/۱۸، كتاب البعوث، رقم (۳۴۴۸۵)، من

طريق عفان عن حماد عن أبي عمران الجوني عن علقمة عن معقل بن يسار.....

ہے، جب کہ حدیث (۱) میں آیا ہے: ”الدعاء بين الأذان والإقامة لا يرد“۔ کہ ”اذان اور اقامت کے درمیان جو دعا مانگی جائے، وہ رد نہیں ہوتی“۔ مطلب یہی ہوا کہ اذان و اقامت، اسی طرح نماز کے بعد دعا کا موقع ملے گا، جو نصرتِ خداوندی کا موجب ہوگی (۲)۔

لیکن حافظ ابن حجر، علامہ عینی اور حافظ کرمانی رحمہم اللہ وغیرہ کا قول یہ ہے کہ یہ دونوں الگ الگ جملے تو ہیں، لیکن ان میں باہم ارتباط بھی ہے اور دوسرا جملہ قصہ مستانفہ نہیں، جیسا کہ علامہ ابن بطال کا خیال ہے (۳)۔ چنانچہ طبری کی مبارک بن فضالہ کی جو روایت ہے، اس میں مبارک نے زیاد بن جبیر کے واسطے سے حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کے دونوں جملوں کے درمیان ربط و تعلق کو بیان کیا ہے اور اس کے سیاق سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دوسرا جملہ بطور قصہ مستانفہ کے نہیں ہے، اس کا حاصل یہی ہے کہ حضرت مغیرہ نے حضرت نعمان رضی اللہ عنہما امیر لشکر پر قتال تاخیر سے شروع کرنے پر اعتراض کیا، جس کا جواب حضرت نعمان نے مذکورہ جملوں سے دیا (۴)۔

مبارک بن فضالہ کی روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ ایرانیوں نے مسلمانوں کو یہ پیغام بھیجا کہ نہر، جو دونوں کے درمیان فاصل تھی، کو تم عبور کرو یا ہم عبور کریں؟ تو حضرت نعمان نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ تم نہر پار کر کے ان پر حملہ آور ہو، اس طرح دونوں لشکر آمنے سامنے ہو گئے اور وہ ایک دوسرے کے قریب آ گئے، ایرانیوں نے اپنے لشکر کے پچھلے حصے میں لوہے کے گھوکروں ڈال دیے، تاکہ فوج فرار نہ ہو سکے، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے جب

(۱) الحدیث، أخرجه أبو داود في الصلاة، باب في الدعاء بين الأذان والإقامة، رقم (۵۲۱)، والترمذي في الصلاة، باب ما جاء أن الدعاء لا يرد بين الأذان والإقامة، رقم (۲۱۲)، وفي الدعوات، باب في العفو والعافية، رقم (۳۵۹۴-۳۵۹۵)، عن أنس رضي الله عنه.

(۲) شرح ابن بطال: ۳۳۵/۵، وفتح الباري: ۲۶۵/۶، وعمدة القاري: ۸۵/۱۵

(۳) قال العلامة الكرمانی رحمه الله: ”فإن قلت: ما معنى الاستدراك، وأين توسطه بين كلامين متغايرين؟ قلت: كأن المغيرة قصد الاشتغال بالقتل أول النهار بعد الفراغ من المكالمة مع الترجمان، فقال النعمان: إنك وإن شهدت القتال مع رسول الله صلى الله عليه وسلم، لكنك ما ضبطت انتظاره للهبوب“۔ شرح الكرمانی: ۱۲۹/۱۳.

(۴) فتح الباري: ۲۶۵/۶.

دشمن کی کثرت دیکھی تو فرمانے لگے، آج کی سی ناکامی میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی کہ ہمارے دشمن تیاری کرنے اور دم لینے کے لیے آزاد چھوڑ دیے گئے ہیں، بخدا! معاملہ میرے ہاتھ میں ہوتا تو میں ان پر حملہ میں جلدی کرتا (۱)۔ اور ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے، راوی کہتے ہیں کہ ہم نے ان کے سامنے صف بندی کی، تو ہم پر انہوں نے خوب تیر برسائے، حتیٰ کہ ہم تک پہنچنے میں جلدی کی، چنانچہ حضرت مغیرہ نے حضرت نعمان رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ ان ایرانیوں کی طرف سے حملہ میں جلدی کی گئی ہے، اس لیے اگر آپ بھی حملہ کر دیں تو مناسب ہو۔ اس پر حضرت نعمان نے فرمایا کہ آپ فضائل و مناقب کے مالک ہیں اور تحقیق اس طرح کی جنگوں میں آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے ہیں (۲)۔

اس کے بعد طبری کی روایت میں ہے کہ بخدا! میں نے ان پر حملہ کرنے میں عجلت اس چیز کی وجہ سے نہیں کی، جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دیکھی (۳)۔

حاصل یہ ہوا کہ حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے قتال میں جوتا خیر کی اس کی وجہ نبی علیہ السلام کا فعل تھا کہ آپ علیہ السلام چوں کہ ایسا کرتے تھے، اس لیے انہوں نے بھی ویسا ہی کیا اور زوال کا انتظار کیا۔

پھر علامہ ابن بطل رحمۃ اللہ علیہ نے بعض جملوں کی جو تشریح کی، وہ بھی اشکال سے خالی نہیں، چنانچہ ”فلم یندمک“ کی شرح انہوں نے یہ کی تھی کہ جو شہداء آپ کو نبی علیہ السلام کے ہمراہ لاحق ہوئیں، انہوں نے آپ کو ندامت کا شکار نہیں بنایا (۴)۔

حافظ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ مجھے جو بات صحیح لگی ہے وہ یہ ہے کہ ”فلم یندمک“ سے مراد زوال شمس تک تاخیر و صبر ہے، جو آپ (مغیرہ) نے کیا، اس پر خدا نے آپ کو شرمندہ نہیں کیا۔ اس کے علاوہ ابن بطل رحمۃ اللہ علیہ نے ”ولم یخزک“ کی شرح میں ایک دوسرے نسخے کو اختیار کیا اور ”ولم یخزنک“ روایت کر کے اس کی وضاحت کرنے لگے، لیکن درست روایت یہاں خائے معجمہ کے ساتھ اور نون کے بغیر ”ولم یخزک“ ہے، یہی مستملی کی روایت ہے اور ماقبل کے بھی زیادہ مناسب ہے، نیز وفد عبدالقیس کی روایت میں ”غیر خزایا ولا

(۱) حوالہ بالا، وعمدة القاری: ۸۵/۱۵، وتاریخ الطبری: ۵۲۰/۲۔

(۲) المصنف لابن أبي شيبه: ۲۹۰/۱۸، کتاب البعوث.....، رقم (۳۴۴۸۵)، ومجمع الزوائد: ۲۱۵/۶۔

(۳) تاریخ الأمم والملوک للطبری: ۵۲۱/۲، سنة إحدى وعشرين۔

(۴) شرح ابن بطل: ۳۳۵/۵۔

ندامی“ جو جملہ ہے، اس کا نظیر و مشابہ بھی ہے (۱)۔

اس کے علاوہ ابن بطل رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے مستفاد یہ ہوتا ہے کہ وہ ”مثلہا“ کی جو ضمیر ہے، اس کو ”شدة“ یعنی عصاب کی طرف راجع کرتے ہیں، جو محذوف ہے، جب کہ دیگر حضرات نے ”مثلہا“ کی ضمیر مجرور کو ”وقعة“ یا ”غزوة“ کی طرف راجع قرار دیا ہے (۲)، یعنی اس طرح کے غزوات میں آپ کو اللہ تعالیٰ نے شرکت کا موقع فراہم کیا، البتہ علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن بطل رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید میں ضمیر کو شدة کی طرف راجع قرار دیا، پھر شرح جو کی وہ دیگر شرح کے موافق کی اور اسی کو راجع کہا کہ ابن بطل رحمۃ اللہ علیہ کی شرح سیاق کلام کے موافق نہیں ہے (۳)۔ واللہ اعلم

”حتى تهب الأرواح“ کے معنی و مطلب

”تہب“ کا مصدر ”ہبوبا“ ہے اور یہ واحدہ مونثہ غائبہ کا صیغہ ہے، الأرواح اس کا فاعل ہے اور ہبوب کے معنی ہوا وغیرہ کے چلنے کے ہیں۔

”الأرواح“ ریح کی جمع ہے، جو دراصل روح تھا، واؤ ساکنہ کا ماقبل چوں کہ مکسور ہے، اس لیے واؤ یاء سے بدل کر ریح بن گیا، کہ جمعیت اشیاء کو ان کے اصل کی طرف لوٹا دیتی ہے، البتہ ابن جنی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ریح کی جمع أریاح بھی آتی ہے (۴)۔

اور یہاں ارواح سے مراد ارواح النضر ہے، یعنی یہاں تک نصرت خداوندی کی ہوائیں چلنے لگیں، کما

مر قبل عن ابن بطل رحمہ اللہ (۵)۔

”وتحضر الصلوات“ کی مراد

یہاں روایت میں ”وتحضر الصلوات“ وارد ہوا ہے، جب کہ ابن ابی شیبہ کی روایت میں ”وتزول

(۱) حوالہ بالا، والفتح: ۲۶۵/۶، والعمدة: ۸۵/۱۵، والکواکب الدراری: ۱۲۹/۱۳، وإرشاد الساری: ۲۳۲/۵۔

(۲) شرح الکرماني: ۱۲۸/۱۳، وإرشاد الساری: ۲۳۲/۵۔

(۳) عمدة القاری: ۸۵/۱۵۔

(۴) حوالہ بالا، وفتح الباری: ۲۶۵/۶، وشرح القسطلانی: ۲۳۲/۵۔

(۵) شرح ابن بطل: ۳۳۵/۵۔

الشمس“ ہے (۱)، جو روایت بالمعنی ہے، کیوں کہ زوال شمس کے بعد ہی نماز ظہر کا وقت شروع ہوتا ہے (۲)۔

غزوہ نہاوند کا تتمہ

پیچھے گزر چکا کہ حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ اور دیگر بعض افراد نے حضرت نعمان رضی اللہ عنہ پر اعتراض کیا تھا کہ یہ قتال شروع نہیں کرتے؟ پھر اس پر اصرار بھی کیا، لیکن حضرت نعمان اپنی بات پر ڈٹے رہے اور جب زوال ہو گیا تو انہوں نے مسلمانوں کو نماز پڑھائی، پھر اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور ہر جھنڈے والوں (قبیلے) کے پاس گئے، انہیں صبر و ثبات قدمی پر ابھارا، پھر انہوں نے لشکر سے فرمایا کہ وہ پہلی تکبیر بلند فرمائیں گے تو لوگوں کو حملے کے لیے تیار ہو جانا چاہیے، دوسری تکبیر بلند کریں گے تو تیاری مکمل ہونی چاہیے کہ اس کے بعد کسی کو تیاری کا موقع نہیں دیا جائے گا، پھر تیسری تکبیر کے ساتھ ہی دشمن پر ہلہ بول دیا جائے، اس کے بعد حضرت نعمان رضی اللہ عنہ اپنی جگہ واپس تشریف لائے۔

دوسری طرف دشمن نے بھی زبردست تیاری کر رکھی تھی، چنانچہ انہوں نے ایک بہت بڑے لشکر اور کثیر اسلحے کے ساتھ صف بندی کی، ایرانی لشکر کے پچھلے حصے میں لوہے کی میخیں ڈال دی گئی تھیں کہ ان کے اپنے سپاہی فرار ہو سکیں نہ پیچھے ہٹ سکیں۔

اس کے بعد حضرت نعمان رضی اللہ عنہ نے پہلی تکبیر بلند کی، لوگ حملے کے لیے تیار ہونے لگے، انہوں نے دوسری تکبیر کہی اور اپنا جھنڈا لہرایا، لوگ تیار ہو چکے تھے، پھر تیسری تکبیر کہی تو سب نے مل کر یکبارگی دشمن پر حملہ کر دیا، حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کے ماتحت جو افراد تھے وہ دشمن پر اس طرح ٹوٹ پڑے جس طرح کہ شکار پر بھوکا عقاب ٹوٹ پڑتا ہے، ایسا گھمسان کا رن پڑا کہ بعد کی جنگوں میں اس کی مثال بہت کم ملتی ہے، زوال سے لے کر اندھیرا چھانے تک دشمن کے اتنے سپاہی کھیت ہوئے کہ ان کے خون نے زمین کو تر کر دیا کہ جانور اور سواریاں بھی اس میں پھسلنے لگیں۔

بعض لوگوں کے خیال کے مطابق حضرت نعمان رضی اللہ عنہ کا گھوڑا اسی خون میں پھسلا، جس کی وجہ سے وہ گر گیا اور کہیں سے ایک تیرا کر لگا، جس کی وجہ سے وہ شہید ہو گئے، ان کے بھائی حضرت سوید بن مقرن

(۱) المصنف: ۲۹۰/۱۸، کتاب البعوث والسرایا.....، رقم (۳۴۴۸۵)، وکذا فی مجمع الزوائد: ۲۱۶/۶۔

(۲) فتح الباری: ۲۶۵/۶، وعمدة القاری: ۸۵/۱۵۔

رضی اللہ عنہ (۱) کے علاوہ کسی کو ان کی شہادت کا علم نہیں ہوا، پھر انہوں نے ان کو چادر سے ڈھانپ دیا اور شہادت کی خبر چھپائی۔

اس کے بعد حضرت سوید نے جھنڈا قائم مقام امیر حضرت حذیفہ بن یمان کے حوالے کیا، حضرت حذیفہ نے حضرت سوید کو نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہم کی جگہ پر مقرر فرمایا اور انہیں نعمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر صورت حال کے واضح ہونے تک مخفی رکھنے کو کہا، تاکہ مسلم لشکر میں بددلی نہ پھیلے۔

جب رات کا اندھیرا چھانے لگا تو مشرکین پیٹھ پھیر کر بھاگنے لگے، جن کا مسلمانوں نے تعاقب کیا، یہ مشرکین اپنے ہی کھودے ہوئے گڑھوں میں گرے، دوران جنگ قتل ہونے کے علاوہ جو مشرکین ان گڑھوں وغیرہ میں گر کر ہلاک ہوئے، ان کی تعداد ایک لاکھ سے زائد بتائی جاتی ہے۔ ایرانی لشکر کا قائد بندار دوران جنگ گر گیا تھا، موقع پر وہاں سے بھاگنے لگا تو حضرت نعیم یا سوید نے اس کا تعاقب کیا اور حضرت قعقاع رضی اللہ عنہم سامنے سے آگئے تو وہ ایک پہاڑ پر چڑھ کر اس سے چمٹ گیا، آخر کار حضرت قعقاع بن عمرو کے ہاتھوں مارا گیا۔ اور مسلمانوں کو عظیم فتح حاصل ہوئی، غنیمت میں بہت زیادہ مال ہاتھ لگا، امیر لشکر حضرت حذیفہ نے قیدیوں اور مال غنیمت کا خمس حضرت سائب بن الأقرع کے ساتھ امیر المؤمنین کی طرف روانہ فرمایا، اس سے پہلے فتح کی خوش خبری لے کر حضرت طریف بن سہم رضی اللہ عنہم (۲) مدینہ منورہ روانہ ہو چکے تھے۔

یوں یہ شہر بھی اسلامی لشکر کے ہاتھوں فتح ہوا، مسلمان اس فتح کو ”فتح الفتوح“ سے موسوم کیا کرتے تھے (۳)۔

(۱) حضرت نعمان کے مذکورہ بھائی کے بارے میں اختلاف ہے کہ وہ کون تھے؟ بعض نے سوید، بعض نے نعیم اور بعض نے معقل نام لیا ہے۔ دیکھیے البدایہ والنہایہ: ۱۱۰/۷، وفتح الباری: ۲۶۶/۶۔

(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف جو صاحب بشارت لے کر گئے تھے ان کے بارے میں بھی اختلاف ہے کہ وہ کون تھے؟ حافظ ابن کثیر اور سیف نے طریف بن سہم کو بشیر قرار دیا ہے، جب کہ ابن ابی شیبہ کی روایت میں ابو عثمان نہدی کا نام آیا ہے، حافظ ابن حجر (رحمہم اللہ تعالیٰ) فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ دونوں حضرات مدینہ منورہ تشریف لے گئے ہوں۔ انظر فتح الباری: ۲۶۶/۶، البدایہ والنہایہ: ۱۱۰/۷۔

(۳) غزوہ نہاد کی تفصیل کے لیے دیکھیے، البدایہ والنہایہ: ۱۰۵/۷-۱۱۲، تاریخ الإسلام (اردو) نجیب اکبر آبادی: ۳۰۸/۱.....

حدیث سے مستنبط فوائد

① حدیث سے مشورہ کی فضیلت معلوم ہوتی ہے اور بڑے مرتبہ والا شخص اپنے سے کمتر سے مشورہ کرے تو اس میں کوئی حرج ہے، نہ اس میں بڑے کی توہین و تنقیص۔ نیز یہ کہ مفضل بھی کبھی کبھار افضل کا امیر ہوتا ہے، چنانچہ دیکھیے کہ حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ اس لشکر میں تھے، جس کے امیر حضرت نعمان بن مقرن تھے اور یہ بات متفق علیہ ہے کہ حضرت زبیر حضرت نعمان رضی اللہ عنہما سے افضل ہیں (۱)۔

② حدیث سے یہ بھی استفادہ ہوا کہ جنگ میں سب سے پہلے بڑے دشمن کا قصد کرنا چاہیے، جیسا کہ ہرمزان نے مشورہ دیا تھا کہ کسریٰ سے ابتدا کی جائے، کیونکہ طاقت ور کی جب جڑ کاٹ دی جائے گی تو کمزور خود بخود شکست تسلیم کر لے گا (۲)۔

③ حدیث سے حضرت نعمان کی منقبت اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہما کی امور حرب میں معرفت اور ان کی قوت نفس، بہادری، فصاحت اور بلاغت معلوم ہوتی ہے کہ حضرت مغیرہ نے بدار کے سامنے اس کے دربار میں جو خطبہ ارشاد فرمایا، وہ تھا تو مختصر، مگر بلیغ و پراثر۔ چنانچہ یہ خطبہ جس طرح ان کے دنیاوی احوال مثلاً کھانے پینے وغیرہ کے بیان پر مشتمل ہے، اسی طرح اس میں ان کی دینی کیفیت کا جو اسلام سے پہلے تھی اور جو قبول اسلام کے بعد ہوئی، اس کا بھی بیان ہے، نیز اس میں ان کے معتقدات مثلاً توحید، رسالت اور ایمان بالمعاد کا بیان بھی ہے، اسی طرح مذکورہ خطبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات، پیشین گوئیوں، پھر ان پیشین گوئیوں کے بارے نبی علیہ السلام نے جو فرمایا تھا، اسی طرح واقع ہونے کے بیان پر بھی مشتمل ہے (۳)۔

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

کتاب کے شروع میں مؤلف علیہ الرحمۃ نے جو عنوان قائم کیا تھا وہ ”الجزية والموادعة“ کا تھا، چنانچہ باب کی یہ آخری حدیث موادعہ یعنی مصالحت سے متعلق ہے، چنانچہ حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ نے لڑائی میں جو تاخیر کی، نصرت کی ہواؤں اور زوال شمس کا جو انتظار فرمایا یہ موادعہ تھا کہ مصالحت کے امکان کو

(۱) فتح الباری: ۲۶۶/۶، وشرح ابن بطلال: ۳۳۴/۵، وعمدة القاری: ۸۵/۱۵۔

(۲) حوالہ جات بالا۔

(۳) الفتح: ۲۶۶/۶، والکرماني: ۱۲۸/۱۳، وعمدة القاری: ۸۵/۱۵، وإرشاد الساری: ۲۳۲/۵۔

مد نظر رکھ کر انہوں نے زوالِ شمس تک لڑائی کو نہ چھیڑا، موادعہ کے معنی ہی یہ ہیں کہ دشمن پر فتح یاب ہونے سے قبل قتال کو شروع نہ کرنا اور اسے چھوڑے رکھنا، اس امکان کو سامنے رکھتے ہوئے کہ جنگ ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی (۱)۔

اسی طرح ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث اس جملے سے بھی ہو سکتی ہے ”حتیٰ تعبدوا اللہ أو تؤدوا الجزیة“ کہ اس میں جزیہ کا ذکر ہے۔ جو ترجمہ کا پہلا حصہ ہے، لیکن اس صورت میں اشکال یہ ہوگا کہ پھر تو ”الموادعہ“ کا ذکر بیکار اور فضول ہوا، کیوں کہ باب کی دیگر جو حدیثیں گزریں، ان سب میں ترجمہ اور حدیث کا تعلق لفظ ”جزیہ“ سے تھا، یہاں بھی اگر لفظ ”جزیہ“ سے تعلق ہوا تو الموادعہ سے کس حدیث کا تعلق ہے؟ اگر کسی حدیث کا تعلق ورابطہ نہیں، تو اس کے ذکر کا کیا فائدہ؟

غالباً اسی چیز کو مد نظر رکھ کر شرح نے پہلی توجیہ ذکر کی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

۲ - باب : إِذَا وَاذَعَ الْإِمَامُ مَلِكَ الْقَرْيَةِ ، هَلْ يَكُونُ ذَلِكَ لِبَقِيَّتِهِمْ ؟

ترجمۃ الباب کا مقصد

اس باب کے تحت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ ایک اور مسئلے کو ذکر کرنا چاہتے ہیں، وہ یہ کہ خلیفہ وقت اگر کسی گاؤں یا شہر کے والی یا بادشاہ سے صلح کرے تو کیا یہ صلح اس گاؤں اور شہر والوں کو بھی شامل ہوگی یا نہیں؟ اور اس کی رعایا وغیرہ لوگ اس صلح کے تحت داخل ہوں گے یا نہیں؟

جواب استفہام یہاں محذوف ہے، یعنی ”یکون“ کہ یہ صلح اس کی رعایا کے افراد کو بھی شامل ہوگی (۲)۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ مسئلے پر حضرت ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ کی حدیث بطور دلیل پیش کی ہے، جس میں صراحت تو یہ امر مذکور نہیں، البتہ اس حدیث کے بعض طرق میں اس کی تصریح موجود ہے اور غالباً اسی کی طرف امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی معروف عادت کے موافق اشارہ کیا ہے، چنانچہ ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ ”السیرہ“ میں فرماتے ہیں:

(۱) المتواری علی تراجم أبواب البخاری: ۱۹۷، وعمدة القاری: ۸۲/۱۵.

(۲) عمدة القاری: ۸۵/۱۵، وتحفة الباری: ۵۶۶/۳.

”لما انتهى رسول الله صلى الله عليه وسلم إلى تبوك، أتاه يُحَنَّةُ (۱) بن رُؤبة، صاحب أيلة، فصالح رسول الله صلى الله عليه وسلم، وأعطاه الجزية، فكتب رسول الله صلى الله عليه وسلم لهم كتابا، فهو عندهم، فكتب ليُحَنَّة بن رُؤبة:

بسم الله الرحمن الرحيم، هذه أمانة من الله ومحمد النبي صلى الله عليه وسلم رسول الله ليحنة بن رُؤبة وأهل أيلة، سفنهم وسيارتهم في البر والبحر: لهم ذمة الله، وذمة محمد النبي، ومن كان معهم من أهل الشام، وأهل اليمن، وأهل البحر، فمن أحدث منهم حدثا؛ فإنه لا يحول ماله دون نفسه، وإنه طيب لمن أخذه من الناس، وإنه لا يحل أن يُمنعوا ماءً يردونه، ولا طريقا يردونه، من بر أو بحر“ (۲).

یعنی: ”جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک پہنچے تو یحنا (یوحنا) بن روبہ، ایلہ کا والی، آپ کے پاس آیا، سو اس نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مصالحت کی اور جزیہ خدمت اقدس میں پیش کیا..... رسول اللہ ﷺ نے ان کو ایک تحریر لکھ کر دی، جو ان کے پاس موجود ہے، آپ ﷺ نے یحنا بن روبہ کو جو تحریر لکھ کر دی اس کا مضمون یہ تھا:

بسم الله الرحمن الرحيم، ایلہ کے والی اور اس کے باشندوں کے لیے اللہ تعالیٰ اور محمد النبی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ امان نامہ ہے، ان کی کشتیوں اور گاڑیوں کے لیے، خشکی اور سمندر دونوں میں، ان کے لیے اللہ تعالیٰ اور محمد النبی کا ذمہ ہے اور ان کے لیے بھی جو ان کے ساتھ شامیوں، یمنیوں اور سمندروالوں میں سے ہیں ان میں سے جو کوئی نیا کام کرے گا (یعنی معاہدہ کی خلاف ورزی کرے گا) تو اس کا مال اس کی ذات کے لیے

(۱) بیاء مثناة تحتانية مضمومة، بعدها حاء مهملة مفتوحة، ثم نون مشددة مفتوحة، وآخره هاء.

(۲) السيرة النبوية لابن هشام: ۲/۴-۵۲۶، غزوة تبوك، في رجب سنة تسع، وشرح ابن بطال:

۳۳۶/۵، وفتح الباري: ۶/۲۶۷، وعمدة القاري: ۱۵/۸۶، وإرشاد الساري: ۵/۲۳۳.

مانع و حائل نہیں بنے گا، حتیٰ کہ جو کوئی شخص اسے لے لے وہ اس کے لیے حلال ہوگا۔ اور یہ بھی حلال نہیں ہے کہ پانی کے کسی بھی گھاٹ یا چشمہ پر آنے سے ان کو روکا جائے، نہ یہ روا ہے کہ وہ کسی راستے کو اختیار کریں تو ان کو منع کیا جائے، خواہ خشکی کا راستہ ہو یا سمندر کا۔“

اس سے استدلال کر کے جمہور علماء نے کہا ہے کہ کسی بادشاہ یا والی کے ساتھ صلح اس کی تمام رعایا اور علاقوں کو شامل ہوگی، کیوں کہ جب اس نے صلح کی درخواست پیش کی تو گویا اس نے اپنے نفس، اپنی رعایا اور اپنے زیر نگین علاقوں کے لیے صلح کی درخواست کی، کہ یہ سب محفوظ و مامون ہوں۔ علامہ ابن بطل رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”والعلماء مجمعون على أن الإمام إذا صالح ملك القرية أنه يدخل في ذلك الصلح بقيتهم؛ لأنه إنما صالح على نفسه، ورعيته، ومن يلي أمره، وتشتمل عليه بلده وعمله، ألا ترى أن في كتاب النبي تأمين ملك أيلة وأهل بلده“ (۱)۔

البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اگر بادشاہ کسی مخصوص و متعین جماعت کے لیے صلح کی درخواست کرے کہ اس مخصوص جماعت کو امان دی جائے تو اس میں بادشاہ بھی داخل ہوگا یا نہیں؟ چنانچہ جمہور کا مسلک تو یہی ہے کہ اس صورت میں وہ بادشاہ اس صلح و امان میں داخل نہیں ہوگا، جب تک کہ اپنی تعین نہ کرے، اس کی دلیل یہ حضرات یہ دیتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں اشعث بن قیس کچھ لوگوں کے ہمراہ مرتد ہو کر ایک محل میں قلعہ بند ہو گئے، پھر انہوں نے ستر آدمیوں کے لیے امان طلب کی، جو خلیفہ اول نے دے دی، چنانچہ وہ محل سے نکلے اور ستر آدمی گنوائے اور اپنے آپ کو ان میں شامل نہیں کیا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا، تمہارے لیے امان نہیں ہے، ہم تو تمہیں قتل کریں گے، اس پر اشعث نے اسلام قبول کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ سے نکاح کیا (۲)۔

اسی طرح حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے جب تستر یا سوس کا محاصرہ کیا تو ان کے امیر نے کہا

(۱) شرح ابن بطل: ۳۳۶/۵، وفتح الباری: ۲۶۷/۶۔

(۲) شرح ابن بطل: ۳۳۷/۵، والمتواری: ۱۹۸۔

کہ آپ میرے سوساتھیوں کو پناہ دے دیں تو میں قلعہ کا دروازہ آپ کے لیے کھول دوں؟ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اس کی بات منظور کر لی، چنانچہ وہ اپنے سوساتھیوں کو الگ کرنے اور انہیں شمار کرنے لگا، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ (دل ہی دل میں) کہنے لگے، اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ مجھے اس پر قابو دیں گے اور سوا افراد کو شمار کرنے کے بعد یہ اپنے آپ کو بھول جائے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس نے سو بندے گنے، انہیں الگ کیا اور اپنے کو بھول گیا، حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے اس کو گرفتار کر لیا تو وہ کہنے لگا کہ آپ نے تو مجھے امان دی تھی؟ حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے تمہیں کوئی امان نہیں دی، سنو! اللہ تعالیٰ نے مجھے تم پر کسی دھوکے کے بغیر قابو دیا ہے، پھر اس کی گردن اڑادی (۱)۔

ائمہ کی اکثریت ان واقعات سے استدلال کرتے ہوئے یہی کہتی ہے کہ بادشاہ یا امیر کا اپنے کو نامزد کرنا ضروری ہے، ورنہ اس مخصوص جماعت میں وہ داخل نہیں ہوگا۔

لیکن مالکیہ میں سے امام اصبح و امام سخون کا قول یہ ہے کہ اپنے کو نامزد کرنا ضروری ہے نہ اس کی حاجت، بلکہ اس پر قرینہ کافی ہوگا، کیوں کہ بادشاہ جب دوسروں کے لیے امان طلب کر رہا ہے تو لامحالہ وہ اپنے کو بھی اس میں شامل کر رہا ہے اور اس کا مقصود یہی ہے کہ امان اس کو بھی حاصل ہو (۲)۔ واللہ اعلم بالصواب

۲۹۹۰ : حَدَّثَنَا سَهْلُ بْنُ بَكَّارٍ : حَدَّثَنَا وَهَيْبٌ ، عَنْ عَمْرِو بْنِ يَحْيَى ، عَنْ عَبَّاسِ السَّاعِدِيِّ ، عَنْ أَبِي حُمَيْدٍ السَّاعِدِيِّ قَالَ : غَزَوْنَا مَعَ النَّبِيِّ ﷺ تَبُوكَ ، وَأَهْدَى مَلِكُ أَيْلَةَ لِلْنَّبِيِّ ﷺ بَغْلَةً بَيْضَاءَ ، وَكَسَاهُ بُرْدًا ، وَكَتَبَ لَهُ بِبَحْرِهِمْ . [ر : ۱۴۱۱]

تراجم رجال

۱- سہل بن بکار

یہ ابو بشر سہل بن بکار دارمی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۳)۔

(۱) شرح ابن بطلال : ۳۳۶/۵۔

(۲) شرح ابن بطلال : ۳۳۷/۵۔

(۳) قولہ : ”عن أبي حميد الساعدي رضي الله عنه“ : الحديث ، مرّ تخريجہ فی الزکاة ، باب خرص التمر .

(۴) ان کے حالات کے لیے دیکھیے ، کتاب الزکاة ، باب خرص التمر .

۲- وہیب

یہ وہیب بن خالد بن عجلان بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۳- عمرو بن یحییٰ

یہ عمرو بن یحییٰ بن عمارۃ مازنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان دونوں حضرات کے مختصر حالات کتاب الایمان، ”باب من کره أن يعود في الكفر.....“ کے تحت گزر چکے (۱)۔

۴- عباس الساعدي

یہ عباس بن سہل ساعدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

۵- ابو حمید الساعدي

یہ ابو حمید عبدالرحمن الساعدی رضی اللہ عنہ ہیں (۳)۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت ابو حمید الساعدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوہ تبوک میں شرکت کی اور ایلہ (۴) کے بادشاہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک سفید خجری ہدیہ میں پیش کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دھاری دار چادر مرحمت فرمائی اور اس کو ان کے سمندری علاقوں کے بارے میں امان لکھ کر دی۔

یہ ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے، جو کتاب الزکوٰۃ میں گزر چکی (۵)، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب کی

(۱) دیکھیے، کشف الباری: ۱۱۵/۲-۱۱۸۔

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الزکاة، باب خرص التمر۔

(۳) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الصلاة، باب فضل استقبال القبلة۔

(۴) قال ابن قرقول: ”هي مدينة بالشام على النصف ما بين طريق مصر ومكة، على شاطئ البحر، من بلاد الشام“۔ انظر عمدة القاري: ۸۶/۱۵۔

(۵) صحيح البخاري، كتاب الزکاة، باب خرص التمر، رقم (۱۴۸۱)۔

مناسبت سے اس کا ایک حصہ یہاں ذکر فرمایا ہے۔

وکسہا بردا

تمام نسخوں میں واو کے ساتھ ”وکسہا“ ہے، جب کہ ابوذر کے نسخے میں فاء کے ساتھ ”فکسہا“ ہے اور یہی اولیٰ ہے، کیوں کہ فعل ”کسہا“ کا فاعل نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ اگر واو کے ساتھ ”وکسہا“ کہا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ ملک ایلہ نے خجری بھی دی اور چادر بھی، جب کہ یہ غلط ہے، وہ اس لیے کہ اس نے صرف خجری ہدیہ میں دی تھی، جواب میں نبی علیہ السلام نے اس کو چادر بطور ہدیہ مرحمت فرمائی اور اس کے علاقوں اور رعایا کے لیے امان بھی لکھ کر دی۔ اور اگر فاء کے ساتھ ”فکسہا“ کہا جائے تو مطلب بالکل واضح ہے کہ بادشاہ کا فعل خجری ہدیہ کرنا تھا اور نبی علیہ السلام کا چادر ہدیہ کرنا اور امان لکھ کر دینا اور یہی صحیح بھی ہے (۱)۔

بحر سے کیا مراد ہے؟

یہاں ”بہرہم“ میں بحر سے مراد قریہ یا بلد ہے، چوں کہ یہ ساحل سمندر پر رہتے تھے، اس لیے ان کے شہر یا گاؤں کو بحر سے تعبیر کر دیا ہے اور مقصود اس کی رعایا اور اس کے علاقے ہیں (۲)۔

علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس ”بہرہم“ کا ترجمہ ان الفاظ سے کیا ہے: ”وہ بستی جو دریا کے کنارے پر ہو“ (۳)۔

مدینہ منورہ بھی چوں کہ بحر کے قریب ہے، اس لیے حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے اس پر بحیرہ کا اطلاق کیا اور فرمایا تھا کہ

”لقد اصطلح أهل هذه البحيرة على أن يتوجوه، فيعصبونه بالعصابة،

فلما أبى الله ذلك بالحق الذي أعطاك الله شرق بذلك.....“ (۴)۔

(۱) فتح الباری: ۲۶۶/۶، وعمدة القاری: ۸۶/۱۵، وشرح القسطلانی: ۲۳۳/۵۔

(۲) فتح الباری: ۲۶۷/۶، وعمدة القاری: ۸۶/۱۵، وشرح القسطلانی: ۲۳۳/۵۔

(۳) فیض الباری: ۴۷۴/۳۔

(۴) صحیح البخاری، کتاب التفسیر، باب: ﴿وَلِتَسْمَعَنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ﴾.....، رقم (۴۵۶۶)، =

کہ اہل مدینہ نے یہ طے کیا ہوا تھا کہ عبداللہ بن ابی ابن سلول کی تاج پوشی و دستار بندی کی جائے گی، اس کو اپنے علاقے کا چودھری مقرر کیا جائے گا، آپ کے آنے کے بعد وہ سارا قصہ ختم ہو گیا، اس کی سیادت کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا، اس کا اچھو اس کے گلے میں لگا ہوا ہے اور وہ پھندا اس کے حلق میں پھنسا ہوا ہے، اس کی وجہ سے یہ اس قسم کی شرارتیں کرتا ہے۔

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

علامہ ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بخاری شریف کی روایت میں صیغہ امان ہے، نہ صیغہ طلب کہ بادشاہ نے امان طلب کی ہو، لیکن اس کے باوجود امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اپنی عادت کی بنا پر حدیث باب سے مذکورہ استدلال کیا کہ بادشاہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جو ہدیہ پیش کیا، اس کا مقصد اس کے ذریعے اپنی حکومت کی بقا کی درخواست پیش کرنا تھا اور اس کی حکومت کی بقا تب ہی ممکن تھی، جب کہ اس کی رعایا بھی باقی ہو، نتیجہ یہی نکلا کہ اس کی مصالحت رعایا کے لیے تھی (۱)۔ یہی مقصد ترجمہ بھی ہے۔

علامہ ابن المنیر کی اس توضیح کو علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہا نے اختیار کیا ہے (۲)۔ جب کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث کی ترجمہ کے ساتھ مطابقت کے لیے اتنی بات کافی نہیں، کیوں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی معروف عادت کے مطابق حدیث ذکر کیے بغیر بھی اپنا یہ مدعی حاصل کر سکتے تھے۔

درحقیقت امام بخاری علیہ الرحمۃ نے اپنی ایک اور عادت کے مطابق یہاں طریقہ اختیار کیا ہے کہ وہ کبھی حدیث کو ذکر فرما کر اس کے دیگر طرق کی طرف اشارہ فرماتے ہیں، یہاں بھی انہوں نے سیرۃ ابن اسحاق کی ایک روایت کی طرف اشارہ کیا ہے، جو ابھی ماقبل میں گزری، جس میں اس امر کی صراحت ہے کہ ملک ایلہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مصالحت کی اور جزیہ دیا تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک تحریر دی، جس میں ان کو امان دینے کی صراحت کی گئی تھی (۳)۔ واللہ اعلم بالصواب

= والقصة رواها ابن هشام أيضاً، ولكن لا يوجد فيها هذه اللفظة - أعني البحيرة -، انظر سيرته: ۵۸۸/۳/۲،

خروج قوم ابن أبي عليه وغضب الرسول

(۱) فتح الباري: ۲۶۷/۶.

(۲) عمدة القاري: ۸۶/۱۵.

(۳) فتح الباري: ۲۶۷/۶، وأيضاً إرشاد الساري: ۲۳۳/۵.

۳ - باب : الْوَصَايَا بِأَهْلِ ذِمَّةِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ .
وَالذِّمَّةُ : الْعَهْدُ ، وَالْإِلَالُ : الْقَرَابَةُ .

ترجمة الباب کا مقصد

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن غیر مسلموں سے عہد کر رکھا تھا، خواہ کسی بھی قسم کا عہد ہو، ان کے ساتھ بھلائی کا معاملہ رکھنا چاہیے، بلا وجہ انہیں تنگ نہ کرنا چاہیے اور نبی علیہ السلام کے عہد کی پاسداری کرنی چاہیے۔

الوصاة کے معنی

الوصاة - بفتح الواو، والمهملة مخففا - وصیت کے معنی میں ہے اور وصیت کے مختلف معانی ہیں، جن میں سے ایک معنی کسی کی خیر خواہی و بھلائی چاہنے کے ہیں (۱)۔

الذمة اور الال کے معنی

پھر اس کے بعد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب کے تحت دو کلمات کے معنی بیان کیے ہیں، جیسا کہ ان کی عادت ہے کہ حدیث میں وارد کوئی لفظ قرآن کریم میں بھی آیا ہو تو اس کی وضاحت و تفسیر کرتے ہیں، پہلا کلمہ ”الذمة“ ہے، دوسرا ”الال“۔

پہلے کلمہ کے معنی انہوں نے عہد، دوسرے کے قرابت کے کیے ہیں، جو امام ضحاک کی اختیار کردہ تفسیر ہے، چنانچہ انہوں نے قرآن کریم کی آیت ﴿لَا يَرْقُبُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلَّا وِلاَ ذِمَّةً﴾ (۲) کی تفسیر انہی کلمات سے کی ہے (۳)۔

”الذمة“ کے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ معنی کے علاوہ اور معنی بھی آتے ہیں، مثلاً: امان، ضمان، حرمت اور حق وغیرہ۔ اہل ذمہ کو بھی ذمی اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے عہد و امان میں داخل

(۱) فتح الباری: ۶/۲۶۷۔

(۲) التوبة/۱۰۔

(۳) فتح الباری: ۶/۲۶۷، وروح المعاني: ۱۰/۳۴۹، سورة التوبة، الآية: ۹۔

ہو جاتے ہیں (۱)۔

اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ ”اللال“ کا اطلاق بعض اوقات عہد اور جوار پر بھی ہوتا ہے (۲)۔

۲۹۹۱ : حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ : حَدَّثَنَا أَبُو جَمْرَةَ قَالَ : سَمِعْتُ جُوَيْرِيَةَ ابْنَ قَدَامَةَ التَّمِيمِيَّ قَالَ : سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ (۳) : قُلْنَا : أَوْصِنَا يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ ، قَالَ : أَوْصِيَكُمْ بِذِمَّةِ اللَّهِ ، فَإِنَّهُ ذِمَّةُ نَبِيِّكُمْ ، وَرِزْقُ عِيَالِكُمْ . [ر : ۱۳۲۸]

تراجم رجال

۱- آدم بن ابی ایاس

یہ ابوالحسن آدم بن ابی ایاس عبدالرحمن عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲- شعبہ

یہ امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ بن حجاج عتکی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دو حضرات کے حالات کتاب الإیمان، ”باب المسلم من سلم المسلمون“ کے تحت گزر چکے (۴)۔

۳- ابو جمرۃ

یہ ابو جمرۃ نصر بن عمران بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، ”باب أداء الخمس من الإیمان“ کے تحت آچکا (۵)۔

۴- جویریہ بن قدامہ التمیمی

یہ جویریہ بن قدامہ بن مالک بن زہیر تمیمی سعدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۶)۔

(۱) عمدة القاري: ۸۶/۱۵، وروح المعاني: ۳۵۰/۱۰.

(۲) فتح الباري: ۲۶۷/۶.

(۳) قوله ”سمعت عمر“ رضي الله عنه: الحديث، تفرد به البخاري، انظر تحفة الأشراف: ۱۹/۸.

(۴) كشف الباري: ۶۷۸/۱.

(۵) كشف الباري: ۷۰۱/۲.

(۶) إكمال مغلطاي: ۲۶۱/۳، رقم (۱۰۳۶).

اکثر ائمہ رجال نے ان کو تابعی قرار دیا ہے اور کبار تابعین میں ان کا شمار کیا ہے (۱)۔

ان کے علاوہ ایک اور شخصیت ہے، جن کا نام جاریہ بن قدامہ ہے، یہ حضرت علی کے ساتھیوں میں سے

تھے اور یہ صحابی ہیں (۲)۔

اکثر ائمہ رجال ان دونوں شخصیات میں تفریق کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جاریہ الگ شخصیت ہے اور

جویریہ الگ شخصیت، راجح قول کے مطابق پہلے صحابی ہیں، جب کہ دوسرے تابعی۔

لیکن حافظ ابن حجر و حافظ مغلطائی رحمہما اللہ وغیرہ کا رجحان اس جانب ہے کہ ایک ہی شخصیت کے یہ دو

نام ہیں، یا جاریہ نام ہے جویریہ لقب، بہر حال الگ الگ شخصیات نہیں اور یہ صحابی ہیں (۳)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے موقف پر یہ استدلال پیش کیے ہیں:

❶ جویریہ تمیمی ہیں اور جاریہ بھی تمیمی ہیں، اس لیے اس امر میں کوئی استبعاد نہیں کہ یہ دونوں شخصیات ایک

ہی ہوں۔

❷ مصنف ابن ابی شیبہ (۴) کی روایت میں جویریہ کی بجائے جاریہ کی صراحت ہے اور حدیث دونوں کی

ایک ہی ہے اور دونوں سے یہ حدیث ابو جمرہ روایت کرتے ہیں، اس سے بھی متبادریہی ہوتا ہے کہ یہ دونوں نام

ایک شخصیت کے ہیں (۵)۔ واللہ اعلم۔

جویریہ بن قدامہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں۔

اور ان سے روایت کرنے والے بھی صرف ابو جمرہ نصر بن عمران رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۶)۔

بخاری شریف میں ان کا ذکر صرف حدیث باب کے تحت آیا ہے، باقی ائمہ خمسہ نے ان سے روایت

(۱) الجرح والتعديل: ۴۶۳/۲، والثقات: ۱۶۶/۴، وتهذيب الكمال: ۱۷۴/۵، وفتح الباري: ۲۶۷/۶.

(۲) تهذيب الكمال: ۸۰/۴، رقم (۸۸۶).

(۳) الإصابة: ۲۱۸/۱، وفتح الباري: ۲۶۷/۶، وتهذيب التهذيب: ۱۲۵/۲.

(۴) المصنف لابن أبي شيبة: ۵۹۳/۲۰، كتاب المغازي، رقم (۳۸۲۱۸)، وتعليقات تهذيب الكمال:

۱۷۶/۵.

(۵) تهذيب التهذيب: ۱۲۵/۲، رقم (۲۰۳).

(۶) تهذيب الكمال: ۱۷۵/۵.

نہیں کی (۱)۔ رضی اللہ عنہ وأرضاه۔

۵- عمر بن الخطاب

یہ خلیفہ ثانی، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کے حالات ”بدء الوحي“ کی پہلی حدیث کے تحت گزر چکے ہیں (۲)۔

حدیث باب کا ترجمہ

ہم نے کہا، امیر المؤمنین! ہمیں بھلی بات کہیے (اور وصیت کیجیے) فرمایا، میں تم لوگوں کو اللہ کے عہد کے ساتھ بھلائی و خیر خواہی کی وصیت کرتا ہوں، کیوں کہ یہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد اور تمہارے اہل و عیال کے رزق کا سبب ہے۔

حدیث کی مزید تفصیل

یہاں امام بخاری علیہ الرحمۃ نے جو روایت ذکر کی، وہ انتہائی مختصر ہے اور باب سے مناسبت کی بنا پر اسی کے ذکر پر انہوں نے اکتفا فرمایا ہے، مکمل حدیث امام جمال الدین مزی رحمۃ اللہ علیہ نے ”تہذیب الکمال“ میں نقل فرمائی ہے، جویریہ بن قدامہ فرماتے ہیں:

”حججتُ، فمررتُ بالمدينة، فخطب عمر، فقال: إني رأيت الليلة ديكاً نقر في نقرة أو نقرتين، فما كان إلا جمعة أو نحوها حتى أصيب، قال: وأذن لأصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، ثم لأهل المدينة، ثم أذن لأهل الشام، ثم أذن لأهل العراق، قال: وكنا آخر من دخل، قال: فكلما دخل قوم بكوا وأثنوا. قال: وكنت فيمن دخل فإذا عمامة أو برد أسود قد عصب على طعنته، وإذا الدماء تسيل، قال: فقلنا: أوصنا، ولم يسأله الوصية أحد غيرنا، قال: أوصيكم بكتاب الله؛ فإنكم لن تضلوا ما اتبعتموه، قال: قلنا: أوصنا،

(۱) تہذیب الکمال: ۱۷۶/۵، وإكمال مغلطاي: ۲۶۱/۳، رقم (۱۰۳۶)۔

(۲) کشف الباری: ۲۳۹/۱۔

قال: أوصيكم بالمهاجرين؛ فإن الناس سيكثرون ويقلون، وأوصيكم بالأنصار؛ فإنهم شعب الإسلام الذي لجأ إليه، وأوصيكم بالأعراب؛ فإنهم أصلكم ومادتكم، ثم سأله بعد ذلك، قال: إنهم إخوانكم وعدو عدوكم، وأوصيكم بذمتكم؛ فإنها ذمة نبيكم، ورزق عيالك، قوموا عني، فما زاد على هؤلاء الكلمات“ (۱).

یعنی: ”میں مناسک حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ گیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور کہا کہ میں نے رات کو خواب میں ایک مرغے کو دیکھا کہ اس نے مجھے ایک یاد دھونگیں ماریں، اس کے بعد تقریباً ایک ہفتہ گزرا تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ زخمی ہو گئے، راوی کہتے ہیں کہ امیر المؤمنین نے اولاً صحابہ کرام، پھر اہل مدینہ کو ملاقات کی اجازت دی، پھر اہل شام کو، پھر اہل عراق کو اور سب سے آخر میں ان سے ملاقات کرنے والے ہم تھے، جب بھی کوئی قوم ملاقات کی غرض سے داخل ہوتی تو وہ رونے لگتی اور ان کی تعریفیں کرتی۔ راوی کہتے ہیں کہ ملاقاتیوں میں، میں بھی شامل تھا، داخل ہوا تو دیکھا کہ ان کے زخم پر عمامے یا سیاہ چادر سے پٹی باندھی گئی تھی اور زخم سے خون بہہ رہا تھا، ہم نے ان سے گزارش کی کہ وصیت کیجیے، یہ درخواست ہمارے علاوہ اور کسی نے نہیں کی تھی، امیر المؤمنین نے فرمایا، میں تمہیں کتاب اللہ کے ساتھ بھلائی کی وصیت کرتا ہوں، کیوں کہ جب تک تم لوگ اس کی اتباع کرو گے، گمراہ نہ ہو گے، ہم نے کہا اور فرمائیے، فرمایا، میں تمہیں مہاجرین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی وصیت کرتا ہوں، کیوں کہ لوگ تو بڑھتے جائیں گے، لیکن یہ مہاجرین کم ہو جائیں گے اور انصار کے ساتھ بھلائی کا حکم کرتا ہوں کہ یہ حضرات اسلام کی وہ گھاٹی ہیں جس کی طرف اسلام نے پناہ لی ہے اور بدویوں کے ساتھ

(۱) تہذیب الکمال: ۱۷۵/۵-۱۷۶، وأخرج أوله الإمام البخاري في تاريخه: ۲/۲۴۱، رقم (۲۳۲۵)،

ومثله عند ابن أبي شيبة في مصنفه: ۲۰/۵۹۳، كتاب المغازي، ماجاء في خلافة عمر بن الخطاب رضي

الله عنه، رقم (۳۸۲۱۸).

بھلائی کا کہتا ہوں، کیوں کہ یہی تمہاری اصل و بنیاد ہیں، تمہارے بھائی ہیں اور تمہارے دشمنوں کے دشمن ہیں، نیز میں تمہیں اہل ذمہ کے ساتھ خیر خواہی کا حکم کرتا ہوں، کیوں کہ یہ تمہارے نبی (علیہ السلام) کا عہد ہیں اور تمہارے اہل و عیال کے لیے رزق فراہم کرنے کا سبب بنتے ہیں، آخر میں امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اب یہاں سے اٹھ جاؤ۔ اس کے بعد مزید کوئی بات نہیں کی۔

فائدہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت کا یہ واقعہ حضرت عمرو بن میمون اودی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی مروی ہے (۱) جس میں حدیث باب کے الفاظ ”أوصيكم بذمة الله؛ فإنه ذمة نبيكم ورزق عيالكُم“ کے بجائے یہ الفاظ منقول ہیں:

”وأوصيه بذمة الله تعالى، وذمة رسوله صلى الله عليه وسلم أن يوفي لهم بعهدهم، وأن يقاتل من ورائهم، ولا يكلفوا إلا طاقتهم“.

”اور (میرے بعد آنے والے) خلیفہ کو یہ وصیت بھی کرتا ہوں کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کا خیال رکھیں کہ ان کے عہد کی پاسداری کریں، ان کے لیے لڑا جائے اور ان کی قوت و استطاعت سے زائد ان کو مکلف نہ بنایا جائے۔“

چنانچہ اس حدیث کے مذکورہ بالا حصے سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے کہ اہل جزیرہ سے اسی قدر جزیرہ وصول کیا جائے، جس کی وہ قوت و طاقت رکھتے ہوں اور اس معاملے میں ان کے ساتھ زیادتی اور ظلم روا نہ رکھا جائے (۲)۔

”ورزق عيالكُم“ کا مطلب

حدیث باب کے الفاظ ”ورزق عيالكُم“ کا مطلب یہ ہے کہ ان اہل ذمہ و اہل خراج سے جو رقم وصول کی جاتی ہے، وہ تمہارے اہل و عیال کے لیے رزق بنتا ہے اور اس کے ذریعے تم ان کی ضروریات کا

(۱) صحيح البخاري، كتاب فضائل أصحاب النبي ﷺ، قصة البيعة، رقم (۳۷۰۰).

(۲) فتح الباري: ۶/۲۶۷.

بندوبست کرتے ہو (۱)۔

ترجمۃ الباب سے مناسبت حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب سے مناسبت واضح ہے کہ ترجمہ اہل ذمہ کے ساتھ خیر خواہی و بھلائی اختیار کرنے کا تھا اور حدیث میں بھی یہی بات ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہل ذمہ کے ساتھ خیر خواہی کی وصیت کی تھی۔

۴ - باب : مَا أَقْطَعَ النَّبِيُّ ﷺ مِنَ الْبَحْرَيْنِ ، وَمَا وَعَدَ مِنْ مَالِ الْبَحْرَيْنِ وَالْجَزِيَّةِ ، وَلَمَنْ يُقَسِّمُ الْفَيْءَ وَالْجَزِيَّةَ .

ترجمۃ الباب کی توضیح و مقاصد

یہ ترجمۃ الباب تین اجزا پر مشتمل ہے، ان تینوں اجزا میں مولف علیہ الرحمۃ نے تین مختلف احکام بیان کیے ہیں اور انہی احکام کی ترتیب سے تین حدیثیں بھی انہوں نے ذکر کی ہیں (۲)۔
چنانچہ پہلی حدیث کا تعلق پہلے حکم سے، دوسری کا دوسرے سے اور تیسری کا تیسرے سے ہے۔
ترجمۃ الباب کا پہلا جز ”مَا أَقْطَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْبَحْرَيْنِ“ ہے۔

”إقطاع“ کے لغوی و اصطلاحی معنی

”أقطع“ باب افعال سے ماضی مذکر کا صیغہ ہے، کہا جاتا ہے ”أقطع فلانا أرضاً“ یعنی کسی کو زمین دینا، اس کے نام الاٹ کرنا (۳)۔

اصطلاح شرع میں خلیفہ وقت کی جانب سے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مال میں سے کسی کو کچھ دینا ”إقطاع“ کہلاتا ہے، لیکن اس کا اکثر استعمال کسی کو بطور جاگیر، زمین دینے پر ہوتا ہے۔

اب خلیفہ کی مرضی ہے کہ جس کو جاگیر عطا کر رہا ہے، اس کو اس جاگیر کا مالک بنادے کہ وہ اس کو آباد

(۱) حوالہ بالا، والکرمانی: ۱۳۰/۱۳۔

(۲) فتح الباری: ۲۶۸/۶، وعمدة القاری: ۸۶/۱۵۔

(۳) القاموس الوحید، مادة: ”قطع“۔

کرے یا ایک مخصوص مدت کے لیے اس شخص کے حوالے کر دے، چنانچہ یہ جاگیر عطا کرنا کبھی تو بطور تملیک کے ہوتا ہے اور کبھی بغیر تملیک۔

اسی سے فوجی بھی ”مُقْطَعِین“ کہلاتے ہیں، یعنی جاگیر دار (۱)۔

اور امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہاں اس فعل کے جواز کو بتلانا ہے کہ خلیفہ کسی بھی اہل شخص کو زمین بطور جاگیر عطا کر سکتا ہے۔

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بحرین کی زمینوں کو جاگیر بنانا، باب کی پہلی حدیث سے ثابت ہے کہ نبی علیہ السلام نے اس کا ارادہ کیا تھا اور انصار سے کئی مرتبہ اس حوالے سے بات بھی کی کہ آپ لوگ یہ زمینیں لے لیں، لیکن جب انہوں نے انکار کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارادے کو ترک کر دیا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا طریقہ استدلال

امام بخاری علیہ الرحمۃ نے یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارادے سے استدلال کیا ہے کہ جو بات مستقبل میں ہونی تھی، اس کو ماضی کے معنی میں لیا، گویا کہ نبی علیہ السلام نے ان کو جاگیر عطا کی، نبی علیہ السلام کے حق میں یہ معاملہ بالکل واضح ہے، کیوں کہ آپ کسی ایسے فعل کا حکم دے ہی نہیں سکتے جو ناجائز ہو۔ لہذا معلوم یہی ہوا کہ یہ فعل یعنی کسی کو جاگیر عطا کرنا، خلیفہ وقت کی طرف سے درست ہے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”فأما إقطاعه صلى الله عليه وسلم من البحرين فالحديث الأول دال على أنه صلى الله عليه وسلم همّ بذلك، وأشار به على الأنصار مراراً، فلما لم يقبلوا تركه، فنزل المصنف ما بالقوة منزلة ما بالفعل، وهو في حقه صلى الله عليه وسلم واضح؛ لأنه لا يأمر إلا بما يجوز فعله“ (۲)۔

حدیث باب میں بحرین سے مراد عراق کا مشہور شہر ہے (جواب مستقل ریاست ہے) ماقبل میں یہ بات گزر چکی ہے کہ اہل بحرین سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصالحت کی تھی اور ان پر جزیہ لازم کیا تھا۔

(۱) عمدة القاري: ۸۶/۱۵، والنهاية لابن الأثير الجزري: ۸۲/۴، باب القاف مع التاء.

(۲) فتح الباري: ۲۶۸/۶، ومثله في شرح القسطلاني: ۲۳۴/۵، وعمدة القاري: ۸۷/۱۵.

پھر اسی حدیث میں بحرین کی زمینیں انصار کو بطور جاگیر دینے کا جو ذکر آیا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ ان زمینوں سے جو جزیہ و خراج وصول ہوگا، وہ انصار کے لیے خاص ہوگا، ان زمینوں کی آمدنی انہی کے پاس جائے گی، یہ مطلب و مراد نہیں کہ وہ ان زمینوں کے مالک بھی بن جائیں گے، کیوں کہ ارض صلح کو تقسیم کیا جاسکتا ہے نہ ہی بطور جاگیر کسی کو عطا کیا جاسکتا ہے (۱)۔ واللہ اعلم

۲۹۹۲ : حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ : حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ قَالَ : سَمِعْتُ أَنَسًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : دَعَا النَّبِيُّ ﷺ الْأَنْصَارَ لِيَكْتُبَ لَهُمْ بِالْبَحْرَيْنِ ، فَقَالُوا : لَا وَاللَّهِ حَتَّى تَكْتُبَ لِإِخْوَانِنَا مِنْ قُرَيْشٍ بِمِثْلِهَا ، فَقَالَ : (ذَلِكَ لَهُمْ مَا شَاءَ اللَّهُ عَلَى ذَلِكَ) . يَقُولُونَ لَهُ ، قَالَ : (فَإِنَّكُمْ سَتَرُونَ بَعْدِي أَثَرَةً ، فَاصْبِرُوا حَتَّى تُلْقَوْنِي) . [ر : ۲۲۴۷]

تراجم رجال

۱- احمد بن یونس

یہ احمد بن عبد اللہ بن یونس تمیمی ربوعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الایمان، ”باب من قال: إن الإيمان هو العمل“ کے تحت گزر چکا ہے (۳)۔

۲- زہیر

یہ زہیر بن معاویہ بن حدنج رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے مفصل حالات کتاب الایمان، ”باب الصلاة من الإيمان“ کے تحت آچکے ہیں (۴)۔

۳- یحییٰ بن سعید

یہ مشہور تابعی، فقیہ مدینہ، حضرت یحییٰ بن سعید الانصاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا مختصر تذکرہ ”بـدء

(۱) فتح الباری: ۲۶۸/۶، وإرشاد الساری: ۲۳۳/۵، وعمدة القاری: ۸۷/۱۵.

(۲) قوله: ”أنسا رضي الله عنه“: الحديث، مرّ تخريجہ فی کتاب المساقاة، باب القطائع.

(۳) كشف الباری: ۱۵۹/۲.

(۴) كشف الباری: ۳۶۷/۲.

الوحي“ میں اور مفصل تذکرہ کتاب الایمان، ”باب صوم رمضان.....“ کے تحت گزر چکا (۱)۔

۴- انس رضی اللہ عنہ

مشہور صحابی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حالات ”کتاب الایمان، باب من الایمان أن

يحب لأخيه.....“ کے تحت آچکے (۲)۔

آثرۃ کا ضبط و معنی

حدیث باب میں وارد لفظ ”آثرۃ“ کو مختلف وجوہ سے ضبط کیا گیا ہے۔

① ابن الاثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اس لفظ کو ہمزہ اور ثاء دونوں کے فتح کے ساتھ ضبط کیا ہے (۳)۔

② صاحب مطالع اور علامہ جیبانی رحمہما اللہ نے اس لفظ کو ہمزہ کے ضمہ اور ثاء کے سکون کے ساتھ ”آثرۃ“

ضبط کیا ہے۔

③ بعض حضرات نے اسے ہمزہ کے کسرہ اور ثاء کے سکون کے ساتھ ”إثرۃ“ پڑھا ہے (۴)۔

علامہ ازہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”آثرۃ“ کے معنی استیثار کے ہیں۔ اور استیثار خود غرضی اور ذاتی

منفعت پیش نظر رکھنے کو کہتے ہیں، اس کی ضد ایثار (یعنی اپنے پر دوسرے کو ترجیح دینا) ہے (۵)۔

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے پہلے جز کے ساتھ مناسبت ظاہر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار

کو جاگیر دینے کا ارادہ ظاہر فرمایا، اس سے اس فعل کا جواز واضح ہے۔ کما مر قبل (۶)۔

ترجمۃ الباب کا دوسرا جز ”وما وعد من مال البحرین“ ہے۔

(۱) کشف الباری: ۲۳۸/۱، و: ۳۲۱/۲۔

(۲) کشف الباری: ۴/۲۔

(۳) النہایۃ فی غریب الحدیث والآثر: ۲۲/۱، باب الہمزۃ مع التاء۔

(۴) عمدۃ القاری: ۸۷/۱۵۔

(۵) حوالہ بالا، والقاموس الوحید، مادۃ: ”آثر“۔

(۶) عمدۃ القاری: ۸۷/۱۵، وإرشاد الساری: ۲۳۴/۵۔

اس جز کا مقصد یہ ہے کہ امام وقت اگر کسی شخص کو جز یہ وغیرہ میں سے خصوصی طور پر کچھ دینا چاہے تو اس کی شرع میں گنجائش ہے اور اس کی اجازت ہے۔

چنانچہ باب کی دوسری حدیث میں یہی مضمون وارد ہوا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ بحرین کا مال آیا تو ہم اس میں سے تمہیں اتنا اتنا دیں گے۔ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے وعدہ تھا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان کے جانشین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پورا کیا اور موعودہ مال حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے حوالے فرمایا۔

۲۹۹۳ : حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ : حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ قَالَ : أَخْبَرَنِي رَوْحُ بْنُ الْقَاسِمِ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ : كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ قَالَ لِي : (لَوْ قَدْ جَاءَنَا مَالُ الْبَحْرَيْنِ قَدْ أُعْطِيتُكَ هَكَذَا وَهَكَذَا) . فَلَمَّا قُبِضَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَجَاءَ مَالُ الْبَحْرَيْنِ ، قَالَ أَبُو بَكْرٍ : مَنْ كَانَتْ لَهُ عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عِدَّةٌ فَلْيَأْتِنِي ، فَأَتَيْتُهُ فَقُلْتُ : إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَدْ كَانَ قَالَ لِي : (لَوْ قَدْ جَاءَنَا مَالُ الْبَحْرَيْنِ لَأُعْطِيتُكَ هَكَذَا وَهَكَذَا) . فَقَالَ لِي : أَحْبَبْتُ ، فَحَثَوْتُ حَتَّى ، فَقَالَ لِي : عُدَّهَا ، فَعَدَدْتُهَا فَإِذَا هِيَ خَمْسُمِائَةٍ ، فَأَعْطَانِي أَلْفًا وَخَمْسِمِائَةٍ . [ر : ۲۱۷۴]

تراجم رجال

۱- علی بن عبد اللہ

یہ مشہور امام حدیث حضرت علی بن عبد اللہ ابن المدینی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے مفصل حالات کتاب العلم، ”باب الفہم فی العلم“ کے تحت گزر چکے ہیں (۲)۔

۲- اسماعیل بن ابراہیم

یہ اسماعیل بن ابراہیم بن مقسم المعروف ”بابن علیہ“ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا مختصر تذکرہ کتاب

(۱) قوله: ”عن جابر رضي الله عنه“: الحديث، مرّ تخريجہ فی الکفالة، باب من تکفل عن میت دینا.....

(۲) کشف الباری: ۲۵۶/۳.

الایمان، ”باب حب الرسول صلی اللہ علیہ وسلم من الإیمان“ کے ذیل میں آچکا (۱)۔

تنبیہ

علامہ عینی و علامہ قسطلانی رحمہما اللہ سے اس حدیث کی سند میں یہ تسامح ہو گیا کہ ان دونوں حضرات نے اسماعیل بن ابراہیم کو ”ابن علیہ“ کی بجائے ابو معمر اسماعیل بن ابراہیم سمجھ لیا ہے (۲)۔

جب کہ صحیح بات یہ ہے کہ یہاں اسماعیل سے ”ابن علیہ“ مراد ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ ابن المدینی رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور اسماعیل بن ابراہیم کے شیخ روح بن القاسم اور یہ امر طے شدہ ہے کہ ابن المدینی کے شیوخ میں اسماعیل بن ابراہیم نام کے جو شیخ ہیں وہ ابن علیہ ہیں، ابن المدینی ابو معمر سے روایت نہیں کرتے، اسی طرح روح بن القاسم کے تلامذہ میں ابو معمر داخل نہیں، بلکہ (۱۰)۔ ک شاگرد تو ابن علیہ ہیں (۳)۔

۳- روح بن القاسم

یہ ابو غیاث روح بن القاسم تمیمی عنبری بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۴)۔

۴- محمد بن المنکدر

یہ مشہور تابعی محمد بن المنکدر رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۵)۔

۵- جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما

یہ مشہور صحابی حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما ہیں (۶)۔

(۱) کشف الباری: ۱۲/۲۔

(۲) عمدۃ القاری: ۸۷/۱۵، و شرح القسطلانی: ۲۳۴/۵۔

(۳) انظر تهذيب الكمال: ۱۹/۳، و: ۲۵۲/۹، و: ۶/۲۱، وتحفة الأشراف: ۳۵۹/۲، رقم (۲۰۱۵)۔

(۴) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب ماجاء فی غسل البول۔

(۵) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب صب النبی صلی اللہ علیہ وسلم وضوءہ.....

(۶) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب من لم یر الوضوء، إلا من المخرجین.....

ترجمة الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کی مناسبت ترجمۃ الباب کے دوسرے جزء کے ساتھ بالکل واضح ہے محتاج شرح نہیں (۱)۔

ترجمة الباب کا تیسرا جزء ”ولمن يقسم الفیء والجزیة؟“ ہے۔

اس جزء کے تحت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی حدیث ذکر فرمائی اور اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ مال فیء اور مال جزیہ کے مصارف کیا ہیں، انہیں کہاں کہاں خرچ کیا جاسکتا ہے اور کون لوگ اس کے مستحق ہوں گے (۲)۔

اس مسئلے کی تفصیل کہ جزیہ وغیرہ کے مستحق کون لوگ ہوں گے، کتاب الخمس میں مختلف مقامات پر گذر چکی ہے۔ اسی طرح جزیہ کی تعریف بھی کتاب الجزیہ کے شروع میں گزر چکی ہے۔

مال فیء کی تعریف

فیء وہ مال کہلاتا ہے، جو کفار سے بغیر ایجاب خیل و رکاب یعنی لڑائی کے بغیر حاصل ہو (۳)۔
پھر یہاں جزیہ کا عطف جو فیء پر کیا گیا ہے، یہ من قبیل عطف الخاص علی العام ہے، اس لیے کہ جزیہ بھی فیء ہی کی ایک قسم ہے (۴)۔

مال فیء کی تقسیم کس طرح ہوگی؟

یہاں یہ مسئلہ بھی ہے، جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے درمیان بھی مختلف فیہ رہا کہ مال فیء کی تقسیم کے اندر امام و حاکم کون سا طریقہ اختیار کرے؟ اس میں تین مذاہب ہیں:

① امام تقسیم میں مساوات اختیار کرے، سب کو برابر حصہ دے، یہ حضرت ابو بکر و علی رضی اللہ عنہما اور امام

(۱) عمدة القاري: ۸۷/۱۵۔

تنبيه: مر شرح هذا الحديث في الخمس، باب ومن الدليل على أن الخمس لنوائب المسلمين.....

(۲) فتح الباري: ۲۶۹/۶۔

(۳) عمدة القاري: ۸۶/۱۵، وبدائع الصنائع: ۱۱۶/۷، کتاب السير، فصل في أحكام الغنائم.....

(۴) عمدة القاري: ۸۶/۱۵، وفتح الباري: ۲۶۹/۶۔

شافعی علیہ الرحمۃ کا مذہب ہے اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے یہ ایک روایت ہے۔

۲ امام تقسیم میں تفصیل اختیار کرے، یعنی امام کو چاہیے کہ فرق مراتب و درجات کا لحاظ رکھے، کسی کو زیادہ دے اور کسی کو کم، یہ حضرت عمر و عثمان رضی اللہ عنہما کا مذہب ہے، یہی قول امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے (۱)۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ قدامت اسلام اور نسب کی برتری وغیرہ کا لحاظ ضروری نہیں سمجھتے تھے اور اس امر کے قائل تھے کہ ان امور کا تعلق آخرت سے ہے، کوئی شخص قدیم مسلمان ہوا ہے تو اس کا یہ عمل اللہ کے لیے ہے، اس کا اجر بھی اللہ تعالیٰ ہی پر موقوف ہے، اس لیے مال کے استحقاق میں ان امور کو بنیاد نہیں بنانا چاہیے۔

جب کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرق مراتب کا لحاظ رکھتے، اسی بنیاد پر مال کی تقسیم کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو زیادہ عطا فرماتے اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو کم، حالانکہ دونوں ازواج مطہرات میں سے تھیں! اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کرتے کہ بیٹی! تمہاری نسبت عائشہ کو اس لیے زیادہ دیتا ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک وہ تم سے زیادہ چہیتی تھیں، نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہارے باپ (عمر) کی بہ نسبت عائشہ کے باپ (ابوبکر) سے زیادہ تعلق خاطر تھا!!!

اسی طرح حضرت عمر اپنے صاحبزادے عبداللہ بن عمر کی بہ نسبت حضرت اسامہ بن زید بن حارثہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا حصہ زیادہ لگایا کرتے تھے اور ابن عمر سے فرمایا کرتے کہ اسامہ کو تم پر یہ فضیلت حاصل ہے کہ نبی علیہ السلام کو تمہاری نسبت اسامہ سے زیادہ تعلق تھا اور تمہارے والد سے زیادہ ان کے والد حضرت زید بن حارثہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں پسندیدہ تھے (۲)۔

(۱) فتح الباری: ۲۶۹/۶، و مرقاة المفاتیح: ۱۰۴/۸، و بدایة المجتہد: ۴۰۳/۱۔

(۲) مرقاة المفاتیح: ۱۰۴/۸، وانظر للاستزادة: المصنف لابن أبي شيبة: ۴۷۲/۱۷-۴۷۶، کتاب السير، مقالوا في الفروض وتدوين الدواوين، رقم (۳۳۵۳۹)، والسنن الكبرى للبيهقي: ۳۴۹/۶-۳۵۱، کتاب قسم الفي والغنيمه، باب التفضيل على السابقة والنسب، رقم (۱۲۹۹۸-۱۲۹۹۲)، وكشف الأستار: ۲۹۲/۲-۲۹۵، کتاب الجهاد، باب قسمة الأموال وتدوين العطاء، رقم (۱۷۳۶)، وقصة أسامة بن زيد أخرجه الترمذي أيضاً، کتاب المناقب، باب مناقب زيد بن حارثة، رضي الله عنه، رقم (۳۸۱۳)۔

۳) مذہب حنفیہ اس مسئلے میں یہ ہے کہ یہ معاملہ امام کے سپرد ہے کہ جس طرح چاہے اور جسے چاہے، دے یا نہ دے، مساوات اختیار کرے یا تفصیل، اس میں امام مختار ہے (۱)۔

یہی ایک روایت امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ہے (۲)۔

فیء میں سے خمس نکالا جائے گا یا نہیں؟

قرآن کریم کی آیت ﴿وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ.....﴾ کی رو سے غنیمت سے خمس نکالا جاتا ہے، لیکن فیء میں بھی خمس ہے یا نہیں، یہ اختلافی مسئلہ ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جمہور فقہاء کی رائے سے ہٹ کر یہ قول اختیار کیا ہے کہ فیء میں بھی خمس ہے، یہ مذہب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کا ہے نہ بعد کے ادوار میں کسی تابعی وغیرہ کا، اس لیے اس قول کو ان کا تفرد کہا جائے گا، امام ابن المذر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”انفرد الشافعي بقوله: إن في الفيء الخمس كخمس الغنيمة، ولا

يحفظ ذلك عن أحد من الصحابة ولا من بعدهم.....“ (۳)۔

۲۹۹۴ : وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ طَهْمَانَ ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ صُهَيْبٍ ، عَنْ أَنَسٍ (۴) : أُنِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِمَالٍ مِنَ الْبَحْرَيْنِ ، فَقَالَ : (أَنْتَرُوهُ فِي الْمَسْجِدِ) . فَكَانَ أَكْثَرَ مَالٍ أُنِيَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ، إِذْ جَاءَهُ الْعَبَّاسُ ، فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللَّهِ ، أَعْطِنِي إِيَّيَ فَادَيْتُ نَفْسِي وَفَادَيْتُ عَقِيلًا . قَالَ : (خُذْ) . فَحَثَا فِي ثَوْبِهِ ، ثُمَّ ذَهَبَ يُقِيلُهُ ، فَلَمْ يَسْتَطِعْ ، فَقَالَ : مَرُّ بَعْضُهُمْ بِرَفْعِهِ إِلَيَّ . قَالَ : (لَا) . قَالَ : فَارْفَعُهُ أُنْتَ عَلَيَّ ، قَالَ : (لَا) . فَتَرَّ مِنْهُ ثُمَّ ذَهَبَ يُقِيلُهُ فَلَمْ يَرْفَعْهُ ، فَقَالَ : فَمَرُّ بَعْضُهُمْ بِرَفْعِهِ عَلَيَّ ، قَالَ : (لَا) . قَالَ : فَارْفَعُهُ أُنْتَ عَلَيَّ ، قَالَ : (لَا) . فَتَرَّ مِنْهُ ثُمَّ أَحْتَمَلَهُ عَلَى كَاهِلِهِ ، ثُمَّ انْطَلَقَ : فَمَا زَالَ يُتْبِعُهُ بَصَرُهُ حَتَّى خَفِيَ عَلَيْنَا ، عَجَبًا مِنْ حِرْصِهِ ، فَمَا قَامَ

(۱) شرح ابن بطلال: ۳۴۰/۵، وفتح الباري: ۲۶۹/۶، ومرواة المفاتيح: ۹۸/۸۔

(۲) المغني لابن قدامة: ۳۲۰-۳۲۱، كتاب الوديعة، باب قسمة الفيء.....، فصل، رقم (۵۰۹۲)۔

(۳) فتح الباري: ۲۶۹/۶، ومرواة المفاتيح: ۹۸/۸، وبداية المجتهد: ۴۰۳/۱، والجواهر النقي: ۲۹۴/۶،

باب الخمس في الفيء..... المغني: ۳۱۳/۶، وشرح ابن بطلال: ۲۵۱/۵، وإعلاء السنن: ۸۷/۱۲۔

(۴) مر هذا التعليق بهذا الإسناد في الصلاة، باب القسمة وتعليق.....، وذكر هناك من وصله۔

رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَتَمَّ مِنْهَا دِرْهُمٌ . [ر : ۴۱۱]

تراجم رجال

۱- ابراہیم بن طہمان

یہ امام ابراہیم بن طہمان خراسانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۱)۔

۲- عبدالعزیز بن صہیب

یہ عبدالعزیز بن صہیب بنانی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب الایمان، ”باب حب الرسول.....“ کے تحت گزر چکے (۲)۔

۳- انس

یہ مشہور صحابی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں، ان کا تذکرہ کتاب الایمان، ”باب من الایمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه“ کے تحت گزر چکا (۳)۔

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث، جس میں حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے، کی مناسبت ترجمۃ الباب کے تیسرے جزء کے ساتھ واضح ہے کہ ترجمہ میں یہ سوال مذکور تھا کہ فیء وجزیہ کا مستحق کون ہوگا؟ جس کا جواب امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کے ذریعے دیا کہ ان میں تمام مسلمانوں کا حق ہے، اس معاملے میں فقیر و غنی کی کوئی تخصیص نہیں، اگر ہوتی تو حضرت عباس کو مال فیء سے کچھ بھی نہ ملتا کہ وہ غنی تھے (۴)۔

(۱) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب من اغتسل عریانا وحده.

(۲) کشف الباری: ۱۲/۲.

(۳) کشف الباری: ۴/۲.

(۴) فتح الباری: ۲۶۹/۶.

۵ - باب : اِثْمٌ مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا بِغَيْرِ جُرْمٍ .

ترجمة الباب کا مقصد

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا ہے کہ کوئی آدمی اگر ذمی یا معاہد کو قتل کرے گا اور بلا کسی جرم و حق کے اس قتل کا ارتکاب کرے گا تو وہ بڑا سخت گنہگار ہوگا اور اس کا یہ فعل کہ ذمی کو قتل کرے، کسی طور پر قابل قبول نہ ہوگا۔

ایک اہم فائدہ

ترجمة الباب کے سلسلے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عادت یہ بھی ہے کہ ترجمہ مقید لاتے ہیں اور روایت مطلق، مقصد یہ ہوتا ہے کہ روایت میں ترجمہ کی قید ملحوظ ہے، روایت کا اطلاق مراد نہیں (۱)۔ اسی عادت کے موافق مصنف علیہ الرحمۃ نے اس ترجمے کو بھی مقید کر کیا، جب کہ روایت مطلق ہے کہ اس میں ”بغیر جرم“ کی قید موجود نہیں، لیکن چون کہ قواعد شرع سے یہ امر ثابت ہے کہ جرم کی بنیاد پر تو مسلمان کو قتل کرنا بھی جائز ہے، چنانچہ ذمی کا قتل بھی جائز ہوگا، اسی لیے حدیث باب کے الفاظ ”من قتل معاہدا لم یرح.....“ میں بغیر جرم یا بغیر حق کی قید بہر حال ملحوظ ہوگی کہ گنہگار اسی صورت میں ہوگا کہ قتل ناحق ہو (۲)۔ اس کے علاوہ یہی روایت ابو معاویہ عن الحسن بن عمرو عن مجاہد کے طریق سے بھی مروی ہے، اس میں ”بغیر حق“ کی تصریح ہے (۳)۔

نیز حدیث باب کی مزید توضیح اس روایت سے بھی ہوتی ہے، جو حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس میں ہے: ”من قتل معاہداً فی غیر کنہہ، حرم اللہ علیہ الجنة.....“ (۴)۔ کہ ”جس نے کسی ذمی کو بغیر حق کے قتل کیا، اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دیں گے.....“۔

(۱) کشف الباری: ۱/۱۷۵۔

(۲) فتح الباری: ۶/۲۷۰۔

(۳) السنن الكبرى للإمام البيهقي: ۱۳۳/۸، كتاب القسامة، باب إثم من قتل ذميا بغیر جرم.....، رقم

(۱۶۴۸۲)، والمصنف لابن أبي شيبة: ۳۱۴/۱۴، كتاب الديات، في قتل المعاهد، رقم (۲۸۵۲۶)۔

(۴) الحديث أخرجه أبو داود، كتاب الجهاد، باب في الوفاء للمعاهد وحرمة ذمته، رقم (۲۷۶۰)، والنسائي، =

۲۹۹۵ : حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ حَفْصٍ : حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ : حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عَمْرٍو : حَدَّثَنَا مُجَاهِدٌ ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا^(۱) ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : (مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَمْ يَرَحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ ، وَإِنْ رِيحَهَا تَوَجَّدُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا) . [۶۵۱۶]

تراجم رجال

۱- قیس بن حفص

یہ قیس بن حفص ابو محمد دارمی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کے حالات کتاب العلم، ”باب (۱) وما أوتیم من العلم.....“ کے تحت گزر چکے (۲)۔

۲- عبد الواحد

یہ ابو بشر عبد الواحد بن زیاد بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کا تذکرہ کتاب ایمان، ”باب الجہاد من ایمان“ کے تحت گزر چکا (۳)۔

۳- الحسن بن عمرو

یہ مشہور محدث حضرت حسن بن عمرو فقیہی تمیمی کو فی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۴)۔

یہ حضرت مجاہد، سعید بن جبیر، حکم بن عتیبہ، ابوالزبیر، منذر الثوری، محارب بن دثار، ابراہیم نخعی اور اپنے بھائی فضیل بن عمرو رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

اور ان سے روایت حدیث کرنے والوں میں امام سفیان ثوری، عبد اللہ بن المبارک، حسن بن صالح،

= کتاب القسامۃ، باب تعظیم قتل المعاهد، رقم (۴۷۵۱، ۴۷۵۲)۔

(۱) قوله: ”عن عبد الله بن عمرو رضي الله عنهما“: الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، كتاب الديات، باب إثم من قتل ذمياً بغير جرم، رقم (۶۹۱۴)، والنسائي، كتاب القسامۃ، باب تعظیم قتل المعاهد، رقم (۴۷۵۴)، وابن ماجه، كتاب الديات، باب من قتل معاهداً، رقم (۲۶۸۶)۔

(۲) كشف الباري: ۵۲۶/۴۔

(۳) كشف الباري: ۳۰۱/۲۔

(۴) تهذيب الكمال: ۲۸۳/۶، وتهذيب التهذيب: ۳۱۰/۲، والتاريخ الكبير: ۲۹۸/۲، رقم (۲۵۳۵)۔

حفص بن غياث، عبدالواحد بن زياد، ابو معاوية، ابو بکر بن عیاش، محمد بن فضیل اور ان کے بھتیجے عمرو بن عبدالغفار بن عمرو رحمہم اللہ وغیرہ جیسے اساطین علم شامل ہیں (۱)۔

امام علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن سعید الانصاری سے دریافت کیا کہ حسن بن عبید اللہ اور حسن بن عمرو میں سے آپ کے نزدیک کون محبوب و پسندیدہ ہیں؟ فرمایا دونوں میں حسن بن عمرو زیادہ ثابت ہیں ”الحسن بن عمرو أثبتهما“ (۲)۔

امام ابو بکر بن اثرم امام احمد رحمۃ اللہ علیہما سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حسن بن عمرو کے بارے میں فرمایا، ”ثقة“ (۳)۔

امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ثقة، حجة“ (۴)۔

امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”لا بأس به، صالح“ (۵)۔

نیز علامہ ذہبی، حافظ ابن حجر، امام ابن حبان، امام نسائی اور علامہ عجلی رحمۃ اللہ علیہم نے بھی ان کی توثیق کی ہے (۶)۔

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ نے انہی حسن بن عمرو سے نقل کیا ہے کہ ان کے والد عمرو ان کو لے کر حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت یہ بہت چھوٹے تھے اور قرآن کریم پڑھ چکے تھے، حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے جب ان کی قرآن دانی کو دیکھا تو ان کے والد سے فرمایا: ”تعلم من مثل هذا القرآن“ (۷) کہ ”ان جیسے سے تم بھی قرآن کریم سیکھ لو!“۔

(۱) شیوخ و تلامذہ کے لیے دیکھیے، تہذیب الکمال: ۲۸۳/۶-۲۸۴۔

(۲) حوالہ بالا: ۲۸۴/۶، والجرح والتعديل: ۲۹/۳، رقم (۱۰۷)۔

(۳) حوالہ جات بالا۔

(۴) تہذیب الکمال: ۲۸۵/۶، والجرح والتعديل: ۲۹/۳، رقم (۱۰۷)۔

(۵) حوالہ جات بالا۔

(۶) الکاشف للذهبي: ۳۲۸/۱، والتقريب لابن حجر: ۲۰۷/۱، رقم (۱۲۷۱)، وتہذیب التہذیب:

۳۱۰/۲، وتعليقات تہذیب الکمال: ۲۸۵/۶۔

(۷) الطبقات لابن سعد: ۳۴۱/۶، وتہذیب الکمال: ۲۸۵/۶۔

حسن بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ وفات کے وقت یہ وصیت کر گئے تھے کہ ان کے کپڑے مجھے دیے جائیں (۱)۔

یہ عباسی خلیفہ ابو جعفر المنصور کے اوائل خلافت میں ۱۴۲ھ کو بمقام کوفہ انتقال کر گئے (۲)۔
امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ امام ابو داؤد، نسائی اور ابن ماجہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی ان سے روایات لی ہیں (۳)۔

نیز صحیح بخاری میں ان کا ذکر صرف دو مقامات پر آیا ہے، ایک تو حدیث باب میں، جو اس طریق سے کتاب الدیات (۴) میں بھی آئی ہے، دوسرے کتاب الادب (۵) میں (۶)۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعة

۴- مجاہد

یہ شیخ القراء حضرت مجاہد بن جبر کی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کا تذکرہ کتاب العلم، ”باب الفہم فی العلم“ کے تحت آچکا ہے (۷)۔

۵- عبد اللہ بن عمرو

یہ مشہور صحابی حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما ہیں۔ ان کے حالات کتاب ایمان، ”باب المسلم من سلم المسلمون.....“ کے تحت گزر چکے (۸)۔

سند حدیث سے متعلق ایک اہم بحث

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر اس حدیث کی سند کے حوالے سے یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ یہ حدیث منقطع

(۱) الطبقات الکبریٰ: ۳۴۱/۶۔

(۲) حوالہ بالا، وتہذیب الکمال: ۲۸۵/۶۔

(۳) تہذیب الکمال: ۲۸۵/۶۔

(۴) صحیح بخاری، کتاب الدیات، باب إثم من قتل ذمیاً.....، رقم (۶۹۱۴)۔

(۵) انظر صحیح البخاری، کتاب الأدب، باب لیس الواصل بالمکافی، رقم (۵۹۹۱)۔

(۶) فتح الباری: ۲۷۰/۶، وعمدة القاری: ۸۸/۱۵۔

(۷) کشف الباری: ۳۰۷/۳۔

(۸) کشف الباری: ۶۷۹/۱۔

ہے، کیوں کہ حضرت مجاہد کا سماع حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے ثابت نہیں، چنانچہ علامہ بردیجی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ”المتصل والمرسل“ میں لکھتے ہیں:

”مجاہد عن ابن عمرو، ولم یسمع منه“ (۱)۔

اس کے علاوہ امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے طریق کو رد کرتے ہوئے کہا ہے کہ ”مروان بن معاویۃ عن الحسن بن عمرو عن مجاہد عن جنادة بن أبي أمية عن عبد الله بن عمرو“ (۲) کا طریق ہی زیادہ صحیح ہے کہ اس میں حضرت مجاہد اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے درمیان ایک واسطے یعنی جنادہ کا اضافہ ہے، جس سے انقطاع ختم ہو جائے گا (۳)۔

لیکن ان حضرات کی یہ بات بوجہ صحیح نہیں:

۱ امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا سماع حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے، نیز وہ مدلس بھی نہیں کہ ان پر تدلیس کا الزام دھرا جائے۔

۲ دونوں طرق میں تطبیق بھی ممکن ہے کہ امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ روایت اولاً جنادہ سے سنی ہو، پھر جب ان کی ملاقات حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے ہوئی، تو ان سے بھی سن لی ہو یا دونوں نے ایک ساتھ حضرت عبداللہ سے سماع کیا ہو، بعد ازیں حضرت مجاہد جب اس روایت کو بیان کرنے لگے تو کبھی حضرت عبداللہ بن عمرو سے نقل کی، کبھی جنادہ سے (۴)۔

۳ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مروان اگرچہ عبدالواحد کے مقابلے میں اثبت ہیں اور انہوں نے سند میں ایک راوی کا اضافہ بھی نقل کیا ہے، لیکن عبدالواحد کے متابع موجود ہیں، چنانچہ ان کی متابعت

(۱) عمدة القاري: ۸۸/۱۵۔

(۲) أخرجه النسائي في الصغرى، كتاب القسامة، باب تعظيم قتل المعاهد، رقم (۴۷۵۴)، والكبرى:

۲۲۱/۴، كتاب القسامة، تعظيم قتل المعاهد، رقم (۶۹۵۲)، وكتاب السير: ۲۲۵/۵، رقم (۸۷۴۲)،

وأحمد في مسنده: ۶۴۶/۲، مسند عبد الله بن عمرو، رقم (۶۷۴۵)، والبيهقي في الكبرى: ۱۳۳/۸،

رقم (۱۲۴۸۳)، و: ۲۰۵/۹، رقم (۱۸۷۳۳)۔

(۳) هدي الساري: ۵۲۶، وعمدة القاري: ۸۸/۱۵، وأيضاً انظر تحفة الأشراف: ۲۸۵/۶، و: ۳۷۷۔

(۴) حوالہ بالا، وفتح الباري: ۲۷۰/۶، وتعليقات الشيخ محمد عوامة على المصنف: ۳۱۴/۱۴۔

ابومعاویہ نے کی ہے، ابن ماجہ نے اس کو اپنے طریق سے روایت کیا ہے (۱)۔ اسی طرح عمرو بن عبدالغفار فقیہی بھی ان کی متابعت کرتے ہیں، جس کو امام اسماعیلی نے نقل کیا ہے تو بظاہر عبدالواحد کی روایت ارنج ہے (۲)۔

اصیلی کا ایک تسامح

صحیح بخاری کے تمام نسخوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حدیث باب ”مسند عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما“ میں سے ہے، لیکن اصیلی رحمۃ اللہ علیہ نے ”الجر جانی عن الفربری“ کے طریق سے ”عبد اللہ بن عمر“ (بضم العین، بغیر واو) نقل کیا ہے، جو کہ تصحیف ہے اور اس کی نشاندہی جیبانی رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے (۳)۔

عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ”من قتل معاهدا لم يرح رائحة الجنة“.

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جس کسی نے کسی ذمی کو قتل کیا، تو وہ جنت کی خوش بو نہیں پائے گا۔

”یرح“ کے معنی اور ضبط

یہاں فعل ”یرح“ لم جازمہ کی وجہ سے مجزوم ہے، اس کے ضبط میں تین اقوال ہیں:

- ۱ ابو عبید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ راحہ یراحہ روحا سے ہے۔
 - ۲ ابن التین رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا یہ ہے کہ یہ أراحہ یریحہ إراحة سے ہے، مزید فرماتے ہیں کہ پہلا ضبط بہتر ہے اور یہی اکثر کا قول ہے۔
 - ۳ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ راحہ یریحہ سے ہے۔
- اور تینوں صورتوں میں معنی ایک ہی ہیں، علامہ جوہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی بُو پانے کے ہیں، ”راح الشيء، يراحه ويریحه: إذا وجد ريحه“ (۴)۔

(۱) رواه ابن ماجه في كتاب الديات، باب من قتل معاهدا، رقم (۲۶۸۶)۔

(۲) هدي الساري: ۵۲۶، وفتح الباري: ۶/۲۷۰۔

(۳) فتح الباري: ۶/۲۷۰، وعمدة القاري: ۱۵/۸۸۔

(۴) حوالہ جات بالا، وإرشاد الساري: ۵/۲۳۵، وشرح ابن بطلال: ۸/۵۶۴، وشرح الکرمانی: ۱۳/۱۳۲،

والصالح للجوهري: ۴۳۶، مادة: ”روح“۔

وإن ریحها توجد من مسيرة أربعين عاما

اور جنت کی خوش بو تو چالیس سال کی مسافت سے محسوس ہوتی ہے۔

حدیث باب کا مطلب یہ ہے کہ جنت جس کی خوش بو اتنی تیز ہے کہ اگر کوئی شخص جنت سے چالیس سال کی مسافت وفاصلے پر ہو تو وہ بھی اس کی خوشبو محسوس کر سکتا ہے، لیکن ذمی کے قتل کی یہ سزا ہے کہ قاتل اتنی مسافت سے محسوس کی جانے والی خوشبو سے بھی محروم رہے گا، دخول جنت تو دور کی بات ہے۔ مقصود وعید ہے کہ اول وہلہ میں جنت میں داخل ہونے والوں کے ساتھ یہ داخل نہ ہو سکے گا، اپنی سزا بھگتنے کے بعد ہی داخل ہوگا۔ یا یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت خاص کے تحت معاف فرمادیں۔ بہر حال ذمی کے قتل سے پرہیز ضروری ہے اور یہ بغیر کسی حق کے کسی طور پر جائز نہیں (۱)۔

یا حدیث باب میں بیان کردہ سزا مستحل کی ہے، یعنی جو کسی ذمی کو بغیر کسی حق کے قتل کرنا حلال سمجھے، اس کی یہ سزا ہوگی۔

حدیث میں مذکور عدد میں رواۃ کا اختلاف اور ان اعداد کی توجیہ

جنت کی خوش بو کتنی مسافت وفاصلے سے محسوس ہوگی، اس میں روایات مختلف ہیں، حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت میں اکثر رواۃ نے ”أربعین عاما“ نقل کیا ہے، جب کہ عمرو بن عبدالغفار کی روایت، جس کی تخریج اسماعیلی نے کی ہے، میں ”سبعین“ کا لفظ وارد ہے، حضرت ابو ہریرہ (۲) اور حضرت ابو بکرہ (۳)

(۱) شرح ابن بطلال: ۳۴۱/۵، وعمدة القاری: ۸۹/۱۵، وإرشاد الساری: ۲۳۵/۵۔

(۲) انظر الجامع للترمذی، کتاب الدیات، باب فیمن یقاتل نفسا.....، رقم (۱۴۰۳)، ومسنند أبی یعلیٰ:

۴۶۷/۵، مسند أبی ہریرة، رقم (۶۴۲۱)، والمستدرک: ۱۳۸/۲، کتاب الجہاد، رقم (۲۵۸۱)، وشرح

السنة: ۳۷۶/۵، کتاب القصاص، باب إثم من قتل معاهدا، وجامع الأصول: ۶۵۱/۲، کتاب الجہاد، رقم

(۱۱۳۸)، وجمع الجوامع: ۳۱۰/۳، حرف الهمزة، رقم (۹۰۴۱)۔

(۳) شرح السنة: ۳۷۶/۵، کتاب القصاص، رقم (۲۵۱۶)، ومسنند الإمام البزار: ۱۰۲/۹، حدیث أبی بکرہ، رقم

(۳۶۴۰)، ومسنند أحمد، رقم (۲۰۷۴۳)، و(۲۰۷۸۹)، مسند أبی بکرہ نفع، وموارد الظمان ۳۶۸، رقم

(۱۵۳۱-۱۵۳۰)، والمستدرک: ۱۳۷/۲، رقم (۲۵۷۹)، وسنن البیہقی الکبریٰ: ۲۲۹/۸-۳۳۰، رقم (۱۶۴۸۴)۔

رضی اللہ عنہما کی احادیث میں بھی ”سبعین“ کا لفظ آیا ہے اور مؤطا و مسلم شریف (۱) کی روایت، جس کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، میں خمس مائة سنة یعنی پانچ سو سال کا عدد مذکور ہے۔

اس اختلافِ عدد کی مشہور توجیہ وہی ہے جو محدثین و شراح اس طرح کے مقامات میں ذکر کیا کرتے ہیں کہ حدیث کی مراد بعد مسافت ہے کہ جنت کی خوشبو بہت دور سے محسوس کی جائے گی، چنانچہ اس بعد مسافت کو مختلف اعداد سے تعبیر کیا گیا، کبھی چالیس، کبھی ستر اور کبھی پانچ سو سال کا ذکر کیا گیا (۲)۔

ترجمة الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت بالکل واضح ہے، ترجمہ کسی ذمی کو بغیر کسی حق کے قتل کی شاعت کے بیان میں تھا، حدیث میں بھی اس جرم کی سزا بیان کی گئی ہے کہ اس جرم کے مرتکب کو سخت سزا ہوگی (۳)۔

اسی سے اس بات کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام میں ذمی کے بھی کس قدر حقوق ہیں کہ ایک مسلمان کو اس امر سے ڈرایا جا رہا ہے کہ اس کو کوئی گزند نہ پہنچائے۔

۶ - باب : إخراج اليهود من جزيرة العرب .

ترجمة الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد تو یہاں ظاہر ہے، یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہودیوں کو جزیرہ عرب میں ٹھہرنے کی اجازت نہیں ہے، ان کو وہاں سے نکالا جائے گا (۴)۔

(۱) الحديث أخرجه مسلم في كتاب اللباس والزينة، باب النساء الكاسيات العاريات، رقم (۵۵۸۲)، و(۷۱۹۴)، إلا أن العدد المعين غير مذكور فيه، ومالك في المؤطا: ۹۱۳/۲، كتاب اللباس، باب ما يكره للنساء لبسه من الثياب، رقم (۷)۔

(۲) الأوجز: ۱۷۱/۱۶۔

(۳) عمدة القاري: ۸۸/۱۵۔

(۴) عمدة القاري: ۸۹/۱۵۔

جزیرہ عرب کی تعریف اور وہاں اقامت کفار کا حکم

جزیرہ عرب کے اندر کسی بھی کافر کو وطن بنانے اور اقامت اختیار کرنے کی اجازت نہیں ہے، اس پر ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کا اتفاق ہے، البتہ ان کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ اس حکم کا اطلاق کن کن علاقوں یا شہروں پر ہوتا ہے؟

چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ حکم، کہ کفار جزیرہ عرب میں اقامت اختیار نہیں کر سکتے، حجاز (۱) کے ساتھ خاص ہے، جس میں مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، خیبر، یثرب، فدک، یمامہ اور ان کے آس پاس کے، جو علاقے ہیں، وہ سب داخل ہیں (۲)۔

امام اعظم امام ابوحنیفہ و امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کے نزدیک یہ حکم پورے جزیرہ عرب کو شامل ہے، یعنی اقصائے عدن امین سے لے کر عراق کے دیہاتوں تک طولاً اور جہدہ و مضافات سے لے کر شام کے اطراف تک عرضاً، قالہ الأصمعی رحمہ اللہ (۳)۔

ایک اہم تنبیہ

یہاں یہ بات بھی واضح ہونی چاہیے کہ کفار کو جو اقامت کی ممانعت ہے، وہ تین دن سے اکثر مدت کے لیے ہے، اگر تین دن سے کم مدت کے لیے اقامت اختیار کریں، مثلاً تجارت وغیرہ کی غرض سے رہیں تو اجازت ہوگی، لیکن حاکم وقت کی اجازت ضروری ہوگی۔ البتہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس رعایت سے مکہ مکرمہ اور اس کا حرم مستثنیٰ ہے، مکہ مکرمہ میں کسی کافر کو داخل ہونے کی اجازت ہے، نہ ہی داخل کرنے کی، اگر کوئی وہاں خفیہ طور پر داخل ہو بھی گیا تو اسے نکالا جائے گا، اسی دوران اگر مر گیا، تدفین بھی ہوگئی، لیکن بعد میں معلوم ہوا تو اس کی قبر کو کھول کر اس کی لاش (بشرطیکہ خراب نہ ہوئی ہو) حرم سے باہر پھینک دی جائے گی، چنانچہ یہ حرم کی خصوصیت ہے کہ وہاں کوئی کافر داخل نہیں ہو سکتا (۴)۔

(۱) ”وإنما سمي حجازاً؛ لأنه حجز بين تهامة ونجد“. انظر المغني: ۲۸۶/۹، وإعلاء السنن: ۵۲۳/۱۲۔

(۲) المغني: ۲۸۵/۹، والأوجز: ۶۴۹/۱۵، وشرح النووي على مسلم: ۱۵/۲، أول كتاب المساقاة.....

(۳) فتح القدير: ۳۰۱/۵، والأوجز: ۶۵۵/۱۵، والمغني: ۲۸۵/۹، رقم (۷۶۶۹)۔

(۴) فتح الباري: ۱۷۱/۶، رقم (۳۰۵۳)، والدر المختار: ۳۰۱/۳، كتاب الجهاد، فصل في الجزية، =

فریقین کے دلائل

مذکورہ بالا مسئلے میں فریقین ان تمام روایات سے استدلال کرتے ہیں، جن میں مشرکین، یہود و نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکالنے کا حکم ہے، مثلاً: ”أخرجوا المشركين من جزيرة العرب“ (۱) یا ”لا یجتمع دینان فی جزيرة العرب“ (۲) وغیرہما من الروایات۔

البتہ جزیرہ عرب کے اطلاق میں چونکہ ان حضرات کا اختلاف ہے، امام شافعی و احمد رحمہما اللہ اس کو حجاز کے ساتھ خاص کرتے ہیں، اس لیے یہ حضرات ائمہ مذکورہ بالا احادیث کے کلمات ”جزیرہ العرب“ پر ”العام أريد به الخاص“ کا اطلاق کرتے ہوئے اس سے ”حجاز“ مراد لیتے ہیں (۳)۔

نیز ایک روایت میں ”جزیرہ العرب“ کی بجائے ”الحجاز“ وارد ہوا ہے، چنانچہ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے قبل جو سب سے آخری کلام فرمایا تھا، وہ یہ تھا، ”أخرجوا اليهود من الحجاز“ (۴)۔

= والأوجز: ۶۵۰/۱۵، والمغني: ۲۸۶/۹، وحاشية الدسوقي مع الشرح الكبير للدردير: ۵۱۹/۲-۵۲۰، فصل عقد الجزية.

(۱) الحديث أخرجه البخاري في نفس هذا الباب، وفي مواضع من صحيحه، ومسلم في صحيحه، كتاب الوصية، باب ترك الوصية لمن ليس له شيء.....، رقم (۴۲۰۱)، ولم يخرج غير الشيخين، من رواية ابن عباس رضي الله عنهما.

(۲) انظر المؤطا للإمام مالك بن أنس: ۸۹۲/۲-۸۹۳، كتاب الجامع، باب في إجلاء اليهود من المدينة، رقم (۱۷-۱۹)، وابن أبي شيبة: ۵۱۵/۱۷، رقم (۳۳۶۶۳)، وأيضاً برقم (۲۹۶۱۷).

(۳) شرح الكرماني: ۱۳۲/۱۳، وعمدة القاري: ۸۹/۱۵.

(۴) الحديث أخرجه ابن أبي شيبة: ۵۱۵/۱۷، كتاب السير، لا يجمع اليهود والنصارى.....، رقم (۳۳۶۶۲)، وابن أبي عاصم، الأحاد والمثاني: ۴۰، رقم الترجمة (۱۰)، وأحمد في مسنده: ۵۲۰/۱،

و۵۲۳، مسند أبي عبيدة بن الجراح.....، رقم (۱۶۹۱)، وأيضاً (۱۶۹۹)، والطيالسي في مسنده: ۱۲۳/۱، رقم (۲۲۶)، والحميدي في مسنده: ۴۶/۱، رقم (۸۵)، والبخاري في التاريخ الكبير: ۵۷/۴، رقم

(۱۹۵۰)، باب السين، والدارمي في سننه: ۳۰۵-۳۰۶، كتاب الجهاد، باب إخراج المشركين.....، =

جب کہ امام ابوحنیفہ و امام مالک رحمہما اللہ ان تمام روایات کو اپنے عموم پر محمول کرتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم پورے جزیرہ عرب کو شامل ہے، جس میں عراق، شام، جدہ اور عدن وغیرہ سب داخل ہیں (۱)۔

ائمہ حنفیہ و مالکیہ کا استدلال بھی حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی روایت مذکورہ بالا سے ہے، فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا: ”وأخرجوا أهل نجران من جزيرة العرب“ (۲) چنانچہ اسی فرمان نبوی پر عمل کرتے ہوئے بعد میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اہل نجران کو وہاں سے نکال باہر کیا تھا۔

ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ احناف کی مذکورہ بالا دلیل کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نصاریٰ نجران کو اس لیے نہیں نکالا تھا کہ وہ جزیرہ عرب کے اندر رہتے تھے، بلکہ اس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ ان کے ساتھ نبی علیہ السلام نے صلح اس شرط پر کی تھی کہ وہ سودی لین دین نہیں کریں گے، لیکن جب انہوں نے مذکورہ بالا وعدہ نہیں نبھایا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کے نقض عہد کو دیکھتے ہوئے نجران سے ان کو نکال دیا (۳)۔

علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ دعویٰ بظاہر درست نہیں، بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مذکورہ فعل نبی علیہ السلام کی وصیت کی تنفیذ کے لیے تھا، چنانچہ امام مالک رحمہ اللہ کا

= رقم (۲۴۹۸)، وأبو يعلى في مسنده: ۳۵۹/۱، رقم (۸۶۹)، والبيهقي في الكبرى: ۳۵۰/۹، كتاب الجزية، باب لا يسكن الحجاز.....، رقم (۱۸۷۴۹)۔

(۱) وفي الدر المختار: ”ويمنعون من استيطان مكة والمدينة؛ لأنهما من أرض العرب، وقال عليه السلام: ”لا يجتمع في أرض العرب دينان“ قال ابن عابدين رحمه الله: ”قوله: ”لأنهما من أرض العرب“ أفاد أن الحكم غير مقصور على مكة والمدينة؛ بل جزيرة العرب كلها كذلك“ الفتاوى الشامية: ۳۰۱/۳، مع الدر، فصل في الجزية، من كتاب الجهاد، وأيضاً انظر فتح القدير: ۳۰۱/۵، والهداية: ۲۹۶/۴-۲۹۷۔

(۲) ابن أبي شيبة في مصنفه: ۵۱۵/۱۷، كتاب السير، رقم (۳۳۶۶۲)، والدارمي في سننه: ۳۰۶/۲، رقم (۲۴۹۸)، وابن أبي عاصم في الأحاد والمثاني: ۴۰، وأحمد في المسند: ۵۲۰/۱، رقم (۱۶۹۱)، والبيهقي في الكبرى: ۳۵۰/۹، رقم (۱۸۷۴۹)، وأبو يعلى في مسنده: ۳۵۹/۱، رقم (۸۶۹)۔

(۳) المغني: ۲۸۶/۹۔

موطا میں کلام، علامہ سرخسی کی تصریح اور علامہ ابو عبید کا قول اسی پر دلالت کرتا ہے (۱) اور یہی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے بھی منقول ہے، علامہ بلاذری حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہما اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ:

”أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال في مرضه: ”لا يبقين دينان

في أرض العرب“ فلما استخلف عمر بن الخطاب رضي الله عنه أجلى أهل

نجران إلى النجرانية، واشترى عقاراتهم وأموالهم“ (۲)۔

اس لیے رائج یہی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نصاریٰ نجران کو جلا وطن جو کیا تھا، اس کی وجہ یہی وصیت تھی، اس کے ساتھ ساتھ ان کی سود خوری کا معاملہ بھی تھا، نیز انہوں نے سامان جنگ یعنی گھوڑے اور اسلحے بھی تیار کر رکھے تھے، جس کی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف سے مختلف خدشات و اندیشے لاحق ہوئے کہ یہ کہیں مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچائیں، انہی خدشات کے پیش نظر انہوں نے اہل نجران کو یمن سے نکال کر نجران عراق کی طرف منتقل کر دیا (۳)۔ واللہ اعلم بالصواب

علامہ طبری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے خاص

امام ابن جریر الطبری رحمۃ اللہ علیہ کی رائے اس مسئلے کے بارے میں یہ ہے کہ مذکورہ حکم جزیرہ عرب ہی کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ جو علاقہ بھی مسلمانوں کا ہوگا، وہاں ان کا غلبہ ہوگا، ایسے علاقے میں کسی مشرک کو

(۱) انظر المؤطا: ۸۹۳/۲، کتاب الجامع، باب في إجلاء اليهود من المدينة، رقم (۱۹)۔

(۲) فتوح البلدان ۷۷-۷۸، صلح نجران۔

خود حضرت عمر بن عبدالعزیز کا اپنا عمل بھی یہی نقل کیا گیا ہے کہ جب وہ خلیفہ بنے تو انہوں نے اہل ذمہ کو مدینہ منورہ سے نکال باہر کیا اور ان کے غلام وغیرہ مسلمانوں کے ہاتھ فروخت کروا دیے۔ دیکھیے، المصنف: ۵۱۶/۱۷، رقم (۳۳۶۶۵)۔

(۳) إعلاء السنن: ۵۲۴/۱۲۔ قال صاحب البدائع: انظر البدائع: ۱۱۴/۷، کتاب السير، قبيل فصل في أحكام الغنائم.....

”وأما أرض العرب فلا يترك فيها كنيسة ولا بيعة، ولا يباع فيها الخمر

والخنزير، مصرا كان أو قرية أو ماء، من مياه العرب، ويمنع المشركون أن يتخذوا أرض

العرب مسكنا ووطنا، كذا ذكره محمد؛ تفضيلا لأرض العرب على غيرها، وتطهيرها

عن الدين الباطل. قال عليه السلام: ”لا يجتمع دينان في جزيرة العرب“۔

ٹھہرنے، سکونت اختیار کرنے اور وطن بنانے کی اجازت نہیں دی جائے گی، خواہ وہ مسلمانوں کا مفتوحہ علاقہ ہو، یا وہاں کے باشندے مسلمان ہو گئے ہوں، بشرطیکہ مسلمانوں کو ان مشرکین کی ضرورت و احتیاج نہ ہو یا امام مسلمین نے ان سے شرائط صلح طے کرتے ہوئے یہ وعدہ نہ کیا ہو کہ ان کو اپنے علاقے سے نہیں نکالا جائے گا، چنانچہ اگر ایسی کوئی شرط فریقین میں طے نہ پائی ہو تو مشرکین کو بہر حال نکالنا امام وقت پر واجب ہوگا.....

علامہ ابن بطل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”قال الطبري: فيه من الفقه أن النبي صلى الله عليه وسلم بين لأئمة المؤمنين إخراج كل من دان بغير دين الإسلام من كل بلدة للمسلمين؛ سواء كانت تلك البلدة من البلاد التي أسلم عليها أهلها، أو من بلاد العنوة، إذا لم يكن بالمسلمين ضرورة إليهم، ولم يكن الإسلام يومئذٍ ظهر في غير جزيرة العرب ظهور قهر، فبان بذلك أن سبيل كل بلدة قهر فيها المسلمون أهل الكفر، ولم يكن تقدم قبل ذلك من إمام المسلمين لهم عقد صلح على إقرارهم فيها أن على الإمام إخراجهم منها، ومنعهم القرار بها.....“ (۱).

البتہ ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ اپنے اس قول میں متفرد معلوم ہوتے ہیں، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر اس پر عمل کیا گیا ہوتا تو آج بہت سے علاقے ایسے ہوتے کہ وہاں سے کفر کا بالکلیہ خاتمہ ہو چکا ہوتا اور یہ جو سابقہ موجودہ مسلم ریاستوں میں غیروں کا تسلط ہے، یہ نہ ہوتا۔

حرم مکی و دیگر مساجد میں کفار کا داخلہ

اوپر کی سطروں میں جو مسئلہ بیان کیا گیا وہ کفار و مشرکین کا جزیرہ عرب میں اقامت اختیار کرنے سے متعلق تھا، اب یہاں ایک اور مسئلہ یہ ہے کہ کفار حرم مکی، مسجد حرام اور دیگر مساجد میں داخل ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ اس مسئلے میں بھی اختلاف ہے، جمہور علماء اس بات کے قائل ہیں کہ کفار حرم مکی، مسجد حرام وغیرہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ البتہ یہ حضرات حرم و مسجد حرام اور دیگر مساجد کے درمیان یہ فرق بھی کرتے ہیں کہ اول الذکر

(۱) شرح ابن بطل: ۳۴۲/۵، وفتح الباری: ۲۷۲/۶، وعمدة القاری: ۹۰/۱۵.

مقامات میں تو وہ کسی طور پر داخل نہیں ہو سکتے، امام وقت پر ان کا روکنا واجب ہے، جب کہ دیگر مساجد میں وہ مسلمانوں کی اجازت و مرضی سے داخل ہو سکتے ہیں، اس کے بغیر نہیں (۱)۔

جب کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مشہور قول جواز کا ہے کہ ان تمام مقامات میں کفار داخل ہو سکتے ہیں (۲)۔

دلائل جمہور

① ارشاد خداوندی ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمَشْرُكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا﴾ (۳)۔

آیت کریمہ میں ”المسجد الحرام“ سے پورا حرم مراد ہے (۴)۔ اور اس سے یہی مترشح ہو رہا ہے کہ کفار کو حرم مکی اور مسجد حرام میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لے کر آج تک اسی پر عمل ہوتا چلا آ رہا ہے۔

② حضرت ابو موسیٰ اشعری ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے اور ان کے ہاتھ میں ایک تحریر تھی، حضرت عمر نے فرمایا کہ اپنے کاتب کو بلاؤ، تاکہ وہ اس تحریر کو پڑھے، حضرت ابو موسیٰ اشعری نے فرمایا کہ وہ تو مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا، فرمایا کیوں؟ حضرت ابو موسیٰ نے فرمایا کہ وہ نصرانی ہے۔

اس واقعے سے بھی معلوم یہی ہوا کہ غیر مسلم مسجد میں داخل نہیں ہو سکتا، نیز یہ بھی کہ یہ بات ان کے نزدیک مشہور و معروف تھی (۵)۔

③ مشرکین کو نجس فرمایا گیا ہے، لہذا ان کا داخلہ بھی مساجد میں اسی طرح ممنوع ہونا چاہیے، جس طرح کہ جب، حائضہ و نفساء کے لیے ممنوع ہے، بلکہ نجاست مشرک تو ان نجاستوں سے بڑھ کر ہے (۶)۔

(۱) انظر المغني: ۲۸۷/۹، والأم: ۵۴/۱، باب ممر الجنب والمشرک..... من کتاب الطهارة، و: ۱۷۷/۴،

کتاب السير، مسألة إعطاء الجزية على سكنى بلد.....، والأوجز: ۶۵۰/۱۵-۶۵۲.

(۲) المغني: ۲۸۷/۹، وإعلاء السنن: ۵۲۹/۱۲، وأحكام القرآن: ۱۱۴/۳.

(۳) التوبة/۲۸.

(۴) المغني: ۲۸۶/۹، وأحكام القرآن: ۸۹/۳، والأوجز: ۶۵۰/۱۵، وإعلاء السنن: ۵۲۹/۱۲.

(۵) المغني: ۲۸۷/۹، والأوجز: ۶۵۲/۱۵.

(۶) حوالہ جات بالا.

۴- تمام مساجد سے متعلق دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، انہوں نے ایک مجوسی کو دیکھا کہ وہ مسجد کے منبر پر بیٹھا ہوا تھا، اسے وہاں سے اتارا گیا اور حضرت نے اسے مارا پیٹا اور ابوابِ کندہ کی طرف سے اسے باہر نکال دیا (۱)۔

اس واقعے سے دخول مسجد کا مشروط ہونا معلوم ہوا کہ اجازت بہر حال ضروری ہے۔

دلائل امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ

- ۱۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وفد ثقیف کو اپنی مسجد میں ٹھہرایا تھا، حالانکہ وہ کفار تھے اور مساجد ساری برابر ہوتی ہیں، اس لیے مسجد حرام میں کوئی کافر داخل ہو تو ہو سکتا ہے (۲)۔
- ۲۔ نیز نبی علیہ السلام نے حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ کو مسجد نبوی میں بحالت شرک ٹھہرایا تھا (۳)۔
- ۳۔ حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ بھی قبول اسلام سے قبل مسجد نبوی میں صلح وغیرہ کے لیے آیا جایا کرتے تھے (۴)۔

تحقیق مذہب احناف

یہاں علماء کو بقول علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا قول و مذہب سمجھنے میں

(۱) المغنی: ۲۸۷/۹، والأوجز: ۶۵۱/۱۵۔

(۲) عن عثمان بن أبي العاص رضي الله عنه: "أن وفد ثقيف لما قدموا على رسول الله صلى الله عليه وسلم ضرب لهم قبة في المسجد، فقالوا: يا رسول الله، قوم أنجاس! فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إنه ليس على الأرض من أنجاس الناس شيء، إنما أنجاس الناس على أنفسهم". اللفظ للجصاص: ۱۱۵/۳، التوبة: ۲۸، وكذا انظر سنن أبي داود، كتاب الخراج.....، باب ما جاء في خبر الطائف، رقم (۳۰۲۶)، ومسند أحمد: ۱۴۸/۵، حديث عثمان بن أبي العاص، رقم (۱۸۰۷۴)، ومسند أبي داود الطيالسي: ۵۰۱/۱، رقم (۹۸۱)، وما أسند عن عثمان.....

(۳) عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: "بعث النبي صلى الله عليه وسلم خيلاً قبل نجد، فجاءت برجل من بني حنيفة، يقال له: ثمامة بن أثال، فربطوه بسارية من سواري المسجد....."، انظر الصحيح للبخاري، كتاب المغازي، باب وفد بني حنيفة، وحديث ثمامة.....، رقم (۴۳۷۲)۔

(۴) السير الكبير مع شرحه للسرخسي: ۹۶/۱/۱، وإعلاء السنن: ۵۳۰/۱۲، والأوجز: ۶۵۲/۱۵۔

مغالطہ ہوا ہے، اسی بنیاد پر اکثر ناقلین مذہب نے یہ نقل کر دیا ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اس بات کے قائل ہیں کہ کافر کو مسجد حرام، حرم مکی اور دیگر مساجد میں داخلے کی مطلقاً اجازت ہے (۱)۔

لیکن امام اعظم، دیگر علمائے احناف میں سے کسی کا بھی مذہب یہ نہیں ہے، بلکہ وہ اسے امام وقت اور حاکم شہر کی اجازت کے ساتھ مشروط ٹھہراتے ہیں کہ ان کی اجازت ہو تو داخل ہو سکتا ہے ورنہ نہیں۔

دیگر علمائے مذاہب کے ساتھ احناف کا جو اختلاف ہے، اس کی بنیاد بھی یہی ہے کہ جمہور وجوب منع کے قائل ہیں کہ امام پر یہ لازم ہے کہ کفار کو دخول حرم وغیرہ سے روکے، جب کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ عدم وجوب کے قائل ہیں کہ منع کرنا اور کفار کو دخول حرم سے روکنا واجب نہیں، امام وقت جس میں مصلحت سمجھے اسی کو اختیار کرے، علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے اختلاف مذاہب نقل کرنے کے بعد امام اعظم رحمہ اللہ کی دلیل کے طور پر یہ آیت کریمہ بھی نقل کی ہے: ﴿أُولَئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ﴾ (۲)۔ اس آیت سے معلوم یہی ہو رہا ہے کہ اگر کفار ہماری مساجد اور حرم وغیرہ میں داخل ہوں بھی تو ڈرے اور سہمے ہوئے داخل ہوں (۳)۔ اور خوف و فزع کی یہ کیفیت تبھی حاصل ہوگی جب وہ مسلمانوں کی اجازت سے داخل ہوں گے۔ اس تحقیق کو نقل کرنے کے بعد علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”وهذا هو مذهب الحنفية في هذا الباب، ولكنهم لا يرون المنع

واجباً، فلو منعهم الإمام والمسلمون عن ذلك كان حسناً، وإن أذنوا لهم فيه

لحاجة فلا بأس به، هذا هو الحق الذي ظهر لي من كلام القوم“ (۴)۔

علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں اس بات کی تصریح کی ہے کہ ”هذا هو الحق“۔ ان کو اس کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال میں ظاہری تعارض ہے، اس مسئلے میں ان کے دو قول ہیں، چنانچہ ان کی تصنیف ”الجامع الصغير“ کی عبارت سے اجازت معلوم ہوتی ہے، فرماتے ہیں: ”ولا بأس

(۱) قال الموفق في المغني (۹/۲۸۶): ”..... وقال أبو حنيفة: لهم دخوله كالْحِجَازِ كُلِّهِ“۔

(۲) البقرة: ۱۱۴۔

(۳) روح المعاني: ۱/۴۹۶، سورة البقرة/۱۱۴۔

(۴) إعلاء السنن: ۱۲/۵۳۱۔

بأن يدخل أهل الذمة المسجد الحرام“ (۱)۔

اس عبارت میں جواز مع الکراہۃ کی طرف اشارہ ہے۔

جب کہ سیر کبیر (۲) کی عبارت سے ممانعت معلوم ہوتی ہے، اس تعارض کو ختم کرنے کے لیے علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا بات ارشاد فرمائی، کیونکہ ممکن حد تک رفع تعارض کے لیے جمع اور تطبیق کی صورت اختیار کرنی چاہیے (۳)۔

علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کی تائید امام ابو بکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ کی آیت کریمہ ﴿أولئك ما كان لهم أن يدخلوها إلا خائفين.....﴾ (۴) کی تفسیر سے بھی ہوتی ہے، فرماتے ہیں کہ اس ارشاد باری تعالیٰ کا حاصل یہ ہے کہ اگر کفار مساجد میں بغیر اجازت داخل ہو جائیں تو مسلمانوں پر یہ لازم ہے کہ ان کو وہاں سے نکال دیں، اگر اس طرح کا معاملہ ان کے ساتھ نہ کیا گیا تو یہ کفار مساجد میں داخل ہوتے وقت بے خوف ہوں گے اور مطلوب شرعی ان کو خوف زدہ کرنا ہے (۵)۔

جمہور کے دلائل کا جواب

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے جمہور کی دلیل آیت کریمہ ﴿يا أيها الذين آمنوا إنما المشركون نجس.....﴾ کے مختلف جوابات دیے گئے ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

❶ بنو ثقیف کے وفد کی آمد خدمت نبوی میں غزوہ تبوک کے بعد ہوئی، سورہ توبہ بھی اس وقت نازل ہو چکی تھی، اس کے باوجود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا۔ چنانچہ ان کی نجاست باطنی جب

(۱) إعلاء السنن: ۵۳۰/۱۲، والدر المختار: ۳۰۱/۳، کتاب السیر، فصل فی الجزية، و کتاب الحظر والإباحة: ۲۷۴/۵، فصل فی البیع۔

(۲) عن الزهري: "أن أبا سفيان بن حرب كان يدخل المسجد في الهدنة، وهو كافر، غير أن ذلك لا يحل في المسجد الحرام، قال الله تعالى: ﴿إنما المشركون نجس فلا يقربوا المسجد الحرام﴾، انظر السیر الكبير: ۹۶/۱/۱، باب دخول المشرکین المسجد، رقم الباب (۲۷)۔

(۳) إعلاء السنن: ۵۳۱/۱۲۔

(۴) البقرة: ۱۱۴۔

(۵) أحكام القرآن للجصاص الرازي: ۶۱/۱، سورة البقرة، ذکر وجوه النسخ۔

اس میں مانع نہ ہوئی کہ ان کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا جائے تو بطریق اولیٰ حرم اور حجاز میں ٹھہرانا ممنوع نہ ہوگا، کیوں کہ طہارت کی جو شرط ہے وہ تو دخول مسجد کے لیے ہے، نہ کہ دوسری جگہوں کے لیے، اس لیے جب وہ بغیر طہارت کے مسجد نبوی میں داخل ہو چکے تو دوسری جگہوں سے ان کی نجاست باطنی کو بنیاد بنا کر روکنا کیونکر ممکن ہوگا (۱)۔

۲ آیت کریمہ کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اس میں جو نہی و ممانعت وارد ہوئی، ﴿فلا یقربوا المسجد الحرام﴾ اس کا تعلق مشرکین کے ایک خاص گروہ سے ہے، جن کو مکہ مکرمہ و دیگر مساجد میں داخلے کی ممانعت تھی، نہ ہی وہ ذمی بن سکتے تھے، یعنی مشرکین عرب، ان کے لیے تو صرف دو ہی صورتیں تھیں، اسلام کہ اسے قبول کریں یا تلوار کہ اس سے ان کی گردنیں ماری جائیں (۲)۔

۳ آیت کریمہ میں دخول مکہ سے جو ممانعت ہے، اس کا تعلق ایک خاص عمل سے ہے، یعنی حج۔ اور مطلب یہ ہے کہ اب وہ حج کے لیے نہیں آ سکتے، اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو یہ حکم دیا تھا، جب وہ حج کے لیے گئے، کہ منیٰ میں یوم النحر کو یہ اعلان کریں، ”أن لا یحج بعد العام مشرک“ (۳) کہ ”اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کے لیے نہ آئے۔“

۴ آیت کریمہ کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ مشرکین اب غالب ہو کر یا مسلمانوں پر تعلیٰ کا اظہار کرتے ہوئے مکہ مکرمہ میں داخل نہیں ہو سکتے (۴)۔ اس کی تائید اس آیت سے بھی ہوتی ہے، ﴿اولئک ما کان لہم أن یدخلوها.....﴾ (۵) چنانچہ معلوم یہ ہوا کہ اگر کفار ذمی ہوں تو وہاں داخل ہو سکتے ہیں کہ اس صورت میں وہ

(۱) إعلاء السنن: ۵۲۸/۱۲۔

(۲) حوالہ بالا، وأحكام القرآن: ۱۱۴/۳، سورة التوبة، هل يجوز دخول المشرك المسجد؟

(۳) إعلاء السنن: ۵۲۸/۱۲، وأحكام القرآن: ۸۸/۱، سورة البقرة، الحث على نظافة البدن والثياب، وقال السرخسي في تأويل هذه الآية: ”الدخول على الوجه الذي كانوا يعتادوا في الجاهلية على ما روي أنهم كانوا يطوفون بالبيت عراة، والمراد القرب من حيث التدبير والقيام بعمارة المسجد الحرام.....“ شرح كتاب السير الكبير: ۹۷/۱/۱، رقم الباب (۲۷)۔

(۴) الهداية: ۲۳۹/۷، كتاب الكراهية، مسائل متفرقة، وعمدة القاري: ۳۰۰/۱۴، رقم (۳۵۰۳)، باب هل يستشفع إلى أهل الذمة.....

(۵) البقرة: ۱۱۴۔

مغلوب و مقهور ہوں گے، نہ کہ حربی کفار، الا یہ کہ امام کی اجازت سے امان لے کر داخل ہوں (۱)۔

جہاں تک جمہور کی دوسری اور چوتھی دلیل کا تعلق ہے تو حنفیہ بھی اسی کے قائل ہیں کہ عام مساجد میں کفار کا دخول اذن امام یا عام مسلمانوں کی اجازت سے مشروع ہے، اس لیے یہ حنفیہ کے خلاف دلیل نہیں بن سکتیں، جیسا کہ ماقبل میں گزرا۔

رہی یہ بات کہ نجاست شرک دخول مسجد سے مانع ہے، اس کو ہم تسلیم نہیں کرتے، کیوں کہ اس کا تعلق ان کے باطن اور اعتقاد سے ہے، جو مسجد کے تقدس کے لیے مضر ہے، نہ اس کی ناپاکی کا سبب ہے (۲)۔
واللہ اعلم بالصواب

غیر مسلموں کے عبادت خانوں میں جانے کا حکم

فقہاء نے لکھا ہے کہ مسلمانوں کے لیے یہود کے معابد، نصاریٰ کے کلیساؤں اور ہندوؤں کے مندروں وغیرہ میں جانا مکروہ ہے۔ وجہ کراہت یہ ہے کہ یہ جاہلیں شیاطین کا گڑھ ہیں، اس لیے ان مقامات میں جانے سے احتراز کرنا چاہیے، یہ مطلب ہر گز نہیں ہے کہ ان مقامات میں مسلمانوں کو داخلے کا حق نہیں ہے۔ واللہ اعلم (۳)

وَقَالَ عُمَرُ ، عَنْ النَّبِيِّ ﷺ : (أَفْرُكُكُمْ مَا أَفْرَكُكُمْ اللَّهُ بِهِ) . [ر : ۲۲۱۳]

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ نے یہود سے کہا تھا کہ میں تمہیں اس وقت تک یہاں برقرار رکھوں گا جب تک کہ اللہ تعالیٰ تمہیں یہاں برقرار رکھتے ہیں۔

مذکورہ تعلیق کی تفصیل و مقصد

مذکورہ بالا کلمات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود خیبر کے لیے ارشاد فرمائے تھے، خیبر کی فتح کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ارادہ یہ ظاہر فرمایا تھا کہ یہود کو وہاں سے نکال دیا جائے، کیوں کہ اب علاقہ مسلمانوں کی ملکیت میں آچکا تھا، جب یہود کو آپ علیہ السلام کے اس ارادے کی خبر ہوئی تو انہوں نے آپ کی

(۱) إعلاء السنن: ۱۲/۵۳۰.

(۲) الہدایۃ: ۲۳۹/۷، کتاب الکراہیۃ، مسائل متفرقة، والأوجز: ۶۵۳/۱۵.

(۳) حاشیۃ ابن عابدین: ۲۷۴/۵، کتاب الحظر والإباحۃ، فصل فی البیع، والفتاویٰ الہندیۃ: ۳۴۶/۵،

کتاب الکراہیۃ، الباب الرابع عشر فی أهل الذمة.....

بارگاہ میں یہ گزارش و درخواست کی کہ ان کو وہاں سے نکالا نہ جائے، اس کے بدلے میں عمل ان کی طرف سے ہوگا اور مسلمانوں کو نصف پیداوار ادا کی جائے گی، نبی علیہ السلام نے ان کی یہ درخواست قبول کی اور یہ بھی واضح فرمایا کہ ہم جب تک تمہیں یہاں برقرار رکھنا چاہیں، رکھیں گے، جب چاہیں گے نکال دیں گے، یہ بات یہود نے تسلیم کر لی، معاملہ اسی پر جاری رہا، یہاں تک کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ان کو وہاں سے نکال کر تیماء اور اریحاء کی طرف بھیج دیا (۱)۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب میں مذکورہ مقصد کو ثابت و مدلل کرنے کے لیے یہ تعلق پیش کیا کہ یہود و دیگر کفار کو جزیرہ عرب سے نکالا جائے گا، ان کو وہاں رہنے کی اجازت نہیں ہوگی۔

مذکورہ تعلق کی تخریج

اس تعلق کو امام بخاری رحمہ اللہ نے موصولاً اپنی ”صحیح“ میں کتاب الحرث..... میں ذکر کیا ہے (۲)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ تعلق کا انطباق

مذکورہ تعلق کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت واضح ہے کہ ترجمہ اخراج یہود کا تھا اور تعلق کا تعلق بھی اسی سے ہے، اوپر ذکر کردہ تفصیل اس کو بخوبی واضح کر رہی ہے۔

۲۹۹۶ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُسُفَ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ : حَدَّثَنِي سَعِيدُ الْمَقْبُرِيُّ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : بَيْنَا نَحْنُ فِي الْمَسْجِدِ ، خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ فَقَالَ : (أَنْطَلِقُوا إِلَى يَهُودَ) . فَخَرَجْنَا حَتَّى جِئْنَا بَيْتَ الْمُدْرَاسِ ، فَقَالَ : (أَسْلِمُوا تَسْلَمُوا ، وَأَعْلَمُوا أَنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ ، وَإِنِّي أُرِيدُ أَنْ أَجْلِبَكُمْ مِنْ هَذِهِ الْأَرْضِ ، فَمَنْ يَجِدْ مِنْكُمْ بِمَالِهِ شَيْئًا فَلْيَبِعْهُ ، وَإِلَّا فَاَعْلَمُوا أَنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ) . [۶۵۴۵ : ۶۹۱۶]

(۱) انظر الصحيح للبخاري، كتاب الحرث، باب إذا قال رب الأرض: أفرك ما أفرك الله، رقم (۲۳۳۸)۔

(۲) حوالہ بالا، وكذا وصله مسلم في صحيحه، كتاب المساقاة، باب المساقاة، رقم (۳۹۶۷)۔

(۳) قوله: "عن أبي هريرة رضي الله عنه": الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، كتاب الاعتصام، باب قوله

تعالى: ﴿وَكَانَ الْإِنْسَانُ أَكْثَرُ شَيْءٍ جَدَلًا﴾ رقم (۷۳۴۸)، وكتاب الإكراه، باب في بيع المكروه ونحوه،،

رقم (۶۹۴۴)، ومسلم، كتاب الجهاد، باب إجماع اليهود من الحجاز، رقم (۴۵۹۱)، وأبوداود، كتاب

تراجم رجال

۱- عبد اللہ بن یوسف

یہ عبد اللہ بن یوسف تینسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا مختصر تذکرہ ”بدء الوحي“ کی دوسری حدیث کے تحت گزر چکا ہے (۱)۔

۲- اللیث

یہ امام ابوالحارث لیث بن سعد فہمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ ”بدء الوحي“ کی تیسری حدیث کے ذیل میں آچکا ہے (۲)۔

۳- سعید المقبری

یہ ابوسعید سعید بن کیسان مقبری مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الإیمان، ”باب الدین یسر.....“ کے تحت بیان کیے جا چکے ہیں (۳)۔

۴- أبیه

یہاں ”اب“ سے مراد سعید المقبری کے والد ابوسعید کیسان بن سعید المقبری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۴)۔

۵- ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإیمان، ”باب أمور الإیمان“ میں گزر چکے (۵)۔

قال: بينما نحن في المسجد خرج النبي صلى الله عليه وسلم، فقال: انطلقوا

= الخراج.....، باب كيف كان إخراج اليهود،.....؟ رقم (۳۰۰۳)۔

(۱) كشف الباري: ۱/۲۸۹۔

(۲) كشف الباري: ۱/۳۲۴۔

(۳) كشف الباري: ۲/۳۳۶۔

(۴) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الأذان، باب وجوب القراءة للإمام والمأموم.....

(۵) كشف الباري: ۱/۶۵۹۔

إلى يهود

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم (صحابہ) مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرے سے نکلے اور فرمایا، یہود کی طرف چلو۔

حدیث میں یہود سے کون لوگ مراد ہیں؟

اوپر حدیث میں یہ آیا ہے کہ ”انطلقوا إلى يهود“ اب سوال یہ ہے کہ اس سے یہود کا کون سا قبیلہ مراد ہے؟ اس سوال کے جواب سے پہلے یہ سمجھ لیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے، اس وقت وہاں کفار کی تین قسمیں تھیں:

۱ کفار محاربین، جو باقاعدہ دشمنی کا اعلان کرتے تھے، جنگ کے لیے آمادہ تھے اور آپ علیہ السلام ومہاجرین کا وجود برداشت کرنے کو قطعی تیار نہ تھے۔

۲ کفار مترددین، جو اس بات کے منتظر تھے کہ دیکھتے ہیں کہ ان مسلمانوں کا انجام کیا ہوتا ہے؟ اگر غالب آگئے تو ہم بھی ان کے ساتھ ہو جائیں گے، ورنہ اپنے آبائی دین پر قائم رہیں گے۔

پھر ان کی بھی تین قسمیں تھیں: ایک تو وہ تھے جو نبی علیہ السلام کا باطناً غلبہ چاہتے تھے، جیسے بنو خزاعہ، دوسرے وہ لوگ تھے جو باطناً آپ علیہ السلام کی شکست کے متمنی تھے، جیسے بنو بکر، تیسری قسم ان لوگوں کی تھی جو ظاہراً تو آپ علیہ السلام کے ساتھ تھے اور باطناً ان کے دشمنوں کے حامی، جیسے منافقین۔

۳ یہود مدینہ، یعنی بنو نضیر، بنو قریظہ اور بنو قینقاع وغیرہ، ان کے ساتھ نبی علیہ السلام کا یہ معاہدہ ہوا تھا کہ ایک دوسرے کے ساتھ جنگ کریں گے نہ ایک دوسرے کے خلاف کسی قبیلے کی مدد کریں گے (۱)۔

لیکن یہود کی چوں کہ فطرت و سرشت ہی میں مکرو و غابازی داخل ہے، یہاں بھی اس سے باز نہ آئے اور اس معاہدے کی پاسداری نہیں کی، چنانچہ سب سے پہلے بنو قینقاع نے یہ معاہدہ توڑا اور یہود میں سے یہی سب سے پہلے مدینہ منورہ سے جلا وطن کیے گئے، ان کی جلا وطنی کا یہ واقعہ پندرہ شوال ۲ھ کا ہے (۲)۔

بنو قینقاع کے بعد یہود میں سے بنو نضیر نے عہد شکنی کی، ان کو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ

(۱) انظر فتح الباري: ۷/۳۳۰، وكشف الباري، كتاب المغازي: ۱۷۸-۱۷۹.

(۲) كشف الباري، كتاب المغازي: ۱۸۲.

منورہ سے جلاوطن کیا اور یہ ۴ھ کے اوائل کا واقعہ ہے۔

بنو قریظہ نے چوں کہ غزوہ خندق میں قریش کا ساتھ دیا اور نبی علیہ السلام کے ساتھ اپنے معاہدے کو توڑا تھا، اس لیے وہ بھی ۵ھ کو قتل کیے گئے، ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنالیا گیا (۱)۔

قبائل یہود کی جلاوطنی کے مذکورہ بالا تمام واقعات کا تعلق غزوہ خیبر سے قبل کا ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فتح خیبر کے بعد آئے اور اسلام قبول کیا، اس لیے حدیث کے یہ الفاظ ”بینما نحن فی المسجد..... إلی یہود“ مشکل ثابت ہو رہے ہیں کہ یہاں یہود سے کون مراد ہیں؟

علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ کے سیاق کلام سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہاں یہود سے بنو نضیر مراد ہیں۔

لیکن یہ جواب اس صورت میں قابل قبول ہو سکتا ہے کہ ”بینما نحن“ سے مراد ”بینما المسلمون“ ہو، اب مطلب یہ ہوگا کہ وہ کسی امر سابق کی حکایت بیان کر رہے ہیں، جس میں وہ خود شریک نہیں تھے، لیکن قدیم الاسلام مسلمانوں سے اس بارے سن رکھا تھا اور اس کی تعبیر انہوں نے ”نحن“ صیغہ متکلم سے کر دی (۲)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث باب میں مذکور یہود کے نسب کی تصریح مجھے کسی کے ہاں نہیں ملی کہ یہ کون تھے، ظاہر یہ ہے کہ بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ کے بعد کچھ یہودی جو مدینہ میں رہ گئے تھے، وہی یہاں مراد ہیں (۳)۔ چنانچہ حدیث باب میں مذکور مکالمہ انہی یہود سے ہوا تھا، اس دوران حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے، اسی مکالمے کے دوران نبی علیہ السلام نے ان کے بھی اخراج کا ارادہ ظاہر فرمایا، تا کہ جزیرہ عرب یہود و دیگر کفار سے بالکل پاک و صاف ہو جائے (۴)۔ واللہ اعلم بالصواب

فخرجنا حتی جئنا بیت المدراس

چنانچہ ہم نکلے، یہاں تک کہ بیت المدراس میں آئے۔

(۱) تفصیل کے لیے دیکھیے، کشف الباری، کتاب المغازی: ۲۹۶۔

(۲) فتح الباری: ۲۷۱/۶۔

(۳) حوالہ بالا، و ذکر الحافظ رحمہ اللہ فیہ وجوہا أخرى أيضاً، انظرها إن شئت۔

(۴) إرشاد الساری: ۲۳۵/۵۔

بیت المدراس کے معنی

اس لفظ کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں:

- ① بیت المدراس وہ جگہ کہلاتی ہے، جہاں یہود کا عالم (ربی) انہیں مذہبی کتابوں کی تعلیم دیا کرتا تھا۔
 - ② مدراس سے ان کا وہ عالم مراد ہے، جو ان کی کتاب پڑھا اور پڑھایا کرتا تھا (۱)۔
- پہلی صورت میں ظرفیت اور دوسری صورت میں فاعلیت کے معنی ہیں۔ اوپر ترجمے میں پہلی صورت کو اختیار کیا گیا ہے۔

فقال: أسلموا تسلموا، واعلموا أن الأرض لله ورسوله، وإنني أريد أن أجعلكم من هذه الأرض

نبی علیہ السلام نے فرمایا، اسلام قبول کرلو، محفوظ و مامون ہو جاؤ گے اور یہ جان لو کہ زمین اللہ اور اس کے رسول کی ہے، نیز یہ کہ میں تمہیں اس سرزمین (حجاز مقدس) سے جلا وطن کرنا چاہتا ہوں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ”أسلموا تسلموا“ جو امع الکلم میں سے ہے، جو اپنے اختصار کے باوجود دنیا و آخرت کی تمام تر کامیابیوں کو سموئے ہوئے ہے، نیز یہ ارشاد بلاغت لفظی و معنوی کی جامع مثال ہے (۲)۔

اس حدیث کے دیگر طرق میں ”أسلموا تسلموا“ کا جملہ مکرر آیا ہے، کہ آپ علیہ السلام نے یہ بات کئی بار ارشاد فرمائی، لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے یہاں غالباً اختصار کے پیش نظر صرف ایک جملے کا ذکر فرمایا ہے (۳)۔

”واعلموا.....“ کا جملہ ابتدائیہ متانفہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ ”أسلموا تسلموا“ تو گویا انہوں نے استفسار کیا ”لَمْ قُلْتُ هَذَا وَكُرَّرْتَهُ؟“ کہ آپ نے ہمیں یہ

(۱) حوالہ بالا، قال الحافظ في فتح الباري (۶/۲۷۱): والأول أرجح؛ لأن في الرواية الأخرى: ”حتى أتى المدراس.....“، ولكن رده العيني رحمه الله (۱۵/۸۹) حيث قال: ”ما ثم ترجيح؛ لأن معنى أتى المدراس أي جاء مكان دراستهم للتوراة ونحوها“.

(۲) إرشاد الساري: ۲۳۵/۵.

(۳) انظر الصحيح للبخاري، كتاب الإكراه، باب في بيع المكره، رقم (۶۹۴۴)، وسنن أبي داود، كتاب الخراج.....، باب كيف كان إخراج اليهود؟ رقم (۳۰۰۳).

الفاظ کیوں کہے اور ان کا تکرار کیوں کیا؟ اس کے جواب میں آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ بات اچھی طرح سمجھ اور جان لو کہ میں تمہیں نکالنا چاہتا ہوں، اگر تم لوگ اسلام لے آئے تو جلاوطنی سے بچ جاؤ گے اور دیگر مشکلات سے بھی، جو جلاوطنی سے بھی زیادہ شاق ہو سکتی ہیں (۱)۔

فمن یجد منکم بمالہ شیئاً فلیبعہ

اس لیے جس شخص کی ملکیت میں کوئی ایسی چیز ہو جو غیر منقول ہو تو وہ اس کو یہیں فروخت کر دے۔

یجد کا مشتق منہ اور معنی

حدیث میں وارد لفظ ”یجد“ وجدان سے مشتق ہے، یا وجد سے، وجدان کے معنی پانے کے اور وجد کے معنی محبت کے ہیں۔

وجدان سے مشتق ماننے کی صورت میں مذکورہ بالا جملے کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ اشیاء جن کو منتقل کرنا دشوار ہو، جیسے درخت وغیرہ، یا ناممکن ہو، جیسے جائیداد وغیرہ تو ان کا اگر کوئی خریدار مل جائے، ان کی اگر فروخت ممکن ہو تو فروخت کر دو، گویا آپ علیہ السلام نے اس ارشاد کے ذریعے ان یہود کو اس امر کی اجازت دی ہے کہ اگر وہ ان اشیاء کو فروخت کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔

وجد سے مشتق ماننے کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ وہ اشیاء جو تمہیں محبوب ہیں، پسند ہیں، انہیں تم فروخت کر سکتے ہو (۲)۔

وإلا فاعلموا أن الأرض لله ورسوله

اور اگر بیع نہیں ہوگی تو جان لو کہ زمین تو اللہ اور اس کے رسول ہی کی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اپنی مملوکہ چیزیں فروخت کر سکتے ہو تو کر دو، ورنہ یہاں سے نکلنا تو تمہارا مقدر ہے، اس لیے بہر حال نکلنا پڑے گا، اللہ تعالیٰ کی مشیت یہی ہے کہ وہ تمہاری ان زمینوں کا وارث مسلمانوں کو بنائے، اس لیے یہاں سے نکل جاؤ (۳)۔

(۱) عمدة القاري: ۹۰/۱۵، وفتح الباري: ۲۷۱/۶، وإرشاد الساري: ۲۳۵/۵.

(۲) حوالہ جات بالا۔

(۳) عمدة القاري: ۹۰/۱۵، وإرشاد الساري: ۲۳۵/۵، وشرح الکرمانی: ۱۳۳/۱۳.

ترجمة الباب کے ساتھ حدیث کا انطباق

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کا ترجمہ الباب کے ساتھ انطباق بایں معنی ہیں کہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارادہ نقل کیا گیا کہ آپ نے یہود کے اخراج کا ارادہ فرمایا تھا، وجہ یہ تھی کہ آپ علیہ السلام سرزمین عرب میں غیر مسلموں کی موجودگی کو ناپسند کرتے تھے، لیکن قضا نے مہلت نہ دی کہ اپنے ارادے کو پورا کرتے، مگر وصیت کر گئے کہ غیر مسلموں کو جزیرہ عرب سے نکالنا ہے، چنانچہ اس وصیت پر بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں عمل کیا اور باقی ماندہ کفار و یہود سب کو وہاں سے نکال باہر کیا، یہی مقصود ترجمہ تھا (۱)۔

۲۹۹۷ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ : حَدَّثَنَا أَبُو عِيْنَةَ ، عَنْ سُلَيْمَانَ الْأَحْوَلِ : سَمِعَ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ : سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يَقُولُ : يَوْمَ الْخَمِيسِ وَمَا يَوْمَ الْخَمِيسِ ، ثُمَّ بَكَى حَتَّى بَلَ دَمْعُهُ الْحَصَى ، قُلْتُ يَا أَبَا عَبَّاسٍ : مَا يَوْمَ الْخَمِيسِ ؟ قَالَ : أَشَدَّ بِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَجَعُهُ ، فَقَالَ : (أَتُونِي بِكِتَابٍ لَكُمْ كِتَابًا لَا تَصِلُوا بَعْدَهُ أَبَدًا) . تَنَازَعُوا ، وَلَا يَنْبَغِي عِنْدَ نَبِيِّ تَنَازُعٍ ، فَقَالُوا : مَا لَهُ أَهْجَرَ اسْتَفْهِمُوهُ ؟ فَقَالَ : (ذُرُونِي ، فَإِلَٰذِي أَنَا فِيهِ خَيْرٌ مِمَّا تَدْعُونِي إِلَيْهِ) . فَأَمَرَهُمْ بِثَلَاثٍ ، قَالَ : (أَخْرِجُوا الْمُشْرِكِينَ مِنْ جَزِيرَةِ الْعَرَبِ ، وَأَجِيزُوا الْوَفْدَ بِنَحْوِ مَا كُنْتُ أَجِيزُهُمْ) . وَالثَّلَاثَةُ خَيْرٌ ، إِمَّا أَنْ سَكَتَ عَنْهَا ، وَإِمَّا أَنْ قَالَهَا فَانْسَيْتُهَا . قَالَ سُفْيَانُ : هَذَا مِنْ قَوْلِ سُلَيْمَانَ . [ر : ۱۱۴]

تراجم رجال

۱- محمد

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ محمد کے بارے میں کسی راوی نے یہ وضاحت نہیں کی کہ محمد سے مراد کون ہیں؟ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ مراد ابن سلام ہیں، کیوں کہ کتاب الوضوء کی ایک

(۱) هذا خلاصة ما ذكره العيني في العمدة: ۸۹/۱۵، وأيضاً انظر إرشاد الساري: ۲۳۵/۵، وشرح ابن بطلال: ۳۴۱/۵-۳۴۲.

(۲) قوله: "ابن عباس رضي الله عنه": الحديث، مرّ تخريجه في كتاب العلم، باب كتابة العلم.

روایت میں ”حدثنا محمد حدثنا ابن عیینة“ آیا ہے (۱)۔ اسی پر حافظ علیہ الرحمۃ نے جزم کیا ہے کہ جس طرح وہاں ابن سلام مراد ہیں، یہاں بھی وہی مراد ہیں (۲)۔

اور محمد بن سلام بیکندی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کتاب الإیمان، ”باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: أنا اعلمکم باللہ.....“ کے تحت گزر چکے ہیں (۳)۔

۲- ابن عیینة

یہ مشہور امام حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ ”بدء الوحي“ کی پہلی حدیث کے ضمن میں اجمالاً اور کتاب العلم، ”باب قول المحدث: حدثنا.....“ کے تحت تفصیلاً گزر چکا (۳)۔

۳- سلیمان

یہ سلیمان بن ابی مسلم الاحول رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۵)۔

(۱) انظر صحيح البخاري، كتاب الوضوء، باب غسل المرأة أباهما الدم.....، رقم (۲۴۳)۔

(۲) فتح الباري: ۶/۲۷۱، ورد عليه العيني - كعاداته في مواضع شتى - حيث قال: ”لا يلزم من قوله في الوضوء: حدثنا ابن سلام عن ابن عينة، أن يكون هنا أيضاً ابن سلام عن ابن عينة؛ لأنه قال في عدة مواضع: عن محمد بن يوسف البيكندي عن ابن عينة، وروى الإسماعيلي هذا الحديث عن الحسن بن سفیان عن محمد بن خلاد الباهلي عن ابن عينة،.....“ (انظر العمدة: ۱۵/۹۰) هذا الكلام منه - كما ترى - ولكنه أيضاً لا يخلو عن النظر؛ لأنه كما لا يلزم من أن يكون ابن سلام، كذلك لا يلزم أن يكون ابن يوسف البيكندي، ولا سيما إذا صرح الإمام البخاري رحمه الله في جميع المواضع من كتاب الوضوء، بنسب محمد بن يوسف، إلا محمداً الذي نحن بصدد، فإنه قال هناك فقط: ”محمد عن ابن عينة“ غير منسوب، كما ذكر هنا أيضاً غير منسوب، ومن ثم لم يقل هناك في الوضوء: ”ابن سلام“ كما أشرنا إليه الآن، ثم إن أراد العيني رحمه الله بقوله: ”وروى الإسماعيلي.....“ أنه يمكن أن يكون ابن خلاد فهو مما لا يمكن؛ لأن ابن خلاد الباهلي لا يروي عنه الإمام البخاري، ولا هو من شيوخه، نعم ابن خلاد من تلامذة ابن عينة الإمام، (انظر تهذيب الكمال: ۲/۱۶۹-۱۷۰)، فلعل هذا الأمر أوقعه في الحيرة، والله أعلم بالصواب. والعلامة القسطلاني أيضاً جزم بقول الحافظ، انظر شرحه: ۵/۲۳۵۔

(۳) كشف الباري: ۲/۹۳۔

(۴) كشف الباري: ۱/۲۳۸، و: ۳/۱۰۲۔

(۵) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب التہجد، باب التہجد باللیل۔

۴- سعید بن جبیر

یہ مشہور تابعی حضرت سعید بن جبیر اسدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۵- عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

یہ مشہور صحابی حضرت عبد اللہ بن عباس ہاشمی رضی اللہ عنہما ہیں۔ ان دو حضرات کا تذکرہ بدء الوحي کی ”الحديث الرابع“ کے تحت ذکر کیا جا چکا ہے (۱)۔

تنبیہ

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت کی تشریح کتاب العلم اور کتاب المغازی میں آچکی ہے (۲)۔

ترجمة الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت اس جملے سے ہو رہی ہے، ”أخرجوا المشركين من جزيرة العرب“ لیکن اشکال یہ ہو رہا ہے کہ ترجمہ تو اخراج یہود کا ہے، جب کہ حدیث میں اخراج مشرکین کا ذکر ہے، لہذا مطابقت کیسے ہوئی؟

جواب یہ ہے کہ لفظ مشرک عام ہے، جو یہود کو بھی شامل ہے، یہاں قابل توجہ امر یہ ہے کہ اکثر یہود اللہ کی وحدانیت کے قائل ہوتے ہیں، مسلمانوں کے بعد دنیا کی یہی ایک قوم ہے، جو توحید کی قائل ہے، اس کے باوجود ان کو نکالنے کا حکم ہے، تو مشرکین و دیگر کفار کو نکالنا تو بطریق اولیٰ واجب ہوگا (۳)۔ واللہ اعلم

یہاں یہ بات بھی ملحوظ رہنی چاہیے کہ روایت باب میں نسخوں کا اختلاف ہے، ایک نسخے میں ”أخرجوا المشركين.....“ جب کہ دوسرے میں، جو جیانی کا نسخہ ہے، ”أخرجوا اليهود.....“ آیا ہے، روایتی حیثیت سے یہ پہلا نسخہ اثبت اور رائج ہے (۴)۔

(۱) کشف الباری: ۴۳۵/۱۔

(۲) کشف الباری، کتاب العلم: ۳۳۰-۳۸۵، و کتاب المغازی: ۶۷۲-۶۷۷۔

(۳) عمدة القاری: ۹۰/۱۵، و فتح الباری: ۲۷۱/۶۔

(۴) فتح الباری: ۲۷۱/۶۔

۷ - باب : إِذَا غَدَرَ الْمُشْرِكُونَ بِالْمُسْلِمِينَ ، هَلْ يُعْفَى عَنْهُمْ .

ترجمہ الباب کا مقصد

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد یہ ہے کہ اگر مشرکین مسلمانوں کے ساتھ دھوکا دہی کے مرتکب ہوں، یا مسلمانوں کے ساتھ کسی عہد کے بعد بد عہدی کا ارتکاب کریں تو کیا ان کو معاف کیا جاسکتا ہے؟ مصنف علیہ الرحمۃ نے اس سلسلے میں کوئی فیصلہ کن بات نہیں کی، وجہ یہ ہے کہ جو واقعہ روایت الباب میں نقل ہوا ہے، اس میں ائمہ و فقہاء کا اختلاف ہوا ہے، کہ آیا جس عورت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دیا تھا، اس کو سزا دی گئی تھی، یا آپ علیہ السلام نے اس کو معاف کر دیا تھا؟ (۱)

مسئلہ مذکورہ کی تفصیل

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس باب میں روایات مختلف ہیں، کہ آپ علیہ السلام نے اس یہودیہ کو قتل کروایا تھا یا نہیں؟ چنانچہ صحیح مسلم کی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ابو داؤد میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت (۲)، اسی طرح ابن ہشام (۳) کی ذکر کردہ تفصیل سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو قتل نہیں کروایا تھا، بلکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مسلم شریف کی روایت تو صراحتہ قتل کی نفی کرتی ہے، فرماتے ہیں:

”أن امرأة يهودية أتت رسول الله صلى الله عليه وسلم بشاة مسمومة، فأكل منها، فجاء بها إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فسألها عن ذلك، فقالت: أردت لأقتلك، قال: ما كان الله يسلطك على ذاك، - قال: أو قال: علي - قال: قالوا: ألا نقتلها؟ قال: لا“ (۴).

یعنی: ”ایک یہودیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک زہر آلود بکری لے

(۱) فتح الباری: ۶/۲۷۲، وعمدة القاری: ۱۵/۹۱.

(۲) سنن أبي داود، کتاب الدیات، باب فیمن سقی رجلاً سمّاً.....، رقم (۴۵۱۰).

(۳) سيرة ابن هشام: ۳/۳۳۸، بقية أمر خبير، أمر الشاة المسمومة.

(۴) انظر صحيح مسلم، کتاب السلام، باب السم، رقم (۵۷۰۵).

کرا آئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے تھوڑا تناول فرمایا، بعد میں اس عورت کو آپ کی خدمت میں حاضر کیا گیا، چنانچہ آپ نے اس سے بکری کو زہر آلود کرنے کا سبب دریافت کیا تو اس عورت نے کہا میرا ارادہ تو آپ کو قتل کرنے کا تھا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس کا موقع نہیں دیں گے، یا یہ فرمایا کہ مجھ پر تمہیں تسلط نہیں دیں گے۔ صحابہ نے عرض کیا، کہ ہم اسے قتل نہ کر دیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا، نہیں۔

جب کہ حضرت ابو سلمہ کی ایک روایت، جو ابو داؤد میں ہے (۱)، میں آیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو قتل کرایا تھا، یہی مضمون امام عبدالرزاق نے ”مصنف“ میں معمر بن راشد سے (۲) اور علامہ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے ”طبقات“ میں ”ابن لویعة عن عمر مولى عفرة“ کے طریق سے نقل کیا ہے (۳)۔

اس تعارض کو رفع کرنے کے لیے امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہ فرمایا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداءً اس سے درگزر کیا ہو، لیکن اس واقعے کے دوسرے متاثرہ شخص حضرت بشر بن البراء بن معرور رضی اللہ عنہ جب اسی زہر خوری کی وجہ سے ایک سال بعد انتقال کر گئے تو نبی علیہ السلام نے قصاصاً اس عورت کو بھی قتل کروا دیا (۴)۔

یہی جواب علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی دیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عورت کے فعل سے درگزر کرنے کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ آپ کی عادت مبارکہ کسی سے اپنی ذات کا انتقام لینے کی نہیں تھی، اسی لیے

(۱) سنن أبی داود، کتاب الدیات، باب فیمن سقی رجلاً سمّاً.....، رقم (۴۵۱۱)۔

(۲) المصنف لعبد الرزاق: ۵۳/۶، کتاب أهل الكتاب، هل یقتل ساحرهم؟ رقم (۱۰۰۵۳)، و: ۱۸۸/۱۰۔

کتاب الجامع، باب الحجامة.....، رقم (۱۹۹۸۳)۔

(۳) الطبقات الکبری لابن سعد: ۱۷۲/۱، ذکر علامات النبوة بعد نزول الوحي۔

(۴) دلائل النبوة للبيهقي: ۲۶۲/۴، وإختاره النووي في شرحه على مسلم: ۲۲۲/۲، وقال: ”قال القاضي:

وجه الجمع بين هذه الروايات والأقوال أنه لم يقتلها أولاً حين اطلع على سمها، وقيل له: اقتلها، فقال: لا.

فلما مات بشر بن البراء من ذلك سلمها لأوليائه، فقتلوها قصاصاً، فيصح قولهم: لم يقتلها أي: في الحال،

ويصح قولهم: قتلها، أي بعد ذلك“۔ وكذا السيوطي، انظر الديباج: ۸۴۸/۲۔

معاف فرما دیا تھا، پھر حضرت بشر کے بدلے اس عورت کو قصاصاً قتل کیا (۱)۔

البتہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے نبی علیہ السلام کے اس عورت سے درگزر کرنے کی ایک علت یہ بھی لکھی ہے کہ ممکن ہے نبی علیہ السلام کے درگزر کرنے کی وجہ اس عورت کا قبول اسلام ہو اور اس کے قتل کو حضرت بشر رضی اللہ عنہ کی موت تک اس لیے مؤخر کیا گیا کہ ان کی موت ہی سے وجوب قصاص کا تحقق ہوگا، چنانچہ جب وہ متحقق ہو گیا تو اسے قتل کروا دیا گیا (۲)۔

علامہ سخون مالکی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس بات پر محدثین کا اجماع نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو قتل کروایا تھا (۳)۔

لیکن جیسا کہ اوپر کی تفصیل سے معلوم ہوا، یہ مسئلہ متفق علیہ نہیں ہے، بلکہ مختلف فیہ ہے، اس لیے دعویٰ اجماع صحیح نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

اس کے بعد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب کے تحت جو سوال ذکر کیا ہے، اسے دیکھیے کہ مسئلہ مذکورہ بالا میں فقہاء کا موقف کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ امام و حاکم پر موقوف ہے کہ غدار و خائن کو کیا سزا دے؟ اگر وہ سمجھتا ہے کہ قتل کی ضرورت نہیں تو اور کوئی سزا بطور تنبیہ کے دے سکتا ہے اور معاف بھی کر سکتا ہے، مثلاً جرم کی نوعیت معمولی ہو اور اگر قتل کروانا ضروری سمجھتا ہے تو قتل کروادے، مثلاً ان کا جرم غیر معمولی نوعیت کا ہو کہ کسی مسلمان کو قتل کر دیں، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عربین کو قتل کروایا تھا کہ انہوں نے نبی علیہ السلام کے ساتھ بد عہدی کی تھی اور ان کے راعی حضرت یسار رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا، علامہ مہلب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”ويعفى عن المشركين إذا غدروا بشيء يستدرك إصلاحه وجبره،

ويعصم الله تعالى منه، إذا رأى الإمام ذلك، وإن رأى عقوبتهم عاقبهم بما

يؤدى إليه اجتهاده، وأما إذا غدروا بالقتل أو بما لا يستدرك جبره، وما لا

(۱) الروض الأنف للسهيلي: ۲/۲۴۳، فصل: وذكر الشاة المسمومة.....

(۲) فتح الباري: ۷/۴۹۷، وإرشاد الساري: ۵/۲۳۷.

(۳) عمدة القاري: ۱۵/۹۱، وشرح النووي على مسلم: ۲/۲۲۲.

يعتصم من شره؛ فلا سبيل إلى العفو كما فعل النبي صلى الله عليه وسلم في
العربيين (۱) عاقبهم بالقتل“ (۲)۔

زہر کھلا کر قتل کرنے کا حکم

یہاں ایک اور مسئلہ بھی ہے، وہ یہ کہ زہر کھلانے کی وجہ سے اگر کوئی آدمی قتل ہو جاتا ہے تو زہر دینے والے کو قصاصاً قتل کیا جائے گا یا نہیں؟

اس مسئلے میں بھی علماء کا اختلاف ہے، جمہور علماء کا موقف یہی ہے کہ اس میں قصاص واجب ہوگا اور صورت مذکورہ بالا میں زہر دینے والے کو قتل کیا جائے گا، جب کہ متقدمین حضرات حنفیہ کے یہاں زہر کھلانے سے قصاص نہیں آتا، اگرچہ زہر کھانے والا ہلاک ہو جائے (۳)۔

لیکن متاخرین حنفیہ کا فتویٰ جمہور کے قول پر ہے، کیونکہ اس زمانے میں فساد زیادہ بڑھ گیا ہے، چنانچہ مفسدین و متمردين کے شر سے عامۃ الناس کو محفوظ رکھنا اسی طرح ممکن ہوگا، امام رافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”والعمل على هذه الرواية في زماننا؛ لأنه ساع في الأرض بالفساد، فيقتل؛
دفعاً لشره“ (۴)۔

۲۹۹۸ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ قَالَ : حَدَّثَنِي سَعِيدٌ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ^(۵)

(۱) انظر لحديث العربيين، صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب قصة عكل وعرينة، رقم (۴۱۹۲)۔

(۲) شرح ابن بطلال: ۳۴۷/۵۔

(۳) البحر الرائق شرح كنز الدقائق: ۱۸/۹، كتاب الجنایات، باب ما يوجب القصاص.....، ورد المختار: ۳۸۵/۵،

والأم للشافعي: ۴۲/۶، كتاب جراح العمد، الرجل يسقي الرجل السم.....، والمغني: ۲۱۲/۸۔

(۴) انظر تقارير الرافعي على ردالمحتار: ۳۲۳/۲۔

قال الشيخ محمد تقي العثماني حفظه الله: ”ولا شك أن زماننا أكثر فساداً، فالعمل بقول الجمهور

أولى، إن شاء الله تعالى“. تكملة فتح الملهم: ۳۳۸/۲۔

(۵) قوله: ”عن أبي هريرة رضي الله عنه“: الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، كتاب المغازي، باب الشاة

التي سمت للنبي صلى الله عليه وسلم بخير، رقم (۴۲۴۹)، وكتاب الطب، باب ما يذكر في سم النبي صلى

الله عليه وسلم، رقم (۵۷۷۷)۔

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : لَمَّا فُتِحَتْ خَيْبَرُ أُهْدِيَتْ لِلنَّبِيِّ ﷺ شَاةٌ فِيهَا سُمٌّ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ :
 (اجْمَعُوا إِلَيَّ مَنْ كَانَ هَاهُنَا مِنْ يَهُودَ) . فَجُمِعُوا لَهُ ، فَقَالَ : (إِنِّي سَأَلْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَهَلْ أَنْتُمْ
 صَادِقِي عَنْهُ) . فَقَالُوا : نَعَمْ ، قَالَ لَهُمُ النَّبِيُّ ﷺ : (مَنْ أَبُوكُمْ) . قَالُوا : فُلَانٌ ، فَقَالَ :
 (كَذَبْتُمْ ، بَلْ أَبُوكُمْ فُلَانٌ) . قَالُوا : صَدَقْتَ ، قَالَ : (فَهَلْ أَنْتُمْ صَادِقِي عَنْ شَيْءٍ إِنْ سَأَلْتُ
 عَنْهُ) . فَقَالُوا : نَعَمْ يَا أَبَا الْقَاسِمِ ، وَإِنْ كَذَبْنَا عَرَفْتَ كَذِبَنَا كَمَا عَرَفْتَهُ فِي آيِنَا ، فَقَالَ لَهُمُ :
 (مَنْ أَهْلُ النَّارِ ؟) . قَالُوا : نَكُونُ فِيهَا بَسِيرًا ، ثُمَّ تَخْلَفُونَا فِيهَا ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (أَخْسَوْا
 فِيهَا ، وَاللَّهِ لَا تَخْلَفُكُمْ فِيهَا أَبَدًا) . ثُمَّ قَالَ : (هَلْ أَنْتُمْ صَادِقِي عَنْ شَيْءٍ إِنْ سَأَلْتُكُمْ عَنْهُ) .
 فَقَالُوا : نَعَمْ يَا أَبَا الْقَاسِمِ ، قَالَ : (هَلْ جَعَلْتُمْ فِي هَذِهِ الشَّاقِ سُمًّا) . قَالُوا : نَعَمْ ، قَالَ : (مَا
 حَمَلَكُمْ عَلَى ذَلِكَ) . قَالُوا : أَرَدْنَا إِنْ كُنْتَ كَاذِبًا نَسْتَرِيحُ ، وَإِنْ كُنْتَ نَبِيًّا لَمْ يَضُرَّكَ .

[۴۰۰۳ ، ۵۴۴۱]

تنبیہ

یہ سند معمولی اختلاف کے ساتھ ابھی ایک باب قبل ”باب إخراج اليهود“ میں گزر چکی ہے۔

حدیث میں مذکور واقعے کی تفصیلات

حدیث باب کو سمجھنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم اس کے پس منظر و دیگر جزئیات و تفصیلات کو بھی پیش

نظر رکھیں۔

جب خیبر فتح ہو گیا اور جنگ کی آگ سرد پڑ گئی تو ایک یہودی عورت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی
 دعوت کا پروگرام بنایا، اس وقت نبی علیہ السلام، ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تھے، چنانچہ اس
 عورت نے ایک بھنی ہوئی بکری آپ کی خدمت میں بھجوائی، اس بات کی تحقیق وہ پہلے ہی کروا چکی تھی کہ آپ صلی
 اللہ علیہ وسلم کو بکری کا بازو دیگر اعضا کے مقابلے میں زیادہ پسند ہے، تو پوری بکری اس عورت نے زہر آلود کی اور
 اس کے بازو میں زہر کی کچھ زیادہ مقدار شامل کر دی، جب وہ بکری نبی علیہ السلام و دیگر صحابہ کرام کے سامنے
 کھانے کے لیے پیش کی گئی تو آپ نے اس کا بازو اٹھایا، اس سے ایک بوٹی نوچ کر چبائی، لیکن نگلنے کی نوبت
 نہیں آئی، ساتھ ہی حضرت بشر بن البراء بن معرور بھی بیٹھے تھے، انہوں نے بھی اس میں سے کچھ لیا، لیکن وہ چبا
 کر نگل گئے اور نبی علیہ السلام نے بوٹی اگل دی، پھر فرمایا کہ یہ ہڈی مجھے بتلا رہی ہے کہ یہ زہر آلود ہے، پھر آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو بلوایا، پوچھ گچھ کی تو اس نے زہر ملانے کا اعتراف کر لیا (۱)۔
اس کے بعد حدیث باب ملاحظہ کیجیے۔

قال: لما فتحت خيبر أهديت للنبي صلى الله عليه وسلم شاة، فيها سُمُّ
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب خیبر فتح ہوا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بکری
ہدیہ پیش کی گئی، جو زہر آلود تھی۔

صحیح مسلم کے حوالے سے ابھی گزرا ہے کہ بکری پیش کرنے والی ایک یہودی عورت تھی، اس عورت کا
نام اہل سیر نے زینب بنت الحارث نقل کیا ہے، یہ سلام بن مشکم کی بیوی تھی اور مرحب کی بہن یا بھتیجی (۲)۔
کلمہ سم کی تحقیق

کلمہ سم میں تین لغتیں ہیں، اس کو سین کے فتح، ضمہ اور کسرہ تینوں حرکات کے ساتھ پڑھا گیا ہے اور فتح
افصح ہے، اس کی جمع سام و سموم ہے اس کے معنی زہر کے ہیں (۳)۔

فقال النبي صلى الله عليه وسلم: اجمعوا إلي من كان ههنا من يهود،
فجمعوا له، فقال لهم: إني سائلكم عن شيء، فهل أنتم صادقون عنه؟ فقالوا:
نعم، قال لهم النبي صلى الله عليه وسلم: من أبوكم؟ قالوا: فلان، فقال:
كذبتُم، بل أبوكم فلان، قالوا: صدقت.

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہاں جتنے یہودی ہیں، ان سب کو جمع کرو کہ میں ان سے
ملوں، پس وہ سب ایک جگہ جمع کر دیے گئے، تو آپ علیہ السلام نے ان سے فرمایا، میں تم سے ایک بات پوچھنا
چاہتا ہوں، کیا تم لوگ میرے ساتھ اس معاملے میں سچ بولو گے؟ سب نے کہا کہ ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

(۱) انظر سيرة ابن هشام: ۳۵۲/۳/۲، أمر الشاة المسمومة، ودلائل النبوة للبيهقي: ۲۶۳/۴.

(۲) عمدة القاري: ۹۱/۱۵، وفتح الباري: ۴۹۷/۷، وسنن أبي داود، كتاب الديات، باب فيمن سقى رجلا

سما.....، رقم (۴۵۰۹)، ودلائل النبوة: ۲۶۳/۴، والروض الأنف: ۲۴۳/۲.

(۳) عمدة القاري: ۹۱/۱۵، وإرشاد الساري: ۲۳۶/۵.

فرمایا، تمہارا باپ کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ فلاں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جھوٹے ہو، بلکہ تمہارا باپ تو فلاں ہے۔ انہوں نے کہ آپ نے سچ کہا۔

ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہاں ”فلان“ سے کون مراد لیا گیا ہے، مجھے معلوم نہیں ہو۔ کا (۱)۔

قال: فهل أنتم صادقي عن شيء إن سألت عنه؟ فقالوا: نعم، يا أبا القاسم، وإن كذبنا عرفت كذبنا، كما عرفت في أبنائنا، فقال لهم: من أهل النار؟ قالوا: نكون فيها يسيرا، ثم تخلفونا فيها.

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر میں تم سے کسی چیز کے بابت دریافت کروں تو کیا تم لوگ سچ بولو گے؟ انہوں نے کہا کہ ابوالقاسم! ہاں! ہم سچ کہیں گے، کیوں کہ اگر ہم نے آپ سے جھوٹ بولا بھی تو آپ کو معلوم ہو جائے گا، جس طرح کہ ہمارے باپ کے متعلق آپ کو معلوم ہو گیا (کہ ہم جھوٹ بول رہے ہیں) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا، جہنمی کون ہوں گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ کچھ دن تو ہم جہنم میں ہوں گے، پھر آپ لوگ ہماری جگہ پر کریں گے۔

سبحان اللہ! بدبختی و ہٹ دھرمی کی انتہا دیکھیے، یہود نے مذکورہ بالا جواب میں اپنے ایک مزعومہ عقیدہ کا اظہار کیا ہے، ان کا خیال یہ تھا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ان یہود کو اتنے دن کے لیے عذاب دے گا، جتنے دن انہوں نے پچھڑے کی پوجا کی تھی اور وہ چالیس دن ہیں، اس سے زائد مدت کے لیے ان کو عذاب نہیں دیا جائے گا (۲)۔ یہود کے اس مزعومہ عقیدے کو قرآن کریم نے بھی ذکر کیا ہے، ارشاد ربانی ہے: ﴿وقالوا لن تمسنا النار إلا أياما معدودة قل أتخذتم عند الله عهدا فلن يخلف الله عهده أم تقولون على الله ما لا تعلمون﴾ (۳)۔

اسی عقیدہ کا اظہار انہوں نے یہاں کیا ہے کہ کچھ مدت کے لیے، تھوڑے دن تو سزا ہمیں ہوگی، لیکن

(۱) إرشاد الساري: ۲۳۶/۵، وهدى الساري: ۴۴۱، الجزية والموادعة.

(۲) الجامع لأحكام القرآن للقرطبي: ۱۰/۲.

(۳) البقرة/۸۰.

اس کے بعد تمہاری باری ہے۔

”تخلفونا“ کی لغوی و صرفی کی تحقیق

”تخلفونا“ اصل میں تخلفوننا تھا، چنانچہ ابو ذر کے نسخے میں تخلفوننا آیا ہے، یہاں اس کا ایک نون ساقط ہوا ہے، بغیر کسی جازم و ناصب کے نون حذف کرنا بھی ایک لغت ہے اور یہ خلف تخلف سے ہے، جس کے معنی کسی کا نائب اور قائم مقام ہونے کے ہیں، اسی سے خلف بھی ہے، خلف ہر اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی کے بعد آئے اور اس کا نائب و خلیفہ ہو، لیکن اس میں ایک فرق بھی ہے، اگر یہ لفظ لام کے سکون کے ساتھ ہو تو اس کے معنی نائب فی الشر اور لام کی حرکت کے ساتھ ہو تو معنی نائب فی الخیر کے ہیں (۱)۔

فقال النبي صلى الله عليه وسلم: اخسؤا فيها

تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہی اس میں ذلیل و خوار ہو کر رہو۔

کتے کو دھتکارنے کے لیے اخسأ کہا جاتا ہے، یعنی دفع ہو جاؤ، یہاں اس جملے میں دو احتمال ہو سکتے ہیں۔ پہلا تو یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے ان کو بدو عادی ہے، یعنی اللہ کرے کہ تم اس میں ذلیل و خوار ہو کر داخل ہو۔ دوسرا یہ کہ زجر و توبیخ ہے، یعنی تم اس میں دفع ہو جاؤ (۲)۔

والله، لا نخلفكم فيها أبدا

بخدا! ہم کبھی بھی جہنم میں تمہاری جگہ پر کرنے والے نہیں ہوں گے۔

یعنی تمہارا یہ زعم و گمان بالکل باطل ہے کہ جہنم کی سزا کے مستحق تم تو کچھ دنوں کے لیے ہو گے، پھر ہم اس کا ایندھن بنیں گے، یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ ہم جہنم کے مستحق ہوں، ہماری تو تخلیق ہی دخول جنت کے لیے ہوئی ہے۔

یہاں اگر کسی کے ذہن میں اشکال پیدا ہو کہ گناہ گار مسلمان بھی جہنم میں داخل کیے جائیں گے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ بات کیسے درست ہوئی کہ ہم تو اس میں داخل نہیں ہوں گے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ گناہ گار مسلمان تو جہنم میں اپنی سزا بھگت کر بالآخر نکل ہی آئیں گے، اس لیے

(۱) عمدة القاري: ۹۱/۱۵، وإرشاد الساري: ۲۳۶/۵۔

(۲) حوالہ جات بالا، وشرح الکرمانی: ۱۳۴/۱۳۔

ان کا یہ دخول عارضی ہوگا، برخلاف یہود کے، وہ تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہیں گے، اس سے ان کا خروج ممکن ہی نہیں، اس لیے خلافت و نیابت کے معنی یہاں متصور نہیں ہو سکتے (۱)۔

ثم قال: هل أنتم صادقي عن شيء إن سألتكم عنه؟ فقالوا: نعم، يا أبا القاسم، قال: هل جعلتم في هذه الشاة سما؟ قالوا: نعم، قال: ما حملكم على ذلك؟ قالوا: أردنا إن كنت كاذباً نستريح، وإن كنت نبياً لم يضرک۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا، اگر میں تم لوگوں سے ایک چیز کی بابت سوال کروں تو کیا تم سچ کہو گے؟ ان سب نے کہا، اے ابوالقاسم! ہاں۔ آپ علیہ السلام نے دریافت کیا کہ کیا تم نے اس بکری میں زہر ملایا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں! آپ علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ تم نے یہ حرکت کیوں کی؟ انہوں نے کہا ہمارا ارادہ یہ تھا کہ اگر آپ اپنے دعویٰ نبوت میں جھوٹے ہوئے تو ہم آپ سے راحت حاصل کریں گے (کہ ہماری جان چھوٹ جائے گی) اور اگر آپ واقعی نبی ہیں تو یہ زہر آپ کو نقصان نہیں پہنچائے گا۔

حدیث باب میں تین سوالات اور ان کے جوابات مذکور ہیں، سوالات نبی علیہ السلام کی طرف سے اور جوابات یہود کی طرف سے تھے، ان کی بد بختی و کذب بیانی کو دیکھیے کہ تینوں جوابات میں انہوں نے جھوٹ ہی بولا ہے، پہلے دو سوالات میں تو ان کا جھوٹ و خباثت ظاہر ہے، جب کہ تیسرے سوال کے جواب میں ان کا یہ کہنا کہ ”أردنا إن كنت كاذباً نستريح، وإن كنت نبياً لم يضرک“ بھی جھوٹ سے خالی نہیں، کیوں کہ نبی علیہ السلام کا نبی ہونا، مبعوث من اللہ ہونا ان پر اظہر من الشمس تھا، قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿الذین أتیناهم الكتاب يعرفونه كما يعرفون أبناءهم﴾ (۲)، لیکن بنو اسرائیل چوں کہ اپنے کو دنیا کی اعلیٰ ترین مخلوق اور اپنے نسب کو ارفع خیال کرتے ہیں، اس لیے ان سے یہ برداشت نہیں ہوا کہ اشرف الانبیاء والرسل، خاتم النبیین والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عربوں و بنو اسماعیل سے کیوں کر ہوئی؟ یہی وجہ تھی کہ وہ ہمیشہ نبی علیہ السلام اور ان کے قابعین کے درپے آزار رہے اور قیامت تک رہیں گے، یہ وہ جماعت ہے جو ہمیشہ سے

(۱) فتح الباری: ۱۰/۲۴۶، و شرح الکرماني: ۱۳/۱۳۴، وإرشاد الساري: ۵/۲۳۶۔

(۲) البقرة/۱۴۶۔

اسلام اور مسلمانوں کی دشمن رہی ہے، ان سے خیر کی توقع رکھنا ہی عبث ہے، ارشادِ بانی ہے: ﴿لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ
النَّاسَ عَدَاوَةً لِلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودُ.....﴾ (۱)، قرآن کریم کے اس صریح اعلان کے بعد بھی اگر کوئی ان کو اپنا
دوست سمجھتا ہے تو اس کی حماقت کے علاوہ اور کیا تعبیر ہو سکتی ہے!؟

ایک سوال اور اس کا جواب

حدیثِ باب اور مسلم شریف کی روایت، جو ماقبل میں گذری، میں بظاہر تعارض ہے کہ وہاں جو مکالمہ
نقل کیا گیا وہ نبی علیہ السلام اور ایک یہودیہ زینب بنت الحارث کے درمیان تھا اور یہاں کا جو مکالمہ ہے، وہ نبی
علیہ السلام کا یہودیہ کے ساتھ ہے۔

اس کا جواب واضح ہے کہ اس میں کوئی تعارض ہے ہی نہیں، ممکن ہے کہ نبی علیہ السلام نے دونوں کے
ساتھ بات چیت کی ہو اور زہر دینے کا سبب دریافت کیا ہو، چنانچہ حدیثِ باب میں یہودیہ نے زہر ملانے کا
سبب یہ بتلایا ہے کہ ”إِنْ كُنْتَ كَاذِبًا نَسْتَرِيحُ، وَإِنْ كُنْتَ نَبِيًّا لَمْ يَضُرَّكَ“ جس کا مفہوم آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کو۔ معاذ اللہ۔ قتل کرنا ہی ہے، اس عورت نے بھی اپنا مقصد یہی بتلایا تھا کہ ”أَرَدْتُ لَأَقْتُلَكَ“ (۲) جب
مقصود ایک ہی ہوا تو بظاہر یہ معلوم ہوا کہ اس عورت کا مذکورہ فعل سارے یہودیوں کے مشترک مشورہ کا نتیجہ تھا، اس
لیے آپ علیہ السلام نے سب سے باز پرس کی اور یہ جتلا دیا کہ ہمیں تم لوگوں کی مکاریوں کا بخوبی علم ہے (۳)۔

(۱) المائدة / ۸۲۔

(۲) الصحيح لمسلم، کتاب الطب، باب السم، رقم (۵۷۰۵)۔

(۳) اوپر متن میں درج کردہ موقف کی تائید تاریخ سے بھی ہوتی ہے، نبی علیہ السلام کو زہر دینے والی اس عورت کے باپ
حارث، چچا یسار، شوہر سلام بن مشکم اور بھائی مرحب یازیر مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے، اس لیے یہ عورت انتقام کی آگ
میں جل رہی تھی اور نبی علیہ السلام کو قتل کرنے کی شدید آرزو رکھتی تھی، چنانچہ دیگر یہودیہ نے اسی کو استعمال کرنے کا منصوبہ بنایا،
اس طرح نبی علیہ السلام کے کھانے میں زہر ملایا گیا۔

فتح الباری: ۴۹۷/۷، والروض الأنف: ۲۴۳/۲، وعمدة القاری: ۹۱/۱۵، وسنن أبی داود، کتاب الدیات،
باب فیمن سقی رجلاً سمًا.....، رقم (۵۹۰۹)۔

عالم عرب کے مشہور ادیب، ڈاکٹر منیر عجلانی نے ایک دستاویز کا انکشاف کیا ہے، جو آرمینی زبان میں تھی، اس سے بھی
ثابت یہی ہوتا ہے کہ نبی علیہ السلام کو زہر دینے کا عمل کسی فرد واحد کا نہیں تھا، بلکہ اس میں پوری قوم یہودیہ شامل تھی، اس دستاویز کا =

کیا اس عورت نے اسلام قبول کر لیا تھا؟

بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس عورت نے اسلام قبول کر لیا تھا، چنانچہ امام زہری رحمۃ اللہ علیہ سے اس کا قبول اسلام مروی ہے، اسی پر امام سلیمان الیتمی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی جزم کیا ہے، ان کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں، جو اس عورت کے قبول اسلام پر دلالت کرتے ہیں:

وقد استبان لي الآن أنك صادق، وأنا أشهدك ومن حضر أني على دينك، وأن لا إله إلا الله، وأن محمداً عبده ورسوله“.

”اب مجھ پر یہ واضح ہو گیا ہے کہ آپ سچے ہیں اور میں آپ کو دیگر حاضرین کو گواہ بنا کر کہتی ہوں کہ میں آپ کے دین پر ہوں اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے و رسول ہیں۔“

یہ جملے اس عورت نے اس وقت کہے جب اس نے دیکھا کہ نبی علیہ السلام پر اس کے زہر کا اثر نہیں ہوا ہے، چنانچہ اس کے بعد نبی علیہ السلام نے اس کو معاف فرمادیا، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کا قول ابھی باب = متن درج ذیل ہے:

”يقال: إن الأمة اليهودية تحسد أمة النصارى، ولما جاء محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)، وعظم أمره، اجتمع رؤساء اليهود، وقالوا في أنفسهم: ”لنضمه إلينا؛ بأن نزوده بأحكام ديننا، فينشرها بين الناس، وبذلك نتغلب على النصارى وأناجيلهم“.

ولكن المسلمين الذين انتصروا على أعدائهم، وفتحوا الفتوحات العظيمة لم يكثر ثوا لليهود، ولم يقيموا لهم وزناً؛ بل اضطروا أحياناً إلى قتالهم، فعاد رؤساء اليهود إلى الاجتماع والتفكير في أسلوب يتخلصون به من محمد فاختاروا من نسائهم فتاة جميلة، وقالوا لها: ”يجب عليك أن تدعي محمداً إلى وليمة، وتقتليه“.

ففعلت المرأة ما أمرها الرؤساء به“.

انظر تعليقات على دلائل النبوة للبيهقي: ۲۵۸/۴.

ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی شہادت میں بھی ان لوگوں کی سازشوں کا عمل دخل رہا ہو اور وہ فرد واحد ”فیروز“ کا کام نہ ہو۔

کی پہلی حدیث کی شرح میں گزرا (۱)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی صنیع سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ واقعہ اس عورت کو صحابیات میں شمار کرتے ہیں، اسی لیے انہوں نے اس عورت کا ذکر ”الاصابة“ میں القسم الاول کے تحت نقل کیا ہے (۲)۔

واللہ اعلم بالصواب

نبی بشر ہوتا ہے

حدیث باب میں یہود نے نبی علیہ السلام کو زہر دینے کی علت یہ بتلائی کہ ”وان كنت نبيا لم يضرک“ کہ اگر آپ واقعی نبی ہیں تو یہ زہر آپ پر اثر نہیں کرے گا۔ لیکن ان کی یہ بات غلط ہے، نبی کے لیے یہ ضروری نہیں کہ زہر کا اس پر اثر نہ ہو، نبی چوں کہ بشر ہوتا ہے اس لیے اس پر زہر کا بھی اثر ہو سکتا ہے، اس کے اوپر سحر کا بھی اثر ہو سکتا ہے (کما یأتی بعد ابواب)، جیسے دوسرے عوارض بشریہ اس کو عارض اور لاحق ہوتے ہیں، اسی طرح یہ چیزیں بھی اس پر اثر انداز ہو سکتی ہیں۔

معجزہ نبی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس زہر کا فوری اثر جو ظاہر نہیں ہوا تھا، وہ معجزہ نبوی تھا، اس کو عام حالات پر قیاس نہیں کیا جاسکتا، لیکن اس زہر کے اثرات وفات نبوی کے وقت ظاہر ہوئے، صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کے آخر میں آیا ہے کہ نبی علیہ السلام کے تالو میں اس زہر کے اثرات مجھے نمایاں طور پر معلوم ہوتے تھے، نبی علیہ السلام کی وفات میں ایک ظاہری سبب یہ زہر بھی تھا (۳)۔ اسی لیے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے کہ نبی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے شہادت کی موت عطا فرمائی تھی (۴)۔

(۱) فتح الباری: ۷/۴۹۷، والمصنف لعبد الرزاق: ۶/۵۳، کتاب أهل الكتاب، هل یقتل ساحرهم؟ رقم

(۱۰۰۵۳)، والسيرة الحلیة: ۲/۷۷۰، غزوة خیر والمرقاة: ۱۱/۷۴، کتاب الفضائل..... الفصل الثانی، رقم (۵۹۳۱)۔

(۲) الإصابة فی تسییر الصحابة: ۴/۳۱۴۔

(۳) انظر الصحيح لمسلم، کتاب الطب، باب السم، رقم (۵۷۰۵)، وعمدة القاری: ۱۵/۹۲، وکشف

الباری، کتاب المغازی: ۶۷۰، وتکملة فتح الملهم: ۴/۳۱۲۔

(۴) أخرجه الحاكم فی المستدرک: ۳/۶۰، کتاب المغازی..... رقم (۴۳۹۴)، قال عبد الله بن مسعود =

مؤثر حقیقی اللہ کی ذات ہے

حدیث باب سے ایک فائدہ یہ مستنبط ہوا کہ مؤثر حقیقی صرف اللہ کی ذات ہے، اس کی اجازت و حکم کے بغیر کوئی چیز نقصان پہنچا سکتی ہے نہ فائدہ، دیکھیے! اس زہر آلود بکری کے گوشت سے حضرت بشر رضی اللہ عنہ فوری طور پر متاثر ہوئے، جب کہ نبی علیہ السلام اس کے فوری اثرات سے بچ گئے اور ان پر زہر اثر انداز نہیں ہو سکا (۱)۔

ترجمة الباب کے ساتھ حدیث باب کا انطباق

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت بایں معنی ہے کہ نبی علیہ السلام کو یہود خیبر نے زہر آلود گوشت کھلانے کی کوشش کی، اس طرح دھوکہ دہی اور خیانت کے مرتکب ہوئے، لیکن اس کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سازش کے تمام کرداروں کو معاف کر دیا تھا، اسی سے ترجمہ ثابت ہو رہا ہے کہ اس صورت میں معاف بھی کیا جاسکتا ہے اور دوسری سزائیں بھی حسب ضرورت دی جاسکتی ہیں (۲)۔ واللہ اعلم بالصواب

۸ - باب : دُعَاءُ الْإِمَامِ عَلَى مَنْ نَكَثَ عَهْدًا .

ترجمة الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مطلوب و مقصود یہاں یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی بدعہدی کرتا ہے تو امام کو اس کے حق میں بددعا کرنی جائز ہے (۳)۔

۲۹۹۹ : حَدَّثَنَا أَبُو التُّعْمَانِ : حَدَّثَنَا ثَابِتُ بْنُ يَزِيدَ : حَدَّثَنَا عَاصِمٌ قَالَ : سَأَلْتُ أَنَسًا^(۴)

= رضی اللہ عنہ : "لأن أحلف تسعاً أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قتل قتلاً أحب إلي من أن أحلف واحدة أنه لم يقتل؛ وذلك أن الله عز وجل اتخذه نبياً، واتخذه شهيداً". وأيضاً الطبقات الكبرى لابن سعد: ۳۱۴/۸، من كلام أم بشر بن البراء رضي الله عنهما.

(۱) عمدة القاري: ۹۲/۱۵، وفتح الباري: ۲۴۷/۱۰.

(۲) عمدة القاري: ۹۱/۱۵.

(۳) عمدة القاري: ۹۲/۱۵.

(۴) قوله: "سألت أنساً رضي الله عنه": الحديث، مرّ تخريجہ فی الوتر، باب، القنوت قبل.....

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ عَنِ الْقُنُوتِ ، قَالَ : قَبْلَ الرُّكُوعِ ، فَقُلْتُ : إِنَّ فُلَانًا يَزْعُمُ أَنَّكَ قُلْتَ بَعْدَ الرُّكُوعِ ؟ فَقَالَ : كَذَبَ ، ثُمَّ حَدَّثَنَا عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَنَّهُ قَنَتَ شَهْرًا بَعْدَ الرُّكُوعِ ، يَدْعُو عَلَى أَحْيَاءٍ مِنْ بَنِي سُلَيْمٍ ، قَالَ : بَعَثَ أَرْبَعِينَ - أَوْ سَبْعِينَ ، يَشْكُ فِيهِ - مِنَ الْقُرَاءِ ، إِلَى أَنَاسٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ، فَعَرَضَ لَهُمْ هَؤُلَاءِ فَقَتَلُوهُمْ ، وَكَانَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ النَّبِيِّ ﷺ عَهْدٌ ، فَمَا رَأَيْتُهُ وَجَدَ عَلَى أَحَدٍ مَا وَجَدَ عَلَيْهِمْ . [ر : ۹۵۷]

تراجم رجال

۱- ابوالنعمان

یہ ابوالنعمان محمد بن فضل السدوسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الایمان، ”باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: الدین النصیحة للہ.....“ کے تحت گزر چکا ہے (۱)۔

۲- ثابت بن یزید

یہ ثابت بن یزید بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

۳- عاصم

یہ عاصم بن سلیمان بن ابی مسلم الاحول رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۳)۔

۴- انس

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الایمان، ”باب من الایمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه“ کے تحت آچکے (۴)۔
اور یہ پوری سند بصری پر مشتمل ہے (۵)۔

(۱) کشف الباری: ۷۶۸/۲۔

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الأذان، باب بدء الأذان۔

(۳) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب الماء الذي يغسل به شعر الإنسان۔

(۴) کشف الباری: ۴/۲۔

(۵) فتح الباری: ۲۷۳/۶، وعمدة القاری: ۹۲/۱۵۔

تنبیہ

اس حدیث کی مکمل تشریح کتاب الوتر میں دیکھیے۔

ایک اہم فائدہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ کسی کافر وغیرہ کے حق میں بددعا کی نہ تھی، جب تک نبی علیہ السلام کو یہ امید رہتی کہ یہ کافر اپنے دین باطل کو چھوڑ کر ہدایت یاب ہو سکتا ہے، اس کو بددعا نہیں دیتے تھے، دیکھیے! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا گیا تھا کہ قبیلہ دوس پر بددعا کریں، لیکن آپ نے ان کے حق میں ہدایت کی دعا فرمائی، لیکن اس کے برخلاف بنی سلیم نے جب عہد توڑا، غداری و خیانت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ان کے لیے بددعا فرمائی، کیوں کہ ان کی ہدایت سے نبی علیہ السلام مایوس ہو گئے تھے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بددعا قبول فرمائی اور آپ علیہ السلام کی سچائی کو لوگوں پر آشکار کر دیا کہ ہم اپنے نبی کی کسی بات کو رد نہیں کرتے (۱)۔ واللہ اعلم بالصواب

ایک اور فائدہ

نمازوں کے بعد، اسی طرح خطبوں میں جو مسلمانوں کے دشمنوں و مخالفین کے لیے بددعا کی جاتی ہے، اس کی اصل یہی قصہ ہے، جس میں نبی علیہ السلام نے بنو سلیم کے لیے بطور بددعا کے ایک مہینے تک قنوت نازلہ پڑھی، اس سے اس فعل کی مشروعیت و جواز بخوبی معلوم ہو رہا ہے (۲)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت واضح ہے، ترجمہ بدعہدی کرنے والے کے لیے بددعا کے جواز کا تھا، یہی جواز حدیث باب سے ثابت ہو رہا ہے۔

☆☆.....☆☆

(۱) عمدة القاری: ۹۲/۱۵۔

(۲) حوالہ بالا۔

۹ - باب : أَمَانِ النِّسَاءِ وَجَوَارِهِنَّ .

ترجمة الباب کا مقصد

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ عورت کے کسی کو امان دینے کا مسئلہ بیان کر رہے ہیں اور یہ بتا رہے ہیں کہ عورت اگر امان دے گی تو اس کا وہ امان دینا معتبر ہوگا (۱)۔
مسئلہ کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

جوار کے معنی

جُوار - بکسر العجیم وضمہا - باب مفاعلہ کا مصدر ہے، اجارہ کے معنی میں ہے اور الجارہ کے معنی ہیں کسی کو پناہ دینا، مدد کرنا اور حفاظت کرنا (۲)۔ اب مطلب یہی ہوا کہ عورت کسی کو امان بھی دے سکتی ہے اور پناہ وغیرہ بھی دے سکتی ہے۔

۳۰۰۰ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُسُفَ : أَخْبَرَنَا مَالِكٌ ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ ، مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ : أَنَّ أَبَا مُرَّةَ مَوْلَى أُمِّ هَانِيٍّ بِنْتِ أَبِي طَالِبٍ أَخْبَرَهُ : أَنَّهُ سَمِعَ أُمَّ هَانِيٍّ بِنْتِ أَبِي طَالِبٍ تَقُولُ : ذَهَبْتُ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ عَامَ الْفَتْحِ ، فَوَجَدْتُهُ يَغْتَسِلُ ، وَفَاطِمَةُ ابْنَتُهُ تَسْتُرُهُ ، فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ ، فَقَالَ : (مَنْ هَذِهِ) . فَقُلْتُ : أَنَا أُمُّ هَانِيٍّ بِنْتِ أَبِي طَالِبٍ ، فَقَالَ : (مَرْحَبًا بِأُمِّ هَانِيٍّ) . فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ غُسْلِهِ قَامَ فَصَلَّى ثَمَانِي رَكَعَاتٍ ، مُتَحِفًا فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ ، فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ اللَّهِ ، زَعَمَ ابْنُ أُمِّي ، عَلِيٌّ ، أَنَّهُ قَاتِلُ رَجُلٍ قَدْ أُجِرْتُهُ ، فَلَانَ بْنُ هُبَيْرَةَ . فَقَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : (قَدْ أُجِرْنَا مَنْ أُجِرْتَ يَا أُمَّ هَانِيٍّ) . قَالَتْ أُمُّ هَانِيٍّ : وَذَلِكَ ضَحَى . [ر : ۲۷۶]

تراجم رجال

۱ - عبد الله بن يوسف

یہ عبد اللہ بن یوسف تینسی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

(۱) عمدة القاري: ۹۲/۱۵، وإرشاد الساري: ۲۳۷/۵.

(۲) عمدة القاري: ۹۲/۱۵، وفتح الباري: ۲۷۳/۶، وشرح الكرماني: ۱۳۵/۱۳.

(۳) قوله: "أم هاني ابنة أبي طالب": الحديث، مرّ تخريجه في كتاب الغسل، باب التستر في الغسل.....

۲- مالک

یہ امام دارالبحر مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان دونوں حضرات کا تذکرہ ”بدء الوحى“ کی دوسری حدیث کے تحت گزر چکا ہے (۱)۔

۳- ابوالنضر

یہ ابوالنضر سالم بن ابی امیہ مولیٰ عمر بن عبید اللہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

۴- ابو مرہ

یہ ابو مرہ یزید بن مرہ مولیٰ ام ہانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب العلم، ”باب من قعد حیث ینتہی بہ المجلس.....“ کے تحت آچکے ہیں (۳)۔

۵- ام ہانی

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عم زاد بہن حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا ہیں (۴)۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں فتح مکہ والے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، دیکھا کہ آپ غسل فرما رہے تھے اور حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہ ستر پوشی کے لیے کھڑی تھیں، تو میں نے آپ کو سلام کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کون ہے؟ میں نے جواباً کہا میں ام ہانی ہوں۔ تو آپ نے مجھے خوش آمدید کہا، جب آپ غسل سے فارغ ہو گئے تو نیت باندھ کر کھڑے ہوئے اور ایک ہی کپڑے کو اپنے جسم سے لپیٹ کر آٹھ رکعتیں ادا کیں۔ میں نے کہا، یا رسول اللہ! میرے بھائی علی کا خیال ہے کہ وہ اس شخص کو قتل کریں گے، جس کو میں نے پناہ دے دی ہے، یعنی فلان ابن ہبیرہ کو، نبی علیہ السلام نے فرمایا اے ام

(۱) کشف الباری: ۱/۲۸۹-۲۹۰، امام مالک کے لیے مزید دیکھیے، کشف الباری: ۲/۸۰۔

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب المسح علی الخفین۔

(۳) کشف الباری: ۳/۲۱۴۔

(۴) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الغسل، باب التستر فی الغسل عند الناس۔

ہانی! تم نے جس کو پناہ دی اس کو ہم نے بھی پناہ دی اور یہ چاشت کے وقت کی بات ہے۔

عورت امان دے سکتی ہے

حدیث باب اس مسئلہ میں صریح ہے کہ عورت امان دے سکتی ہے، نیز یہ کہ اس کے امان دیے ہوئے شخص کو قتل کرنا حرام ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے بھی اپنے شوہر ابوالعاص بن الربیع رضی اللہ عنہ کو امان دیا تھا (۱)۔ اس سے بھی جواز واضح ہے، یہی جمہور علمائے حجاز و عراق یعنی امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، شافعی، احمد، ابو ثور، اسحاق بن راہویہ، ثوری اور اوزاعی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ کا مذہب ہے (۲)۔

البتہ مالکیہ میں سے دو حضرات عبدالملک بن المہاشون اور سحنون رحمہما اللہ نے جمہور سے ہٹ کر یہ کہا ہے کہ عورت کا امان دینا امام وقت کی اجازت پر موقوف ہے، اگر وہ اس کو نافذ کرے تو صحیح ہے، ورنہ مردود، لیکن یہ قول شاذ ہے (۳)۔ والقول ما قالہ الجمہور۔ واللہ اعلم بالصواب

(۱) روی الطبرانی عن أنس رضي الله عنه: "أن زينب بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم أجارت أبا العاص، فأجاز النبي صلى الله عليه وسلم جوارها". المعجم الكبير: ۲۲/۴۲۵-۴۲۶، ذکر سن زینب ووفاتها، ومن أخبارها، رقم (۱۰۴۸-۱۰۴۹)۔

وقد أخرجه الطبراني عن أم سلمة رضي الله عنها أيضاً. انظر معجمه الكبير: ۲۲/۲۷۵، وما أسندت أم سلمة رضي الله عنها، أبو بكر بن عبد الرحمن عن أم سلمة، رقم (۵۹۰)، وكذا انظر: ۲۲/۲۲۵، رقم (۱۰۴۷)۔

وأیضا انظر نصب الرایة فی تخریج أحادیث الهدایة: ۳/۳۹۶، رقم (۵۸۱۲-۵۸۱۳)۔

(۲) شرح ابن بطلال: ۵/۳۴۹، وعمده القاری: ۱۵/۹۳، مذاہب اربعہ کے لیے دیکھیے: المغنی: ۹/۱۹۵، والام:

۲/۴۸۴، والمدونة الكبرى: ۲/۴۱، والهدایة: ۲/۵۶۴، وفتح القدير: ۵/۲۱۰، فصل الأمان۔

(۳) قال الحافظ في الفتح (۲۷۳/۶): "قال ابن المنذر: أجمع أهل العلم على جواز أمان المرأة، إلا شيئا

ذكره عبد الملك - يعني ابن المہاشون صاحب مالک - لا أحفظ ذلك عن غيره، قال: إن أمر الأمان إلى

الإمام، وتأول مما ورد مما يخالف ذلك على قضايا خاصة، قال ابن المنذر: وفي قول النبي صلى الله عليه

وسلم "يسعى بذمتهم أدناهم" دلالة على إغفال هذا القائل۔

ترجمة الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

حدیث باب کی ترجمہ الباب کے ساتھ مطابقت اس جملے میں ہے: "قَدْ أُجِرْنَا مَنْ أُجِرَتْ" (☆)
اس سے عورت کے امان کی صحت کا جواز صراحت کے ساتھ معلوم ہو رہا ہے۔

۱۰ - باب : ذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَجَوَارِهِمْ وَاحِدَةٌ يَسْعَى بِهَا أَدْنَاهُمْ .

یعنی مسلمانوں کا ذمہ اور امان ایک ہے، ادنیٰ آدمی بھی اس کی کوشش کر سکتا ہے۔

ترجمة الباب کا مقصد

مقصد ترجمہ یہاں یہ ہے کہ اگر کسی حربی کو مسلمانوں کی کوئی جماعت یا طبقہ امان دیتا ہے تو اس کا حکم ایک ہی ہوگا، کسی کے اختلاف سے حکم نہیں بدلے گا، یہ امان سب کی طرف سے معتبر ہوگا۔

مطلب یہ ہوا کہ اگر کسی حربی کو مسلمانوں کی طرف سے امان دیا جاتا ہے تو یہ امان سب کی طرف سے ہوگا، خواہ امان دینے والا کم مرتبے کا شخص ہو یا طبقہ اشرافیہ کا، غلام ہو یا آزاد، مرد ہو یا عورت، اس کے بعد کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ اس امان کو توڑے اور جس کو امان دیا گیا ہے اس کو کسی قسم کا ضرر پہنچائے (۱)۔

ترجمة الباب میں مذکور لفظ "أدناهم" سے مراد "أقلهم عدداً" ہے، یعنی ایک شخص بھی امان دے سکتا ہے، خواہ مرد ہو یا عورت..... (۲)۔

کیا غلام کا امان دینا معتبر ہے؟

اوپر جو مذہب نقل کیا گیا وہ جمہور کا ہے، امام مالک، شافعی، احمد، سفیان ثوری، اوزاعی، لیث اور ابو ثور رحمہم اللہ (۳) کا مسلک یہی ہے کہ اگر غلام کسی کو امان دے تو وہ معتبر ہوگا، احناف میں سے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ (۴) کا مسلک بھی یہی ہے۔

(☆) عمدة القاري: ۹۳/۱۵.

(۱) عمدة القاري: ۹۳/۱۵، وإرشاد الساري: ۲۳۸/۵، وفتح الباري: ۲۷۹/۶.

(۲) حوالہ جات بالا۔

(۳) الملونة الكبرى: ۴۲/۲، والمغني: ۱۹۵/۹، وكتاب الأم: ۲۸۴/۴، باب في الأمان، وأعلام الحديث: ۱۴۷۰/۲.

(۴) الهداية: ۵۶۵/۲.

جب کہ امام اعظم ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف رحمہما اللہ تعالیٰ یہ کہتے ہیں کہ غلام کا امان اس وقت معتبر ہوگا جب اس کا مالک اس کو قتال کی اجازت بھی دے، مطلب یہ ہے کہ عبد ماذون کا امان معتبر ہے، غیر ماذون یعنی مجبور کا غیر معتبر۔

اب ان حضرات کے درمیان گویا کہ عبد مجبور میں اختلاف ہے، عبد ماذون للقتال میں کوئی اختلاف نہیں ہے (۱)۔

بچے کا امان

ابن المند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ بچے کے امان کے غیر معتبر ہونے پر اہل علم کا اجماع ہے۔ لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے اس کلام سے اختلاف کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ حکم مطلق نہیں ہے، بلکہ مقید ہے، چنانچہ صبی مرأوق اور میتر و نہیم کا امان معتبر ہے (۲)۔

لیکن خود امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ صبی میتر کے امان کو غیر معتبر سمجھتے ہیں، کالصبي الغير المميز (۳)۔ احناف کے نزدیک اس مسئلے کی تفصیل یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں صبی میتر اگر مجبور عن القتال ہو تو اس کا امان غیر معتبر ہے، لیکن امام محمد رحمۃ اللہ علیہ اس امان کی صحت کے قائل ہیں۔

اور اگر صبی میتر ماذون للقتال ہو تو سب کے نزدیک اس کا امان معتبر و مقبول ہے (۴)۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد حنون مطلقاً صبی میتر کے امان کے معتبر ہونے کے قائل ہیں، جب کہ ان کے دیگر تلامذہ اس کو امام کی اجازت سے مشروط کہتے ہیں (۵)۔

(۱) حوالہ بالا، والفتاویٰ الهندية: ۱۹۸/۲۔

(۲) فتح الباری: ۲۷۴/۶۔

(۳) کتاب الأم: ۲۸۴/۴/۲، باب في الأمان، ”وإذا أمن من دون البالغين والمعتوه قاتلوا أو لم يقاتلوا لم نجز أمانهم“۔

(۴) الهداية مع البناية للعيني: ۱۲۹/۷، کتاب السير، فصل، و کتاب السير الكبير مع شرحه للسرخسي: ۱۷۸/۱/۱، رقم (۴۲)۔

(۵) المدونة الكبرى: ۴۱/۲، کتاب الجهاد، في أمان المرأة والعبد والصبي، والمنتقى: ۳۴۶/۴۔

جب کہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے اس سلسلے میں دو روایتیں منقول ہیں، ایک میں صحت کے قائل ہیں، دوسری میں عدم صحت کے (۱)۔

مجنون کا امان دینا

جمہور علمائے امت کے نزدیک مجنون و دیوانے کا امان غیر معتبر ہے، کافر کے مثل اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں (۲)۔

۳۰۰۱ : حَدَّثَنِي مُحَمَّدٌ : أَخْبَرَنَا وَكِيعٌ ، عَنْ الْأَعْمَشِ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ : خَطَبَنَا عَلِيٌّ فَقَالَ : مَا عِنْدَنَا كِتَابٌ نَقْرُؤُهُ إِلَّا كِتَابُ اللَّهِ وَمَا فِي هَذِهِ الصَّحِيفَةِ ، فَقَالَ : فِيهَا الْجَرَاحَاتُ وَأَسْنَانُ الْإِبِلِ : (وَالْمَدِينَةُ حَرَمٌ مَا بَيْنَ عَيْرٍ إِلَى كَذَا ، فَمَنْ أَحْدَثَ فِيهَا حَدَثًا أَوْ آوَى فِيهَا مُحَدِّثًا ، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ، لَا يَقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ ، وَمَنْ تَوَلَّى غَيْرَ مَوَالِيهِ فَعَلَيْهِ مِثْلُ ذَلِكَ ، وَذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ ، فَمَنْ أَخْفَرَ مُسْلِمًا فَعَلَيْهِ مِثْلُ ذَلِكَ) . [ر : ۱۷۷۱]

تراجم رجال

۱- محمد

محمد سے مراد محمد بن سلام بیکندی ہیں۔ جس کی تصریح ابن السکن رحمہما اللہ نے کی ہے۔ ان کے حالات کتاب الإیمان، ”باب قول النبی ﷺ: أنا أعلمكم بالله.....“ کے تحت گزر چکے ہیں (۴)۔

۲- وکیع

یہ مشہور امام حدیث حضرت وکیع بن الجراح رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب العلم، ”باب

(۱) المغنی لابن قدامة: ۱۹۶/۹ .

(۲) حوالہ بالا، وفتح الباری: ۲۷۴/۶، والسیر الکبیر مع السرخسی: ۲۰۰/۱/۱، کتاب الأمان، رقم (۴۶) .

(۳) قوله: ”خطبنا علي“: الحديث، مرّ تخريجہ فی کتاب العلم، باب كتابة العلم.

(۴) فتح الباری: ۲۷۴/۶، وکشف الباری: ۹۳/۲ .

کتابۃ العلم“ کے تحت گزر چکے ہیں (۱)۔

۳- الأعمش

یہ امام سلیمان بن مہران المعروف بالأعمش رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، ”باب ظلم دون ظلم“ کے تحت آچکا ہے (۲)۔

۴- ابراہیم التیمی

یہ مشہور محدث، امام وقت ابراہیم بن یزید بن شریک رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، ”باب خوف المؤمن من أن.....“ کے تحت گزر چکا ہے (۳)۔

۵- أبیه

ابیہ سے مراد حضرت ابراہیم کے والد یزید بن شریک رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۴)۔

۶- علی

یہ داماد رسول، خلیفہ رابع، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کا مفصل تذکرہ کتاب العلم، ”باب إثم من كذب على النبي صلى الله عليه وسلم“ کے تحت بیان ہو چکا (۵)۔

تنبیہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث باب کی تشریح ہم ”کتاب العلم، باب کتابۃ العلم“ (۶) اور ”فضائل المدینۃ، باب حرم المدینۃ“ کے تحت بیان کر چکے ہیں۔

(۱) کشف الباری: ۲۱۹/۴۔

(۲) کشف الباری: ۲۵۱/۲۔

(۳) کشف الباری: ۵۴۴/۲۔

(۴) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب فضائل المدینۃ، باب حرم المدینۃ۔

(۵) کشف الباری: ۱۴۹/۴۔

(۶) کشف الباری، کتاب العلم: ۲۶۱-۲۲۳/۴۔

ترجمة الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

حدیث کی ترجمہ الباب کے ساتھ مناسبت اس جملے میں ہے: ”وَذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ“ کہ مسلمانوں کا ذمہ اور عہد ایک ہی ہوتا ہے، لہذا اگر کوئی عاقل بالغ مسلمان کسی کو پناہ دے تو وہ معتبر ہوگا (۱)۔

حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ الباب میں ذکر کردہ کلمات ”یسعی بذمتهم أدناهم“ کے ذریعے اس روایت کی طرف اشارہ فرمایا ہے، جو آگے سفیان عن الأعمش کے طریق سے ”باب إثم من عاهد ثم غدر“ کے تحت آرہی ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں: ”وَذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ، يَسْعَى بِهَا أَدْنَاهُمْ“۔ یہی معنی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے بھی مرفوعاً مروی ہیں، ان کی روایت کی تخریج امام احمد (۲) وابن ماجہ رحمہما اللہ تعالیٰ وغیرہ (۳) نے کی ہے، فرماتے ہیں: ”الْمُسْلِمُونَ تَكْفُؤُ دِمَائِهِمْ، وَهُمْ يَدُ عَلَى مَنْ سَوَاهُمْ، يَسْعَى بِذِمَّتِهِمْ أَدْنَاهُمْ“ (۴)۔

۱۱ - باب : إِذَا قَالُوا صَبَأْنَا وَلَمْ يُحْسِنُوا أَسْلَمْنَا .

یعنی یہ باب اس امر کے بیان میں ہے کہ جب مشرکین ”صبأنا“ کہیں اور ”أسلمنا“ اچھی طرح نہ کہہ پائیں۔

ترجمة الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہاں یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اگر مشرکین دوران قتال یہ کہنے لگیں کہ صبأنا یعنی ہم اپنے سابقہ دین سے پھر گئے اور ان کا مقصد اس جملے سے یہ ہو کہ ہم اسلام قبول کرتے ہیں، تمہارے دین میں

(۱) فتح الباری: ۶/۲۷۴، وعمدة القاری: ۱۵/۹۴، وإرشاد الساری: ۵/۲۳۸۔

(۲) مسند الإمام أحمد: ۲/۶۵۷-۶۵۸، مسند عبد اللہ بن عمرو.....، رقم (۶۷۹۷)، وأيضاً برقم (۷۰۹۲ و ۶۶۹۲)۔

(۳) سنن ابن ماجہ، کتاب الديات، باب المسلمون تتكافؤ دمائهم، رقم (۲۶۸۵)، وعن ابن عباس أيضاً، رقم (۲۶۸۳)۔

(۴) فتح الباری: ۶/۲۷۴، وعمدة القاری: ۱۵/۹۴، وإرشاد الساری: ۵/۲۳۸، نیز دیکھیے، المصنف لابن أبي شيبه: ۱۸/۱۰۱-۱۰۷، کتاب السير، باب في أمان المرأة والمملوك۔

داخل ہوتے ہیں، لیکن ”أسلمنا“ نہ کہہ پائیں تو کیا ان کا ”صبأنا“ کہنا اس امر کے لیے کافی ہوگا کہ ان سے لڑائی روک دی جائے اور ان کے مزید درپے نہ ہوا جائے (۱)، تو امام بخاری کا جواب اثبات میں ہے کہ ان سے اب تعرض نہیں کیا جائے گا۔

جب کہ علامہ ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مقصود ترجمہ یہ ہے کہ مقاصد کا اعتبار ادلہ وقرائن سے ہوتا ہے، یہ ادلہ خواہ لفظی ہوں یا غیر لفظی، چاہے کسی بھی زبان میں ہوں (۲)۔

یہاں مناسب رائے علامہ ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ ہی کی معلوم ہوتی ہے کہ ترجمۃ الباب کو عام رکھا جائے اور یوں کہا جائے کہ لفظ ”صبأنا“ کے ساتھ ترجمہ خاص نہیں ہے، بلکہ کوئی سا بھی کلمہ یا جملہ یہ مفہوم دے رہا ہو، اس کا اعتبار ہوگا، نیز یہ کہ امان کسی بھی زبان میں دیا جائے وہ معتبر ہوگا، مطلوب فقط یہی ہے کہ وہ کلمہ یا جملہ امان کے معنی دے رہا ہو اور مضمون امان و ذمہ کو شامل ہو۔

کلمہ ”صبأنا“ کی تحقیق صرفی و لغوی

”صبأنا“ باب نصر سے جمع متکلم ماضی کا صیغہ ہے، اس کا مصدر ”صَبُوْا“ ہے، اس کے معنی مذہب تبدیل کرنے کے ہیں، کہا جاتا ہے: ”صبأ فلان: إذا خرج من دينه إلى دين غيره“ اسی بنیاد پر مشرکین مکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ”صابی“ کہتے تھے، کیوں کہ آپ علیہ السلام نے مشرکین مکہ کے خیال و زعم کے مطابق اپنے باپ دادا کے مذہب بت پرستی و شرک کو چھوڑ کر دوسرا دین یعنی اسلام اختیار کر لیا تھا (۳)۔

وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ : فَجَعَلَ خَالِدٌ يَقْتُلُ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (اللَّهُمَّ إِنِّي أَبْرَأُ إِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ) . [ر : ٤٠٨٤]

اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ (ان کو) قتل کرنے لگے، سو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے اللہ! خالد نے جو کچھ کیا، میں اس سے براءت کا اعلان کرتا ہوں۔

(۱) فتح الباری: ۶/۲۷۴، وعمدة القاري: ۱۵/۹۴، وشرح ابن بطلال: ۵/۳۵۲.

(۲) فتح الباری: ۶/۲۷۴، وعمدة القاري: ۱۵/۹۴، والمتواري على تراجم أبواب البخاري: ۱۹۹.

(۳) عمدة القاري: ۱۵/۹۴، وفتح الباري: ۸/۵۷-۵۸، والقاموس الوحيد، مادة: ”صبأ“.

مذکورہ تعلیق کی تخریج

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ بالا تعلیق کو مسنداً کتاب المغازی میں (۱)، نیز کتاب الاحکام (۲) میں نقل کیا ہے۔

ان کے علاوہ امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس حدیث کو موصولاً روایت کیا ہے (۳)۔

تعلیق میں مذکور واقعے کی تفصیل

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ بالا تعلیق میں انتہائی اختصار و اجمال ہے، اس میں مذکور واقعے کا حاصل یہ ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ کا امیر بنا کر تبلیغ کی غرض سے بنو جذیمہ کی طرف روانہ کیا، یہ غزوہ حنین سے کچھ پہلے کا واقعہ ہے، حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جب انہیں اسلام کی دعوت دی تو وہ لوگ ٹھیک طرح سے اسلام کا اقرار نہ کر سکے، ”أسلمنا“ کی بجائے ”صبأنا“ کہنے لگے، مقصد یہی تھا کہ ہم آپ کے دین کو قبول کرتے ہیں، لیکن حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان کے اس اقرار کو قبول نہ کیا اور ظاہر لفظ کو بنیاد بنا کر ان کو قتل کرنے لگے، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو بہت ناراض ہوئے، فرمایا، ”اللهم! إني أبرأ إليك مما صنع خالد“۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس فعل سے انکار اور اس پر ناراض ہونے سے یہی واضح ہوتا ہے کہ ہر قوم میں اس مفہوم یعنی قبول اسلام کو ادا کرنے کے لیے جو الفاظ استعمال ہوتے ہیں، انہیں کا اعتبار ہوگا، اسی کو ان کی طرف سے کافی و وافی سمجھا جائے گا۔

مذکورہ واقعے میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے چوں کہ اجتہاد کیا تھا، جس میں ان سے خطا کا صدور ہو گیا تھا، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو معذور جانا، اسی وجہ سے ان سے قصاص نہیں لیا گیا، بلکہ نبی علیہ السلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مال دے کر بنو جذیمہ کی طرف روانہ کیا اور ان کے مقتولین کی

(۱) صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب بعث النبی ﷺ خالد بن الولید.....، رقم (۴۳۳۹)۔

(۲) صحیح البخاری، کتاب الأحکام، باب إذا قضی الحاکم بحجور أو.....، رقم (۷۱۸۹)۔

(۳) سنن النسائي، کتاب آداب القضاة، باب الرد علی الحاکم إذا قضی بغير الحق، رقم (۵۴۰۷)۔

دیت بیت المال سے ادا کی گئی (۱)۔

حدیث سے مستنبط ایک مسئلہ

علامہ ابن بطل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر قاضی و حاکم کوئی ظالمانہ فیصلہ کرے یا اہل علم کے اقوال و آراء سے ہٹ کر کوئی فیصلہ دے تو بالاتفاق یہ فیصلہ مردود ہوگا۔

ہاں! اگر یہ فیصلہ اجتہاد کی رو سے ہو یا کوئی مناسب تاویل اپنے فعل کی حاکم پیش کر دے، جس طرح کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے کیا تو اس صورت میں حاکم گناہ گار تو نہیں ہوگا، لیکن ضمان لازم آئے گا، عند عامة أهل العلم۔

پھر فقہائے امت کا اس امر میں اختلاف ہوا کہ یہ ضمان کون ادا کرے گا؟ آیا بیت المال سے ادا کیا جائے گا یا حاکم کا خاندان (عاقلہ) اس کو ادا کرے گا؟

چنانچہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ، امام ثوری، احمد و اسحاق رحمہم اللہ کا قول یہ ہے کہ مذکورہ فیصلہ کسی قتل یا زخمی کرنے کا ہو تو دیت بیت المال سے ادا کی جائے گی۔ جب کہ امام شافعی، اوزاعی اور صاحبین رحمہم اللہ کا مسلک یہ ہے کہ مذکورہ دیت امام کے عاقلہ و خاندان پر لازم ہوگی، وہی اس کو ادا کرے گا۔

اور ابن المباشون رحمۃ اللہ علیہ تو یہ کہتے ہیں کہ اس میں سرے سے کوئی ضمان نہیں ہے (۲)۔

مذکورہ تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مناسبت بظاہر واضح نہیں ہے کہ ترجمہ تو ”إذا قالوا: صباًنا.....“ کا تھا، لیکن اس کے تحت ذکر کردہ حدیث میں اس کا ذکر تک نہیں ہے۔

تو اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ایک معروف عادت یہ بھی ہے کہ وہ بعض

(۱) انظر صحيح البخاري، كتاب المغازي، باب بعث النبي صلى الله عليه وسلم خالد بن الوليد إلى.....، رقم (۴۳۳۹)، وفتح الباري: ۲۷۴/۶، وعمدة القاري: ۹۴/۱۵۔

(۲) شرح ابن بطل: ۲۶۰/۸-۲۶۱، كتاب الأحكام، باب إذا قضى الحاكم بجور.....، وعمدة القاري: ۹۴/۱۵، وفتح الباري: ۲۷۴/۶، والمغني: ۲۸۸/۸، آخر فصل من كتاب الجراح، رقم (۶۷۷۳)۔

اوقات حدیث کے کسی جملے یا جز کو ترجمہ بناتے ہیں، پھر اس جملے یا جز کو ترجمہ کے تحت ذکر نہیں کرتے، چنانچہ یہاں بھی یہی معاملہ ہے کہ ترجمہ تو ”صبأنا“ کا قائم کیا، لیکن اس کو حدیث میں ذکر نہیں کیا، بلکہ اس حدیث کے ایک حصے کو نقل فرما کر اس کی طرف اشارہ کر دیا اور اسی پر اکتفا فرمایا (۱)۔

وَقَالَ عُمَرُ : إِذَا قَالَ مَتْرُسٌ فَقَدْ آمَنَهُ ، إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ الْأَلْسِنَةَ كُلَّهَا .

[ر : ۲۹۸۹]

اور حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب کوئی مسلمان کسی سے یوں کہے کہ مت ڈرو تو تحقیق اس نے اس کو امان و پناہ دی، کیوں کہ اللہ تعالیٰ تو تمام زبانوں اور بولیوں کو جانتا ہے۔

مذکورہ تعلیق کی تخریج

اس تعلیق کو امام عبدالرزاق صنعانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ”مصنف“ میں ابوداؤد کے طریق سے موصولاً نقل کیا ہے (۲)۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مکمل فرمان

اوپر ذکر کردہ کلمات یعنی ”إِذَا قَالَ : مَتْرُسٌ ، فَقَدْ آمَنَهُ ؛ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ الْأَلْسِنَةَ كُلَّهَا“ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ایک فرمان کا جز ہیں، جو آپ رضی اللہ عنہ نے ملک فارس میں مصروف جہاد ایک لشکر کو بطور ہدایت نامے کے بھیجا تھا، مکمل متن درج ذیل ہے:

”عن أبي وائل قال : جاءنا كتاب عمر ونحن نحاصر قصر فارس ،

فقال : إذا حاصرتم قصرًا فلا تقولوا : انزلوا على حكم الله ؛ فإنهم لا يدرون ما

حكم الله ؟ ولكن أنزلوهم على حكمكم ، ثم اقضوا فيهم ، وإذا لقي الرجل

الرجل ، فقال : لا تخف ، فقد آمنه ، وإذا قال : مَتْرُسٌ ، فقد آمنه ؛ إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ

الْأَلْسِنَةَ كُلَّهَا“ (۳)۔

(۱) فتح الباری : ۲۷۴/۶ ، وعمدة القاری : ۹۴/۱۵۔

(۲) المصنف لعبد الرزاق : ۱۵۰/۵-۱۵۱ ، کتاب الجہاد ، باب دعاء العدو ، رقم (۹۴۹۲) و (۹۴۹۴)۔

(۳) حوالہ بالا ، وعمدة القاری : ۹۴/۱۵ ، وتغلیق التعلیق : ۴۸۳/۳ ، وفتح الباری : ۲۷۴/۶-۲۷۵۔

یعنی: ”حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہمارے پاس، در آنحالیکہ ہم نے فارس کے محل کا محاصرہ کیا ہوا تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا والا نامہ آیا، جس میں آپ نے یہ فرمایا تھا کہ جب تم کسی محل (یا قلعہ) کا محاصرہ کرو تو یوں نہ کہو کہ اللہ کے فیصلہ کو قبول کرتے ہوئے نیچے اتر آؤ، کیوں کہ انہیں معلوم ہی نہیں کہ اللہ کا فیصلہ کیا ہے؟ بلکہ ان کو اپنے فیصلے پر نیچے اتارو، جب اتر آئیں تو فیصلہ کرو، جب کسی بندہ کی دوسرے بندے سے ملاقات ہو اور وہ یہ کہہ دے کہ مت ڈرو۔ تو تحقیق اس کہنے والے نے اس کو امان دیا اور اگر ”مترس“ کہے تب بھی امان دیا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ تو تمام زبانوں کو جانتا ہے۔“

”مترس“ کی لغوی تحقیق اور ضبط

”مترس“ فارسی زبان کا جملہ ہے، اس کے معنی ”مت ڈرو“ کے ہیں اور یہ جملہ دو چیزوں سے مرکب ہے، میم اور ترس، میم تو اہل فارس کے ہاں نفی کے معنی دیتا ہے، جب کہ ترس صیغہ امر ہے ترسیدن سے، جس کے معنی ڈرنے کے ہیں، اب اس جملے کے معنی یہ ہوئے ”لا تخف“ یعنی مت ڈرو (۱)۔

علاوہ ازیں علمائے حدیث کا اس جملے کے ضبط میں بھی اختلاف ہے، امام اصیلی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اس کو میم اور تاء کے فتح اور سکون راء کے ساتھ ضبط کیا ہے اور ابو ذر نے میم کو مکسور اور تاء کو ساکن قرار دیا ہے (۲)۔ جب کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کلمہ کو میم مفتوحہ، تائے مشددہ اور راء ساکنہ کے ساتھ ضبط کیا ہے۔ پھر فرمایا: ”وقد تخفف التاء، وبہ جزم بعض من لقیناہ من العجم“ (۳)۔

اور بعض حضرات نے اس کو تاء کے سکون اور راء کے فتح کے ساتھ پڑھا ہے، لیکن راجح بقول علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کے امام اصیلی کا ضبط ہے، جس کی طرف حافظ علیہ الرحمہ نے بھی اپنے اس قول میں اشارہ کیا ہے، ”وبہ جزم بعض من لقیناہ من العجم“ (۴)۔

(۱) عمدة القاري: ۹۴/۱۵، وفتح الباري: ۲۷۵/۶۔

(۲) عمدة القاري: ۹۴/۱۵۔

(۳) فتح الباري: ۲۷۵/۶۔

(۴) حوالہ بالا، وعمدة القاري: ۹۵/۱۵۔

وَقَالَ : نَكَلَّمُ لَا بَأْسَ .

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہرمزان سے فرمایا، کوئی بات نہیں، گفتگو کرو۔

اس جملے کا تعلق ایک اور واقعے سے ہے، جس کی تفصیل کتاب الجزیہ کے شروع میں آچکی ہے (۱)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ فارس کے شہر تستر کے محاصرے کے دوران ہرمزان گرفتار ہو گئے، جن کو حضرت انس کی معیت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہم کی خدمت میں روانہ کیا گیا، جب خلیفہ ثانی نے ان سے گفتگو کرنا چاہی تو وہ خاموش رہے، اس پر حضرت عمر نے ان سے کہا، ”تکلم، لا باس علیک“ اس کے بعد ان دونوں کے درمیان بات چیت شروع ہوئی، جس کی تفصیل طویل ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بعد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہرمزان کے قتل کے احکامات جاری کرنا چاہے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ یہ تو آپ کر نہیں سکتے، کیوں کہ آپ نے تو ان کو ”تکلم لا باس علیک“ کہا ہے، خلیفہ ثانی نے کہا کیا تمہارے ساتھ اور کوئی بھی ہے، جو اس چیز کی شہادت دے کہ میں نے یہ جملے کہے ہیں؟ تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی موافقت کی، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہرمزان کو قتل نہیں کروایا، بعد میں انہوں نے اسلام قبول کر لیا (۲)۔

مذکورہ اثر کی تخریج

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ اثر کو مختصراً امام ابن ابی شیبہ نے اپنی مصنف میں (۳) اور یعقوب بن

سفیان نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے، نیز سعید بن منصور نے اپنی سنن (۴) میں اس کی تخریج کی ہے (۵)۔

(۱) انظر باب الجزية والموادعة مع أهل الذمة، هرمزان کے قبول اسلام کا واقعہ۔

(۲) عمدة القاري: ۹۵/۱۵، وفتح الباري: ۲۷۵/۶، والمصنف لابن أبي شيبة: ۱۸/۱۰۹-۱۱۰، كتاب السير، باب في

الأمان، ما هو؟ وكيف هو؟ رقم (۳۴۰۸۴)، وكتاب البعوث والسرايا: ۱۸/۳۰۴، ما ذكر في تستر، رقم (۳۴۵۰۶)۔

(۳) المصنف لابن أبي شيبة: ۱۸/۱۰۹-۱۱۰، رقم (۳۴۰۸۴)، وكتاب المعوث والسرايا: ۱۸/۳۰۴، رقم

(۳۴۵۰۶)۔

(۴) سنن سعيد بن منصور: ۲/۲۵۲، كتاب الجهاد، باب قتل الأسارى،، رقم (۲۶۷۰)، وأخرجه

البيهقي من طريق الثقفى عن حميد الطويل: ۹/۱۶۴، كتاب السير، باب كيف الأمان؟ رقم (۱۸۱۸۳)۔

(۵) عمدة القاري: ۹۵/۱۵، وفتح الباري: ۲۷۵/۶، وتغليق التعليق: ۴۸۳/۳۔

مذکورہ اثر سے مستفاد ایک مسئلہ

علامہ ابن المنیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ اثر سے یہ مسئلہ مستفاد ہوا کہ اگر حاکم اپنے کسی فیصلے کو بھول جائے اور دو آدمی اس کے ہاں گواہی دیں کہ حاکم نے یہ فیصلہ دیا تھا تو حاکم پر یہ لازم ہوگا کہ اس فیصلے پر عمل کروائے اور اس کو نافذ کرے۔

نیز یہ کہ حاکم اگر ایک فرد کی شہادت کو قبول کرنے سے ہچکچائے، اس میں توقف کرے، پھر دوسرا فرد پہلے کی موافقت میں گواہی دے دے تو اب شک و شبہ ختم ہو جائے گا اور اس سے پہلے فرد کی گواہی بھی متاثر نہیں ہوگی (۱)۔ واللہ اعلم بالصواب

تعلیق کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

تعلیق مذکور کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت بایں معنی ہے کہ تعلیق میں یہ آیا ہے کہ امان دینے والا لا تخف کہے یا مترس یا تکلم، لا بأس، اس سے امان کا تحقق ہو جائے گا، کیوں کہ یہ سارے جملے امان دینے پر دلالت کرتے ہیں، زبان خواہ کوئی سی بھی استعمال کرے یا تعبیر کوئی سی بھی ہو، چنانچہ پہلے دونوں جملے تو ظاہراً بھی اس امر پر دلالت کر رہے ہیں کہ جس آدمی کے سامنے یہ ادا کیے جائیں، مراد امان ہی ہے اور تیسرے جملے کی دلالت بایں معنی ہے کہ مخاطب کو یہ کہا جا رہا ہے کہ تم بے تکلف ہو کر گفتگو کرو، تم سے تعرض نہیں کیا جائے گا اور یہی امان ہے، جیسا کہ مذکورہ واقعہ بھی اس پر شاہد ناطق ہے۔

۱۲ - باب : الْمَوَادَّعَةُ وَالْمُصَالِحَةُ مَعَ الْمُشْرِكِينَ بِالْمَالِ وَغَيْرِهِ ، وَإِثْمُ مَنْ لَمْ يَفِ بِالْعَهْدِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس فعل کی مشروعیت و جواز بتلانا چاہتے ہیں کہ مشرکین کے ساتھ مصالحت کے وقت مال وغیرہ ادا کرنے کی ضرورت پڑے تو یہ جائز ہے (۲)۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔

ترجمۃ الباب میں مذکور لفظ ”وغیرہ“ کا عطف ”بالمال“ پر ہے کہ مشرکین کو مال کی ادائیگی بھی کی جاسکتی

(۱) فتح الباری : ۶/۲۷۵۔

(۲) عمدة القاری : ۱۵/۹۵۔

ہے، اس کے علاوہ قیدی وغیرہ بھی، یعنی ان کے افراد اگر مسلمانوں کے پاس قید ہوں تو ان کی رہائی کے بدلے بھی مصالحت ہو سکتی ہے، او بالعکس (۱)۔

وَقَوْلِهِ : «وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا» الْآيَةَ / الأنفال : ۶۱ / .

اور اللہ تبارک و تعالیٰ کا قول: اور اگر مشرکین صلح کا مطالبہ کریں تو آپ بھی صلح کر لیں۔

آیت کریمہ کی تفسیر

اوپر آیت کریمہ کا ترجمہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کے مطابق کیا گیا ہے، انہوں نے ﴿جَنَحُوا﴾ کی تفسیر ”طلبوا“ سے کی ہے، جب کہ دیگر حضرات مفسرین نے اس کی تفسیر ”مالوا“ سے کی ہے، اس صورت میں ترجمہ یوں ہوگا اور اگر مشرکین صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی اس کی طرف مائل ہو جائیے (اور صلح کر لیجیے) کیونکہ جناح کے لغوی معنی میلان کے ہیں (۲)۔

اور کلمہ ”السلم“ سین کے فتح اور کسرہ کے ساتھ صلح کے معنی میں ہے، یہ ابو عبیدہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، جب کہ ابو عمر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سلم اگر بفتح السین ہو تو اس کے معنی صلح کے ہیں اور بکسر السین ہو تو اسلام کے معنی میں (۳)۔

آیت کریمہ سے امام بخاری کا استدلال اور ترجمہ سے انطباق

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ آیت کریمہ سے اس امر پر استدلال کیا ہے کہ مشرکین کے ساتھ صلح جائز اور مشروع ہے (۴)۔

اسی سے ترجمہ الباب کے ساتھ آیت کا انطباق بھی واضح ہو رہا ہے کہ جب مشرکین کے ساتھ صلح جائز ہے تو یہ صلح بالمال بھی ہو سکتی ہے اور بغیر مال کے بھی، صلح بغیر المال کا حکم تو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابتدائے

(۱) حوالہ بالا، وفتح الباری: ۲۷۵/۶، وشرح القسطلانی: ۲۳۹/۵۔

(۲) حوالہ جات بالا، والقاموس الوحيد، مادة ”جناح“، وتفسير القرطبي: ۳۹/۸۔

(۳) فتح الباری: ۲۷۵/۶-۲۷۶، وعمدة القاری: ۹۵/۱۵۔

(۴) فتح الباری: ۲۷۶/۶، وکتاب السير الكبير مع شرحه للسرخسي: ۱۶-۳/۵، باب المودعة۔

کتاب میں ذکر کر دیا تھا اور یہاں صلح بالمال کا تذکرہ کر دیا، جس سے جہاں مصنف علیہ الرحمۃ کا مدعی ثابت ہوا، وہیں صلح کی دو تقسیمیں بھی سامنے آگئیں کہ صلح کی ایک قسم تو بالمال ہے، دوسری بغیر المال۔

فائدہ

آیت کریمہ کو جو مقید بالشرط کیا گیا کہ ”اگر وہ صلح چاہیں تو آپ بھی صلح کر لیجئے“ سے مفہوم و معلوم یہ ہوتا ہے کہ صلح کا معاملہ مقید ہے، مطلق نہیں کہ اس سے مسلمانوں کا بھلے نقصان ہو رہا ہو، تب بھی صلح کی جائے، بلکہ یہاں تو یہ دیکھا جائے گا کہ مسلمان کس حال میں ہیں، اگر صلح ان کے مناسب حال ہے، اس میں ان کا فائدہ ہے تو صلح کرنا درست ہے، اس کے برعکس اگر مسلمان غالب ہوں اور صلح میں کوئی مصلحت و فائدہ بھی معلوم نہ ہو رہا ہو، تو صلح کرنا درست نہیں (۱)۔

ترجمۃ الباب کے تحت مذکور مسئلے کی تفصیل

مشرکین کے ساتھ بغیر مال کے مصالحت تو جائز ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں، بغیر مال کے مصالحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ (۲) میں مشرکین قریش کے ساتھ کی تھی، لیکن اگر مشرکین کو مال دینا پڑے، مال کے بدلے ان سے مصالحت ہو اور خدا نخواستہ ایسے نامساعد حالات پیدا ہو جائیں کہ وہ مال لیے بغیر مصالحت پر راضی نہ ہوں تو اس میں کیا ہوگا؟

چنانچہ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ تو اس صورت میں یہ فرماتے ہیں کہ مشرکین کو صلح کے بدلے مال ادا کرنا جائز نہیں، ہاں! ضرورت کے وقت جائز ہے، مثلاً یہ کہ مسلمانوں کو جنگی نقصانات سے محفوظ رکھا جائے (۳)۔ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ فرماتے ہیں کہ صلح تو بغیر عوض کے ہونی چاہیے، لیکن اگر اضطرار کی حالت ہو اور دشمن کی تعداد بہت زیادہ، مال دیے بغیر اہل اسلام کی حفاظت ناممکن ہو جائے اور یہ خطرہ ہو کہ وہ مسلمانوں کو شدید نقصان پہنچائیں گے تو ایسی صورت میں مال دے کر صلح کی جاسکتی ہے؛ لأن ذلك من معاني الضرورات۔

(۱) فتح الباری: ۶/۲۷۶، والجامع لأحكام القرآن: ۴۰/۸۔

(۲) صلح حدیبیہ کی تفصیل کے لیے دیکھیے، کشف الباری، کتاب المغازی: ۳۵۹-۳۷۲۔

(۳) شرح ابن بطلال: ۵/۳۵۵، وفتح الباری: ۶/۲۷۶، وعمدة القاری: ۱۵/۹۷۔

اس کے برعکس اگر صرف یہ صورت ہو کہ مسلمان کمزور تو ہیں، لیکن مقابلے کی سکت ان میں ہے تو مال کی ادائیگی پر صلح جائز نہیں، کہ مسلمان قتل بھی ہو تو شہید ہی ہوگا، جس کے اپنے فضائل ہیں، اس کے علاوہ مسلمانوں کی شان اس سے اعلیٰ وارفع ہے کہ وہ مشرکین سے رحم کی درخواست کریں اور نہیں جنگ روکنے کا کہیں (۱)۔

اس مسئلے میں مذہب حنفیہ و مالکیہ کے بارے میں علامہ ابن بطل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس سلسلے میں امام مالک و امام ابو حنیفہ کی کوئی روایت اور ان کا کوئی قول ہمیں معلوم نہیں ہے (۲)۔

لیکن علامہ عینی رحمہ اللہ نے حنفیہ کا مسلک امام شافعی و احمد کی طرح نقل کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

”مذهب أصحابنا أن للإمام أن يصالحهم بمالي يأخذه منهم، أو يدفعه

إليهم، إذا كان الصلح خيرا في حق المسلمين؛ لقوله تعالى: ﴿وإن جنحوا

للسلم فاجنح لها﴾، والمال الذي يؤخذ منهم يصرف مصارف الجزية“ (۳)۔

اور مالکیہ کا مذہب بھی اس باب میں ائمہ ثلاثہ کے موافق ہے، بشرطے کہ کوئی فاسد شرط نہ لگائی جائے،

علامہ درود رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصریح کی ہے، فرماتے ہیں:

”ويجوز للإمام المهادنة أي صلح الحربي مدة ليس لهو فيها،

تحت حكم الإسلام، لمصلحة كالعجز عن قتالهم مطلقا، أو في الوقت

الحاضر إن خلا عقد المهادنة عن شرط فاسد، فإن لم تخل عنه لم

تجز، كشرط بقاء مسلم أسير تحت أيديهم وإن بمال إلا لخوف

مما هو أشد ضررا من دفع المال منهم أولهم“ (۴)۔

مشرکین کو صلح کے بدلے مال کی ادائیگی کی مثالیں

تاریخ میں بہت سی مثالیں ایسی ملتی ہیں کہ مسلمانوں نے مشرکین کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے بوقت

(۱) شرح ابن بطل: ۳۵۶/۵، وفتح الباری: ۲۷۶/۶ وعمدة القاری: ۹۷/۱۵۔

(۲) شرح ابن بطل: ۳۵۶/۵، وعمدة القاری: ۹۷/۱۵۔

(۳) عمدة القاری: ۹۷/۱۵، نیز دیکھیے، کتاب السیر الکبیر مع السرخسی: ۳/۵-۱۶، باب المواعدة۔

(۴) الشرح الکبیر مع حاشیة الدسوقي: ۵۲۷/۲، باب في الجهاد، فصل عقد الجزية۔

ضرورت ان کو مال کی ادائیگی بھی کی ہے۔ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیینہ بن حصن فزاری اور حارث بن عوف مری کے ساتھ غزوہ احزاب کے موقع پر صلح کی پیشکش کی تھی کہ نبی علیہ السلام ان کو مدینہ منورہ کی کھجور کی پیداوار کا ثلث دیں گے، لیکن اس کے لیے ان کو یہ کرنا ہوگا کہ وہ بنو غطفان کو لے کر لوٹ جائیں اور قریش کا ساتھ چھوڑ دیں..... (۱)۔

سعید بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جنگ صفین کے موقع پر مشرکین کے ساتھ مال کے بدلے صلح کی تھی۔ یہی عبد الملک بن مروان کے بارے میں بھی مروی ہے کہ وہ جب حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مصروف جنگ تھے، تو انہوں نے رومی بادشاہ کے ساتھ ایک ہزار دینار یومیہ ادائیگی کے بدلے صلح کی تھی (۲)۔

۳۰۰۲ : حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ : حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ أَبِي الْمُبَارَكِ : حَدَّثَنَا يَحْيَى ، عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ ، عَنْ سَهْلِ بْنِ أَبِي حَثْمَةَ (۳) قَالَ : انْطَلَقَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَهْلٍ وَمُحَبِّصَةُ بْنُ مَسْعُودٍ بْنُ زَيْدٍ إِلَى خَيْبَرَ ، وَهِيَ يَوْمَئِذٍ صَلْحٌ ، فَتَفَرَّقَا ، فَأَتَى مُحَبِّصَةُ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَهْلٍ وَهُوَ يَتَشَحَّطُ فِي دَمِهِ قَتِيلًا ، فَدَفَنَهُ ثُمَّ قَدِمَ الْمَدِينَةَ ، فَأَنْطَلَقَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَهْلٍ وَمُحَبِّصَةُ وَحُويصَةُ ابْنَا مَسْعُودٍ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ ، فَذَهَبَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ يَتَكَلَّمُ ، فَقَالَ : (كَبُرَ كِبَرُ) . وَهُوَ أَحَدُ الْقَوْمِ ، فَسَكَتَ فَتَكَلَّمَ ، فَقَالَ : (تَحْلِفُونَ وَتَسْتَحِقُّونَ قَاتِلَكُمْ ، أَوْ صَاحِبَكُمْ) . قَالُوا : وَكَيْفَ نَحْلِفُ وَلَمْ نَشْهَدْ وَلَمْ نَرَ ؟ قَالَ : (فَتَبَرُّكُمْ يَهُودُ بِخَمْسِينَ) . فَقَالُوا : كَيْفَ نَأْخُذُ أَيْمَانَ قَوْمٍ كُفَّارٍ ، فَعَقَلَهُ النَّبِيُّ ﷺ مِنْ عِنْدِهِ . [ر : ۲۵۵۵]

تراجم رجال

۱- مسدد

یہ مسدد بن مسرہ بن مسرہ بل رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، ”باب من الإیمان

(۱) الجامع لأحكام القرآن: ۴۱/۸.

(۲) عمدة القاري: ۹۷/۱۵، وشرح ابن بطلال: ۳۵۵/۵، نیز حاشیة الدسوقي على الشرح الكبير: ۵۲۷/۲.

(۳) قوله: ”عن سهل بن أبي حثمة“: الحديث، مرّ تخريجہ فی کتاب الصلح، باب الصلح مع المشركين.

أن يجب لأخيه ما يحب لنفسه“ کے تحت گزر چکا (۱)۔

۲- بشر

یہ ابواسامیل بشر بن المفصل بن لاحق بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب العلم، ”باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: رب مبلغ أوعى.....“ کے تحت گزر چکا ہے (۲)۔

۳- یحییٰ

یہ مشہور محدث یحییٰ بن سعید انصاری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ ”بدء الوحى“ میں اجمالاً اور کتاب الإیمان، ”باب صوم رمضان احتساباً.....“ کے تحت آچکا (۳)۔

۴- بشیر بن یسار

یہ بشیر بن یسار مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۴)۔

۵- سہل بن ابی حثمہ

یہ ابو محمد سہل بن ابی حثمہ انصاری مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۵)۔

قَالَ: انْطَلَقَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ سَهْلٍ وَمُحَيِّصَةُ بْنُ مَسْعُودٍ بْنُ زَيْدٍ إِلَى خَيْرٍ وَهِيَ يَوْمَئِذٍ صَلْحٌ
حضرت سہل بن ابی حثمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت سہل بن عبد اللہ اور محیصہ بن مسعود (۲۰)
خیبر کی طرف روانہ ہوئے اور وہ ان دنوں صلح والی زمین تھی۔

فَتَفَرَّقَا فَأَتَى مُحَيِّصَةُ إِلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَهْلٍ، وَهُوَ يَتَشَحَّطُ فِي دَمٍ قَتِيلًا، فَدَفَنَهُ،

(۱) کشف الباری: ۲/۲۔

(۲) کشف الباری: ۲۲۲/۳۔

(۳) کشف الباری: ۲۳۸/۱، و: ۳۲۱/۲۔

(۴) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب الوضوء من غیر حدث۔

(۵) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب البیوع، باب بیع الثمر علی رؤوس النخل۔

(۶) ان دونوں کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الصلح، باب الصلح مع المشرکین۔

ثُمَّ قَدِمَ الْمَدِينَةَ

وہاں یہ دونوں حضرات جدا ہو گئے، پھر حضرت محیصہ عبداللہ بن سہل کی طرف آئے، جب کہ وہ خون میں لت پت مقتول پڑے تھے، چناں چہ انہوں نے حضرت عبداللہ کو وہیں دفنایا، پھر مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ یہاں واقعہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن سہل اور حضرت محیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہما دیگر کچھ ساتھیوں کے ساتھ خیبر کی طرف تشریف لے گئے، مقصد اپنے اہل و عیال کے لیے کھجور کی فراہمی تھی کہ ان کے لیے خیبر کی کھجوریں لائی جائیں، خیبر پہنچنے کے بعد یہ دونوں حضرات جدا ہو گئے اور اپنی مصروفیات میں مشغول ہو گئے، مقررہ دن جب حضرت محیصہ، حضرت عبداللہ بن سہل کی طرف آئے تو دیکھا کہ وہ ایک چشمہ یا کنوئیں کے اندر خون میں لت پت پڑے ہیں، ان کی گردن ٹوٹی ہوئی ہے اور ان کی روح مبارک قفس عنصری سے پرواز کر چکی ہے، وہاں ان کے علاوہ کوئی بھی نہیں تھا کہ قاتل کی تعین ہو سکے، اس لیے حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ ان کو وہیں دفن کر مدینہ منورہ لوٹ آئے (۱)۔

”يَتَشَحَّطُ“ کے معنی

یہ باب تفعل سے مضارع کا صیغہ ہے، اس کا مادہ ”شحط“ ہے، علمائے حدیث نے اس لفظ کے کئی معنی بیان کیے ہیں، لیکن مال سب کا ایک ہی ہے، یعنی خون میں لت پت ہونا، کما ذکرنا فوق ایضاً (۲)۔ اور ”قتیلا“ حالت کی بنا پر منصوب ہے (۳)۔

فَانْطَلَقَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ سَهْلٍ وَمُحَيِّصَةُ وَخُوَيْصَةُ ابْنَا مَسْعُودٍ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ
پس حضرت عبدالرحمن بن سہل، محیصہ اور حویصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف روانہ ہوئے۔

(۱) عمدة القاري: ۹۶/۱۵، والقسطلاني: ۲۳۹/۵، وسيرة ابن هشام: ۳۵۵/۳/۲، تسمية النفر الدارين الذين أوصى لهم رسول الله.....

(۲) قال الخطابي في أعلام الحديث: ۱۴۶۷/۲: ”يتشحط، أي: يضطرب في الدم“. وقال ابن الأثير (النهاية: ۴۴۹/۲، باب الشين مع الحاء، وجامع الأصول: ۲۸۶/۱۰): ”معناه: يتخبط في دمه، ويضطرب، ويتمرغ“. وقال الداودي، كما حكاه العيني في العمدة (۹۶/۱۵): ”المتشحط: المختضب.....“.

(۳) عمدة القاري: ۹۶/۱۵، وشرح القسطلاني: ۲۳۹/۵.

یعنی مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ دیگر دونوں حضرات صحابہ کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، تاکہ حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو ماجرا گذرا، اس کی آپ علیہ السلام کو خبر دیں۔

حضرت عبدالرحمن بن سہل رضی اللہ عنہ

یہ حضرت عبداللہ بن سہل رضی اللہ عنہ کے بھائی، حویصہ اور محیصہ رضی اللہ عنہما کے بھتیجے (۱)، حضرت عبدالرحمن بن سہل بن زید بن کعب بن عامر بن عدی بن مجدعہ بن حارثہ حارثی انصاری رضی اللہ عنہ ہیں (۲)۔ ان کی والدہ لیلی بنت رافع بن عامر بن عدی ہیں (۳)۔

ابن سعد، ابن عبدالبر اور ان کی اتباع میں ابو نعیم اصفہانی رحمۃ اللہ علیہم کا خیال یہ ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن سہل رضی اللہ عنہ غزوہ احد و خندق و دیگر تمام غزوات میں شریک رہے (۴)۔ بلکہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ یہ بدری ہیں (۵)۔

ابن سعد مزید فرماتے ہیں کہ یہ وہی صحابی ہیں، جو غزوہ بدر کے بعد عمرے کی نیت سے نکلے تھے، لیکن مکہ مکرمہ میں انہیں قریش نے اپنا قیدی بنا لیا، بعد میں حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے بیٹے عمرو، جو بدر میں گرفتار ہوئے تھے، کے بدلے ان کو رہائی ملی (۶)۔

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

اور ان سے محمد بن کعب قرظی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ روایت کرتے ہیں (۷)۔

ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمن بن سہل رضی اللہ عنہ کو سانپ نے ڈسا، نبی علیہ السلام کو خبر ہوئی تو فرمایا کہ

(۱) یہ ابن أخي..... کا ترجمہ ہے، جب کہ الاصابہ میں ابن عم ہے، جو کہ غلط ہے۔ تفصیل آگے آئے گی۔

(۲) انظر الإصابة: ۴۰۲/۲، ومعرفة الصحابة: ۲۷۳/۳، وعمدة القاري: ۹۵/۱۵۔

(۳) الإصابة: ۴۰۲/۲، ومعرفة الصحابة للأصبهاني: ۲۷۳/۳۔

(۴) حوالہ جات بالا، والاستيعاب بهامش الإصابة: ۴۲۰/۲۔

(۵) الاستيعاب بهامش الإصابة: ۴۲۰/۲، وهو قول العسكري أيضاً: انظر الإصابة: ۴۰۲/۲۔

(۶) الإصابة: ۴۰۲/۲۔

(۷) الإصابة: ۴۰۱/۲۔

ان کو عمارۃ بن حزم کے پاس لے جاؤ کہ وہ ان پر دم کریں۔ صحابہ نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! اس وقت تک یہ انتقال کر جائیں گے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چوں کہ علم تھا کہ ان کو شفا ہوگی، اس لیے فرمایا کہ اگرچہ یہ انتقال کر جائیں تب بھی لے جاؤ۔ چنانچہ صحابہ ان کو حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ عنہ کے پاس لے کر گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو شفا دی (۱)۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ان کو حضرت عتبہ بن غزوہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد بصرہ کا عامل (گورنر) مقرر کیا تھا (۲)۔

محمد بن کعب قرظی فرماتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمن بن سہل رضی اللہ عنہ کسی غزوے میں تھے، زمانہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا تھا اور حضرت معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہما شام کے امیر تھے، اسی اثنا میں ان کے سامنے سے کچھ شراب کے مشکے گزرے تو یہ اپنا نیزہ لے کر ان کی طرف متوجہ ہوئے اور ہر مشکے میں سوراخ کر ڈالا، مشکے لے کر جانے والے جو غلام تھے وہ حضرت عبدالرحمن سے الجھ پڑے اور بات بڑھ گئی، جب یہ خبر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انہوں نے فرمایا کہ ان کو چھوڑ دو، یہ بوڑھے ہو گئے ہیں اور ان کی عقل رخصت ہو گئی ہے۔ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہرگز نہیں! میری عقل ابھی ختم نہیں ہوئی، لیکن بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس بات کی ممانعت فرمائی تھی کہ ہم اپنے پیٹ یا برتنوں میں شراب ڈالیں..... (۳)۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے

اکثر ائمہ سیر و مغازی کی رائے یہی ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن سہل بن زید الحارثی الانصاری اور حضرت عبدالرحمن بن سہل انصاری دو فرد نہیں، بلکہ ایک ہی شخصیت ہے، اس لیے اُن حضرات نے تراجم میں جب ان کا ذکر آیا تو ایک ہی شمار کیا اور کوئی تفریق نہیں کی کہ یہ فلا نے ہیں اور وہ فلا نے۔

لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں میں تفریق کی اور فرمایا کہ یہ دو الگ الگ شخصیتیں ہیں،

(۱) الإصابة: ۴۰۲/۲، ومعرفة الصحابة للأصبهاني: ۲۷۴/۳.

(۲) معرفة الصحابة: ۲۷۴/۳.

(۳) حوالہ بالا، والإصابة: ۴۰۲/۲، والاستيعاب: ۴۲۰/۲، ومعجم الصحابة: ۱۵۰/۲، باب العين، رقم (۶۲۵).

اسی بنیاد پر انہوں نے دونوں کا ترجمہ علیحدہ علیحدہ لکھا ہے اور اس بات کو ترجیح دی ہے کہ یہ دو شخصیتیں ہیں، فرماتے ہیں: ”والظاهر أنهما اثنان“ (۱)۔

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے حضرت عبدالرحمن بن سہل انصاری کے متعلق تین واقعات نقل کیے تھے، جن کو ہم ابھی ذکر کر چکے ہیں، یعنی سانپ کے ڈسنے کا واقعہ، عمرے کی ادائیگی کے لیے مکہ مکرمہ جانے اور گرفتاری و رہائی کا واقعہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آمدہ واقعہ۔

ان تینوں واقعات کے بارے میں حافظ صاحب علیہ الرحمۃ کو تحفظات ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ سانپ کے ڈسنے کا جو واقعہ ہے، ہو سکتا ہے کہ وہ حضرت عبدالرحمن بن سہل الحارثی الانصاری کے ساتھ بھی پیش آیا ہو، اسی طرح یہ دونوں ایک شخصیت شمار ہو سکتے ہیں۔

لیکن قید و رہائی کا جو واقعہ ہے، وہ بہت مشکل ہے، کیوں کہ جن کے بارے میں یہ اختلاف ہو کہ وہ بدری ہیں یا نہیں؟ اور جو اسی سال عمرے کی ادائیگی کے بعد گرفتار ہوئے ہوں وہ خیبر کے موقع پر صغیر و کم سن نہیں ہو سکتے، جب کہ حدیث باب میں ان کو ”وہو أحدث القوم“ (۲) فرمایا گیا ہے۔

نیز یہ کہ جو خیبر کے موقع پر صغیر ہوں، ان کے بارے میں بیس، پچیس سال بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ”إنه شيخ ذهب عقله“ کیوں کہ اس وقت ان کی عمر زیادہ سے زیادہ چالیس ہوگی اور یہ عمر ایسی نہیں ہوتی کہ اس پر شیخوخت اور بڑھاپے کا اطلاق ہو اور اس عمر میں کسی کو ذاہب العقل کہا جائے۔ اس لیے ظاہر ہے یہی ہے کہ یہ دو الگ الگ فرد ہیں (۳)۔ واللہ اعلم بالصواب

حویصہ بن مسعود

یہ حضرت حویصہ بن مسعود بن کعب بن عامر بن عدی بن مجدۃ انصاری رضی اللہ عنہ ہیں (۴)۔ ابوسع

(۱) الإصابة: ۲/۴۰۲۔

(۲) حوالہ بالا، نیز دیکھیے، حدیث باب۔

(۳) الإصابة: ۲/۴۰۲۔

(۴) الإصابة: ۱/۳۶۳، والاستيعاب بهامش الإصابة: ۱/۳۹۳۔

ان کی کنیت ہے (۱)۔

غزوہ بدر کے علاوہ دیگر تمام غزوات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے (۲)۔

ان کے قبول اسلام کا واقعہ

حضرت حویصہ اپنے بھائی محیصہ (۳) سے بڑے تھے، لیکن اسلام قبول کرنے کا شرف پہلے چھوٹے بھائی کو حاصل ہوا، پھر بڑے کو۔

ابن اسحاق نے ذکر کیا ہے کہ مشہور یہودی کعب بن اشرف کے قتل کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ کہہ دیا کہ اگر تم لوگوں کو کسی بھی یہودی پر قابو حاصل ہو جائے تو اسے قتل کر دینا۔ ابن سینہ یا ابن شبنہ نام کا ایک یہودی تاجر تھا، جو کپڑوں کی تجارت کرتا تھا، اس اعلان کے بعد ایک دن موقع پا کر حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کر دیا، اس پر حضرت حویصہ رضی اللہ عنہ، جو اس وقت اسلام نہیں لائے تھے، بہت ناراض ہوئے، یہ اپنے چھوٹے بھائی محیصہ کو مارتے جاتے اور یہ کہتے جاتے کہ اللہ کے دشمن! تم نے اس کو قتل کر دیا، حالانکہ تمہارے پیٹ میں جو چربی ہے وہ بھی اس کے خریدے ہوئے مال سے بنی ہے؟ حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ نے جواباً کہا، بخدا! مجھے اس کے قتل کا حکم اس ذات نے دیا ہے، جو اگر تمہیں قتل کرنے کا مجھے حکم دے تو میں تمہیں بھی قتل کر دوں..... یہ سن کر حضرت حویصہ رضی اللہ عنہ بڑے حیران ہوئے اور اپنے بھائی سے سوالیہ انداز میں کہنے لگے کہ بخدا! اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہیں میری گردن مارنے کا حکم دیں گے تو تم مجھے قتل کر دو گے؟ حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بالکل! اگر وہ مجھے یہ حکم دیں گے تو میں اس پر ضرور عمل کروں گا۔ یہ سن کر حضرت حویصہ رضی اللہ عنہ کہنے لگے، بخدا! یہ دین جس نے تمہیں اس حال کو پہنچا دیا ہے، بہت عجیب ہے، اس کے بعد حضرت حویصہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا (۴)۔

(۱) الاستیعاب بہامش الإصابة: ۳۹۳/۱، ومعجم الصحابة: ۱۱۶/۳، رقم (۱۰۸۳)، باب المیم.

(۲) الاستیعاب بہامش الإصابة: ۳۹۴/۱، والإصابة: ۳۶۳/۱.

(۳) قوله: "محیصة" بضم المیم وفتح الحاء المهملة، وهو أخو حویصة..... ويقال فیہما جمیعاً بتشدید الیاء وتخفیفها، انظر عمدة القاری: ۹۵/۱۵، وقال النووي: "والأشهر هو التشدید". تهذیب الأسماء واللغات: ۱۷۱/۱.

(۴) هذه القصة لإسلامه أخرجهما أبو داود في كتاب الخراج والإمارة والفی، باب کیف کان إخراج الیہود من المدینة؟ رقم (۳۰۰۲)، وابن إسحاق في سيرة ابن هشام: ۴۴۱/۲، والطبرانی في الكبير: ۳۱۱/۲۰، =

حضرت حویصہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں۔

ان سے روایت کرنے والوں میں محمد بن سہل بن ابی شیمہ اور ان کے پوتے حرام بن سعد بن محیصہ شامل ہیں (۱)۔ رضی اللہ عنہ وارضاه

تنبیہ

حدیث باب میں حضرت محیصہ رضی اللہ عنہ کا نسب یوں بیان کیا گیا ہے، ”محیصہ بن مسعود بن زید“ اور یہ نسب درست نہیں، صحیح یہ ہے کہ ”محیصہ بن مسعود بن کعب“ کہا جائے۔
مولانا احمد علی سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ کرمانی وغیرہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو محیصہ بن مسعود بن زید نقل کیا ہے، یہ ان کا وہم ہے (۲)۔

وہم کس کو لاحق ہوا ہے؟

علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف جو وہم کی نسبت کی، وہ درست نہیں، چنانچہ یہ وہم مصنف کا نہیں، بلکہ کسی اوپر کے راوی کا ہے۔

امام بخاری کے علاوہ ائمہ خمسہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے، جن میں امام ترمذی (۳) اور بعض طرق میں امام نسائی و امام مسلم (۴) نے امام بخاری کی ان الفاظ و نسب میں موافقت کی ہے، اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کسی راوی کا وہم ہے اور اس سلسلے میں امام بخاری (رحمہم اللہ) کو مضعون کرنا درست نہیں۔
اب اس مسئلے میں کوئی حتمی بات کہنا کہ اوپر کے کس راوی کو وہم ہوا ہے، مشکل ہے (۵)۔

= رقم (۷۴۱)، والأصبھانی فی معرفة الصحابة: ۱۶۴/۲، رقم (۲۳۳۳)، والحافظ فی الإصابة: ۳۶۳/۱.

(۱) الاستیعاب بہامش الإصابة: ۳۹۴/۱.

(۲) حاشیة صحیح البخاری للسہارنفوری: ۴۵۰/۱، والکرمانی: ۱۳۸/۱۳، وفتح الباری: ۲۷۶/۶.

(۳) سنن الترمذی، أبواب الدیات، باب ماجاء فی القسامة، رقم (۱۴۲۲).

(۴) سنن النسائي، کتاب القسامة..... ذکر اختلاف الفاظ الناقلين لخبر سهل..... رقم (۴۷۱۸ و ۴۷۱۹)،

وصحیح مسلم، کتاب القسامة..... باب القسامة، رقم (۴۳۴۲، و ۴۳۴۶-۴۳۴۷).

(۵) یہ حدیث مسند سہل بن ابی شیمہ میں شمار کی گئی ہے، اگرچہ ایک جگہ حضرت محیصہ کا نام بھی آیا ہے [انظر تحفة الأشراف:

۳۶۶/۸، رقم (۱۱۲۴۱)] اور اس حدیث کے طرق کا تتبع کرنے سے یہ بات سامنے آئی کہ سہل بن ابی شیمہ سے اس حدیث =

حدیث باب میں مذکور صحابہ کی رشتہ داری کی نوعیت

اس کے بعد یہاں ایک بحث یہ بھی ہے کہ حدیث باب میں مذکور چار صحابہ حضرت عبداللہ بن سہل، حضرت عبدالرحمن بن سہل، حضرت محیصہ بن مسعود اور حضرت حویصہ بن مسعود رضی اللہ عنہم کی رشتہ داری و قرابت کی کیا نوعیت ہے اور یہ حضرات آپس میں ایک دوسرے کے کیا لگتے ہیں؟ اس سلسلے میں تحقیقی بات یہ ہے کہ حضرت محیصہ و حویصہ دونوں چچا ہیں اور حضرت عبداللہ و عبدالرحمن دونوں بھتیجے (۱)۔

بہت سے علماء و محدثین کو مغالطہ اسی سے لاحق ہوا کہ نسب بیان کرتے ہوئے محیصہ بن مسعود بن زید کہہ دیا گیا، کما فی حدیث الباب ایضاً اس رو سے یہ حضرات آپس میں عم زاد ہو جاتے ہیں، جو کہ صریح غلط ہے، یہاں تک کہ بعض روایات تک میں ”ابن عم لهما“ (۲) کے الفاظ رواقہ نے نقل کر دیے، حافظ ابن حجر جیسے رجل محقق سے یہاں تسامح ہو گیا کہ انہوں نے حضرت عبدالرحمن بن سہل رضی اللہ عنہ کا ترجمہ ذکر کرتے ہوئے

= کو دو حضرات روایت کرتے ہیں، بشیر بن یسار اور ابویعلیٰ بن عبداللہ بن عبدالرحمن بن سہل۔ ثانی الذکر جو راوی ہیں ان کے طریق سے مروی روایات میں یا تو صرف محیصہ بن مسعود ہے یا محیصہ، ان میں سرے سے زید کا ذکر ہی نہیں ہے، جب کہ اول الذکر راوی بشیر بن یسار کی روایت کے جو طرق ہیں ان میں محیصہ بن مسعود بن زید ہے یا محیصہ بن مسعود یا دوسرے الفاظ۔ پھر بشیر بن یسار کے جوتامذہ ہیں ان میں یحییٰ بن سعید انصاری و سعید بن عبید شامل ہیں اور سعید بن عبید کی روایات میں بھی ”زید“ کا ذکر نہیں ہے، اس لیے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ وہم یحییٰ بن سعید یا ان کے کسی تلمیذ کو پیش آیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

اس حدیث کے طرق کے لیے دیکھیے، تحفة الأشراف: ۸۹/۴، رقم (۴۶۴۴)۔ اس حدیث کی مکمل تخریج کے لیے دیکھیے، جامع الأصول و تعلیقاتہ: ۲۸۰-۲۸۵، وابن ماجہ، أبواب الدیات، باب القسامة، رقم (۲۶۷۷-۲۶۷۸)۔

(۱) امام نسائی کی ایک روایت سے اس کی تائید ہوتی ہے، اس میں ہے: ”فجاء أخوه وعماه حویصة ومحیصة، وهما عما عبداللہ بن سہل“ سنن نسائی، کتاب القسامة، رقم (۴۷۲۱)، نیز دیکھیے، السنن الکبریٰ للبیہقی: ۲۰۷/۸-۲۰۸، کتاب القسامة، باب أصل القسامة، رقم (۱۶۴۳۶)۔

(۲) سنن النسائي، کتاب القسامة..... ذکر اختلاف ألفاظ الناقلين لخبر سهل..... رقم (۴۷۱۷)، وفي رواية أبي داود، أيضاً: ”ابن عمه: حویصة ومحیصة“ سنن، کتاب الدیات، باب القسامة، رقم (۴۵۲۰)۔

ان کو ”ابن عم حویصہ ومحیصہ“ (۱) کہہ دیا، البتہ انہوں نے حویصہ ومحیصہ کا نسب ضرور صحیح نقل کیا ہے اور علامہ عینی کے الفاظ صحیح صورت حال کو واضح کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں، ”ابن أخی حویصہ ومحیصہ“ (۲)۔ اس کو یوں سمجھیے کہ حضرت محیصہ کے دادا کعب کے دو صاحبزادے مسعود وزید ہیں (اور بھی ہو سکتے ہیں)، مسعود کی اولاد میں سے محیصہ وحویصہ ہیں اور زید کی اولاد میں سہل وغیرہ، پھر سہل کی اولاد میں حضرت عبداللہ بن سہل وعبدالرحمن بن سہل رضی اللہ عنہم ہیں، اس طرح یہ حضرات آپس میں چچا و بھتیجے ہوئے (۳)۔ اس تفصیل کو خوب ذہن نشین رکھنا چاہیے، اکثر یہاں مغالطہ ہو جاتا ہے (۴)۔ واللہ اعلم بالصواب

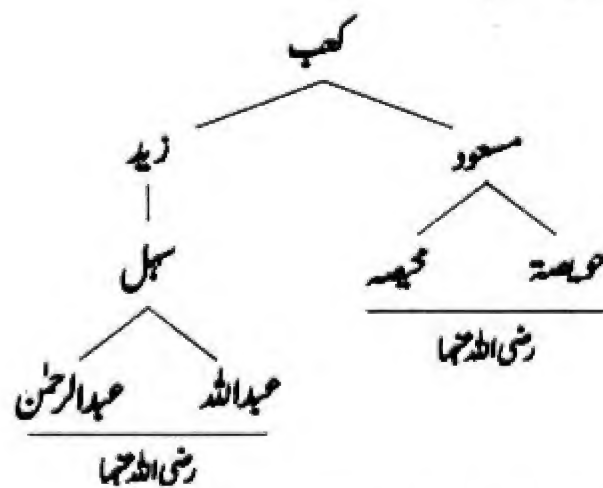
فقال: أتخلفون وتستحقون قاتلكم أو صاحبكم؟ قالوا: وكيف نخلف ولم نشهد، ولم نر؟

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم قسم اٹھانے کو تیار ہو، اس طرح قاتل تمہیں مل جائے گا؟ ان حضرات نے عرض کی کہ ہم کس بنیاد پر قسم اٹھائیں، جب کہ موقع پر ہم موجود تھے، نہ ہم نے کسی کو دیکھا؟! یعنی جب ان حضرات صحابہ نے پورا واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار کیا تو آپ نے فرمایا کہ تم لوگ قسم اٹھا لو کہ فلاں قاتل ہے، اس طرح تمہارا مقصد حاصل ہو جائے گا اور تمہیں قاتل مل جائے گا۔ اس پر ان حضرات نے قسم سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ قسم تو وہ اٹھائے گا جسے قاتل معلوم ہو اور وہ جائے واردات پر موجود بھی ہو، جب کہ ہمارا معاملہ ایسا نہیں ہے۔

(۱) الإصابة: ۴۰۲/۲، و: ۳۶۳/۱۔

(۲) عمدة القاري: ۹۵/۱۵۔

(۳) اس مسئلے کی صحیح شکل و نقشہ یوں ہے:



(۴) نیز دیکھیے، أوجز المسالك: ۱۶۴/۱۵-۱۶۵۔

قال: فتبريكم يهود بخمسين. فقالوا: كيف نأخذ أيمان قوم كفار؟ فعقله النبي ﷺ من عنده

نبی علیہ السلام نے فرمایا تو یہود پچاس قسمیں کھا کر تمہارے سامنے براءت کا اظہار کریں گے۔ ان حضرات نے فرمایا، ہم ایک کافر قوم کی قسموں پر کیسے اعتماد کر سکتے ہیں؟! چناں چہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت خود ادا کی۔

”من عنده“ میں دو احتمال ہیں، ایک تو یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خاص مال سے دیت ادا کی۔ دوسرے یہ کہ وہ ادائیگی بیت المال سے کی گئی (۱)۔

ان حضرات صحابہ کا استحقاق ثابت نہیں ہوا تھا، اس کے باوجود نبی علیہ السلام نے دیت اس لیے ادا کی کہ جھگڑا ختم ہو جائے اور ان حضرات کو بھی تسلی ہو جائے، کیوں کہ عرف ان کے ہاں یہی تھا کہ دیت ملنے کی صورت میں بھی یہ سمجھا جاتا تھا کہ اولیائے مقتول کے ساتھ انصاف ہوا ہے (۲)۔ واللہ اعلم

اس کے علاوہ یہاں قسامہ کا مسئلہ بیان کیا گیا ہے، اس کی تفصیل جلد ثانی میں آئے گی۔ انشاء اللہ (۳)

فذهب عبدالرحمن يتكلم، فقال: كبر، كبر — وهو أحدث القوم — فسكت، فتكلما چناں چہ حضرت عبدالرحمن بات کرنے لگے تو نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ بڑوں کو موقع دو اور یہ آنے والوں میں سب سے چھوٹے تھے، سو وہ خاموش ہو گئے اور حضرت محیصہ و حویصہ رضی اللہ عنہم نے اپنا مدعی پیش کیا۔

حدیث سے مستفاد ایک حکم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی ”کبر کبر“ سے یہ مستفاد ہوا کہ بڑوں کی موجودگی میں چھوٹوں کو نہیں بولنا چاہیے، یہ ادب کے خلاف ہے، حضرت محیصہ و حویصہ رضی اللہ عنہما چوں کہ دونوں بڑے تھے اور حضرت عبدالرحمن چھوٹے تو نبی علیہ السلام نے بڑوں کی رعایت رکھتے ہوئے ان کے برادر زادے عبدالرحمن

(۱) عمدة القاري: ۹۶/۱۵.

(۲) عمدة القاري: ۹۶/۱۵-۹۷، وشرح ابن بطلال: ۳۵۵/۵.

(۳) انظر، كتاب الديات، باب القسامة.

رضی اللہ عنہ کو منع کر دیا کہ ان کے سامنے آپ کو بات نہیں کرنی چاہیے (۱)۔

ایک اعتراض اور اس کے جوابات

یہاں ایک اعتراض یہ ہوتا ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن سہل، جو ولی مقتول تھے، کو خاموش کرا کر حضرت حویصہ و محیصہ رضی اللہ عنہم کو کیوں بات کرنے کو کہا گیا، جب کہ حق تو ولی مقتول کا تھا؟

① اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود یہ تھا کہ واقعہ کی کیفیت و صورت کو سمجھا جائے، جہاں تک حقیقت دعویٰ کا تعلق ہے، اس سے یہاں بحث نہیں، کیوں کہ اگر یہی مقصود ہوتا تو حضرت عبدالرحمن ہی گفتگو فرماتے، جن کا حق بھی تھا۔

② اس بات کا احتمال بھی ہے کہ حضرت عبدالرحمن نے خود ان دونوں حضرات کو اپنی طرف سے بات کرنے کے لیے وکیل بنایا کہ بات آپ لوگ ہی کریں (۲)۔ واللہ اعلم

ترجمہ الباب پر ایک اشکال

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب میں یہ الفاظ ذکر کیے تھے، ”وإثم من لم يف بالعهد“ ان الفاظ پر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ حدیث باب میں تو کوئی بھی چیز ایسی نہیں جو اس جز پر دلالت کر رہی ہو یا اس پر منطبق ہو رہی ہو (۳)۔

مذکورہ اشکال کے جوابات

شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اعتراض کے تین جوابات ذکر کیے ہیں:

① مصنف رحمۃ اللہ علیہ اس باب کے تحت کوئی مناسب حدیث ذکر کرنا تو چاہتے تھے، لیکن اس کا موقع نہیں مل سکا۔ کما هو المعروف عند الشراح في مثل هذه المواضع (۴)۔

(۱) عمدة القاري: ۹۶/۱۵، وقد يوب الإمام البخاري رحمه الله عليه باباً أيضاً في كتاب الأدب، أي: باب

إكرام الكبير.....، وذكر تحته حديث الباب، رقم (۶۱۴۳)۔

(۲) عمدة القاري: ۹۶/۱۵، وشرح الزرقاني: ۲۰۸/۴، رقم (۱۶۹۶)، والأوجز: ۱۶۸/۱۵۔

(۳) فتح الباري: ۲۷۶/۶، والأبواب والتراجم: ۲۰۸/۱، وتعليقات لامع الدراري: ۳۲۵/۷۔

(۴) الأبواب والتراجم: ۲۰۸/۱، وتعليقات اللامع: ۳۲۵/۷۔

۲ اس طرح کی جگہوں و مقامات میں میرے نزدیک بہترین توجیہ یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں عمدۂ تشہید اذہان کے لیے اور اس پر تنبیہ کرنے کے لیے کہ اس کے مناسب حدیث کو اور کسی جگہ انہوں نے ذکر کیا ہے، یہاں ذکر نہیں کیا۔..... چنانچہ وعدہ خلاف کو اس کے فعل پر جو گناہ ہوگا، اس کا ذکر کئی روایات میں آیا ہے، اب اگر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کسی ایک روایت پر انحصار کرتے تو کسی کو یہ وہم ہو سکتا تھا کہ مذکورہ گناہ اسی نوع کے ساتھ خاص ہے، جب کہ مقصود مصنف تو یہ ہے کہ وعدہ خلافی کے گناہ پر جہات کثیرہ سے تنبیہ کی جائے، اسی لیے انہوں نے کوئی خاص حدیث ذکر نہیں کی۔

اس سلسلے میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو مختلف احادیث ذکر کی ہیں انہیں اس ترجمہ کا مشارالیه سمجھ لیا جائے کہ امام نے اس ترجمے کے ذریعے ان احادیث کی طرف اشارہ کیا ہے، جن میں وعدہ خلافی کی مذمت و گناہ مذکور ہے (۱)۔

۳ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے مذکورہ روایات، جو بدعہدی کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں، کے ذریعے اس بات پر تنبیہ کی ہے کہ ایفائے عہد کو اپنا شعار بنانا چاہیے (۲)۔ واللہ اعلم بالصواب

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت اس جملے سے ہو رہی ہے، ”انطلق عبد اللہ بن سہل ومحیصۃ..... إلى خیبر، وهي يومئذ صلح“ (۳) اور بایں معنی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود خیبر کے ساتھ صلح کی تھی، جس کی شرط یہ تھی کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خیبر کے باغات کی نصف پیداوار ادا کریں گے (۴)۔

اس سے یہی ثابت ہوا کہ مشرکین کے ساتھ صلح ہر دو صورتوں میں کی جاسکتی ہے، ان سے مال لے کر بھی اور ضرورت کے وقت دے کر بھی، یہی مقصود ترجمہ تھا۔

جب کہ علامہ مہلب رحمۃ اللہ علیہ کے مطابق حدیث کے آخری جز سے ترجمہ ثابت ہو رہا ہے، ”فعقله

(۱) الأبواب والتراجم: ۱/ ۲۰۸-۲۰۹، وتعليقات اللامع: ۷/ ۳۲۵۔

(۲) حوالہ جات بالا۔

(۳) فتح الباری: ۶/ ۲۷۶۔

(۴) كشف الباري، كتاب المغازي: ۴۱۴، باب غزوة خیبر۔

النبي صلى الله عليه وسلم من عنده“ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے دیت دی، وہ اس لیے دی تھی کہ مقتول کے دم کا اہد اور ضیاع لازم نہ آئے، نیز یہودیوں کی تالیف بھی مقصود تھی کہ شاید اس طرح ان کے قبول اسلام کی راہ ہموار ہو جائے، اسی طرح یہود کے شر و خبث باطن سے اپنی ذات اور مسلمانوں کی حفاظت بھی مد نظر تھی، اس طرح ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت ثابت ہو جاتی ہے (۱)۔

اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث کی ترجمے کے ساتھ مناسبت ”وہی یومئذ صلح“ سے بھی حاصل ہو رہی ہے اور ”فعقله النبي صلى الله عليه وسلم من عنده“ سے بھی حاصل ہو رہی ہے، کیوں کہ یہ مشرکین کے ساتھ مصالحت بالمال ہی تھی (۲)۔

گویا علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اوپر کے دونوں اقوال کو جمع کر دیا ہے۔

۱۳ - باب : فَضْلُ الْوَفَاءِ بِالْعَهْدِ .

ترجمۃ الباب کا مقصد و ما قبل سے مناسبت

سابق باب میں چوں کہ مصالحت و موادعت کا ذکر تھا، اس لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں یہ بتا دیا کہ مصالحت جب ہو جاتی ہے تو پھر اس کی پاس داری اور ایفا ضروری ہوتا ہے اور اس پاس داری و ایفائے عہد کے بڑے فضائل ہیں اور خود بھی یہ ایک اچھی صفت ہے (۳)۔

۳۰۰۳ : حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ : حَدَّثَنَا اللَّيْثُ ، عَنْ يُونُسَ ، عَنْ ابْنِ شِهَابٍ ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ أَخْبَرَهُ : أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَبَّاسٍ أَخْبَرَهُ (۴) أَنَّ أَبَا سُفْيَانَ بْنَ حَرْبٍ أَخْبَرَهُ : أَنَّ هِرْقَلَ أَرْسَلَ إِلَيْهِ فِي رَكْبٍ مِنْ قُرَيْشٍ ، كَانُوا تِجَارًا بِالشَّامِ ، فِي الْمُدَّةِ الَّتِي مَادَّ فِيهَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ أَبَا سُفْيَانَ فِي كُفَّارِ قُرَيْشٍ . [ر : ۷]

(۱) شرح ابن بطلال: ۳۵۵/۵، وفتح الباري: ۲۷۶/۶.

(۲) عمدة القاري: ۹۵/۱۵.

(۳) عمدة القاري: ۹۷/۱۵.

(۴) قوله: ”عبد الله بن عباس رضي الله عنهما أخبره“: الحديث، مرّ تخريجہ فی بدء الوحي.

تراجم رجال

۱- یحییٰ بن بکیر

یہ امام یحییٰ بن بکیر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲- اللیث

یہ امام ابوالحارث لیث بن سعد فہمی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کا تذکرہ بدء الوحي کی ”الحديث الثالث“ کے تحت گزر چکا ہے (۱)۔

۳- یونس

یہ یونس بن یزید ایللی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، ان کا مختصر تذکرہ ”بدء الوحي“ اور مفصل تذکرہ کتاب الامم، ”باب من یرد اللہ بہ خیراً.....“ میں آچکا ہے (۲)۔

۴- ابن شہاب

یہ امام محمد بن مسلم ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا مختصر ترجمہ ”بدء الوحي“ میں گزر چکا (۳)۔

۵- عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ

یہ فقیہ مدینہ عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ بن مسعود رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ اجمالاً ”بدء الوحي“ کے تحت اور تفصیلاً کتاب العلم، ”باب متی یصح سماع الصغیر؟“ کے تحت آچکا (۴)۔

۶- عبد اللہ بن عباس

مشہور صحابی حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے حالات اجمالاً ”بدء الوحي“ کے تحت اور تفصیلاً کتاب الإیمان، ”باب کفران العشیر، و کفر دون کفر“ کے تحت گزر چکے (۵)۔

(۱) کشف الباری: ۱/۳۲۳-۳۲۵۔

(۲) کشف الباری: ۱/۴۶۳، و: ۳/۲۸۲۔

(۳) کشف الباری: ۱/۳۲۶، الحديث الثالث۔

(۴) کشف الباری: ۱/۴۶۶، و: ۳/۳۷۹۔

(۵) کشف الباری: ۱/۴۳۵، و: ۲/۲۰۵۔

۷- ابوسفیان

یہ مشہور صحابی حضرت ابوسفیان صحز بن حرب رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کا تذکرہ بدء الوحي کی ”الحديث السادس“ کے تحت گزر چکا (۱)۔

حدیث باب کا ترجمہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ نے انہیں بتلایا کہ شاہ روم ہرقل نے قریش کے اور سواروں کے ساتھ انہیں اپنے ہاں بلایا، جب کہ وہ شام میں تجارت کی غرض سے گئے تھے، یہ اس زمانے کی بات ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار قریش کے معاملے میں حضرت ابوسفیان سے مصالحت کی تھی۔

حدیث باب بدء الوحي کی چھٹی حدیث کا ایک حصہ ہے، اس کی مکمل تشریح وہیں گزر چکی ہے (۲)۔

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت

علامہ ابن بطل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایفاء عہد کی فضیلت اور نقض عہد کی مذمت قرآن و سنت میں جا بجا موجود ہے۔ درحقیقت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے اس سوال کی طرف اشارہ فرمایا ہے، جو ہرقل نے حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ سے کیا تھا کہ ”هل يغدر؟“ کیا وہ غداری، وعدہ خلافی کا ارتکاب بھی کرتے ہیں؟ سوال کی وجہ یہی تھی کہ غدر و نقض عہد ہر امت و معاشرے کے نزدیک مذموم عمل ہے اور صفات رسل (جو انسانوں میں مقدس ترین ہستیاں ہیں) میں سے نہیں ہے کہ رسل و انبیاء اس سے متصف ہوں، کیوں کہ وعدہ خلاف و غدار، نبی ہرگز نہیں ہو سکتا (۳)۔

اسی سے ایفاء عہد کی فضیلت و اہمیت معلوم ہوتی ہے کہ جس صفت سے انبیاء و رسل متصف ہوں گے وہ معمولی صفت نہیں ہوگی، بلکہ اس کی اہمیت غیر معمولی ہوگی، یہی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصود بھی ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

(۱) کشف الباری: ۱/۴۸۰۔

(۲) کشف الباری، الحديث السادس، من بدء الوحي: ۱/۴۸۵-۴۸۷۔

(۳) ابن بطل: ۵/۳۵۶، وفتح الباری: ۶/۲۷۶، وعمدة القاری: ۱۵/۹۷، والقسطلانی: ۵/۲۴۰۔

۱۴ - باب : هَلْ يُعْفَى عَنِ الذَّمِّ إِذَا سَحَرَ .

ترجمہ الباب کا مقصد

اگر کسی ذمی نے کسی مسلمان پر جادو کر دیا تو کیا اس ذمی کو معاف کیا جاسکتا ہے یا اس کو قتل کیا جائے گا یا اور کوئی سزا دی جائے گی؟

یہ مسئلہ چوں کہ مختلف فیہا ہے، فقہائے امت کا اس میں اختلاف ہے اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی عادت کے موافق اس کو ”ہل“ استفہامیہ کے ساتھ ذکر کیا ہے، جزا کوئی حکم بیان نہیں کیا، لیکن حدیث، جو انہوں نے ترجمہ کے تحت نقل کی، اس سے ان کا مذہب معلوم ہو رہا ہے کہ اس ذمی کو معاف کر دیا جائے گا (۱)۔

اختلاف فقہاء کی تفصیل

علامہ باجی نے امام مالک رحمۃ اللہ علیہما کا مسلک یہ نقل کیا ہے کہ ذمی ساحر کو قتل نہیں کیا جائے گا، لیکن دو صورتیں ایسی ہیں جن میں اس کو قتل کیا جائے گا:

① اپنے سحر و جادو کے ذریعے کسی مسلمان کو نقصان پہنچائے۔ اس صورت میں چوں کہ اس نے نقض عہد کیا ہے، اس لیے اس کی سزا قتل ہوگی، البتہ اسلام قبول کر لے تو قتل نہیں کیا جائے گا۔

② مسلمانوں کے علاوہ اپنے کسی ہم مذہب پر جادو کرے، اس کے نتیجے میں مسحور مر جائے تو قصاصاً اس کو قتل کیا جائے گا اور اگر مسحور نہ مرے تو صرف سزا پر اکتفا کیا جائے گا (۲)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بھی اگر ساحر اپنے سحر سے کسی کو قتل کر دے تو اسے قصاصاً قتل کیا جائے گا، نفس سحر پر قتل کی سزا نہیں ہوگی (۳)۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب بھی یہی ہے کہ ساحر کے سحر سے اگر کوئی مر جائے تو اسے قتل کیا جائے گا، ورنہ نہیں، بشرطیکہ وہ اس بات کا اعتراف کرے کہ یہ مقتول میرے عمل سحر سے مرا ہے (۴)۔

(۱) عمدة القاري: ۹۷/۱۵، وفتح الباري: ۲۷۷/۶۔

(۲) المنتقى: ۱۰۲/۹، کتاب العقول، الباب الثاني في قتل الغيلة، والأوجز: ۹۰/۱۵۔

(۳) المغني لابن قدامة: ۳۷/۹، کتاب المرتد، أحكام السحر.....

(۴) ”قال الشافعي رحمه الله تعالى: ”وإذا سحر رجلا فمات، سئل عن سحره، فإن قال: أنا أعلم هذا“

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر ساحر اپنے سحر کا اقرار کر لے یا کسی دلیل سے اس کا سحر ثابت ہو جائے تو سزا قتل ہوگی اور اس سے توبہ بھی قبول نہیں کی جائے گی، اس معاملے میں مسلم، ذمی، آزاد اور غلام سب برابر ہیں۔ البتہ ایک قول یہ بھی ہے کہ ساحر مسلم کو تو قتل کیا جائے گا، کتابی کو نہیں (۱)۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے دلائل

① امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی ایک دلیل حضرت ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے، چنانچہ نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہما کے طریق سے مروی ہے کہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی ایک باندی نے ان پر جادو کر دیا، تفتیش کرنے پر اس کا جرم ثابت ہو گیا اور اس نے اس کا اعتراف بھی کر لیا، سو حضرت حفصہ نے حضرت عبدالرحمن بن زید سے کہا کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔ انہوں نے اسے قتل کر دیا، البتہ یہ بات جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوئی تو وہ ناراض ہوئے، اس پر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حاضر ہو کر انہیں حقیقت حال بتلائی۔

حضرت عثمان کے ناراض ہونے کی وجہ یہی ہوئی تھی کہ یہ کام ان کی اجازت کے بغیر ہوا تھا (۲)، اس سے یہ مطلب لینا کہ وہ قتل ساحر کے قائل نہیں تھے، غلط ہے (۳)۔

② حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری دلیل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے، حضرت بجالہ فرماتے ہیں کہ میں جزء بن معاویہ کا کاتب تھا، کہ ان کے پاس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا خط آیا کہ ”اقتلوا کل

= لأقتل، فأخطى القتل وأصيب، وقد مات من عملي ففيه الدية، وإن قال: مرض منه، ولم يمت، أقسم أولياؤه: لمات من ذلك العمل، وكانت الدية، وإن قال: عملي يقتل المعمول به، وقد عمدت قتله به، قتل به قوداً“، انظر الأم: ۲۵۵/۸، کتاب القسامة، باب الحكم في الساحر.....

(۱) أحكام القرآن للجصاص: ۵۰/۱، وروح المعاني: ۳۳۹/۱، والأوجز: ۹۰/۱۵.

(۲) أحكام القرآن: ۵۰/۱، وروح المعاني: ۳۳۹/۱، والموطأ للإمام مالك: ۸۷۱/۲، کتاب الديات، باب ما جاء في الغيلة والسحر، رقم (۱۴/۱۵۱۸).

(۳) انظر كلام الباجي فيه في المنتقى: ۱۰۱/۹، والأوجز: ۹۷/۱۵، وانظر أيضاً السنن الكبرى للبيهقي:

۱۳۶/۸، رقم (۱۶۴۹۹)، والمصنف لابن أبي شيبة: ۵۹۲/۱۴، کتاب الحدود، باب ما قالوا في

الساحر.....، رقم (۲۹۵۸۳).

ساحر وساحرة، فقتلنا ثلاث سواحر“ (۱)۔

۳ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے ایک ساحر کو گرفتار کیا اور سینے تک اسے زمین میں دبا دیا، اسی حال میں اسے چھوڑے رکھا، یہاں تک کہ وہ مر گیا (۲)۔

۴ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا، ”یقتل الساحر ولا یستتاب“ (۳)۔

۵ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ساحر کی سزا قتل ہی مروی ہے، جامع ترمذی میں حضرت جندب بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، ”حد الساحر ضربة بالسيف“ (۴)۔ یہ تمام روایات اس امر پر دلالت کر رہی ہیں کہ ساحر کو قتل کیا جائے گا، پھر ان روایات و آثار میں چونکہ اس بات کی تفریق نہیں ہے کہ ساحر مسلم ہو یا غیر مسلم، اس لیے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فرمایا کہ ساحر کو مطلقاً قتل کیا جائے گا، خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم (۵)۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل

ائمہ ثلاثہ چوں کہ مطلقاً قتل ساحر کے قائل نہیں، اس میں وہ مسلم اور غیر مسلم کی تفریق کرتے ہیں کہ

(۱) أخرجه أبو داود، في كتاب الخراج، باب في أخذ الجزية من المجوس، رقم (۳۰۴۳)، وأحمد في مسنده، حديث عبد الرحمن بن عوف الزهري: ۱/۱۹۰، و۱۹۱، رقم (۱۶۵۷)، وأحكام القرآن: ۵۰/۱، ومسند أبي يعلى الموصلي، مسند عبد الرحمن بن عوف، رقم (۸۵۸)۔

(۲) أحكام القرآن: ۵۰/۱، والمصنف لعبد الرزاق: ۹/۴۸۰، كتاب العقول، باب قتل الساحر، رقم (۱۹۰۲۶)۔

(۳) المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الحدود، باب ما قالوا في الساحر، رقم (۲۹۵۷۹)۔

(۴) رواه الترمذي في كتاب الحدود، باب ما جاء في حد الساحر، رقم (۱۴۶۰)، والحاكم في المستدرک:

۴/۴۰۱، كتاب الحدود، رقم (۸۰۷۳)، والبيهقي في الكبرى: ۸/۲۳۴، كتاب القسامة، باب تكفير

الساحر، رقم (۱۶۵۰۰)، والجامع الصغير مع فيض القدير للمناوي: ۳/۴۹۸، حرف الحاء، رقم

(۳۶۸۸)، وسنن الدارقطني، كتاب الحدود، رقم (۱۱۲)۔

(۵) المغني لابن قدامة: ۹/۳۷، وفيه أيضاً: ”والقياس أيضاً يقتضي ذلك؛ لأنه جناية أوجبت قتل المسلم،

فأوجبت قتل الذمي كالقتل“۔

ساحر اہل کتاب کو قتل نہیں کیا جائے گا تو اس سلسلے میں ان کی دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کا مشہور واقعہ ہے کہ لبید بن الاعصم یہودی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا تھا، لیکن نبی علیہ السلام نے اس کو قتل نہیں کروایا۔
کما فی روایۃ الباب۔

ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ساحر اہل کتاب کو قتل نہ کیا جائے، کیوں کہ اس کا شرک اس کے فعل سحر سے بھی بڑا گناہ ہے، اس پر اسے قتل نہیں کیا جاتا کہ وہ مشرک ہے تو ساحر ہونے کی وجہ سے اس کا قتل کیونکر جائز ہوگا؟ (۱)

ائمہ ثلاثہ کے دلائل کا جواب

علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مسلک کی جو دلیل پیش کی، وہ یہ تھی کہ لبید بن الاعصم کا سحر معلوم و ثابت ہونے کے باوجود نبی علیہ السلام نے اس کو قتل نہیں کروایا تھا، جس سے یہ واضح ہوا کہ ساحر اہل کتاب کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ لیکن بوجہ اس حدیث سے استدلال درست نہیں:

① معاملہ چوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ذات کا تھا اور پیچھے یہ بات گزر چکی ہے کہ نبی علیہ السلام اپنی ذات کے لیے کسی سے انتقام نہیں لیا کرتے تھے، اس لیے آپ نے لبید بن الاعصم کو قتل نہیں کروایا تھا، ورنہ اپنی ذات کے لیے انتقام لینا لازم آتا۔

② علامہ مہلب فرماتے ہیں، اس سحر کی وجہ سے نبی علیہ السلام کو کوئی نقصان نہیں ہوا تھا، چنانچہ اس کی وجہ سے وحی کا سلسلہ رکا، نہ شرعی احکام میں کوئی مشکل یا خلل واقع ہوا، بلکہ اپنی ذات کی حد تک ایک قسم کا وہم لاحق ہو گیا تھا، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث باب میں ہے، ”حتی کان یخیل إلیہ أنه صنع شیئاً ولم یصنعه“ پھر اس کے علاوہ یہ بات بھی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خداوند کریم نے اسی حال پر بے یار و مددگار نہیں چھوڑے رکھا، بلکہ ان کی مکمل دست گیری فرمائی اور علاج بھی بتلایا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی ساحر کو معاف فرما دیا تھا۔

چنانچہ علامہ ابن بطل رحمۃ اللہ علیہ ان وجوہات کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”وعلى هذا القول لاحجة لابن شهاب في أن النبي عليه السلام لم

یقتل اليهودي الذي سحره؛ لوجوه، منها: أنه قد ثبت عن الرسول أنه كان لا ينتقم لنفسه، ولو عاقبه لكان حاكماً لنفسه.

قال المهلب: وأيضاً فإن ذلك سحر لم يضره عليه السلام؛ لأنه لم يفقده شيئاً من الوحي، ولا دخلت عليه داخله في الشريعة؛ وإنما اعتراه شيء من التخيل والتوهم، ثم لم يتركه الله على ذلك، بل تداركه، ثم عصمه وأعلمه بموضع السحر،“ (۱).

جہاں تک ان کی اس بات کا تعلق ہے کہ شرک بڑا گناہ ہے، اس کے باوجود اس کی سزا قتل نہیں تو سحر کی سزا قتل کیسے ہو سکتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کسی کا شرک اختیار کرنا اس کی ذات تک محدود ہوتا ہے، اس کا ضرر آگے متعدي نہیں ہوتا، جب کہ سحر کا معاملہ یہ نہیں، اس کا ضرر متعدی ہوتا ہے کہ اس کے ذریعے وہ لوگوں کو نقصان پہنچاتا ہے، تو ساحر احناف کے نزدیک قطاع الطريق کے حکم میں ہے کہ جس طرح قاطع طریق (ڈاکو) کی سزا قتل ہے، اسی طرح ساحر کی سزا بھی قتل ہے، کیونکہ یہ دونوں افساد فی الارض میں مشترک ہیں (۲)۔

ساحر مسلم کا حکم

اوپر ساحر کتابی یا ذمی کا حکم بیان کیا گیا ہے، لیکن اگر ساحر مسلم ہو تو اس کی سزا کیا ہوگی؟ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ چوں کہ مسلم و غیر مسلم کے درمیان تفریق کے قائل نہیں اس لیے ان کے ہاں اس کی سزا قتل ہی ہے۔

یہی قول امام مالک و احمد رحمہما اللہ کا بھی ہے، صحابہ و تابعین میں سے حضرت عمرو ابن عمر، عثمان، علی بن ابی طالب، قیس بن سعد، جندب اور عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہم وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں، کیوں کہ نبی کریم

(۱) شرح ابن بطلال: ۳۵۸-۳۵۹، وأيضاً فتح الباري: ۲۷۷/۶، وعمدة القاري: ۹۸/۱۵.

(۲) الدر المختار: ۳۲۴/۳. "قال ابن شجاع: فحكم في الساحر والساحرة حكم المرتد والمرتدة، وقال

-نقلًا عن أبي حنيفة-: إن الساحر قد جمع مع كفره السعي في الأرض بالفساد، والساعي بالفساد إذا قتل

قُتل". انظر روائع البيان للصابوني: ۸۵/۱، والأحكام للرازي: ۵۱/۱.

صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، ”حد الساحر ضربة بالسيف“ (۱)۔

جب کہ امام شافعی کی رائے یہ ہے کہ صرف سحر کی وجہ سے ساحر کو قتل نہیں کیا جاسکتا، جب تک کہ اس کے ذریعے وہ کسی کو قتل نہ کر دے، یہی قول ابن المند را اور ایک روایت میں امام احمد رحمہم اللہ کا ہے (۲)۔

ان کا استدلال اس سے ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک مدبرہ باندی نے ان پر سحر کیا تو انہوں نے اس کو فروخت کر دیا (۳)، اس سے معلوم ہوا کہ ساحر کی سزا قتل نہیں ہے، ورنہ اس باندی کا فروخت کرنا جائز نہ ہوتا، بلکہ اس کو بہر حال قتل کیا جاتا اور یہی واجب ہوتا (۴)۔

نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، ”لا يحل دم امرئ مسلم إلا بإحدى ثلاث.....“ (۵)۔ اس حدیث میں تین قسم کے لوگوں کا خون حلال قرار دیا گیا ہے، یعنی قاتل عمداً، زانی محسن اور مرتد۔ اور یہ جو ساحر ہے اس سے ان تینوں کبار کا صدور نہیں ہوا، اس لیے اس کا خون حلال نہیں ہونا چاہیے کہ اسے واجب القتل قرار دیا جائے (۶)۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل

ائمہ ثلاثہ کی پہلی دلیل تو وہی ہے جو ابھی اوپر گزری۔

(۱) الحدیث مر تخریجہ آنفاً۔

(۲) المغنی لابن قدامة: ۳۵/۹، کتاب قتال أهل البغي، فصل السحر، والأم: ۲۳۶/۲، رقم (۲۸۲۳)، وهو قول ابن حزم كذلك، انظر المحلی: ۴۱۰/۱۲۔

(۳) المغنی: ۳۵/۹، والسنن الکبری للبیہقی: ۲۳۷/۸، کتاب القسامة، باب من لا یكون سحره کفراً.....، رقم (۱۶۵۰۶)، والمصنف لعبد الرزاق، کتاب العقول، باب قتل الساحر، رقم (۱۹۰۲۰-۱۹۰۲۱)۔

(۴) المغنی: ۳۵/۹، والأم: ۲۳۷/۲، کتاب الاستسقاء، الحکم فی الساحر والساحرة، رقم (۲۸۲۶)۔

(۵) وتماه: ”أن یزني بعد ما أحصن، أو یقتل إنساناً فیقتل، أو یکفر بعد إسلامه فیقتل“۔ رواه الترمذی فی

الفتن، باب ما جاء لا یحل دم امرئ إلا بإحدى ثلاث، رقم (۲۱۵۹)، وأبوداود فی الدیات، باب الإمام یأمر

بالعفو فی الدم، رقم (۴۵۰۲)، والنسائی فی تحریم الدم، باب ذکر ما یحل به دم المسلم، رقم (۴۰۱۹)، عن

عثمان رضي الله عنه۔

(۶) المغنی: ۳۵/۹، والأم للشافعی: ۲۳۷/۲، الحکم فی الساحر والساحرة، رقم (۲۸۲۶)۔

ان کی دوسری دلیل حضرت عمر کا وہ خط ہے جو انہوں نے جزء بن معاویہ رضی اللہ عنہما کو لکھا تھا، ”اقتلوا کل ساحر.....“ (۱) جس کے نتیجے میں انہوں نے تین جادو گروں کو قتل کیا، یہ بات مشہور بھی ہوئی، اس کے باوجود کسی صحابی نے اس پر نکیر نہیں فرمائی، گویا اس پر تمام صحابہ کا اجماع تھا کہ ساحر کو قتل کیا جائے گا۔

ان کی تیسری دلیل حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ ہے، جو ماقبل میں گذرا کہ انہوں نے اپنی ایک ساحرہ باندی کو قتل کروایا تھا (۲)۔

مدار خلاف

حنفیہ وغیرہ کے نزدیک جو ساحر کے قتل کے قائل ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ شخص ساعی بالفساد ہے اور کافر بھی ہے اور مالکیہ کے نزدیک یہ زندیق ہے اور اس کی سزا قتل ہی ہے۔

جب کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ساحر کے کفر کے قائل نہیں، بلکہ اس کو وہ صرف ایک معصیت خیال کرتے ہیں، معصیت کی سزا تعزیر و تادیب تو ہو سکتی ہے، قتل نہیں، ہاں! یہ کہ اس سحر کے ذریعے وہ کسی کو قتل کر دے، اس صورت میں اس کو قصاصاً قتل کیا جائے گا، نہ کہ ارتداد و کفر اور زندیقیت کی وجہ سے (۳)۔

ایک اہم تنبیہ

اوپر کی تفصیلات سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک ہر قسم کا سحر کفر ہے، لیکن یہ خیال درست نہیں، چنانچہ امام ابو منصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”إن القول بأن السحر كفر على الإطلاق خطأ؛ بل يجب البحث عن

حقيقته، فإن كان في ذلك رد ما لزم من شرط الإيمان فهو كفر، وإلا فلا“ (۴)۔

ایک اور تنبیہ

پھر حنفیہ کے نزدیک یہ حکم کہ ساحر کو قتل کیا جائے گا، اس میں ذمی و مسلم، آزاد و غلام، مرد و عورت سب

(۱) مر تخریجہ آنفاً۔

(۲) المغنی لابن قدامة: ۳۶/۹۔

(۳) أحكام القرآن للعثماني: ۴۱/۱، والمنتقى للباحي: ۱۰۱/۹، کتاب العقول۔

(۴) أحكام القرآن للعثماني: ۴۱/۱، أقوال الفقهاء في السحر والساحر، وروح المعاني: ۳۳۹/۱، وتفسير المدارك: ۶۱/۱۔

برابر ہیں، تب ہے کہ ساحر اپنے سحر کے ذریعے فساد پھیلا رہا ہو، اس کے برعکس اگر وہ فساد ہی نہ ہو تو مرد کو قتل کیا جائے گا، عورت کو نہیں، کما فی المرتد یقتل، والمرتدة لا تقتل، بل تحبس (۱)۔ واللہ أعلم بالصواب

ساحر کی توبہ قبول ہوگی یا نہیں؟

ساحر اگر یہ کہے کہ میں توبہ کرتا ہوں تو اس کی توبہ قبول ہوگی یا نہیں، اس میں اختلاف ہے:

مالکیہ کے ہاں اس کی توبہ مطلقاً قبول نہیں ہوگی، اس کو بہر حال قتل کیا جائے گا (۲)۔

جب کہ شوافع کے ہاں مطلقاً قبول ہے (۳)۔

حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں اس مسئلے میں دو روایتیں ہیں، چنانچہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

فتح القدیر (۴) میں ہے کہ ساحر کی توبہ قبول نہیں ہوگی، ظاہر مذہب یہی ہے (۵)۔

یہی بات علامہ ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل فرمائی ہے، وہ لکھتے ہیں:

”فیہ روایتان؛ إحداهما: أنه لا يستتاب، وهو ظاهر ما نقل عن

الصحابه؛ فإنه لم ينقل عن أحد منهم أنه استتاب ساحراً، وعن عائشة رضي

الله عنها (۶)، أن الساحرة سألت أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وهم

متوافرون هل لها من توبة؟ فما أفتاها أحد“ (۷)۔

لیکن محقق قول ان حضرات کے ہاں بھی یہی ہے کہ ساحر کی توبہ مقبول ہے، چنانچہ صاحب مدارک

(۱) أحكام القرآن للرازي: ۱/۶۱، ورد المحتار: ۳/۳۲۳۔

(۲) ذكره الباجي في المنتقى: ۹/۱۰۲، والأوجز: ۱۵/۸۹۔

(۳) السنن الكبرى للبيهقي: ۸/۲۳۶، كتاب القسامة، باب قبول توبة الساحر.....، وفتح الباري: ۱۰/۲۰۲،

والنووي مع مسلم: ۲/۲۲۱، كتاب السلام، باب السحر۔

(۴) فتح القدیر: ۵/۳۳۳، كتاب السير، باب أحكام المرتدين۔

(۵) حاشية ابن عابدين: ۳/۳۲۳، مطلب في الساحر.....، باب المرتد۔

(۶) انظر للقصة بتمامها السنن الكبرى للبيهقي: ۸/۲۳۵-۲۳۶، كتاب القسامة، باب قبول توبة

الساحر.....، رقم (۱۶۵۰۵)، وتفسير ابن جرير الطبري: ۱/۳۶۶-۳۶۷، سورة البقرة، الآية (۱۰۲)۔

(۷) المغني: ۹/۳۶، والأوجز: ۱۵/۸۸۔

علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے اوپر ذکر کردہ قول کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ سحرۂ فرعون کی توبہ قبول کی گئی، اس لیے یہ کہنا کہ ساحر کی توبہ مقبول نہیں، غلط ہے (۱)۔

اور ابن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”والروایۃ الثانیۃ: یستتاب، فإن تاب قبلت توبته؛ لأنه لیس بأعظم من الشرک، والمشرک یستتاب، ومعرفته السحر لا تمنع قبول توبته؛ فإن الله تعالى قبل توبة سحرۂ فرعون، وجعلهم من أولیائه.....“ (۲)۔

واللہ اعلم بالصواب

وَقَالَ ابْنُ وَهْبٍ : أَخْبَرَنِي يُونُسُ ، عَنْ ابْنِ شَهَابٍ : سُئِلَ : أَعَلَى مَنْ سَحَرَ مِنْ أَهْلِ الْعَهْدِ قَتْلٌ ؟ قَالَ : بَلَعْنَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَدْ صُنِعَ لَهُ ذَلِكَ فَلَمْ يَقْتُلْ مَنْ صَنَعَهُ ، وَكَانَ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ .

تراجم رجال

۱- ابن وہب

یہ مشہور محدث و فقیہ ابو محمد عبد اللہ بن وہب قرشی مصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا مفصل تذکرہ کتاب العلم، ”باب من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ.....“ کے تحت گزر چکا (۳)۔

۲- یونس

یہ یونس بن یزید اہلی قرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا مختصر تذکرہ بدء الوحي میں اور مفصل تذکرہ کتاب العلم کے مذکورہ بالا باب کے تحت آچکا ہے (۴)۔

(۱) تفسیر المدارک: ۶۱/۱، البقرة، الآیۃ: ۱۰۲، وروح المعانی: ۳۳۹/۱۔

(۲) المغنی: ۳۶/۹، والأوجز: ۸۸/۱۵، سحر سے متعلق مزید مباحث کے لیے دیکھیے، کشف الباری، کتاب الطب، ص: ۹۶-۱۲۶۔

(۳) کشف الباری: ۲۷۷/۳۔

(۴) کشف الباری: ۴۶۳/۱، و: ۲۸۲/۳۔

۳- ابن شہاب

ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات ”بدء الوحي“ کی تیسری حدیث کے تحت گذر چکے (۱)۔

مذکورہ تعلیق کا مقصد

ترجمۃ الباب کے مقصد کے تحت ہم یہ بتلا آئے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا رجحان ساحر اہل کتاب کے بارے میں یہ ہے کہ اس کو معاف کر دیا جائے گا، اسی مدعی کو ثابت کرنے کے لیے انہوں نے ابن شہاب زہری کی یہ تعلیق نقل فرمائی ہے، جس سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ ساحر ذمی کو معاف کر دیا جائے گا، جس طرح کہ نبی علیہ السلام نے معاف فرما دیا تھا۔

لیکن اس استدلال کا جواب ہم حنفیہ وغیرہ کی طرف سے سابق میں ذکر کر چکے ہیں۔

مذکورہ تعلیق کی تخریج

اس تعلیق کو ابن وہب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ”جامع“ میں موصولاً نقل کیا ہے (۲)۔

سئل: أَعْلَى مِنْ سَحَرٍ مِنْ أَهْلِ الْعَهْدِ قَتْلٌ

ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ اہل عہد میں سے کوئی سحر و جادو کرے تو کیا اس کی سزا قتل ہے؟
 ”سئل“ فعل ماضی مجہول ہے اور اُعلیٰ میں ہمزہ استفہام کے لیے ہے اور علی حرف جار ہے، جو وجوب کے معنی کو متضمن ہے (۳)، یعنی اہل عہد و کتاب میں سے کوئی سحر کا عمل کرے تو کیا اس کو قتل کرنا واجب ہوگا؟

قال: بَلَّغْنَا أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ صَنَعَ لَهُ ذَلِكَ فَلَمْ يَقْتُلْ مِنْ صَنْعُهُ، وَكَانَ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ.

ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً کہا، ہمیں یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی سحر کیا گیا تھا، لیکن آپ نے سحر کرنے والے کو قتل نہیں کیا اور وہ اہل کتاب میں سے تھا۔

(۱) کشف الباری: ۱/۳۲۶۔

(۲) تعلیق التعلیق: ۳/۴۸۵، والفتح: ۶/۲۷۷، والعمدة: ۱۵/۹۷، اس تعلیق کی سند کے لیے دیکھیے، تعلیق: ۵/۴۵۸۔

(۳) عمدة القاري: ۱۵/۹۷۔

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ توذمی کا قائم کیا ہے، جب کہ سوال میں ”أهل العهد“ اور ابن شہاب رحمۃ اللہ علیہ کے جواب میں ”أهل الكتاب“ کا ذکر ہے، اس میں اشکال کی کوئی بات نہیں، کیونکہ اہل کتاب سے مراد اہل عہد ہی ہیں، ورنہ تو وہ حربی ہیں، جن کا قتل واجب ہے (۱)۔

نیز عہد اور ذمہ کے ایک ہی معنی ہیں اور ان سے ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کے جواب کی وضاحت بھی ہو رہی ہے کہ اہل کتاب سے اہل ذمہ و اہل عہد مراد ہیں (۲)۔

تعلیق کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت

مذکورہ تعلیق کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت و مطابقت بھی واضح ہے، جو اوپر کی تقریر سے ظاہر ہے۔

۳۰۰۴ : حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى : حَدَّثَنَا يَحْيَى : حَدَّثَنَا هِشَامٌ قَالَ : حَدَّثَنِي أَبِي ، عَنْ عَائِشَةَ (۳) : أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ سَجَرَ ، حَتَّى كَانَ يُحِيلُ إِلَيْهِ أَنَّهُ صَنَعَ شَيْئًا وَلَمْ يَصْنَعْهُ .
[۳۰۹۵ ، ۵۴۳۰ ، ۵۴۳۲ ، ۵۴۳۳ ، ۵۷۱۶ ، ۶۰۲۸]

تراجم رجال

۱- محمد بن المثنی

یہ ابو موسیٰ محمد بن المثنی بن عبید بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الایمان، ”باب حلاوة الایمان“ میں آچکا ہے (۴)۔

(۱) شرح الکرمانی: ۱۳/۱۳۹.

(۲) عمدة القاری: ۹۷/۱۵، وفتح الباری: ۲۷۷/۶.

(۳) قوله ”عن عائشة رضي الله عنها“: الحديث، أخرجه البخاري أيضاً، كتاب بدء الخلق، باب صفة إبليس وجنوده، رقم (۳۲۶۸)، وكتاب الطب، باب السحر، رقم (۵۷۶۳) و (۵۷۶۵-۵۷۶۶)، وكتاب الأدب، باب قول الله تعالى: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ﴾، رقم (۶۰۶۳)، وكتاب الدعوات، باب تكرير الدعاء، رقم (۶۳۹۱)، ومسلم، كتاب السلام، باب السحر، رقم (۵۷۰۳-۵۷۰۴).

(۴) كشف الباری: ۲۵/۲.

۲- یحییٰ

یہ امام یحییٰ بن سعید القطان رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الایمان، ”باب من الایمان أن يحب لأخيه.....“ کے تحت گزر چکا ہے (۱)۔

۳- ہشام

یہ ہشام بن عروۃ بن الزبیر قرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۴- ابی

اب سے مراد حضرت عروۃ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کے حالات ”بدء الوحي“ میں مجملًا اور ”کتاب الایمان“ میں مفصلاً گزر چکے ہیں (۲)۔

۵- عائشہ

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حالات ”بدء الوحي“ میں گزر چکے (۳)۔

أن النبي ﷺ سحر، حتى كان يخيل إليه أنه صنع شيئاً ولم يصنعه.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ پر جادو کیا گیا، جس کے نتیجے میں آپ علیہ السلام کو یہ وہم و خیال لاحق ہونے لگا کہ آپ نے فلاں کام کیا ہے، جب کہ حقیقت میں وہ کام نہیں کیا ہوتا تھا۔

اس حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس مشہور واقعے کی طرف اشارہ فرمایا ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیے جانے اور اس کے نتیجے میں ظاہر ہونے والے اثرات کا ذکر ہے، یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس واقعے کا کچھ حصہ نقل فرمایا ہے، جب کہ مکمل واقعہ کتاب الطب (۴) میں نقل فرمایا ہے اور اس کی مکمل تشریح بھی وہیں ذکر کی جا چکی ہے (۵)۔

(۱) کشف الباری: ۲/۲.

(۲) کشف الباری: ۲۹۱/۱، و: ۴۳۲/۲-۴۴۰.

(۳) کشف الباری: ۲۹۱/۱.

(۴) صحيح البخاري، كتاب الطب، باب السحر، رقم (۵۷۶۳).

(۵) کشف الباری، کتاب الطب، ص: ۱۰۴-۱۱۹.

حدیث کی ترجمہ الباب کے ساتھ مطابقت

ترجمہ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت اس طرح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی لہید بن الاعصم کو، باوجودیکہ اس کا جرم بہت بڑا اور قبیح تھا، معاف فرما دیا تھا، جیسا کہ ہم نے ابھی ذکر کیا، یہ بات اگرچہ حدیث باب میں مذکور نہیں ہے، لیکن تفصیلی واقعے اور حدیث میں موجود ہے (۱)، چنانچہ کتاب الطب کی روایت میں آیا ہے:

”یا رسول اللہ، أفلا؟ - أي تنشرت - فقال صلى الله عليه وسلم: أما

والله، فقد شفاني وأكره أن أثير على أحد من الناس شراً“ (۲).

۱۵ - باب : ما يُحذَرُ مِنَ الْغَدْرِ .

ترجمہ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہاں یہ فرما رہے ہیں کہ اگر کفار کے ساتھ مصالحت ہو جائے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسلمان بے فکر ہو کر سو جائیں، دشمن کی طرف سے بے پروا و غافل ہو جائیں، بلکہ چونکہ ہونا چاہیے، کافر لوگ ہیں، معلوم نہیں کس وقت بد عہدی کریں اور صلح کو توڑ کر، عالمی حربی قوانین کو روند کر، حملہ آور ہو جائیں، اس لیے غافل ہونا درست نہیں، ہوشیار و چونکہ ہونا چاہیے۔

وَقَوْلِهِ تَعَالَى : «وَإِنْ يُرِيدُوا أَنْ يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ» . الْآيَةَ / الأنفال : ۶۲ / .

اور اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اگر وہ کفار و مشرکین آپ کو دھوکا دینا چاہیں تو اللہ آپ کے لیے کافی ہے۔

وقوله تعالى کا عطف ماقبل میں لفظ غدر پر ہے، کلمہ حسب سین مہملہ کے سکون کے ساتھ ہے،

جس کے معنی کافی ہونے کے ہیں (۳)۔

(۱) فتح الباری: ۲۷۷/۶، وعمدة القاری: ۹۸/۱۵، وإرشاد الساری: ۲۴۰/۵.

وقال الحافظ رحمه الله: "وأشار بالترجمة إلى ما وقع في بقية القصة أن النبي صلى الله عليه وسلم

لما عوفي أمر بالبئر فردمت، وقال: كرهت أن أثير على الناس شراً".

(۲) صحيح البخاري، كتاب الطب، باب هل يستخرج السحر؟ رقم (۵۷۶۵).

(۳) فتح الباری: ۲۷۷/۶، وقال العيني أنه معطوف على "ما يحذر....." انظر عمدة القاری: ۹۹/۱۵. =

مطلب یہ ہے کہ اگر کفار و مشرکین آپ کے ساتھ صلح کریں اور ان کی نیت اس صلح سے دھوکا دینا ہو، تیاری کرنی ہو، مزید قوت حاصل کرنی ہو کہ پھر سے آپ کے مقابلہ میں آئیں تو اس میں گھبرانے کی کوئی بات نہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات قہارتن تنہا ہی آپ کے لیے کافی ہے (۱)۔

ہمارے سامنے موجود نسخے میں تو آیت کریمہ کا صرف یہی حصہ نقل کیا گیا ہے، جو ابوذر کا نسخہ ہے، جب کہ ابن عساکر کے ہاں ﴿عزیز حکیم﴾ تک آیات نقل کی گئی ہیں (۲)، اس نسخے کے اعتبار سے مکمل آیات بمع ترجمہ درج ذیل ہیں:

﴿وإن يريدوا أن يخدعوك فإن حسبك الله هو الذي أيدك بنصره وبالمؤمنين، وألف بين قلوبهم لو أنفقت ما في الأرض جميعا ما ألفت بين قلوبهم ولكن الله ألف بينهم إنه عزيز حكيم﴾ (۳)۔

”اور اگر مشرکین و کفار آپ کو دھوکا دینا چاہیں تو اللہ تعالیٰ آپ کے لیے کافی ہیں، یہ وہی ذات ہے جس نے اپنی نصرت اور مؤمنین کے ذریعے آپ کو قوت عطا کی اور مؤمنین کے دلوں کو جوڑا، آپ اگر زمین کی سطح پر جو کچھ ہے، اس سب کو بھی خرچ کر ڈالتے تو ان کے دلوں کو نہ جوڑ سکتے، لیکن اللہ ہی کی ذات ہے جس نے ان کے درمیان جوڑ و موافقت پیدا کی، بے شک وہ غالب اور حکمت والا ہے۔“

مذکورہ بالا آیت کریمہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر مسلمانوں کو یہ علم ہو جائے اور ان پر واضح ہو جائے کہ دشمن جو صلح صفائی کی بات کر رہا ہے، وہ سراسر دھوکا و فریب ہے، تیاری وغیرہ کے مہلت چاہتا ہے، تب

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ کلمہ ”حسب“ کے متعلق لکھتے ہیں: ”فحسب صفة مشبهة بمعنى اسم الفاعل، والكاف في محل الجر، كما نص عليه غير واحد، وقال الزجاج: إنه اسم فعل بمعنى كفاك، والكاف في محل نصب“. روح المعاني: ۲۸/۶۔

(۱) إرشاد الساري: ۲۴۱/۵۔

(۲) حوالہ بالا، وعمدة القاري: ۹۹/۱۵، وروح المعاني: ۲۸/۶، والقرطبي: ۴۲/۸۔

(۳) الأنفال/ ۶۲-۶۳۔

بھی ان کی اس صلح کی بات کو قبول کر لینا چاہیے، اس میں جھجک محسوس نہیں کرنی چاہیے، چنانچہ مصالحت کر لی جائے اور آگے کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے، اسی کی ذات پر بھروسہ کیا جائے (لیکن ان کی طرف سے غافل و بے پروا نہ رہا جائے)۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

”وفي هذه الآية إشارة إلى أن احتمال طلب العدو للصلح خديعة لا

يمنع من الإجابة إذا ظهر للمسلمين؛ بل يعزم ويتوكل على الله“ (۱)۔

علامہ مہلب فرماتے ہیں کہ علاوہ ازیں اس آیت میں اس امر کی بھی دلالت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پوری زندگی مکروفریب سے محفوظ رہے، اسی کی اس آیت میں ضمانت دی گئی ہے، یہ خصوصیت نبی علیہ السلام کے علاوہ کسی اور کو حاصل نہیں رہی، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں سے آپ کو محفوظ رکھیں گے (۲)، اسی لیے امت مسلمہ کا اجماع ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معصوم فی الرسالہ ہیں اور آپ لوگوں کے مکروفریب و دغا بازی سے بھی محفوظ رہے (۳)۔

آیت کریمہ اور ترجمۃ الباب کے درمیان مناسبت

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب میں یہ بتلایا تھا کہ کفار کے ساتھ صلح کے باوجود ہوشیار رہنا چاہیے اور آیت کریمہ کا مفہوم یہ تھا کہ اگر کفار کا ارادہ بدعہدی کا ہو تو پریشانی کی اس میں کوئی بات نہیں، تو اب آیت اور ترجمہ کے درمیان یہ مناسبت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے، اسی پر بھروسہ رکھتے ہوئے مصالحت کر لی جائے، کیوں کہ وہی ذات سب کچھ کر سکتی ہے اور کفار کے مکروفریب سے بھی ہوشیار رہا جائے، ساتھ ساتھ اسباب کا بھی انتظام کیا جائے۔ یہی سب سے بہترین طریقہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

۳۰۰۵ : حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ : حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ بْنُ مُسْلِمٍ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْعَلَاءِ بْنُ زُبَيْرٍ قَالَ : سَمِعْتُ بُسْرَ بْنَ عُبَيْدِ اللَّهِ : أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا إِدْرِيسَ قَالَ : سَمِعْتُ عَوْفَ بْنَ مَالِكٍ (۴) قَالَ :

(۱) فتح الباری: ۲۷۷/۶۔

(۲) قال الله عز وجل: ﴿وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ [المائدة/۶۷]۔

(۳) شرح ابن بطلال: ۳۵۷/۵۔

(۴) قوله: ”عوف بن مالك رضي الله عنه“: الحديث، أخرجه أبو داود، كتاب الأدب، باب ما جاء في المزاح، =

أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ ، وَهُوَ فِي قُبَّةٍ مِنْ أَدَمَ ، فَقَالَ : (أَعْدُدْ سِتًّا بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ :
مَوْتِي ، ثُمَّ فَتْحُ بَيْتِ الْمَقْدِسِ ، ثُمَّ مَوْتَانُ يَأْخُذُ فِيكُمْ كَقُعَاصِ الْغَنَمِ ، ثُمَّ اسْتِفَاضَةُ الْمَالِ حَتَّى
يُعْطَى الرَّجُلُ مِائَةَ دِينَارٍ فَيُظْلَمُ سَاحِطًا ، ثُمَّ فِتْنَةٌ لَا يَبْقَى بَيْتٌ مِنَ الْعَرَبِ إِلَّا دَخَلَتْهُ ، ثُمَّ هُدْنَةٌ
تَكُونُ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ بَنِي الْأَصْفَرِ ، فَيَغْدِرُونَ فَيَأْتُونَكُمْ تَحْتَ ثَمَانِينَ غَايَةً ، تَحْتَ كُلِّ غَايَةٍ
أَثْنَا عَشَرَ أَلْفًا) .

تراجم رجال

۱- الحمیدی

یہ ابو بکر عبد اللہ بن زبیر حمیدی مکی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ ”بدء الوحي“ کی پہلی حدیث کے
ضمن میں اجمالاً آچکا ہے (۱)۔

۲- الولید بن مسلم

یہ ابو العباس الولید بن مسلم قرشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

۳- عبد اللہ بن العلاء بن زبر

یہ ابو عبد الرحمن یا ابو زبر (۳) عبد اللہ بن العلاء بن زبر بن عطار بن عمرو ربیع، شامی، دمشق رحمۃ اللہ
علیہ ہیں۔ یہ مشہور محدث ابراہیم بن عبد اللہ بن العلاء کے والد اور بشر بن العلاء کے بھائی ہیں (۴)۔
ان کے صاحبزادے ابراہیم کے بقول یہ ۷۵ ہجری کو پیدا ہوئے (۵)۔

= رقم (۵۰۰۰)، وابن ماجه، كتاب الفتن، باب أشرط الساعة، رقم (۴۰۴۲)، وباب الملاحم، رقم (۴۰۹۵)۔

(۱) كشف الباري: ۲۳۷/۱۔

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب مواقيت الصلاة، باب وقت المغرب۔

(۳) قوله: ”زبر“: بفتح الزاي المعجمة وسكون الموحدة، انظر التقريب: ۵۲۱/۱، رقم (۳۵۳۲)، وإكمال
ابن ماكولا: ۱۶۲/۴، وشرح القسطلاني: ۲۴۱/۵۔

(۴) تهذيب الكمال: ۴۰۵/۱۵-۴۰۶، والإكمال لمغلطاي: ۱۰۹/۸، رقم (۳۱۱۰)۔

(۵) تهذيب الكمال: ۴۱۰/۱۵، وسير أعلام النبلاء: ۳۵۱/۷، والإكمال لمغلطاي: ۱۰۹/۸، وكتاب
الثقات لابن حبان: ۲۷/۷۔

یہ یسر بن عبید اللہ، یزید بن ثور، ربیعہ بن مرشد، سالم بن عبد اللہ بن عمر، ضحاک بن عبد الرحمن، عطیہ بن قیس، عمر بن عبد العزیز، قاسم بن محمد بن ابی بکر، قاسم بن عبد الرحمن، مکحول اور نافع مولیٰ ابن عمر رحمہم اللہ تعالیٰ کے علاوہ دیگر بہت سے حضرات سے روایت حدیث کرتے ہیں۔

اور ان سے ان کے صاحبزادے ابراہیم، زید بن حباب، عمر بن ابی سلمہ، الولید بن مسلم، محمد بن شعیب، مروان بن محمد، شہابہ بن سوار، ابومسہر اور ابوالمغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ روایت حدیث کرتے ہیں (۱)۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ”مقارب الحدیث“ (۲)۔

عباس دوری، ابوبکر بن ابی خیشمہ، عثمان بن سعید دارمی اور معاویہ بن صالح رحمہم اللہ تعالیٰ نے امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا، ”ثقة“ (۳)۔

اسی طرح امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ”ثقة“ (۴)۔

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ”لیس به بأس“ (۵)۔

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا شمار شامیین کے ”الطبقة الخامسة“ میں کیا ہے، نیز فرماتے ہیں،

”كان ثقة إن شاء الله“ (۶)۔

عبد الرحمن بن ابراہیم دحیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ”كان ثقة، وكان من أشراف البلد“ (۷)۔

ہشام بن عمار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”بخ، ثقة، سمع من القاسم أبي عبد الرحمن وعمر

(۱) شیوخ وتلامذہ کے لیے دیکھیے، تہذیب الکمال: ۴۰۶/۱۵-۴۰۷۔

(۲) تہذیب الکمال: ۴۰۷/۱۵، وتہذیب التہذیب: ۳۵۰/۵، وسیر أعلام النبلاء: ۳۵۰/۷۔

(۳) تہذیب الکمال: ۴۰۷/۱۵-۴۰۸، وتہذیب التہذیب: ۳۵۰/۵، وتاریخ بغداد: ۱۷/۱۰، وتاریخ

عثمان بن سعید الدارمی: ۱۵۳، رقم (۵۳۴)۔

(۴) تہذیب الکمال: ۴۰۸/۱۵، وتاریخ بغداد: ۱۷/۱۰، وسیر أعلام النبلاء: ۳۵۱/۷۔

(۵) تہذیب الکمال: ۴۰۸/۱۵، والإكمال للمغلطاي: ۱۰۹/۸۔

(۶) الطبقات الكبرى لابن سعد: ۴۶۸/۷۔

(۷) تہذیب الکمال: ۴۰۸/۱۵، وتہذیب التہذیب: ۳۵۰/۵، وسیر أعلام النبلاء: ۳۵۰/۷، والمعرفة

والتاريخ للفسوي: ۳۰/۱، وفي سنة خمس وستين ومائة۔

بن عبدالعزیز، ہو قدیم“ (۱)۔

امام ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ”یکتب حدیثہ“ (۲)۔

مزید فرماتے ہیں، ”هو أحب إلي من أبي معيد حفص بن غيلان“ (۳)۔

امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ”ثقة يجمع حدیثہ“ (۴)۔

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا ذکر کتاب الثقات میں کیا ہے (۵)۔

امام عجل اور حافظ ابن عبد الرحیم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کو ثقہ کہا ہے (۶)۔

اور ابن شاہین رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کو ”الثقات“ میں ذکر کیا ہے (۷)۔

حضرت عبداللہ بن العلاء رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ایک سو چونسٹھ یا پینسٹھ ہجری کو ہوا، سعید بن عبدالعزیز

نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی، انتقال کے وقت عمر مبارک پچاسی سال تھی (۸)۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعہ

تنبیہ

حضرت عبداللہ بن العلاء بن زبر رحمۃ اللہ علیہ متفق علیہ ثقہ ہیں، لیکن معلوم نہیں کیا وجہ ہوئی کہ ابن حزم

ظاہری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی عام عادت کے موافق ان کو ضعیف کہا ہے اور اس کی نسبت امام یحییٰ بن معین رحمۃ

اللہ علیہ کی طرف کی ہے کہ انہوں نے ان کو ضعیف قرار دیا ہے (۹)۔

(۱) المعرفة والتاريخ للفسوي: ۲/۲۲۸، رقم (۲۳۱)، وتهذيب الكمال: ۴۰۹/۱۵

(۲) تهذيب الكمال: ۴۰۹/۱۵، وتهذيب التهذيب: ۳۵۰/۵

(۳) الجرح والتعديل: ۵/۱۵۸، رقم (۵۹۲)، وحواله جات بالا

(۴) تهذيب الكمال: ۴۰۹/۱۵، وسير أعلام النبلاء: ۳۵۱/۷، وتهذيب التهذيب: ۳۵۱/۵

(۵) كتاب الثقات: ۲۷/۷

(۶) الإكمال للمغلطاي: ۱۰۹/۸، وتهذيب التهذيب: ۳۵۱/۵

(۷) حواله جات بالا

(۸) حواله جات بالا، وتهذيب الكمال: ۴۱۰/۱۵، وكتاب الثقات: ۲۷/۷

(۹) المحلى لابن حزم: ۶/۱۰۵، كتاب الأطعمة، حكم استعمال أواني أهل الكتاب، رقم (۱۰۲۴)، وميزان

الاعتدال للذهبي: ۲/۴۶۴، رقم (۴۴۶۶)، وتهذيب التهذيب: ۳۵۱/۵

لیکن اس جرح کا کوئی اعتبار نہیں، اس کی وجوہات درج ذیل ہیں:

اولاً۔ یہ جرح مبہم ہے، ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی وجہ نہیں بتلائی کہ یہ کیوں ضعیف ہیں اور جرح مبہم معتبر نہیں (۱)۔

ثانیاً۔ امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ کی طرف جو نسبت کی گئی ہے، وہ بظاہر صحیح معلوم نہیں ہوتی، کیوں کہ پیچھے ہم ذکر کر چکے ہیں کہ امام ابن معین رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے (۲)۔

ثالثاً۔ امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ دیگر ائمہ خمسہ نے ان کی روایات قبول کی ہیں، یہ بھی اس امر کی دلیل ہے کہ یہ ضعیف نہیں (۳)۔

۴۔ بسر بن عبید اللہ

یہ جلیل القدر فقیہ بسر بن عبید اللہ حضرمی شامی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۴)۔

یہ واثلہ بن الاسقع، عمرو بن عبسہ، رویشع بن ثابت، سنان بن عرفہ، عبد اللہ بن محیرز اور ابوادریس خولانی رضی اللہ عنہم وغیرہ سے روایت حدیث کرتے ہیں۔

اور ان سے روایت حدیث کرنے والوں میں عبد اللہ بن العلاء بن زبر، عبد الرحمن بن یزید بن جابر، زید بن واقد، داؤد بن عمرو والاودی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ شامل ہیں (۵)۔

(۱) قواعد فی علوم الحدیث للعثماني: ۱۷۴-۱۷۵، و: ۲۶۸، وشرح نخبة الفکر: ۱۳۶، والجرح مقدم علی التعديل..... قال الحافظ: "له في البخاري حديثان، أحدهما: في تفسير الأعراف بمتابعة زيد بن واقد، كلاهما عن بسر بن عبید اللہ، والآخر: في الجزية، وروی له أصحاب السنن". هدي الساري: ۵۸۳، حرف العين، الفصل التاسع في سياق أسماء من طعن.....

(۲) قال ابن حجر رحمه الله في التهذيب (۳۵۱/۵): "قال شيخنا في شرح الترمذي: "لم أجد ذلك عن ابن معين بعد البحث، ووقع في المحلى لابن حزم في الكلام على حديث أبي ثعلبة في آنية أهل الكتاب: عبد الله بن العلاء ليس بالمشهور" (انظر المحلى: ۱۰۵/۶)، وهو متعقب بما تقدم."

(۳) میزان الاعتدال: ۴۶۴/۲، وتهذيب الكمال: ۴۱۰/۱۵.

(۴) تهذيب الكمال: ۷۵/۴، وسير أعلام النبلاء: ۵۹۲/۴، والإكمال لمغلطاي: ۳۸۴/۲.

(۵) شيوخ وتلامذه کے لیے دیکھیے، تهذيب الكمال: ۷۶/۴.

امام عجل اور امام نسائی رحمہما اللہ فرماتے ہیں، ”ثقة“ (۱)۔

ابو مسہر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ”أحفظ أصحاب أبي إدريس عنه: بسر بن عبيد الله“ (۲)۔

مروان بن محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ”هو من كبار أهل المسجد، ثقة من أهل العلم“ (۳)۔

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ”ثقة، وكان من علماء دمشق“ (۴)۔

حدیث کے حصول کا ان کو کس قدر شوق تھا اور اس کے لیے کس قدر محنت کرتے تھے، اس کا اندازہ ان

کے اس قول سے کیا جاسکتا ہے، فرماتے ہیں:

”إنه كان ليبلغني الحديث في المصر، فأرحل فيه مسيرة أيام“ (۵)۔

کہ ”جب مجھے یہ معلوم ہوتا کہ فلاں شہر میں حدیث موجود ہے تو میں اس کے

حصول کے لیے کئی دنوں کی مسافت طے کرتا تھا“۔

اصحاب اصول ستہ نے ان کی روایات لی ہیں (۶)۔

تقریباً ۱۱۰ ایک سو دس ہجری کو، اموی خلیفہ ہشام بن عبد الملک کے عہد خلافت میں ان کا انتقال

ہوا (۷)۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ

تنبیہ

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا ترجمہ کتاب الثقات میں درج کیا ہے، لیکن انہیں تبع تابعی قرار دیا

ہے (۸)، جو بظاہر درست نہیں، کیوں کہ یہ واثلہ بن اسقع اور عمرو بن عبسہ جیسے جلیل القدر صحابہ سے روایت کرتے

(۱) حوالہ بالا، تہذیب التہذیب: ۴۳۸/۱۔

(۲) حوالہ جات بالا، وسیر أعلام النبلاء: ۵۹۲/۴، والثقات لابن حبان: ۱۰۹/۶۔

(۳) تہذیب الکمال: ۷۶/۴، وتہذیب التہذیب: ۴۳۸/۱۔

(۴) سیر أعلام النبلاء: ۵۹۲/۴۔

(۵) تہذیب الکمال: ۷۷/۴۔

(۶) تہذیب الکمال: ۷۷/۴، وتہذیب التہذیب: ۴۳۸/۱، وسیر أعلام النبلاء: ۵۹۲/۴۔

(۷) سیر أعلام النبلاء: ۵۹۲/۴۔

(۸) کتاب الثقات للتمیمی: ۱۰۹/۶۔

ہیں، اس لیے دیکھا بھی ہوگا، ملاقات بھی کی ہوگی، لہذا یہ تبع تابعی نہیں، بلکہ تابعی ہیں۔

۵- ابودریس

یہ مشہور بزرگ تابعی ابودریس عائد اللہ بن عبد اللہ خولانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الإیمان، ”باب بلا ثر جمۃ“ کے تحت آچکے (۱)۔

۶- عوف بن مالک

یہ مشہور صحابی حضرت عوف بن مالک الاشجعی رضی اللہ عنہ ہیں (۲)۔

حدیث کی سند سے متعلق ایک فائدہ

ہمارے پیش نظر حدیث کی سند میں عبد اللہ بن العلاء نے اس امر کی تصریح فرمائی ہے کہ انہوں نے یہ حدیث براہ راست بسر بن عبید اللہ سے سنی ہے، ”قال: سمعت بسر بن عبید اللہ.....“ جب کہ یہی روایت امام طبرانی نے بھی روایت کی ہے، اس میں ان دونوں حضرات کے درمیان ایک اور راوی زید بن واقد بھی ہیں (۳)، حافظ کی تصریح کے مطابق طبرانی کی یہ روایت اصول حدیث کی اصطلاح میں ”المزید فی متصل الأسانید“ (۴) کے قبیل سے ہے، جب کہ اس سے صحیح بخاری کی روایت کی صحت میں کوئی فرق نہیں پڑتا، کیوں کہ اولاً اس روایت میں سماع کی تصریح ہے اور ثانیاً امام ابوداؤد (۵)، ابن ماجہ (۶) اور اسماعیلی (۷) رحمہم

(۱) کشف الباری: ۴۸/۲۔

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الصلح، باب الصلح مع المشرکین۔

(۳) رواہ الطبرانی فی المعجم الکبیر: ۱۸/۴۰-۴۱، أبو إدريس الخولاني عن عوف، رقم (۷۰)۔

(۴) قال العلامة العثماني رحمه الله في قواعد علوم الحديث (۴۵):

”والمزید فی متصل الأسناد: ما زید فی أثناء إسناده راو، ومن لم یزده أتقن ممن زاده، وشرطه أن یقع التصريح بالسماع فی موضع الزیادة فی رواية من لم یزدها، وإلا ترجحت الزیادة، وكان الخبر المزید فیہ مدلساً أو منقطعاً أو مرسلًا خفياً“۔ وانظر أيضاً شرح النخبة: ۹۲، ثم المخالفة.....

(۵) انظر سنن أبي داود، کتاب الأدب، باب ماجاء فی المزاح، رقم (۵۰۰۰)۔

(۶) انظر سنن ابن ماجه، کتاب الفتن، باب أشرط الساعة، رقم (۴۰۴۲)۔

(۷) السنن الكبرى للبيهقي: ۳۷۴/۹، رقم (۱۸۸۱۷)، کتاب الجزية، باب مهادنة الأئمة بعد رسول.....

اللہ تعالیٰ نے بھی اس حدیث کو متعدد طرق سے نقل کیا ہے اور کسی بھی طریق میں زید بن واقد نہیں ہیں (۱)۔

قال: أتيتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي غَزْوَةِ تَبُوكَ

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں

حاضر ہوا، جب آپ غزوہ کے سلسلے میں تبوک میں تھے۔

تبوک کا غزوہ چوں کہ نو ہجری کو لڑا گیا تھا تو صحابی نے اپنا جو قصہ نقل کیا ہے، وہ نو ہجری کا ہے (۲)۔

مستدرک حاکم کی روایت میں اس کا بیان بھی ہے کہ یہ واقعہ صبح کے وقت کا ہے (۳)۔

وهو في قبة من آدم

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم چمڑے سے بنے ہوئے قبہ میں آرام فرماتے تھے۔

قبہ قاف کے ضمہ اور باء مشدودہ مفتوحہ کے ساتھ ہے، ہر گول بنی ہوئی چیز پر اس کا اطلاق ہوتا ہے، جیسے

گنبد، خیمہ وغیرہ، لیکن یہاں پر وہ خیمہ مراد ہے جو اوپر سے گول ہوتا ہے۔ اس کی جمع قباب و قبیۃ ہے (۴)۔

سنن ابی داؤد کی روایت میں اس کے بعد یہ اضافہ بھی ہے:

”فسلمت، فرد، وقال: ادخل. فقلت: أكلني يا رسول الله! قال:

كلك. فدخلت“ (۵)۔

”تو میں نے سلام کیا، انہوں نے جواب دیا اور فرمایا کہ اندر آ جاؤ! میں نے کہا،

پورا کا پورا اندر آ جاؤں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا، بالکل۔ چنانچہ میں اندر داخل ہو گیا۔“

(۱) عمدة القاري: ۹۹/۱۵، وفتح الباري: ۲۷۷/۶۔

(۲) عمدة القاري: ۹۹/۱۵، وکشف الباري، کتاب المغازی، باب غزوة تبوک: ۶۳۲۔

(۳) ”قال: دخلت على رسول الله صلى الله عليه وسلم في غزوة تبوك في آخر السحر.....“ انظر المستدرک

للحاكم: ۶۳۰/۳، کتاب معرفة الصحابة، ذکر مناقب عوف بن مالک.....، رقم (۶۳۲۴)، وأيضاً انظر

معرفة الصحابة، للأصبهاني: ۴/۴، باب من اسمه: عوف۔

(۴) عمدة القاري: ۹۹/۱۵۔

(۵) سنن أبي داود، کتاب الأدب، باب ما جاء في المزاح، رقم (۵۰۰۰)۔

مطلب یہ ہے کہ خیمہ چوں کہ چھوٹا تھا، گنجائش کم تھی، اس لیے حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے ازراہ مزاح دریافت کیا کہ کیا مکمل داخل ہو جاؤں؟ آپ علیہ السلام ان کے مزاح کو سمجھ گئے، اس لیے جواب بھی انہی کے انداز میں دیا کہ ہاں! مکمل داخل ہو جاؤ، خیمہ کے چھوٹا ہونے کی پروا نہ کرو۔

چنانچہ عثمان بن ابوالعاتکہ (راوی حدیث) فرماتے ہیں:

”إنما قال: أدخل كلي؛ من صغر القبة“ (۱)۔

اس طریق سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مزاح کرتے تھے (۲)۔

فقال: اعدد ستاً بين يدي الساعة موتي ثم فتح بيت المقدس

سو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قیامت کے لیے چھ چیزوں کو شمار کرو (ایک) میری وفات، (دوسری) بیت المقدس کی فتح۔

مطلب یہ ہے کہ ان چھ امور کے وقوع سے پہلے قیامت قائم نہیں ہوگی، چنانچہ حدیث میں ”ستاً“ سے مراد ”ست علامات لقيام القيامة“ ہے (۳)۔

ان میں سے پہلی نشانی کا تحقق ربیع الاول ۱۱ھ کو ہوا، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا سے پردہ فرمالیا تھا۔

جب کہ دوسری نشانی کا تحقق حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں پندرہ ہجری کو ہوا، کہ اس سال بیت المقدس فتح ہوا (۴)۔

ثم موتان يأخذُ فيكم كقصاصِ الغنمِ

پھر کثرت سے اموات، جو تم میں اس طرح پھیلیں گی، جس طرح بکریوں میں ایک مخصوص بیماری پھیلتی

(۱) حوالہ بالا، رقم (۵۰۰۱)، وفتح الباری: ۲۷۷/۶-۲۷۸۔

(۲) بذل المجہود: ۴۰۱/۱۳، رقم (۵۰۰۰)۔

(۳) عمدة القاری: ۹۹/۱۵، وفتح الباری: ۲۷۸/۶۔

(۴) البداية والنهاية: ۵۵/۷، فتح بیت المقدس علی یدی عمر بن الخطاب، والکامل لابن الأثیر: ۳۴۷/۲۔

ہے اور سب کو اچانک ہلاک کر ڈالتی ہے۔

موتان کا ضبط

موتان میم کے ضمے اور واو کے سکون کے ساتھ ہے اور بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ ضمہ کے ساتھ بنو تمیم کی لغت ہے، ان کے علاوہ دوسرے قبائل عرب اس کو فتح کے ساتھ پڑھتے ہیں، چنانچہ بلید (اجمق و بے وقوف) کو ”موتان القلب“ بھی کہا جاتا ہے، لیکن میم کا مضموم ہونا ہی رائج و مشہور ہے (۱)۔

پھر ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض حضرات محدثین اس لفظ کی ادائیگی میں غلطی کرتے ہیں کہ اسے میم اور واو کے ضمہ کے ساتھ پڑھتے ہیں، جو صریح غلط ہے، موتان تو اس زمین کو کہا جاتا ہے، جس پر کھیتی باڑی نہیں کی جاتی ہو اور اس کی دیکھ بھال نہ کی جاتی ہو (۲)۔

جب کہ ابن السکن رحمۃ اللہ علیہ کی روایت میں تشنیہ کے ساتھ ”موتسان“ ہے، جس کا یہاں کوئی موقع محل نہیں (۳)۔

موتان کے معنی

قزاز و خطابی رحمہما اللہ نے اس کلمہ کے معنی ”موت“ بیان کیا ہے، جب کہ ابن الاثیر جزری رحمۃ اللہ وغیرہ نے اس کے معنی ”الموت الكثير الوقوع“ کے بتلائے ہیں (۴)، یعنی کثرت سے اموات کا واقع ہونا، جس کی تعبیر و باء سے ہو سکتی ہے کہ وبائی امراض مثلاً طاعون و ہیضے وغیرہ سے بھی کثرت سے اموات ہوتی ہیں۔

قُعاص کا ضبط

قُعاص قاف کے ضمہ اور عین مہملہ کے فتح کے ساتھ ہے، یہی جمہور ائمہ لغت و حدیث مثلاً ابن قرقول،

(۱) عمدة القاري: ۹۹/۱۵، وإرشاد الساري: ۲۴۱/۵، وفتح الباري: ۲۷۸/۶.

(۲) عمدة القاري: ۹۹/۱۵، وفتح الباري: ۲۷۸/۶، وكشف المشكل: ۱۱۰۸/۱، مسند عوف بن مالك، رقم (۲۳۴۲)، ومشارك الأنوار: ۳۹۰/۱، الميم مع الواو.

(۳) عمدة القاري: ۱۰۰/۱۵، وإرشاد الساري: ۲۴۱/۵.

(۴) النهاية في غريب الحديث والأثر: ۳۷۰/۴، باب الميم مع الواو، وعمدة القاري: ۹۹/۱۵، وفتح الباري:

۲۷۸/۶، وإرشاد الساري: ۲۴۱/۵، وأعلام الحديث للخطابي: ۱۴۶۸/۲.

ابن الاثیر رحمہما اللہ وغیرہ کی رائے ہے (۱)، لیکن حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو عقاص لکھا ہے، یعنی عین کو قاف پر مقدم بتلایا ہے (۲)۔ جو درست نہیں اور یہ حافظ صاحب کے ادہام میں سے ہے (۳)۔

عقاص کے معنی

عقاص ایک قسم کی بیماری ہے، جو جانوروں کو لگتی ہے، جس کے نتیجے میں ان کی ناک سے ایک سیال مادہ نکلتا ہے اور فوری موت واقع ہو جاتی ہے۔

یہ القعص سے مشتق ہے، جس کے معنی فوری موت کے ہیں، ”یقال: قعصته وأقعصته: إذا قتلته سريعاً“ (۴)۔ جب کہ ابن فارس رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا یہ ہے کہ یہ سینے کی بیماری ہے، اس کی وجہ سے اس قدر تکلیف ہوتی ہے، گویا کہ گردن ٹوٹ جائے گی (۵)۔

”ثم موتان.....“ کا مطلب

اس جملے میں قرب قیامت کی چھ نشانوں میں سے تیسری نشانی کو بیان کیا گیا ہے، کہ اس کثرت سے اموات ہوں گی، وبا پھیلے گی، جس طرح جانوروں و بکریوں وغیرہ میں پھیلتی ہے اور آنا فانا سینکڑوں کو ہلاک کر دیتی ہے، اسی طرح مذکورہ بالا و بآء بھی ہزاروں لاکھوں لوگوں کو فنا کر ڈالے گی۔

شرح کا کہنا ہے کہ یہ نشانی بھی طاعون عمواس کی شکل میں واقع ہو چکی ہے، جس میں تین دن میں تقریباً ستر ہزار افراد، جن میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے، جاں بحق ہوئے تھے، یہ طاعون بیت المقدس کی فتح کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت ہی میں ۷۱ھ کو پھیلا تھا (۶)۔

(۱) النهاية لابن الأثير: ۸۸/۴، وعمدة القاري: ۱۵/۱۰۰، والقاموس الوحيد، مادة ”قعص“.

(۲) فتح الباري: ۲۷۸/۶.

(۳) ”في هامش طبعة بولاق: ”كذا في نسخ الشارح التي بأيدينا، والذي في نسخ البخاري بتقديم القاف على العين، وبه ضبط القسطلاني، وهو المنصوص في كتب اللغة، والمتعين من قول أبي عبيد، ومنه أخذ: الإقعاص“. (انظر تعليقات محب الدين الخطيب على فتح الباري: ۲۷۸/۶).

(۴) النهاية: ۸۸/۴، وفتح الباري: ۲۷۸/۶، وعمدة القاري: ۱۵/۱۰۰، وإرشاد الساري: ۲۴۱/۵.

(۵) عمدة القاري: ۱۵/۱۰۰، وفتح الباري: ۲۷۸/۶.

(۶) حوالہ جات بالا، وإرشاد الساري: ۲۴۱/۵، والبداية والنهاية: ۷۸/۷، شيء من أخبار طاعون عمواس.

چنانچہ خود راوی حدیث حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ سے امام حاکم (۱) نے نقل کیا ہے کہ مذکورہ بالا طاعون کا مصداق طاعون عمواس ہے، نیز حافظ ابن کثیر (۲) اور علامہ تورپشتی رحمہم اللہ کی رائے بھی یہی ہے (۳)۔

ثم استفاضة المال (۴) حتی يعطى الرجل مئة دينار فيظل ساخطا پھر مال کی کثرت (ہوگی)، یہاں تک کہ اگر کسی کو سودینار بھی عطا کیے جائیں تب بھی وہ ناراض رہے گا۔ اس جملے میں قرب قیامت کی چوتھی علامت و نشانی کا بیان ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ مال کی خوب کثرت و فراوانی ہوگی، تقریباً ہر شخص مال دار و تو نگر ہوگا، اس لیے اگر کسی کو سودینار بھی دیے جائیں (جو ایک بڑی رقم شمار ہوتی ہے) اور کہا جائے کہ یہ دینار رکھ لو تو وہ ناراض ہوگا کہ اتنی معمولی نقدی کیوں دے رہے ہو؟ اور اس کو حقیر سمجھے گا (۵)۔

یہ چوتھی نشانی خلیفہ ثالث حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں پائی گئی کہ جب فتوحات کی کثرت ہوئی اور مسلمانوں نے کفر کے بڑے بڑے مراکز فتح کر لیے تو مال و دولت کی خوب فراوانی ہوگئی اور تقریباً ہر شخص مال دار و دولت مند ہو گیا (۶)۔

ثم فتنة لا يبقى بيت من العرب إلا دخلته

پھر فتنہ برپا ہوگا، عرب کا کوئی گھر ایسا نہ ہوگا کہ جس میں یہ فتنہ داخل نہ ہو۔

اس جملے میں پانچویں نشانی کا بیان ہے کہ پھر ایسا دور آئے گا کہ ہر طرف فتنہ ہوگا، لوٹ مار ہوگی، لوگوں

(۱) المستدرک للحاکم: ۴/۶۹، کتاب الفتن والملاحم، رقم (۸۳۰۳)۔

(۲) البداية والنهاية: ۶/۲۲۶، فصل في ترتيب الأخبار بالغيوب.....

(۳) کتاب الميسر: ۴/۱۱۵۱، رقم (۴۰۵۲)، باب الملاحم من کتاب الفتن، وشرح الطيبي: ۷۷/۱۰،

وفيضان القدير للمناوي، رقم (۴۶۵۷)۔

(۴) قال العلامة الخطابي رحمه الله: "استفاضة المال: كثرته، وأصله التفرق والانتشار، يقال: فاض الماء،

وفاض الحديث: إذا انتشر". أعلام الحديث: ۲/۱۴۶۹۔

(۵) عمدة القاري: ۱۵/۱۰۰، وشرح القسطلاني: ۵/۲۴۱۔

(۶) حوالہ جات بالا، وفتح الباري: ۶/۲۷۸۔

کی جان و مال کی ضمانت نہیں رہے گی، عرب کا کوئی بھی گھر، کوئی بھی جگہ اس فتنے سے محفوظ نہیں ہوگی اور ہر شخص اس سے متاثر ہوگا۔

اس علامت و نشانی کی ابتدا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے ہوئی کہ ان کی شہادت کے بعد فتنے پھوٹ پڑے اور آج تک جاری ہیں (۱)، خدا ہی کو علم ہے کہ یہ صورت حال کب تک جاری رہے گی۔

ثُمَّ هَدَنَ تَكُونُ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ بَنِي الْأَصْفَرِ فَيَغْدُرُونَ فَيَأْتُونَكُمْ تَحْتَ ثَمَانِينَ غَايَةً تَحْتَ كُلِّ غَايَةٍ اثْنَا عَشَرَ الْفَا.

پھر صلح ہے، جو تمہارے اور رومیوں کے درمیان ہوگی، سو وہ غداری و عہد شکنی کریں گے، اسی ۸۰ جھنڈوں تلے تم سے لڑنے کو آئیں گے، ہر جھنڈے تلے بارہ ہزار افراد ہوں گے (پورا لشکر کفار تقریباً دس لاکھ افراد پر مشتمل ہوگا)۔

ہدنہ کے معنی اور ضبط

ہدنہ ہاء کے ضمہ اور دال کے سکون کے ساتھ ہے۔ اس کے معنی سکون کے ہیں، البتہ یہاں صلح کے معنی میں مستعمل ہے۔ ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ صلح عام ہے اور ہدنہ خاص۔ جنگ شروع ہونے کے بعد اگر صلح ہوگئی تو یہ صلح ہدنہ کہلائے گی، ورنہ نہیں اور وجہ تسمیہ یہ ہے کہ صلح کی وجہ سے فریقین کے درمیان سکون واقع ہو جاتا ہے اور اضطراب کی کیفیت ختم ہو جاتی ہے (۲)۔

اور بنو الأصفر سے مراد رومی ہیں (۳)۔

غایہ کے معنی اور اختلاف روایات

غایہ کے معنی یہاں راہ یعنی جھنڈے کے ہیں، چوں کہ لشکر میں پیچھے آنے والوں کے لیے یہ حد اور منتہی کی حیثیت رکھتا ہے کہ جھنڈا بردار جہاں رکتا ہے وہیں دوسرے لشکر بھی رک جاتے ہیں اور اگر چل پڑے تو

(۱) حوالہ جات بالا۔

(۲) فتح الباری: ۶/۲۷۸، وعمدة القاری: ۱۵/۱۰۰۔

(۳) حوالہ جات بالا، و کشف الباری: ۱/۵۳۸، وأعلام الحديث للخطابی: ۲/۱۴۶۹۔

لشکری بھی چلنے لگتے ہیں، اسی لیے جھنڈے کو غایۃ کہتے ہیں۔

قال الجوالیقی: "غایۃ وراۃ واحد؛ لأنها غایۃ المتبع، إذا وقفت وقف، وإذا مشت

تبعها" (۱)۔

چنانچہ سنن ابی داود (۲) کی ایک روایت، جو ذومجر سے مروی ہے، اس میں "رایۃ" کا لفظ ہے (۳)۔ اور علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس لفظ کو بعض حضرات نے "غایۃ" بائے موحده کے ساتھ روایت کیا ہے، جس کے معنی جنگل کے ہیں، گویا کہ غیر مسلم لشکر کے پاس نیزوں کی جو کثرت ہوگی اس کے پیش نظر اسے جنگل (غایۃ) کہا گیا ہے (۴)۔

اور علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گھنے درختوں کو "غایۃ" کہا جاتا ہے اور اس لفظ کو یہاں بطور استعارہ استعمال کیا گیا ہے، چنانچہ غایۃ سے مراد وہ جھنڈے ہیں جو لشکر کے امراء کے لیے بلند کیے جائیں گے اور ان کے ساتھ ساتھ نیزوں کو بھی حرکت دی جائے گی، گویا جھنڈوں کو بلند کرنے اور نیزوں کو حرکت دینے کا جو عمل ہے، اسے غایۃ سے تعبیر کیا گیا ہے (۵)۔

چھٹی نشانی

اوپر کے جملے میں علامات قیامت میں سے چھٹی نشانی کو بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانوں اور کفار کے

(۱) فتح الباری: ۲۷۸/۶، وعمدة القاری: ۱۰۰/۱۵، وشرح ابن بطلال: ۳۵۸/۵، ولسان العرب: ۱۶۳/۱۰، باب الغین، مادة "غیا"۔

(۲) سنن أبی داود، کتاب الجہاد، باب الصلح مع العدو، رقم (۲۷۶۷)، وکتاب الملاحم، باب ما یدکر فی قرن المائة، رقم (۴۲۹۲)۔

(۳) هذا ما قاله ابن حجر في الفتح (۲۷۸/۶)، ولكنني لم أجد فيها ما قاله الحافظ، ولعله من اختلاف النسخ، نعم، قد ورد الحديث بلفظ "راية" بدل "غاية" في المستدرک للحاکم، ففيه: "..... فيقبلون في ثمانين راية، كل راية اثنا عشر ألفاً". انظر المستدرک: ۶۳۰/۳، رقم (۶۳۲۴)، أخرجه من طريق أبی بکر أحمد بن سلمان بن الحسن الفقيه۔

(۴) عمدة القاری: ۱۰۰/۱۵، وفتح الباری: ۲۷۸/۶، وكشف المشكل: ۱۳۳/۴، مسند عوف رقم (۲۳۴۲)۔

(۵) حوالہ جات بالا، وأعلام الحديث للخطابی: ۱۴۶۹/۲، ولسان العرب: ۱۶۳/۱۰، مادة "غیا"۔

درمیان ایک خون ریز جنگ واقع ہوگی، پھر صلح ہو جائے گی، لیکن کفار بد عہدی کریں گے اور ملحمہ کبریٰ کے لیے جمع ہوں گے، کفار کے لشکر کی تعداد تقریباً دس لاکھ (۱) ہوگی۔

یہ نشانی ابھی واقع نہیں ہوئی ہے، امام مہدی علیہ السلام کی تشریف آوری کے بعد یہ نشانی بھی واقع ہو جائے گی۔

علامات قیامت کی ترتیب زمانی

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قیامت سے پہلے پہلے جو بڑے بڑے واقعات و حوادث رونما ہوں گے، احادیث کی روشنی میں ان کی بھی کچھ تفصیل بیان کر دی جائے۔

علامات قیامت کی دو قسمیں ہیں، علامات صغریٰ اور علامات کبریٰ۔

علامات صغریٰ کی تعداد بہت زیادہ ہے (۲) اور یہی علامات، علامات کبریٰ کے لیے بطور مقدمے کے ہوں گی۔

علماء نے لکھا ہے کہ علامات صغریٰ جب سب کی سب ظاہر ہو جائیں گی تو ہوگا یہ کہ عیسائی بہت سے ملکوں پر غلبہ حاصل کر کے قبضہ کر لیں گے۔ ادھر عرب اور شام کے ملک میں ابوسفیان کی اولاد سے ایک شخص ظاہر ہوگا، جو سادات کو قتل کرے گا، اس کی حکومت شام و مصر وغیرہ میں ہوگی (۳)۔

(۱) شرح الکرمانی: ۱۴۱/۱۳، حسابی اعتبار سے یہ تعداد ۹ لاکھ ۶۰ ہزار بنتی ہے۔ حافظ صاحب فرماتے ہیں (۶/۲۷۸):
”وجملة العدد المشار إليه تسعمائة ألف وستون ألفاً“۔

(۲) حضرت شاہ رفیع الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث کی روشنی میں قیامت کی تقریباً ۲۷ علامات صغریٰ ذکر کی ہیں، ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

جب حکام زمین و ملک کے لگان کو اپنی ذاتی دولت بنائیں (یعنی اس کو مصرف شرعی میں خرچ نہ کریں)۔ زکوٰۃ بطور تاوان کے ادا کریں۔ لوگ امانت کو مال غنیمت کی طرح حلال و طیب سمجھیں۔ شوہر اپنی بیوی کی اطاعت کرے۔ علم دین حصول دنیا کی غرض سے سیکھا جائے۔ شراب خوری اور زنا کاری کی کثرت ہو۔ باطل مذاہب، جھوٹی احادیث اور بدعتوں کا فروغ ہو۔ (دیکھیے، قیامت سے پہلے کیا ہوگا؟ ص: ۲۳-۲۴، بغیر و تصرف)۔ نیز دیکھیے، جامع الترمذی، کتاب الفتن، باب فی علامة حلول المسخ والخسف، رقم (۲۲۱۰)، عن علی و (۲۲۱۱)، عن أبي هريرة رضي الله عنهما۔

(۳) کثر العمال، کتاب الفتن والأهواء.....، قسم الأقوال، رقم (۳۱۰۳۳-۳۱۰۳۵)، وفیض القدير للمناوي: =

اسی دوران شاہِ روم کی عیسائیوں کے ایک فرقے کے ساتھ جنگ اور دوسرے فرقے سے صلح ہوگی، متحارب فرقہ روم کے پایہ تخت قسطنطنیہ پر قبضہ کر لے گا، شاہ دار الخلافہ چھوڑ کر شام آجائے گا اور عیسائیوں کے صلح پسند فرقے کی مدد سے اسلامی فوج ایک خون ریز جنگ کے بعد قابض فوج پر فتح یاب ہوگی، دشمن کی شکست کے بعد فرقہ موافق میں سے ایک شخص بول اٹھے گا کہ ”غلب الصلیب.....“ یہ سن کر اسلامی لشکر میں سے ایک شخص اس سے الجھ پڑے گا اور کہے گا ”بل اللہ غلب“ کہ نہیں! اللہ کا دین اسلام غالب ہوا اور اسی کی برکت سے فتح نصیب ہوئی۔ یہ دونوں اپنی اپنی قوم کو مدد کے لیے پکاریں گے، جس کی وجہ سے خانہ جنگی شروع ہو جائے گی۔ بادشاہ اسلام شہید ہو جائے گا، عیسائی شام پر قبضہ کر لیں گے اور آپس میں ان دونوں عیسائی فرقوں کی صلح ہو جائے گی (۱)۔

بقیۃ السیف مسلمان مدینہ منورہ چلے آئیں گے، عیسائیوں کی حکومت خیبر تک پھیل جائے گی۔

امام مہدی کی تلاش

اس وقت مسلمان اس تجسس میں ہوں گے کہ حضرت امام مہدی علیہ السلام کو تلاش کرنا چاہیے، تاکہ ان مصائب کے دفعیہ کا ذریعہ ہوں اور دشمن کے پنچے سے نجات دلائیں۔ حضرت امام مہدی اس وقت مدینہ منورہ میں ہوں گے، مگر اس ڈر سے کہ لوگ کہیں مجھ جیسے کمزور شخص کو اس عظیم الشان کام کے انجام دہی کا مکلف نہ بنادیں، مکہ معظمہ چلے جائیں گے، اس زمانے کے اولیائے کرام و ابدال عظام آپ کو تلاش کریں گے (۲)۔

امام مہدی پہچانے جائیں گے

اسی دوران کہ امام مہدی علیہ السلام رکن و مقام ابراہیم کے درمیان طواف کرتے ہوں گے، آدمیوں کی ایک جماعت آپ کو پہچان لے گی اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لے گی، بیعت کے وقت آسمان سے یہ ندا آئے گی، ”هذا خلیفة الله المہدی، فاستمعوا له وأطیعوا“ اس آواز کو سارے عام و خاص سن لیں گے۔ اس

= ۱۶۸/۴، حرف السین، رقم (۴۷۶۸)، والمستدرک: ۵۴۷/۴، کتاب الفتن والملاحم، رقم (۸۵۳۰)۔

(۱) حدیث باب کے الفاظ ”ثم هدنة تكون بینکم و بین بنی الاصفہر، فیغدرون“ میں اسی واقعے کی طرف اشارہ ہے۔

نیز دیکھیے، سنن أبی داود، کتاب الملاحم، ما یذکر من ملاحم الروم، رقم (۴۲۹۲)، والمستدرک للحاکم:

۴/۶۷، کتاب الفتن والملاحم، رقم (۸۲۹۸)، وصحیح ابن حبان، رقم (۶۷۰۸)۔

(۲) سنن أبی داود، کتاب المہدی، رقم (۴۲۸۶)۔

وقت امام مہدی کی عمر مبارک چالیس سال ہوگی (☆)۔

امام مہدی کی فوج

خلافت کے مشہور ہونے پر مدینے کی فوجیں مہدی علیہ السلام کے پاس مکہ معظمہ آجائیں گی، شام، عراق اور یمن کے اولیائے کرام و ابدال عظام آپ کی مصاحبت میں اور ملک عرب کے بے انتہا آدمی آپ کی افواج میں داخل ہو جائیں گے، آپ علیہ السلام کعبے میں مدفون خزانے کو نکال کر، جسے رتاج الکعبہ کہا جاتا ہے، مسلمانوں میں تقسیم فرمائیں گے (۱)۔

اہل خراسان کا لشکر

جب یہ خبر اسلامی دنیا میں پھیلے گی تو خراسان سے حارث بن حراث نامی ایک شخص، جس کے مقدمہ انجیش کی کمان منصور نامی شخص کے ہاتھ میں ہوگی، ایک بہت بڑی فوج لے کر آپ کی مدد کے لیے روانہ ہوگا (۲)۔

عیسائی افواج کا اجتماع

افواج عرب کے اجتماع کا سن کر عیسائی بھی چاروں طرف سے فوج جمع کرنے کی کوشش کریں گے، اپنے اور روم کے ممالک سے کثیر افواج لے کر مہدی علیہ السلام کے مقابلہ کے لیے شام میں جمع ہو جائیں گے، ان کی فوج کے اس وقت ستر جھنڈے (۳) ہوں گے اور ہر جھنڈے کے نیچے بارہ ہزار فوجی ہوں گے (۴)۔

(☆) حوالہ بالا، ومشكاة المصابيح، کتاب الفتن، باب أشرط الساعة، من الحسان، رقم (۵۴۵۶)۔

(۱) الحديث أخرجه أبو داود، كتاب المهدي، رقم (۴۲۸۶)، وموارد الزمان: ۴۶۴، رقم (۱۸۸۱)، والمصنف لعبد الرزاق، رقم (۲۰۹۳۴)، باب المهدي، والمعجم الكبير: ۲۳/۳۹۰، مجاهد عن أم سلمة، رقم (۹۳۱)، ومسند أحمد: ۶۳۵/۸، رقم (۲۷۲۲۴)، مسند أم سلمة رضي الله عنها.

(۲) وفي آخر هذا الحديث: "وجب على كل مؤمن نصره" سنن أبي داود، كتاب المهدي، رقم (۴۲۹۰)۔

(۳) ستر کا لفظ بظاہر سبقت قلم ہے، درست ۸۰ ہے، جیسا کہ حدیث باب میں آیا ہے، اس کی شرح بھی ماقبل میں گزر چکی ہے۔

(۴) حدیث باب کے الفاظ "فیاتونکم تحت ثمانین غایة، تحت کل غایة اثنا عشر ألفاً" میں اسی واقعے کی طرف اشارہ ہے۔

امام مہدی کی عیسائیوں سے جنگ

حضرت امام مہدی مکہ سے کوچ فرما کر مدینہ منورہ آئیں گے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہو کر شام کی جانب روانہ ہو جائیں گے، دمشق کے قرب و جوار میں عیسائی افواج سے آمنا سامنا ہوگا، اس وقت امام مہدی کی فوج کے تین گروہ ہو جائیں گے، ایک گروہ نصاریٰ کے خوف سے بھاگ جائے گا، خداوند کریم ان کی توبہ ہرگز قبول نہ کریں گے، باقی ماندہ فوج میں سے کچھ تو شہید ہو کر بدر واحد کے شہداء کے مراتب کو پہنچیں گے اور کچھ کامیاب ہو کر ہمیشہ کے لیے گمراہی اور سوئے خاتمہ سے بچ جائیں گے۔

حضرت مہدی علیہ السلام پھر دوسرے روز نصاریٰ کے مقابلے کے لیے نکلیں گے، اس روز مسلمانوں کی ایک جماعت یہ عہد کرے گی کہ فتح یا شہادت کے بغیر میدان نہ چھوڑیں گے، یہ کل کے کل شہید ہو جائیں گے، امام مہدی بقیہ قلیل افراد کو لے کر لشکرگاہ واپس لوٹ آئیں گے۔

اگلے دن پھر یہی ہوگا کہ ایک جماعت یہ عہد کر لے گی کہ فتح یا شہادت کے بغیر میدان نہیں چھوڑیں گے اور یہ سب بھی شہید ہو جائیں گے، اس کے اگلے دن بھی یہی ہوگا اور جو تھوڑی سی جمعیت باقی رہ جائے گی وہ امام مہدی کی معیت میں لشکرگاہ واپس لوٹ آئے گی (۱)۔

امام مہدی کی فتح

چوتھے روز امام مہدی علیہ السلام رسدگاہ کی محافظ جماعت کو لے کر، جو تعداد میں بہت کم ہوگی، دشمن سے نبرد آزما ہوں گے، اس دن اللہ تعالیٰ ان کو فتح مبین عطا فرمائے گا۔ عیسائی اس قدر مارے جائیں گے کہ باقیوں کے دماغ سے حکومت کی بو جاتی رہے گی اور انتہائی ذلیل و خوار ہو کر بھاگیں گے۔

اس کے بعد امام مہدی بے انتہا انعام و اکرام مجاہدین میں تقسیم فرمائیں گے، مگر اس مال سے کسی کو خوشی حاصل نہ ہوگی، وجہ یہ ہوگی کہ جنگ کی بدولت بہت سے خاندان و قبائل ایسے ہوں گے جن میں سو (۱۰۰) میں سے ایک آدمی بچا ہوگا۔ بعد ازیں امام مہدی خلافت اسلامیہ کے نظم و نسق میں مصروف ہو جائیں گے اور چاروں

(۱) الصحيح لمسلم، کتاب الفتن، باب في فتح قسطنطينية.....، رقم (۷۲۳۵)، و باب إقبال الروم في كثرة

القتل.....، رقم (۷۲۳۸)۔

طرف اپنی فوج پھیلا دیں گے (☆)۔

قسنطنیہ کی آزادی اور ظہور دجال

امام مہدی علیہ السلام ان مہمات سے فارغ ہو کر فتح قسنطنیہ کے لیے روانہ ہوں گے، بحیرہ روم کے ساحل پر پہنچ کر قبیلہ بنو اسحاق کے ستر ہزار بہادروں کو کشتیوں پر سوار کر کے استنبول کی فتح کے لیے معین فرمائیں گے، جب یہ لوگ فصیل شہر کے نزدیک پہنچیں گے تو نعرہ تکبیر بلند کریں گے، جس کی برکت سے فصیل منہدم ہو جائے گی، مسلمان ہلا بول کر شہر میں داخل ہو جائیں گے۔

امام مہدی ملک کے انتظام وغیرہ ہی میں مصروف ہوں گے کہ افواہ اڑے گی کہ دجال نے مسلمانوں پر تباہی ڈالی ہے۔ اس خبر کے سنتے ہی حضرت امام مہدی شام کی طرف لوٹیں گے اور خبر کی تحقیق کے لیے پانچ یا نو سواری بطور طلیعہ روانہ فرمائیں گے، تحقیق پر افواہ کے غلط ہونے کا علم ہوگا، لیکن کچھ عرصے بعد ہی دجال ظاہر ہو جائے گا (۱)۔

دجال کی بد خلقی اور بد خلقی اور شاطرانہ حرکتیں

دجال قوم یہود سے ہوگا، اس کا لقب مسیح (۲) اور دائیں آنکھ پھولی ہوئی ہوگی (۳)، بال گھنگریالے (۴) ہوں گے، ایک بڑے گدھے پر سوار ہوگا، اولاً اس کا ظہور عراق و شام کے درمیان ہوگا، جہاں

(☆) مسلم، کتاب الفتن، باب إقبال الروم في كثرة القتل.....، رقم (۷۲۳۸)، وأحمد في مسنده: ۳۱/۲، مسند ابن مسعود، رقم (۳۶۴۳)، و: ۱۴۵/۲ (۴۱۴۶)، وأبوداود الطيالسي: ۲۰۱/۱، رقم (۳۸۴) وآخرون. (۱) مسلم، کتاب الفتن.....، باب لا تقوم الساعة حتى يمر الرجل بقبر.....، رقم (۷۲۹۳)، عن أبي هريرة. (۲) بخاری، کتاب الفتن، باب ذكر الدجال، رقم (۷۱۲۵-۷۱۲۶)، عن أبي بكرة، ومسلم، کتاب الفتن.....، باب ذكر الدجال.....، رقم (۷۳۲۲)، عن ابن عمر، رضي الله عنهم.

(۳) صحيح البخاري، کتاب الفتن، باب ذكر الدجال، رقم (۷۱۲۳)، ومسلم، کتاب الفتن.....، باب ذكر الدجال.....، رقم (۷۳۲۲)، والترمذي، کتاب الفتن، باب في صفة الدجال، رقم (۲۲۴۱).

(۴) في رواية مسلم: "إنه شاب ققط"، کتاب الفتن، باب ذكر الدجال.....، رقم (۷۳۳۳)، من رواية النواس بن سمعان الكلابي، رضي الله عنه.

یہ نبوت کا دعویٰ کرے گا۔ وہاں سے اصفہان (۱) جائے گا، یہاں اس کے ساتھ ستر ہزار یہودی ہوں گے، یہاں آکر وہ خدائی کا دعویٰ کرے گا اور خوب فساد مچائے گا۔

لوگوں کی آزمائش کے لیے اللہ تعالیٰ اس سے بڑے خرق عادات امور ظاہر کرائے گا (۲)، چناں چہ اس کے ساتھ ایک آگ ہوگی جس کو وہ دوزخ سے تعبیر کرے گا اور ایک باغ جو جنت سے موسوم ہوگا، مخالفین کو آگ میں، موافقین کو جنت میں ڈالے گا، مگر وہ آگ حقیقتاً باغ کی مانند اور باغ آگ کی خاصیت رکھتا ہوگا (۳)۔ زمین کے مدفون خزانے اس کے حکم سے اس کے ہمراہ ہو جائیں گے (۴)۔ بعض آدمیوں سے کہے گا کہ میں تمہارے مردہ ماں باپ کو زندہ کرتا ہوں، تاکہ تم اس قدرتِ احیاء کو دیکھ کر میری خدائی کا یقین کر لو، سو وہ شیاطین کو حکم دے گا کہ زمین سے ان کے والدین کے ہم شکل ہو کر نکلو، چنانچہ وہ ایسا ہی کریں گے۔

دجال حرمین میں داخل نہ ہو سکے گا

اس طرح وہ بہت سے ممالک سے گذرے گا، شدہ شدہ مکہ معظمہ کی طرف آئے گا، مگر مکہ معظمہ پر فرشتوں کا پہرہ ہوگا، اس لیے وہاں داخل نہیں ہو سکے گا (۵)، وہاں سے مدینہ منورہ کا قصد کرے گا، اس وقت

(۱) مسلم، کتاب الفتن،، باب فی بقیۃ من أحادیث الدجال، رقم (۷۳۵۳)، عن أم شریک .

(۲) مسلم شریف، کتاب الفتن،، باب ذکر الدجال،، رقم (۷۳۳۳)، عن النواس بن سمعان الکلابی .

(۳) مسلم شریف، کتاب الفتن،، باب ذکر الدجال،، رقم (۷۳۳۱)، والبخاری، کتاب أحادیث

الأنبیاء، باب ما ذکر عن بنی اسرائیل، رقم (۳۴۵۰)، عن حذیفۃ رضی اللہ عنہ .

(۴) مسلم شریف، کتاب الفتن،، باب ذکر الدجال،، رقم (۷۳۳۳)، عن النواس بن سمعان الکلابی .

(۵) البخاری، کتاب الفتن، باب لا یدخل الدجال المدینۃ، رقم (۷۱۳۲)، ومسلم، کتاب الفتن،، باب

فی صفۃ الدجال، وتحريم المدینۃ علیہ،، رقم (۷۳۳۵)، عن أبی سعید الخدری رضی اللہ عنہ .

وفی قصۃ تمیم الداری رضی اللہ عنہ: ”وإني مخبركم عني، إني أنا المسيح، وإني أوشك أن يؤذن لي في الخروج، فأخرج فأسير في الأرض، فلا أدع قرية إلا هبطتها في أربعين ليلة، غير مكة وطيبة، فهما محرمتان علي، كلتاهما، كلما أردت أن أدخل واحدة، أو واحدا منهما، استقبلني ملك بيده السلف صلتا؛ يصدني عنها، وإن علي كل نقب منها ملائكة يحرسونها،، قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ”هذه طيبة، هذه طيبة، هذه طيبة“. يعني المدينة“ . صحيح مسلم، الفتن، باب قصة الجساسة، رقم (۷۳۸۶/۲۹۴۲) .

مدینے کے سات دروازے ہوں گے، ہر دروازے کی حفاظت پر دو، دو فرشتے مقرر ہوں گے، جن کے ڈر سے دجال بمع فوج وہاں داخل نہیں ہو سکے گا (۱)۔

نیز مدینہ منورہ میں تین مرتبہ زلزلہ آئے گا، جس کی وجہ سے منافقین وغیرہ ڈر کر باہر نکل آئیں گے اور دجال کے پھندے میں گرفتار ہو جائیں گے (۲)۔

نزول عیسیٰ علیہ السلام اور امام مہدی سے ان کی ملاقات

امام مہدی علیہ السلام دجال سے پہلے دمشق پہنچ چکے ہوں گے اور جنگ کی مکمل تیاری فرما چکے ہوں گے، اس دوران مؤذن عصر کی اذان دے گا، لوگ نماز کی تیاری ہی میں ہوں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دو فرشتوں کے کاندھوں پر تکیہ کیے آسمان سے دمشق کی جامع مسجد کے مشرقی منارے پر جلوہ افروز ہوں گے اور آواز دیں گے کہ بیڑھی لے آؤ، چنانچہ بیڑھی حاضر کر دی جائے گی۔

نیچے اترنے کے بعد ان دونوں حضرات کی ملاقات ہوگی، امام مہدی نہایت تواضع و خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آئیں گے اور کہیں گے یا نبی اللہ! امامت کیجیے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے کہ امامت آپ ہی کریں۔ چنانچہ امام مہدی نماز پڑھائیں گے، حضرت عیسیٰ اقتدا کریں گے (۳)۔

اسلامی لشکر اور دجالی فوج کا ٹکراؤ

نماز سے فراغت کے بعد امام مہدی حضرت عیسیٰ علیہما السلام کو لشکر کی قیادت سپرد کرنا چاہیں گے تو وہ فرمائیں گے کہ نہیں! قیادت تو آپ ہی کریں، میں تو صرف قتل دجال کے لیے آیا ہوں۔

رات خیر و عافیت کے ساتھ گزارنے کے بعد امام مہدی ایک بہت بڑا لشکر لے کر میدان میں آئیں

(۱) صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب ذکر الدجال، رقم (۷۱۲۵-۷۱۲۶)۔

(۲) حوالہ بالا، رقم (۷۱۲۴)، ومسلم، کتاب الفتن، باب قصة الجساسمة، رقم (۷۳۸۶)، والترمذی،

کتاب الفتن، باب الدجال لا یدخل المدینة، رقم (۲۲۴۲)، عن أنس بن مالک رضي الله عنه.

(۳) مسلم، کتاب الفتن، باب ذکر الدجال، رقم (۷۳۳۳)، عن النواس بن سمعان، والمصنف لابن

أبي شيبة: ۲۹۳/۲۱، کتاب الفتن، رقم (۳۸۸۰۴)، عن ابن سيرين، والمعجم الكبير للطبراني: ۶۰/۹، رقم

(۸۳۹۲)، عن عثمان بن أبي العاص رضي الله عنه، ومجمع الزوائد: ۳۴۲/۷.

گے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام گھوڑا اور نیزہ طلب کریں گے کہ روئے زمین کو دجال کے شر سے پاک کریں، چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام دجال پر اور اسلامی لشکر اس کے لشکر پر حملہ کرے گا، نہایت خوف ناک لڑائی شروع ہو جائے گی۔ اس وقت حضرت عیسیٰ کے سانس کی یہ خاصیت ہوگی کہ جہاں تک ان کی نظر کی رسائی ہوگی، وہیں تک ان کا سانس بھی اثر کرے گا اور جس کافر تک ان کا سانس پہنچے گا وہ وہیں ختم ہو جائے گا (۱)۔

دجال کا فرار

عیسیٰ علیہ السلام کا سامنا کرنے سے دجال کترائے گا اور فرار ہو کر مقام لد پہنچے گا، آپ علیہ السلام اس کا تعاقب کرتے ہوئے اسے جالیں گے اور نیزے سے اس کا کام تمام کر کے لوگوں پر اس کی ہلاکت ظاہر فرمائیں گے کہ دجال مر گیا۔

دجال کے قتل بعد اس کے لشکر کی ہمت ٹوٹ جائے گی اور وہ سب تہ تیغ ہوں گے، یہودی، جو اس لشکر کا اکثری حصہ ہوں گے، ان کو کوئی چیز پناہ نہ دے گی، ہر شجر و حجر ان کی نشان دہی کرے گا کہ اللہ کے بندے! دیکھ اس یہودی کو اور اسے قتل کر، مگر غرق نامی درخت انہیں پناہ دے کر اخفائے حال کرے گا (۲)۔

متاثرہ شہروں کی تعمیر جدید اور انصاف کا قیام

دجال کے فتنے کے خاتمے پر حضرت مہدی عیسیٰ علیہما السلام ان شہروں کا دورہ فرمائیں گے، جن کو دجال نے تباہ و برباد کیا ہوگا، متاثرہ لوگوں کو تسلی دیں گے، اجر عظیم کی خوش خبری دیں گے اور ان کے دنیاوی نقصانات کی تلافی کریں گے (۳)۔

دوسری طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام قتل خنزیر، کسر صلیب اور کفار سے جزیہ قبول نہ کرنے کے احکام جاری فرما کر تمام کفار کو اسلام کی طرف بلائیں گے (۴)۔

(۱) مسلم شریف، کتاب الفتن،، باب ذکر الدجال، رقم (۷۳۳۳)، عن النواس بن سمرعان.

(۲) حوالہ بالا، و باب لا تقوم الساعة حتی یمر الرجل، رقم (۷۲۹۹)، عن أبي هريرة، وسنن أبي داود،

کتاب الملاحم، باب خروج الدجال، رقم (۴۳۲۱)، والبخاري، کتاب الجہاد، باب قتال اليهود، رقم (۲۹۲۶).

(۳) التصريح بما تواتر في نزول المسيح: ۱۱۸، الحديث الخامس، عن النواس.

(۴) أبوداود، کتاب الملاحم، باب خروج الدجال، رقم (۴۳۲۴)، والمصنف لابن أبي شيبة: ۲۱/۲۳۵،

کتاب الفتن، رقم (۳۸۶۸۱).

خدا کے فضل و کرم سے کوئی کافر بلاد اسلام میں نہ رہے گا، ظلم و نا انصافی کا خاتمہ اور عدل و انصاف کا بول بالا ہوگا، تمام لوگ عبادت و طاعت الہی میں سرگرم ہوں گے۔ امام مہدی کی خلافت کی میعاد سات (۱)، آٹھ (۲) یا نو (۳) سال ہوگی، چنانچہ ابتدائی سات سال عیسائیوں کے فتنے اور ملک کے انتظام میں، آٹھواں سال دجال کے ساتھ جنگ میں اور نوواں سال حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معیت میں گزرے گا۔ اس حساب سے ان کی عمر ۴۹ سال ہوگی۔ بعد ازاں حضرت مہدی علیہ السلام انتقال کر جائیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی

امام مہدی علیہ السلام کی تجہیز و تکفین کے بعد جملہ امور کے انتظامات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں آجائیں گے، تمام مخلوق انتہائی امن و امان کے ساتھ زندگی بسر کرتی ہوگی، آپ علیہ السلام پر وحی نازل ہوگی کہ میں اپنے بندوں میں سے ایسے طاقت ور بندوں کو ظاہر کرنے والا ہوں کہ کسی شخص کو ان کے مقابلے کی تاب نہ ہوگی، اس لیے آپ مخلصین کو لے کر ”کوہ طور“ منتقل ہو جائیں گے (۴)۔

یا جوج ماجوج کا خروج

مذکورہ وحی خداوندی کی تعمیل کرتے ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کوہ طور کے قلعے میں، جو آج کل موجود ہے، نزول فرما کر اسباب حرب و سامانِ رسد مہیا کرنے میں سرگرم ہوں گے کہ اسی دوران قوم یا جوج ماجوج سد سکندری کو توڑ کر روئے زمین میں چاروں طرف پھیل جائے گی، مضبوط قلعے میں پناہ گزینی کے علاوہ ان سے بچنے کی کوئی صورت نہ ہوگی (۵)، یہ لوگوں کے قتل و غارت میں بالکل دریغ نہ کریں گے۔

(۱) عن أبي سعيد الخدري "يملك سبع سنين" أبو داود، كتاب المهدي (۴۲۸۵)، وأيضاً، رقم (۴۲۸۶)۔

(۲) المصنف لابن أبي شيبة: ۲۸۷/۲۱، كتاب الفتن، ما ذكر في فتنة الدجال، رقم (۳۸۷۹۳)۔

(۳) أبو داود، رقم (۴۲۸۶-۴۲۸۷)۔

(۴) مسلم شريف، كتاب الفتن، باب ذكر الدجال، رقم (۷۳۳۳)، عن النواس بن سمعان رضي

الله عنه، والترمذي، كتاب الفتن، باب ماجاء في فتنة الدجال (۲۲۴۰)۔

(۵) تفسير البيضاوي مع الشهاب: ۲۳۶/۶، سورة الكهف/۹۹۔

یا جوج ماجوج کی تباہ کاریاں

ان کی تعداد اس قدر زیادہ ہوگی کہ جب ان کی پہلی جماعت بحیرہ طبریہ (۱) میں پہنچے گی تو اس کا سارا پانی پی کر خشک کر دے گی، جب پچھلی جماعت وہاں پہنچے گی تو کہے گی کہ شاید اس جگہ کبھی پانی رہا ہوگا! یہ سب ظلم و قتل، پردہ دری و ایذا رسانی اور قید کرنے میں مشغول ہو جائیں گے، اسی کیفیت پر جب وہ شام پہنچیں گے تو کہیں گے کہ اب ہم نے زمین والوں کو تو نیست و نابود کر دیا، چلو آسمان والوں کا بھی خاتمہ کر دیں، چناں چہ وہ آسمان پر تیر پھینکیں گے، جو قدرت خداوندی سے خون آلود ہو کر لوٹ آئیں گے، یہ دیکھ کر وہ بہت خوش ہوں گے کہ اب تو ہمارے سوا کوئی نہیں رہا (۲)۔

دعائے عیسیٰ اور یا جوج ماجوج کی ہلاکت

یا جوج ماجوج کے اس فتنے کے دوران مسلمانوں پر غلے و خوراک کی سخت تنگی ہو جائے گی، آخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام دعا کے لیے کھڑے ہوں گے، آپ کے ساتھی پیچھے کھڑے آئیں کہیں گے، چناں چہ خداوند کریم ایک قسم کی بیماری ”نعف“ (۳) کو نازل کرے گا، اس مرض سے یا جوج ماجوج کی قوم ایک ہی رات میں ختم ہو جائے گی (۴)۔

چوں کہ اس قدر کثیر اموات کے نتیجے میں سخت تعفن پھیلے گا، اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پھر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ دست بدعا ہوں گے، چناں چہ اللہ تعالیٰ لمبی لمبی گردنوں اور جسم والے ”عنقا“ نامی جانوروں کو بھیجے گا تو وہ جانور بعضوں کو تو کھالیں گے اور دوسروں کو مختلف جزائر اور سمندر میں پھینک دیں گے اور ان کے خون وغیرہ سے روئے زمین کو پاک صاف کرنے کے لیے چالیس روز تک بارش برسائے گا، وہ اس قدر زیادہ ہوگی کہ کوئی پختہ و کچا مکان بغیر ٹپکے نہ رہے گا۔

(۱) ”الطبرية - بفتح الطاء والباء - بحيرة من أعمال الأردن في طرف الغور وفي طرف جبل، وجبل الطور مطل عليها.....“ معجم البلدان للحموي بتصرف: ۱۷/۴، باب الطاء والباء.....

(۲) مسلم، رقم (۷۳۳۳-۷۳۳۴)، حدیث النواس بن سمعان، وترمذی، کتاب الفتن، رقم (۲۲۴۰)۔

(۳) نعف نون اور غین کے فتح کے ساتھ اس کیڑے کو کہتے ہیں، جوائنٹ اور بکری کی ناک میں ہوتا ہے، نیز دیکھیے، کتاب

السير للتوربشتي: ۱۱۶۷/۴، رقم (۴۱۰۴)۔

(۴) مسلم، رقم (۷۳۳۳)، ترمذی، رقم (۲۲۴۰)۔

امن و برکت کے سات سال اور وفات عیسیٰ

اس بارش کی وجہ سے پیداوار نہایت ہی بابرکت اور کثرت سے ہوگی، کہ ایک سیرغلہ اور ایک گائے یا بکری کا دودھ ایک کنبے کے لیے کافی ہوگا (۱)، تمام لوگ انتہائی عیش و آرام میں ہوں گے، روئے زمین پر اہل ایمان کے اور کوئی نہ رہے گا، کینہ و حسد وغیرہ لوگوں سے اٹھ جائے گا، سانپ اور درندے لوگوں کو ایذا نہیں پہنچائیں گے۔

قوم یا جوج ماجوج کی تلواروں کی نیام و کمان وغیرہ ایک عرصے تک بطور ایندھن کام آئیں گی (۲)، یہ حالات سات سال تک جاری رہیں گے۔

اس کے بعد رفتہ رفتہ خواہشات نفسانیہ کا ظہور ہونے لگے گا۔ یہ سب واقعات عہد عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق ہیں، ان کا زمین پر قیام چالیس سال رہے گا، آپ حج کریں گے، نکاح کریں گے، اولاد بھی ہوگی، پھر آپ علیہ السلام انتقال فرما کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مطہرہ میں مدفون ہو گے (۳)۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد قبیلہ قحطان (۴) میں سے جہاہ نامی شخص آپ کے خلیفہ ہوں

(۱) جامع ترمذی، رقم (۲۲۴۰)، ومسلم، رقم (۷۳۳۳)۔

(۲) ”وَيَسْتَوْقِدُ الْمُسْلِمُونَ مِنْ قَسِيهِمْ وَنِشَابِهِمْ وَجَعَابِهِمْ“۔ انظر الجامع للترمذی، کتاب الفتن، باب ماجاء في فتنة الدجال، رقم (۲۲۴۰)، من رواية النواص رضي الله عنه۔

(۳) حوالہ جات بالا، وأبوداود، کتاب الفتن، رقم (۴۳۲۳)، وابن أبي شيبة: ۲۱/۲۰۰، کتاب الفتن، رقم (۳۸۶۲۹)، ومسنند أحمد: ۲/۲۹۰، رقم (۷۸۹۰)، مسند أبي هريرة، و: ۲/۴۳۷، رقم (۹۶۳۰)، والتصريح بما تواتر في نزول المسيح: ۲۴۰، أحاديث أخرى مما أخرجه المحدثون رقم (۵۸)، و: ۳۹۳، رقم (۱۰۱)، وإحياء علوم الدين: ۴۷۳، کتاب آداب النكاح، ربع العادات، الباب الأول، والفردوس بمأثور الخطاب: ۴/۳۶۵، فصل، والعلل المتناهية: ۲/۴۳۳، رقم (۱۵۲۹)، ذكر عيسى، وعمدة القاري: ۱۶/۴۰، ومشكاة المصابيح، باب نزول عيسى، کتاب الفتن، رقم (۵۵۰۸)۔

(۴) جامع ترمذی، کتاب الفتن، باب بلا ترجمة، رقم (۲۲۲۸)، ومسلم، کتاب الفتن، باب لا تقوم الساعة حتى يامر الرجل بقبر، رقم (۷۲۶۸-۷۲۶۹)، وبخاري، کتاب المناقب، باب ذكر قحطان، رقم (۳۵۱۷)، وکتاب الفتن، باب تغيير الزمان حتى، رقم (۷۱۱۷)۔

گے، جو عدل و انصاف کے ساتھ امور خلافت انجام دیں گے، ان کے بعد چند اور بادشاہ ہوں گے، جن کے عہد میں کفریہ و جاہلانہ رسوم عام ہو جائیں گی اور علم بہت کم ہو جائے گا (۱)۔

رات کا لمبا ہونا اور توبہ کا دروازہ بند ہونا

کچھ عرصے بعد ماہ ذی الحجہ میں، یوم النحر کے بعد رات اس قدر لمبی ہو جائے گی کہ مسافر تنگ دل، بچے خواب سے بیدار اور موسیقی چراگاہ کے لیے بے قرار ہو جائیں گے، آخر کار لوگ خوف و پریشانی کی وجہ سے رورو کر توبہ توبہ پکاریں گے، تین چار رات کی مقدار کے برابر دراز ہونے کے بعد حالت اضطرابی میں آفتاب مانند چاند گرہن معمولی روشنی کے ساتھ مغرب سے طلوع ہوگا، اس وقت تمام لوگ خداوند قدوس کی وحدانیت کا اعتراف کریں گے، لیکن بے سود.....! کیوں کہ اس وقت توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا، اس کے بعد سورج اپنی معمول کی روشنی کے ساتھ مشرق سے طلوع ہوتا رہے گا (۲)۔

دابة الأرض کا ظہور

لوگ اسی حال میں ہوں گے کہ کوہ صفا زلزلے سے پھٹ جائے گا، جس سے ایک نادر شکل کا جانور برآمد ہوگا (۳)، چنانچہ بلحاظ شکل یہ حسب ذیل سات جانوروں سے مشابہت رکھتا ہوگا، چہرے میں آدمی سے، پاؤں میں اونٹ سے، گردن میں گھوڑے سے، دم میں تیل سے، سرین میں ہرن سے، سینگوں میں بارہ سینگے سے اور ہاتھوں میں بندر سے (۴)، نیز انتہائی فصیح اللسان ہوگا (۵)۔

(۱) صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب ظہور الفتن، رقم (۷۰۶۶-۷۰۶۱)، عن غیر واحد من الصحابة.

(۲) بخاری، کتاب الفتن، باب (بلا ترجمہ)، رقم (۷۱۲۱)، ومسلم، کتاب ایمان، باب بیان الزمن الذي

لا يقبل، رقم (۳۹۶)، وفيه بحث نفيس في روح المعاني: ۴۲۴/۸-۴۲۷، سورة الأنعام، الآية: ۱۵۸.

(۳) قال الله جل ذكره: ﴿وَإِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ أَخْرَجْنَا لَهُمْ دَابَّةً مِّنَ الْأَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ﴾ [النمل: ۸۲]،

وتفسير الكشاف والبيان: ۵۱۰/۴-۵۱۲.

(۴) قد اختلفت الروايات في صفات هذه الدابة، انظر المصدر السابق، ومفاتيح الغيب للمرازي: ۵۷۳/۲۴،

سورة النمل، وتفسير السمعاني: ۱۱۳/۴ و ۱۱۵.

(۵) روح المعاني: ۳۱۲/۲۰، سورة النمل، تفسير الآية/۸۲، وأخبار مكة للفاكهي: ۳۹/۴، ذكر الدابة

وخروجها، رقم (۲۳۴۶-۲۳۴۷).

اس جانور کے ایک ہاتھ میں عصائے موسیٰ علیہ السلام، دوسرے میں سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی ہوگی، اس کی رفتار انتہائی تیز ہوگی کہ کوئی اس کا تعاقب کرے گا نہ اس سے بچ پائے گا، یہ ہر شخص پر ایک نشان لگاتا جائے گا، اگر صاحب ایمان ہے تو عصائے موسیٰ سے اس کے چہرے پر ایک خط کھینچ دے گا، جس کی وجہ سے اس کا چہرہ روشن و منور ہو جائے گا، اگر کافر یا منافق ہوگا تو حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی سے اس کی ناک یا گردن پر سیاہ مہر لگائے گا، جس کی وجہ سے اس کا چہرہ بے رونق ہو جائے گا، کہ اگر ایک دسترخوان پر چند لوگ بیٹھے ہوں تو ہر ایک کے کفر و ایمان میں بخوبی امتیاز ہو سکے گا، یہ جانور اس کام سے فارغ ہو کر غائب ہو جائے گا۔

آفتاب کے مغرب سے طلوع اور دابة الارض کے ظہور سے نفخ صورت تک ایک سو بیس سال کا عرصہ ہوگا (۱)۔

اہل ایمان کی موت کی ہوا

دابة الارض کے غائب ہونے کے بعد جنوب کی طرف سے ایک نہایت فرحت بخش ہوا چلے گی، جس کی وجہ سے ہر مومن کی بغل میں ایک درد پیدا ہوگا، جس کے باعث افضل، فاضل، ناقص بالترتیب مرنے شروع ہو جائیں گے، شرط یہ ہوگی کہ بس فاسق نہ ہو (۲)۔

نیز قرب قیامت کے وقت یہ علامت بھی ظہور پذیر ہوگی کہ حیوانات، جمادات اور چابک وغیرہ کثرت سے گویا ہوں گے، جو گھروں کے اندر کی باتوں و دیگر امور کی خبر دیں گے (۳)۔

(۱) تفسیر الکشف والبیان: ۵۱۰-۵۱۲، وروح المعانی: ۳۱۱/۲۰-۳۱۵، تفسیر السمرقندی: ۵۰۵/۲، وفتح القدیر: ۱۸۹/۴، وفتح الباری، کتاب الرقاق: ۳۵۴/۱۱، باب بلا ترجمة، رقم (۶۵۰۶)، وأخبار مكة للفاکھی: ۳۹/۴، باب الدابة وخروجها، ومن أين تخرج من مكة.

(۲) مسلم، کتاب الفتن، باب ذکر الدجال.....، رقم (۷۳۳۳)، ورقم (۷۳۴۱)، والترمذی، رقم (۲۲۴۰).

(۳) عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "والذي نفسي بيده لا تقوم الساعة حتى تكلم السباع الإنس، وحتى تكلم الرجل عذبة صوته، وشرأك نعله، وتخبره فخذه بما أحدث أهله من بعده". رواه الترمذی، وقال: "هذا حديث حسن غريب".....، کتاب الفتن، باب ما جاء في كلام السباع، رقم (۲۱۸۱).

حبشیوں کا غلبہ اور لوگوں کا شام میں اجتماع

جب تمام اہل ایمان اس جہاں سے کوچ کر جائیں گے تو حبشی غالب ہوں گے، پوری دنیا میں ان کی سلطنت پھیل جائے گی، یہ کعبہ کو ڈھا دیں گے (۱)، چنانچہ حج موقوف ہو جائے گا (۲)، قرآن کریم دلوں، زبانوں اور کاغذوں سے اٹھا لیا جائے گا، خدا شناسی اور خوف آخرت دلوں سے معدوم ہو جائے گا، شرم و حیا جاتی رہے گی کہ برسر عام گدھوں اور کتوں کی طرح صحبت کریں گے (۳)، حکام کا ظلم و جہل بڑھ جائے گا، جہالت اس قدر بڑھے گی کہ کوئی لفظ ”اللہ“ تک کہنے والا نہ ہوگا (۴)۔

اسی دوران کہ پوری دنیا کی یہ کیفیت ہوگی تو ملک شام میں نسبتاً امن و آسائش زیادہ ہوگی، پس سارے لوگ اپنے بال بچوں کو لے کر ملک شام کا رخ کریں گے (۵)۔

آگ جو لوگوں کو شام میں جمع کر دے گی

قیامت کا وقوع جب بالکل قریب ہو جائے گا تو ایک بہت بڑی آگ جنوب کی طرف سے رونما ہو کر لوگوں کی طرف بڑھے گی، جس سے بچنے کے لیے لوگ سرپٹ بھاگیں گے اور آگ مسلسل ان کے تعاقب میں ہوگی، آخر یہ آگ ان سب کو شام (محشر) پہنچا دے گی، اس کے بعد وہ آگ غائب ہو جائے گی، اس وقت مجموعی طور آبادی کی اکثریت شام میں ہوگی (۶)۔

(۱) صحیح البخاری، کتاب الحج، رقم (۱۵۹۱) و (۱۵۹۶)، و مسلم، کتاب الفتن، رقم

(۷۲۶۵-۷۲۶۷)، والنسائی، کتاب الحج، باب بناء الكعبة، رقم (۲۹۰۴)، عن أبي هريرة رضي الله عنه.

(۲) صحیح البخاری، رقم ۱۵۱۶، مسند أحمد: ۳۱۲/۲، رقم (۸۰۹۹)، و مستدرک الحاکم: ۴۹۹/۴،

رقم (۸۳۹۵)، و مسند الطیالسی: ۶۹۶/۲، رقم (۲۴۹۴)، مسند أبي هريرة، وابن حبان، کتاب التاريخ،

باب بدء الخلق، ذکر الموضع الذي يبایع فيه المهدي، رقم (۶۸۲۷).

(۳) مسلم، کتاب الفتن، رقم (۷۳۳۳)، و الترمذی، کتاب الفتن، رقم (۲۲۴۰)، عن النّوّاس بن سَمْعَانَ.

(۴) مسلم، کتاب الإیمان، باب ذهاب الإیمان آخر الزمان، رقم (۲۳۴/۱۴۸)، و الترمذی، کتاب الفتن،

باب منه، رقم (۲۲۰۷).

(۵) المستدرک للحاکم: ۵۴۹/۴، کتاب الفتن والملاحم، رقم (۸۵۳۸)، عن عبد الله بن مسعود.

(۶) أبوداود، کتاب الملاحم، باب أمارات الساعة، رقم (۴۳۱۱)، و مسلم، کتاب الفتن، رقم (۷۲۴۲-۷۲۴۳)، =

اس کے بعد قیام قیامت کی ابتدائی علامت یہ ہوگی کہ لوگ تین چار سال غفلت میں پڑے رہیں گے اور دنیاوی نعمتیں، اموال اور شہوت رانیاں بکثرت ہو جائیں گی۔

صور کی آواز، اموات اور نظام کائنات کی فنا

جمعے کے دن، جو یوم عاشورا بھی ہوگا (۱)، صبح ہوتے ہی لوگ اپنے امور میں مشغول ہوں گے کہ اچانک ایک باریک لمبی آواز سنائی دے گی، یہی نفخ صور ہوگا، تمام اطراف یہ آواز یکساں طور پر سنی جائے گی اور لوگ حیران ہوں گے یہ آواز کیسی اور کہاں سے آرہی ہے؟ رفتہ رفتہ یہ آواز بجلی کے کڑک کی مانند سخت اور بلند ہوتی جائے گی، لوگوں میں اس کی وجہ سے بڑی بے چینی و بے قراری پھیلے گی، جب وہ پوری سختی پر آجائے گی تو لوگ خوف و ہیبت سے مرنا شروع ہو جائیں گے، زمین میں زلزلہ آئے گا (۲)، جس کے ڈر سے لوگ گھروں کو چھوڑ کر میدانوں کا رخ کریں گے، وحشی جانور خائف ہو کر انسانوں سے مل جائیں گے (۳)، زمین جگہ جگہ سے پھٹ جائے گی (۴)، سمندر ابل پڑیں گے (۵)، بڑے بڑے پہاڑ روئی کے گالوں کی مانند اڑیں گے (۶)، گرد و غبار کی وجہ سے پوری کائنات پر ظلمت چھا جائے گی، وہ آواز دم بدم سخت ہوتی جائے گی، یہاں تک کہ اس کے نہایت ہولناک ہونے پر آسمان پھٹ جائیں گے اور ستارے ٹوٹ ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گے (۷)۔ اس کے کچھ عرصے بعد از سر نو پیدائش و تخلیق کا عمل شروع ہوگا، پھر دوسری دفعہ صور پھونکا جائے گا اور سب لوگ قبروں سے نکل

= والترمذی، کتاب الفتن، رقم (۲۱۸۳)، وصحیح البخاری مع فتح الباری: ۱۱/۳۷۸، رقم (۶۵۲۲)، کتاب الرقاق، باب الحشر۔

(۱) مسلم، کتاب الفتن، رقم (۷۳۴۱)، حدیث عروہ بن مسعود۔

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا﴾ [الزلزال/۱]۔

(۳) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ﴾ [التکویر/۵]۔

(۴) قال اللہ تعالیٰ: ﴿يَوْمَ تَشَقُّقُ الْأَرْضُ عَنْهُمْ سَرَاعًا﴾ [ق/۴۴]۔

(۵) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَإِذَا الْبِحَارُ فَجُرت﴾ [الانفطار/۳]۔

(۶) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَإِذَا الْجِبَالُ نُسفت﴾ [المرسلات/۱۰]، وقال أيضا: ﴿وَتَكُونُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ

المنفوش﴾ [الفارعة/۵]۔

(۷) قال جل ذكره: ﴿إِذَا السَّمَاءُ انْفطرت، وَإِذَا الْكُوكُوبُ انثرت﴾ [الانفطار/۱-۲]۔

نفل کر میدانِ حشر میں جمع ہوں گے اور حساب و کتاب کا عمل شروع ہوگا (۱)۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس دن کی ہولناکیوں اور سختیوں سے محفوظ رکھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا مستحق بنائے۔ آمین۔

ترجمة الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت

حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت اس جملے میں ہے، ”فیغدرون“ کہ وہ رومی غدر اور بد عہدی کریں گے، اس لیے بے پروا و غافل نہ رہنا چاہیے، بلکہ ہوشیاری کے ساتھ تیاری بھی کرتے رہنا چاہیے (۲)۔
واللہ اعلم بالصواب

۱۶ - باب : كَيْفَ يُنْبَذُ إِلَى أَهْلِ الْعَهْدِ .

یعنی مصالحت و معاہدہ ختم ہونے کی اطلاع دشمن کو کس طرح دی جائے؟

ترجمة الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہاں یہ فرما رہے ہیں کہ اگر اہل عہد سے مصالحت ہوئی تھی اور بعد میں مصالحت اس بات کی متقاضی ہوئی کہ وہ عہد قائم اور برقرار نہ رکھا جائے تو کیا کرنا چاہیے؟
اس سوال کا جواب باب کے تحت ذکر کردہ آیت کریمہ اور حدیث مبارک میں موجود ہے کہ ان کو اعلان کے ذریعے یا کسی اور ذریعے سے مطلع کر دیا جائے کہ اب ہم اس عہد و پیمان کو برقرار رکھنا نہیں چاہتے، لہذا فلاں تاریخ سے، یا آج سے معاہدہ ختم تصور کیا جائے (۳)۔

(۱) مسلم شریف، کتاب الفتن،، باب فی خروج الدجال،، رقم (۷۳۴۱)، عن عروۃ بن مسعود

الثقفی، و باب ما بین النفتین، رقم (۷۳۷۴)، والبخاری فی التفسیر، سورة الزمر، رقم (۴۹۳۵)۔

یہ تمام تفصیلات حضرت شاہ رفیع الدین شاہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالے ”علامات قیامت“ سے حذف و تغیر کے ساتھ لی گئی ہیں۔ دیکھیے، مذکورہ رسالہ مطبوعہ مع ”قیامت سے پہلے کیا ہوگا؟“ (ص: ۲۳-۲۴)۔

(۲) عمدة القاري: ۹۹/۱۵۔

(۳) فتح الباري: ۲۷۹/۶، وعمدة القاري: ۱۰۰/۱۵، وقال ابن بطلال رحمه الله: ”أجمع العلماء أن للإمام

أن يبدأ من يخاف خيائته وغدره بالحرب بعد أن يُعلمه بذلك“. انظر شرحه: ۳۶۰/۵۔

وَقَوْلِهِ : «وَأَمَّا نَحْنُ فَأَنْبِذُ إِلَيْهِمْ عَلَى سَوَاءٍ» . الْآيَةُ / الْأَنْفَال : ۵۸ .

اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول کہ اگر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کسی قوم کی طرف سے یہ اندیشہ لاحق ہو کہ وہ خیانت و بد عہدی کرے گی تو ان کا عہد اُن کو واپس کر دیجیے، تاکہ آپ اور وہ برابر ہو جائیں۔

”نبذ“ کے معنی

اوپر ترجمۃ الباب میں، نیز آیت کریمہ اور آنے والی حدیث میں ”نبذ“ کے مختلف مشتقات کا ذکر ہے، یہ باب ضرب سے ہے، اس کے اصل معنی پھینکنے کے ہیں، لیکن یہاں پر اس سے نقض عہد مراد ہے (۱)۔

﴿سواء﴾ کے معنی اور آیت کی تفسیر

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے تو سواء کے معنی مثل کے بیان کیے ہیں، جب کہ امام کسائی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفسیر عدل سے کرتے ہیں (۲)۔

علامہ ازہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ اگر آپ کسی قوم کے ساتھ مصالحت کریں، معلوم یہ ہو کہ وہ بد عہدی کرنا چاہتے ہیں تب بھی آپ معاہدہ توڑنے کی جلدی مت کیجیے، بلکہ ان کو خبر بھیج دیجیے کہ آپ عہد توڑ رہے ہیں، اس طرح آپ اور دشمن اس علم میں برابر ہو جائیں گے کہ معاہدہ ٹوٹ چکا ہے، پھر ان پر حملہ کر دیجیے (۳)۔

۳۰۰۶ : حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ : أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ ، عَنْ الزُّهْرِيِّ : أَخْبَرَنَا حُمَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ : أَنَّ أَبَا هُرَيْرَةَ قَالَ : بَعَثَنِي أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ فِيمَنْ يُوْذَنُ يَوْمَ النَّحْرِ بِمَنَى : لَا يَحُجُّ بَعْدَ الْعَامِ مُشْرِكٌ ، وَلَا يَطُوفُ بِالْبَيْتِ عُرْيَانٌ ، وَيَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ يَوْمَ النَّحْرِ . وَإِنَّمَا قِيلَ الْأَكْبَرُ مِنْ أَجْلِ قَوْلِ النَّاسِ : الْحَجُّ الْأَصْغَرُ ، فَنَبَذَ أَبُو بَكْرٍ إِلَى النَّاسِ فِي ذَلِكَ الْعَامِ ، فَلَمْ يَحُجَّ عَامَ حَجَّةِ الْوَدَاعِ الَّذِي فِيهِ النَّبِيُّ ﷺ مُشْرِكٌ . [ر : ۳۶۲]

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۱۰۰.

(۲) فتح الباري: ۶/۲۷۹، وعمدة القاري: ۱۵/۱۰۱.

(۳) حوالہ جات بالا۔

(۴) قوله: ”أن أبا هريرة رضي الله عنه“: الحديث، مر تخريجه في الحج، باب لا يطوف بالبيت عريان.....

تراجم رجال

۱- ابو الیمان

یہ مشہور محدث ابو الیمان حکم بن نافع رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲- شعیب

یہ شعیب بن ابی حمزہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کا تذکرہ بدء الوحي کی ”الحديث السادس“ کے تحت گزر چکا ہے (۱)۔

۳- زہری

مشہور محدث ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات ”بدء الوحي“ میں آچکے (۲)۔

۴- حمید بن عبدالرحمن

یہ مشہور تابعی محدث، حضرت حمید بن عبدالرحمن بن عوف رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الایمان، ”باب تطوع قیام رمضان من الایمان“ کے تحت گزر چکا (۳)۔

۵- ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

مشہور صحابی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کتاب الایمان کے اوائل میں آچکا ہے (۴)۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے منیٰ میں اعلان کرانے کے لیے دوسرے لوگوں کے ساتھ مجھے بھی بھیجا، اعلان یہ تھا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کو نہیں آئے گا، نہ کعبۃ اللہ کا کوئی برہنہ ہو کر طواف کرے گا۔ اور یوم حج اکبر یوم النحر ہے اور اس کو ”حج اکبر“ کا دن کہنے

(۱) کشف الباری: ۱/۴۷۹-۴۸۰۔

(۲) کشف الباری: ۱/۳۲۶، الحديث الثالث۔

(۳) کشف الباری: ۲/۳۱۶۔

(۴) کشف الباری: ۱/۶۵۹۔

کی وجہ یہ ہوئی کہ لوگ اسے ”جج اصغر“ کہتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس سال لوگوں (دشمن) کو معاہدہ توڑے جانے کی اطلاع دی، اسی بنا پر حجۃ الوداع والے سال، جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کیا، کوئی مشرک حج کو نہیں آیا۔

مشرکین کو ممانعت کی وجہ

مذکورہ بالا حدیث میں آیا ہے کہ مشرکین کو حج بیت اللہ سے منع کر دیا گیا تھا، اس کی وجہ علامہ مہلب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اندیشہ لاحق ہوا تھا کہ مشرکین خدا نخواستہ کوئی شرارت نہ کریں، مکر و فریب کا کوئی داؤ نہ کھیلیں، اس لیے ان کو ممانعت کر دی گئی کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج بیت اللہ کے لیے نہ آئے، نیز اس سے یہ فائدہ بھی ہوا کہ بحکم خداوندی کعبۃ اللہ کو مشرکین کی نجاست سے پاک کر دیا گیا، ارشاد خداوندی ہے: ﴿إِنَّمَا الْمَشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا﴾ (۱) علاوہ ازیں بہ ارادۃ باری تعالیٰ برہنہ ہو کر طواف سے بھی روک دیا گیا، کیوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے گھر کے تقدس و تعظیم کے خلاف ہے (۲)۔ واللہ اعلم

ترجمۃ الباب کے ساتھ آیت و حدیث کی مناسبت

آیت کریمہ و حدیث مبارک کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت بایں معنی ہے کہ ترجمہ میں ایک امر کے متعلق سوال تھا کہ اس کا کیا طریقہ ہو، چنانچہ اس کا جواب آیت کریمہ میں موجود ہے، اسی طرح حدیث میں بھی اس کا جواب موجود ہے۔

فقہ حنفی کی مشہور کتاب ”ہدایہ“ میں ہے:

”وإن صالحهم مدة، ثم رأى نقض الصلح أنفع نبذ إليهم الإمام، وقتلهم؛ لأنه عليه السلام نبذ المودعة التي كانت بينه وبين أهل مكة، ولأن المصلحة لما تبدلت كان النبذ جهاداً، وإيفاء العهد ترك الجهاد صورةً ومعنى،

(۱) التوبة / ۲۸.

(۲) شرح ابن بطلال: ۵/ ۳۶۰-۳۶۱، وفتح الباری: ۶/ ۲۷۹.

فلا بد من النبذ؛ تحرزا عن الغدر، وقد قال عليه السلام: "وفاء لا غدر" (۱)، ولا بد من اعتبار مدة يبلغ فيها خبر النبذ إلى جميعهم، ويكتفى في ذلك بمضي مدة يتمكن ملكهم بعد علمه بالنبذ من إنفاذ الخبر إلى أطراف مملكته؛ لأن بذلك ينتفي الغدر.

قال: وإن بدؤا بخيانة قاتلهم، ولم ينبذ إليهم إذا كان ذلك باتفاقهم؛ لأنهم صاروا ناقضين للعهد، فلا حاجة إلى نقضه، بخلاف ما إذا دخل جماعة منهم، فقطعوا الطريق، ولا منعة لهم، حيث لا يكون هذا نقضا للعهد، ولو كانت لهم منعة، وقتلوا المسلمين علانية يكون نقضا للعهد في حقهم، دون غيرهم؛ لأنه بغير إذن ملكهم، ففعلهم لا يلزم غيرهم، حتى لو كان بإذن ملكهم صاروا ناقضين للعهد؛ لأنه باتفاقهم معنى" (۲).

۱۷ - باب : إِيْمَ مَنْ عَاهَدَ ثُمَّ غَدَرَ .

ترجمة الباب کا مقصد

اس باب کے تحت امام بخاری رحمہ اللہ نے غدر و بدعہدی کا گناہ بیان کیا ہے کہ معاہدہ ہونے کے بعد اپنی طرف سے بدعہدی کرنا اور غدر کرنا بڑا سخت گناہ اور حرام ہے، خواہ مسلمان کے ساتھ ہو یا کسی غیر مسلم کے ساتھ (۱)۔

(۱) قال العلامة الزيلعي رحمه الله عن هذا الحديث (ما ملخصه): "لم أجده مرفوعا، ولأحمد وأصحاب السنن وابن حبان من حديث عمرو بن عبسة أنه غزا مع معاوية، فكان يقول: الله أكبر، وفاء لا غدر". انظر الدراية في تخريج أحاديث الهداية للزيلعي: ۳/ ۳۹۰-۳۹۱، رقم (۵۷۹۵)، وكذا انظر سنن أبي داود، رقم (۲۷۵۹)، والترمذي، رقم (۱۵۸۰)، ومسنند أحمد، حديث عمرو بن عبسة ۵/ ۸۰۳، رقم (۱۷۱۴۰)، ومسنند الطيالسي ۲/ ۹-۱۰، رقم (۱۲۵۱)، وسنن النسائي الكبرى: ۵/ ۲۲۳، كتاب السير، رقم (۸۷۳۲)، وآخرون.

(۲) الهداية: ۲/ ۵۶۳، كتاب السير، باب المواعدة ومن يجوز أمانه.

(۳) فتح الباري: ۶/ ۲۸۰، وعمدة القاري: ۱۵/ ۱۰۱.

وَقَوْلِهِ : «الَّذِينَ عَاهَدْتَ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مِرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ» / الأنفال : ۵۶ /

اور اللہ تعالیٰ کا قول کہ جن سے آپ نے معاہدے کیے ہیں، پھر ہر مرتبہ وہ اپنے عہد کو توڑتے ہیں اور وہ بدعہدی کے انجام سے نہیں ڈرتے۔

آیت کریمہ کا شان نزول اور تفسیر

قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عہد توڑنے والوں سے مراد یہاں بنو قریظہ کے یہود ہیں، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ معاہدہ کیا تھا کہ آپ علیہ السلام کے خلاف کسی کی مدد نہ کریں گے، لیکن بدعہدی کرتے ہوئے انہوں نے مشرکین کی ہتھیاروں کے ذریعے مدد کی، جب پوچھ گچھ ہوئی تو کہنے لگے کہ ہم بھول گئے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ مصالحت کی، مگر انہوں نے بدعہدی کی اور غزوہ خندق کے موقع پر نبی علیہ السلام کے خلاف مشرکین کی مدد کی اور مشہور یہودی کعب بن اشرف نے مدینہ سے مکہ مکرمہ کا سفر صرف اس لیے کیا کہ مکہ کے مشرکین کو اپنا ہم نوا حلیف بنائے (۱)۔

آیت کریمہ سے یہ امر مستفاد ہو رہا ہے کہ غدروہ بدعہدی حرام ہے (۲)، ورنہ اس کی یوں مذمت نہ کی جاتی، کیوں کہ اس آیت میں یہود کے اس فعل کی شاعت و قبح بیان کیا گیا ہے۔

آیت کریمہ اور ترجمۃ الباب کے درمیان مناسبت

آیت کریمہ کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت واضح ہے کہ ترجمۃ الباب میں بدعہدی کو گناہ بتلایا گیا تھا، اس کی دلیل آیت میں موجود ہے کہ یہ بہت قبیح اور شنیع فعل ہے، کسی مسلمان کے لیے یہ زیبا نہیں کہ وہ اس کا مرتکب ہو، اس لیے اس سے بچتے رہنا چاہیے۔

اس کے بعد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ کے تحت تین احادیث ذکر کی ہیں، پہلی حدیث حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۳۰۰۷ : حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ : حَدَّثَنَا جَرِيرٌ ، عَنْ الْأَعْمَشِ ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مُرَّةٍ ،

(۱) القسطلانی : ۲۴۲/۵ ، وتفسیر البيضاوي مع حاشيته للشهاب الخفاجي : ۴۹۴/۴ ، سورة الأنفال / ۵۶ .

(۲) عمدة القاري : ۱۰۱/۱۵ .

عَنْ مَسْرُوقٍ ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَمْرٍو^(۱) رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ : (أَرْبَعُ خِلَالٍ مَنْ كُنَّ فِيهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا : مَنْ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ ، وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ ، وَإِذَا عَاهَدَ غَدَرَ ، وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ . وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتَّى يَدْعَوْهَا) .

[ر : ۳۴]

تراجم رجال

۱- قتیبہ بن سعید

یہ مشہور محدث قتیبہ بن سعید ثقفی بغلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الایمان، ”باب إفشاء السلام.....“ کے تحت گزر چکا ہے (۲)۔

۲- جریر

یہ جریر بن عبد الحمید بن قرطاضی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب العلم، ”باب من جعل لأهل العلم أياما معلومة“ کے تحت گزر چکے ہیں (۳)۔

۳- الأعمش

یہ سلیمان بن مہران المعروف بالأعمش کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا ترجمہ کتاب الایمان، ”باب ظلم دون ظلم“ کے تحت آچکا (۴)۔

۴- عبد اللہ بن مرہ

یہ مشہور تابعی عبد اللہ بن مرہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۵- مسروق

یہ مشہور تابعی مسروق بن اجدع ابو عائشہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کا تذکرہ کتاب

(۱) قوله: ”عن عبد الله.....“: الحديث، مر تخريجه في الإيمان، باب علامة المنافق، انظر كشف الباري: ۲/۲۸۳.

(۲) كشف الباري: ۱۸۹/۲.

(۳) كشف الباري: ۲۶۸/۳.

(۴) كشف الباري: ۲۵۱/۲.

الإيمان، ”باب علامة المنافق“ کے تحت گزر چکا ہے (۱)۔

۶- عبد اللہ بن عمرو

یہ مشہور صحابی حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما ہیں۔ ان کے حالات کتاب الإيمان، ”باب المسلم من سلم المسلمون.....“ کے تحت آچکے ہیں (۲)۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ چار عادات و خصائل ایسی ہیں کہ وہ جس شخص میں ہوں گی، وہ خالص منافق ہوگا، یعنی جو بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے، کسی کے ساتھ عہد کرے تو بد عہدی کرے اور لڑے جھگڑے تو فحش بکے، حد سے تجاوز کرے اور جس میں ان میں سے ایک خصلت ہوگی تو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہوگی، یہاں تک اسے بھی ترک کر دے۔

یہ حدیث چوں کہ کتاب الإيمان (۳) میں مکمل تشریحات کے ساتھ گزر چکی ہے، اس لیے یہاں صرف ترجمے پر اکتفا کیا گیا ہے۔

حدیث کی ترجمہ الباب کے ساتھ مطابقت

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کی مطابقت ترجمے کے ساتھ واضح ہے کہ اس میں ایک جملہ ”وإذا عاهد غدر“ کا ہے (۴)، جو منافق کی خصلت ہے، اس لیے ایک حقیقی مومن میں یہ چیز نہیں ہونی چاہیے، جیسا کہ دیگر خصائل ذمیمہ نہیں ہونے چاہئیں۔

دوسری حدیث حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ہے۔

(۱) کشف الباری: ۲/۲۸۰-۲۸۱.

(۲) کشف الباری: ۱/۶۷۹.

(۳) کشف الباری: ۲/۲۷۳-۲۷۵، و: ۲۸۳-۲۹۰.

(۴) عمدة القاري: ۱۰۱/۱۵، وشرح القسطلاني: ۵/۲۴۲.

۳۰۰۸ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ كَثِيرٍ : أَخْبَرَنَا سُفْيَانُ ، عَنْ الْأَعْمَشِ ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ التَّيْمِيِّ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ عَلِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : مَا كَتَبْنَا عَنْ النَّبِيِّ ﷺ إِلَّا الْقُرْآنَ وَمَا فِي هَذِهِ الصَّحِيفَةِ ، قَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (الْمَدِينَةُ حَرَامٌ مَا بَيْنَ عَائِرٍ إِلَى كَذَا ، فَمَنْ أَحْدَثَ حَدَّثًا أَوْ آوَى مُحَدِّثًا فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ عَدْلٌ وَلَا صَرْفٌ ، وَذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ ، يُسْعَى بِهَا أَدْنَاهُمْ ، فَمَنْ أَخْضَرَ مُسْلِمًا ، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ . وَمَنْ وَاَلَى قَوْمًا بِغَيْرِ إِذْنِ مَوَالِيهِ ، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ، لَا يُقْبَلُ مِنْهُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ) . [ر : ۱۷۷۱]

تراجم رجال

۱- محمد بن كثير

یہ محمد بن کثیر عبدی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب العلم، ”باب الغضب فی الموعظة.....“ کے تحت گذر چکا (۲)۔

۲- سفیان

یہ مشہور محدث سفیان بن سعید الثوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات بھی کتاب ایمان، ”باب علامة المنافق“ کے تحت گذر چکے (۳)۔

۳- الأعمش

یہ سلیمان بن مہران کوفی اسدی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات بھی کتاب ایمان، ”باب ظلم

(۱) قوله: ”عن علي رضي الله عنه“: الحديث، مر تخريجه في كتاب العلم، باب كتابة العلم.

(۲) كشف الباري: ۵۳۶/۳.

(۳) كشف الباري: ۲۸۷/۲.

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں سفیان کو ابن عیینہ قرار دیا ہے (عمدة القاري: ۱۵/۱۰۲)، جو درست نہیں، کیونکہ محمد بن کثیر کے شیوخ میں ابن عیینہ کا اسم گرامی نہیں ملتا۔ دیکھیے، تہذیب الکمال: ۲۶/۳۳۵، انہیں غالباً اس بات سے مغالطہ ہوا ہوگا کہ محمد بن کثیر نام کے ایک اور راوی بھی ہیں، جو ابن عیینہ کے واقعہ تلمیذ ہیں اور یہ ان کے شیخ تو اس کو سبقت نظر پر محمول کیا جاسکتا ہے، دیکھیے، تہذیب الکمال: ۲۶/۳۲۹، و: ۱۱/۱۸۷.

دون ظلم“ کے تحت آچکے ہیں (۱)۔

۴- ابراہیم التیمی

یہ ابراہیم بن یزید بن شریک رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، ”باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله“ کے ذیل میں گزر چکا ہے (۲)۔

۵- أبیه

ابیہ سے مراد یزید بن شریک تیمی کوئی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۳)۔

۶- علی

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کے حالات کتاب العلم، ”باب إثم من كذب على“ کے تحت آچکے ہیں (۴)۔

یہ حدیث چوں کہ سابق میں مختلف مقامات پر گزر چکی ہے، وہیں اس کی مفصل تشریحات بھی آچکی ہیں، اس لیے ہم یہاں ان کا اعادہ نہیں کریں گے (۵)۔

ترجمة الباب کے ساتھ حدیث کی مطابقت

علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول حدیث کی ترجمے کے ساتھ مطابقت اس جملے سے ثابت ہو رہی ہے، ”فمن أحدث حدثاً أو آوى محدثاً.....“ کیوں کہ دین میں کوئی نئی بات پیدا کرنا، پیدا کرنے والے کو پناہ دینا، حفاظت کرنا وغیرہ ایسے امور ہیں، جن میں غدر اور بدعہدی کے معنی پائے جاتے ہیں، اسی لیے حدیث میں

(۱) کشف الباری: ۲/۲۵۱۔

(۲) کشف الباری: ۲/۵۴۴۔

(۳) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب فضائل المدینة، باب حرم المدینة۔

(۴) کشف الباری: ۴/۱۴۹۔

(۵) دیکھیے، کشف الباری، کتاب العلم: ۴/۲۳۳، و کتاب فضائل المدینة، باب حرم المدینة، و کتاب

الجزية، باب ذمة المسلمين وجوارهم واحدة۔

مذکور تمام افراد لعنت کے مستحق بھی ٹھہرے (۱)، کہ ”فعليه لعنة الله والملائكة والناس أجمعين“۔

جب کہ حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ ترجمہ اس جملے: ”من أخفر مسلماً.....“ سے ثابت ہو رہا ہے، کیوں کہ اخفار - بالخاء المعجمة - کے معنی نقض عہد ہی کے ہیں (۲)۔ چنانچہ اس جملے میں اس امر کو بتلایا گیا ہے کہ اخفار مسلم قابلِ اعنت و مستحق ملامت امر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

تیسری حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔

۳۰۰۹ : قَالَ أَبُو مُوسَى : حَدَّثَنَا هَاشِمُ بْنُ الْقَاسِمِ : حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ سَعِيدٍ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : كَيْفَ أَنْتُمْ إِذَا لَمْ تَحْتَبُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا ؟ فَقِيلَ لَهُ : وَكَيْفَ تَرَى ذَلِكَ كَانُنَا يَا أَبَا هُرَيْرَةَ ؟ قَالَ : إِيَّيْ وَالَّذِي نَفْسُ أَبِي هُرَيْرَةَ بِيَدِهِ ، عَنْ قَوْلِ الصَّادِقِ الْمُسْدُوقِ ، قَالُوا : عَمَّ ذَاكَ ؟ قَالَ : تُنْتَهَكُ ذِمَّةُ اللَّهِ وَذِمَّةُ رَسُولِهِ ﷺ ، فَيَشُدُّ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ قُلُوبَ أَهْلِ الذِّمَّةِ ، فَيَمْنَعُونَ مَا فِي أَيْدِيهِمْ .

تراجم رجال

۱- ابو موسیٰ

یہ ابو موسیٰ محمد بن الحنفی بن عبید عنزی بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الایمان، ”باب حلاوة الایمان“ کے تحت گزر چکا ہے (۳)۔

۲- ہاشم بن القاسم

یہ ابوالنضر ہاشم بن قاسم تمیمی، کنانی، لیشی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۴)۔

۳- اسحاق بن سعید

یہ اسحاق بن سعید بن عمرو بن سعید بن العاص رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۵)۔

(۱) عمدة القاري: ۱۰۲/۱۵۔

(۲) فتح الباري: ۲۸۰/۶، وإرشاد الساري: ۲۴۳/۵۔

(۳) كشف الباري: ۲۵/۲۔

(۴) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب وضع الماء عند الخلاء۔

(۵) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب العیدین، باب ما یکرہ من حمل السلاح.....

۴- ابیہ

ابیہ سے مراد سعید بن عمرو بن سعید رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۱)۔

۵- ابوہریرہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الایمان کے اوائل میں آچکے ہیں (۲)۔

یہ حدیث موصول ہے یا معلق؟

صحیح بخاری کے اکثر نسخوں میں تعلیقاً ”قال أبو موسیٰ.....“ ہی آیا ہے، یہی بات اصحاب اطراف (۳)، علامہ اسماعیلی، امام حمیدی (۴) و ابو نعیم نے بھی فرمائی ہے، لیکن بعض نسخوں میں ”حدثنا أبو موسیٰ“ آیا ہے، جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حدیث موصول ہے، مگر یہ درست نہیں، پہلا قول ہی صحیح ہے کہ یہ حدیث معلق ہے (۵)۔

مذکورہ بالا صیغہ سماع پر محمول ہوگا یا نہیں؟

پھر علمائے اصول حدیث کے درمیان اس امر میں اختلاف ہے کہ آیا یہ صیغہ یعنی قال وغیرہ عنعنہ کے قائم مقام ہو کر سماع پر محمول ہوگا یا نہیں؟ چنانچہ بعض تو اس کو سماع پر محمول کرتے ہیں، بعض سماع پر محمول نہیں کرتے، لیکن محقق قول اس مسئلے میں یہی ہے کہ اگر راوی یا محدث کی عادت یہ ہو کہ وہ اس سے سماع مراد لیتے ہیں اور اس میں استعمال کرتے ہیں تو سماع پر محمول ہوگا، ورنہ نہیں۔ علامہ ابن الصلاح، خطیب، علامہ عراقی، حافظ ابن حجر اور علامہ عینی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اسی کو رائج کہا ہے (۶)۔

(۱) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب الاستنجاء بالحجارة.

(۲) کشف الباری: ۱/۶۵۹.

(۳) تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف: ۵۰۴/۹، رقم (۱۳۰۸۷).

(۴) الجمع بین الصحيحین: ۲۶۱/۳، أفراد البخاری، رقم (۲۵۷۹).

(۵) عمدة القاری: ۱۵/۱۰۲، وفتح الباری: ۶/۲۸۰، وإرشاد الساری: ۵/۲۴۳.

(۶) انظر تدريب الراوي: ۱/۲۱۹، النوع الحادي عشر، الفرع الثالث: التعليق الذي يذكره الحميدي.....،

وفتح الباری: ۶/۲۸۰، وعمدة القاری: ۱۵/۱۰۲، وأيضاً انظر قواعد في علوم الحديث: ۱۶۳-۱۶۴.

تعلیق مذکور کی تخریج

اس تعلیق کو ابو نعیم اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ”مستخرج“ میں، امام احمد نے مسند میں اور ابو یعلیٰ نے اپنی مسند میں موصولاً نقل کیا ہے (۱)۔

قال: كيف أنتم إذا لم تجتبوا ديناراً، ولا درهماً؟ فقل له: وكيف ترى ذلك كائناً يا أبا هريرة؟

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب تمہیں خراج میں کوئی دینار، نہ درہم ملے گا؟ تو ان سے کہا گیا کہ اے ابو ہریرہ! آپ کے خیال میں یہ کس طرح اور کیونکر ہوگا؟

تجتبوا کی صرغی و لغوی تحقیق

کلمہ ”تجتبوا“ باب افتعال سے جمع مذکر مخاطب کا صیغہ ہے، حالت جزم میں ہے، مجرد میں یہ الجبایہ - بالجیم والباء الموحدة، وبعد الألف یاء۔ سے مشتق ہے، جس کے معنی مطلقاً ٹیکس کے ہیں، لیکن یہاں پر اس سے مراد خراج و جز یہ ہے، کیوں کہ یہ بھی ایک قسم کے ٹیکس ہی ہے، جو کفار پر لاگو کیا جاتا ہے (۲)۔

اس جملے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی مستقبل سے متعلق ایک پیشین گوئی کا ذکر کیا ہے کہ آئندہ ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ جز یہ و خراج کی مد میں تمہیں کچھ بھی نہیں ملے گا، اہل ذمہ تمہیں ٹیکس وغیرہ کی ادائیگی روک دیں گے۔ اس پر سامعین نے تعجب کا اظہار کیا کہ اے ابو ہریرہ! کیا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اہل ذمہ ہمیں جز یہ وغیرہ ادا نہ کریں؟

قال: إني والذي نفس أبي هريرة بيده عن قول الصادق المصدوق

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں! قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں ابو ہریرہ کی جان ہے، صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر کہہ رہا ہوں۔

(۱) فتح الباری: ۶/۲۸۰، وتعلیق التعلیق: ۳/۴۸۵، وعمدة القاری: ۱۵/۱۰۲، ومسند الإمام أحمد:

۳۳۲/۲، رقم (۸۳۶۸)، مسند أبي هريرة.....، ومسند أبي يعلى: ۵/۵۰۶، رقم (۶۶۰۰)۔

(۲) عمدة القاری: ۱۵/۱۰۲، وفتح الباری: ۶/۲۸۰، وإرشاد الساری: ۵/۲۴۳۔

کلمہ ”ای“ ہمزہ کے کسرہ اور یائے ساکنہ کے ساتھ ہے، جو حرف ایجاب ہے (۱)۔

پھر صادق کے معنی تو ظاہر ہیں، لیکن مصدوق کے کیا معنی ہیں، اس میں دو اقوال ہیں:

① مصدوق یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بات بتلائی گئی، سچ ہی بتلائی گئی، مثلاً جبریل علیہ السلام نے اگر انہیں کوئی بھی بات بتلائی ہے تو وہ سچی ہے۔

② مصدوق بمعنی المصدَّق (اسم مفعول) ہے، یعنی جن کی تصدیق کی گئی، اس معنی کے درست ہونے میں بھی کوئی شک نہیں (۲)۔

قَالُوا: عَمَّ ذَاكَ؟

لوگوں نے دریافت کیا کہ ایسا کیوں ہوگا (کہ اہل ذمہ ہمیں جزیہ وغیرہ کی ادائیگی سے انکار کر دیں)؟

قال: تنتهك ذمّة الله وذمّة رسوله صلى الله عليه وسلم فيشدد الله عز وجل قلوب أهل الذمة فيمنعون ما في أيديهم.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے وعہد کو توڑا جائے گا، نتیجہ اللہ تعالیٰ اہل ذمہ کے دلوں کو سخت کر دیں گے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ لوگ تمہیں جزیہ کی ادائیگی روک دیں گے۔

مذکورہ بالا عبارت حدیث میں اس امر کی علت بتلائی گئی ہے کہ اہل ذمہ جزیہ و خراج کی ادائیگی سے کیوں کر منکر ہو جائیں گے، اس کی وجہ یہی ہوگی کہ اہل ذمہ کو جو حقوق اسلام نے دیے ہیں، ان کو پامال کیا جائے گا، ان کے ساتھ ظلم و سختی کو روا رکھا جائے گا، چوں کہ عہد کی پاسداری ضروری ہے، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا ہے تو جب اس حکم کی خلاف ورزی ہوگی، ان کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جائے گا تو اللہ کی طرف سے پکڑ بھی ہوگی، اس کے اثرات بھی ہوں گے، اسی کو حدیث میں ان کلمات سے تعبیر کیا گیا ہے، ”فیمنعون ما في أيديهم“ کہ وہ تمہیں جزیہ و خراج کی ادائیگی نہیں کریں گے۔

(۱) إرشاد الساري: ۲۴۳/۵.

(۲) حوالہ بالا، وعمدة القاري: ۱۵/۱۰۲، وشرح الكرماني: ۱۳/۱۴۳.

”تسنتھک“ فعل مجہول، مضارع مؤنث کا صیغہ ہے، باب افتعال سے ہے، اس کے معنی پردہ دری، آبروریزی، ظلم و ستم وغیرہ کے ہیں اور ”ما فی ایدیہم“ سے مراد جزیہ وغیرہ ہے (☆)۔

اس معنی کی دیگر احادیث

امام حمیدی فرماتے ہیں کہ امام مسلم (رحمہما اللہ) نے بھی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث باب کے مفہوم کی حامل ایک اور مرفوع روایت دوسرے طریق سے نقل کی ہے (۱)، جس کے الفاظ یہ ہیں:

”منعت العراق درهمها وقفيزها، ومنعت الشام مدينها ودينارها،

ومنعت مصر إردبها ودينارها، وعدتم من حيث بدأتم، وعدتم من حيث

بدأتم، وعدتم من حيث بدأتم.....“ (۲)۔

کہ ”عراق اپنے درہم اور قفیز روک دے گا، شام اپنے مد اور دینار روک دے گا،

مصر اپنے اردب (۳) اور دینار روک دے گا اور تم وہیں لوٹ جاؤ گے جہاں سے تم نے

شروع کیا تھا.....“۔

اس حدیث میں افعال تو ماضی کے بیان کیے گئے ہیں، لیکن مراد اس سے مستقبل ہی ہے، کہ اس میں

اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ بیان کردہ چیز ضرور واقع ہوگی، چنانچہ مبالغے کے لیے ماضی کو مستقبل کے معنی میں

لیا گیا ہے (۴)۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے بھی اسی مفہوم کی ایک حدیث مروی ہے، فرماتے ہیں:

”يوشك أهل العراق أن لا يجبي إليهم قفيز ولا درهم، قال أبو نضرة:

(☆) فتح الباري: ۶/۲۸۰، وعمدة القاري: ۱۵/۱۰۲، وشرح القسطلاني: ۵/۲۴۴۔

(۱) فتح الباري: ۶/۲۸۰، وعمدة القاري: ۱۵/۱۰۲، والجمع بين الصحيحين: ۳/۲۶۱، أفراد البخاري،

رقم (۲۵۷۹)، و: ۳/۲۹۵، أفراد مسلم، رقم (۲۶۷۶)۔

(۲) أخرجه مسلم في الفتن، باب لا تقوم الساعة حتى يحسر الفرات عن جبل من ذهب، رقم (۷۲۷۷)،

وأيضاً أخرجه أبو داود، كتاب الخراج.....، باب في إيقاف أرض السواد وأرض العنوة، رقم (۳۰۳۵)۔

(۳) اردب تقریباً پچیس پاؤنڈ کے وزن کا پیمانہ (ایک پاؤنڈ تقریباً آدھے سیر کا ہوتا ہے)، القاموس الوحید، مادة: ”إردب“۔

(۴) فتح الباري: ۶/۲۸۰، وعمدة القاري: ۱۵/۱۰۲۔

قلنا: من أين ذاك؟ قال: من قبل العجم يمنعون ذاك، ثم قال: يوشك أهل الشام أن لا يجبي إليهم دينار ولا مُدي، قلنا: من أين ذاك؟ قال: من قبل الروم.....“ (۱)۔

یعنی ”قريب ہے کہ اہل عراق کو درہم و قفیر کی ادائیگی نہیں ہوگی، راوی حدیث ابونضرہ کہتے ہیں کہ ہم نے کہا کہ یہ کن کی طرف سے ہوگا؟ انہوں نے فرمایا، عجمیوں کی جانب سے کہ وہ اس کی ادائیگی روک دیں گے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے پھر فرمایا کہ قريب ہے کہ اہل شام کو دینار اور مد کی ادائیگی نہیں ہوگی۔ ہم (ابونضرہ) نے پوچھا، یہ کن کی طرف سے ہوگا؟ فرمایا، رومیوں کی جانب سے۔“

فائدہ

ان احادیث کے ایک معنی و مطلب تو وہی ہے، جس کا ذکر اوپر ہوا کہ جزیرہ و خراج کی، اہل ذمہ کی طرف سے ادائیگی جو روک دی جائے گی، اس کی وجہ یہ ہوگی کہ ان کے ساتھ ناروا سلوک ہوگا، لیکن ابن الاثیر جزیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احادیث میں اس امر کی پیشین گوئی کی ہے کہ یہ لوگ عنقریب اسلام قبول کر لیں گے اور جو ٹیکس یا وظیفہ ان پر لازم کیا گیا ہے، وہ قبول اسلام کی وجہ سے ساقط ہو جائے گا، اس طرح یہ لوگ اپنے اسلام کی وجہ سے ان وظائف و ٹیکسز کو روکنے والے ہو جائیں گے، جو ان پر لازم تھے (۲)۔

اس کے بعد ابن الاثیر جزیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مطلب کو بیان کیا، جسے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ترجمۃ الباب میں ذکر کیا ہے (۳)۔ اس سے امام بخاری کی رائے کو تقویت ملتی ہے۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ تعلق کی مناسبت

ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت تعلق بایں طور ہے کہ ترجمہ میں ایفاء عہد کرنے اور نہ کرنے کی صورت

(۱) الحدیث أخرجه مسلم، کتاب الفتن، باب لا تقوم الساعة حتى يمر الرجل ..، رقم (۷۳۱۵)۔

(۲) جامع الأصول في أحاديث الرسول: ۵۳/۱۰۔

(۳) جامع الأصول في أحاديث الرسول: ۵۴/۱۰۔

میں گناہ گار ہونے کو بیان کیا گیا ہے، اس حدیث سے بھی ایفائے عہد کا ثمرہ اور بد عہدی کا انجام معلوم ہو رہا ہے۔
چنانچہ اہل ذمہ کے ساتھ اگر ان کے عہد و ذمہ کا لحاظ کیا جائے، اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جو حقوق عطا کیے ہیں، ان کی پاسداری کی جائے تو اس کا ثمرہ جزئیہ و خراج کی صورت میں ملے گا، دوسری صورت میں ملنے والے مال سے بھی محروم ہونا پڑے گا، جو دنیاوی نقصان ہے، اخروی خسارہ اس کے علاوہ ہے۔

بَابُ بَلَا تَرْجَمَهُ

ترجمہ کا مقصد

یہاں یہ باب بلا ترجمہ ہے (۱) اور کالفصل للباب السابق ہے، اس کے تحت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جو روایات نقل کی ہیں، ان کا تعلق اسی باب سابق کے مضمون ایفائے عہد وغیرہ سے ہے (۲)۔

۳۰۱۱/۳۰۱۰ : حَدَّثَنَا عَبْدَانُ : أَخْبَرَنَا أَبُو حَمْرَةَ قَالَ : سَمِعْتُ الْأَعْمَشَ قَالَ : سَأَلْتُ أَبَا وَائِلٍ : شَهِدْتَ صِفِّينَ ؟ قَالَ : نَعَمْ ، فَسَمِعْتُ سَهْلَ بْنَ حَنْفِيٍّ يَقُولُ : أَتَيْتُمَا رَأَيْتُمَا يَوْمَ أَبِي جَنْدَلٍ ، وَلَوْ أَتَيْتُمَا أَنْ أَرَدَ أَمْرُ النَّبِيِّ ﷺ لَرَدَدْتُهُ ، وَمَا وَضَعْنَا أَسْيَافَنَا عَلَى عَوَاتِقِنَا لِأَمْرٍ يُفْطِنُنَا إِلَّا أَتَيْتُمَا بِنَا إِلَى أَمْرٍ نَعْرِفُهُ غَيْرِ أَمْرِنَا هَذَا .

تراجم رجال

۱- عبدان

یہ عبد اللہ بن عثمان بن جبلة عبدان رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ بدء الوحي کی ”الحديث

(۱) قال الحافظ في الفتح (۲۸۱/۶): ”كذا هو بلا ترجمة عند الجميع“.

(۲) حوالہ بالا، وعمدة القاري: ۱۰۲/۱۵.

(۳) قوله: ”سهل.....“: الحديث، أخرجه البخاري في نفس هذا الباب، رقم (۳۱۸۲)، وكتاب المغازي، باب غزوة الحديبية، رقم (۴۱۸۹)، وكتاب التفسير، باب قوله: ﴿إِذْ يَبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ.....﴾، رقم (۴۸۴۴)، وكتاب الاعتصام.....، باب ما يذكر من ذم الرأي.....، رقم (۷۳۰۸)، ومسلم، كتاب الجهاد، باب صلح الحديبية.....، رقم (۴۶۳۴)، والنسائي في الكبرى، كتاب التفسير، قوله تعالى: ﴿وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ.....﴾، رقم (۲/۱۱۵۰۴).

الخامس“ کے تحت گزر چکا ہے (۱)۔

۲- ابو حمزہ

یہ ابو حمزہ محمد بن میمون السکری رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

۳- الأعمش

یہ مشہور محدث سلیمان بن مہران رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الإیمان، ”باب ظلم دون ظلم“ کے تحت آچکے ہیں (۳)۔

۴- ابو وائل

یہ مشہور تابعی بزرگ حضرت ابو وائل شقیق بن سلمۃ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الإیمان، ”باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله“ کے تحت گزر چکا ہے (۴)۔

۵- سهل بن حنيف

یہ مشہور انصاری صحابی حضرت سهل بن حنيف بن واہب رضی اللہ عنہ ہیں (۵)۔

قال: سألت أبا وائل شهدت صفين؟ قال: نعم

امام اعمش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابو وائل سے دریافت کیا کہ آپ جنگ صفین میں شریک رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا، ہاں۔

صفین

صفین - بکسرتین وتشديد الفاء - عراق کے مشہور دریا، فرات کے کنارے رَقة اور بلس کے

(۱) کشف الباری: ۱/۴۶۱۔

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الغسل، باب نفض الیدین من.....

(۳) کشف الباری: ۲/۲۵۱۔

(۴) کشف الباری: ۲/۵۵۹۔

(۵) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الجنائز، باب من قام لجنائزۃ یهودی۔

درمیان ایک جگہ کا نام ہے، اس مقام کو حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کی افواج کے مابین ہونے والی جنگ سے شہرت ملی۔

یہ جنگ یکم صفر ۳۷ ہجری کو لڑی گئی، فریقین کی تعداد میں اختلاف ہے، اصح قول کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر کی ایک لاکھ بیس ہزار اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فوجی نوے ہزار تھے، اس جنگ میں دونوں اطراف کے ستر ہزار افراد تہ تیغ ہوئے، جن میں پچیس ہزار اصحاب علی اور پینتالیس ہزار اصحاب معاویہ (رضی اللہ عنہما) شامل تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے پچیس بدری صحابہ بھی شہید ہوئے۔

یہ جنگ ۱۱۰ (ایک سو دس) دن تک جاری رہی اور فریقین کے درمیان نوے مرتبہ جھڑپیں اور آئنا سامنا ہوا (۱)۔

فسمعتُ سهلَ بنَ حنيفةٍ يقولُ: اتَّهموا رأيكم.....

تو میں نے سهل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اے لوگو! تم اپنی رائے کو متہم سمجھو.....

یہ حدیث مغازی میں آچکی ہے، وہیں اس کی مکمل شرح بھی کر دی گئی ہے، جس کا خلاصہ مع ترجمہ حدیث ذیل میں ہم نقل کرتے ہیں:

جنگ صفین میں حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جب جنگ شروع ہوئی تو آہستہ آہستہ حضرت علی کے ساتھی غالب آنے لگے، قریب تھا کہ حضرت معاویہ کو مکمل شکست ہو جائے کہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی رائے سے قرآن کریم کو حکم اختیار کرنے پر فریقین کا اتفاق ہوا، جس پر حضرت علی کے کچھ ساتھیوں نے اعتراض کیا کہ ہم اس وقت غالب ہیں، اس پر حضرت سهل بن حنیف رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ”اتَّهموا رأيكم.....“ کہ اے لوگو! تم اپنے کو اور اپنی رائے کو بھی متہم سمجھو، ضروری نہیں کہ وہ درست ہو، ہو سکتا ہے کہ فریق مخالف کی رائے ہی صحیح ہو، کیوں کہ صلح حدیبیہ میں، میں موجود تھا، اس وقت میری یہی رائے تھی کہ جنگ ہونی چاہیے، صلح نہیں ہونی چاہیے، اس کے باوجود ہم نے اپنی رائے چھوڑ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے پر عمل کیا، جس کا نتیجہ اچھا اور انجام بخیر ہوا، جب کہ وہاں معاملہ کفر و اسلام تھا اور یہاں مسلمانوں کے آپس

کا ہے، اس لیے اس میں اپنی ہی رائے کو حتمی سمجھ کر قتل مسلم کو جاری رکھنے پر اصرار نہیں کرنا چاہیے۔
اور ہم نے اپنے کاندھوں پر کسی ایسے امر کے لیے جو ہمیں گھبراہٹ میں ڈالتا ہو، تلواریں نہیں اٹھائیں،
مگر یہ کہ وہ تلواریں ہمارے لیے اس معاملے کو آسان کر دیتی تھیں، لیکن جنگ صفین کا یہ معاملہ بہت پیچیدہ بن گیا
ہے۔ اس سے خلاصی کی صورت سمجھ میں نہیں آرہی (۱)۔

(۳۰۱۱) : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ : حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ آدَمَ : حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ عَبْدِ
الْعَزِيزِ . عَنْ أَبِيهِ : حَدَّثَنَا حَبِيبُ بْنُ أَبِي ثَابِتٍ قَالَ : حَدَّثَنِي أَبُو وَائِلٍ قَالَ : كُنَّا بِصَفِينِ .
فَقَامَ سَهْلُ بْنُ حَنِيفٍ فَقَالَ : أَيُّهَا النَّاسُ اتَّهِمُوا أَنْفُسَكُمْ ، فَإِنَّا كُنَّا مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ يَوْمَ
الْحُدَيْبِيَّةِ ، وَلَوْ نَرَى قِتَالًا لَقَاتَلْنَا . فَجَاءَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللَّهِ . أَلَسْنَا عَلَى
الْحَقِّ وَهُمْ عَلَى الْبَاطِلِ ؟ فَقَالَ : (بَلَى) . فَقَالَ : أَلَيْسَ قَتَلَانَا فِي الْجَنَّةِ وَقَتْلَاهُمْ فِي النَّارِ ؟ قَالَ :
(بَلَى) . قَالَ : فَعَلَامَ نُعْطِي الدِّيَّةَ فِي دِينِنَا ، أَنْ رُجِعَ وَلَمَّا يَحْكُمِ اللَّهُ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ ؟ فَقَالَ :
(يَا ابْنَ الْخَطَّابِ ، إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ وَلَنْ يُضَيِّعَنِي اللَّهُ أَبَدًا) . فَانْطَلَقَ عُمَرُ إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَقَالَ لَهُ مِثْلُ
مَا قَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ ، فَقَالَ : إِنَّهُ رَسُولُ اللَّهِ وَلَنْ يُضَيِّعَهُ اللَّهُ أَبَدًا ، فَتَرَكْتُ سُورَةَ الْفَتْحِ ، فَقَرَأَهَا
رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَى عُمَرَ إِلَى آخِرِهَا . فَقَالَ عُمَرُ : يَا رَسُولَ اللَّهِ . أَوْ فَتَحَ هُوَ ؟ قَالَ : (نَعَمْ) .
[۳۹۵۳ ، ۴۵۶۳ ، ۶۸۷۸]

تراجم رجال

۱- عبد اللہ بن محمد

یہ امام عبد اللہ بن محمد بن عبد اللہ مسندی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الایمان، ”باب امور

الایمان“ کے تحت گزر چکا ہے (۳)۔

(۱) دیکھیے، کشف الباری، کتاب المغازی، باب غزوة الحديبية : ۴۰۰-۴۰۳، نیز دیکھیے، عمدة القاري:

(۲) قولہ: ”سهل بن حنيف“: الحديث، مر تخريجه آنفاً.

(۳) کشف الباری: ۶۵۷/۱.

۲- یحییٰ بن آدم

یہ یحییٰ بن آدم کو فی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۱)۔

۳- یزید بن عبدالعزیز

یہ ابو عبد اللہ یزید بن عبدالعزیز بن سیاہ (۲)، اسدی، حنّانی، کو فی رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور قطبہ بن عبدالعزیز کے بھائی ہیں (۳)۔

یہ اپنے والد عبدالعزیز، اعمش، رقبہ بن مصقلہ، عبید اللہ بن عمر، اسماعیل بن ابی خالد، ہشام بن عروہ، مسعر، حجاج بن ارطاة اور محمد بن عمرو بن علقمہ رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں۔

اور ان سے روایت کرنے والوں میں اسحاق بن منصور سلولی، ابو احمد زبیری، ابو معاویہ الضریر، عمرو بن عبدالغفار تمیمی، علی بن میسرہ رازی، ہاشم بن عبدالواحد الجشاس اور ابو نعیم رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ شامل ہیں (۴)۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ”ثقة“ (۵)۔

امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ”ثقة“ (۶)۔

امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ”ثقة“ (۷)۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”ثقة“ (۸)۔

(۱) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الغسل، باب الغسل بالصاع ونحوہ۔

(۲) قولہ: ”سیاہ“: بکسر السین المهملة، وتخفيف الياء آخر الحروف، وبالهاء وصلا ووقفا، منصرف وغير

منصرف، والأصح الانصراف۔ عمدة القاري: ۱۵/۱۰۴۔

(۳) تہذیب الکمال: ۱۹۳/۳۲، وتہذیب التہذیب: ۱۱/۳۴۶۔

(۴) شیوخ وتلامذہ کے لیے دیکھیے، تہذیب الکمال: ۱۹۴/۳۲۔

(۵) حوالہ بالا، وتہذیب التہذیب: ۱۱/۳۴۷، والجرح والتعديل: ۹/۳۴۳، رقم (۱۱۶۹)۔

(۶) تاریخ عثمان بن سعید الدارمی، رقم (۵۷)، وحوالہ جات بالا۔

(۷) تہذیب الکمال: ۱۹۵/۳۲، وتہذیب التہذیب: ۱۱/۳۴۷۔

(۸) الکاشف: ۲/۳۸۷، رقم (۶۳۳۷)۔

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے (۱)۔

علاوہ ازیں حافظ ابن حجر، حافظ یعقوب بن سقیان، امام دارقطنی، امام ابو حاتم، امام ترمذی رحمہم اللہ و دیگر نے بھی ان کو ثقہ کہا ہے (۲)۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ امام مسلم، ابوداؤد اور نسائی رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی ان سے روایت لی ہے (۳)۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمة واسعة

۴۔ عبدالعزیز

یہ عبدالعزیز بن سیاہ اسدی، حمانی (۴)، کو فی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۵)۔

یہ اپنے والد سیاہ اور حبیب بن ابی ثابت، ابن ابی عمرہ، اعمش، شعبی، مسلم الملائکی الا عور اور حکم بن عینیہ وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے روایت کرتے ہیں۔

اور ان سے روایت کرنے والوں میں ان کے صاحبزادے یزید اور عبداللہ بن نمیر، ابو معاویہ، یعلیٰ بن عبید، یونس بن بکر، عبید اللہ بن موسیٰ، کعب اور ابو نعیم رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ شامل ہیں (۶)۔
امام یحییٰ بن معین اور امام ابوداؤد رحمہما اللہ فرماتے ہیں، ”ثقة“ (۷)۔

(۱) الثقات: ۶۲۳/۷، وتہذیب الکمال: ۱۹۵/۳۲۔

(۲) تہذیب التہذیب، رقم (۷۷۷۷)، وتعلیقات تہذیب الکمال: ۱۹۵/۳۲، وتہذیب التہذیب: ۳۴۷/۱۱،

والجرح والتعديل، رقم (۱۱۶۹)، وسنن الترمذی، مناقب عمار بن یاسر، رقم (۳۷۹۹)، وحاشیة سبط ابن

العجمی علی الکاشف: ۳۸۷/۲، والمعرفة والتاریخ للفسوی: ۱۷۷/۳، الکنی..... ومن يعرف بالکنی۔

(۳) تہذیب الکمال: ۱۹۵/۳۲، والکاشف: ۳۸۷/۲۔

(۴) قولہ: ”الحِمْيَانِي“: بکسر المہملہ..... وشدة میم وبنون. انظر تعلیقات تہذیب التہذیب: ۳۴۰/۶،

وتوضیح المشتبه، باب الحیم: ۴۱۷/۲۔

(۵) تہذیب الکمال: ۱۴۴/۱۸، وتہذیب ابن حجر: ۳۴۰/۶، والجرح والتعديل: ۴۵۰/۵، رقم (۱۷۸۹)۔

(۶) شیوخ وتلامذہ کی تفصیل کے لیے دیکھیے، تہذیب الکمال: ۱۴۵/۱۸۔

(۷) تہذیب الکمال: ۱۴۵/۱۸-۱۴۶، وتہذیب التہذیب: ۳۴۱/۶۔

ابو حاتم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ”محله الصدق“ (☆)۔

ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کتاب الثقات میں ذکر کیا ہے (❁)۔

ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ”کان من خيار الناس، وله أحاديث“ (۱)۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ”شیعی صدوق“ (۲)۔

امام ابو زرعة رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ”لا بأس به، هو من كبار الشيعة“ (۳)۔

علاوہ ازیں حافظ ابن حجر، امام عجل، امام ابن نمیر اور حافظ یعقوب بن سفیان رحمہم اللہ تعالیٰ نے بھی ان

کی توثیق کی ہے (۴)۔

امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ باقی ائمہ شیعہ نے ان سے روایت لی ہے (۵)۔

ابو جعفر منصور کے عہد خلافت میں ان کا انتقال ہوا (۶)۔ رحمہ اللہ تعالیٰ ورحمۃ واسعۃ

۵- حبیب بن ابی ثابت

یہ حبیب بن ابی ثابت دینار کو فی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۷)۔

۶- ابو وائل

حضرت ابو وائل کے حالات کتاب الإیمان، ”باب خوف المؤمنین“ کے تحت آچکے (۸)۔

(☆) تہذیب الکمال: ۱۴۶/۱۸، والجرح والتعديل، رقم (۱۷۸۹)، وتہذیب ابن حجر: ۳۴۱/۶۔

(❁) الثقات لابن حبان: ۱۱۴/۷۔

(۱) الطبقات الكبرى: ۳۶۳/۶، وتعليقات تہذیب الکمال: ۱۴۶/۱۸۔

(۲) الکاشف: ۶۵۵/۱، رقم (۳۳۹۱)۔

(۳) تہذیب الکمال: ۱۴۶/۱۸، وتہذیب التہذیب: ۳۴۱/۶، والجرح والتعديل: ۴۵۱/۵۔

(۴) تقریب التہذیب، رقم (۴۱۱۴)، وتہذیب التہذیب: ۳۴۱/۶، وتعليقات تہذیب الکمال: ۱۴۶/۱۸۔

(۵) الکاشف: ۶۵۵/۱، وتہذیب الکمال: ۱۴۶/۱۸۔

(۶) الطبقات الكبرى: ۳۶۳/۶۔

(۷) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الصوم، باب صوم داود علیہ السلام۔

(۸) کشف الباری: ۵۵۹/۲۔

یہ حدیث سابق کا دوسرا طریق ہے، اس طریق میں بہ نسبت حدیث سابق کے قدرے تفصیل ہے کہ اس میں حضرت ابو جندل رضی اللہ عنہ کے معاملے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے درمیان جو مکالمہ ہوا تھا، اس کا ذکر بھی ہے، جس کی تفصیل مغازی میں آچکی ہے (۱)۔

ترجمة الباب کے ساتھ مناسبت

گذشتہ باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بتلایا تھا کہ غدر و بد عہدی کا انجام بہر حال برا ہے، یہی نتیجہ حضرت ابو وائل کی اس حدیث سے بھی نکلتا ہے کہ قریش نے صلح حدیبیہ کے بعد جو بد عہدی کی، اس کا نتیجہ ان کے لیے یہ نکلا کہ فتح مکہ کے ذریعے مسلمان ان پر غالب ہو گئے اور قریش مقہور و مغلوب ہوئے، اس سے واضح ہوا کہ بد عہدی کا انجام برا اور ایفائے عہد کا انجام اچھا ہوتا ہے، چنانچہ علامہ یعنی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ فرماتے ہیں:

”تعلق هذا الحديث بالباب المترجم من حيث ما آل أمر قریش، في

نقضهم العهد؛ من الغلبة عليهم والقيصر بفتح مكة؛ فإنه يوضح أن مآل الغدر

مذموم، ومقابل ذلك ممدوح“ (۲)۔

۳۰۱۲ : حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ : حَدَّثَنَا حَاتِمٌ ، عَنْ هِشَامِ بْنِ غُرُودَ ، عَنْ أَبِيهِ ، عَنْ
أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَتْ : قَدِمْتُ عَلَى أُمِّي وَهِيَ مُشْرِكَةٌ . فِي عَهْدِ قُرَيْشٍ إِذْ
عَاهَدُوا رَسُولَ اللَّهِ ﷺ وَمَدَّتْهُمْ مَعَ أَبِيهَا . فَاسْتَفْتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فَقَالَتْ : يَا رَسُولَ اللَّهِ ،
إِنَّ أُمِّي قَدِمَتْ عَلَيَّ وَهِيَ رَاغِبَةٌ ، أَفَأَصِلُهَا ؟ قَالَ : (نَعَمْ صِلِيهَا) . [ر : ۲۴۷۷]

تراجم رجال

۱- قتيبة بن سعيد

یہ شیخ الاسلام قتیبة بن سعید ثقفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الايمان، ”باب إفشاء

(۱) كشف الباري، كتاب المغازي، باب غزوة الحديبية: ۳۶۷-۳۶۹۔

(۲) عمدة القاري: ۱۵/۱۰۳، وفتح الباري: ۶/۲۸۱۔

(۳) قوله: ”عن أسماء بنت...“: الحديث، مر تخريجه في الهبة، باب الهدية للمشركين۔

السلام من الإيمان“ کے تحت گذر چکا ہے (۱)۔

۲- حاتم بن اسمعيل

یہ ابو اسماعیل حاتم بن اسماعیل کو فی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

۳- هشام بن عروة عن أبيه

حضرت هشام بن عروة بن زبیر بن عوام اور ان کے والد عروہ کا تذکرہ ”بدء الوحي“ اور کتاب

الإيمان، ”باب أحب الدين إلى الله أدومه“ کے تحت آچکا ہے (۳)۔

۵- أسماء بنت أبي بكر

حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کے مفصل حالات کتاب العلم، ”باب من أجاب الفتيا

بإشارة اليد“ کے تحت گذر چکے ہیں (۴)۔

قالت: قدمت علي أمي

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میری والدہ میرے پاس آئیں۔

حضرت اسماء کی والدہ کا مختصر تعارف

یہاں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت اسماء کی والدہ کا نام کیا تھا؟ اس میں مختلف اقوال ہیں:

ابن سعد، ابوداؤد طیالسی اور حاکم کی روایت سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ ان کا نام قتیلہ (مصغرا) تھا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے:

”قدمت قتيلة بنت عبد العزى بن سعد من بني مالك بن حنشل على

ابنتها: أسماء بنت أبي بكر في الهدنة، وكان أبو بكر طلقها في الجاهلية،

(۱) کشف الباری: ۱۸۹/۲۔

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب، بعد باب استعمال فضل وضوء الناس۔

(۳) کشف الباری: ۲۹۱/۱، و: ۴۳۲/۲-۴۴۰۔

(۴) کشف الباری: ۴۸۷/۳۔

بهدايا: زبيب وسمن وقرظ (۱)، فأبت أسماء أن تقبل هديتها أو تدخلها في بيتها، وأرسلت إلى عائشة: سلي رسول الله صلى الله عليه وسلم، فقال: لتدخلها (۲). (اللفظ لابن سعد).

یعنی: ”قتیلہ بنت عبدالعزی بن سعد..... اپنی بیٹی حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہما کے پاس صلح کے دنوں میں آئیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ انہیں جاہلیت میں طلاق دے چکے تھے، کچھ سامان بھی ساتھ لے کر آئیں، مثلاً کشمش، گھی اور زیور وغیرہ۔ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے ہدایا قبول کرنے سے انکار کیا اور انہیں گھر میں آنے کی اجازت بھی نہیں دی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف پیغام بھجوایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بابت پوچھ لیں۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ ان کے گھر داخل ہو سکتی ہیں۔“

مذکورہ بالا روایت سے جہاں یہ بات معلوم ہوئی کہ ان کی والدہ کا نام قتیلہ تھا، وہیں یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ حضرت اسماء کی حقیقی والدہ تھیں، اس لیے رضاعی ماں تصور کرنا وہم ہے (۳)۔

اور زبیر بن بکار نے ان کا نام قیلہ اور ابن ماکولانے قتلہ نقل کیا ہے، شاید کسی نے ان کو مصغر اکتیلہ بنا دیا ہو (۴)۔

جب کہ علامہ داؤدی نے ان کا نام ام بکر نقل کیا ہے، جس کے بارے میں ابن التین رحمۃ اللہ علیہ

(۱) ابوداؤد طیالسی کی روایت میں یہ لفظ طائے مہملہ کے ساتھ قرط آیا ہے، جس کے معنی کان کی بالی کے ہیں۔ غالباً یہی لفظ درست ہے، قرظ (طائے معجمہ کے ساتھ) کے معنی گوند کے ہیں، جس کا یہاں کوئی مطلب نہیں، اس لیے ہم نے ترجمہ میں زیور کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ترجیحاً لروایۃ الطیالسی، انظرہ: ۲/۲۸۹، رقم (۱۷۴۴)، جب کہ حاکم (۲/۵۲۷) کی روایت میں ”إفطنا“ آیا ہے، جس کے معنی پنیر کے ہیں، یہ معنی بھی محتمل ہو سکتے ہیں۔

(۲) الطبقات الکبری: ۲۵۲/۸، ترجمۃ أسماء بنت أبی بکر، ومسند أبی داود الطیالسی: ۲/۲۸۸-۲۸۹، رقم (۱۷۴۴)، والحاکم: ۲/۵۲۷، رقم (۳۸۰۴)، کتاب التفسیر، تفسیر سورة الممتحنة، والمطالب العالیة: ۳/۳۸۷، رقم (۳۷۷۸)، سورة الممتحنة من کتاب التفسیر، وجمهرة أنساب العرب: ۱/۱۳۷.

(۳) فتح الباری: ۵/۲۳۳.

(۴) حوالہ بالا، والإکمال لابن ماکولا، ۷/۱۳۰، باب قیلہ وقتلہ.

فرماتے ہیں کہ شاید یہ کنیت ہے (☆)۔

حضرت ابوبکر کے صاحبزادے عبداللہ بھی ان کے بطن سے تھے (۱)۔

وهي مشرکة

در انحالیکہ وہ مشرک تھیں۔

راجح یہی ہے کہ حضرت اسماء کی والدہ کا انتقال حالت شرک ہی میں ہوا، بعض حضرات نے ان کے

اسلام قبول کرنے کا جو کہا، وہ غلط ہے (۲)۔

في عهد قریش إذ عاهدوا رسول الله صلى الله عليه وسلم ومدتهم

ان دنوں میں جب قریش نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کر رکھی تھی۔

یہاں عہد سے مراد ”صلح حدیبیہ“ ہے۔

اور مطلب یہ ہے کہ حضرت اسماء کے ہاں ان کی والدہ کا جو آنا ہوا، وہ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیانی

دنوں میں تھا (۳)۔

مع أبيها

اپنے والد کے ساتھ۔

اس میں ضمیر مجرور حضرت اسماء کی والدہ کی طرف لوٹ رہی ہے، یعنی ان کی والدہ کے ساتھ ان کے نانا

بھی تھے۔ اور یہ غلط اور تصحیف ہے۔ صحیح لفظ ”ابنہا“ ہے، یعنی اپنے بیٹے کے ساتھ، جن کا نام حارث بن مدرک

بن عبید بن عمرو بن مخزوم ہے، کما قاله الزبير بن بكار. حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”ولم أر له ذكرا في الصحابة، فكأنه مات مشركاً“ (۴)۔

(۱) فتح الباری: ۲۳۳/۵۔

(۱) حوالہ بالا

(۲) فتح الباری: ۲۳۴/۵، وعمدة القاري: ۱۷۴/۱۳، کتاب الهبة، باب الهدية للمشرکین، رقم (۲۶۲۰)۔

(۳) فتح الباری: ۲۳۴/۵، وعمدة القاري: ۱۰۴/۱۵، وشرح القسطلاني: ۲۴۵/۵۔

(۴) فتح الباری: ۲۳۴/۵، وأيضاً عمدة القاري: ۱۷۳/۱۳، وإرشاد الساري: ۳۶۲/۴۔

پھر ان کے باپ یعنی حضرت اسماء کے نانا کے نام میں بھی اختلاف ہے، بعضوں نے کہا ہے کہ عبدالعزی نام ہے اور یہی مشہور ہے (۱)۔

جب کہ علامہ قسطلانی کا کلام اس میں مختلط ہے، چنانچہ کبھی وہ ان کا نام عبدالعزی لکھتے ہیں (۲) اور کہیں حارث بن مدرک ان کا نام لکھا ہے (۳)، لیکن یہ غلط ہے، اصل میں حارث بن مدرک تو ان کے بیٹے کا نام ہے، اس طرح مدرک بن عبید شوہر ہوئے۔

فاستفتت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالت: یا رسول اللہ، إن أمي قدمت علي وهي راغبة أفأصلها؟ قال: نعم، صليها.

چنانچہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! میری والدہ میرے پاس آئی ہیں، درنحالیکہ وہ رغبت رکھتی ہیں، میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کروں؟ آپ نے فرمایا، بالکل کرو۔ فاستفتت اور قالت کی ضمیر غائب حضرت اسماء کی طرف راجع ہے، جب کہ ابو ذر اور حموی کے نسخے میں فاستفتیت و قلت ضمیر متکلم کے ساتھ ہے (۴)۔ اور ”وہی راغبة“ کے دو معنی و مطلب ہیں:

① وہی راغبة فی أن تأخذ مني بعض المال کہ وہ مجھ سے کچھ مال لینے میں رغبت رکھتی ہیں، مطلب یہ ہوا کہ ان کے میرے پاس آنے کا مقصد یہ ہے کہ میں انہیں کچھ دوں، میں ان پر خرچ کروں۔ اور یہ جائز ہے کہ عورت اپنی والدہ یا والد کو کچھ مال وغیرہ دے دے، اگرچہ مال شوہر کا ہو اور والدہ یا والد مشرک ہوں، اس پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الأدب میں دو ترجمے بھی قائم کیے ہیں (۵)۔

② وہی راغبة فی الإسلام کہ وہ اسلام قبول کرنے میں رغبت رکھتی ہیں، مطلب یہ ہے کہ وہ اسلام

(۱) فتح الباری: ۲۳۴/۵، وعمدة القاری: ۱۷۴/۱۳، والإصابة: ۲۲۹/۴، رقم (۴۶)۔

(۲) لم أحده فی شرح القسطلانی۔

(۳) شرح القسطلانی: ۲۴۵/۵۔

(۴) حوالہ بالا۔

(۵) صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب صلة الوالد المشرك، وباب صلة المرأة أمها ولها زوج۔ نیز دیکھیے،

کشف الباری، کتاب الأدب: ۳۴۲-۳۴۴۔

قبول کرنے کی نیت سے آئی ہیں (۱)۔

اسی مطلب کو لے کر بعض حضرات نے ان کے مسلمان ہونے کا قول نقل کر دیا، جس کو ابو موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے یوں رد کیا ہے کہ کسی بھی روایت میں یہ منقول نہیں کہ انہوں نے اسلام قبول کیا تھا، درست مطلب وہی ہے جو اوپر گزرا کہ وہ مال لینے کو آئی تھیں، اسی لیے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے استفسار بھی کیا تھا، اگر اسلام قبول کرنے آئی ہوئیں تو اجازت کی ضرورت ہی نہیں تھی (۲)۔

علاوہ ازیں اس جملے کے اور معنی بھی بیان کیے گئے ہیں (۳)، ان سب میں رائج قول پہلا ہی ہے۔
کما يدل عليه صنيع البخاري أيضاً.

ترجمة الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

ترجمہ سابقہ کے ساتھ اس حدیث کا تعلق و مناسبت بایں معنی ہے کہ عدم غدر کا مقتضایہ ہے کہ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی و حسن سلوک جائز ہو، اگرچہ وہ غیر مذہب پر ہوں، بلاشبہ یہ حدیث اس مقتضا پر پوری اترتی ہے (۴)۔

حضرت شیخ الحدیث کی رائے

جیسا کہ یہ بات آپ کی نظروں سے گزری کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں ترجمۃ الباب میں صرف ”باب“ کہا ہے اور سابق میں ہم شراح بخاری کے حوالے سے یہ نقل کر چکے ہیں کہ یہ کالفصل من السابق ہے، یعنی جو مقصد سابقہ باب کا تھا وہی اس باب کا بھی ہے اور یہ اس کا تتمہ ہے۔

لیکن حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس باب کے لیے یہ ترجمہ قائم کیا جاسکتا ہے،
”باب مضار الغدر ومنافع عدمه أي الوفاء“ (۵)۔

(۱) فتح الباری: ۲۳۴/۵، وعمدة القاری: ۱۷۴/۱۳، وإرشاد الساری: ۲۴۵/۵۔

(۲) فتح الباری: ۲۳۴/۵، وعمدة القاری: ۱۷۴/۱۳۔

(۳) فتح الباری: ۲۳۴/۵۔

(۴) عمدة القاری: ۱۰۴/۱۵، وفتح الباری: ۲۸۲/۶۔

(۵) الأبواب والتراجم للکناں دہلوی: ۲۰۹/۱۔

یعنی اس باب کو قائم کرنے کا مقصد یہ ہے کہ بد عہدی و غد ر کی مضرتیں و نقصانات اور وفائے عہد کے منافع و مصالح کو بیان کیا جائے۔

بلاشبہ احادیث باب اس ترجمہ پر پورا اترتی ہیں، پہلی حدیث جس کا تعلق حدیبیہ سے تھا، تو اس طرح اس ترجمہ سے منطبق ہوگی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے صلح حدیبیہ کے شرائط کی پاسداری کی، اگرچہ بعض کا دل مطمئن نہیں تھا، لیکن اس کا ثمرہ ”فتح مکہ“ کی صورت میں ظاہر ہوا، اسی لیے اللہ عز و جل نے صلح حدیبیہ کو فتح مبین قرار دیا تھا۔

جب کہ دوسری حدیث، یعنی حدیث اسماء رضی اللہ عنہا کا تعلق بھی صلح حدیبیہ سے ہے، کہ حضرت اسماء کی مذکورہ والدہ ان کے پاس صلح کے دنوں میں آئی تھیں، چنانچہ مسلمانوں اور خود حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے مذکورہ معاہدے کی پاسداری کرتے ہوئے ان کی والدہ کو کچھ بھی نہیں کہا، کوئی نقصان نہیں پہنچایا، بلکہ انہیں فائدہ ہی پہنچایا، حالانکہ وہ مشرک تھیں اور کچھ بھی ممکن تھا، اس سے وفائے عہد کی اہمیت و منفعت بخوبی واضح ہو رہی ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

۱۸ - باب : الْمُصَالَحَةِ عَلَى ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ أَوْ وَقْتٍ مَعْلُومٍ

ترجمہ الباب کا مقصد

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہاں یہ فرما رہے ہیں کہ کفار کے ساتھ جو مصالحت کی جائے گی وہ تین دن کے لیے بھی ہو سکتی ہے اور اس کے لیے کوئی اور وقت بھی مقرر کیا جاسکتا ہے (۱)۔

صلح کی انتہائی مدت کیا ہے؟

وقت مقررہ میں مصالحت کے اندر اتفاق ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے، لیکن اس میں اختلاف ہے کہ مصالحت کی زیادہ سے زیادہ مدت کیا ہو سکتی ہے؟

ائمہ اربعہ میں امام شافعی اور ایک روایت میں امام احمد کی رائے یہ ہے کہ مصالحت کی مدت زیادہ سے زیادہ دس سال مقرر کی جاسکتی ہے، اگر اس سے زائد کوئی مدت مقرر ہو تو وہ باطل ہے، اس زیادتی کا اعتبار نہیں ہوگا (۲)۔

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۱۰۴، وفتح الباري: ۶/۲۸۲۔

(۲) المغني: ۹/۲۳۸، رقم (۷۵۹۱)، والام: ۲/۴/۱۸۹، المهادنة على النظر للمسلمين، رقم (۱۳۳۵۶)۔

یہ حضرات صلح حدیبیہ سے استدلال کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں دس سال کی مدت مقرر فرمائی تھی، چنانچہ ابوداؤد اور سیرت ابن اسحاق (۱) میں دس سال کی مدت کی صراحت موجود ہے۔ جب کہ امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک اور ایک روایت میں امام احمد رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ یہ مدت دس سال سے زائد ہو تو بھی جائز ہے، امام وقت کی رائے پر اس کا مدار ہے، وہ جتنی مدت مناسب سمجھے مقرر کر سکتا ہے (۲)۔

اور صلح حدیبیہ کی مدت سے استدلال کرنا بے محل ہے، اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر دس سال کی مدت مقرر کی تھی تو اس سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ اس سے اضافہ ممکن نہیں اور آپ نے اس مدت کو انتہائی مدت قرار دیا ہے؟ اس وقت مصلحت کا تقاضا یہی تھا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس سال کی مدت مقرر فرمائی تھی۔

نیز امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ ایک عقد ہے، جو دس سال کے لیے جائز ہے تو اس سے زائد مدت کے لیے بھی جائز ہوگا، جیسا کہ اجارہ میں ہوتا ہے (۳)۔

۳۰۱۳ : حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ عُمَانَ بْنِ حَكِيمٍ : حَدَّثَنَا شَرِيعُ بْنُ مَسْلَمَةَ : حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ يُوسُفَ بْنِ أَبِي إِسْحَقَ قَالَ : حَدَّثَنِي أَبِي ، عَنْ أَبِي إِسْحَقَ قَالَ : حَدَّثَنِي الْبَرَاءُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ (۱) أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ لَمَّا أَرَادَ أَنْ يَعْتَمِرَ ، أَرْسَلَ إِلَى أَهْلِ مَكَّةَ ، يَسْتَأْذِنُهُمْ لِيَدْخُلَ مَكَّةَ ، فَأَشْرَطُوا عَلَيْهِ أَنْ لَا يُقِيمَ بِهَا إِلَّا ثَلَاثَ لَيَالٍ ، وَلَا يَدْخُلَهَا إِلَّا بِجُلْبَانِ السَّلَاحِ ، وَلَا يَدْعُو مِنْهُمْ أَحَدًا ،

(۱) "قال ابن المنذر: اختلف العلماء في المدة التي كانت بين رسول الله صلى الله عليه وسلم وبين أهل مكة عام الحديبية؟ فقال عروة: كانت أربع سنين، وقال ابن جريج: كانت ثلاث سنين، وقال ابن إسحاق: كانت عشر سنين". انظر تفسير القرطبي: ۴۰/۸.

(۲) امام قرطبي رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وقال ابن حبيب عن مالك رضي الله عنه: تجوز مهادة المشركين السنة والسنتين والثلاث، وإلى غير مدة". الجامع لأحكام القرآن: ۴۱/۸، وانظر أيضاً بداية المجتهد: ۴۳۹/۳، الفصل السادس في جواز المهادة.....، والهداية: ۲۰۴/۴، باب الموادة، من كتاب السير.

(۳) المغني: ۲۳۸/۹.

(۴) قوله: "البراء": الحديث، مر تخريجه في كتاب العمرة، باب كم اعتمر النبي صلى الله عليه وسلم؟

قَالَ : فَأَخَذَ يَكْتُبُ الشَّرْطَ بَيْنَهُمْ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ : فَكَتَبَ : هَذَا مَا قَاضَى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ ، فَقَالُوا : لَوْ عَلِمْنَا أَنَّكَ رَسُولُ اللَّهِ لَمْ نَمْنَعَكَ وَلَبَّيْنَاكَ ، وَلَكِنْ أَكْتُبْ : هَذَا مَا قَاضَى عَلَيْهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ ، فَقَالَ : (أَنَا وَاللَّهُ مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ ، وَأَنَا وَاللَّهُ رَسُولُ اللَّهِ) . قَالَ : وَكَانَ لَا يَكْتُبُ ، قَالَ : فَقَالَ لِعَلِيٍّ : (أَمَحَ رَسُولَ اللَّهِ) . فَقَالَ عَلِيٌّ : وَاللَّهُ لَا أُمَحَاهُ أَبَدًا ، قَالَ : (فَأَرِنِيهِ) . قَالَ : فَأَرَاهُ إِيَّاهُ فَمَحَاهُ النَّبِيُّ ﷺ بِيَدِهِ . فَلَمَّا دَخَلَ وَمَضَى الْأَيَّامُ ، أَتَوْا عَلِيًّا فَقَالُوا : مُرْ صَاحِبَكَ فَلْيَرْتَحِلْ ، فَذَكَرَ ذَلِكَ لِرَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَقَالَ : (نَعَمْ) . ثُمَّ أَرْتَحِلَ .

[ر : ۱۶۸۹]

تراجم رجال

۱- احمد بن عثمان بن حكيم

یہ ابو عبد اللہ احمد بن عثمان بن حکیم بن دینار از دی کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۲- شريح بن مسلمه

یہ شریح بن مسلمہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۳- ابراهيم بن يوسف

یہ ابراہیم بن یوسف بن ابی اسحاق کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۴- أبي

اب سے مراد یوسف بن ابی اسحاق رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۱)۔

۵- ابو اسحاق

یہ مشہور محدث ابو اسحاق عمرو بن عبد اللہ کوفی سبعی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الایمان،

”باب الصلاة من الایمان“ کے تحت گزر چکے ہیں (۲)۔

(۱) ان چاروں حضرات کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الرضوء، باب إذا ألقى على ظهر المصلي قدر.....

(۲) كشف الباري: ۳۷۰/۲.

۶- البراء

براء بن عازب رضی اللہ عنہ کے حالات بھی کتاب الایمان کے مذکورہ بالا باب میں گذر چکے (۱)۔

حدیث باب کا ترجمہ

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عمرے کی ادائیگی کا ارادہ کیا تو اہل مکہ کی طرف سے مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی اجازت کے لیے پیغام بھیجا۔ چنانچہ اہل مکہ نے یہ شرط لگائی کہ آپ علیہ السلام وہاں صرف تین دن قیام کریں گے، ہتھیار بند ہو کر آئیں گے اور اہل مکہ میں سے کسی کو اپنے پاس آنے نہیں دیں گے۔

حضرات براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فریقین کے درمیان طے شدہ شرائط کو حضرت علی رضی اللہ عنہ لکھنے لگے تو انہوں نے لکھا، ”ہذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ“ اس پر قریش مکہ نے کہا کہ اگر ہمیں یہ یقین ہوتا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کو نہ روکتے اور آپ کی بیعت ضرور کرتے، لیکن یہ لکھیں، ”ہذا ما قاضی علیہ محمد بن عبد اللہ.....“ جناب نبی علیہ السلام نے فرمایا، بخدا! میں محمد بن عبد اللہ ہوں، بخدا! میں اللہ کا رسول ہوں۔ حضرت براء فرماتے ہیں کہ حضرت علی لکھنے پر آمادہ نہیں تھے تو نبی علیہ السلام نے ان سے کہا، ”رسول اللہ“ کے الفاظ مٹا دو۔ انہوں نے فرمایا، بخدا! میں ان کلمات کو نہیں مٹاؤں گا۔ فرمایا مجھے دکھلاؤ۔ انہوں نے وہ جگہ دکھلائی، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے ان کو مٹ دیا۔ جب نبی علیہ السلام مکہ میں داخل ہو گئے اور مذکورہ ایام بھی گذر گئے تو کفار مکہ حضرت علی کے پاس آئے اور کہا کہ اپنے مقتدا سے کہو کہ یہاں سے تشریف لے جائیں، یہ بات انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کی تو آپ نے فرمایا، ٹھیک ہے۔ پھر روانہ ہو گئے۔

جلبان کا ضبط و معنی

ولا یدخلھا إلا بجلبان السلاح میں جلبان جیم اور لام کے ضمہ اور بائے مشددہ کے ساتھ ہے، نیز اس کو جیم کے ضمہ، لام کے سکون اور بائے مخففہ کے ساتھ بھی ضبط کیا گیا ہے۔

جلبان چمڑے کی اس تھیلی کو کہتے ہیں جس میں میان سمیت تلوار رکھی جائے۔ علامہ ابن الاثیر فرماتے

ہیں، ”شبه الجراب من الأدم، ويوضع فيه السيف مغموداً“ (۱)۔

ترجمة الباب کے ساتھ مناسبت حدیث

حدیث باب کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت اس جملے سے بخوبی ظاہر ہو رہی ہے کہ ”أن لا یقیم

بها إلا ثلاث لیال“ (۲) جس سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ مقررہ وقت کے لیے صلح کی جاسکتی ہے۔

۱۹ - باب : المَوَادَعَةُ مِنْ غَيْرِ وَقْتٍ .

ترجمة الباب کا مقصد

یہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اس امر کا جواز بتلا رہے ہیں کہ وقت اور مدت کی تعیین کے بغیر اگر

مصالحت کی جائے تو اس کی بھی گنجائش ہے، اگر امام اس میں مصلحت سمجھتا ہے اور اس کی رائے ہے (۳)۔

مذکورہ مسئلہ میں اختلاف

اوپر ذکر کردہ مسئلے میں بھی ائمہ کا اختلاف ہے، احناف و شوافع و مالکیہ کی رائے میں بغیر تعیین وقت بھی

مصالحت درست ہے (۴)۔

ان حضرات کی دلیل وہی حدیث ہے جس کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تعلیقاً نقل کیا ہے، اس میں

ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کے ساتھ غیر معینہ مدت کے لیے صلح کی تھی، اس لیے اگر امام

وقت اور اہل رائے یہ سمجھتے ہوں اور اس کی ضرورت بھی ہو کہ صلح کر لی جائے تو جائز ہے، علامہ ابن بطل رحمۃ اللہ

علیہ فرماتے ہیں:

(۱) القساموس الوحید، باب الجیم، مادة ”جلب“، وعمدة القاري: ۱۵/۱۰۵، والنهایة فی غریب الحدیث:

۲۸۲/۱، باب الجیم مع اللام، وکشف المشکل: ۲/۲۵۰، من مسند البراء، رقم (۸۵۸)۔

(۲) عمدة القاري: ۱۵/۱۰۵، حدیث کی مزید تشریح کے لیے دیکھیے، کشف الباري، کتاب المغازی، باب صلح

الحدیبیة: ۳۶۵-۳۶۷۔

(۳) عمدة القاري: ۱۵/۱۰۵، وفتح الباري: ۶/۲۸۲۔

(۴) حوالہ جنات بالا، وابن بطل: ۵/۳۶۷، وإرشاد الساري: ۵/۲۴۶، والأُم: ۲/۴/۱۸۹، رقم (۱۳۳۵۷)۔

”ليس في أمر المهادنة حد عند أهل العلم لا يجوز غيره، وإنما ذلك

على حسب الحاجة، والاجتهاد في ذلك إلى الإمام وأهل الرأي“ (۱)۔

اس کے برخلاف حنا بلہ اس امر کے قائل ہیں کہ اس طرح کی مصالحت جائز نہیں (۲)۔

وَقَوْلِ النَّبِيِّ ﷺ : (أَقْرُكُمْ مَا أَقْرَكُمْ اللَّهُ بِهِ) . [ر : ۲۲۱۳]

اور نبی علیہ السلام کا قول مبارک جب تک اللہ تعالیٰ تمہیں اس جگہ برقرار رکھے، میں بھی برقرار رکھوں گا۔

تعلیق مذکور کا مقصد

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں اس لیے ذکر کیا کہ ان کے موقف، جو ترجمۃ الباب میں انہوں نے اختیار کیا، پر مستدل ہو کہ مصالحت بغیر تعیین مدت درست ہے، جیسا کہ یہ حدیث دلالت کر رہی ہے۔

تعلیق مذکور کی تخریج

مذکورہ تعلیق کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے موصولاً کتاب المزارعة (۳) میں نقل کیا ہے۔ اس موصول روایت کے ایک ٹکڑے کو مصنف علیہ الرحمۃ نے یہاں درج کیا ہے (۴)۔
ان کے علاوہ اس حدیث کو موصولاً امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی نقل کیا ہے (۵)۔

تعلیق کی ترجمۃ الباب سے مناسبت

ترجمۃ الباب کے ساتھ تعلیق کی مناسبت واضح ہے کہ ترجمہ غیر معینہ مدت کی مصالحت کے جواز کا تھا اور اس دعویٰ کی دلیل حدیث میں موجود ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

(۱) شرح ابن بطلال : ۳۶۷/۵۔

(۲) المغنی لابن قدامة : ۲۳۸/۹، رقم (۷۵۹۰)۔

(۳) الصحيح للبخاري، كتاب المزارعة، باب إذا قال رب الأرض: أقرك، رقم (۲۳۳۸)۔

(۴) عمدة القاري : ۱۵/۱۰۵، وفتح الباري : ۲۸۲/۶۔

(۵) الصحيح لمسلم، كتاب المساقاة، باب المساقاة والمعاملة بجزء من التمر، رقم (۳۹۶۷)۔

۲۰ - باب : طَرَحَ جَيْفَ الْمُشْرِكِينَ فِي الْبُئْرِ ، وَلَا يُؤْخَذُ لَهُمْ ثَمَنٌ .

ترجمہ الباب کا مقصد

اس ترجمے کے دو جز ہیں:

① طَرَحَ جَيْفَ الْمُشْرِكِينَ فِي الْبُئْرِ ، ② وَلَا يُؤْخَذُ لَهُمْ ثَمَنٌ .

پہلے جز کا مقصد یہ ہے کہ مشرکین کو قتل کرنے کے بعد کنوئیں میں پھینکنا جائز ہے، بلکہ مستحسن ہے، تاکہ گذرنے والوں کو تکلیف نہ ہو، بشرطیکہ کنوئیں میں پانی نہ ہو اور وہ ویسے ہی ویران پڑا ہوا ہو، ورنہ جائز نہیں ہوگا (۱)۔

دوسری بات یہ ہے کہ مشرکین کی اس میں اہانت ہے، جب کہ تدفین و تکفین اعزاز ہے اور مشرکین اس اعزاز کے مستحق نہیں۔

جیف کا ضبط اور معنی

جَيْفٌ - بكسر الجيم وفتح الياء - جيفة کی جمع ہے اور اس کے معنی لاش کے ہیں، جب وہ بو چھوڑنے لگے (۲)۔

دوسرے جزء کا مقصد یہ ہے کہ مشرکین کے اجسام و لاشوں کی بیع جائز نہیں ہے، اس لیے اگر ان کے ورثہ لاش کے بدلے قیمت دینا چاہیں تو اس کا لینا جائز نہیں ہوگا (۳)۔

یہ جمہور کا مذہب ہے، اس میں کسی کا اختلاف منقول نہیں، کما صرح به النووي رحمه الله (۴)۔

دلائل جمہور

① اس کی ایک دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، جس کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے

(۱) عمدة القاري: ۱۰۵/۱۵، وشرح ابن بطلال: ۳۶۸/۵، وإرشاد الساري: ۲۴۶/۵۔

(۲) عمدة القاري: ۱۰۵/۱۵، والنهاية للجزري: ۳۲۵/۱، باب الجيم مع الياء۔

(۳) عمدة القاري: ۱۰۵/۱۵، وشرح ابن بطلال: ۳۶۸/۵، وإرشاد الساري: ۲۴۶/۵۔

(۴) قال رحمه الله: "وأما الميتة والخمر والخنزير، فأجمع المسلمون على تحريم بيع كل واحد منها". انظر

شرح النووي على مسلم: ۲۳/۲۔

روایت کیا ہے کہ مشرکین نے چاہا کہ کسی مشرک آدمی کے جسد کو خریدیں، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرمادیا (۱)۔

۲ دوسری دلیل ابن اسحاق کا ذکر کردہ واقعہ ہے کہ مشرکین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ درخواست لے کر آئے کہ نوفل بن عبد اللہ کا جسد ہمیں دے دیں، یہ خندق میں کود کر مرا تھا، تو نبی علیہ السلام نے فرمایا، ”لا حاجة لنا في جسده، ولا بثمانه“ کہ ہمیں اس کی قیمت کی ضرورت ہے، نہ جسم کی۔ ابن ہشام کہتے ہیں کہ مشرکین نے نوفل بن عبد اللہ کے جسم کی دس ہزار درہم قیمت لگائی تھی (۲)۔

۳ اس کے علاوہ یہ وجہ بھی ہے کہ یہ میت ہے، جس کا تملک جائز ہے نہ عوض لینا، چنانچہ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کی ایک حدیث میں میت اور بتوں کی قیمت لینے کو ناجائز قرار دیا گیا ہے (۳)، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا:

”إن الله ورسوله حرم بيع الخمر والميتة والخنزير والأصنام.....“ (۴)۔

کہ ”اللہ اور اس کے رسول نے شراب، مردار، خنزیر اور بتوں کی بیع کو حرام قرار دیا ہے۔“
حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(۱) الجامع للترمذی، أبواب الجهاد، باب ما جاء لا تفادی جيفة المشركين، رقم (۱۷۱۵)۔

(۲) قال ابن اسحاق: ”.....: نوفل بن عبد الله بن المغيرة، سألوا رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يبيعهم جسده، وكان افتحم الخندق، فتورط فيه، فقتل، فغلب المسلمون على جسده، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا حاجة لنا في جسده ولا بثمانه، فخلى بينه وبينهم.“

قال ابن هشام: ”أعطوا رسول الله صلى الله عليه وسلم بجسده عشرة آلاف درهم، فيما بلغني عن الزهري.“ انظر السيرة النبوية: ۲۶۵/۳، قتلى المشركين (في غزوة الخندق)۔

(۳) ابن بطلال: ۳۶۸/۵، وفتح الباري: ۲۸۳/۶، وعمدة القاري: ۱۰۵/۱۵، والقسطلاني: ۲۴۶/۵۔

(۴) الحديث أخرجه البخاري في البيوع، باب بيع الميتة والأصنام، رقم (۲۲۳۶)، ومسلم في صحيحه في المساقاة، باب تحريم بيع الخمر والميتة، رقم (۴۰۴۸-۴۰۴۹)، والترمذي في البيوع، باب في بيع جلود الميتة، رقم (۱۲۹۷)، وأبوداود في الإجارة، باب في ثمن الخمر والميتة، رقم (۳۴۸۶)، والنسائي في البيوع، باب بيع الخنزير، رقم (۴۶۶۹)، وابن ماجه في التجارات، باب ما لا يحل بيعه، رقم (۲۱۶۷)۔

”ولا یؤخذ لهم ثمن“؛ فإن البیع وإن کان فیہ توهین للمبیع، ولكنه لا یخلو عن إعزاز له أیضاً؛ لما فیہ من جعله ذا خطر؛ إذ البیع لا یجری فیما لا رغبة فیہ، ولا هو ذو خطر، فنُهینا عن بیع أجساد المشرکین؛ لئلا یلزم فیہ إعزازها“ (۱)۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ ”اجساد مشرکین کا عوض نہیں لیا جائے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ بیع کی وجہ سے اگرچہ بیع کی توہین ہوتی ہے، لیکن ساتھ ہی اس میں اس کا اعزاز و اکرام بھی ہوتا ہے کہ اس کی کوئی حیثیت تھی تبھی تو قابل فروخت ہوئی، کیوں کہ بیع تو ان اشیاء کی ہوتی ہی نہیں، جن میں لوگوں کی رغبت نہ ہو، جن کی حیثیت نہ ہو، اسی لیے ہمیں اجساد مشرکین کی فروخت سے منع کیا گیا، تاکہ اس بیع کی وجہ سے ان کا اعزاز لازم نہ آئے، چنانچہ مطلقاً ممانعت کر دی گئی، اس طرح ان میں لوگوں کی رغبت ہوگی نہ ان کے نزدیک ان اجساد کی کوئی حیثیت۔“

۳۰۱۴ : حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عُثْمَانَ قَالَ : أَخْبَرَنِي أَبِي ، عَنْ شُعْبَةَ ، عَنْ أَبِي إِسْحَقَ ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ : بَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ سَاجِدٌ ، وَحَوْلَهُ نَاسٌ مِنْ قُرَيْشٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ، إِذْ جَاءَ عُقْبَةُ بْنُ أَبِي مُعَيْطٍ بِسَلَى جَزُورٍ ، فَقَذَفَهُ عَلَى ظَهْرِ النَّبِيِّ ﷺ ، فَلَمْ يَرْفَعْ رَأْسَهُ حَتَّى جَاءَتْ فَاطِمَةُ عَلَيْهَا السَّلَامُ ، فَأَخَذَتْ مِنْ ظَهْرِهِ ، وَدَعَتْ عَلَى مَنْ صَنَعَ ذَلِكَ ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : (اللَّهُمَّ عَلَيْكَ الْمَلَأُ مِنْ قُرَيْشٍ ، اللَّهُمَّ عَلَيْكَ أَبَا جَهْلٍ بْنُ هِشَامٍ ، وَعُقْبَةُ بْنُ رَبِيعَةَ ، وَشَيْبَةُ بْنُ رَبِيعَةَ ، وَعُقْبَةُ بْنُ أَبِي مُعَيْطٍ ، وَأُمَيَّةُ بْنُ خَلْفٍ ، أَوْ : أَبِي بَنٍ خَلْفٍ) . فَلَقَدْ رَأَيْتُهُمْ قُتِلُوا يَوْمَ بَدْرٍ ، فَأُلْقُوا فِي بئرٍ ، غَيْرَ أُمَيَّةٍ أَوْ أَبِي . فَإِنَّهُ كَانَ رَجُلًا ضَخْمًا ، فَلَمَّا جَرَّوهُ تَقَطَّعَتْ أَوْصَالُهُ قَبْلَ أَنْ يُلْقَى فِي الْبئرِ . [ر : ۲۳۷]

یہ حدیث بعینہ اسی سند کے ساتھ کتاب الوضوء (۳) میں گزر چکی ہے۔

حدیث کا ترجمہ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں تھے اور آپ کے

(۱) لامع الدراری: ۳۲۸/۷۔

(۲) قولہ: ”عن عبد اللہ رضی اللہ عنہ“: الحدیث، مر تخریجہ فی الوضوء، باب إذا ألقى علی ظہر.....

(۳) کتاب الوضوء، باب إذا ألقى علی ظہر المصلی قدر.....

گرداگرد قریش کے کچھ مشرکین بیٹھے تھے، اچانک عقبہ بن ابی معیط آپ علیہ السلام کے پاس اونٹ کی بچہ دانی لے کر آیا، جو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیٹھ پر ڈال دی، چناں چہ نبی علیہ السلام نے اپنا سر جدے سے نہیں اٹھایا، یہاں تک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا تشریف لائیں اور وہ بچہ دانی آپ کی پیٹھ سے ہٹا دی، جن لوگوں نے یہ غلیظ حرکت کی تھی ان کے لیے بددعا فرمائی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے لیے بددعا کرتے ہوئے فرمایا کہ اے اللہ! قریش کے اس گروہ کی گرفت فرما، اے اللہ! ابو جہل بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، عقبہ بن ابی معیط اور امیہ بن خلف یا ابی بن خلف (راوی کوشک ہے) کی گرفت فرما۔ (راوی حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ) بخدا! میں نے ان سب کو دیکھا کہ وہ غزوہ بدر میں مارے گئے، چناں چہ ان سب کو کنوئیں میں ڈال دیا گیا، سوائے امیہ یا ابی کے، اس کی وجہ یہ ہوئی کہ یہ بڑے ڈیل ڈول کا آدمی تھا، جب اس کو صحابہ نے کھینچنا تو اس کے اعضاء یا جوڑ کھل گئے، قبل اس کے کہ اس کو کنوئیں میں ڈالا جائے۔

حدیث کے آخری جز ”فإنه كان رجلاً.....“ کی تشریح

اس حدیث کے آخری جز میں ایک لفظ اوصال آیا ہے، جو وصل کی جمع ہے، اس کے معنی عضو کے بھی ہیں اور جوڑ کے بھی (۱) اور مذکورہ جملے کا مطلب یہ ہے کہ جب صحابہ نے امیہ بن خلف کو کنوئیں میں ڈالنے کے لیے کھینچنا چاہا تو ممکن نہ ہوا، کیوں کہ اس کے اعضاء ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو چکے تھے۔

اس کی بنیادی وجہ یہ ہوئی تھی کہ وہ رمضان کے ایام تھے اور بہت گرمی تھی (۲)، چناں چہ مرنے کے بعد کافی دیر اسی حالت میں پڑے رہنے کی وجہ سے ان کے جسم پھول گئے اور سیاہ پڑ گئے تھے، لہذا جب ان کو کنوئیں میں ڈالنے لگے تو امیہ بن خلف چوں کہ بھاری جسم کا تھا، اس لیے ممکن نہ ہوا کہ اس کو کنوئیں میں ڈالا جائے، اس لیے اس کو اسی حال پر چھوڑ دیا گیا (۳)۔

اس حدیث کی دیگر تشریحات کتاب الجہاد اور کتاب المغازی میں آچکی ہیں (۴)۔

(۱) مجمع بحار الأنوار: ۵/۶۳، مادة وصل، باب: و، ص.

(۲) کما فی المغازی: ”وكان يوماً حاراً“، باب دعاء النبي صلى الله عليه وسلم على.....، رقم (۳۹۶۰).

(۳) لامع الدراري وتعليقاته: ۷/۳۲۸.

(۴) کشف الباری، کتاب الجہاد: ۱/۷۳۰-۷۳۳، و کتاب المغازی: ۱۰۰.

ترجمة الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

ترجمة الباب کے جزء اول کے ساتھ تو حدیث کی مطابقت اس جملے میں ہے، ”.....فألقوا في بئر“ جس سے اس فعل کا جواز صراحةً معلوم ہو رہا ہے کہ مشرکین کی لاشوں کو غیر آباد کنوئیں میں ڈالنا جائز ہے۔ ترجمہ کے دوسرے جز کے ساتھ حدیث کی مناسبت بایں معنی ہے کہ عرفاً یہ امر معلوم ہے کہ ان مقتولین کے ورثہ کی سمجھ میں اگر یہ بات آجاتی کہ اگر ہم مال خرچ کریں گے تو ان لاشوں کا حصول ممکن ہوگا اس کے باوجود انہوں نے یہ کوشش نہ کی، کیوں کہ انہیں اس کا بخوبی علم تھا کہ یہ کوشش ضائع جائے گی، اس پر ترمذی کی مذکورہ بالا حدیث بھی دلالت کر رہی ہے (۱)، جس کو سابق میں ہم نے بیان کیا، اسی طرح ابن اسحاق کی روایت کی دلالت بھی اس معاملے میں واضح ہے، بقول حافظ ابن حجر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہما کا حدیث باب سے مذکورہ مسئلے پر استدلال اسی نکتے و عرف کی بنیاد پر ہے (۲)۔

حدیث باب سے مستنبط ایک فائدہ

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

”ہر بنی آدم، خواہ وہ مسلم ہو یا کافر، کی میت کو چھپانا اور اس کو دفن کرنا فرض ہے، لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رکھنے کے لیے بھلے کوئی بھی طریقہ اختیار کیا جائے، اس کا اختیار کرنا ضروری ہے، اس کی وجہ اور دلیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ حکم ہے، جس میں مشرکین کو بدر کے کنوئیں میں ڈالنے کا حکم دیا گیا اور کھلی جگہ پر انہیں چھوڑے نہیں رکھا گیا، اس لیے اس معاملے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا و پیروی زیادہ بہتر و مستحب ہے، لیکن موقع محل کی نزاکت کو بہر حال مد نظر رکھا جائے، یہ نہ ہو کہ.....مسلمان کفن دفن میں مصروف ہوں اور دشمن دوبارہ حملہ کر دے۔“

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل حرب مشرکین کے ساتھ یہ طریقہ رہا ہو تو وہ مشرکین جو اہل عہد و ذمہ ہیں، اگر ان کا کوئی بندہ مر جائے، اس کا کوئی ولی نہ ہو، نہ کوئی ہم مذہب اور مسلمان وہاں موجود ہوں تو سنت

(۱) اس حدیث پر اگرچہ کلام کیا گیا ہے، لیکن یہ شاہد بن سکتی ہے، دیکھیے، جامع ترمذی، أبواب الجہاد، باب لا تفادی

جيفة.....، رقم (۱۷۱۵)، وفتح الباری: ۶/۲۸۳، وشرح ابن بطلال: ۵/۳۶۸۔

(۲) شرح ابن بطلال: ۵/۳۶۸، والستواری: ۱۹۹، وفتح الباری: ۶/۲۸۳، وتعليقات اللامع: ۷/۳۲۸۔

کی رو سے اس کی میت کو چھپانا اور دفن کرنا اولیٰ و احسن ہے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے والد ابو طالب کی وفات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا ”اذهب فوارہ.....“ (۱)۔ کہ ”جاؤ! اور ان کو چھپا دو“۔ ہاں! اگر کسی مصروفیت یا مانع کی وجہ سے مسلمان یہ نہ کریں تو میرے خیال میں اس میں کوئی حرج نہیں، کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر مغازی جن میں قتل بھی ہوا، ان میں سے کسی میں بھی اس کا ذکر نہیں جس کا ذکر بدر کے حوالے سے ہوا کہ مشرکین کی لاشوں کو چھپا دیا گیا تھا“ (۲)۔ واللہ اعلم بالصواب

۲۱ - باب : إثم الغادر للبر والفاجر .

ترجمہ الباب کا مقصد

اس باب میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ یہ فرما رہے ہیں کہ بدعہدی کرنا گناہ ہے، چاہے یہ بدعہدی کسی نیک آدمی کے ساتھ کی جائے یا کسی برے آدمی کے ساتھ، بدعہدی کرنے والا خواہ نیک ہو یا بد، چنانچہ حافظ صاحب اور علامہ عینی رحمہما اللہ وغیرہ لکھتے ہیں:

”أي: سواء كان من بر لفاجر أو بر، ومن فاجر لبر أو فاجر“ (۳)۔

اس لیے چھٹکارہ کسی صورت میں نہیں، ہر حال میں گناہ گار ہوگا اور یہ نفاق کی علامت ہے۔

حافظ علیہ الرحمۃ مزید فرماتے ہیں کہ اس باب اور تین ابواب قبل، جو ترجمہ (باب إثم من عاهد ثم

(۱) الحديث أخرجه ابن أبي شيبة في مصنفه: ۳۷۹/۷، و ۳۸۱، كتاب الجنائز، باب في الرجل يموت له القرابة المشرك: يحضره أم لا؟ رقم (۱۱۹۶۲) و (۱۱۹۷۰)، وأبو داود في الجنائز، رقم (۳۲۱۴)، والنسائي في الطهارة، رقم (۱۹۰)، وانظر كذلك تعليقات محمد عوامه على المصنف، كتاب الجنائز، باب في المسلم يغسل المشرك.....، رقم (۱۱۲۶۷)، اس معنی میں دیگر احادیث بھی موجود ہیں، سنن بیہقی میں عمر بن یعلیٰ بن مرة عن أبيه کے طریق سے مروی ہے، حضرت یعلیٰ فرماتے ہیں، سافرت مع النبي صلى الله عليه وسلم غير مرة، فما رأيته مر بجيفة انسان إلا أمر بدفنه، لا يسأل أمسلم هو أم كافر“. سنن کبریٰ: ۲۸۶/۳، كتاب الجنائز، باب وجوب العمل في الجنائز من الغسل.....، رقم (۶۶۱۷)۔

علاوہ ازیں دیکھیے، مصنف ابن ابی شیبہ کا مذکورہ بالا باب: ۳۷۸-۳۸۱۔

(۲) شرح ابن بطلال: ۳۶۹/۵-۳۷۰۔

(۳) فتح الباری: ۲۸۴/۶، وعمدة القاری: ۱۰۶/۱۵۔

غدر) گذرا، کے درمیانی عموم و خصوص کی نسبت ہے (۱)، مطلب یہ ہے کہ گذشتہ جو باب گذرا وہ عام تھا اور باب ہذا خاص ہے۔

اور حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ دونوں ابواب میں فرق یہ بیان کرتے ہیں کہ ان میں گناہ کی نوعیت کے اختلاف کی طرف اشارہ ہے کہ غدر کی مختلف نوعیتیں ہیں، اسی حساب سے ان کے گناہ بھی ہیں، اسی لیے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مطلب کو بیان کرنے کے لیے مختلف تراجم قائم فرمائے ہیں (۲)۔

اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ براور فاجر دونوں کے ذکر کی توجیہ کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”لما كان من الأمور المنكرة مالا كراهة فيه إذا ارتكبها مؤمن كامل في

إيمانه، ولا يمكن من ارتكابه الفاسق الغير الآمن على إيمانه توهم أن الغدر لعله

من هذا القبيل، فرفعه بإطلاق الرواية، ولفظ ”كل“ الدال على العموم“ (۳)۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ امور منکرہ میں کچھ ایسے بھی ہیں کہ اگر ان کا ارتکاب کوئی مومن کامل کرے تو اس میں کوئی کراہت نہیں ہوتی، اس کو برا نہیں سمجھا جاتا، لیکن اگر وہی عمل کوئی فاسق اور ناقص مسلمان کرے تو اس کو اس کی اجازت نہیں دی جاتی اور روکا جاتا ہے، جیسا کہ یوم الشک کا روزہ ہے، چوں کہ غدر اور بدعہدی کے متعلق بھی یہ وہم کسی کو لاحق ہو سکتا تھا کہ یہ بھی اس قبیل سے ہے کہ مومن کامل کرے تو کوئی حرج نہیں اور غیر کامل کرے تو گناہ گار، اسی وہم کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کے اطلاق اور لفظ ”کل“ جو عموم پر دلالت کرتا ہے، کے ذریعے دور کیا ہے کہ بدعہدی خواہ نیک کرے یا بد، دونوں گناہ گار ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب

۳۰۱۵ : حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ : حَدَّثَنَا شُعْبَةُ ، عَنْ سُلَيْمَانَ الْأَعْمَشِ ، عَنْ أَبِي وَائِلٍ ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ . وَعَنْ ثَابِتٍ ، عَنْ أَنَسٍ ^(۱) ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ : (لِكُلِّ غَادِرٍ لَوَاءُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، قَالَ أَحَدُهُمَا : يُنْصَبُ ، وَقَالَ الْآخَرُ : يُرَى يَوْمَ الْقِيَامَةِ ، يُعْرَفُ بِهِ) .

(۱) فتح الباری: ۶/۲۸۴۔

(۲) الأبواب والتراجم للکاندھلوی: ۱/۲۰۹۔

(۳) حوالہ بالا، ولامع الدراری: ۷/۳۲۹۔

(۴) قولہما: ”عن عبد اللہ، وعن أنس رضي الله عنهما“: أما حديث عبد الله فأخرجه البخاري في هذا

الموضع فقط، وأخرجه مسلم في الجهاد، باب في تحريم الغدر، رقم (۴۵۳۳-۴۵۳۵)، وابن ماجه، كتاب =

تراجم رجال

۱- ابو الوليد

یہ ابو الولید ہشام بن عبد الملک طیاہی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الایمان، ”باب علامة الایمان حب الأنصار“ کے تحت گذر چکا ہے (۱)۔

۲- شعبہ

یہ امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ بن الحجاج عتکی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الایمان، ”باب المسلم من سلم المسلمون من.....“ کے تحت آچکے ہیں (۲)۔

۳- سلیمان الأعمش

یہ سلیمان بن مہران المعروف بالأعمش رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا ترجمہ کتاب الایمان، ”باب ظلم دون ظلم“ کے تحت آچکا ہے (۳)۔

۴- ابو وائل

یہ ابو وائل شقیق بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الایمان، ”باب خوف المؤمن من أن يحبط عمله.....“ کے تحت گذر چکا ہے (۴)۔

۵- عبد اللہ

مشہور صحابی حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الایمان، ”باب ظلم دون

= الجهاد، باب الوفاء بالبيعة، رقم (۲۸۷۲)، أما حديث أنس فأخرجه البخاري في هذا الموضع، وأخرجه مسلم، كتاب الجهاد، باب تحريم الغدر، رقم (۴۵۳۶)۔

(۱) كشف الباري: ۳۸/۲۔

(۲) كشف الباري: ۶۷۸/۱۔

(۳) كشف الباري: ۲۵۱/۲۔

(۴) كشف الباري: ۵۵۹/۲۔

ظلم“ کے تحت گزر چکے (۱)۔

۶- ثابت

یہ ابو محمد ثابت بن اسلم بنانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب العلم، ”باب القراءة والعرض علی المحدث“ کے تحت گزر چکا (۲)۔

۷- انس

انس رضی اللہ عنہ کے حالات کتاب الإیمان، ”باب من الإیمان.....“ میں آچکے (۳)۔

سند حدیث سے متعلق ایک اہم وضاحت

آپ دیکھ رہے ہیں کہ اس حدیث کو دو صحابی ایک ساتھ روایت کر رہے ہیں، مذکورہ بالا سند میں ”وعن ثابت.....“ کے جو الفاظ ہیں، ان کے قائل حضرت شعبہ بن الحجاج ہیں، مسلم شریف کی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے، جس کا طریق یہ ہے، ”عبدالرحمن بن مہدی عن شعبہ عن ثابت عن أنس“ (۴)۔ اور امام اسماعیلی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس روایت کو ”أبو خليفة عن أبي الوليد شيخ البخاري“ کے طریق سے دونوں سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے اور دونوں جگہ یہ فرمایا کہ اس سے اس شخص (۵) پر رد ہو رہا ہے، جس نے اس امر کو جائز قرار دیا ہے کہ یہ ابو الولید پر عطف ہے، اس طرح یہ روایت ”الأعمش عن ثابت.....“ کے طریق سے ہوگی، جب کہ درحقیقت ایسا نہیں، بلکہ یہ ”شعبہ عن ثابت.....“ کے طریق سے ہے۔ اس کے علاوہ امام مزی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تہذیب (۶) میں روایت اعمش عن ثابت کو بخاری میں شامل نہیں کیا ہے اور اس پر بخاری کی علامت نہیں لگائی ہے (۷)۔

(۱) کشف الباري: ۲/۲۵۷۔

(۲) کشف الباري: ۳/۱۸۳۔

(۳) کشف الباري: ۴/۲۔

(۴) انظر صحيح مسلم، كتاب الجهاد، باب تحريم الغدر، رقم (۴۵۳۶)۔

(۵) قال به الكرماني أيضاً، انظر شرحه الكواكب الدراري: ۱۳/۱۴۷، وعمدة القاري: ۱۵/۱۰۶۔

(۶) تہذیب الکمال: ۱۲/۷۷۔ (ترجمة سليمان بن مهران الأعمش رحمه الله)۔

(۷) فتح الباري: ۶/۲۸۴۔

عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لكل غادر لواء يوم القيامة
حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ ہر عہد شکن کے لیے قیامت کے
دن ایک جھنڈا ہوگا۔

قال أحدهما ينصب وقال الآخر: يرى يوم القيامة يعرف به.
دونوں میں سے ایک نے فرمایا کہ نصب کیا جائے گا اور دوسرے نے فرمایا جو دکھایا جائے گا، اس سے
وہ پہچانا جائے گا۔

اس حدیث کی مسلم شریف کی جو روایت ہے، اس میں نہ تو کلمہ ”ینصب“ ہے نہ ”یری“ (۱)
یہاں رواۃ کو شک ہوا ہے کہ ایک نے تو ”ینصب“ نقل کیا ہے، دوسرے نے ”یری“۔ لیکن اس سے روایت کی
صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، کیوں کہ دونوں روایتیں بخاری کی شرط پر ہیں، یہاں شک کو ذکر کرنے کی وجہ صرف یہ
ہے کہ التباس نہ ہو جائے (۲)۔

۳۰۱۶ : حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ : حَدَّثَنَا حَمَّادٌ ، عَنْ أَيُّوبَ ، عَنْ نَافِعٍ ، عَنْ ابْنِ
عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ : سَمِعْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَقُولُ : (لِكُلِّ غَادِرٍ لَوَاءٌ يُنْصَبُ بِغَدْرَتِهِ) .
[۵۸۲۳ ، ۵۸۲۴ ، ۶۵۶۵ ، ۶۶۹۴]

(۱) حوالہ بالا، وصحیح مسلم، کتاب الجہاد، باب تحریم الغدر، رقم (۴۵۳۶)۔

(۲) یہ علامہ عینی (۱۰۶/۱۵) کی رائے ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کرنے والے رواۃ کو شک ہوا ہے، لیکن یہ کون
ہیں، معلوم نہیں ہو سکا۔ البتہ ہماری رائے یہ ہے کہ احدهما سے مراد حضرت ابن مسعود اور الآخر سے حضرت انس رضی اللہ عنہما ہیں،
اس پر قرینہ غالباً یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو دونوں صحابہ سے ایک ساتھ نقل کیا ہے، اس لیے ان کلمات کا
قریب ترین محمل یہی دونوں صحابہ ہو سکتے ہیں، خصوصاً جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کا صرف ایک ہی طریق بیان
کیا گیا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب

(۳) قوله: ”عن ابن عمر رضي الله عنهما“: الحديث، أخرجه البخاري، كتاب الأدب، باب ما يدعى الناس
بأبائهم، رقم (۶۱۷۷-۶۱۷۸)، وكتاب الحيل، باب إذا غصب جاريته فزعم.....، رقم (۶۹۶۶)، وكتاب
الفتن، باب إذا قال عند قوم شيئاً.....، رقم (۷۱۱۱)، ومسلم، كتاب الجهاد، باب تحریم الغدر، رقم
(۴۵۲۹-۴۵۳۲)، وأبوداود، أبواب الجهاد، باب في الوفاء بالعهد، رقم (۲۷۵۶)، والترمذي، أبواب السير، =

تراجم رجال

۱- سلیمان بن حرب

یہ سلیمان بن حرب الواثقی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب الایمان، ”باب من کرہ أن يعود فی الکفر کما یکرہ أن.....“ کے تحت گزر چکا (۱)۔

۲- حماد

یہ حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب الایمان، ”باب المعاصی من أمر الجاہلیۃ.....“ کے تحت گزر چکے (۲)۔

۳- ایوب

یہ ایوب بن ابی تمیمہ کیسان سختیانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا ترجمہ کتاب الایمان، ”باب حلاوة الایمان“ کے تحت آچکا ہے (۳)۔

۴- نافع

یہ نافع مولیٰ ابن عمر رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا تذکرہ کتاب العلم، ”باب ذکر العلم والفتیاء فی المسجد“ کے تحت گزر چکا (۴)۔

۵- ابن عمر

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے حالات کتاب الایمان، ”باب الایمان.....“ میں آچکے (۵)۔

= باب ماجاء أن لكل غادر لواء.....، رقم (۱۵۸۱)۔

(۱) کشف الباری: ۱۰۵/۲۔

(۲) کشف الباری: ۲۱۹/۲۔

(۳) کشف الباری: ۲۶/۲۔

(۴) کشف الباری: ۶۵۱/۴۔

(۵) کشف الباری: ۶۳۷/۱۔

قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: لكل غادر لواء ينصب لغدرته. حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ہر عہد شکن کے لیے (قیامت کے دن) ایک جھنڈا ہوگا، جو اس کی بد عہدی کی وجہ سے گاڑا جائے گا۔

بغدرتہ کی باء میں احتمالات

بغدرتہ کی باء یا تو سیبہ ہے یا صرف جارہ ہے، دونوں صورتوں میں غدرتہ مجرور بحذف المضاف ہے، جو کلمہ سبب ہے یا کلمہ قدر، أي بسبب غدرته في الدنيا أو بقدر غدرته“ (۱)۔ مطلب یہ ہے کہ عہد شکن کے لیے جو جھنڈا گاڑا جائے گا اس کی وجہ اور سبب اس کی دنیا میں مختلف عہد شکنیاں ہوں گی۔

دوسری صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ دنیا میں عہد شکنی کی جو مقدار ہوگی، اس کے بقدر جھنڈا بھی بلند ہوگا (۲)۔ اس دوسرے معنی کی تائید مسلم شریف کی روایت سے بھی ہوتی ہے، جس میں ”بقدر غدره“ (۳) کی تصریح ہے (۴)۔

جھنڈا کہاں لگایا جائے گا؟

اکثر روایات میں اس امر کی وضاحت موجود نہیں ہے کہ عہد شکن کو جھنڈا گاڑنے کی جو سزا دی جائے گی، اس کا محل کیا ہوگا؟ ہاں! حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی مسلم شریف کی روایت میں اس کی تصریح ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے، ”لکل غادر لواء عند إسته يوم القيامة“ (۵) کہ اس کا محل و مقام پشت (دبر) کے اوپر ہوگا۔

”لکل غادر لواء“ کے مختلف معانی و مطالب

قیامت والے دن عہد شکن کو جو جھنڈا لگایا جائے گا اس کی وجہ کیا ہوگی؟

(۱) عمدة القاري: ۱۵/۱۰۶۔

(۲) كما في حديث أبي سعيد الخدري رضي الله عنه: ”لکل غادر لواء يوم القيامة، يرفع له بقدر غدره.....“ انظر الصحيح لمسلم، کتاب الجهاد، باب تحريم الغدر، رقم (۴۵۳۸)۔

(۳) حوالہ بالا۔

(۴) فتح الباري: ۶/۲۸۴۔

(۵) انظر، صحيح مسلم، کتاب الجهاد، باب تحريم الغدر، رقم (۴۵۳۷)۔

اس کے مختلف جوابات شرح حدیث نے بیان کیے ہیں:

① علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت والے دن عہد شکن کو برسرِ محشر رسوا کریں گے، دنیا میں اس نے جو بد عہدی کی تھی اس کے بیان کے لیے جھنڈا نصب کیا جائے گا کہ یہ بد عہد ہے اور اس سے یہ پہچانا جائے گا، جس طرح کہ قائد لشکر اپنے جھنڈے سے پہچانا جاتا ہے (۱)۔

② علامہ ابن الممیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گویا اس عہد شکن کے ساتھ اس کے قصد و ارادے کے برخلاف عمل کیا جائے گا، اس لیے کہ جھنڈا عموماً سر پر ہوتا ہے، لیکن اس کا جھنڈا نیچے ہوگا، کہ اس کی خوب فصیحت و رسوائی ہو، کیوں کہ آنکھیں غالباً جھنڈوں کی طرف اٹھتی ہیں، تو اس بد عہد کا فعل بھی قیامت کے دن اس امر کا باعث و سبب ہوگا کہ لوگوں کی نگاہیں ان جھنڈوں پر مرکوز ہوں گی جو اس بد عہد کے لیے نصب کیے گئے۔ اس طرح اس کی خوب فصیحت و رسوائی ہوگی (۲)۔

③ امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”لکل غادر لواء“ کے اس جملے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عرب کو اسی فعل کے ساتھ مخاطب کیا ہے جو وہ خود بھی کرتے تھے۔ چنانچہ اہل عرب کی عادت تھی کہ وہ وفا کے لیے سفید جھنڈا اور بد عہدی کے لیے سیاہ جھنڈا بلند کرتے تھے (یعنی یہ دونوں رنگ ان دونوں افعال پر دلالت کرتے تھے)، تاکہ لوگ بد عہدی کے مرتکب کو لعنت ملامت کریں، اس کی مذمت کریں، اس لیے حدیث کا مقتضا بھی یہی ہے کہ بد عہد کے ساتھ قیامت والے دن اسی طرح ہو کہ اس کا یہ فعل مشہور ہو جائے اور اہل محشر اس کی مذمت کریں۔ جہاں تک وفاداری کا تعلق ہے اس کی بابت کوئی حدیث تو وارد نہیں ہوئی، لیکن یہ بعید نہیں کہ اس کی مدح و تعریف کے لیے بھی اسی طرح ہو کہ جھنڈا بلند کیا جائے اور لوگ اس کی مدح کریں، خصوصاً جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ”لواء الحمد“ کا ہونا ثابت ہو (اس لیے لواء الوفاء کا ہونا بھی بعید نہیں) (۳)۔

احادیث ثلاثہ کی ترجمہ کے ساتھ مناسبت

اوپر تین احادیث کا ذکر آیا ہے، ایک حضرت ابن مسعود کی، دوسری حضرت انس کی اور تیسری حضرت

(۱) کتاب المیسر: ۸۵۹/۳، رقم (۲۷۰۷)، وعمدة القاری: ۱۰۶/۱۵۔

(۲) فتح الباری: ۲۸۴/۶۔

(۳) حوالہ بالا، والمفہم لما أشکل من تلخیص کتاب مسلم، باب النہی عن الغدر، من کتاب الجہاد:

ابن عمر رضی اللہ عنہم کی، ان تینوں احادیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت ان کلمات میں موجود ہے، ”لکل غادر لواء.....“ کیوں کہ لفظ ”کل“ عموم پر دلالت کرتا ہے، جس سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ غدر، خواہ نیک سے صادر ہو یا بد سے، بہر حال مذموم اور گناہ کا کام ہے (۱)۔

حدیث سے مستنبط بعض فوائد

غدر و عہد شکنی حرام ہے۔

مذکورہ بالا احادیث سے ایک بات تو یہ ثابت ہوئی کہ غدر حرام ہے، خصوصاً جب اس کا مرتکب حاکم یا والی ہو، کیوں کہ اس کی عہد شکنی کا ضرر و نقصان متعدی ہوتا ہے اور مخلوق خدا اس سے متاثر ہوتی ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ حاکم چوں کہ ایفاء عہد پر قادر ہوتا ہے، اس کے لیے کوئی مانع نہیں ہوتا، اس لیے اس سے بد عہدی کا صدور سمجھ میں نہیں آتا۔

حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، مشہور تو یہ ہے کہ یہ حدیث اس حاکم و والی کی مذمت میں وارد ہوئی ہے، جو اُن وعدوں کو پورا نہ کرے جو اس نے رعیت سے کیے، یا اپنی فوج سے۔ یا اس ولایت و حکومت کے تقاضوں کو پورا نہ کرے، جن کا ذمہ اس نے لیا ہے۔

چنانچہ جب اس نے خیانت کی اور رعیت کے ساتھ نرمی و مہربانی کا سلوک روا نہ رکھا تو اس نے اپنے عہد و وعدے کے ساتھ غداری کی۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ بعض حضرات نے یہ کہا ہے کہ حدیث کی مراد رعیت کو امام کی نافرمانی سے روکنا ہے، چنانچہ رعیت کو رو انہیں کہ وہ امام کے خلاف خروج و بغاوت کرے اور اس کی نافرمانی کے درپے ہو، کیوں کہ اس پر بہت سے فتنے ابھر سکتے ہیں۔

(۱) قال المہلب: ”أخبر علیہ السلام أن عقوبة الغادر يوم القيامة أن يرفع له لواء؛ ليعرف الناس بغدرته، فينظرون منه بعين المعصية، وهذه عقوبة من نوع ما قال اللہ في عاقبة الكاذبين علی اللہ: ﴿وَيَقُولُ الْأَشْهَادُ هَؤُلَاءِ الَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى رَبِّهِمْ﴾ [ہود: ۱۸]، وإنما قال البخاري: باب ”إثم الغادر للبر والفاجر“ لعموم قوله علیہ السلام: ”لکل غادر لواء.....“ فدخل فيه من غدر من بر أو فاجر، دل أن الغدر حرام لجميع الناس، برهم وفاجرهم؛ لأن الغدر ظلم، وظلم الفاجر حرام كظلم البر التقى“. انظر شرح ابن بطلال: ۳۷۰/۵-۳۷۱.

پھر قاضی صاحب پہلے قول کو ترجیح دیتے ہوئے فرماتے ہیں، ”والصحيح الأول“ (۱)۔
لیکن حدیث کو کسی ایک معنی کے ساتھ خاص کرنا مناسب نہیں، جب کہ وہ دوسرے معانی کو بھی محتمل ہو،
اسی لیے حافظ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ معلوم نہیں کہ اس حدیث کو عموم پر حمل کرنے میں کیا مانع ہے؟ پھر راوی
حدیث حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ خود بھی اس سے وہی معنی مراد لیتے ہیں، جس کو قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے
مروج قرار دیا ہے، چنانچہ کتاب الفتن کی روایت میں یہ زیادتی بھی مروی ہے:

”وإننا قد بايعنا هذا الرجل على بيع الله ورسوله، وإنني لا أعلم غدرا
أعظم من أن يبائع رجل على بيع الله ورسوله، ثم ينصب له القتال، وإنني لا
أعلم أحدا منكم خلعه، ولا بايع في هذا الأمر إلا كانت الفیصل بيني
وبينه“ (۲)۔

مطلب یہ ہے کہ ہم نے اس آدمی (یزید بن معاویہ) کے ہاتھ پر اللہ و رسول کی شرط پر بیعت کی ہے
اور میرے نزدیک اس سے بڑی کوئی عہد شکنی نہیں کہ ایک آدمی کے ہاتھ پر اللہ و رسول کی شرط پر بیعت کی جائے،
پھر اس سے لڑا بھی جائے، اگر مجھے تم (اہل خانہ و خدام) میں سے کسی کے بارے میں معلوم ہو گیا کہ اس نے یزید
بن معاویہ کی بیعت توڑ دی ہے یا اس معاملے میں ان کی بیعت اختیار نہیں کی ہے تو میرے اور اس کے درمیان
فیصلہ ہوگا (یعنی میرا اور اس کا تعلق ختم ہو جائے گا)۔

اس لیے حدیث کو عموم پر محمول کرنا زیادہ مناسب ہے۔ واللہ اعلم (۳)

قیامت کے دن کس نسبت سے پکارا جائے گا؟

حدیث باب کے بعض طرق میں یہ الفاظ بھی وارد ہیں: ”هذه غدرة فلان بن فلان“ (۴) کہ جھنڈا

(۱) فتح الباری: ۶/۲۸۴، وإكمال المعلم شرح مسلم للقاضي عياض: ۶/۱۹-۲۰، باب تحريم الغدر.

(۲) الصحيح للبخاري، كتاب الفتن، باب إذا قال عند قوم شيئا، ثم.....، رقم (۷۱۱۱).

(۳) فتح الباری: ۶/۲۸۴، وبه قال العيني في العمدة: ۱۵/۱۰۶.

(۴) مثلاً دیکھیے، صحيح بخاري، كتاب الأدب، باب ما يدعى الناس بأبائهم، رقم (۶۱۷۷-۶۱۷۸)، وكتاب

الفتن، باب من قال عند قوم شيئا.....، رقم (۷۱۱۱).

لگانے کے بعد مزید رسوائی کے لیے یہ اعلان بھی ہوگا کہ یہ فلاں ابن فلاں کی عہد شکنی (کا نتیجہ) ہے، اس سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ قیامت کے دن اولاد کو ان کے آباء کی نسبت سے پکارا جائے گا۔

جب کہ طبرانی کی ایک روایت، جو ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ اولاد کو ماؤں کی نسبت سے پکارا جائے گا..... (۱)۔

اس تعارض کے دو جوابات ہیں:

① طبرانی کی مذکورہ بالا روایت کی سند انتہائی ضعیف ہے، اس لیے اس سے استدلال درست نہیں اور مقابلہ میں صحیحین وغیرہ کی روایت ہے، پھر ابوداؤد وغیرہ میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی ایک مرفوع حدیث ہے، جس میں نسبتہ إلى الآباء کی صراحت ہے: "إنکم تدعون يوم القيامة بأسمائکم، وأسماء آبائکم، فأحسنوا أسمائکم" (۲)۔

② اگر نسبت إلى الأمهات والی روایت درست تسلیم کر بھی لی جائے تو حدیث باب میں ذکر کردہ امر اس عام سے خاص ہوگا، چنانچہ ابن دقیق العید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"وإن ثبت أنهم يدعون بأسمائهم فقد يخص هذا من العموم" (۳)۔

(۱) المعجم الكبير: ۲۵۰/۸، رقم (۷۹۷۹)، سعيد بن عبد الله الأودي عن أبي أمامة، ومجمع الزوائد: ۴۵/۳، الجنائز، باب تلقين الميت بعد دفنه، وقال الهيثمي: "وفي إسناده جماعة لم أعرفهم"، والجامع الكبير للسيوطي: ۳۴۹/۱، حرف الهمزة، رقم (۲۵۷۱)، وتهذيب سنن أبي داود لابن قيم: ۴۵۴/۲، باب ما يدعى الناس.....، وأخرج ابن عدي من حديث أنس مثله، وقال: "منكر" انظر الكامل له: ۳۴۳/۱، ولسان الميزان: ۵۲۳/۱، ترجمة إسحاق بن إبراهيم الطبري، رقم (۱۰۸۳)۔

(۲) سنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في تغيير الأسماء، رقم (۴۹۴۸)، والسنن الكبرى للبيهقي: ۵۱۵/۹، كتاب الضحايا، باب ما يستحب أن يسمى به، رقم (۱۹۳۰۸)، وسنن الدارمي: ۳۸۰/۲، كتاب الاستئذان، باب في حسن الأسماء، رقم (۲۶۹۴)، وشرح السنة للبغوي: ۳۸۲/۶، كتاب الاستئذان.....، باب تحسين الأسماء، رقم (۳۲۵۳)، وموارد الظمآن، كتاب الأدب، باب ماجاء في الأسماء، رقم (۱۹۴۴)، ومسند أحمد: ۱۹۴/۵، رقم (۲۲۰۳۵)، وشعب الإيمان: ۳۹۳/۶، باب في حقوق الأولاد..... المستون من شعب..... رقم (۸۶۳۳)۔

(۳) فتح الباري: ۲۸۴/۶، نیز دیکھیے، فتح الباري: ۵۶۳/۱۰، وشرح ابن بطال: ۳۳۵/۹۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلے پر کتاب الادب میں مستقل ترجمہ بھی قائم کیا ہے (۱)۔

واللہ اعلم بالصواب

۳۰۱۷ : حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ : حَدَّثَنَا جَرِيرٌ ، عَنْ مَنْصُورٍ ، عَنْ مُجَاهِدٍ ، عَنْ طَاوُسٍ ، عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ : (لَا هِجْرَةَ ، وَلَكِنْ جِهَادٌ وَبَيْتَةٌ ، وَإِذَا اسْتَنْفِرْتُمْ فَانْفِرُوا) . وَقَالَ يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ : (إِنَّ هَذَا الْبَلَدَ حَرَمُ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ ، فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللَّهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ، وَإِنَّهُ لَمْ يَحِلَّ الْقِتَالُ فِيهِ لِأَحَدٍ قَبْلِي ، وَلَمْ يَحِلَّ لِي إِلَّا سَاعَةٌ مِنْ نَهَارٍ ، فَهُوَ حَرَامٌ بِحُرْمَةِ اللَّهِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ، لَا يُعْضَدُ شَوْكُهُ ، وَلَا يُنْفَرُ صَيْدُهُ ، وَلَا يُلْتَقِطُ لُقْطَتُهُ إِلَّا مَنْ عَرَفَهَا ، وَلَا يُحْتَلَى خِلَاةُ) . فَقَالَ الْعَبَّاسُ : يَا رَسُولَ اللَّهِ ، إِلَّا الْإِذْحِرَ ، فَإِنَّهُ لِقَيْنِهِمْ وَلِبُيُوتِهِمْ ، قَالَ : (إِلَّا الْإِذْحِرَ) . [ر : ۱۵۱۰]

تراجم رجال

۱- علی بن عبد اللہ

یہ مشہور محدث علی بن عبد اللہ ابن المدینی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کا ترجمہ کتاب العلم، ”باب الفہم

فی العلم“ کے تحت آچکا (۳)۔

۲- جریر

یہ جریر بن عبد الحمید رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

۳- منصور

یہ منصور بن معتمر سلمیٰ کو فی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان دونوں حضرات کا تذکرہ کتاب العلم، ”باب من

جعل لأهل العلم.....“ کے تحت گزر چکا (۴)۔

(۱) صحیح بخاری، کتاب الادب، باب ما يدعى الناس بأبائهم، حدیث کی مزید شرح کے لیے دیکھیے، کشف

الباري، کتاب الادب: ۵۹۶-۵۹۷، والأبواب والتراجم للكاندھلوي: ۱۱۸/۲۔

(۲) قوله: ”عن ابن عباس رضي الله عنهما“: الحديث، مر تخريجہ فی الحج، باب لا يحل القتال بمكة.

(۳) كشف الباري: ۲۹۷/۳۔

(۴) كشف الباري: ۲۶۸/۳-۲۷۲۔

۴- مجاہد

یہ مفسر کبیر حضرت مجاہد بن جبر کی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان کے حالات کتاب العلم، ”باب الفہم فی العلم“ کے تحت بیان ہو چکے (۱)۔

۵- طاؤس

یہ طاؤس بن کیسان یمانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں (۲)۔

۶- ابن عباس رضی اللہ عنہما

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حالات ”بدء الوحي“ کی پہلی حدیث کے تحت آچکے (۳)۔
باب کی چوتھی حدیث حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ہے، اس حدیث کی شرح ماقبل میں مختلف مقامات پر گزر چکی ہے (۴)۔

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث

اس حدیث کی ترجمۃ الباب کے ساتھ مناسبت میں کچھ غموض ہے، جس کو دور کرنے کے لیے مختلف حضرات نے درج ذیل اقوال ارشاد فرمائے ہیں:

① علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ترجمۃ الباب کے ساتھ حدیث کی مناسبت اس قول سے ہو سکتی ہے، ”وإذا استنفرتم فانفروا“ کیوں کہ اس کا مطلب یہی ہے کہ حکام و ولایہ کے ساتھ بدعہدی نہ کرو اور ان کی مخالفت نہ کرو، وہ اس لیے کہ امام جب نفیر کا حکم دے تو نکلنا واجب ہے، چنانچہ یہی چیز اس امر کی بھی متقاضی ہے کہ عہد شکنی حرام ہو، ”لأن إيجاب الوفاء بالخروج مستلزم لتحريم الغدر“ (۵)۔

(۱) کشف الباری: ۳/۳۰۷۔

(۲) ان کے حالات کے لیے دیکھیے، کتاب الوضوء، باب من لم یر الوضوء إلا من المخرجین.....

(۳) کشف الباری: ۱/۴۳۵، نیز دیکھیے، کشف الباری: ۲/۲۰۵۔

(۴) کشف الباری، کتاب الجہاد: ۱/۵۵-۵۶، و: ۲۴۷، و: ۲/۶۴۸-۶۵۰۔

(۵) شرح الکرمانی: ۱۳/۱۴۸، وفتح الباری: ۶/۲۸۴، وعمدة القاری: ۱۵/۱۰۷۔

۲ علامہ کرمانی رحمۃ اللہ علیہ مزید فرماتے ہیں کہ یا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہاں نقل کر کے اس بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں لڑائی و جنگ کو حلال کر کے کوئی عہد شکنی نہیں کی، کیوں کہ یہ تو حکم خداوندی سے تھا، اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے دن کے کچھ حصے میں لڑنے کو جائز قرار دیا تھا، اس لیے کوئی یہ نہ سمجھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں لڑ کر عہد شکنی کی ہے، اس کی وجہ سے ظاہر ہے، کیوں کہ اگر اجازت خداوندی نہ ہوتی تو نبی علیہ السلام کے لیے مکہ میں لڑنا ہرگز جائز نہ ہوتا، چنانچہ علامہ کرمانی لکھتے ہیں:

”أو أشار إلى أن النبي صلى الله عليه وسلم لم يغدر باستحلال

القتال بمكة؛ بل كان بإحلال الله له ساعة، ولولا ذلك لما جاز له“ (۱).

اور یہی رائے علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے (۲)۔

۳ ترجمہ اور حدیث ابن عباس کی مناسبت بیان کرتے ہوئے ابن بطل فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں کی حیثیت بندوں کے لیے بمنزلہ عہد و میثاق کے ہے، گویا اللہ تعالیٰ نے ان سے اس بات کا عہد لیا ہے کہ وہ ان محارم و منہیات کا ارتکاب نہیں کریں گے، چنانچہ جو شخص ان کے خلاف ورزی کرے گا گویا اس نے ان عہد کو پورا نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کردہ وعدے کی خلاف ورزی کی اور عہد کو پورا نہ کرنے والا، ان کی خلاف ورزی کرنے والا غادرین و عہد شکنوں میں سے ہے (۳)۔

۴ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ مکرمہ فتح کیا تو اس کے باشندوں پر احسان و فضل کیا، خواہ مسلمان ہوں، یا منافقین اور یہ بات واضح ہے کہ ان میں منافقین بھی تھے، پھر آپ علیہ السلام نے یہ بات بتلائی کہ مکہ مکرمہ قیامت تک اللہ تعالیٰ کی حرمت کے ساتھ حرام ہے اور یہ کہ وہاں کسی کے ساتھ قتال حلال و جائز نہیں،

(۱) شرح الکرماني: ۱۴۹/۱۳، وفتح الباري: ۲۸۴/۶، وعمدة القاري: ۱۰۷/۱۵.

(۲) صحيح البخاري بحاشية السندي: ۲۰۶/۲، دار المعرفة، بيروت.

(۳) شرح ابن بطل: ۳۷۱/۵، ومثله عن العلامة الكنكوهي رحمه الله في اللامع (۳۲۹/۷)، حيث قال:

”ومطابقته بالترجمة من حيث إنه قال في خطبته يومئذ: ”فإن دماءكم

وأموالكم عليكم حرام كحرمة يومكم هذا، في بلدكم هذا، في شهركم هذا“ فكان

التعرض بشيء منها غدرا وعتكا لحرمة الله تعالى“.

جب معاملہ یہ ہے تو ان میں سے کسی کے ساتھ عہد شکنی جائز و درست نہیں، خواہ وہ نیک ہو یا بد، کیوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امان و معافی ان سب کو عام اور شامل ہے (۱)۔

۵ ابن المبرر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ترجمۃ الباب کے ساتھ مطابقت حدیث اس طرح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ مکہ مکرمہ میں جنگ و جدال حرام ہے، سوائے اس گھڑی کے، جس کی اجازت خود اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتال کے لیے دی، اس کی مراد یہ ہرگز نہیں کہ وہاں مؤمن صالح کو قتل کرنا ہی حرام ہے، کیوں کہ اس سے ہر جگہ اور بقعہ متصف ہے کہ وہاں کسی مؤمن کامل کے قتل کی اجازت نہیں ہے، بلکہ مکہ مکرمہ کی تخصیص حرمت اس فاجر کے لیے ہے، جو قتل کا مستحق بھی ہو کہ اس کو مکہ میں بھی قتل کرنا جائز نہیں، اس کی وجہ وہ عہد ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مکہ کو خاص کیا ہے کہ وہاں قتل فاجر درست نہیں۔

اب اگر کوئی شخص کسی فاجر کو مکہ کے علاوہ کسی اور جگہ میں کوئی وعدہ دے، اس سے کوئی عہد کرے تو اس وعدے کو نافذ اور پورا کرنا لازم ہے، اس کے خلاف کرنا حرام ہے۔

اس طرح پہلی حدیث میں براور فاجر کے ساتھ عہد شکنی کرنے کا جو عموم ہے، اس میں قوت آجائے گی اور دونوں کے ساتھ عہد شکنی کرنا حرام ٹھہرے گا (۲)۔

۶ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اس بات کا بھی احتمال ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کو یہاں ذکر فرما کر اس سبب کی طرف اشارہ کیا ہو جو فتح مکہ کا سبب بنا تھا۔

چنانچہ فتح مکہ کا سبب یہ ہوا تھا کہ قریش نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف قبیلے بنو خزاعہ کے ساتھ عہد شکنی کی تھی، جب بنو خزاعہ اور بنو بکر (جو قریش کے حلیف تھے) کے درمیان لڑائی ہوئی اور قریش نے بنو بکر کی مدد کی اور بنو خزاعہ پر دونوں (قریش و بنو بکر) نے مل کر شب خون مارا اور ان کے بہت سے افراد قتل کر ڈالے، اس طرح قریش اور نبی علیہ السلام کے درمیان دس سال کے لیے جو معاہدہ صلح ہوا تھا، اس کو قریش نے توڑ ڈالا۔

(۱) شرح ابن بطلال: ۳۷۱/۵۔

(۲) المتواری علی تراجم أبواب البخاری: ۲۰۰۔

اس نقض عہد کا انجام قریش کے لیے اس طرح ظاہر ہوا کہ مسلمانوں نے ان پر لشکر کشی کی اور مکہ مکرمہ فتح کر ڈالا اور قریش انتہائی ذلیل و خوار ہو کر امان کے طلب گار ہوئے، انہیں قوت و عزت، شان و شوکت کے بعد ذلت و مسکنت کا سامنا کرنا پڑا، یہاں تک کہ وہ اسلام قبول کرنے پر مجبور ہو گئے، حالانکہ دل سے مسلمان ہونا چاہتے نہ تھے (۱)۔

گویا امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب میں ”البر“ کے ذریعے مسلمانوں کی طرف اور ”الفاجر“ کے ذریعے بنو خزاعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے، کیوں کہ ان میں سے اکثر لوگ اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے (۲)۔ واللہ اعلم بالصواب

براعت اختتام

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی عادت ہے کہ وہ ہر کتاب کے آخر میں کوئی لفظ اختتام پر دلالت کرنے کے لیے لاتے ہیں، اس سے کتاب کے اختتام کے ساتھ ساتھ انسان کے خاتمے کی طرف بھی اشارہ ہوتا ہے کہ جس طرح یہ کتاب ختم ہو گئی اسی طرح تمہاری کتاب زندگی بھی ایک دن ختم ہو کر بند ہو جائے گی، اس لیے غافل مت رہنا (۳)۔

یہاں براعت اختتام یا خاتمۃ کتاب پر دلالت بقول حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ کے اس جملے میں ہے، ”فہو حرام بحرمة اللہ الی یوم القيامة“ چنانچہ یوم القيامة میں انسان کے خاتمہ کی طرف بھی اشارہ ہے (۴)۔ جب کہ حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دیگر کلمات و جمل سے براعت ثابت کی ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں:

❶ ”فإذا استنفرتم فانفروا“ میں براعت اختتام کی طرف اشارہ ہے۔

(۱) تفصیلی واقعے کے لیے دیکھیے، کشف الباری، کتاب المغازی، باب غزوة الفتح، ۴۹۰-۴۹۲، وسيرة ابن هشام، بدء فتح مكة: ۲/۲۶۳۔

(۲) فتح الباری: ۲۸۵/۶، والأبواب والتراجم للکاندھلوی: ۲۰۹/۱۔

(۳) دیکھیے، کشف الباری، بدء الوحي: ۵۵۳/۱۔

(۴) فتح الباری: ۵۴۳/۱۳، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ: ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ﴾، رقم (۷۵۶۳)۔

❶ ”یوم القيامة“ میں اس کی طرف دلالت ہے۔

❷ لفظ ”الإذخر“ براءت پر دل ہے، جو ایک قسم کی گھاس کے لیے مستعمل ہے، اس سے استدلال بایں طور ہے کہ بعض طرق میں اس کے بعد ان الفاظ کی زیادتی بھی مروی ہے، ”فإنه لَقَبورهم“ (۱) کہ ”وہ ان کی قبروں کے لیے ہے۔“ اس میں انسان کے خاتمہ یعنی قبر کا تذکرہ موجود ہے۔

❸ یا یہ کہا جائے گا کہ جہاد سراسر مذکور موت ہے کہ یہ موت کو یاد دلاتا ہے (۲)۔

واللہ اعلم بالصواب

خلاصہ کتاب فرض الخمس والجزیة والموادعة

کتاب فرض الخمس والجزیہ میں کل 116 حدیثیں ہیں، جن میں سے 17 معلق اور 99 موصول ہیں، ان میں سے 67 سڑسٹھ حدیثیں پہلے گزر چکی ہیں اور 49 حدیثیں ایسی ہیں جن کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے پہلی مرتبہ یہاں ذکر کیا ہے۔ پہلی مرتبہ ذکر کردہ احادیث میں 16 حدیثیں ایسی ہیں کہ ان کی تخریج امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے نہیں کی ہے، گویا متفق علیہ حدیثیں 33 ہیں اور اس میں صحابہ و تابعین وغیرہ کے 20 آثار بھی ہیں۔

واللہ اعلم (۳)

وهذا آخر ما أردنا إيراده هنا من شرح أحاديث كتاب الخمس والجزية من صحيح البخاري، رحمه الله تعالى، للشيخ الإمام المحدث الجليل **سليم الله خان**، حفظه الله ورعاه، وامتعنا الله بطول حياته بصحة وعافية.

(۱) رواه ابن عبد البر من رواية عبد الوارث انظر الاستذكار: ۲۳۶/۷، كتاب الجامع، باب ما جاء في تحريم المدينة، رقم (۶۷۳/۳/۴۵)، نیز دیکھیے، الصحيح للبخاري، كتاب الجنائز، باب الإذخر والحشيش في القبر، رقم (۱۳۴۹)۔

(۲) الأبواب والتراجم للكاندھلوي: ۲۰۹/۱۔

(۳) فتح الباري: ۲۸۵/۶۔

وقد وقع الفراغ من تسويده، وإعادة النظر فيه، ثم تصحيح ملازم

الطبع بيوم الثلاثاء ٢٧ رمضان المبارك ١٤٣١ هـ الموافق ٧ سبتمبر ٢٠١٠ م.

والحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات، وصلى الله على النبي الأمي

وآله وصحبه وتابعيهم، وسلم عليه ما دامت الأرض والسموات.

رتبه وراجع نصوصه وعلق عليه حبيب الله محمد زكريا عضو

قسم التحقيق والتصنيف والأستاذ بالجامعة الفاروقية، ووفقه الله تعالى لإتمام

باقي الكتب كما يحبه ويرضاه وهو على كل شيء قدير، ولا حول ولا قوة إلا

بالله العلي العظيم، ويليه إن شاء الله "كتاب بدء الخلق".



مصادر ومراجع

- ١- القرآن الكريم
- ٢- الأحاد والمثاني، الإمام الحافظ أبو بكر أحمد بن عمرو بن أبي عاصم الشيباني، رحمه الله، المتوفى ٢٨٧هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.
- ٣- الأبواب والتراجم لصحيح البخاري، شيخ الحديث مولانا محمد زكريا الكاندهلوي، رحمه الله تعالى، متوفى ١٤٠٢هـ/١٩٨٢م، ايچ ايم سعيد كمپني، كراچی.
- ٤- الإحسان بترتيب صحيح ابن حبان، إمام أبو حاتم محمد بن حبان بستي، رحمه الله تعالى، متوفى ٣٥٤هـ، مؤسسة الرسالة، بيروت.
- ٥- أحكام القرآن، إمام أبو بكر أحمد بن علي رازي جصاص، رحمه الله تعالى، متوفى ٣٧٠هـ، دار الكتاب العربي بيروت، ودار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية ١٤٢٤هـ.
- ٦- أحكام القرآن، الإمام أبو بكر محمد بن عبد الله المعروف بابن العربي، رحمه الله، المتوفى ٥٤٣هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية ١٤٢٤هـ.
- ٧- أحكام القرآن، تأليف جماعة من العلماء الربانيين، على ضوء ما أفاده حكيم الأمة أشرف علي التهانوي، رحمه الله، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراتشي، الطبعة الأولى ١٤١٣هـ.
- ٨- إحياء علوم الدين، إمام محمد بن محمد الغزالي، رحمه الله تعالى، متوفى ٥٠٥هـ، دار إحياء التراث العربي، بيروت.
- ٩- أخبار المدينة، الإمام أبو زيد عمر بن شبة النميري البصري، رحمه الله، المتوفى ٢٦٢هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، ١٤١٧هـ.
- ١٠- أخبار مكة في قديم الدهر وحديثه، الإمام أبو عبد الله محمد بن إسحاق المكي

الفاكهى، رحمه الله، المتوفى ٢٧٢هـ، دار خضر، بيروت ١٤١٤، الطبعة الثانية.

١١- إرشاد الساري شرح صحيح البخاري، أبو العباس شهاب الدين أحمد القسطلاني،

رحمه الله تعالى، متوفى ٩٢٣هـ، المطبعة الكبرى الأميرية، مصر، طبع سادس ١٣٠٤هـ.

١٢- الأسامي والكنى، الإمام أبو عبد الله أحمد بن حنبل الشيباني، رحمه الله،

المتوفى ٢٤١هـ، مكتبة دار الأقصى، الكويت، الطبعة الأولى ١٤٠٦هـ.

١٣- الاستذكار الجامع لمذاهب فقهاء الأمصار وعلماء الأقطار.....، أبو عمر يوسف

بن عبد الله بن محمد بن عبد البر، رحمه الله تعالى، متوفى ٤٥٣هـ، دار إحياء التراث العربي،

بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢١هـ.

١٤- الإستيعاب في أسماء الأصحاب (بهامش الإصابة)، أبو عمر يوسف بن عبد الله

بن محمد بن عبد البر، رحمه الله تعالى، متوفى ٤٥٣هـ، دار الفكر، بيروت، ومطبوع في

مجلدين، الطبعة الأولى، ١٤٢٣هـ.

١٥- أسد الغابة في معرفة الصحابة، عز الدين أبو الحسين علي بن محمد الجزري

المعروف بابن الأثير، رحمه الله تعالى، المتوفى ٦٣٠هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

١٦- الأسماء المبهمة، الخطيب البغدادي، رحمه الله، المتوفى ٤٦٣هـ.

١٧- الأشباه والنظائر مع شرحه للحموي، العلامة زين الدين بن إبراهيم المعروف

بابن نجيم الحنفي، رحمه الله، المتوفى ٩٧٠هـ، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراتشي.

١٨- أعلام الحديث، إمام أبو سليمان حمد بن محمد الخطابي، رحمه الله تعالى،

متوفى ٣٨٨هـ، مركز إحياء التراث الإسلامي، جامعة أم القرى، مكة المكرمة.

١٩- إعلاء السنن، علامه ظفر أحمد عثمانى، رحمه الله تعالى، متوفى ١٣٩٤هـ،

إدارة القرآن، كراچی.

٢٠- الإقناع في حل ألفاظ أبي شجاع، للإمام محمد بن أحمد الشربيني الخطيب،

رحمه الله، المتوفى ٩٧٧هـ، دار الفكر، بيروت ١٤١٥هـ.

- ٢١- إكمال تهذيب الكمال، العلامة الهمام علاء الدين مغلطاي بن قليج الحنفي، رحمه الله، المتوفى ٥٧٦٤هـ، الفاروق الحديثة للطباعة والنشر، الطبعة الأولى ١٤٢٢هـ.
- ٢٢- الإكمال في رفع الارتباب عن المؤلف والمختلف في الأسماء والكنى والأنساب، الأمير الحافظ ابن ماكولا، رحمه الله، المتوفى ٤٧٥هـ، دائرة المعارف العثمانية، الهند.
- ٢٣- إكمال المعلم شرح صحيح مسلم، العلامة القاضي أبو الفضل عياض اليحصبي، رحمه الله، المتوفى ٥٤٤هـ.
- ٢٤- إكمال إكمال المعلم شرح صحيح مسلم، أبو عبد الله محمد بن خليفة الوثناني الأبي المالكي، رحمه الله تعالى، المتوفى ٨٢٧هـ، أو ٨٢٨هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.
- ☆- الأم (انظر كتاب الأم).
- ٢٥- الأنساب، أبو سعد عبد الكريم بن محمد بن منصور السمعاني، رحمه الله تعالى، متوفى ٥٦٢هـ، دار الجنان، بيروت، طبع أول ١٤٠٨هـ/١٩٨٨م.
- ٢٦- أوجز المسالك إلى مؤطا مالك، شيخ الحديث حضرت مولانا زكريا كاندهلوي، رحمه الله، متوفى ١٤٠٢هـ، مطابق ١٩٨٢م، دار القلم، دمشق، الطبعة الأولى ١٤٢٤هـ.
- ٢٧- البحر الرائق شرح كنز الدقائق، العلامة ابن نجيم المصري الحنفي، رحمه الله، المتوفى ٩٧٠هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.
- ٢٨- بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع، ملك العلماء علاء الدين أبو بكر بن مسعود الكاساني، رحمه الله تعالى، متوفى ٥٨٧هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.
- ٢٩- بداية المجتهد، علامه قاضي أبو الوليد محمد بن أحمد بن رشد القرطبي، متوفى ٥٩٥هـ، مصر طبع خاص، ودار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية ١٤٢٤هـ.
- ٣٠- البداية والنهاية، حافظ عماد الدين أبو الفداء اسماعيل بن عمر المعروف بابن كثير، رحمه الله تعالى، متوفى ٧٧٤هـ، مكتبة المعارف بيروت، طبع ثاني ١٩٧٧م.
- ٣١- البدر الساري حاشية فيض الباري، حضرت مولانا بدر عالم ميرٹھی صاحب،

رحمه الله تعالى، متوفى ١٣٨٥هـ، رباني بك دُبُو، دهلي، ١٩٨٠م.

٣٢- بذل المجهود في حل أبي داود، علامه خليل احمد سهارنپوري، رحمه الله

تعالى، متوفى ١٣٤٦هـ، مطبعة ندوة العلماء، لكهنؤ ١٣٩٣هـ/١٩٧٣م، ومركز الشيخ أبي الحسن الندوي، يوبي، الهند، الطبعة الأولى ١٤٢٧هـ.

٣٣- البناية شرح الهداية، العلامة بدر الدين عيني محمود بن أحمد، رحمه الله

تعالى، متوفى ٨٥٥هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢٠هـ.

٣٤- تاج العروس من جواهر القاموس، أبو الفيض سيد محمد بن محمد المعروف

بالمرتضى الزبيدي، رحمه الله تعالى، متوفى ١٢٠٥هـ، دار مكتبة الحياة، بيروت، ودار الهداية.

٣٥- تاريخ الاسلام اردو، مولانا اكبر شاه نجيب آبادي، نفيس اكيڈمي، اردو بازار كراچي.

٣٦- تاريخ الأمم والملوك (تاريخ الطبري)، الإمام أبو جعفر محمد بن جرير الطبري،

رحمه الله، المتوفى ٣٢٢هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثالثة، ١٤٢٦هـ.

٣٧- تاريخ بغداد أو مدينة السلام، حافظ أحمد علي المعروف بالخطيب

البغدادي، رحمه الله تعالى، متوفى ٤٦٣هـ، دار الكتاب العربي، بيروت.

☆- تاريخ الطبري (انظر تاريخ الأمم والملوك).

٣٨- تاريخ عثمان بن سعيد الدارمي، المتوفى ٢٨٠هـ، عن أبي زكريا يحيى بن معين،

المتوفى ٢٢٣هـ، دار المأمون للتراث، ١٤٠٠هـ.

٣٩- التاريخ الصغير، أمير المؤمنين في الحديث محمد بن إسماعيل البخاري، رحمه

الله تعالى، متوفى ٢٥٦هـ، دار المعرفة، بيروت.

٤٠- التاريخ الكبير، أمير المؤمنين في الحديث محمد بن إسماعيل البخاري، رحمه

الله تعالى، متوفى ٢٥٦هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

٤١- تاريخ مدينة دمشق وذكر فضلها وتسمية من حلها من الأماثل، أبو القاسم علي

بن الحسن ابن هبة الله الشافعي، رحمه الله، المتوفى ٥٧١هـ، دار الفكر، بيروت ١٩٩٥م.

٣٢- تحفة اثنا عشرية (فارسي)، شاه عبد العزيز محدث دهلوي، رحمه الله، متوفى ١٢٣٩هـ، سهيل اكيدي،

لاهور، پاکستان۔

٤٣- تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف، أبو الحجاج جمال الدين يوسف بن عبد

الرحمن المزي، رحمه الله تعالى، متوفى ٥٧٤٢هـ، المكتب الإسلامي بيروت، طبع دوم ١٤٠٣هـ.

٤٤- تحفة الباري، شيخ الإسلام زكريا بن محمد الأنصاري، رحمه الله، المتوفى

٩٢٦هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٢٥هـ.

٤٥- تدريب الراوي بشرح تقريب النواوي، حافظ جلال الدين عبد الرحمن سيوطي،

رحمه الله تعالى، متوفى ٩١١هـ، المكتبة العلمية، مدينة منورة.

٤٦- تذكرة الحفاظ، حافظ أبو عبد الله شمس الدين محمد بن عثمان الذهبي،

رحمه الله تعالى، متوفى ٧٤٨هـ، دائرة المعارف العثمانية، الهند.

٤٧- التصريح بما تواتر في نزول المسيح، إمام العصر، المحدث الكبير محمد أنور

شاه الكشميري، رحمه الله، المتوفى ١٣٥٢هـ، مكتبة دار العلوم كراتشي.

٤٨- التعليق الممجد المطبوع مع المؤطأ لمحمد، أبو الحسنات محمد عبد الحي

اللكنوي، رحمه الله، المتوفى ١٣٠٤هـ، قديمي كتب خانة، كراتشي.

٤٩- تعليقات الخطيب على الفتح المطبوع مع فتح الباري، محب الدين الخطيب،

رحمه الله.

٥٠- تعليقات على بذل المجهود، شيخ الحديث محمد زكريا كاندهلوي، رحمه الله

تعالى، المتوفى ١٤٠٢هـ، المكتبة التجارية، ندوة العلماء، لكهنؤ، الطبعة الثالثة

١٣٩٣هـ/١٩٧٣م، ومركز الشيخ أبي الحسن الندوي، الهند.

٥١- تعليقات على تحرير تقريب التهذيب الدكتور بشار عواد معروف والشيخ شعيب

ارنؤوط، حفظهما الله، مؤسسة الرسالة، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤١٧هـ.

٥٢- تعليقات على تهذيب التهذيب، المطبوع بذييل تهذيب التهذيب.

- ٥٣- تعليقات على تهذيب الكمال، دكتور بشار عواد معروف، حفظه الله تعالى، مؤسسة الرسالة، طبع أول ١٤١٣هـ.
- ٥٤- تعليقات على الكاشف للذهبي، شيخ محمد عوامة / شيخ أحمد محمد نمر الخطيب حفظهما الله، مؤسسة دار القبلة / مؤسسة علوم القرآن، الطبعة الأولى ١٤١٣هـ.
- ٥٥- تعليقات على الكوكب الدري، مولانا شيخ الحديث محمد زكريا الكاندهلوي، رحمه الله تعالى، المتوفى ١٤٠٢هـ.
- ٥٦- تعليقات على لامع الدراري، شيخ الحديث مولانا محمد زكريا صاحب، رحمه الله تعالى، متوفى ١٤٠٢هـ/ ١٩٨٢م، مكتبه امداديه، مکه مکرمه.
- ٥٧- تعليقات على المصنف، الشيخ محمد عوامة، حفظه الله ورعاه، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراتشي، الطبعة الثانية، ١٤٢٨هـ.
- ٥٨- تعليقات على المعجم الكبير، حمدي عبد المجيد السلفي، دار إحياء التراث العربي، الطبعة الثانية.
- ٥٩- تعليق التعليق، حافظ أحمد بن علي المعروف بابن حجر، رحمه الله تعالى، متوفى ٨٥٢هـ، المكتب الإسلامي، ودار عمار، والمكتبة الأثرية، لاهور، باكستان.
- ٦٠- تفسير آيات الأحكام من القرآن، الشيخ محمد علي الصابوني، حفظه الله ورعاه، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٢٥هـ.
- ٦١- تفسير البغوي المسمى بمعالم التنزيل، الإمام أبو محمد الحسين بن مسعود البغوي، رحمه الله، المتوفى ٥١٦هـ، دار المعرفة، بيروت.
- ٦٢- تفسير البيضاوي مع حاشية الشهاب، الإمام أبو سعيد عبد الله بن عمر البيضاوي، رحمه الله، المتوفى ٦٨١هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤١٧هـ.
- ☆- تفسير الثعلبي (انظر الكشف والبيان).
- ٦٣- تفسير السمرقندي المسمى بحر العلوم، الإمام الفقيه نصر بن محمد أبو الليث

السمرقندي، رحمه الله، المتوفى ٥٣٧٥هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

٦٣- تفسير السمعاني، أبو المظفر منصور بن محمد السمعاني، رحمه الله،

المتوفى ٥٤٨٩هـ، دار الوطن، الرياض، ١٤١٨هـ.

٦٤- تفسير الطبري (جامع البيان)، إمام محمد بن جرير الطبري، رحمه الله تعالى،

متوفى ٥٣١٠هـ، دار المعرفة، بيروت.

٦٥- تفسير القرآن العظيم، حافظ أبو الفداء عماد الدين إسماعيل بن عمر ابن كثير

دمشقي، رحمه الله تعالى، متوفى ٥٧٧٤هـ، دار إحياء الكتب العربية.

٦٦- تفسير القرطبي (الجامع لأحكام القرآن)، إمام أبو عبد الله محمد بن أحمد

الأنصاري القرطبي، رحمه الله تعالى، متوفى ٦٧١هـ، دار الفكر، بيروت.

٦٧- التفسير الكبير (تفسير الرازي أو مفاتيح الغيب)، الإمام أبو عبد الله فخر الدين

محمد بن عمر الرازي، رحمه الله، المتوفى ٦٠٦هـ، مكتب الإعلام الإسلامي، إيران.

٦٨- تفسير المنار، السيد الإمام محمد رشيد رضا المصري، رحمه الله، المتوفى

١٩٣٥م، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الثانية، ١٤٢٦هـ.

٦٩- تفسير النسفي (مدارك التنزيل وحقائق التأويل)، أبو البركات عبد الله بن أحمد

النسفي، رحمه الله، المتوفى ٥١٠هـ، المكتبة العلمية، لاهور، باكستان.

٧٠- تقريب التهذيب، حافظ ابن حجر عسقلاني، رحمه الله تعالى، متوفى ٧٥٢هـ،

دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤١٣هـ.

٧١- تفسيرات الرافعي المسماة: التحرير المختار لرد المحتار، الإمام العلامة عبد القادر

بن مصطفى البيساري الرافعي الحنفي، رحمه الله، المتوفى ١٣٢٣هـ، مكتبة رشيدية، كوثته.

٧٢- التقرير والتحبير في علم الأصول، الجامع بين اصطلاح الحنفية والشافعية، ابن

أمير الحاج رحمه الله، المتوفى ٨٧٩هـ، دار الفكر، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤١٧هـ.

٧٣- تكملة فتح الملهم، مولانا مفتي محمد تقي عثمانى صاحب مدظلهم، مكتبه

دارالعلوم كراچی، ودار إحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الأولى ١٤٢٦ هـ.

٧٤- التلخيص الحبير في تخريج أحاديث الرافعي الكبير، حافظ ابن حجر عسقلاني،

رحمه الله، متوفى ٨٥٢ هـ، دار نشر الكتب الإسلامية، لاهور، ودار الكتب العلمية، بيروت، ١٤١٩ هـ.

٧٥- تلخيص المستدرک (مع المستدرک)، حافظ شمس الدين محمد بن أحمد بن

عثمان ذهبي، رحمه الله تعالى، متوفى ٧٤٨ هـ، دار الفكر، بيروت.

٧٦- التمهيد لما في المؤطا من المعاني والأسانيد، حافظ أبو عمر يوسف بن عبد الله

بن محمد بن عبد البر مالكي، رحمه الله تعالى، متوفى ٤٦٣ هـ، المكتبة التجارية، مكة المكرمة.

٧٧- تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأحاديث الشنيعة الموضوعة، الإمام أبو الحسن

علي بن محمد بن عراق الكناني، رحمه الله تعالى، المتوفى ٩٦٣ هـ، دار الكتب العلمية

بيروت، الطبعة الثانية، ١٤٠١ هـ.

٧٨- تنوير المقباس من تفسير ابن عباس، المنسوب إلى عبد الله بن عباس رضي الله

عنهما، المتوفى ٦٨ هـ، جمعه محمد بن يعقوب الفيروز آبادي، رحمه الله، المتوفى ٨١٧ هـ، دار

الكتب العلمية، بيروت.

٧٩- توضيح المشتبه، حافظ شمس الدين ذهبي، رحمه الله، متوفى ٧٤٨ هـ، دار

الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٢٤ هـ.

٨٠- تهذيب الأسماء واللغات، إمام محي الدين أبو زكريا يحيى بن شرف النووي،

رحمه الله تعالى، متوفى ٦٧٦ هـ، إدارة الطباعة المنيرية.

٨١- تهذيب تاريخ دمشق الكبير، الإمام الحافظ أبو القاسم علي المعروف بابن عساكر

الشافعي، رحمه الله تعالى، المتوفى ٥٧١ هـ، دار المسيرة، بيروت، الطبعة الثانية ١٣٩٩ هـ.

٨٢- تهذيب التهذيب، حافظ ابن حجر عسقلاني، رحمه الله تعالى، متوفى ٨٥٢ هـ،

دائرة المعارف النظامية، حيدر آباد دكن، ١٣٢٥ هـ.

٨٣- تهذيب سنن أبي داود، الإمام ابن قيم الجوزية، رحمه الله، المتوفى ٧٥١ هـ،

مطبعة أنصار السنة المحمدية، ١٣٦٧هـ.

٨٤- تهذيب الكمال، حافظ جمال الدين أبو الحجاج يوسف بن عبد الرحمن مزي،

رحمه الله تعالى، متوفى ٧٤٢هـ، مؤسسة الرسالة، طبع أول، ١٤١٣هـ.

٨٥- الثقات (كتاب الثقات)، حافظ أبو حاتم محمد بن حبان بستي، رحمه الله

تعالى، متوفى ٢٥٤هـ، دائرة المعارف العثمانية، حيدر آباد، ١٣٩٣هـ.

٨٦- جامع الأصول من حديث الرسول، علامه مجد الدين أبو السعادات المبارك بن

محمد بن الأثير الجزري، رحمه الله تعالى، متوفى ٦٠٦هـ، دار الفكر، بيروت.

☆- جامع البيان (ديكته، تفسير الطبري).

٨٧- جامع الترمذي (سنن ترمذي)، إمام أبو عيسى محمد بن عيسى بن سورة الترمذي،

رحمه الله تعالى، متوفى ٢٧٩هـ، إيج ايم سعيد كمپني، كراچی / دار إحياء التراث العربي.

٨٨- الجامع الصغير من أحاديث البشير النذير، الإمام جلال الدين السيوطي، رحمه

الله، المتوفى ٩١١هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

☆- الجامع لأحكام القرآن (تفسير القرطبي).

٨٩- جامع المسانيد والسنن، الإمام المحدث إسماعيل بن عمر ابن كثير الدمشقي،

رحمه الله، المتوفى ٧٧٤هـ، دار الفكر، بيروت، الطبعة الثانية، ١٤٢٣هـ.

٩٠- الجرح والتعديل، الإمام الحافظ عبد الرحمن بن أبي حاتم الرازي، رحمه الله

تعالى، المتوفى ٣٢٧هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٢٢هـ/ ٢٠٠٢م.

٩١- الجمع بين الصحيحين: البخاري ومسلم، الإمام محمد بن الفتح الحميدي،

رحمه الله، المتوفى ٢١٩هـ، دار ابن حزم، بيروت، الطبعة الثانية، ١٤٢٣هـ.

٩٢- جمع الجوامع (الجامع الكبير والجامع الصغير وزوائده) الإمام جلال الدين

السيوطي، رحمه الله، المتوفى ٩١١هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٢١هـ.

٩٣- جمهرة أنساب العرب، أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد بن حزم الأندلسي،

رحمه الله، المتوفى ١٤٥٦ هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، ١٤٢٤ هـ، الطبعة الثالثة.

٩٤- الجوهر النقي في الرد على البيهقي، المطبوع في ذيل السنن الكبرى، العلامة

علاء الدين الشهير بابن التركماني، رحمه الله، المتوفى ٧٤٥ هـ، نشر السنة، ملتان، باكستان.

☆- حاشية ابن عابدين (انظر رد المحتار).

٩٥-- حاشية الجمل على العجلايين (الفتوحات الإلهية)، الإمام العلامة سليمان الجمل،

رحمه الله تعالى، المتوفى ١٢٠٤ هـ، قديمي.

٩٦- حاشية الدسوقي على الشرح الكبير، الإمام العلامة محمد بن أحمد الدسوقي

المالكي، رحمه الله، المتوفى ١٢٣٠ هـ، دار الكتب العلمية، الطبعة الثانية، ١٤٢٤.

٩٧- حاشية سبط ابن العجمي على الكاشف، إمام برهان الدين إبراهيم بن محمد سبط

ابن العجمي الحلبي، رحمه الله تعالى، متوفى ٨٤١ هـ، شركة دار القبلة / مؤسسة علوم القرآن.

٩٨- حاشية السندي على البخاري، إمام أبو الحسن نور الدين محمد بن عبد الهادي

السندي، رحمه الله تعالى، متوفى ١١٣٨ هـ، دار المعرفة، بيروت.

٩٩- حاشية السندي على مسلم، المطبوع مع صحيح مسلم، الإمام أبو الحسن

السندي، رحمه الله، متوفى ١١٣٨ هـ، قديمي كتب خانة، كراتشي.

١٠٠- حاشية السهارنفوري، المطبوع مع صحيح البخاري، مولانا أحمد علي

السهارنفوري، رحمه الله تعالى، المتوفى ١٢٩٧ هـ، طبع قديمي.

١٠١- حاشية الشهاب المسمدة: عناية القاضي وكفاية الراضي، علي البيضاوي،

القاضي شهاب الدين أحمد بن محمد بن عمر الخفاجي رحمه الله، المتوفى ١٠٦٩ هـ، دار

الكتب العلمية، بيروت.

١٠٢- الحاوي في سيرة الإمام الطحاوي، المطبوع مع شرح معاني الآثار، إمام أهل

السنة العلامة محمد زاهد الكوثري، رحمه الله.

١٠٣- الحصائص الكبرى، الإمام جلال الدين السيوطي، رحمه الله تعالى، ٩١١ هـ،

دار الكتب العلمية، بيروت.

۱۰۴- خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی (اردو) شیخ الحدیث محمد زکریا

کاندھلوی رحمہ اللہ، متوفی ۱۴۰۲ھ.

۱۰۵- خلاصة الخزر جي (خلاصة تذهيب تهذيب الكمال)، علامہ صفی الدین

خزر جي، رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۹۲۳ھ کے بعد، مکتب المطبوعات الإسلامية بحلب.

۱۰۶- دائرہ معارف اسلامیہ (اردو)، اساتذہ جامعہ پنجاب، دانش گاہ پنجاب، لاہور، نقش ثانی ۱۹۸۰م۔

۱۰۷- الدر المختار، علامہ علاء الدین محمد بن علی بن محمد الحصکفی، رحمہ

اللہ تعالیٰ، متوفی ۱۰۸۸ھ، مکتبہ عارفین، پاکستان چوک، کراچی.

۱۰۸- دلائل النبوة، الحافظ أبو بکر أحمد بن الحسين بن علي البيهقي، رحمہ اللہ

تعالیٰ، متوفی ۴۵۸ھ، مکتبہ أثرية، لاہور.

۱۰۹- الديباج على صحيح مسلم بن الحجاج، أبو الفضل عبد الرحمن بن أبي بكر جلال

الدين السيوطي، رحمہ اللہ، المتوفی ۹۱۱ھ، إدارة القرآن کراتشي، الطبعة الأولى، ۱۴۱۲ھ.

۱۱۰- ديوان الحماسة (المحشى)، أبو تمام حبيب بن أوس الطائي، رحمہ اللہ،

المتوفی ۲۰۲ھ، دار الحديث ملتان، پاکستان.

۱۱۱- ذخائر المواريث في الدلالة على مواضع الحديث، العلامة عبد الغني بن

إسماعيل بن عبد الغني النابلسي، رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۱۲۴۳ھ، دار المعرفة، بيروت.

۱۱۲- رد المحتار، علامہ محمد أمين بن عمر بن عبدالعزيز عابدين شامي، رحمہ

اللہ تعالیٰ، متوفی ۱۲۵۲ھ، مکتبہ رشيدية، کوئٹہ.

۱۱۳- رسالة شرح تراجم أبواب البخاري، (مطبوعه مع صحيح البخاري)، حضرت

مولانا شاه ولي الله، رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۱۱۷۶ھ، قديمي.

۱۱۴- رفع الحاجب عن مختصر ابن الحاجب، تاج الدين أبو النصر عبد الوهاب بن

علي السبكي، رحمہ اللہ، المتوفی ۷۷۱ھ، عالم الكتب، بيروت، الطبعة الأولى ۱۴۱۹ھ.

☆- روائع البيان (انظر تفسير آيات الأحكام).

- ١١٥- روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني، أبو الفضل شهاب الدين سيد محمود آلوسي بغدادى، رحمه الله تعالى، متوفى ١٢٧٠هـ، مكتبه إمداديه، ملتان.
- ١١٦- الروض الأنف في تفسير أحاديث السيرة النبوية لابن هشام، الإمام المحدث أبو القاسم عبد الرحمن السهيلي، رحمه الله، المتوفى ٥٠٨هـ، عبد التواب اكيذمي، ملتان.
- ١١٧- زاد المعاد من هدي خير العباد، حافظ شمس الدين أبو عبد الله بن أبي بكر المعروف بابن القيم، رحمه الله تعالى، متوفى ٧٥١هـ، مؤسسة الرسالة.
- ١١٨- سبل السلام شرح بلوغ المرام، السيد الإمام محمد بن إسماعيل الصنعاني المعروف بالأمر، رحمه الله، المتوفى ١١٨٢هـ، دار إحياء التراث العربي، بيروت، الطبعة الخامسة.
- ١١٩- سنن ابن ماجه، إمام أبو عبد الله محمد بن ماجه، رحمه الله تعالى، متوفى ٢٧٣هـ، قديمي / دار الكتاب المصري، القاهرة.
- ١٢٠- سنن أبي داود، إمام أبو داود سليمان بن الأشعث السجستاني، رحمه الله تعالى، متوفى ٢٧٥هـ، ايچ ايم سعيد كمپنى / دار إحياء السنة النبوية.
- ١٢١- سنن الدارقطني، حافظ أبو الحسن علي بن عيسى الدارقطني، رحمه الله تعالى، متوفى ٣٨٥هـ، دار نشر الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية، ١٤٢٤هـ / ٢٠٠٢م.
- ١٢٢- سنن الدارمي، إمام أبو محمد عبد الله بن عبد الرحمن الدارمي، رحمه الله تعالى، متوفى ٢٥٥هـ، قديمي.
- ١٢٣- سنن سعيد بن منصور، الإمام الحافظ سعيد بن منصور بن شعبة الخراساني المكي، رحمه الله، المتوفى ٢٢٧هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.
- ١٢٤- السنن الصغرى للنسائي، إمام أبو عبد الرحمن بن شعيب النسائي، رحمه الله تعالى، متوفى ٣٠٣هـ، قديمي / دار السلام رياض.
- ١٢٥- السنن الكبرى للنسائي، إمام أبو عبد الرحمن أحمد بن شعيب النسائي، رحمه

الله تعالى، متوفى ٣٠٣هـ، نشر السنة، ملتان.

١٢٦- السنن الكبرى للبيهقي، إمام حافظ أبو بكر أحمد بن الحسين بن علي

البيهقي، رحمه الله تعالى، متوفى ٤٥٨هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

١٢٧- سير أعلام النبلاء، حافظ أبو عبد الله شمس الدين محمد بن أحمد بن عثمان

ذهبي، رحمه الله تعالى، متوفى ٧٤٨هـ، مؤسسة الرسالة.

☆- السير الكبير (انظر كتاب السير الكبير).

١٢٨- السيرة الحلبية (أنسان العيون)، علامه علي بن برهان الدين الحلبي، رحمه

الله تعالى، المتوفى ١٠٤٤هـ، المكتبة الإسلامية، بيروت.

١٢٩- السيرة النبوية، الإمام أبو محمد عبد الملك بن هشام المعافري، رحمه الله

تعالى، متوفى ٢١٣هـ، مطبعة مصطفى البابي الحلبي بمصر، ١٣٥٥هـ، والسكتة العلمية، بيروت.

١٣٠- شرح علل الترمذي، الإمام الحافظ ابن رجب الحلبي، رحمه الله، المتوفى

٥٧٩٥هـ.

١٣١- الشرح الكبير، للإمام الدردير المالكي، رحمه الله، المتوفى ١٢٠١هـ،

المطبوع من حيث المتن مع حاشية الدسوقي، رحمه الله، دار الكتب العلمية، بيروت.

١٣٢- شرح التوضيح (التلويح)، العلامة سعد الدين التفتازاني الشافعي، رحمه الله،

المتوفى ٧٩٣هـ، مير محمد كتب خانه، كراچی.

١٣٣- شرح ابن بطلال، إمام أبو الحسن علي بن خلف بن عبد الملك المعروف بابن

بطلال، رحمه الله تعالى، متوفى ٤٤٩هـ، مكتبة الرشد، الرياض، الطبعة الأولى، ١٤٢٠هـ.

١٣٤- شرح الزرقاني على المؤطا، شيخ محمد بن عبد الباقي بن يوسف الزرقاني

المصري، رحمه الله تعالى، متوفى ١١٣٢هـ، دار الفكر، بيروت.

١٣٥- شرح السنة، الإمام المحدث أبو محمد الحسين بن مسعود البغوي، رحمه الله

٥١٦هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية، ١٤٢٤هـ.

☆ - شرح الطيبي (ديكهت، الكاشف عن حقائق السنن).

١٣٦- شرح سنن ابن ماجه المسمى بـ إنجاح الحاجة، الشيخ عبد الغني المجددي الدهلوي، رحمه الله، المتوفى ١٢٩٥هـ، والمسمى بـ مصباح الرجاجة، الحافظ جلال الدين عبد الرحمن السيوطي، رحمه الله، المتوفى ٩١١هـ، وتعليقات لفخر الحسن المحدث الكنگوهي، رحمه الله، قديمى كتب خانه، كراتشي.

١٣٧- شرح السير الكبير، الإمام محمد بن أحمد السرخسي، رحمه الله، المتوفى ٤٩٠هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.

☆ - شرح الشفاء (انظر: نسيم الرياض).

☆ - شرح القسطلاني (ديكهت، إرشاد الساري).

١٣٨- شرح الكرمانى (الكواكب الدراري) علامه شمس الدين محمد بن يوسف بن علي الكرمانى، رحمه الله تعالى، متوفى ٧٨٦هـ، دار إحياء التراث العربى، بيروت.

١٣٩- شرح مشكل الآثار، الإمام المحدث أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة الطحاوي، رحمه الله، المتوفى ٣٢١هـ، مؤسسة الرسالة، الطبعة الثانية، ١٤٢٧هـ.

١٤٠- شرح معانى الآثار، الإمام المحدث أبو جعفر أحمد بن محمد بن سلامة

الطحاوي، رحمه الله، المتوفى ٣٢١هـ، مير محمد، آرام باغ، كراچى.

☆ - شرح المذهب (ديكهت، المجموع).

١٤١- شرح النقاية، الإمام علي بن محمد سلطان القاري الحنفي، رحمه الله،

المتوفى ١٠١٤هـ، ايچ ايم سعيد كمپنى، كراچى.

١٤٢- شرح النووي على صحيح مسلم، إمام أبوزكريا يحيى بن شرف النووي،

رحمه الله تعالى، المتوفى ٦٧٦هـ، قديمى.

١٤٣- الشفاء بتعريف حقوق المصطفى، للإمام القاضي عياض المالكي اليحصبي،

رحمه الله، المتوفى ٥٤٤هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية، ١٤٢٢هـ.

- ١٤٤ - الشمائل المحمدية، الإمام أبو عيسى محمد بن عيسى بن سورة الترمذي، رحمه الله، المتوفى ٢٧٩هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، ١٤٢٧هـ.
- ١٤٥ - الصحاح (قاموس عربي - عربي)، الإمام إسماعيل بن حماد الجوهري، رحمه الله، المتوفى ٣٩٣هـ، دار المعرفة، بيروت، الطبعة الثانية، ١٤٢٨هـ.
- ١٤٦ - الصحيح للبخاري، إمام أبو عبد الله محمد بن إسماعيل البخاري، رحمه الله تعالى، المتوفى ٢٥٢هـ، قديمي كتب خانة، كراچی / دار السلام، رياض، الطبعة الأولى، ١٤١٧هـ.
- ١٤٧ - الصحيح لمسلم، إمام مسلم بن الحجاج القشيري النيسابوري، رحمه الله تعالى، متوفى ٢٦١هـ، قديمي كتب خانة، كراچی / دار السلام، رياض.
- ☆ - الضعفاء الكبير (انظر كتاب الضعفاء الكبير).
- ١٤٨ - الطبقات الكبرى، الإمام أبو محمد بن سعد، رحمه الله، المتوفى ٢٣٠هـ، دار صادر بيروت.
- ١٤٩ - طرح التثريب في شرح التقریب، إمام زين الدين، أبو الفضل عبد الرحيم بن الحسين العراقي، المتوفى ٨٠٦هـ، وولده الحافظ أبو زرعة العراقي، المتوفى ٨٢٦هـ، مكتبة نزار مصطفى الباز، مكة المكرمة.
- ١٥٠ - العئل الواردة في الأحاديث النبوية، الشيخ الإمام أبو الحسن علي بن عمر الدار قطني، رحمه الله، المتوفى ٣٨٥هـ، دار طيبة، الطبعة الثانية، ١٤٢٤هـ.
- ١٥١ - العئل المتناهية في الأحاديث الواهية، الإمام عبد الرحمن ابن الجوزي، رحمه الله، المتوفى ٥٩٧هـ.
- ١٥٢ - عمدة القاري، الإمام بدر الدين أبو محمد بن محمود أحمد العيني، رحمه الله تعالى، متوفى ٨٥٥هـ، إدارة الطباعة المنيرية.
- ١٥٣ - غريب الحديث، الإمام أحمد بن محمد الخطابي البستي، رحمه الله، المتوفى ٣٨٨هـ، جامعة أم القرى، مكة المكرمة، ١٤٠٢هـ.

۱۵۴- الفاروق، مولانا شبلی نعمانی، دارالاشاعت، کراچی۔

۱۵۵- فتاویٰ قاضی خان بہامش الفتاویٰ الہندیۃ (العالمگیریۃ)، الإمام فخر الدین

حسن بن منصور الفرغانی، رحمہ اللہ تعالیٰ، المتوفی ۵۹۲ھ، نورانی کتب خانہ پشاور۔

۱۵۶- الفتاویٰ الہندیۃ (العالمگیریۃ)، العلامة الإمام الشیخ نظام وجماعة من علماء

الہند، نورانی کتب خانہ، پشاور۔

۱۵۷- فتح الباری شرح صحیح البخاری، الإمام زین الدین عبد الرحمن بن أحمد ابن

رجب الحبلی، رحمہ اللہ، المتوفی ۷۹۵ھ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، الطبعة الأولى، ۱۴۲۷ھ۔

۱۵۸- فتح الباری، حافظ أحمد بن علي المعروف بابن حجر العسقلانی، رحمہ اللہ

تعالیٰ، متوفی ۸۵۲ھ، دار الفکر، بیروت۔

۱۵۹- فتح الملہم، شیخ الإسلام علامہ شبیر أحمد عثمانی، رحمہ اللہ، متوفی

۱۳۶۹ھ، دار إحياء التراث العربی، بیروت۔

۱۶۰- فتح القدير (تفسير) الجامع بين فني الرواية والدراية من علم التفسير، الإمام

محمد بن علي الشوكاني، رحمہ اللہ، المتوفی ۱۲۵۰ھ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔

۱۶۱- فتح القدير، إمام کمال الدین محمد بن عبد الواحد المعروف بابن الهمام،

رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی ۸۶۱ھ، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ۔

۱۶۲- فتوح البلدان، الإمام الجغرافي أحمد بن يحيى بن جابر بن داود البلاذري،

رحمہ اللہ، المتوفی ۲۷۹ھ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۴۰۳ھ۔

۱۶۳- الفردوس بمأثور الخطاب، أبو شجاع شيرويه بن شهر دار بن شيرويه الديلمي

الهمداني، المقلب بـ إلكيا، رحمہ اللہ، المتوفی ۵۰۹ھ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت۔

۱۶۴- الفقه الحنفي وأدلتہ، الشیخ أسعد محمد سعيد الصاغر جي، حفظہ اللہ،

دار الکلم الطیب، بیروت، الطبعة الثالثة، ۱۴۲۴ھ۔

۱۶۵- فیض الباری، إمام العصر علامہ أنور شاہ کشمیری، رحمہ اللہ تعالیٰ، متوفی

۱۳۵۲ھ، مطبعة دار المأمون، الطبعة الأولى.

۱۶۶- فیض القدير شرح الجامع الصغير، العلامة محمد عبد الرؤوف المناوي،

رحمه الله، المتوفى ۱۰۳۱ھ، دار الكتب العلمية، الطبعة الثالثة، ۱۴۲۷ھ.

۱۶۷- القاموس الوحيد، مولانا وحيد الزمان بن مسيح الزمان قاسمي كيرانوي،

رحمه الله تعالى، متوفى ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۵م، إدارة اسلاميات، لاهور - كراچی.

۱۶۸- قواعد في علوم الحديث، العلامة المحقق ظفر أحمد العثماني، رحمه الله

تعالى، المتوفى ۱۳۹۴ھ، إدارة القرآن، كراچی.

۱۶۹- الكاشف، شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان ذهبي، رحمه

الله تعالى، متوفى ۷۴۸ھ، شركة دار القبلة / مؤسسة علوم القرآن، طبع أول ۱۴۱۳ھ.

۱۷۰- الكاشف عن حقائق السنن، (شرح الطيبي) إمام شرف الدين حسين بن

محمد بن عبد الله الطيبي، رحمه الله تعالى، متوفى ۷۴۳ھ، إدارة القرآن، كراچی.

۱۷۱- الكامل في التاريخ، علامه أبو الحسن عز الدين علي بن محمد ابن الأثير

الجوزي، رحمه الله تعالى، متوفى ۶۳۰ھ، دار الكتب العربي، بيروت.

۱۷۲- الكامل في ضعفاء الرجال، إمام حافظ أبو أحمد عبد الله بن عدي جرجاني،

رحمه الله تعالى، متوفى ۳۲۵ھ، دار الفكر، بيروت.

☆- كتاب أخبار المدينة (أنظر: أخبار المدينة).

☆- كتاب أخبار مكة (انظر: أخبار مكة).

☆- كتاب الأسماء المبهمة (انظر: الأسماء المبهمة).

۱۷۳- كتاب الأم (الأم)، إمام محمد بن ادريس الشافعي، رحمه الله تعالى، متوفى

۲۰۴ھ، دار المعرفة، بيروت، طبع ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳م.

۱۷۴- كتاب الأموال، الإمام حميد بن مخلد بن قتيبة ابن زنجويه، رحمه الله،

المتوفى ۲۵۱ھ، مركز فيصل للبحوث.

- ١٧٥- كتاب الأموال، الإمام أبو عبيد القاسم بن سلام الهروي الأزدي، رحمه الله، المتوفى ٥٢٢٤هـ، دار الفكر، بيروت، ١٤٠٨هـ.
- ١٧٦- كتاب الخراج، الإمام أبو يوسف يعقوب القاضي، رحمه الله، المتوفى ١٨٢هـ.
- ١٧٧- كتاب الخراج، الإمام يحيى بن آدم القرشي، رحمه الله، المتوفى ٥٢٠٣هـ، المكتبة العلمية، لاهور، باكستان، الطبعة الأولى، ١٩٧٤م.
- ١٧٨- كتاب السير الكبير، الإمام محمد بن الحسن الشيباني، رحمه الله، المتوفى ١٨٩هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.
- ١٧٩- كتاب السنة، الإمام الحافظ أبو بكر أحمد بن عمرو بن أبي عاصم الضحاك بن مخلد الشيباني، رحمه الله، المتوفى ٢٨٧هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.
- ١٨٠- كتاب الضعفاء الكبير، أبو جعفر محمد بن عمر بن موسى بن حماد العقيلي المكي، رحمه الله تعالى، متوفى ٣٢٢هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.
- ١٨١- كتاب العين، الإمام أبو عبد الرحمن خليل بن أحمد الفراهيدي، رحمه الله، المتوفى ١٧٠هـ، دار ومكتبة الهلال.
- ١٨٢- كتاب المبسوط، الإمام شمس الأئمة أبو بكر محمد بن أبي سهل السرخسي، رحمه الله تعالى، المتوفى ٤٨٣هـ، دار المعرفة، بيروت، الطبعة الثالثة، ١٣٩٨هـ.
- ١٨٣- كتاب المجروحين من المحدثين، الإمام محمد بن حبان البستي، رحمه الله، المتوفى ٣٥٤هـ، دار الصميعي، الرياض، الطبعة الأولى، ١٤٢٠هـ.
- ١٨٤- كتاب المغازي، الإمام محمد بن عمر الواقدي، رحمه الله تعالى، المتوفى ٢٠٧هـ، مؤسسة الأعلمي، بيروت.
- ١٨٥- كتاب الميسر في شرح مصاييح السنة، الإمام أبو عبد الله الحسن التوربشتي، رحمه الله تعالى، المتوفى ٦٦١هـ، مكتبة مصطفى نزار الباز، مكة المكرمة، الطبعة الأولى ١٤٢٢هـ.
- ١٨٦- الكتب الستة (موسوعة الحديث الشريف) بإشراف ومراجعة فضيلة الشيخ

صالح بن عبد العزيز آل الشيخ، دار السلام، الرياض.

١٨٧- الكاشف عن حقائق غوامض التنزيل، الإمام جابر الله محمود بن عمر

الزمخشري، المتوفى ٥٢٨هـ، دار الكتاب العربي، بيروت، لبنان.

١٨٨- كشف الأستار عن زوائد البزار على الكتب الستة، الحافظ نور الدين علي بن

أبي بكر الهيثمي ٨٠٧هـ، بتحقيق الشيخ حبيب الرحمن الأعظمي، مؤسسة الرسالة، الطبعة

الثانية، ١٤٠٤هـ.

١٨٩- كشف الباري، شيخ الحديث حضرت مولانا سليم الله خان صاحب

مدظلمهم، مكتبة فاروقيه، كراچی.

١٩٠- كشف الخفاء ومزيل الإلباس، شيخ إسماعيل بن محمد عجلوني، رحمه الله

تعالی، متوفى ١١٦٢هـ، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

١٩١- كشف المشكل من حديث الصحيحين، الإمام عبد الرحمن ابن الجوزي،

رحمه الله، المتوفى ٥٩٧هـ، دار الوطن، الرياض، ١٤١٨هـ.

١٩٢- الكشف والبيان، المعروف بـ (تفسير الثعلبي)، الإمام العلامة أبو إسحاق أحمد بن

محمد بن إبراهيم، رحمه الله، المتوفى ٤٢٨هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٢٥هـ.

١٩٣- كنز العمال، علامه علاء الدين علي المتقي بن حسام الدين الهندي، رحمه

الله تعالى، متوفى ٩٧٥هـ، مكتبة التراث الإسلامي، حلب.

١٩٤- الكوثر الجاري إلى رياض أحاديث البخاري، الإمام أحمد بن إسماعيل الكوراني

الحنفي، رحمه الله، المتوفى ٨٩٣هـ، دار إحياء التراث العربي بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٢٩هـ.

١٩٥- الكوكب الدرّي، حضرت مولانا رشيد احمد گنگوہی، رحمه الله تعالى،

متوفى ١٣٢٣هـ، إدارة القرآن، كراچی.

☆- الكواكب الدراري (ديکھی، شرح الکرمانی).

١٩٦- لامع الدراري، حضرت مولانا رشيد احمد گنگوہی، رحمه الله تعالى،

متوفى ١٣٢٣ هـ، مكتبه إمداديه، مكة المكرمة.

١٩٧- لسان العرب، أبو الفضل جمال الدين محمد بن مكرم ابن منظور أفريقي مصري،

رحمه الله تعالى، متوفى ٧١١ هـ، نشر ادب الجوزة، قم، إيران، ١٤٠٥ هـ، ودار صادر، بيروت.

١٩٨- لسان الميزان، الحافظ أحمد بن علي المعروف بابن حجر العسقلاني، رحمه الله،

متوفى ٨٥٢ هـ، بتحقيق الشيخ عبد الفتاح، رحمه الله، دار البشائر الإسلامية، الطبع الأول، ١٤٢٣ هـ.

١٩٩- المؤوطأ، الإمام مالك بن أنس، رحمه الله تعالى، متوفى ١٧٩ هـ، دار إحياء

التراث العربي، بيروت.

٢٠٠- المؤوطأ، الإمام محمد الحسن الشيباني، رحمه الله، المتوفى ١٨٩ هـ، قديمي

كتب خانة، كراچی.

٢٠١- المتواري على تراجم أبواب البخاري، علامه ناصر الدين أحمد بن محمد

المعروف بابن المنير الاسكندراني، رحمه الله تعالى، متوفى ٦٨٢ هـ، مظهري كتب خانة، كراچی.

٢٠٢- مجمع بحار الأنوار، علامه محمد بن طاهر پتني، رحمه الله تعالى، متوفى

٩٨٢ هـ، دائرة المعارف العثمانية، حيدر آباد، ١٣٩٥ هـ.

٢٠٣- مجمع الزوائد، إمام نور الدين علي بن أبي بكر الهيثمي، رحمه الله تعالى،

متوفى ٨٠٧ هـ، دار الفكر، بيروت.

٢٠٤- المجموع (شرح المذهب)، إمام محي الدين أبوزكريا يحيى بن شرف

النووي، رحمه الله تعالى، متوفى ٢٧٦ هـ، شركة من علماء الأزهر.

٢٠٥- مجموع رسائل ابن عابدين، العلامة المحقق السيد محمد امين آفندي

الشهير بابن عابدين، رحمه الله، المتوفى ١٢٥٢ هـ، مكتبه عثمانية، كوتله.

٢٠٦- المحلى، علامه أبو محمد علي أحمد بن سعيد بن حزم، رحمه الله تعالى،

متوفى ٤٥٦ هـ، الكتب التجاري، بيروت / دار الكتب العلمية، بيروت.

٢٠٧- المدونة الكبرى، الإمام مالك بن أنس، رحمه الله، المتوفى ١٧٩ هـ، دار

صادر، بيروت.

٢٠٨- مرقاة المفاتيح (شرح مشكاة المصابيح)، علامه نور الدين علي بن سلطان

القاري، رحمه الله تعالى، متوفى ١٠١٤هـ، مكتبه إمداديه، ملتان، ودار الكتب العلمية، بيروت.

٢٠٩- المستدرك على الصحيحين، حافظ أبو عبد الله محمد بن عبد الله الحاكم

النيسابوري، رحمه الله تعالى، متوفى ٤٠٥هـ، دار الفكر، بيروت.

٢١٠- مسند أبي داود الطيالسي، الإمام المحدث سليمان بن داود بن الجارود،

رحمه الله، المتوفى ٢٠٤هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٢٥هـ.

٢١١- مسند أبي يعلى الموصلي، الإمام شيخ الإسلام أبو يعلى أحمد بن علي

الموصلي، رحمه الله، المتوفى ٣٠٧هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤١٨هـ.

٢١٢- مسند أحمد، إمام أحمد بن حنبل، رحمه الله تعالى، متوفى ٢٤١هـ، المكتب

الإسلامي، دار صادر، بيروت.

٢١٣- مسند إسحاق بن راهويه، الإمام إسحاق بن إبراهيم بن مخلد بن راهويه

الحنظلي، رحمه الله، المتوفى ٢٣٨هـ، مكتبة الإيمان، المدينة المنورة، الطبعة الأولى، ١٤١٢هـ.

٢١٤- مسند البزار (البحر الزخار)، الإمام أبو بكر أحمد بن عمرو بن عبد الخالق

البزار، رحمه الله، المتوفى ٢٩٢هـ، مؤسسة علوم القرآن، مكتبة العلوم والحكم، بيروت،

والمدينة المنورة، ١٤٠٩هـ، الطبعة الأولى.

٢١٥- مسند الحميدي، إمام أبو بكر عبد الله بن الزبير الحميدي، رحمه الله تعالى،

متوفى ٢١٩هـ، المكتبة السلفية، مدينة منوره.

٢١٦- المسوى مع المصنف، الإمام ولي الله الدهلوي، رحمه الله، المتوفى ١١٧٦هـ،

كتب خانه رحيميه، دهلي.

٢١٧- مشارق الأنوار على صحاح الآثار، القاضي أبو الفضل عياض بن موسى بن

عياض اليحصبي البستي المالكي، رحمه الله، المتوفى ٥٤٤هـ، دار التراث.

- ٢١٨- مشكاة المصابيح، شيخ أبو عبد الله ولي الدين خطيب محمد بن عبد الله، رحمه الله تعالى، متوفى ٧٣٧هـ، كے بعد، قديمي.
- ٢١٩- المصنف لابن أبي شيبة، حافظ عبد الله بن محمد بن أبي شيبة المعروف بأبي بكر بن أبي شيبة، رحمه الله تعالى، متوفى ٢٣٥هـ، بتحقيق الشيخ محمد عوامة، حفظه الله، دار قرطبة، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٢٧هـ.
- ٢٢٠- المصنف لعبد الرزاق، الإمام عبد الرزاق بن همام صنعاني، رحمه الله تعالى، متوفى ٢١١هـ، مجلس علمي، كراچی، ودار الكتب العلمية، بيروت.
- ٢٢١- المطالب العالیة بزوائد المسانید الثمانية، الحافظ ابن حجر العسقلاني، رحمه الله، المتوفى ٨٥٢هـ، دار الباز، مكة المكرمة.
- ٢٢٢- معالم السنن، الإمام أبو سليمان حمد بن محمد الخطابي، رحمه الله تعالى، المتوفى ٣٨٨هـ، مطبعة أنصار السنة المحمدية، ١٩٤٨م/١٣٦٧هـ.
- ٢٢٣- المعجم الأوسط، الإمام أبو القاسم سليمان بن أحمد الطبراني، رحمه الله، المتوفى ٣٦٠هـ، دار الحرمين، القاهرة، ١٤١٥هـ.
- ٢٢٤- معجم البلدان، علامه أبو عبد الله ياقوت حموي رومي، رحمه الله تعالى، متوفى ٦٢٦هـ، دار إحياء التراث العربي، بيروت.
- ٢٢٥- معجم الصحابة، الإمام الحافظ أبو الحسين عبد الباقي بن قانع البغدادي، رحمه الله تعالى، المتوفى ٣٥١هـ، مكتبة نزار مصطفى الباز، مكة المكرمة، الرياض، الطبعة الأولى، ١٤١٨هـ.
- ٢٢٦- المعجم الكبير، إمام سليمان بن أحمد بن أيوب الطبراني، رحمه الله تعالى، متوفى ٣٦٠هـ، دار الفكر، بيروت.
- ٢٢٧- المعجم الفهرس لألفاظ الحديث النبوي، أ-وي-منسك، وي-پ-منسك، مطبعة بريلي في مدينة ليدن ١٩٦٥م.

- ٢٢٨- معجم مقاييس اللغة، إمام أحمد بن فارس بن زكريا قزويني رازي، رحمه الله تعالى، متوفى ٣٩٥هـ، دار الفكر، بيروت.
- ٢٢٩- المعجم الوسيط، دكتور إبراهيم أنس، دكتور عبدالحليم منتصر، عطية الصوالحي، محمد خلف الله أحمد، مجمع اللغة العربية، دمشق.
- ٢٣٠- المعرفة والتاريخ، أبو يوسف يعقوب بن سفيان الفسوي الفارسي، رحمه الله، المتوفى ٢٧٧هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، ١٤١٩هـ.
- ٢٣١- معرفة السنن والآثار، الإمام أبو أحمد بن الحسين البيهقي، رحمه الله، المتوفى ٤٥٨هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، ١٤٢٢هـ.
- ٢٣٢- معرفة الصحابة، الإمام الحافظ أبو نعيم أحمد بن عبد الله الأصبهاني، رحمه الله تعالى، المتوفى ٤٣٠هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٢٢هـ.
- ☆- مغازي الواقدي (انظر كتاب المغازي).
- ٢٣٣- المغرب، أبو الفتح ناصر الدين مطرزي، رحمه الله تعالى، المتوفى ٦١٠هـ، إدارة دعوة الإسلام، كراتشي.
- ٢٣٤- المغني، إمام موفق الدين أبو محمد عبد الله بن أحمد بن قدامة، رحمه الله تعالى، متوفى ٦٢٠هـ، دار الفكر، بيروت.
- ☆- مفاتيح الغيب (انظر التفسير الكبير).
- ٢٣٥- المفردات في غريب القرآن، العلامة حسين بن محمد المعروف بالراغب الأصفهاني، رحمه الله، المتوفى ٥٠٢هـ، قديمي كتب خانة، كراتشي.
- ٢٣٦- المفهم لما أشكل من تلخيص كتاب مسلم، الإمام أبو العباس أحمد بن عمر بن إبراهيم القرطبي، رحمه الله، المتوفى ٦٥٦هـ.
- ☆- مقدمة فتح الباري، (ديكهنه، هدي الساري).
- ٢٣٧- مكمل إكمال الإكمال، الإمام أبو عبد الله محمد بن محمد بن يوسف،

- السنوسي، رحمه الله تعالى، المتوفى ١٨٩٥ هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.
- ٢٣٨- المنتظم في تاريخ الملوك والأمم، الإمام أبو الفرج عبد الرحمن بن علي بن محمد ابن الجوزي، رحمه الله، المتوفى ٥٩٧ هـ، دار صادر، بيروت، ١٣٥٨ هـ، الطبعة الأولى.
- ٢٣٩- المنتقى شرح المؤطا، القاضي أبو الوليد سليمان بن خلف الباجي، رحمه الله، المتوفى ٤٩٤ هـ، دار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٢٠ هـ.
- ٢٤٠- منهاج السنة النبوية، الإمام الهمام أبو العباس أحمد ابن تيمية الحراني، رحمه الله، المتوفى ٧٢٨ هـ، مؤسسة قرطبة، ١٤٠٦ هـ، الطبعة الأولى.
- ٢٤١- موارد الزمان إلى زوائد ابن حبان، الإمام أبو الحسن علي بن أبي بكر الهيثمي، رحمه الله، المتوفى ٨٠٧ هـ، دار الكتب العلمية، بيروت.
- ٢٤٢- المواهب اللدنية المطبوع مع الشمائل المحمدية، الإمام الشيخ إبراهيم بن محمد بن أحمد الشافعي البيجوري، رحمه الله تعالى، المتوفى ١٢٧٧ هـ، فاروقى كتب خانة، ملتان.
- ٢٤٣- الموضوعات، الإمام أبو الفرج عبد الرحمن ابن الجوزي، رحمه الله تعالى، المتوفى ٥٩٧ هـ، قرآن محل، اردو بازار كراچی، ودار الكتب العلمية، بيروت، الطبعة الثانية، ١٤٢٤ هـ.
- ٢٤٤- موسوعة الإمام الشافعي (كتاب الأم)، الإمام المحدث الفقيه محمد بن إدريس الشافعي، رحمه الله، المتوفى ٢٠٤ هـ، دار قتيبة، الطبعة الثانية، ١٤٢٤ هـ.
- ٢٤٥- ميزان الاعتدال في نقد الرجال، حافظ شمس الدين محمد أحمد بن عثمان ذهبي، رحمه الله تعالى، متوفى ٧٤٨ هـ، دار إحياء الكتب العربية، مصر، ١٣٨٢ هـ.
- ٢٤٦- نسيم الرياض في شرح شفاء القاضي عياض، الإمام شهاب الدين أحمد بن محمد بن عمر الخفاجي، رحمه الله، المتوفى ١٠٦٩ هـ، دار الكتب العلمية بيروت، الطبعة الأولى، ١٤٢١ هـ.
- ٢٤٧- نصب الراية في تخريج أحاديث الهداية، الحافظ جمال الدين عبد الله بن يوسف الزيلعي رحمه الله، المتوفى ٧٦٢ هـ، مؤسسة الريان، بيروت / دار القبلة للثقافة

الإسلامية، جدة، الطبعة الأولى، ١٤١٨ هـ.

٢٤٨- النكت الظراف على الأطراف، الإمام الحافظ أحمد بن علي بن حجر

العسقلاني، رحمه الله تعالى، متوفى ٨٥٢ هـ، المكتب الإسلامي، بيروت.

٢٤٩- النهاية في غريب الحديث والأثر، علامه مجد الدين أبو السعادات المبارك بن

محمد ابن الأثير، رحمه الله تعالى، متوفى ٦٠٦ هـ، دار إحياء التراث العربي، بيروت.

٢٥٠- الوابل الصيب في الكلم الطيب، أبو عبد الله محمد بن أبي بكر النزرعي

الدمشقي، المعروف بابن القيم، رحمه الله، المتوفى ٧٥١ هـ، دار الكتاب العربي، بيروت،

الطبعة الأولى، ١٤٠٥ هـ.

٢٥١- وفيات الأعيان، قاضي شمس الدين أحمد بن محمد المعروف بابن خلكان،

رحمه الله تعالى، متوفى ٦٨١ هـ، دار صادر، بيروت.

٢٥٢- الهداية، برهان الدين أبو الحسن علي بن أبي بكر المرغيناني، رحمه الله

تعالى، متوفى ٥٩٣ هـ، مكتبه شركت علميه، ملتان، ومكتبة البشري، كراتشي، الطبعة الأولى،

١٤٢٨ هـ.

٢٥٣- هدى الساري (مقدمة فتح الباري)، حافظ ابن حجر عسقلاني، رحمه الله

تعالى، متوفى ٥٩٣ هـ، دار السلام، الرياض، الطبعة الأولى، ١٤٢١ هـ.

